U'13974 16-12-97.

Title - TAZKIRA KHANDAN ZUBERI KANBAVI

Creator - Hussain Ahmad Zuberi.

Publisher - Matabug Muslim University (Aligarh).

Date - 1950

Pages - 408,12

Subject - Tazkira - Khandan Zuberi Kanbavi; Tareekh Iqwaam - Kanbawah.

وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا

ہم نے تمہیں خاندانوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ آپس میں پہچانے جاؤ (قرآن پاک)

سلسلۂ زبیریہ

خاندانِ زبیری کنبوہ

جلد اول

یعنی

مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کی تحقیقات کا تجزیہ

مؤلفہ

جناب مولوی حسین احمد صاحب زبیری کنبوہ مارہروی ثم المیرٹھی

سنہ ۱۳۶۹ ہجری — سنہ ۱۹۵۰ عیسوی
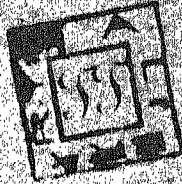
مطبوعہ مسلم یونیورسٹی پریس علیگڑھ

طبع اول ۵۰۰ جلد

قیمت فی جلد دس روپیہ علاوہ محصول ڈاک

تعلموا من انسابکم ما تصلون به ارحامکم

اپنے نسب سے واقفیت حاصل کرو تاکہ اس کے ذریعہ صلہ رحمی کر سکو (حدیث شریف)

سلسلۂ زبیریہ

خاندان زبیری کنبوی

جلد اوّل

یعنی

مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کی تحقیقات کا تجزیہ

مؤلفہ

جناب مولوی حسین احمد صاحب زبیری کنبوی مارہروی ثم المیرٹھی

۱۳۶۹ ہجری

۱۹۵۰ عیسوی

مطبوعہ مسلم یونیورسٹی پریس علیگڈھ

طبع اوّل ۵۰۰ جلد

قیمت فی جلد دس روپیہ علاوہ محصول ڈاک

فہرس الفہرست

نذرِ عقیدت

میں نہایت ادب اور احترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اس کتاب کو خاندان کے کوائف و سوانح نگار بزرگوں "(۱) حضرت مخدوم شیخ جمالی مؤلف سیر العارفین" (۲) حضرت احمد خاں اکبرشاہی مؤلف معدن اخبار احمدی اور شجرۂ سہروردیہ" (۳) مؤلف صاحب رسالہ نواب شہباز خاں اکبری" (۴) افلاطونِ زماں حکیم عنایت حسین صاحب مارہروی مؤلف سلسلۂ عالیہ" (۵) نواب مبارک علی خاں میرٹھی مؤلف رسالہ مبارک" (۶) حکیم منشی فیض احمد صاحب مؤلف المشاہیر" کے اسمائے گرامی سے منسوب کرتا ہوں جنہوں نے اہلِ خاندان کو اُن کے بزرگوں کے بھولے بسرے حالات و کارنامے سنا کر اُن میں جوشِ عمل پیدا کیا۔ یہ بزرگ ترین ہستیاں ہم میں موجود نہیں ہیں لیکن اُن کے یہ علمی کارنامے ہمیشہ سدا بہار رہیں گے۔ "یہ انہیں بزرگانِ پاک باطن کا فیضِ روحانی ہے کہ ہماری یہ سعی مشکور ہوئی"

حسین احمد زبیری
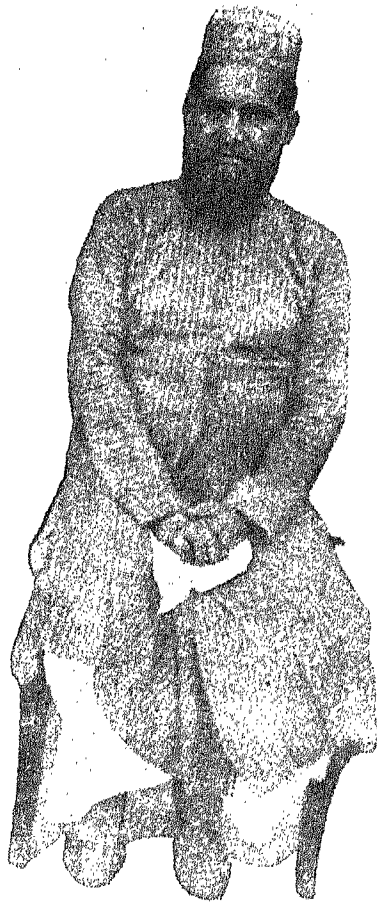
منشی حکیم فیض احمد صاحب مؤلف المشاہیر

فہرست

مضامین تعارف

حسین احمد مؤلف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف مؤلف کتاب ہذا

قدیم کتابوں میں اس بات کی کمی کو اکثر محسوس کیا جاتا ہے کہ مصنف یا مؤلف یا مورخ دنیا کے معاملات۔ حالات اور لوگوں کے تذکروں سے تو اپنی کتاب کو پوری معلومات سے پُر کر دیتا ہے لیکن جب صاحبِ کتاب کے حالات کی جستجو کی جاتی ہے تو خود اس کی کتاب اس کے حالات سے بالکل خالی ہوتی ہے۔ کبھی کسی کتاب میں تلاش و جستجو سے کچھ پتہ چل جاتا ہے ورنہ اس کا بھی پتہ نہیں چلتا کہ مؤلف و مصنف کے باپ دادا کون تھے۔ اور خود اس کے کیا حالات ہیں اس کی بڑی اچھی مثال صاحبِ "عملِ صالح" کی ہے۔ عملِ صالح شاہجہاں کے حالات میں ایک بڑی مستند اور اعلیٰ پایہ کتاب ہے لیکن کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ خود صاحبِ کتاب کے حالات و تذکرہ سے بالکل معرّا ہے۔ مورخین نے جب اس کے حالات پر قلم اٹھایا تو انہیں اس میں ناکامیابی ہوئی۔

اس صورت کے پیشِ نظر ہمارے دل میں خیال گذرا کہ اس کتاب کے مؤلف مولوی حسین احمد صاحب زبیری جو ہمارے حقیقی بڑے بھائی ہیں۔ ان کی زندگی کے مختلف ادوار کو پیش کر کے ان کا تعارف کرا دیا جائے جس سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ مؤلف ہذا کے حالات کی روشنی میں ان کے اصلی خد و خال اور کیرکٹر کو سامنے رکھتے ہوئے ان کی تحریر اور اس کے مقاصد کو پوری طرح سمجھنے میں آسانی ہو جائے گی۔

آپ کا تعلق ایک ایسے خاندان سے ہے جو ملتان۔ دہلی۔ اور مارہرہ میں مسندِ علم و فضل پر آفتاب بنکر چمکا اور سب کی آنکھوں کو خیرہ کر گیا۔ مارہرہ میں آپ کا گھر بڑا گھر کہلاتا تھا فیصلوں کے لئے معاملات اسی گھر کے بزرگوں کے سامنے پیش کئے جاتے تھے جنہیں وہ اس طرح فیصل فرما دیتے تھے کہ کسی فریق کو کوئی وجہ شکایت باقی نہیں رہتی تھی۔ اس گھر کی دادھیال محمد خانی کہلاتی ہے۔ محمد خاں ابن محمد سعید خاں شہید ابن محمود خاں ابن شیخ جنید المعروف بہ عمر خاں ابن شیخ رکن الدین عرف شیخ بدھ حاکمانِ کول ابن شیخ یحییٰ عبد السلام المعروف بہ شیخ اچھن ابن حضرت مخدوم شیخ اسحٰق قدس سرہ العزیز برادر حقیقی حضرت مخدوم شیخ بہاؤ الدین قدس سرہ العزیز ابن خواجہ فخر الدین ملتانی (رح) ایک اعلیٰ پایہ امیر اور صاحبِ عزّ و جاہ تھے۔ ان کی شادی دہلی میں اپنے اہلِ خاندان میں نواب دلدار خاں کی بہن سے ہوئی تھی۔

ان کے پوتے فضیلت مآب حقائق آگاہ مولوی حافظ خلیفہ محمد نصر اللہ قدس سرہ العزیز ایک ہمہ داں عالم و فاضل ہونے کے علاوہ تزکیۂ نفس اہتمام شریعت و حفظ اسرارِ طریقت میں فردِ کامل تھے۔ پچاس برس کامل تشنگانِ علم کو اپنے فیض و کرم سے سیراب کیا عربی فارسی میں شعر بھی کہتے تھے اور نہایت زود نگار تھے۔ تقریباً تین سو جلدیں ہر علم میں آپ کے قلم کی لکھی ہوئی کتب خانہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ میں موجود تھیں۔ اور ان کا تعلق اہلِ مارہرہ سے [illegible] تھا حضرت سید شاہ آلِ محمد مارہروی سے شرفِ بیعت حاصل۔ اور سلطان المحبوبین حضرت سید شاہ حمزہ کے یارانِ خاص میں سے تھے۔

آپ ایک متبحر عالم تھے۔ ایک زمانہ نے آپ سے فیض حاصل کیا۔ چنانچہ قدوۃ العارفین سید شاہ آلِ احمد عرف حضرت اچھے صاحب زبدۃ العاملین حضرت سید شاہ حقانی (رح) اور زبدۃ المشائخ حضرت سید آلِ برکات عرف حضرت ستھرے میاں (رح) جیسے اکابرین و فاضلین کو علوم ظاہری میں آپ سے ہی شرفِ شاگردی حاصل رہا۔ حضرت سید شاہ حمزہ صاحب (رح) کا یہ ارشاد کہ "مولوی صاحب کے ساتھ لطف نماز جاتا رہا" آپ کے مدارجِ عالیہ کی غمازی کرتا ہے۔ مارہرہ میں انتقال فرمایا۔

آپ کے پوتے جالینوسِ زماں حکیم عنایت حسین صاحب (رح) ابن شیخ فتح اللہ (رح) بڑے صاحبِ استعداد اور کاملِ فن بزرگ تھے۔

آپ کو حقایق تصوف، جفر و تکسیر پر بھی عبور حاصل تھا۔ طب کے فنِ شریف سے آپ کو خاص لگاؤ تھا۔ بلکہ آپ اس کے امام تھے۔ اس میں آپ نے بڑی شہرت پائی۔ اور آپ کے دستِ شفا سے ہزاروں اشخاص صحت یاب ہوئے۔

شعر و سخن کا بھی بڑا ستھرا ذوق تھا آپ کے کلام میں زور اور شگفتگی بیحد تھی۔ مجموعہ نظم آپ کا تلف ہوگیا۔ تاریخ سے بھی آپ کو خاص دلچسپی تھی اپنی گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود کتب بینی کا بھی آپ کو بڑا شوق تھا۔ اور تصنیف و تالیف کے لئے بھی وقت نکال ہی لیتے تھے۔

چنانچہ فنِ تاریخ میں آپ نے تین کتابیں لکھیں:۔

(۱) **کاشف الاخبار**:۔ یہ ایک جامع اور ہمہ گیر تاریخ ہے۔ غیر مطبوعہ۔

(۲) **آثارِ احمدی**:۔ خاندانِ برکاتیہ مارہرہ کے بزرگوں کا نادر تذکرہ ہے۔ غیر مطبوعہ۔

(۳) **سلسلۂ عالیہ**:۔ زبیری کنبوی خاندان مقیم مارہرہ کے حالات میں جامع کتاب ہے۔ طبع ہو چکی ہے۔

فنِ طب جس کے آپ امام تھے۔ نظری و عملی طب میں آپ نے ایک نہایت جامع مبسوط کتاب دو جلدوں میں لکھی ہے "**ریاضِ احمدی**" اس کا نام ہے

حکیم صاحب ایک روشن دماغ۔ عالی خیال علم دوست و جامع فنون۔ باوقار۔ عابد متقی۔ شب بیدار۔ ذکر و شاغل اور معظم و محترم بزرگ تھے حضرت **اچھے صاحب**ؒ سے شرفِ بیعت حاصل تھا۔ اور پیر و مرشد کی جو آپ کے جدِ مکرم کے شاگرد بھی تھے۔ آپ پر خاص نظر تھی۔

حضرت سید صاحب عالم صاحبؒ **مارہروی** نے تاریخ وفات کہی تھی ع

"رفتہ بقراط دہر زاد یلاہ"

حکیم امداد حسین صاحب، حکیم عنایت حسین صاحب کے صاحبزادے بھی بڑے نامی گرامی اور حاذق طبیب اور اپنے مشہور باپ کے نامور بیٹے تھے علم طب اپنے قابل پدر بزرگوار سے حاصل کیا تھا۔ نہایت وجیہہ۔ قد آور۔ خوبصورت اور خوب سیرت تھے۔ طاقت بڑی زبردست تھی۔ قدرت سخن سنجی و قوت معانی آفرینی اور حسن کلام غضب کا تھا۔ امراء۔ علماء۔ اطباء۔ فقراء۔ مشائخ۔ غرض ہر قسم کی صحبتوں میں سربرآوردہ رہتے تھے۔

اوائل عمر میں تحصیلدار رہے۔ یہ عہدہ اس زمانہ میں ہندوستانیوں کے لئے معراج تھا۔ پھر ایک مدت تک راناے اودے پور کے طبیب خاص رہے۔ بعد ازاں نواب جعفری بیگم صاحبہ رئیسہ شمس آباد ضلع فرخ آباد۔ دختر نیک اختر نواب فضل علی خاں صاحب دہلوی وزیر شاہ اودھ کی ریاست سے تعلق رہا طبیعت چونکہ آزاد تھی ان سب جھگڑوں کو خیرباد کہکر طبابت کے فیض کو عام کیا۔ آپ کی حذاقت کے چرچے رہے۔ اب بھی بڑے بوڑھوں سے واقعات سننے میں آجاتے ہیں جب کبھی آپ کے جلسہ میں حکیم علوی خاں کا تذکرہ آجاتا تو آپ فرماتے کہ "علوی خاں تو اب بھی ہیں مگر افسوس محمد شاہ نہیں۔ آپ کو ہر فن میں دستگاہِ کامل حاصل تھا۔

طبابت کے علاوہ آپ قلم کے بھی بڑے دھنی تھے۔ بڑی بڑی ضخیم کتابیں مثل ترجمہ کلام مجید اردو مولوی عبدالقادر صاحبؒ دہلوی "تحفۂ اثنا عشری" از مولوی شاہ عبدالعزیز صاحبؒ دہلوی وغیرہ وغیرہ آپ کے قلم کی نقل کردہ اب تک موجود ہیں۔ اور آپ نے اپنے والد مرحوم و مغفور کی تصنیف "ریاضِ احمدی" کی تکمیل فرما کر اپنے قلم سے اس کتاب کی دونوں جلدوں کو لکھا۔

آپ کی تصانیف میں حسب ذیل تین کتابیں ہیں:۔

(۱) "**میلاد شریف**"

(۲) "رسالہ منظومہ توضیح القرآن"

(۳) "اوراد و وظائف احمدی" ایک ضخیم کتاب ہے جس کا موضوع نام کتاب سے ظاہر ہے۔ خاندان برکاتیہ کے اہم وظائف ہیں جو حکیم صاحب کو بخانۂ پیر و مرشد عطا فرمائے گئے تھے۔

(۴) "رسالہ نبض و قارورہ" نظم و نثر

(۵) "انوار النقائش و لغت"

حکیم صاحب کو ان کے والد بزرگوار نے اوائل عمری میں حضرت اچھے صاحبؒ سے بیعت کرا دیا تھا جن کا ان پر ایک لطف خاص تھا۔

آپ نے تمام زندگی بڑے تجمل و حشم کے ساتھ بسر کی حضرت سید شاہ صاحب عالم مارہروی اور چودھری عبدالغفور سرور مارہروی نے بڑے دردناک قطعات تاریخ وفات لکھے ہیں جن میں اول الذکر بزرگ نے مرثیہ میں اٹھاون شعر لکھے تھے جس کا پہلا شعر ہے

دریغا ز نیرنگیٔ آسماں — دریغا ز بیداد دور زماں

اور آخری تاریخ کا شعر — ز رضوان شنیدیم تاریخ او — گلے نو بیامد بباغ جناں ۔ ۱۲۹۳ھ

اور ثانی الذکر کے مرثیہ کے آخر میں تاریخ اس شعر سے نکالی ہے؛ ؎

سنہ عیسوی گفت کلک سرور — کہ در جنت از دہر تیمار رفت

آپ کے پانچ فرزندوں میں سے حکیم الطاف احمد صاحب حکیم دلدار احمد صاحب اور حکیم احمد سعید صاحب بڑے حاذق طبیب ہوئے حکیم احمد سعید صاحب کے صاحبزادے حکیم محمد ابو صالح صاحب بڑے سلیقہ شعار پر قیافہ خوش فہم خوش تقریر اور علم طب میں نکتہ رس اور دقیق بیں تھے معالجہ میں ان کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ اس فن شریف میں ان کی طبیعت اور فکر بڑی رسا تھی۔ ان کے صاحبزادے حکیم محمد اصلح صاحب بھی ایک اچھے اور موزوں طبع طبیب تھے۔ رسالہ "چیچک" آپ سے یادگار ہے۔ لاہور میں طبع ہو چکا ہے۔ ان کے صاحبزادے محمد زبیر صاحب سلٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی میں اسسٹنٹ لائبریرین ہیں۔

حکیم دلدار احمد صاحب فرزند دوم حکیم امداد حسین صاحب۔ اپنے باپ اور دادا کے حقیقی جانشین تھے۔ آپ طبیب عدیم النظیر اور معالج روشن ضمیر تھے خلقت کو بھی اس فن خاص میں ان پر نہایت اعتماد تھا۔ دینی و دنیاوی ہر کام میں فکر صائب اور ذہن رسا پایا تھا۔ آپ کی قانونی سوجھ بوجھ اور معاملہ فہمی ضرب المثل تھی۔ آپ کی دیانت۔ صداقت اور نکتہ رسی پر اپنوں اور غیروں کو ایسا بھروسہ تھا کہ صاحب معاملہ بڑے بڑے پیچیدہ معاملات میں آپ ہی کو حکم بناتے اور آپ کی تجویز اور فیصلہ کو بخوشی و خرمی قبول کرتے اور آپ کی معاملہ فہمی کی وجہ سے لوگ کشمکش عدالت اور مصارف بے جا سے بچ جاتے تھے۔

اگرچہ آپ پر مریضوں کا ہجوم اور اہل حاجت کی کثرت رہتی مگر باوجود اس کے مطالعہ اور کتب بینی کا از حد شوق تھا۔ دست و قلم بے تکان تھا بڑی بڑی ضخیم کتابوں کو بہت جلد لکھ لیتے۔ آپ کی تحریر بہت سلیس و متین ہوتی تھی قلم برداشتہ فارسی میں لکھتے تھے۔ چنانچہ آپ کے بڑے صاحبزادے مولوی فیض احمد صاحب نے تھوڑے خطوط کو جمع کر کے "انشاء فیض احمدی" نام رکھا ہے۔ فن طب میں آپ کی تصانیف گلزار احمدی اور گلشن احمدی یادگار ہیں۔

قومی و ملکی کاموں میں بھی شریک رہتے تھے۔ چنانچہ جنگ روم و روس میں ایک معتد بہ رقم اپنی ذات خاص اور چندہ سے جمع کر کے روانہ کی تھی۔ نہر زبیدہ کی مرمت کے چندہ میں بھی معقول رقم روانہ فرمائی تھی۔ آپ کے سانحۂ وفات پر مولوی اکرام الدین حسین خاں صاحب زبیری مارہروی نے جو اس زمانہ میں منصف تھے۔ تاثرات سے پُر تاریخ کہی ہے ؎

ہوئی رحلت حکیم با خدا کی — کہ جس سے ہو گیا مارہرہ خالی
بڑے عالی منش اور متقی نے — یکایک کر دیا مارہرہ خالی
ہماری قوم کا ذکر بار ہے یہ — کہ نیکوں سے ہوا مارہرہ خالی
تاسف ہے کہ خاصانِ خدا سے — بسی جنت ہوا مارہرہ خالی
ہے بیماری کی کثرت ہائے افسوس — طبیبوں نے کیا مارہرہ خالی

ہوئی تاریخ بھی از دُو ئے بیاد
عمائد سے ہوا مارہرہ خالی

حکیم دلدار احمد صاحب کے دو صاحبزادوں میں چھوٹے حکیم ابو سعید احمد عارف صاحب صابری چشتی ایک برگزیدہ بزرگ گذرے ہیں۔
تمام عمر تزکیۂ نفس میں گذری طب میں طبیعت رسا تھی۔ زود قلم بلا کے تھے۔ مطالعہ وسیع تھا ضخیم جلدیں آپ کے قلم کی موجود ہیں تصوف میں ایک سالہ "مصباح الحق" طبع ہو چکا ہے۔ تمام عمر اللہ کی یاد میں گذار دی پیر و مرشد نے عارف کے لقب سے ملقب کیا تھا۔ آپ کے دو صاحبزادے محی الدین محمد عرف محمد میاں اور شمس الدین محمود عرف محمود میاں بفضلہٖ تعالیٰ موجود ہیں۔ اول الذکر متعدد زبانوں سے واقف ہیں غیر ممالک کی کافی سیر و سیاحت کی ہے۔ ثانی الذکر نے اپنے محترم باپ سے طب پڑھی۔ اور ایک ذاکر و شاغل انسان ہیں۔

حکیم دلدار احمد صاحب کے بڑے صاحبزادے مولوی فیض احمد صاحب اپنے اجداد اور سلف صالحین کے ایک عمدہ نمونہ تھے۔ آپ بڑے متین۔ فطین۔ محنتی۔ جفاکش۔ دیانت دار اور سلیقہ شعار بزرگ تھے۔

جنرل عظیم الدین خاں وزیر مختار ریاست رامپور کے ساتھ آپ کا جو واقعہ پیش آیا تھا۔ اور جسے اس کتاب میں آپ کے حالات میں نظم میں پیش کیا ہے "اس سے اگر ایک طرف جنرل موصوف محو حیرت ہوئے تو دوسری جانب اس سے آپ کی بلند ہمتی۔ استغنا۔ شرافت نفس ہمت اور غیرت کا اظہار ہوتا ہے۔

آپ ایک اعلیٰ پایہ کے انشاپرداز تھے۔ زود قلم اور شیریں رقم بلا کے تھے۔ آپ کی تحریر میں بڑی شگفتگی اور متانت تھی۔ بقول محترمی مولوی بشیر الدین صاحب ایڈیٹر اخبار البشیر اٹاوہ و مینجر اسلامیہ انٹر کالج اٹاوہ غالب کی طرز میں ان سے بہتر لکھنے والا کوئی نظر سے نہیں گذرا۔

(۱) ۱۳ر جنوری ۱۸۸۷ء کو مولوی بشیر الدین صاحب نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ۔

"بخدا میں سچے دل سے لکھتا ہوں کہ میں آپ کی تحریر کو بہت غور سے دیکھتا ہوں۔ آج کل کے لوگوں میں آپ جیسے لکھنے والے بالکل نہیں پاتا۔ گو آزاد (شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد دہلوی) وغیرہ دو ایک ہوں تو وہ کس گنتی میں۔ اور یہ بات تو ان میں بھی نہ ہوگی کہ سرسری طور پر ایک کارڈ لکھیں اور ناظرین کا دل کلیجہ سے نکال لیں۔ اگر آپ کے سب خطوط ہاتھ آجاویں تو میں انہیں کتاب کے طور پر طبع کرادوں اور پبلک کو دکھادوں کہ گو زمانہ نہیں رہا۔ قدردان اٹھ گئے۔ تاہم ایسے لوگ موجود ہیں جو ہر طرح غالب کے ہم پلہ ہیں۔ خدا کے لئے اگر آپ اپنے خطوط فراہم کرسکیں تو میرے پاس بھیجدیں تاکہ وہ طبع کرادیئے جائیں۔ یہ دوسری کتاب ہمارے یہاں اردو ہوجاوے گی"

(۲) اور ۴ر ستمبر ۱۸۸۸ء کے خط میں لکھا ہے کہ۔

"اب مجھے ضروری ہے کہ میں آپ کی اعلیٰ انشاپردازی کی مدح کروں۔ لیکن میرے پاس الفاظ کا ذخیرہ چونکہ کم ہے لہذا افسوس ہے کہ اس کی نسبت بجز اس کے زیادہ کیا لکھوں کہ بخدا آپ کے خط میں غالب کی تحریر کا لطف آگیا۔ اور نہ اجھوٹ نہ بلا سے تو کوئی دس بارہ دفعہ خط پڑھا اور ہر دفعہ تازہ لطف آیا۔ یہ بات میں کچھ ظاہری دنیا سازی کے طور پر نہیں کہتا بلکہ واقعی بات ہے۔ میرا تو یہاں تک ارادہ تھا کہ اس خط کو اخبار میں چھاپ دوں۔ اور پبلک کو دکھادوں کہ غالب کے مثل اس وقت بھی لوگ موجود ہیں۔ مگر اس خیال سے کہ شاید آپ کے خلاف طبع ہو اس ارادے کو ملتوی رکھا۔ لیکن اب زبردستی طبع چاہتا ہوں۔ فارسی انشاپردازی میں بھی اس وقت آپ فخر روزگار ہیں"

مطالب کی ادائیگی، اور الفاظ کی نشست و برخاست آپ کا جوہر تھا۔ آپ کے دیباچہ "المشاہیر" کے ایک ٹکڑے سے بھی آپ کی گرمیٔ تحریر کا اندازہ ہوتا ہے۔

ہم اِن نقشوں کو جانتے ہیں۔ بزرگانِ سلف کے واقعات میں وہ بات جو سب سے نرالی معلوم ہوتی ہے۔ یہ ہے کہ دُنیاوی جاہ و منصب اور دولت کے اُس پایہ رفیع پر پہونچکر بھی وہ سیدھے۔ سچے اور پکے مسلمان نظر آتے تھے۔ دائرہ سنت و اتباعِ شریعت سے اُن کا قدم باہر نہ ہوتا تھا دولت و حکمت۔ جو آج باعث پندار و نخوت و موجب صدہا عیوب و منزلت کبھی جاتی ہے۔ اُن میں بے اعتدالی پیدا نہ کرتی تھی۔ اُن کی عادتیں ستھری۔ اخلاق پاکیزہ تھے۔ پھر اس کا کوئی سبب بھی۔ اس کا سبب تھا۔ اکتسابِ فضائل و ترک رذائل۔ وہ علم و حکمت کے شائق تھے۔ ہمت۔ استقلال۔ عزم۔ ارادہ۔ صبر۔ تحمل۔ حق شناسی۔ خودداری اُن کا فطری جوہر تھا۔ پہلے علم پڑھا۔ پھر دیانت۔ راست بازی۔ اخلاقِ حسنہ۔ کتاب و سنت کے موافق جزوِ ایمان ٹھہرائے۔ دولت و قبولیت اس جوہر کا عرض تھی۔ وہ کیوں نہ حاصل ہوتی اور اُن کو کیا نقصان پہونچاتی۔ دولت پاکر اُن کے اخلاق اور نکھر جاتے۔ دولت اُن کی خوبیاں چمکانے میں ایسی تھی جیسے سونے کو سہاگہ"

آپ کا سب سے بڑا علمی کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے پردادا حکیم عنایت حسین صاحب قدس سرہ العزیز کی کتاب "سلسلۂ عالیہ" کو کافی اضافوں کے ساتھ طبع کرادیا۔ اور اس طرح آپ نے خاندان زبیری کنبوہی کے سلسلۂ نسب کو اور اُن کی قومی عظمت و شان کو بڑی حد تک محفوظ کر دیا۔ اور پھر خود بھی "المشاہیر" کے نام سے ایک کتاب لکھی اور طبع کرائی۔ اس کے ذریعہ اس شہرۂ آفاق خاندان کے اکثر مشاہیر۔ نامی گرامی علماء حکماء شعراء۔ مشائخ۔ ارکین سلطنت اور قومی خدمت گذاروں کے تذکرہ سے خاندان کو اُن کے بھولے بسرے بزرگوں سے روشناس کرادیا اور یہ آپ کی ایک ایسی قومی خدمت ہے کہ کسی زمانہ میں بھی اس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکے گا۔

مولوی فیض احمد صاحب مرحوم و مغفور کی اولاد میں مولوی **حاجی محمد انوار احمد** صاحب۔ **مولوی محمد حسین احمد** صاحب مؤلف کتاب ہذا۔ **مولوی محمد حسن احمد** صاحب۔ اور یہ راقم الحروف **محمد امداد احمد** ہے۔

مولوی حاجی محمد انوار احمد صاحب مرحوم و مغفور کو بقول مؤلف "یادِ انوار" قدرت نے ایسے تابناک جوہر عطا کئے تھے کہ اگر زمانہ مساعد ہوتا تو وہ اعاظم الرجال کے زمرہ میں شامل ہو کر آسمانِ شہرت کے انجم بنتے"۔ ایسا نہ ہونے پر بھی انہوں نے مسلمانانِ ہند کی تعلیمی خدمات اپنے بل بوتے سے کہیں بڑھکر انجام دیں۔

نواب محسن الملک۔ نواب وقار الملک۔ مولانا شبلی۔ مولانا حالی۔ **حکیم محمد اجمل خاں** اور **حضرت اکبر الہ آبادی**۔ **سر علی امام** وغیرہ وغیرہ بزرگ عزت کی نظر سے آپ کو دیکھتے تھے **مولانا محمد علی**۔ **مولوی عبد الحق** بابائے اردو اور **ڈاکٹر ضیاء الدین** وغیرہ اصحاب سے بے تکلفانہ روابط تھے اور **ڈاکٹر سر راس مسعود** آپ کا بے حد احترام اور محبت کرتے تھے۔

آپ کا سب سے بڑا جوہر خودداری و خود اعتمادی اور اپنی ذات کے لئے قناعت و استغنا تھا۔ آپ کی گفتگو سحور کُن ہوتی جس موضوع پر گفتگو فرماتے معلوم ہوتا کہ بلبل چہک رہا ہے۔ طلاقتِ لسانی غضب کی تھی۔ یہی شگفتگی۔ روانی اور سلاست آپ کی تحریروں میں بھی نظر آئے گی۔ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ سے آپ کا تعلق پینتیس سال رہا۔ بقول مولوی عبد الماجد صاحب بی۔ اے۔ دریا آبادی "خوب شخص تھے۔ کانفرنس کی خدمت میں جوان سے بوڑھے ہوئے اور حق یہ ہے کہ خدمت کا حق ادا کر دیا۔ جفاکش۔ خوش بیان۔ مصلحت شناس۔ معاملہ فہم تھے۔ مخالفین کو رام کرنا انہیں کا کام تھا"۔

آپ کی تالیفات میں دو کتابیں آپ کی یادگار ہیں۔ "اوّل" "خطباتِ عالیہ" جس میں ایجوکیشنل کانفرنس کے چالیس سالہ خطبات کو تین جلدوں میں مدوّن کیا ہے۔ ہر خطبہ کے شروع میں صدر کے مختصر حالات کے ساتھ اُن کا فوٹو بھی دیا گیا ہے۔ یہ تین مجلد مسلمانانِ ہند کی چالیس سالہ قومی۔ ملکی۔ سیاسی اور سب سے زیادہ تعلیمی جد و جہد کی آئینہ دار ہیں۔ ان میں حالات کی پیش کش۔ انشاپردازی۔ عبارت کی شگفتگی۔ بیان کا تسلسل۔ حالات کا انضباط۔ سوانح زندگی کی جامعیت خود مؤلف کی وسعتِ نظر اور قابلیت کا شاہکار ہے۔

آپ کی دوسری تالیف "مرقع کانفرنس" ہے۔ اس میں کانفرنس کے پچیس سالہ اجلاسوں کی کیفیت اور تعلیم جدید کی تحریک نتائج کے مختصر تذکرہ کے بعد ہر سال کے پاس شدہ قرار دادوں کا ترتیب وار اندراج ہے۔ یہ کتاب دراصل ہماری قوم کی ذہنی و عملی قوتوں کا آئینہ ہے۔

آپ کو مارہرہ کے مارسین اسلامیہ اسکول سے بڑی دلچسپی تھی اور آخر تک اس کی ترقی میں ساعی رہے۔ کانفرنس کے صدر دفتر میں قلمی کتابوں اور نادرات کے جمع کرنے کا سہرا بھی آپ ہی کے سر ہے۔

اوائل عمر میں جب اٹاوہ میں قیام تھا تو وہاں کی سوسائٹی کے اثر سے شعر و شاعری کا ذوق پیدا ہو گیا تھا۔ اختر تخلص کرتے تھے۔ مگر قومی خدمات کی ہنگامہ آرائیوں نے اس شغل کو ترک کرا دیا تھا لیکن آخر عمر میں قلبی تاثرات کی وجہ سے پھر اس جانب توجہ مبذول ہو گئی تھی۔ چنانچہ نوحہ وفات مولانا محمد علی مرحوم میں کلیجہ چیر کر رکھ دیا ہے۔ آپ کے دونوں صاحبزادے **اقبال احمد** بی۔ اے۔ بی ٹی۔ اور **عارف احمد** بی۔ اے۔ بفضلہ تعالےٰ برسر روزگار ہیں۔

مولوی محمد حسن احمد صاحب، مولوی فیض احمد صاحب مرحوم کے تیسرے صاحبزادے ہیں۔ اٹاوہ اور علی گڈھ میں تعلیم پائی جس کی وجہ سے قومی لگن کا چسکا اوائل عمر ہی سے پیدا ہو گیا تھا۔ ان دونوں مقامات کے بزرگوں کی صحبتوں نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ مولوی **محمد بشیر الدین احمد** صاحب اور **نواب وقار الملک** بہادر مرحوم کی صحبت کا کافی موقع ملا۔ اور نواب صاحب مرحوم و مغفور کے آخری دورِ حیات میں ایک عرصہ تک آپ ان کے پرائیویٹ سیکرٹری بھی رہے۔ لکھنے پڑھنے کا بھی ستھرا ذوق ہے۔ اخبارات میں مضامین لکھے اور اکثر کتابوں کے ترجمے بھی کئے۔ ادھر قومی و ملکی خدمات میں پیش پیش رہے۔ مسلم یونیورسٹی کے چندے کے حصول میں بڑا کام انجام دیا۔ سرکاری ملازمت اور مسلسل بیماریوں نے تھکا دیا ہے مگر قومی کاموں کی کسک آپ تک موجود ہے۔ آپ کے دو صاحبزادے **حسن محمد اکمل** اور **حسن محمد شفیع** کالج و اسکول میں زیرِ تعلیم ہیں۔

راقم الحروف **محمد امداد احمد** مولوی فیض احمد صاحب کا چھوٹا لڑکا ہے مسلم یونیورسٹی علی گڈھ سے بی۔ اے اور جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن سے ڈپ ایڈ کی تعلیمی سند حاصل کی ہے۔

زمانۂ طالب علمی میں "**اصول صدقات و خیرات اسلام**" پہلا مضمون لکھنے کی وجہ سے ایک طلائی تمغہ حاصل کیا تھا۔ یہ مضمون تاج پریس حیدرآباد دکن میں چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ کھیل کود میں بھی انعامات وقتاً برابر ملتے رہے۔ کھیل میں فٹ بال سے زیادہ رغبت تھی۔ "خطبات عالیہ" جو میرے سب سے بڑے بھائی کی تالیف ہے۔ اس میں اکثر سید رہ کے حالات کا انگریزی کتب سے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔

برادرِ محترم **مولوی محمد حسین احمد** صاحب کی تالیفات کے دوران میں آپ کے کاموں میں مجھے بھی شرکت کا موقع ملا جس سے بیشتر علمی فوائد حاصل ہوئے اور انہیں کاموں کے ذوق و شوق میں "**المحبر**" تصنیف **محمد بن حبیب** المتوفی ۲۴۵ھ ہجری استاد ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ جیسی قدیم اور انمول عربی کتاب کے اردو ترجمہ کا سبب بنا۔ اس کتاب کو عربی میں دائرۃ المعارف جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن نے بعد تصحیح شائع کیا ہے۔ میرے اصرار پر ڈاکٹر **حمید اللہ** صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی پروفیسر جامعہ عثمانیہ نے اردو میں ترجمہ اس طرح کرایا کہ وہ ترجمہ بولتے جاتے اور میں لکھتا جاتا تھا۔ اس طرح پانچ سو صفحات کی اس کتاب کا ترجمہ کئی ماہ میں انجام کو پہنچ گیا۔

اسی طرح ڈاکٹر نذیر احمد صاحب دہلوی کے استاد حضرت **مولانا نصر اللہ** صاحب خویشگی نورجوی کی مشہور و معروف **تاریخ دکن** کا فارسی سے اردو میں ترجمہ اپنے عزیز دوست مولوی **محمد عقیل** صاحب فاروقی ندوی جونپوری سے کرایا۔ اور خود مؤلف کتاب اور دوسرے متعلقہ اشخاص کے حالات جمع کر کے اس کتاب میں شامل کر دیئے گئے ہیں۔ سو برس قبل کے حیدرآباد پر یہ ایک لاجواب کتاب ہے۔ یہ دونوں ترجمے میرے پاس موجود ہیں۔ زمانہ طالب علمی میں میرے اکثر رسائل میں مضامین شائع ہوتے رہتے تھے۔

کارِ سرکاری کے علاوہ کتب بینی اور اسی طرح کے علمی کاموں میں وقت گذرتا ہے۔ چنانچہ آج کل اپنے سلسلہ کے پیرانِ طریقت (صابریہ چشتیہ) کا تذکرہ ترتیب دے رہا ہوں۔

والد مرحوم کا انتقال ایسے وقت میں ہوا کہ میں شیرخوار تھا۔ اس لئے میری تعلیم و تربیت اپنی والدہ محترمہ مرحومہ اور برادر بزرگ مؤلف کتاب ہذا کی رہینِ منت ہے۔ یہ انہیں محبت بھرے بزرگوں کا فیضان ہے کہ جس نے علم و عمل کی شاہراہیں میرے لئے کھول دیں۔

مولوی محمد حسین احمد صاحب مؤلف کتاب ہذا مولوی فیض احمد صاحب مرحوم کے دوسرے صاحبزادے ہیں۔ ددھیال کا تذکرہ تو اوپر بیان ہو چکا ہے اب ننھیال کا کچھ تذکرہ کر دینا بھی مناسب ہے۔ آپ کی والدہ محترمہ کا اسمِ گرامی حبیب فاطمہ تھا۔ آپ نے اپنی اولاد کی تربیت میں بڑا اعلیٰ حصہ لیا اور بیوگی کے ایام میں تمام دشواریوں کا اس پامردی سے مقابلہ کیا جو اولاد کے لئے سونے پر سہاگہ کا کام کر گیا۔ آپ ایک نیک نفس اور صاحب کردار بی بی تھیں۔ آپ کا سلیقہ۔ آپ کا تدین۔ آپ کا رہن سہن۔ آپ کی اصابت رائے، خوش مزاجی اور خلوص مثالی رہا۔ مؤلف کتاب ہذا کے نانا منشی حکیم انوار حسین صاحب کی والدہ حکیم امداد حسین صاحب کی صاحبزادی تھیں۔ آپ کے نانا کا ددھیالی سلسلہ **محمود خاں بن عبداللہ خاں بن شیخ عبدالصمد ملتانی** کے سلسلہ سے حضرت مخدوم **شیخ سماؤ الدین زبیری سہروردی ملتانی دہلوی** پر منتہی ہوتا ہے۔

محمود خاں کے دو صاحبزادے **مدا خاں** اور **شہباز خاں** با نام ہوئے۔ اول الذکر بہ نیابت صوبہ لاہور کی خلعت سے ممتاز فرمائے گئے۔ آپ کی اولاد میں **دولت خاں** دیوان **بایزید خاں** کے ساتھ بندیل کھنڈ کے معرکہ میں شہید ہوئے۔ حافظ **نصرت خاں** نے دولت درویشی سے فیض پایا۔ **محمد معظم خاں** المشہور بہ **شاہ عبداللہ** حضرت سید **شاہ برکت اللہ** مارہروی قدس سرہ العزیز کے خلیفہ اول۔ بزرگ عہد کامل وقت۔ اور صاحب جذبۂ قومی تھے۔ عرصہ تک دہلی میں قیام رہا اور مرجع خلائق دہلی بنے رہے۔ **محمد شاہ** بادشاہ دہلی کو بھی آپ سے بڑا اعتقاد تھا۔ دہلی میں انتقال کیا۔ لاش مارہرہ لاکر پائین مزار مرشد میں دفن کی گئی۔

آپ نے جذب کی حالت میں خوب سیر کی چنانچہ دکن سے جو لڑکا آپ کے ہمراہ آیا تھا۔ وہ آپ کی نظر کیمیا اثر سے **شاہ میم** ہو کر مشہور انام ہوا۔ اور آپ کا جانشین بنا۔ نواب آصف جاہ اول اور نواب قمرالدین خاں وزیر سلطنت دہلی اور وہاں کے مشائخ **شاہ میم** کی تعظیم و تکریم کرتے۔ شاہ میم ایک اعلیٰ پایہ شاعر بھی تھے۔ میر غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنے تذکرہ "ید بیضا" میں آپ کی ابیات نقل کی ہیں "سلسلۂ عالیہ" میں بھی آپ کی ایک غزل ہے جس کا پہلا شعر ہے کہ

چہ می پرسی زمن اے دانش آرا در چہ تدبیرم — جنون تازہ پیدا کردہ آمدہ فکر زنجیرم

مدا خاں کی اولاد کا سلسلہ بفضلہ تعالیٰ موجود ہے۔

محمود خاں کے دوسرے صاحبزادے **شہباز خاں** عمدہ ملازمین شاہی میں سے تھے۔ شجاعت و مردانگی میں آپ نمود تھے۔ **جہانگیر اور شاہ جہاں** کے عہد سلطنت میں آپ نے ناموری حاصل کی چنانچہ قندھار (ضلع ناندیڑ ریاست حیدرآباد دکن) کی فتح میں نمایاں حصہ لیا۔ اور شاہ جہاں کے اوائل عہد میں سنہ ۱۰۴۰ ہجری میں اسی جنگ میں مع اپنے بھتیجے **محمد عمر خاں بن مدا خاں** کے شہادت پالی۔ اور اسی قلعہ کے دروازے پر دفن ہوئے۔

محمد ہاشم خاں المخاطب بہ **خافی خان نظام الملکی** نے اپنی مشہور کتاب "منتخب اللباب حصہ اول" شائع کردہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال طبع شدہ کالج پریس کلکتہ ۱۸۶۹ء میں صفحات ۴۵۵ تا ۴۵۹ پر قندھار کی اس جنگ کی پوری تفصیل دی ہے۔ چنانچہ ان کے متعلق لکھا ہے کہ

نصیر خاں کہ سال گذشتہ بقصد تسخیر قلعہ و قصبہ قندھار شرط سعی بجا آوردہ بسبب بعضے موانع دست برداشتہ موقوف بر سال آیندہ داشتہ بود۔ درین سال باتفاق **شہباز خاں** وغیرہ بطریق ایلغار جلوہ ریز بر قصبہ مذکور رسیدہ ......

نصیر خاں نے گذشتہ سال قلعہ اور قصبہ قندھار کی فتح کے لئے بہت کوشش کی تھی لیکن بعض رکاوٹوں کی وجہ سے ہاتھ اٹھا کر دوسرے برس پر اس کام کو موقوف رکھا تھا۔ چنانچہ **شہباز خاں** وغیرہ کے اتفاق سے بطریق ایلغار قصبۂ مذکور پر پہنچا ......

خافی خان نے اس پوری جنگ کی کیفیت شرح و بسط کے ساتھ بیان کرتے ہوئے **شہباز خاں** کی وفات پر بھی روشنی ڈالی ہے کہ

..... وبہر ساعت شعلۂ آتش فساد بلند شدن گرفت وکومک از ہر دو طرف می رسید و نائرۂ جدال وقتال افروختہ تر می گردید۔ جمع کثیر از طرفین کشتہ وزخمی گردیدند۔ درین ضمن قریب ہفت ہزار سوار غنیم ومردم بقیۃ السیف را درمیان گرفتہ بزد وخورد پرداختند۔ وبمرتبۂ غلبۂ دکھنی ہا ظاہر شد کہ شہباز خاں با پسر خود از اسپان پیادہ شدہ داد مردانگی دادہ نقد جان را با شصت نفر دیگر در راہِ ولی نعمت نثار نمودند ......

..... اور ہر گھڑی فساد کی آگ کے شعلے بلند ہوئے اور ہر طرف سے مدد پہنچی اور جدال وقتال کی آگ خوب بھڑک گئی۔ دونوں طرف کی جماعت کثیر قتل وزخمی ہو گئی۔ اِسی دوران میں دشمن کے قریب سات ہزار سواروں اور باقی ماندہ لوگوں نے پھر زور حملہ کر دیا جس سے دکھنیوں کا غلبہ ظاہر ہونے لگا۔ شہباز خاں یہ دیکھ کر مع اپنے لڑکے کے گھوڑوں سے اتر کر پیادہ ہو گئے۔ اور داد مردانگی دے کر مع ساٹھ دوسرے لوگوں کے اپنے ولی نعمت پر نثار ہو گئے ....

تحریر بالا سے شہباز خاں کی دلاوری وشہامت بخوبی ظاہر ہے۔ نصیر خاں جس کا تذکرہ ہوا ہے اِسی جنگ کے اگلے سال [illegible]ھ ہجری میں خطاب خان دوران سے سرفراز کئے گئے تھے۔

اُمیر خانی خان نے جو یہ شہباز خاں با پسر خود تحریر کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ شہباز خاں کے ساتھ اُن کے حقیقی بھتیجے محمد عمر خاں بن مدا خاں شہید ہوئے تھے۔ چنانچہ سلسلۂ عالیہ میں ہے کہ۔

"محمد عمر خاں پسر خورد مدا خاں از شجاعان با نام عہد ومعزز زمانیان بود۔ ہمرکاب دولت بادشاہی ہنگام مہم قندھار بہ شہادت اکبر فائض شد" ......

"محمد عمر خاں چھوٹے بیٹے مدا خاں کے اپنے عہد کے بہادروں میں ممتاز اور معزز زمانہ تھے۔" شہنشاہ کی ہمراہی میں مہم قندھار کے زمانے میں شہادت کبریٰ پر فائز ہوئے" .....

شہباز خاں کے ایک پوتے محمد بہلول خاں بن اولیاء خاں اکابر وقت اور اہل اللہ میں سے تھے۔ اور دوسرے پوتے دلیل خاں بن اولیاء خاں کے صاحبزادے محمد جعفر اور اُن کے بیٹے محمد باقر صاحب جمعیت واعتبار۔ دانش مند۔ باوقار اور معتمد اقرانِ خود تھے۔ چنانچہ محمد باقر کے پڑپوتے محمد انوار حسین بن عباد علی عرف محمد بھکاری بن تراب علی جو اپنی متانت واخلاق وعلمیت میں ممتاز تھے۔ مؤلف کتاب ہذا کے حقیقی نانا تھے۔ آپ کی بھی ایک کتاب فن طب میں یادگار ہے۔

مؤلف کتاب ہذا کی نانی کے حقیقی نانا نواب مبارک علی خاں۔ نواب خیر اندیش خاں عالمگیری کے سلسلہ سے مخدوم شیخ سعادۃ الدین زبیری سہروردی کے اخلاف میں ایک با نام وشان اور صاحب دل بزرگ تھے۔ آپ کے اسلاف میں نواب خیر اندیش خاں صوبہ داری وفوجداری کے عہدوں پر عالمگیر کے زمانہ میں رہے۔ جن کا سب سے اہم اور فراموش نہ کیا جانے والا کارنامہ اٹاوہ میں ایک شفاخانہ کا قیام تھا۔ جس میں مشہور ومعروف طبیب یونانی اور تجید ہندی کارپرداز تھے۔ فن طب سے آپ کو ذاتی طور پہ ذوق تھا۔ چنانچہ اس فن شریف میں "ذخیر التجارت" نامی کتاب آپ سے یادگار ہے۔"

نواب مبارک علی خاں بن نواب فرحت اندیش خاں رئیس بانام ہونے کے علاوہ ایک حاذق حکیم بھی تھے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے شرف بیعت حاصل تھا۔ شہر میں انگریزی حکومت آ چکی تھی لیکن آپ کی حرمت یگانوں اور بیگانوں کے لئے مسلّمہ تھی۔ آپ کی چار کتابیں یادگار ہیں"۔

(۱) "کمالات عزیزی" (اپنے پیر ومرشد کے کمالات ہیں)
(۲) "رسالہ مبارک" (ذکر زبیری کنبوی خاندان کے ذکر میں)
(۳) "رسالہ تحفۃ المسلمین" (ردِ شیعیت میں ہے۔ حامد علی خاں مرحوم بیرسٹر لکھنؤ کے دادا صاحب نے اس کے جواب میں کتاب تحریر کی تھی۔
(۴) "انشاء مبارک" (آپ کے خطوط ہیں)

آپ کے اکلوتے صاحبزادے نواب احمد اللہ خاں صاحب بعد خدمات سرکاری اپنے وطن میں اسپیشل مجسٹریٹ اور وائس پریذیڈنٹ میونسپل بورڈ رہے

آپ کو بھی مطالعہ کا بڑا ذوق تھا۔ چنانچہ آپ کی حسب ذیل تین تصانیف یادگار ہیں۔

(۱) "حکایات شاہان" اس میں جملہ بادشاہانِ دہلی کی نقل و حکایات مع تصاویر درج ہیں۔

(۲) "حکایات اُمراء" اس میں نقل و حکایات اُمرائے عہد سلاطین خاندان بابریہ لکھی ہیں۔

(۳) "اخلاق احمدی" (جو عورت و مرد دونوں کے پڑھنے کے لائق ہے۔ چند کتب اخلاق سے منتخب کر کے لکھی ہے۔)

خاندانی اعزاز و مرتبہ کو دیکھ کر انگریزوں نے آپ کو نوابی کا خطاب عطا کیا۔ جو آپ کے پانچ صاحبزادوں میں سے تین کو یکے بعد دیگرے عطا ہوتا رہا۔ اب اِس خطاب کے مسند نشین آپ کے پوتے نواب اسلام احمد خاں بی۔ اے۔ علیگ بن نواب اسلام اللہ خاں مرحوم ہیں۔ اپنے والد بزرگوار کی طرح آپ نے سپرنٹنڈنٹ پرمٹ کے عہدہ سے پنشن حاصل کی تھی۔"

نواب حمد اللہ خاں کے سب سے بڑے صاحبزادے نواب سعد اللہ خاں باپ اجداد کے حقیقی جانشین ہوئے میونسپل بورڈ۔ ڈسٹرکٹ بورڈ۔ اسپیشل مجسٹریٹی وغیرہ وغیرہ کو آپ سے افتخار رہا۔ اور صوبہ کی میونسپل بورڈوں کی جانب سے لیجسلیٹیو اسمبلی میں نمایندگی بھی فرمائی۔ شہر میں آپ کی عوام و حکومت میں بڑی عزت تھی۔ حکمت کا فیض بھی آپ سے جاری تھا۔ دین و دنیا کی نعمتوں سے بہرہ وَر تھے۔ آپ قدامت خاندان اور اپنی ذاتی اخلاق اور خوبیوں اور محبوبیوں کی وجہ سے سب کے محبوب رہے۔ اگرچہ آپ بظاہر کوٹ پتلون میں ملبوس بلند و بالا نواب با وجاہت نظر آتے تھے لیکن حقیقت میں آپ ایک بڑے باخدا اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔

آپ والدہ مرحومہ کے حقیقی خالو تھے۔ آپ کے دو صاحبزادے سعید اللہ خاں اور سعد اللہ خاں تھے۔ اوّل الذکر عین نوجوانی میں وفات پا گئے۔ آپ کی اکلوتی صاحبزادی رشیدہ بانو خان بہادر اقبال احمد خاں مرحوم بی۔ اے کلکٹر و مجسٹریٹ صوبہ ممالک متحدہ آگرہ و اودھ کی زوجہ۔ اور صاحب اولاد ہیں۔

ثانی الذکر سعد اللہ خاں ڈپٹی کلکٹر تھے اور اپنے اوصافِ حمیدہ کی وجہ سے سب کے دلوں میں گھر کئے ہوئے تھے کہ اسی عہد پر جھانسی میں اِنتقال فرما گئے۔ آپ کی صاحبزادیاں بفضلہ موجود ہیں بڑی صاحبزادی گوہر بانو۔ مسٹر یٰسین خاں بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی سابق مجسٹریٹ و جج عدن کی زوجہ ہیں۔

والدہ مرحومہ کے حقیقی ماموں حاجی انعام اللہ خاں صاحب مرحوم بھی عمائدین میں سے تھے۔ شہر میں بڑی بات تھی۔ ہمیرپور کے ڈسٹرکٹ بورڈ و میونسپل بورڈ کے ممبر اور نائب صدر رہے۔ آپ کا حسنِ اخلاق اور رعب وداب ضرب المثل تھا۔ آپ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ سے بیعت تھے۔ آپ کے پوتے سلیم احمد خاں بی۔ اے۔ علیگ مرحوم یو۔ پی کونسل کے بڑے معرکہ کے ساتھ ہمیرپور و جھانسی کے حلقہ سے ممبر بنے تھے لیکن عین جوانی میں داغِ مفارقت دے گئے۔ اب اُن کے چھوٹے بھائی عزیزی سلیم حامد خاں (علیگ) یو۔ پی کونسل کے ممبر ہیں۔

اِسی سلسلہ میں خان بہادر مولوی بشیر الدین صاحب ایڈیٹر البشیر اور بانی و منیجر اسلامیہ کالج اٹاوہ بھی مؤلف کتاب ہذا کے ماموں لگتے ہیں۔ جن کی قومی، ملکی تعلیمی خدمات روزِ روشن کی طرح ظاہر ہیں۔ نانی صاحبہ مرحومہ کی ایک خالہ زاد بہن نصرت فاطمہ صاحبہ نواب وقار الملک بہادر مرحوم کی زوجہ محترمہ تھیں۔

پیدائش مؤلف

برادرِ محترم کی پیدائش سے قبل ہمارے والدین کی کئی اولادیں جاتی رہی تھیں۔ اِس لئے برادر محترم کی پیدائش بڑی امنگوں کے ساتھ ہوئی۔ گنڈے۔ تعویذ۔ اور دعاؤں کی بھرمار رہی۔ اور اکثر صاحب نسبت بزرگوں نے بھی اپنے "نظرِ کرم" اور دعاؤں سے نوازا۔ حضرت مولانا صاحب جو فتح پور ہسوا میں ایک سو سال سے زیادہ عمر پا کر آسودہ ہیں اُن کی کیفیت اُن کی جناب میں بیان کی "تو شفیق باپ سے اِرشاد ہوا کہ "جب واپس جاؤ تو اِس لڑکے کے کان میں ہمارا سلام کہہ دینا" چنانچہ حسبہٗ [illegible] کیا گیا۔ پھر کسی بزرگ کے اِرشاد پر ایک کان چھدوایا گیا۔ اِس لئے بندو میاں پکارے جانے لگے۔ اِس طرح پورے گھر میں سب کی آنکھوں کے تارے بنے رہے۔ ذرا کان گرم ہوا۔ اور بزرگوں نے بھاگ دوڑ شروع کر دی۔ اور یہ اسی ناز و نعم میں پروان چڑھنے لگے۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎

دکھ بظاہر تو اس کو ہوتا تھا — تھے مگر بے قرار باپ اور ماں
کون تھا جس کو وہ نہ تھا پیارا — تھا وہ سب سے عزیز تر از جان
چین سے وہ تو رات بھر سوتا — ماں کو لیکن نصیب خواب کہاں
الغرض اس طرح بہ ناز و نعم — پرورش پائی تا بحد امکان

آپ کی ختنہ اور بسم اللہ اور ختم قرآن شریف کے بعد نشرح کی رسمیں کافی حوصلہ مندی کے ساتھ انجام پائیں۔

مکتب رسم بسم اللہ کے بعد مدرسہ قومی میں حافظ عظیم اللہ صاحب مرحوم و مغفور کی سپردگی میں دیدیئے گئے۔ یہ مدرسہ نواب خیراندیش خاں زبیری کنبوی عالمگیری کی تعمیر کردہ "خیر المساجد والمعابد ۱۱۰۳ھ ہجری" میں خاندان کے بزرگوں نے قایم کیا تھا جس میں عربی و فارسی" علم حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ایک طرف افغانستان و صوبہ سرحد اور دوسری جانب بنگال تک کے طلباء بغرض حصول تعلیم آتے تھے۔ اور قرآن شریف ناظرہ پڑھایا اور حفظ بھی کرایا جاتا تھا۔ اردو۔ انگریزی و حساب کی تعلیم بھی چھٹی جماعت تک ہوتی تھی۔ اس مدرسہ نے کافی شہرت حاصل کر رکھی تھی۔ شہر کے شرفا کی ابتدائی تعلیم کا یہ سب سے بڑا مرکز تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر ضیاء الدین" نواب اسلام احمد خاں سابق رکن پجس لیٹیو اسمبلی صوبہ یو۔ پی۔ اور مولوی محمد احمد صاحب سابق پوسٹ ماسٹر جنرل ریاست حیدرآباد دکن وغیرہ وغیرہ اپنی ابتدائی تعلیم کے لئے اسی مدرسہ کے مرہون منت ہیں۔ خان بہادر مولوی بشیر الدین احمد صاحب بانی و منیجر اسلامیہ انٹر کالج اٹاوہ و ایڈیٹر اخبار البشیر اپنی ابتدائے عمر میں اسی مدرسہ میں ملازم ہوئے تھے اور اسی وجہ سے ماسٹر بشیر الدین کے نام سے مشہور ہیں۔

شرارتیں آپ گھر کے ماحول کی وجہ سے شروع سے نڈر واقع ہوئے تھے۔ چنانچہ اس مدرسہ میں ماسٹر عبدالرحیم صاحب ایک قدیم انگریزی داں مدرس تھے۔ اُن کی عادت تھی کہ مارنے کی بجائے لڑکوں کی آستین چڑھا کر بازو میں کاٹ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک روز برادر محترم کی بھی باری آگئی۔ اور ماسٹر صاحب نے جلدی جلدی آپ کی آستین چڑھا کر تڑک مارنے کا ارادہ کیا۔ اس وقت خود ماسٹر صاحب کے ہاتھ کا انگوٹھا۔ خوب پک رہا تھا اور پٹی بندھی تھی۔ برادر محترم نے یکایک اُن کا انگوٹھا پکڑ لیا۔ اسے خوب مسلتے جاتے اور شور مچاتے تھے کہ ماسٹر صاحب مر گیا معاف کر دو اب ایسا نہیں کروں گا۔ ماسٹر صاحب نے بہت بل کھائے اور تکلیف سے تڑپ کر فرمانے لگے بد تمیز مرا میں مر گیا" غرض برادر محترم نے انگوٹھا چھوڑ دیا اور ماسٹر صاحب کرب و بے چینی میں ان کے بازو کاٹنا بھول گئے" انہیں بخار چڑھ آیا دو دن کی چھٹی لینی پڑی"

اسی طرح انہیں ماسٹر صاحب کے متعلق (خدا ان کو جنت نصیب کرے) ایک واقعہ ہے کہ یہ حقہ پینے کے بہت عادی تھے۔ لڑکے تنگ تھے۔ ایک روز برادر محترم نے اُس لڑکے کو جو اس ڈیوٹی پر متعین تھا۔ صلاح دی کہ خرگوش کی مینگنیوں کا سُلفہ ماسٹر صاحب کو پلایا جائے۔ چنانچہ چند لڑکوں کی ایک کمیٹی بن گئی۔ ایک دن اس شرارت کے لئے مقرر ہو گیا۔ چنانچہ ماسٹر صاحب نے جیسے ہی حقہ بھرنے والے لڑکے کو چلم بھرنے کا حکم دیا۔ اس کمیٹی کے اراکین مختلف بہانوں سے مدرسہ کے باہر ہو گئے۔ اور ماسٹر صاحب کی چلم میں نصف تمباکو اور نصف خرگوش کی مینگنیاں بھر دیں۔ اور پھر ایک ایک کر کے یہ لڑکے جماعت میں حاضر ہو گئے۔ چلم حقہ پر رکھدی گئی۔ ماسٹر صاحب کا قاعدہ تھا کہ پہلے تو چھوٹے چھوٹے جلدی جلدی دم لگاتے اور بعد میں ایک لمبا کش کھینچتے۔ چنانچہ لمبا کش کھینچتے ہی انہوں نے میز پر پاؤں پھیلا کر ــــ پہلو بدلنا شروع کر دیئے تھوڑی دیر بعد انہوں نے چھوٹے چھوٹے اور لمبے لمبے چند کش اور لگائے۔ اب تو انہیں بیٹھنے کی تاب نہیں رہی۔ فوراً پاخانہ تشریف لے گئے۔ مگر وہاں بجائے اس کے کہ اُن کو اجابت ہوتی۔ ہوائیاں اڑنے لگیں۔ مدرسہ کے مکان کا صحن کچھ بڑا نہیں تھا اس لئے اِن آوازوں کو سُن کر تمام طلباء ہنسی کے مارے لوٹے جاتے تھے۔ مجبور ہو کر ماسٹر صاحب کرسی پر آ بیٹھے۔ بے چینی بڑھتی رہی اور پیٹ پھولنا شروع ہو گیا۔ گھبرا گئے اور لڑکوں کو چھٹی دے مکان کو بھاگے۔ لڑکوں کو

کھیلنے کا موقع مل گیا۔ غرض اس طرح کی شوخیاں مدرسہ اور اس کے باہر رہتی تھیں۔

لڑکپن کے کھیل اور شوق

عزیز و قریب اور دوسرے لڑکوں کی ایک زبردست ٹولی تھی۔ جن کے ساتھ دن عید اور رات شب برات تھی۔ آئے دن نت نئی شرارتیں اور مختلف کھیل ہوتے رہتے تھے۔ "گیڑی کا نٹا" "آنکھ مچولی" "چیل جھپٹا ہوتا" "گولیاں" اور "گیڑیاں"۔ کبھی کھیلی جاتیں۔ "ڈیلو" باہر میدان اور کھیتوں میں ہوتی۔ "ڈیلو" میں ایک لڑکے سے کہا جاتا کہ وہ فلاں درخت کا پتہ لیکر آئے۔ وہ جب تک پتہ لے آتا تو ٹولی میں سے کسی کو چھونے کی کوشش کرتا۔ اس میں بڑی بھاگ دوڑ ہوتی۔ اور جب وہ کسی کو چھو لیتا تھا تو ٹولی میں شامل کر لیا جاتا۔ اور اس کی جگہ چھوئے ہوئے کو مل جاتی تھی۔ وہ اب یہ تنہا رہ جاتا اور بتائے ہوئے پتہ کی تلاش میں چلا جاتا تھا۔ کبڈی کے بھی اچھے کھلاڑیوں میں تھے۔ وہ داہنے ونگ پر رہتے تھے۔ آپ کی ثڑدی مشہور تھی۔

پلّے بڑے جوش سے لڑے جاتے تھے۔ ان کا قاعدہ یہ تھا کہ برادرِ محترم کی پارٹی کسی دوسرے محلّے کے لڑکوں سے تعطیل کے دن پلہ بدلیتی۔ اب یہ دونوں فریق سنگ تراشوں کے یہاں سے پتھر لاکر اور سڑکوں کے کنکر کھود کر اپنے مورچوں پر جمع کرتے تھے۔ اور پلّہ کے دن شام کو باقاعدہ فوجی ڈریس میں رجو جوتہ ٹوپی، کرتہ اور پاجامہ پر مشتمل ہوتا اور اس پر ایک سرخ و سبز رنگ کی [illegible] کندھے پر سے دوسرے ہاتھ کی بغل کے نیچے سے نکال کر ڈال لی جاتی تھی اور کمر پر پٹی باندھ کر اس میں دو پوری کا بانس کا ڈنڈا جو بڑے اہتمام سے تیل لگا کر دھوئیں میں پکایا جاتا تھا، بطور تلوار کے لٹکا لیا جاتا تھا۔ اپنے کپتان کے یہاں جمع ہو جاتے۔ وہاں سے بگل اور ارگن باجے (جو چندی سے آٹھ آٹھ آنے میں خرید لئے جاتے تھے) بجاتے ہوئے اور جھنڈے سرخ و سفید [illegible] لے کر دو دو کی قطاروں میں بازاروں میں سے گذر کر اپنے مورچے پر پہنچ جاتے۔ وہاں [illegible] میمنہ میسرہ اور قلب قائم کرکے سوا سو قدم کے فاصلہ سے دونوں طرف کے سپاہی اپنے اپنے [illegible] میں کنکر اور پتھر بھر کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ چند لڑکے چادروں میں کنکر پتھر لئے رہتے کہ جب کسی سپاہی کے پاس گولہ باری کے وقت رسد ختم ہو جائے تو اسے فراہم کر دیں۔ کچھ لڑکے زخمیوں کو اٹھانے کے لئے بھی متعین کئے جاتے۔ اس دوران میں باجے زور زور سے بجتے رہتے تھے۔ بالآخر سرخ جھنڈی ہلائی جاتی اور گولہ باری شروع ہو جاتی۔ سپاہی گولہ باری کرتے ہوئے بڑھتے جاتے۔ اور جب آپس میں مل جاتے تو جنگ مغلوبہ شروع ہو جاتی تھی۔ یعنی بجائے تلواروں کے ڈنڈوں سے کام لیا جاتا تھا۔ یہ واقعہ ہے کہ برادرِ محترم کی پارٹی نے کبھی شکست کا منہ نہیں دیکھا۔ ہمیشہ فریق مخالف کو زیر و زبر کر ڈالا اور فتح حاصل کی۔ اسے دور تک بھگا دیا۔ ایک پلہ میں برادرِ محترم کے گال پر اس زور سے پتھر لگا تھا کہ تمام منہ سوجھ گیا تھا۔ کئی مہینوں میں آنکھیں کھل پائی تھیں۔ ایک دفعہ آپ کی طرف سے ایک لڑکے کے ناک کے نتھنے کو فریق مخالف کی طرف سے آئے ہوئے تراشیدہ و خراشیدہ پتھر نے چاقو کی طرح کاٹ دیا تھا۔ جس میں ریشم جلا کر بھروانا پڑا تھا۔ گو اس زخم کا نشان کچھ نمایاں نہیں رہا ہے مگر یہ دوست اُس دن سے آپ کی پارٹی میں بجائے عبد الوحید کے نکٹے وحید کے نام سے معروف ہو گئے ہیں۔ انہیں دودھ بھی پلوایا گیا تھا۔ اور جلیبیاں بھی کھلائی گئی تھیں۔

جب ہند میں قومی زندگی نے کروٹ لی اور نشاط ثانیہ کا دَور چلا تو اخبار و رسائل نے قوم کو ابھارنے کیلئے ولولہ انگیز نظموں کو شائع
کرنا شروع کیا جو ایک بڑا قومی و علمی سرمایہ ہے تو آپ نے اعلیٰ پایہ قومی نظموں کو جمع کرنا شروع کر دیا اور اس طرح ایک بڑا اچھا ذخیرہ آپ کے پاس جمع ہو گیا ہے
ایک زمانہ میں رخصت لیکر حیدرآباد میں کئی مہینہ قیام رہا تو کتب خانہ آصفیہ کی کتابوں کی ورق گردانی کر ڈالی۔ آپ کے ذوق و شوق کا یہ
عالم ہے کہ آپ جہاں تشریف لے جاتے ہیں یا جس گھر میں ٹھہرتے ہیں سب سے پہلا کام آپ کا یہی ہوتا ہے کہ وہاں کی کتابوں کو دیکھ ڈالیں

کتابوں کی فراہمی

حیدرآباد میں جو ہفتہ واری جمعرات کا بازار لگتا ہے حیدرآباد کے قیام کے دوران میں اس روز آپ ضرور وہاں
تشریف لے جاتے اور اس میں جو کتاب اخبارات و رسائل مفید مطلب ملتے اُن کو آپ ضرور خرید لیتے ہیں
اسی طرح میرٹھ یا دوسرے اسی طرح کے بازاروں میں آپ کی نظر کتابوں کے ذخیرہ پر پڑتی ہے اور اس طرح آپ نے ایک اچھا کتب خانہ جمع
کر لیا ہے جس میں کافی اعلیٰ پایہ کتابیں ہیں۔ آپ کے اسی ذوق و شوق کو دیکھتے ہوئے ہمارے سب سے بڑے بھائی مولوی حاجی انوار احمد
صاحب زبیری نے اپنی مرتبہ کتاب "خطبات عالیہ" کی پہلی جلد پر حسب ذیل عبارت لکھکر آپ کو بھیجی تھی:-

"میرے بھائیوں میں تحسین احمد سلمہ کو کتابیں حاصل کرنے کا اُن کو بہ حفاظت رکھنے کا اور بقدر
استعداد لکھنے پڑھنے کا شوق ہے ان کے ذوق مطالعہ کی وجہ سے میں "خطبات عالیہ" کی یہ جلد
بطور اپنی نشانی اور یادگار کے اپنے دستخطوں سے دیتا ہوں" ؎

لکھا رہے سو ساٹھ برس جو لکھ جائے کوئی — لکھن ہارا باؤرا جو گل گل ماٹی ہوئے

(المرقوم ۱۳ مارچ ۱۹۲۸ء علیگڑھ)

اخبارات و رسائل

ایک دفعہ خیال گذرا کہ اخبارات و رسائل کو جمع کرنا چاہیئے تو آپ نے ان کو جمع کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ
۱۸۴۵ء سے لیکر اس وقت تک کے اخبارات مجلدات کی شکل میں آپکے پاس موجود ہیں جن کو آپ نے
اپنی ذاتی محنت و کوشش سے جمع کیا ہے۔ دہلی اردو اخبار کا ضمیمہ فوائد الناظرین منشور محمدی بنگلور، میسور، ریاض الاخبار گورکھپور
کا نیورکا اخبار عالم تصویر ۱۸۸۶ء۔ البشیر پیسہ اخبار۔ وطن۔ وکیل۔ زمیندار۔ ہمدرد۔ ہمدم۔ اخبار ہلال۔ انقلاب وغیرہ وغیرہ سالانہ
مجلدات کی شکل میں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ ہر زمانہ کے متعلق ملک کے مختلف اخبارات و رسائل کے پرچے موجود ہیں تاکہ ملک
کی عام کیفیت و رجحانات کا پتہ چل سکے۔ یہ علمی ذخیرہ بھی اپنی نوعیت کا ایک ہی ہے۔ یہ اخبارات و رسائل ایک جگہ جمع ہی نہیں
کر دیئے گئے ہیں بلکہ ان کے مضامین کی فہرستیں بھی تیار کی گئی ہیں۔ اور اس دشوار گذار کام کو بھی خود اپنے قلم سے ہی انجام دیا۔
اُن فہرستوں سے ان اخبار وغیرہ کی افادیت کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔

فرامین شاہی و شجرہ جات

علاوہ کتب و اخبارات و رسائل کے میں نے اور بھائی صاحب موصوف نے فرامین
شاہی جو مختلف ادوار پر محیط ہیں اور شاہی زمانہ کے کاغذات کا بھی ایک وافر ذخیرہ جمع
کیا ہے۔ شہنشاہ اکبر کے زمانہ سے یہ فرامین و کاغذات موجود ہیں۔ اس کے علاوہ خاندانی شجروں کا بھی ایک کافی ذخیرہ جمع
ہو گیا ہے۔ جو بوقت فرصت کتابی صورت میں یکجا کر دیا جائے گا۔

تصاویر

جب تصاویر جمع کرنے کا دل میں خیال گذرا تو مشاہیر قوم و ملک۔ شعراء۔ ادباء وغیرہ۔ اور خاندان کے بزرگوں کی
تصاویر بھی بڑی تعداد میں جمع ہو گئیں۔ اور یہ سرمایہ بھی ایک قومی سرمایہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

پتھروں کی فراہمی

ملازمت کے دوران میں چونکہ کوہستانوں اور دکن کے پہاڑوں اور میدانوں میں کثرت سے گذرنا پڑا تو
مختلف جگہوں پر اپنی اپنی نوعیت کے لحاظ سے عجیب و غریب قسم کے گوناں گوں پتھر نظروں سے گذرے تو ان
کے جمع کرنے کی جانب طبیعت راغب ہوئی اور اس طرح بہت اچھے اچھے پتھر جمع ہو گئے ہیں۔ ان میں قدرت نے جس جس طرح کی صناعی

نواب شہباز جنگ کے متعلق نظم کے کچھ اشعار اور والد ماجد مولوی فیض احمد صاحب مرحوم و مغفور مؤلف المشاہیر کے حالاتِ زندگی میں سے وہ واقعہ جو جنرل اعظم الدین مرحوم و مغفور کے ساتھ پیش آیا تھا۔ آپ کا نظم کیا ہوا اسی کتاب میں اپنے موقع پر لکھا ہے۔ آپ کے نتائجِ فکر کے چند اور نمونے یہاں پیش ہیں۔ ایک الوداعی جلسہ کی نظم سے حزن و ملال اور نصیحت کے تین شعر یہ ہیں:

(۱) اے مجھو دوستو جب دل ہو پامالِ ملال　　کس طرح کوئی سنائے تم کو روداد چمن
(۲) جاؤ جاؤ علم سیکھو اور رکھو کوشش سے کام　　مت ڈرو جانا پڑے گر تمہیں چین و ختن
(۳) بعد اس تحصیل کے کچھ کام پھر ایسے کرو　　فخر تا تم پر سدا کرتا رہے ملکِ دکن

آپ نے اپنے سلسلہ کے بزرگوں کے حالات نظم کیے ہیں جن میں سے چند بزرگوں کے حالات میں سے کچھ اشعار بطور نمونہ پیش ہیں:۔

مولوی حافظ محمد نصر اللہ صاحب جدِ ششم مؤلف کتاب ہذا

حافظ نصر اللہ خاں نے علم کی تحصیل میں　　دقتیں زیادہ اٹھائیں، کلفتیں بے حد سہیں
ہمت ان کی ایسی تھی، اور یہ وفورِ شوق تھا　　علم کو جس جا سنا، چھوڑا وطن، پہنچے وہیں
ذہن تھا ایسا رسا۔ پیری میں جب آیا خیال　　تھوڑے عرصہ میں کیا سب حفظ قرآنِ مبیں
وہ ایسے تھے بحرِ سخا، تشنہ لبانِ علم کو　　سیراب ہی کرتے رہے تا اپنے وقتِ آخریں
تین سو ہر علم کی لکھ کر کتابیں ہاتھ سے　　خانقاہ میں رکھیں سب کے استفادہ کے تئیں
وہ ہی تھے۔ مارہرہ جن سے بن گیا تھا جامعہ　　جس کی ہر اطراف میں تھیں شہرتیں پھیلی ہوئیں

حکیم عنایت حسین صاحب جدِ سوم مؤلف کتاب ہذا

پوتے فتح اللہ خاں کی۔ ہو صفت کیا کیا بیان　　جامعِ علم و فنون ایسے تو دیکھے ہی نہیں
شادی ان کی ہو گئی سترہ برس کی عمر میں　　پنج ماہہ وہ تھے جبکہ والدہ ان کی مریں
ایسے نازک حال میں۔ ان کا سا ذوق، اور شوقِ علم　　آج تک ہم نے سنا ہے، اور دیکھا ہی نہیں
وہ جفر تکسیر میں۔ رکھتے نہ تھے اپنی نظیر　　شعر کے فن میں تھے، استادِ زمانہ بالیقیں
طب میں تھے عیسیٰ نفس، دستِ شفا سے سب مریض　　کرتے تھے چنگے بھلے، از حالتِ نازک ترین
سیر اور تاریخ پر رکھتے تھے وہ ایسا عبور　　ہر گھڑی جس کے لئے نکلے ہے لب سے آفریں
وہ ہی تھے بتلا گئے، جو حال ماضی کا ہمیں　　ان کی تحقیقات سے کیسی نئی راہیں کھلیں
تھے مصنف ایسے وہ۔ کہ جن کی تحقیق و تلاش　　اور لیاقت پر صداقت ہے سبھوں کے دل نشیں
بابت نظری اور عملی۔ میں ریاضِ احمدی　　کاشف الاخبار در تاریخ یہ دو جو لکھیں
سلسلۂ عالیہ جو لکھی ہے حالِ قوم میں　　ان کا ثانی ہے کہاں، ان جیسی تالیفیں نہیں
خانداں برکاتیہ پر لکھی، آثارِ احمدی　　برکتیں چھائیں ہوئیں جس گھر سے مارہرہ پہ تھیں
سب نہیں باقی رہا، تھوڑا جو ہے ان کا کلام　　سن کے شعرائے سخنور، ہیں جھکا دیتے جبیں

حکیم امداد حسین صاحب جدِ دوم مؤلف کتاب ہذا

وہ جو تھے بے نام نامی، جن کا امدادِ حسین　　خوش قیافہ، قد آور، رعب والے، اور حسیں
رعب اور جرأت سے، نیک جانتے تھے انکے سب　　قلب تھراتے تھے جب کرتے تھے وہ چیں بر جبیں
تھی میسر ان کو ثروت، پھر سخاوت سے آپ　　کرتے تھے ایثار، حاجت لانے والوں کے تئیں

باخوشی تھی چھوڑ دی، تحصیلداری اِس لئے — چاکری میں جبکہ دیکھا کوئی عزت ہے نہیں
طِب کا پیشہ کر لیا، آکر وطن میں اختیار — تا کریں آزاد قوم، وہ خدمتِ دنیا و دیں
تھے وہ بقراطِ زماں، اُن کی حذاقت کے سبب — جان بلب چلنے لگے۔ لاانتہا جانیں بچیں
اہلِ مارہرہ کے محسن، قوم کے تھے وہ بشیر — اُن سے اطمینان و راحت کا تھا سایہ ہر کہیں
اُن کے دل میں جوش تھا، طاقت کی کچھ وقعت نہ تھی — اسلام پہ تھے وہ فدا، غیرت تھی قومی جاگزیں

حکیم دلدار احمد صاحب مؤلف کتاب ہذا کے دادا

پُورِ دیم باپ کے تھے وہ بہت لائق ترین — ہر طرح کی خوبیاں قدرت نے اُن میں تھیں رکھیں
طِب میں لاثانی، معالج تھے بہت روشن ضمیر — تھے وہ جالینوس، اپنے وقت کے ہاں بالیقیں
معاملہ فہمی و دیانت میں تھی مسلّم آپ کی — اور قانونی لیاقت پر بھی تھا سب کو یقیں
کوئی ہوتا معاملہ، سب مانتے اُن کو حَکَم — فیصلے فرماتے تھے جھگڑوں کے وہ احسن ترین
تابع سے کے اور ادب کے ایسے تھے پابند وہ — جن کی تمثیلیں تو اب ڈھونڈے سے بھی ملتیں نہیں

حاجی انوار احمد صاحب برادرِ بزرگ مؤلف کتاب ہذا

جب کسی کو دیکھتے، وہ کام کرتا اچھا نیک — اُن کو ہوتی تھی مسرت ایسی کہ دیکھی نہیں
تھے محبت کے وہ پُتلے، جو کوئی اُن سے ملا — ہو گیا اُن کا فدائی اور انہیں بھولا نہیں
اُن کی مجلس میں کوئی بیٹھا جو آکر ایکبار — آج تک ہے یاد میں اُن کے وہ بچپن و حزیں
اپنی تقریروں سے کرتے تھے وہ زندہ مردوں کو — گفتگو میں اُن کی تھا اعجاز پنہاں بالیقیں
پھول جھڑتے منہ سے اُن کے جب کبھی وہ بولتے — تھی طلاقت اور آمد اُن کی اعلیٰ بہترین
بیٹھنے سے اُن کے آجاتی تھی رونق بزم میں — زندہ دل ایسے تھے وہ جیسے کہ دیکھے ہی نہیں
تھے صلوٰۃ و صوم کے پابند آبا کی طرح — اور حج کا شوق تھا دل میں بہت ہی جاگزیں
چھوڑ کر سب کو وہ آخر کار حج کو چل دیئے — لَو لگی تھی جس جگہ کی۔ پہنچے سر کے بل وہیں
تھا جو حج کے فرض کا اُن کو ادا کرنے کا شوق — فضل سے اللہ کے پورا ہوا احسن ترین
آیا جب ماہِ محرّم، پانچویں تاریخ کو — وہ چلے مکّہ سے بھر در شوقِ ختم المرسلین
قبۂ خضرا کو دیکھا۔ شکر کا سجدہ کیا — واسطے جس کے بہت رہتے تھے بیچین و حزیں
داخلِ شہرِ مدینہ ہو کے کر کے غسل جلد — وہ ہوئے حاضر درِ اقدس پہ رکھ دی فرازِ جبیں
جس سے زیادہ کوئی بھی اُن کی تمنا تھی نہیں — پوری آخر وہ ہوئی از فضلِ ربّ العالمین

آپ کی "بزرگانِ مارہرہ" نظم بھی خاصی طویل ہے۔ جس کے چند شعر یہ ہیں ؎

چھیڑ دے مضراب کو سُن داستانِ پاستیں — دل میں آیا ہے سنا دوں کچھ تجھے اے ہم نشیں
جانتا اچھی طرح سے ہے اِسے چرخِ بریں — جیسی مردم خیز تھی مارہرہ کی یہ [illegible]
اِس جگہ پیدا ہوئے تھے۔ ایسے ایسے نامور — حکمت و عفت و سخاوت کے جو تھے ماہ جبیں
تھے شجاعت میں وہ یکتا اور جرأت میں بے مثال — چرخ تھرّاتا تھا جب وہ کھینچتے تھے تیغِ کیں
معدنِ صدق و صفا۔ مہر و مروت میں تھے فرد — باوفا ایسے کہ جیسے ہم نے دیکھے نہیں
علم و فن کے سیکھنے میں وہ اُٹھاتے محنتیں — پر سکھانے میں [illegible] رہتے [illegible] جبیں

پیاسے جو آتے یہاں سیراب ہوتے تھے سبھی ۔۔۔ کوششوں سے آن کی یاں پر علم کی نہریں بہیں

اِس جگہ ایسے ہوئے صاحبِ دل و صاحبِ کمال ۔۔۔ فیض جن کا پہنچتا تھا عرب سے تا ملکِ چین

اللہ اللہ ہر صفت میں۔ تھے وہ اپنی ہی مثال

مرحبا۔ صلِّ علیٰ ۔ صد آفریں صد آفریں

جس زمانے میں چنور ضلع آصف آباد آپ کا مستقر تھا۔ وہاں ایک نایب ناظم صاحب جنگلات بتقریب دَورہ آکر انسپکشن بنگلہ میں مقیم ہوئے تھے " مقامی کلب نے جس کے برادرِ محترم مع مقامی افسروں اور وکلاء وغیرہ کے ممبر تھے آن کے آنے میں ایک جلسہ ترتیب دیا تھا " اور اس میں احباب کے تقاضہ سے یہ نظم فوراً تصنیف کر کے آپ نے پڑھی تھی "

اِس قصبہ چنور میں آئے نائب ناظم جنگلات ۔۔۔ خوشی مناؤ۔ ڈھول بجاؤ۔ ہم سے ملاؤ یارو ہاتھ

جنگل۔ جھاڑی اور پہاڑی۔ شیر بگھیرے۔ گیدڑ۔ مارٹ ۔۔۔ اِن سب کے اَن داتا یہ ہیں سن لو پیارو میری بات

سات گنائے میں نے تم کو اور بہت سے چھوڑ دیئے ۔۔۔ ساری گر تفصیل سناتا۔ صبح سے ہوتی آدھی رات

ہرگن پورے۔ سب کچھ جانیں۔ خوب نکھانیں۔ دیکھیں بھالیں ۔۔۔ اپنے کام میں ہار نہ مانیں۔ سب سے نرالی اِن کی گھات

اِن کے ماتحت اِن سے خوش ہیں کیسی شان بڑھائی اِن کی ۔۔۔ بنگلے سجائے۔ جھنڈے اڑائے سب میں بڑھائی ان کی بات

ہم تو واقف اِن سے نہیں تھے۔ حال سنا جب ہم نے اِن کا ۔۔۔ سب لوگوں کی چاہت دیکھی جانا اِن کو سونا دھات

وصف کو ان کے سنکر یارو سب ہی تو ملنا چاہتے تھے

منصف نے اِنصاف کیا ہے ۔ لایا جو اِن کو اپنے ساتھ

آپ پنڈی پاکلا پراجکٹ کا کام شروع کرانے کے لئے اور لوگوں کے ساتھ یکم رمضان کی صبح کو حیدرآباد سے روانہ ہو کر وہاں شب میں پہنچے تھے۔ بائیس رمضان کو ساٹھ ستر اشعار کا ایک منظوم خط آپ نے اپنے کرم فرما شیخ محمد حسین صاحب مرحوم و مغفور وکیل ضلع کریم نگر کی خدمت میں بھیجا تھا جس کے چند شعر یہ ہیں ؎

بے تکلف کٹ رہے ہیں روزے جناب والا ۔۔۔ ہوں دُور آپ سے جو ہیں اے جناب والا

بائیس[۲۲] ہو چکے ہیں اور آٹھ جو ہیں باقی ۔۔۔ ہمت کے سامنے یہ کیا ہیں جناب والا

چاروں طرف کو نظریں جب وقت ڈالتا ہوں ۔۔۔ پتھر ہی دیکھتا ہوں بکھرے جناب والا

ہے دھوپ سخت لیکن۔ سایہ ذرا نہیں ہے ۔۔۔ کانٹوں کی جھاڑیاں ہیں چھوٹی جناب والا

پتھر ہو یا کہ روڑا اُس کو اٹھاؤ گے جب ۔۔۔ بس بچھو دیکھ لو گے۔ بیچے جناب والا

قدرت کا یہ تماشا دیکھیں گے آپ جس دم ۔۔۔ غش غش کریں گے پھر تو بیشک جناب والا

دس میل ڈاک خانہ ہے دُور اس جگہ سے ۔۔۔ واں تک سڑک ہے کچی سنئے جناب والا

یا اللہ ڈاکٹر بھی اتنے ہی فصل پر ہیں ۔۔۔ واں تک پہنچ ہے مشکل سب ہے جناب والا

تیتر بٹیر بے شک جنگل میں بہت سے ہیں ۔۔۔ خرگوش بھی ہیں کاتی یاں پر جناب والا

جب کام ہی سے فرصت مجھ کو ذرا نہیں ہے ۔۔۔ پھر ان سے فائدہ ہی کیا ہے جناب والا

بلبل چہکتی ہے کیسی اِس جا چمن سے آکر ۔۔۔ آؤ جناب والا ۔ دیکھو جناب والا

غرض آپ کی بہت سی نظمیں ہیں جو کسی نہ کسی موقع پر آپ نے کسی جذبہ یا تاثر کے ماتحت لکھی ہیں۔ ہم نے جو یہاں ایک جھلک دکھلائی ہے اس سے آپ کی جودتِ طبع اور آمدِ مضمون کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے "

ذہانت

تلنگانہ میں بلازمت کے سلسلہ میں آپ کو خیال پیدا ہوا کہ ملکی زبان سیکھنی چاہئے ۔ چنانچہ ایک ہی ہفتہ میں آپ نے دماغ میں تلنگی زبان کا اتنا ذخیرہ جمع کرلیا کہ اُس میں گفتگو فرمانے لگے معلومات کا وہ ذخیرہ آپ کے دماغ میں رہتا ہے کہ کسی جلسہ کسی سوسائٹی اور کسی صحبت میں کسی بھی مسئلہ پہ بے تکلف گفتگو کرتے ہیں ۔

ایک روز گلشن آباد میدک دکن میں اپنی تعیناتی کے زمانہ میں اپنے دوست وحیدالدین حیدر صاحب کے مکان پر معہ چند احباب کے بیٹھے ہوئے باتیں کررہے تھے کہ اُن کے چھوٹے بھائی امیرالدین حیدر عرف امیر میاں مرحوم و مغفور نے جن کی عمر اس وقت ۲۲ سال کے قریب تھی دو تصویریں دو اصحاب کی جنہیں کبھی آپ نے دیکھا نہ تھا بلکہ اُن کے ناموں سے بھی واقف نہ تھے ۔ اور جن کی جسامت عمر ۔ وپوشش میں بھی زیادہ فرق نہ تھا، لاکر الگ الگ دو چوکٹوں میں آپ کے سامنے رکھدیں اور کہا کہ جو کتاب آپ نے مجھ سے لیکر ایک ماہ قبل پڑھی تھی ۔ اِن دونوں حضرات میں سے ایک اُس کے مصنف ہیں ۔ تصویروں کو دیکھکر بتلایئے کہ اِن میں وہ کون ہیں ؟" معاملہ سخت تھا مگر آپ نے دونوں شکلوں کے چہروں پر نظر ڈالی اور اُس کتاب کے مضمون کو ذہن میں لاکر ایک چوکٹا اُن کے ہاتھ میں دیدیا ۔ اور فرمایا کہ اُس کتاب کے مصنف یہ ہیں " امیر میاں مرحوم نے اقرار کیا اور چلے گئے ۔ الگ پلنگ پر جاکر خاموش لیٹ گئے ۔ آدھ گھنٹے کے بعد یہ سوچ کر کہ شاید یہ اتفاق تھا ۔ پھر ایک تصویر لیکر آئے جس میں اُن کے ہم سن پندرہ سولہ لڑکوں کا گروپ تھا " اور آپ کے سامنے رکھکر کہا کہ یہ سب میرے ملنے والے ہیں ۔ مگر ان میں ایک میرا خاص الخاص دوست ہے ۔ بتلایئے وہ کونسا ہے " یہ معاملہ پہلے معاملہ سے بھی اہم تھا ۔ سوائے دو تین لڑکوں کے آپ کسی اور سے واقف نہ تھے " مگر آپ نے امیر میاں مرحوم کے عادات وخصائل کو ذہن میں رکھکر اور گروپ کے سب لڑکوں کے چہروں کو غور سے دیکھکر ایک لڑکے کے چہرے پر انگلی رکھدی اور فرمایا کہ اگر خاص الخاص دوست تمہارا ہوسکتا ہے تو وہ یہ ہے " بات صحیح تھی موجودہ حضرات اور امیر میاں مرحوم کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی ۔ اور وہ آپ کی ذہانت پر عش عش کرگئے ۔ یہ لڑکا وہ تھا جسے آپ نے کبھی نہ دیکھا تھا اور نہ پھر بعد میں اُسے دیکھنے کا موقع ملا " امیر میاں آپ کی ذہانت کے ہمیشہ معترف رہے جب کوئی الجھن کسی کام میں انہیں پیش آجاتی تھی تو آپ ہی سے مشورہ کرتے تھے اور اکثر اِس واقعہ کو بیان کیا کرتے تھے "

ایک دفعہ میرٹھ سے ایک مجمع میں آپ کی موجودگی میں اِس بات کا ذکر ہوا تو ایک صاحب یقین نہ کرکے اپنے آٹھ دس دوستوں کے گروپ کی ایک تصویر لے آئے اور وہ ہی سوال کیا جو امیر میاں مرحوم نے کیا تھا " خدا کا فضل شامل حال تھا آپ نے جس لڑکے کی پیشانی پر انگلی رکھی وہ ہی گروپ پیش کرنے والے اور سوال کرنے والے کا مطلوب تھا ۔ اِن واقعات سے بھی زیادہ اہم آپ کی ذہانت کا یہ واقعہ ہے کہ حیدرآباد میں آپ کی ڈاڑھ کے قریب منہ کے اندر ایک طرح کی رسولی نکل آئی تھی جو بیر کے برابر ہوگئی اور دانتوں کے نیچے آنے لگی تھی " میرٹھ میں ڈاکٹروں سے مشورہ ہوا سب کی رائے ہوئی کہ جلد سے جلد اس کو نکلوا دینا چاہئے دیر کی تو ناقابلِ علاج ہوجائے گی ۔ اور خدشہ پیدا کرے گی " چنانچہ ایک دن صبح دس بجے سول سرجن صاحب نے آپریشن کرکے اُسے نکال دیا " اور خون بند کرنے کی دوا لگادی " مکان پر آنے کے بعد قریباً بارہ بجے سے زخم سے خون آنا شروع ہوگیا " ڈاکٹر صاحب سے کہلوایا انہوں نے اور دوائیں دیں مگر کوئی کارگر نہیں ہوئی اس قدر کثرت سے خون آیا کہ جان کے لالے پڑ گئے " رات کو آکر میرٹھ کے مشہور سرجن ڈاکٹر بھوپال سنگھ نے ٹانکے لگائے تو خون بند ہوا " دوروز خون بند رہا اور تیسرے دن جریان خون کی وہ ہی کیفیت ہوگئی جو پہلے دن ہوئی تھی " رات کو دس بجے بھوپال سنگھ آئے اور مکان پر تشریف لاکر حالت کو دیکھکر انہوں نے ایک انگیٹھی منگائی اُس میں آگ سلگوائی اور اُس میں لوہے کی تیلیاں ڈال کر بیٹھ گئے " تیلیاں سرخ ہوگئیں اور عرصہ گذر گیا مگر ڈاکٹر صاحب نے کوئی حرکت نہ کی بستر کو پکڑے خاموش ہی بیٹھے رہے " خون کے اِس کثرت سے نکل جانے کی وجہ سے برادر محترم میں کروٹ لینے کی بھی طاقت نہیں رہی تھی " مگر جب انہوں نے ڈاکٹر صاحب کی یہ کیفیت دیکھی تو اُن سے دریافت کیا کہ آپ کیا سوچ رہے ہیں اپنا کام کیوں شروع نہیں کرتے ۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ میں نے پہلے ٹانکے لگائے تھے لیکن اب وہاں کے گوشت کے سڑ جانے یا ڈھیلا پڑجانے کی وجہ سے ٹانکے تو لگائے نہیں جاسکتے ـــــ میں نے انگیٹھی میں لوہے کی تیلی اِس غرض سے گرم کی ہے کہ وہاں داغ دینے کا ارادہ ہے،

تاکہ گوشت جل کر زخم کے منہ پر آجائے اور خون بند ہو جائے مگر خیال یہ ہے کہ اندھیری رات ہے۔ زخم منہ کے اندر ایسی جگہ ہے جہاں روشنی پڑنی مشکل ہے اور سب سے بڑا خوف یہ ہے کہ پیٹی کا لگنے سے تھوڑا سا شرر ضرور جلے گا تو تمام منہ میں جگہ جگہ چھینکے لگ جائیں گے اور منہ میں ایک زخم کے بجائے بیسیوں زخم ہو جائیں گے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں اور کیسے کروں" برادر محترم نے اپنی ایسی حالت میں بھی فوراً جواب دیا کہ ڈاکٹر صاحب فکر کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ ایسا کیجئے کہ میں جولاہوں میں سے بانس کی نلی منگوا دیتا ہوں۔ آپ لوہے کی گرم تیلی کو اس نلی میں رکھ کر صرف ذرا سی نوک اس کی باہر نکلی رہنے دیں اور اس نوک سے کام لیں تو تمام منہ میں چھینکے لگ جانے کا اندیشہ نہیں رہے گا" ڈاکٹر صاحب اس تجویز کو سن کر پھڑک گئے۔ چنانچہ نلی منگوائی گئی اور زخم پر بلا خوف و خطر داغ دیا گیا جس سے خون بھی بند ہو گیا اور منہ میں مزید زخم بھی نہ پڑنے پائے۔ ڈاکٹر صاحب پر ایسے نازک مرحلہ پر آپ کی حاضر دماغی اور ذہانت کا بڑا اثر ہوا جب آپ اچھے ہو گئے اور ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بڑے اچھے الفاظ میں آپ کی ذہانت کی داد دی اور لوگوں سے اپنی اس وقت کی پریشانی اور سمجھ میں نہ آنے کا کئی تذکرہ کیا۔

بے خوفی

بے خوفی اور نڈرپن آپ کا شروع ہی سے تھا۔ تمام عمر لڑکوں کے لیڈر رہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ شرط ہوئی کہ رات میں [illegible] جا کر مشان میں سے جہاں ہندوؤں کے مردے جلائے جاتے ہیں ایک ہڈی جو لائے گا اس کو اس قدر مٹھائی ملے گی۔ ان مشانوں میں شب کے وقت بڑی وحشت اور پراگندگی ہوتی ہے وہ الفاظ میں بیان سے مستغنی ہے چنانچہ دوسرے لڑکے ڈر کے مارے تیار نہیں ہوئے۔ آپ نے شرط منظور کر لی اور وہاں جا کر ہڈی لے آئے۔ اور شرط جیت گئے۔ جنگلوں اور پہاڑوں میں سفر کئے اور بہت جنگلی جانوروں اور دوسرے حوادثات سے سابقہ پڑتا رہا مگر آپ نے پوری بہادری کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا۔ بدن شروع ہی سے گٹھیلا تھا پھر ورزش کی مداومت نے اس کو اور چمکا دیا اس لئے اپنے سے دو گنے چوگنے مقابل سے کبھی منہ نہیں موڑا اور اسکو منہ کی کھانی پڑی۔

آپ کا ایک خاص سفر

برسات کا موسم شباب پر اور ساون کا مہینہ تھا۔ آپ ضلع محبوب نگر کے کسی مسافر بنگلہ میں ایک روز دوپہر کا کھانا کھا کر اپنے دوست سید ظہور اللہ حسین (ملک نعمت اللہ صاحب جائنٹ مجسٹریٹ کے بھانجے) سے باتیں کر رہے تھے کہ یکایک آپ کو خیال آیا کہ "مدراس دیکھنا چاہئے" اور فوراً دوست مذکور کو آمادہ کر کے کھڑے ہوگئے اور روانہ ہونے میں ایسی عجلت کی کہ نہ تو آپ نے بستر ہی سے کوئی چیز لی۔ نہ ناشتہ لیا۔ نہ ہی یہ دیکھا کہ سائیکل پر ڈبے میں پنکچر جوڑنے کیلئے سلوشن اور ربر بھی ہے یا نہیں ہے حتیٰ کہ روپیہ بھی نہیں لیا بس وہی روپیہ ساتھ رہا جو شیروانی کی جیب میں پڑے رہے اور کمر بند بندھے تھے صرف ایک حیدرآبادی تہ وال سائیکل پر چڑھ کر باندھ لیا۔ اور چل نکلے حیدرآباد کرنول روڈ جو مدراس جانے والی سڑک اور کوتہ کوٹہ سے آگے عرصہ سے سرکار نظام نے اس کی مرمت موقوف کر رکھی تھی جس کی وجہ سے پل اور پلیاں ٹوٹ گئیں اور سڑک جا بجا برسات کے پانیوں سے بہہ گئی تھی مگر انہیں کیا پرواہ تھی سائیکل پر بہتر سے اور اچھے راستوں پر چلانے کی بجائے اس پر بڑی بڑی منزلیں طے کرنے کی خوب مشق تھی۔ اکثر آپ صبح کی نماز پڑھ کر سائیکل پر سوار ہوتے اور اپنے مستقر سے اسی نوے میل چل کر حیدرآباد جا کر دوپہر کا کھانا کھایا کرتے تھے۔ غرضکہ ایسے خراب راستہ پر طویل فاصلے بے تکان طے کر کے سر شام یا قریب گاؤں میں بر لب دریائے کرشنا پہنچ گئے" دریا پر جانے معلوم ہوا کہ ٹوکرہ اگلے دن صبح آٹھ بجے دوسرے کنارے کے لئے روانہ ہوگا۔ وہاں کے دریاؤں میں کشتیوں کا رواج نہیں ہے۔ اونڈہ اور ٹوکرے سے کام لیا جاتا ہے" اونڈہ بجور درختوں کے تنوں کو کھوکھلا کر کے اور رسیوں سے متعدد تنوں کو باندھ کر بنایا جاتا ہے۔ اس میں خطرے کا احتمال نہیں ہے کیونکہ اس کے ڈوبنے یا الٹ جانے کا اندیشہ بالکل نہیں ہے" ٹوکرہ بانسوں کو خم دے کر اور اس پر بھینسوں کے چمڑے چڑھا کر تیار کیا جاتا ہے۔ اچھا وسیع ہوتا ہے لیکن اگر اس میں کافی وزن نہ ہو تو تیز ہوا سے اس کے الٹ جانے کا اندیشہ ہے" سید ظہور اللہ حسین صاحب ٹوکرے کو دیکھ کر خوفزدہ ہوئے اور کہا کہ جب کسی کی موت آتی ہے تو وہ اسی طرح کھینچ لاتی ہے جس طرح ہم آرام سے بنگلہ میں بیٹھے ہوئے یہاں آگئے ہیں" برادر محترم نے بھی ٹوکرہ پہلی ہی بار دیکھا تھا مگر فرمایا کہ ایک دن

رہ آئی ہی ہے اب جو کچھ بھی ہو ارادہ ملتوی نہیں کرنا چاہئے۔ اور باتیں کرتے ہوئے گاؤں کی چار دری پہ آ گئے جس کے چاروں طرف برانڈہ اور اس
پر سنگ سیلو کا فرش تھا۔ رات کیونکہ وہیں بسر کرنی تھی خیال ہوا کہ کھانے کا بند و بست کرنا چاہئے۔ اس گاؤں میں سوائے ایک بنئے کی ڈاک خانہ کے
کوئی مسلمان نہ تھا انہیں منشی صاحب کو روپیہ دیا کہ کھانے کا انتظام کریں وہ کھانا لکھوا کر ڈاک میں ہو گئے۔ شیخ کو منشی صاحب یہاں کچوڑی
لوائی کچھ کا ناشتہ کیا اور کچھ ہمراہ رکھی اور ٹولیوں میں سے پہ معہ اور مسافروں کے سوار ہو کر دیا۔ کرشنا کو جو پہر رہا تھا پار کر گئے مگر کرشنا
سے دریائے تنگبھدرا کوئی سترہ اٹھارہ میل دور ہے سڑک بنی ہوئی تھی مگر ایسی خراب حالت میں تھی کہ یہ سارا فاصلہ قریباً پیدل ہی
کرنا پڑا۔ ایک دفعہ سید ظہور اللہ حسین صاحب نے بائیسکل پر چڑھ کر چلانے کی کوشش کی تھی کہ گر پڑے اور سائیکل میں کچھ بھی ہو گیا
مگر خدا کا فضل شامل حال تھا دیکھا تو صرف ایک پیچ کے جوڑنے کا سامان نکل آیا چنانچہ پھر درست کر لیا گیا۔ اس راستہ میں نہ تو درخت
نہ ہی کوئی گرد راہ نظر آیا تنگبھدرا کو اندھیری رات میں قریب پار کرنے کا موقع ملا۔ اس کے اس کنارے پہ کچھ دور اس کے ایک ضلع کا
صدر مقام شہر کرنول آباد ہے۔ وسیع اور بڑا پر رونق شہر ہے کسی زمانے میں یہ شہر نواب ان کرنول کی راجدھانی تھا اس وقت ان کی اولاد میں
اسی پچاسی برس کے ایک نواب صاحب گورنمنٹ انگریزی کے پنشن خوار شکستہ قلعہ کے ایک حصہ میں رہتے تھے۔ شہر کسی نئی جگہ پہنچنے
کے لئے یہ وقت نا موزوں تھا مگر وہاں بھی قیام میں کچھ دقت نہیں پیش آئی۔ ایک برہمن صاحب تھے جن سے دریائے کرشنا اور
تنگبھدرا کے لئے ڈاک کر لی تھی ہم سفر ہونے کی وجہ سے تعارف ہو گیا تھا۔ ایک وسیع اور ستھرے مکان میں ٹھہرنے کا انتظام کر دیا۔ بازار
میں جا کر کھانا کھایا اور اگلے سویرے سے پھر تین روز شہر کی خوب سیر کی اس ہر چیز کو دیکھا۔ نواب صاحب تو اپنے ضعف اور فالج میں مبتلا
ہونے کی وجہ سے ہلنے حرکت نہیں کر سکتے تھے اس لئے ملاقات کے لئے باہر تشریف نہیں لا سکے مگر ان کے صاحبزادوں نواب امیر الامراء
اور شجاع الملک سے ملاقاتیں رہیں۔ اب کرنول کی سیر کے بعد آگے روانہ ہوئے کئی قصبے اور شہر دیکھے۔ اور خوب سیریں کر کے پھر آخر
سلسلہ سے واپس ہو گئے۔ جب دریائے کرشنا کو پار کیا تو چند پیسے باقی رہ گئے تھے لیکن اب کہیں خرچ کرنے کی ضرورت نہیں رہ گئی تھی
وہاں سے پیشتا میسر ایل کا سفر بائیسکلوں پہ طے کر کے اپنے مستقر پر پہنچ گئے۔ آپ کو اس سفر میں جو واقعات پیش آئے وہ بہت پُر لطف
ہیں مگر انہیں ملالت کے خیال سے چھوڑے دیتا ہوں۔ ہمارا منشاء تو یہاں آپ کے مزاج اور طبیعت کا ایک رخ دکھانا ہے۔ غرضیکہ عزیمت و
ہمت اور جفاکشی اور اپنے ارادوں کے پورا کرنے میں جو استقلال آپ میں بدرجہ اتم موجود ہے جو آپ کے اس سفر کے واقعہ سے بھی ظاہر ہے۔

ادب

باوجود بے تکلفی اور بے تکلفی کے آپ بزرگوں اور بڑوں کا ادب آپ نے ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ یہ طرز عمل اپنے عزیز بزرگوں کے ساتھ ہی نہیں
بلکہ احباب میں جو ان سے عمر میں بڑے ہوتے ہیں ان کے ساتھ بھی یہی طرز عمل رہتا ہے مولوی شیخ محمد حسین صاحب قدوائی
مرحوم لکھنؤ کے شیخ زادے اور وہاں کے بزرگوں کی صحبتوں کو دیکھے ہوئے تھے کریم نگر (ریاست حیدرآباد دکن) میں وکالت کرتے تھے۔
عجیب و غریب خوبیوں کے بزرگ تھے۔ عہدہ داران امراء غرباء اور ہر شخص کی نظر میں بڑے با وقعت تھے ان کا گھر ہر کہ و مہ کیلئے
دار المہمان تھا۔ شام کے بعد شہر کے شرفا یہاں جمع ہوتے اور شیخ صاحب کا گھر ایک کلب گھر کی شکل اختیار کر لیتا تھا ہر محترم جب تبدیل ہو کر
کریم نگر پہونچے تو آپ کو بھی ان صحبتوں میں جانے کا موقع ملا پھر تو شیخ صاحب کی (خدا انہیں جنت نصیب کرے) یہ حالت ہو گئی کہ اگر
ہر محترم کو کسی وجہ سے جانے میں ذرا دیر ہو گئی تو بلانے کے لئے آدمی پر آدمی چلا آتا۔ مرتے دم تک انہوں نے ان تعلقات کو اس
خوبی سے نبھایا کہ بیان نہیں ہو سکتا باوجودیکہ ہم اور شیخ صاحب بے تکلف دوست ہو گئے تھے۔ مگر شیخ صاحب کا اس قدر ادب ملحوظ رکھتے کہ
کبھی ایسا موقع نہیں آنے دیا کہ ان کے کسی ملال کا اظہار کا سبب بن سکتا۔ اور اسی ادب و قاعدہ کو دوسرے ایسے بزرگوں کے ساتھ ہمیشہ قائم رکھا ہے۔

کام کی دھن

آپ کی طبیعت کا ایک خاصہ یہ ہے کہ جب کسی کام کو کرنے پر آ جاتے ہیں تو جب تک اس کو انجام کو نہیں پہونچا لیتے اس
وقت تک دم نہیں لیتے یہی اصول ہر سرکاری اور غیر سرکاری ہر کام میں رہتا ہے اور یہی وجہ ہے اور اسی دھن کا اثر ہے کہ تصانیف کا
اعلیٰ پایہ کام انجام کو پہونچ گیا۔ ورنہ جن حالات میں اس کام کا آغاز ہوا تھا وہ اس قدر ساز گار نہیں تھے کہ یہ کام ہو سکتا مگر آپ نے برسوں مسلسل تمام تمام

دن اور تمام تمام راتیں ایک کر دیا۔ اور جس کام کو ہاتھ لگایا تھا اُس کو بحسن و خوبی تکمیل کو پہونچا دیا۔ باغ لگانے کا خیال آیا تو جب تک اس کو تہذیب دے کر اور اعلیٰ درجہ کے میوہ دار درختوں سے بھر پور نہ کر لیا نہ چین لیا اور نہ لینے دیا۔ غرض چھوٹا ہو یا بڑا جس کام کو ہاتھ میں لیتے ہیں کبھی ادھورا نہیں چھوڑتے۔ اس کو پورا کر کے ہی دم لیتے ہیں۔

حقّہ کا شوق

اسلامیہ اسکول اٹاوہ میں جب بورڈر کی حیثیت سے داخل ہوئے تو وہاں کی صحبت نے حقّہ پینے کی عادت ڈلوا دی۔ اور یہ ان کی زندگی کا ایک اہم مشغلہ بن گیا ہے۔ والد صاحب مرحوم و مغفور حقّہ نہیں پیتے تھے لیکن نانا صاحب مرحوم و مغفور حقّہ بہت پیتے تھے۔ اٹاوہ سے آپ چھٹی میں مکان پر آئے ہوئے تھے نانا صاحب کے حقّہ کو کیا ہاتھ لگا سکتے تھے اور گھر میں بھی حقّہ کا انتظام نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے حسب موقع اِدھر اُدھر دوست احباب میں اس کا مشغلہ ہو جاتا تھا۔ ایک دفعہ نانا صاحب مرحوم نے ان کو حقّہ پیتے ہوئے دیکھ لیا۔ مکان پر تشریف لا کر جب اُن کا حقّہ بھر گیا تو انہوں نے برادر محترم کو بلوایا۔ یہ خالی الذہن سلام کر کے حاضر ہوئے ارشاد ہوا کہ بیٹھو اور حقّہ پینے کے لئے کہا۔ اب تو آپ کے حواس کے طوطے اُڑ گئے۔ انکار کیا۔ ارشاد ہوا کہ ہم اس کو پسند نہیں کرتے کہ اِدھر اُدھر حقّہ پیو۔ جب پیتے ہو تو ہمارے سامنے پیو۔ اس قدر مجبور ہوئے کہ ایک دو کش لینے ہی پڑے۔ اُس روز سے یہ ہوا کہ نانا صاحب جب کچھ حقّہ پی لیتے تو پھر اُس کو آپ کے پاس بھجوا دیا کرتے۔ اس طرح حقّہ نوشی کا سلسلہ چلا اور اب تو اس میں ایسی کثرت ہے کہ کام کے وقت چاہے ایک کش لینے کی نوبت نہ آئے مگر چلم بھری بھرائی حقّہ پر برابر رہے۔ سگرٹ اور بیڑی بھی حسب موقع چلتی رہتی ہے۔ غرض یہ شغل آپ کی دھن کے لئے نہایت ضروری ہے۔

طبیعت کا خاصہ

طبیعت درحقیقت بہت سادگی پسند ہے۔ اور کسی تصنّع اور بناوٹ کو دخل نہیں ہے۔ زندگی بہت سادگی کے ساتھ بسر کرتے ہیں۔ اس میں رہن سہن۔ کھانا پینا اور لباس سب شامل ہیں۔ بُری باتوں سے ہمیشہ نفرت رہی ہے۔ جھوٹ دھوکہ دہی اور فریب کے دشمن ہیں۔ اور ہمیشہ سچ بولنا اور بے لوث گفتگو کرنا پسند خاطر ہے۔ نہ کسی سے ایچ پیچ کی گفتگو کرتے ہیں۔ اور نہ چاہتے ہیں کہ ان سے اِس طرز سے گفتگو یا معاملہ کی بات چیت کی جائے۔ اور جب دیکھتے ہیں کہ ایسا ہو رہا ہے تو آپ کو غصّہ آ جاتا ہے۔ اور اُس شخص کو بُری نظر سے دیکھتے ہیں۔ کینہ کپٹ کسی سے نہیں رکھتے۔ سچّی بات ایسی کہہ دیتے ہیں کہ چاہے کسی کے دل میں رہے یا کلیجہ سے پار ہو جائے۔ دوسروں کے معاملوں میں دخیل ہونے کی کوشش نہیں کرتے۔ اور اپنے معاملہ میں بھی کسی کو خواہ مخواہ دخیل نہیں ہونے دیتے۔

بڑوں کی عزّت، چھوٹوں سے محبّت اور دوست احباب سے مروّت کا برتاؤ رہتا ہے۔ اعزّا کے ساتھ لُطف و مدارات سے پیش آتے ہیں اور اُن کے کام بھی آتے ہیں۔

نماز و روزہ کے پابند ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ یہ احکام الٰہیہ ہیں۔ ان کی بجا آوری میں کسی طرح کا تساہل نہیں ہونا چاہئے۔ بزرگانِ دین سے عقیدت ہے مگر شیخلے پیشکوا رہے اور دنیا دار مکاروں کے سخت دشمن ہیں۔ کسی کی تکلیف نہیں دیکھ سکتے۔ گھبرا جاتے ہیں۔ اوائل عمر سے ورزش کا شوق ہے جو کسی نہ کسی شکل میں اب تک زیر مداولت ہے۔ اِس ریاضت اور پاکیزہ زندگی بسر کرنے کی وجہ سے آپ کی صحت ہمیشہ بہت اچھی رہی۔ اب بھی آپ روزانہ کسی نہ کسی کام میں اپنے آپ کو مشغول رکھتے ہیں۔

تاہّل

والد صاحب مرحوم و مغفور کے انتقال کے بعد کچھ مالی پریشانیاں لاحق رہیں۔ ملازم ہونے پر آپ نے اپنی فراست سے اپنے گھر کے ماحول کا اندازہ کر لیا۔ اور اپنی گاڑھی محنت کی کمائی اپنی ماں اور بہن بھائیوں پر اس طرح صرف کرنے لگے کہ جس سے گرتی ہوئی عمارت کو تھام لیا۔ ماں کی ماماتا چاہتی تھی کہ وہ بیٹے کا سہرا دیکھے۔ مگر آپ کی ہمّت اس کی متقاضی تھی کہ پہلے بہن کی شادی ہو۔ اور میری تعلیم کی تکمیل ہو سکے۔ خدا نے اِن کاموں کو انجام کو پہونچایا۔ بہن اور دوسرے بھائی کی شادی ہو چکی تھی۔ اور میں بھی بی۔ اے کر چکا تھا کہ یکایک سنہ ۱۹۲۹ء میں شفیق ماں نے داغِ مفارقت دے دیا۔ آپ کے لئے یہ صدمہ ناقابلِ برداشت تھا اور اس نے آپ کی زندگی کے ایک باب کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ میری ملازمت کے بعد مجھ پر زور ڈالا گیا کہ میں شادی کر لوں۔ میرا اصرار تھا کہ آپ کو خود پہلے شادی کرنی چاہئے۔ مگر آپ کی مستغنی طبیعت نے اس کو گوارا نہیں کیا۔ اور صاف طور پر کہہ دیا کہ اب والدہ کے انتقال کے بعد میں تاہّل کی زندگی کسی طرح بسر نہیں

کروں گا۔ چنانچہ آپ نے شادی نہیں کی۔ اور غیر تاہل زندگی بسر کرتے ہیں۔ اِس طرح فرض شناسی اور پاکبازندگی آپ کے کیرکٹر کا انمول جوہر ہیں۔
یُوں تو آپ کو اپنے عزیز اقارب بہن بھائیوں سب سے محبت ہے لیکن سب سے زیادہ میں آپ کی بے پناہ محبّت و مُودت کا مرکز رہا اور اب میری ننھی بچی فیضیہ تاج بانو آپ کی مسرتوں اور خوشیوں کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ میری پُوری تعلیم اور شادی وغیرہ کے اخراجات کے آپ ہی کفیل رہے۔

غرض آپ ایک بے چین اور ہمہ گیر طبیعت لیکر آئے ہیں۔ جوان عمری سے "خودداری" "عزت" "فیاضی" رحم دلی اور خدا ترسی آپ کا جوہر رہا ہے۔ قوت فہم۔ ذہانت حافظہ۔ اور طاقتِ ادراک اور طلاقت و خوش تقریری کا کافی حصّہ خدا کی طرف سے آپ کو ودیعت کیا گیا ہے پیہم مطالعہ اور کثرت کتب بینی کے باعث آپ نے لیاقت میں ترقی کی۔ آپ کے اَوضاع۔ اطوار۔ اور طرزِ معاشرت مثالی ہے۔ آپ حد درجہ نیک چلن اور پاک باز رہے ہیں صحت اعلیٰ درجہ کی رہی۔ جو کتاب میں تصویر دیکھنے سے ظاہر ہے اور شاید حضرت ریاؔض خیرآبادی نے اپنا یہ شعر آپ ہی کے لئے موزوں کیا تھا ؎

دُنیا کی پڑ رہی ہیں نگاہیں ریاؔض پہ (حسین پر)
کس نوک کا جوان ہے کس آن بان کا

سادگی۔ اور پاک دامنی کا جو مسلک شروع سے اختیار کیا تھا اُس کو تا ایں دم بفضلہ تعالیٰ بخیر و خوبی قایم رکھے ہوئے ہیں۔ اب اِس تعارف کو میں اِس دعا کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بیش از بیش صحت و تندرستی خوشیوں اور مسرتوں کے ساتھ علمی خدمات کی روز افزوں توفیق عطا فرمائے اور یہ کہ ؎

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

آمین اَللّٰھُمَّ آمین

راقم
محمد اِمداد احمد زبیری

ختم ۸ بجے شب۔ ۷ مئی ۱۹۵۰ء مطابق ۱۹ رجب ۱۳۶۹ ہجری
بروز اتوار۔ حیدرآباد دکن

فہرست مضامین مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

زبیری کنبوی خاندان پر ایک نظر

بعد حمدِ خدا اور نعتِ رسولِ خدا صلعم اور اعترافِ جلالت شان و بزرگی اصحاب کرامؓ عرض ہے کہ حضرت زبیرؓ کا خاندان قبل از اسلام اور بعد از اسلام جن شرافتوں اور اعلیٰ مدارج کا حامل رہا ہے۔ آپ سب اصحاب نظر اچھی طرح واقف ہیں۔ لیکن ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس موقع پر بھی اس خاندان کے اخلاق و عادات اور خصوصی مزاج کا صحیح اندازہ اس کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے کرا دیں۔ بقول علامہ اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی کے قوموں کے اخلاق و عادات کا اندازہ کسی ایک یا چند افراد سے ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔ کسی خاص عہد اور زمانے سے بھی قوم کے خصوصی مزاج اور اخلاق کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ قوم کے اخلاق اور اس کی خصوصیات کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے اس قوم کی تمام تاریخ پر ایک نظر ڈالنی چاہئے۔ اس وسیع مطالعہ کے بعد اس قوم میں جو خصوصیتیں نظر آئیں گی وہ اس قوم کا خصوصی مابہ الامتیاز اور انہی کی اس قوم کے مستقبل سے توقع رکھی جائے گی۔ لیکن اگر تاریخ اس کے خلاف شہادت پیش کرے تو پھر لوگوں کی جھوٹی باتوں اور فریب آمیز باتوں پر التفات نہ ہونا چاہئے۔ لہٰذا مکہ کے قریشی سردار زید الملقب بہ قصیٰؓ اور ان کی اولاد میں سے چند بزرگوں کے حالات کو نہایت اختصار سے یہاں بھی روشناس کراتے ہیں تاکہ اس خاندان کا مقیم ہندوستان کے واقعات کا سلسلہ قائم ہو جائے اور اسلاف کے جو اثرات اخلاف میں متوارث رہتے چلے آتے ہیں ان پر نیز دوسرے واقعات پر پورا عبور حاصل ہو جائے۔ اور مولانا امروہوی نے اپنی کتاب تحقیق الانساب تاریخ امروہہ میں خاندان مذکور پر جن مقاصد کے مدِنظر اور جس نقادانہ نظر سے حاشیہ آرائی کی ہے اس کی حقیقت کو بھی تواریخی شواہد کی روشنی میں بخوبی آپ کو دکھایا جا سکے۔

زید الملقب بہ قصیٰ

خدائے بزرگ و برتر نے آپ کو اس شرف سے ممتاز فرمایا ہے کہ آپ سرکار دو عالم صلعم اور حضرت زبیرؓ کے جد چہارم ہیں۔ آپ میں خدا نے بڑی قابلیتیں اور بصیرتیں جمع فرمائی تھیں۔ آپ ہی ہیں جنہوں نے شہری مملکت مکہ کو قائم کیا۔ اور قریش کی منتشر قوتوں کو یکجا کر کے ان کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کا موقع بہم پہنچایا۔ اور آئندہ عرب میں اسلام آنے پر مرکزیت کے اسباب پیدا کرنے کے آپ ہی قائد تھے۔ آپ نے بنو خزاعہ کو مکہ سے خارج کر کے قریشیوں کو اس کے اندرون میں لا کر آباد کیا۔ اور آپ مکہ کے باقتدار حاکم اعلیٰ قرار پائے۔ اور ایسے نظام سلطنت کی بنیاد رکھی جس میں سب قریشی قبائل شریک و سہیم بن گئے۔

آپ کے کارناموں میں سب سے اہم کارنامہ مکہ میں کعبہ کے شمالی جانب اس کے بالکل سامنے دار الندوہ کی تعمیر ہے جس کا نام دار الندوہ تھا جس کے اجلاس میں چالیس سال کی عمر سے کم کے لوگ شریک نہیں ہو سکتے تھے لیکن صرف آپ کے چاروں صاحبزادوں کو یہ رعایت اور شرف حاصل تھا کہ وہ عمر کی اس قید سے مستثنیٰ تھے۔ بعد میں ابوجہل تیس سال کی عمر میں شریکِ اجلاس کیا گیا تھا۔ اور حضرت حکیم بن حزام بن خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصیٰ کو بیس یا پندرہ سال کی عمر میں اجلاس میں شرکت کی عزت حاصل ہو گئی تھی۔

یہ دار الندوہ ہی تھا جس میں تمام قبائل کے معمر اور صاحب الرائے اصحاب مشورہ کرتے تھے۔ اسی میں جنگوں کا اعلان کیا جاتا تھا۔ مدافعتی تدبیروں پر غور ہوتا تھا۔ یہیں شادیاں بھی رچائی جاتیں۔ تجارتی معاملے طے ہوتے۔ بیرونی مہمانوں کی ضیافت کا انتظام بھی یہیں ہوتا۔ لڑکی کے سن بلوغ کو پہونچنے اور اس کے قابل نکاح ہونے کا اعلان بھی یہیں کیا جاتا تھا۔ غرض اس طرح یہ ادارہ مکہ کا مرکز یعنی دار الندوہ تھا۔

اس کے علاوہ تولیت کعبہ۔ رفادہ اور سقایہ وغیرہ وغیرہ کے متعدد ادارے بھی تھے۔ جو اپنے اپنے فرائض کو انجام دیتے تھے۔ ان تمام مناصب جلیلہ

پہلے سے موجود تھے اور بعد میں اکثر قصی نے ضروریات کے تحت قائم کئے۔

قصیٰ کی اَولاد ان چاروں لڑکوں عبدالدار۔ عبدمناف۔ عبدالعزیٰ اور عبد قصیٰ میں سے عبدمناف اور عبدالعزیٰ باپ کی حیات ہی میں نامور اور صاحبِ عزت و جاہ ہو چکے تھے لیکن اِن دونوں بھائیوں کے مقابلہ میں عبدالدار کے کمزور ہونے کی وجہ سے باپ نے اُس کو حکومت مکہ کے کاروبار سپرد کر دیئے تھے جس کی جانب اِن دونوں بھائیوں نے اپنی ذاتی وجاہتوں اور دولت مندی کی وجہ سے کوئی توجہ نہیں دی تھی لیکن اِن کے اِنتقال پر عبدمناف کے بیٹے ہاشم اور عبدالعزیٰ کے بیٹے اسد نے عبدالدار کی اَولاد سے اپنے حصوں اور کاروبار حکومت مکہ میں شمولیت کا مطالبہ کیا۔ ایک شدید جنگ کا خطرہ پیدا ہو کر رفع ہو گیا۔ اسد بن عبدالعزیٰ کو دارالندوہ کی صدارت و انتظام۔ حج کے آنے والوں کی دعوت اور محتاجوں کی خبرگیری سپرد ہوئی۔ اور یہ صدارت آپ کے خاندان میں متوارث رہتی چلی آئی۔ یہاں تک کہ حضرت امیر معاویہؓ کے زمانۂ خلافت میں حضرت زبیرؓ کے حقیقی چچازاد بھائی حضرت حکیم بن حزام بن خویلد بن اسد پر اس کا خاتمہ ہو گیا۔

اِسی سلسلہ میں ہاشم کے بھائی عبدالشمس بن عبدِمناف کو ٹیکس جمع کرنے اور حاجیوں کے لئے پانی مہیا کرنے کا انتظام سپرد ہوا۔ اور دوسرے اداروں کی تقسیم بھی عمل میں دی گئی۔ عبدالدار کی اولاد کے حوالے فوجی اِنتظام ہوا۔

اسد بن عبدالعزیٰ بن قصیٰ اور آپ کی اولاد آپ قریش کے نامور۔ باوجاہت اور ذی حشم سردار تھے۔ دارالندوہ کی صدارت پر آپ متمکن ہوئے۔ اِسی کے ساتھ ساتھ خدا نے آپ کو نامور اولاد بھی عطا فرمائی اور آپ قریش کے ایک نئے بطن اسدی کے اِسی طرح مُورثِ اعلیٰ ہوئے جیسے کہ آپ کے حقیقی چچازاد بھائی ہاشم ایک نئے بطن ہاشمی کے مُورثِ اعلیٰ بنے۔

آپ کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں ہونے کا شرف بھی حاصل ہے کیونکہ آپ کی صاحبزادی اُمِ حبیب حضرت رسول مقبول صلعم کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ کی حقیقی نانی تھیں۔ علاوہ ازیں آپ اُم المومنین حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰؓ کے دادا اور سیدنا حضرت زبیرؓ کے پردادا بھی تھے۔ سرکار دوعالم صلعم کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہؓ اور آپ کی حقیقی بہن سیدہ حضرت صفیہؓ والدہ ماجدہ حضرت زبیرؓ، اسد کی پوتی ھالہ بنت مطلب بن اسد کے نواسے اور نواسی تھے۔ ھالہ زوجہ وہیب بن عبدِمناف بن زہرہ بن کلاب کی صاحبزادی ہالہ کی شادی عبدالمطلب بن ہاشم سے قرار پائی تھی۔ اور وہیب کے بھائی وہب کی صاحبزادی آمنہ کا نکاح عبدالمطلب نے اپنے صاحبزادے عبداللہ سے کیا تھا۔

اِسی طرح اسد کی پانچویں پُشت میں ابُوعبیدہ بن عبداللہ بن زمعہ بن الاسود بن مطلب بن اسد کی صاحبزادی ھند کی شادی عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حضرت حسنؓ بن حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوئی تھی۔ جن کے بطن سے اِمام محمدؒ نفس ذکیہ اور ان کے بھائی اَبراہیم تھے جنہوں نے ۱۴۵ ہجری میں ابُوجعفر منصور خلیفہ دوم عباسی کے خلاف خروج کیا تھا۔

جناب اَسد کی اولاد سے قبل از بعثت آنحضرت صلعم جن صلاحیتوں کا اظہار ہوا اور بعد از بعثت حضور اکرم صلعم انہوں نے اِسلام کی جو خدمات انجام دیں تاریخ اِسلام کے صفحات اُن کے کارناموں سے مزین ہیں۔

ورقہ بن نوفل چنانچہ ورقہ بن نوفل بن اسد پہلے شخص تھے جو قریش میں عبرانی و عبرانی زبانوں کے ماہر تھے۔ اور جنہوں نے عبرانی سے انجیل کا ترجمہ عربی زبان میں کیا۔ اور اِسی طرح توریت کو عربی میں منتقل کیا تھا۔

قریشیوں میں قبل از اسلام جن اشخاص نے بُت پرستی سے بیزاری کا اظہار کیا تھا۔ اُن میں سے ایک آپ اور دوسرے آپ کے چچازاد بھائی عثمان بن حویرث بن اسد تھے۔

نوٹ ؎ رسول مقبول صلعم کے ہم عمروں میں آپ کے چچا حضرت حمزہؓ اور پھوپھی حضرت صفیہؓ دونوں حقیقی ماں جائے بھائی بہن تھے جنہوں نے خاندان ہاشمی میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ ان دونوں کو یہ شرف بھی حاصل تھا کہ ماں اور باپ دونوں کی طرف سے آنحضرت صلعم سے خون کا رشتہ رکھتے تھے۔

اس دُنیا میں آپ پہلے شخص ہیں کہ جب حضور اکرم صلعم پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ ہی نے اُس کی صداقت و حقانیت کی گواہی دی تھی لیکن رسالت کا اعلان نہیں ہوا تھا کہ دُنیا سے چل بسے۔

آپ ہی ہیں کہ جنہوں نے آنحضرت صلعم کے مبعوث ہونے سے قبل **سیدنا حضرت ابوبکر صدیق**ؓ کو حضور اقدس صلعم کے مبعوث ہونے کی بشارت دی تھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ **حضرت صدیق اکبر**ؓ حضور اکرم صلعم کے مبعوث ہوتے ہی ایمان لے آئے اور تصدیقِ نبوت فرمائی۔

عثمان بن حویرث

یہ عثمان بن حویرث بن اسد ہیں جن کا حال پہلے مذکور ہوا ہے عیسائی ہوگئے تھے۔ یہ ایک باحوصلہ شخص تھے۔ اور مذہب کی کافی تلاش و جستجو کرتے رہے تھے۔ قیصرِ روم ان کی بہت عزت کرتا تھا۔ اور اُس کے یہاں اُن کو ایسا اقتدار حاصل ہوگیا تھا کہ اس نے انہیں مکہ کی حکومت کا فرمان دے کر روانہ کیا تھا جس میں مکہ والوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ ان کو اپنا بادشاہ تسلیم کرلیں۔ بقول ڈاکٹر حمید اللہ صاحب "عثمان" کے لئے بڑے اچھے مواقع حاصل تھے کیونکہ مکہ والے غلہ اور دیگر ضروریات اور نیز تجارتی کاروانوں کے لئے مصر، فلسطین، اور شام کے رومی صوبوں کے دستِ نگر تھے۔ اس لئے وہ آسانی سے فرمانِ قیصری کو نظر انداز نہیں کرسکتے تھے لیکن عین لمحۂ آخر میں عثمان ہی کے ایک رشتہ دار نے جلسہ میں اُٹھ کر اعتراض کرنا شروع کردیا اور کہا کہ "ہم مکے کے آزاد باشندے بادشاہت اور امارت کی بدعتوں کو کیسے قبول کرسکتے ہیں" اور اس خیال کا خوب مضحکہ اُڑایا۔

قوم کے دم میں جلسے کی رائے بدل گئی۔ عثمان بیزار ہوکر شام واپس چلا گیا۔ اور قیصرِ روم نے اس کا بدلہ یوں لیا کہ دینی قلمرو مکہ والوں کے لئے بند کردی اور ان کے جو تاجر اس وقت وہاں موجود تھے ان کو قید کرلیا۔" حالانکہ اس سے قبل اسی قیصر نے آنحضرت صلعم کے پر دادا جناب ہاشم کو شام میں تجارت کرنے کا منشور دیا تھا۔ اس وقت قیصر مکہ والوں کا اس سے زیادہ کچھ بگاڑ بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ اسی دوران میں اُس کی ایران سے جنگ چھڑ چکی تھی۔

اَبُوالبختری عاص بن ہشام بن الحارث بن اسد

ابوالبختری کے دادا حارث حضرت زبیرؓ کے دادا خویلد بن اسد کے سگے بھائی تھے۔ اس طرح یہ خود حضرت زبیرؓ کے چچازاد بھائی تھے۔ انہوں نے اسلام نہیں قبول کیا۔ مگر آنحضرت صلعم او مسلمانوں کی امداد کا جب موقع ملا تو اس سے دریغ نہیں کیا۔

جب کفارِ قریش نے "بنی ہاشم" کو شعب ابو طالب میں محصور کرکے پہرے لگا دیئے تھے تو محاصرے کی طوالت کی وجہ سے وہاں گھاس اور پتے بھی کھانے کے لئے باقی نہیں رہے تھے اکثر طلح کے پتے کھانے پڑتے۔ عجیب مصیبت میں مبتلا تھے تاہم اُم المومنین حضرت خدیجہؓ الکبریٰ جو حضور اکرم صلعم کے ساتھ شعب ابوطالب میں تھیں کبھی کبھی باہر سے کھانا پہنچ جاتا تھا جس کو آن کے خاندان والے چھپا کر وہاں پہنچ دیتے تھے۔ [illegible] ابوجہل نے حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیمؓ بن حزام کو دیکھ لیا جو اپنے غلام پر گیہوں لدوا کر شعب ابوطالب میں پہنچانے لے جا رہے تھے۔ ابوجہل نے اُن کی مزاحمت کی۔ اتنے میں ابوالبختری وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے ماجرا دریافت کیا۔ ابوجہل سے کہا کہ انہیں جانے دو۔ مگر جب وہ کسی طرح نہ مانا تو ابوالبختری نے ابوجہل کے ایسی سخت ضرب لگائی کہ وہ لہولہان اور بیدم ہوگیا۔

بنو ہاشم سخت مصیبت میں تھے۔ محاصرہ کو تین برس ہوچکے تھے کہ ایک دن ان کی رہائی کا اس طرح سامان ہوگیا کہ حضرت زبیرؓ ہشام مخزومی سے مشورہ کرکے مطعم بن عدی کے پاس گئے۔ انہوں نے اور ابوالبختری عاص اور زمعہ بن الاسود اسدی اور عدی بن قیس نے ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ دوسرے دن یہ سب مل کر حرم میں گئے۔ حضرت زبیرؓ نے سب لوگوں کو مخاطب کرکے کہا۔ اے اہلِ مکہ یہ کیا انصاف ہے کہ ہم لوگ آرام سے زندگی بسر کریں اور بنو ہاشم کو آب و دانہ نصیب نہ ہو۔ خدا کی قسم جب تک یہ ظالمانہ معاہدہ چاک نہ کردیا جائے گا میں باز نہ آؤں گا۔ [illegible] کی مخالفت کے باوجود معاہدہ کو چاک کرکے یہ لوگ شعب ابوطالب میں جاکر سب کو نکال کر مکہ معظمہ لے آئے۔

جنگ بدر کے موقع پر آنحضرت صلعم نے جن لوگوں کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ قتل نہ کئے جائیں ان میں "ابوالبختری اسدی" [illegible] عباسؓ بھی تھے جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے اور لڑنے کے لئے آئے تھے۔

ابوالبختری اسدی کے قتل سے رسولِ مقبول صلعم نے اس لئے منع فرمایا تھا کہ انہوں نے [illegible] نہیں کی۔ کبھی ایذا نہیں دی اور کوئی ایسی بات نہیں کی جو رسول اللہ صلعم کے ناگوارِ خاطر ہوئی ہو۔ اس کے [illegible]

اور تمام بنی ہاشم کو شعب ابو طالب سے نکال لائے تھے۔

لیکن ابوالبختری اسدی نے شرافت کے ماتحت مارا جانا گوارا کیا اور جان بخشی اپنے ہمراہی کو چھوڑ کر قبول نہیں کی۔ واقعہ یہ ہوا کہ بدر کی جنگ میں جب مجذر بن زیاد البلوی سے اتفاقاً ایک حلیف سے مڈبھیڑ ہوئی تو مجذر نے ابوالبختری سے کہا کہ رسول اللہ صلعم نے تمہارے قتل کو منع فرمایا ہے۔ ابوالبختری نے اپنے رفیق کے متعلق دریافت کیا کہ اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ مجذر نے کہا کہ ہم اسے نہیں چھوڑنے کے صرف تمہارے واسطے حکم ہے۔ ابوالبختری نے جواب دیا کہ اگر ایسا ہے تو میں اور وہ دونوں ساتھ جان دیں گے تاکہ مکہ کی قریش عورتیں میرے متعلق یہ نہ کہیں کہ میں نے اپنی جان بچانے کے لئے اپنے رفیق کو قربان کر دیا اور یہ رجز پڑھتے ہوئے کہ ایک شریف زادہ کبھی اپنے ساتھی کو دشمن کے حوالے نہیں کرتا۔ اب چاہے وہ مر جائے یا کامیاب ہو۔ لڑتے اور مارے گئے۔"

حضرت ہبار بن الاسود بن مطلب بن اسد — آپ کی اولاد خوب پھلی پھولی چنانچہ عمر بن عبدالعزیز بن ربیع بن منذر بن زبیر بن عبدالرحمٰن بن حضرت ہبار نے سندھ میں منصورہ کی خود مختار سلطنت قائم کر لی تھی جو ۴۱۶ ہجری تک بڑے جاہ و جلال کے ساتھ قائم رہی۔ اور قرامطیوں کے ہاتھوں تباہ ہوئی جن کو بعد میں سلطان محمود غزنوی نے تباہ و برباد کر دیا۔

حضرت ہبار کے پوتے مطرف بن عبدالرحمٰن کی بارہویں پشت میں شیخ الاسلام حضرت مخدوم بہاؤ الدین زکریا ملتانی سہروردی (المتوفی ۶۶۵ ہجری) ہوئے۔ آپ کے فیض انوار سے وسط ایشیا تک منور و تاباں تھا۔

حضرت ہبار ہی کی نسل میں ایک صاحب جو صدا و بصرہ کے صاحب حیثیت و متمول بزرگ تھے جب کہ صاحب الزنج (حبشیوں کے سردار) کی غارت گری سے بصرہ میں [illegible] ۲۵۵ ہجری میں سیراف میں منتقل ہو گئے اور وہاں سے بحر ہند ہوتے ہوئے چین میں پہنچے۔ اور شہنشاہ چین کے مہمان ہوئے۔ انہوں نے عربوں اور ان کے ملکوں کے متعلق شہنشاہ کو باخبر کیا تھا۔ یہ قریش ابن ہبار کے لقب سے ملقب تھے۔ علامہ مسعودی نے ابو زید محمد بن یزید سیرافی سے جو سیراف سے بصرہ میں منتقل ہو گئے تھے ۳۰۳ ہجری میں چین سے متعلق حالات دریافت کر کے لکھے ہیں۔ ابو زید سے خود ابن ہبار موصوف نے بیان کیا تھا۔

حضرت ربیعہ بن الاسود بن مطلب بن اسد — انہوں نے مسافروں کے لئے ایک کھجور کا درخت وقف کر دیا تھا۔ اور سرور دو عالم صلعم نے ان کے اس فعل کو قابل عزت قرار فرمایا تھا۔ چنانچہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے اس کے متعلق شعر کہا تھا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "یہی وہ چیز ہے جس کے متعلق حضرت امیر معاویہ نے کہا تھا کہ کاش میں ربیع بن الاسود کے کھجور کا درخت والا ہوتا اور خلافت مجھے نہ ملتی۔"

زمعہ بن الاسود بن مطلب بن اسد — اپنی فیاضیوں کی وجہ سے مشہور و معروف تھے۔ اور ان کو زاد الراکب [illegible] کے خطاب سے ملقب کیا جاتا تھا یہ شام کی تمام شاہراہوں کے بھی ماہر تھے۔ ان کی بیوی قریبہ ام المومنین حضرت سلمہ کی سگی بہن تھیں۔"
(ابن ہشام) و [illegible]

حضرت [illegible] — آپ کا وقار بہت تھا جب کبھی قریش پنچایت کرتے تو وہ فیصلہ کا انحصار ان پر رکھتے اور سارے معاملہ کو انہیں کے سپرد کر دیتے۔ اور ان کا فیصلہ قابل تسلیم ہوتا (ابن ہشام و ابن الاثیر وغیرہ) آپ نے ابتدا ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ جنگ حنین میں اسلام کا گھوڑا جناح نامی بدک گیا تھا جس سے گر کر شہید ہو گئے۔

[illegible] ابوالبختری وہب بن وہب بن وہب بن قسیر [illegible] زمعہ بن الاسود بن مطلب بن اسد — آپ کی والدہ نے آپ کے والد کے انتقال کے بعد حضرت جعفر صادق بن محمد باقر بن زین العابدین بن حسینؑ بن حضرت علیؓ سے شادی کر لی تھی۔ آپ نے حضرت جعفر صادق اور حضرت ہشام بن حضرت عروہ [illegible] حضرت زبیرؓ سے حدیثیں حاصل کیں۔

ہارون الرشید نے قاضی ابو یوسف (شاگرد حضرت امام ابو حنیفہ) کے ۱۸۲ہجری میں انتقال کر جانے پر آپ کو بغداد کے مغربی حصہ (عسکری المہدی) کا قاضی مقرر کیا تھا۔

کچھ دنوں کے بعد ۱۹۳ہجری میں آپ کو قاضی بکار بن عبد اللہ الزبیری کی جگہ پر مدینہ منورہ روانہ کیا گیا اور آپ قاضی مدینہ منورہ ہو گئے جس پر آپ انتقال کے وقت ۲۰۲ہجری تک فائز رہے آپ کا انتقال بغداد میں ہوا۔ آپ کی تالیفیں بعد والوں کی نظروں میں بہت قیمتی رہی ہیں۔ اور جن سے استفادہ کیا جاتا رہا ہے۔ (ابن خلکان۔ ابن اثیر۔ ابن قتیبہ۔ ڈائری فیملی آف زبیر)

آپ کی تصانیف کے منجملہ صفتہ النبی صلعم اور فضائل الانصار بھی ہیں۔ (الفاروق تالیف علامہ شبلیؒ)

علامہ مسعودی نے آپ کی اکثر تصانیف کے لئے تحریر کیا ہے کہ "ابو البختری قاضی وغیرہ نے اپنی کتابوں میں خارجیوں کے حالات اور ان کے فرقے بیان کئے ہیں اور ان میں بتایا ہے کہ کن اصولوں پر ان سب کا اتفاق ہے۔ اور وہ کون سے فروع ہیں جو ان کے درمیان مابہ الاختلاف ہیں۔ (مروج الذہب مسعودی)

آپ کی اولاد میں بڑے بڑے صاحب علم و فضل، صاحب تدبر اور ہوشمند اصحاب ہوئے ہیں اور کئی پشتوں تک عباسی خلافت میں وزیر اعظم ہوتے رہے ہیں۔ (ان کے لئے دیکھو کتاب خاندان سیدنا حضرت زبیرؓ۔ مؤلفہ مولوی حسین احمد زبیری مؤلف کتاب ہذا)

امام ابوبکر عبد اللہ الحمیدی | بن زبیر بن عیسیٰ بن عبید اللہ بن زبیر بن عبد اللہ بن حمید بن زبیر بن الحارث بن اسد کے نام سے ایک بنا بطن یا گھرانا قایم ہوا جس کو الحمیدی کہتے ہیں۔

آپ علامہ سفیان بن عیینہ کے شاگرد رشید تھے۔ اور انیس سال تک آپ نے ان سے کسب کمال کیا۔ امام شافعیؒ سے مکہ کے دوران قیام میں آپ نے استفادہ حاصل کیا۔ اور مصر کے سفر میں دونوں ہمراہ تھے۔

آپ کے سب سے زیادہ مشہور و معروف شاگرد امام محمد بن اسمٰعیل البخاری ہیں جنہوں نے اپنی صحیح بخاری کی آپ ہی کی حدیث سے ابتدا کی ہے۔ آپ کی کنیت قریشی اسدی ہے۔

آپ اکثر کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں نے تعلیم پر جو کتابیں تصنیف کی ہیں ان میں آپ کی بھی ایک کتاب کا نام آتا ہے۔ اور حدیث میں آپ کی "مسند حمیدی" ایک مشہور کتاب ہے۔ ۲۱۹ہجری میں مکہ معظمہ میں آپ کا انتقال ہوا۔

خویلد بن اسد | آپ قریش کے معززین میں سے تھے۔ اور حرب فجار میں بنو اسد کے سردار تھے۔ اور اسی جنگ میں آپ مارے گئے۔ آپ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے والد اور حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرت حکیمؓ بن حزام کے دادا تھے۔

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد | آپ بڑی صاحب دولت و ثروت بیوی تھیں۔ وہ اپنا مال تجارت ملک شام و عراق و یمن میں بھیجا کرتی تھیں۔ اور وہ اتنا ہوتا تھا کہ ان کی سامان تجارت لے جانے والی اونٹنیاں تمام قریش کے سامان لے جانے والی اونٹنیوں کے برابر ہوتی تھیں۔ چنانچہ سرکار دو عالم صلعم نے بھی اس کام کو انجام دیا۔ اور جس میں پہلے سے کہیں زیادہ نفع حاصل ہوا۔

آپ بیوہ تھیں حسن و جمال عقل و دانش میں یکتا اور دولت و ثروت اور شریفانہ اخلاق میں فرد تھیں۔ آپ کے ان اوصاف نے اشراف قریش کو آپ کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ اور آپ کو برابر پیام نکاح وصول ہوتے رہتے تھے لیکن قضاء و قدر کو کچھ اور منظور تھا اور آپ کو ام المومنین بننے کا فخر حاصل ہونا تھا لہذا آپ سرور دو عالم صلعم کے ازدواج میں آئیں۔ بقول طبری اس زمانہ میں قریش میں آپ سب سے زیادہ نجیب، شریف اور دولت مند خاتون تھیں۔ پھر آپ نے جو خدمات اسلام ادا فرمائیں ان سے تاریخ اسلام بھری پڑی ہے۔ آپ ہی تھیں کہ جنہوں نے سب سے پہلے [illegible] رسالت کی تصدیق کی۔ اور اپنی تمام دولت [illegible] اسلام کی خدمت میں نثار کر دی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ آپ کے ہی دامن پرورش میں پروان [illegible] [illegible] آپ [illegible] کو [illegible] ارشاد [illegible] آپ نے [illegible] آپ برابر کی شریک رہیں۔ بقول ابن ہشام آپ اسلام کے [illegible]

کی بھی مشیرکار اور ہمدرد و معاون تھیں۔ سوائے ایک کے آپ آنحضرت صلعم کی جملہ اولاد کی ماں ہیں۔ اور حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ کی نانی ہیں۔

حضرت حکیمؓ بن حزام بن خویلد بن اسد

آپ کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ کی ولادت خانہ کعبہ کے اندر واقع ہوئی۔ حضرت علیؓ کی ولادت بھی خانۂ کعبہ میں ہوئی لیکن حضرت حکیمؓ سے اڑتالیسؓ برس بعد۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی آپ تمام قریش میں ممتاز شان رکھتے تھے اور زمانۂ اسلام میں بھی آپ کی امارت، صائب رائے، سخاوت، تقویٰ و طہارت مشہور تھی۔

زمانۂ جاہلیت میں آپ کو جو خلوص اور والہانہ محبت آنحضرت صلعم سے تھی وہ ہر زمانہ میں قائم رہا۔ چنانچہ ہجرت کے بعد آنحضرت صلعم جب مدینہ تشریف لے آئے تب بھی یہ جذبۂ محبت و مودت برابر قائم رہا۔

اصابہ میں مذکور ہے کہ نبوت سے پہلے آنحضرت صلعم کے جو تین خاص دوست تھے۔ اُن میں سے ایک آپ تھے۔ دوسرے حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ اور تیسرے ضماد بن ثعلبہؓ تھے جو جاہلیت میں طبابت و جرّاحی کا پیشہ کرتے تھے۔ بعد ازاں مکہ میں مسلمان ہو گئے تھے۔

آپ فتح مکہ کے دن اسلام لائے۔ رسول اللہ صلعم نے فتح مکہ میں اعلان فرمایا تھا کہ جو شخص حکیمؓ بن حزام اور ابو سفیانؓ بن حرب کے گھر میں پناہ لے گا اُسے امان ہے۔ حضرت عثمان غنیؓ کے جنازہ کی نماز آپ ہی نے پڑھائی تھی۔ آپ نے ۵۴ھ ہجری میں ایک سو بیس برس کی عمر میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ علمِ نسب کے آپ بہت بڑے عالم تھے۔ (صحیح بخاری)

آنحضرت صلعم سے آپ کی محبت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ اسلام قبول کرنے سے بہت پہلے جب سردارِ قریش ہونے کی وجہ سے آپ بدر میں آئے تھے آپ نے اس جنگ کو روکنے میں اپنے اثر سے کام لیکر سپہ سالارِ قریش کو جنگ نہ کرنے پر آمادہ کر لیا تھا مگر جب ابوجہل کی شدید مخالفت کی وجہ سے جنگ ناگزیر ہو گئی تو آپ اس میں شریک نہیں ہوئے قبل جنگ مکہ کو روانہ ہو گئے۔

اَلعوّام بن خویلد

آپ رسول اللہ صلعم کی پھوپھی حضرت صفیہؓ کے شوہر اور اُم المومنین حضرت خدیجہؓ کے سگے بھائی اور حضرت زبیرؓ کے والد ماجد تھے۔ اور قریش میں نہایت جری اور نامور سردار تھے۔ جنگ فجار میں مارے گئے۔

السائبؓ بن العوام

آپ حضرت زبیرؓ کے برادرِ بزرگوار تھے۔ سوائے جنگِ بدر اور اُحد کے آپ سارے غزوات میں شریک رہے۔ اور جنگ یمامہ میں شہادت پائی۔

سیّدنا حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اسلام اور مسلمانوں کو جو کچھ بھی شرف حاصل ہے وہ ذات باجہات آنحضرت صلعم کی وجہ سے ہے۔ حضرت زبیرؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ ماں باپ اور دوسری رشتہ داریوں کی وجہ سے کوئی آپ کا مدِمقابل نہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلویؒ المتوفی ۱۲۳۹ ہجری نے تحریر فرمایا ہے کہ۔

میں علمائے نسب نوشتہ اند کہ کثرتِ جہاتِ قرابت با رسول اللہ صلعم کہ زبیرؓ را میسر آمد ہیچ کس را نبود (تحفۂ اثنا عشریہ)

آپ کے والد آپ کی اوائل عمری میں جنگِ فجار میں بنو اسد کی سرداری کرتے ہوئے قتل ہو چکے تھے۔ اس لئے آپ کی تعلیم و تربیت کا پورا انتظام آپ کی والدہ محترمہ حضرت صفیہؓ بنت حضرت عبد المطّلب کو ہی فرمانا پڑا۔ اور تعلیم مروّجہ کی آپ نے تکمیل فرمائی۔ اور بقول صاحب "الخطط السلامی" صحابہ کرام میں جو پانچ اصحاب خوش خطی میں دوسروں سے ممتاز تھے اُن میں سے ایک آپ بھی تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ سرکار دوعالم صلعم کے تئیس کاتبوں میں آپ بھی شامل تھے۔ چنانچہ چند اور صحابہ کے ساتھ آپ بھی قرآن مجید کی ترتیب پر مامور تھے۔ اور حضور اکرمؐ کے اکثر وثائق سیاسیہ کے بھی آپ کاتب ہیں اور اکثروں پر گواہی کے دستخط بھی آپ کے ثبت ہیں۔

دوسری طرف کم عمری ہی سے آپ کی قوت ایمانی کا یہ عالم تھا کہ آپ سابقون الاوّلین میں سے تھے۔ آپ کے چچا ناراض ہو کر آپ کو بوریہ میں لپیٹ کر ناک میں دھونی دیا کرتے تھے لیکن آپ یہی فرماتے کہ چچا کچھ بھی کر دیجئے اب کافر نہیں ہو سکتا۔ آپ کو شروع ہی سے جو فدائیت خدا کے محبوب کے ساتھ تھی ——— اُسی کا سبب تھا کہ اس فدائیت میں سب سے پہلی تلوار اسلام میں آپ کو علم کرنی پڑی۔ خدا کے محبوب کے

بھی آپ بڑے محبوب رہے اور "حواری" کے خطاب سے معزز فرمائے گئے۔ دو مرتبہ اپنے ماں باپ کو آپ پر فدا کئے جانے کا ارشادِ گرامی فرمایا گیا۔ آپ کے چہرہ کو غبار سے پاک و صاف دستِ مبارک سے فرمایا گیا۔ اسی دنیا میں بہشت کی مبارک باد دی گئی۔ یہ وہ سرفرازیاں تھیں جو آپ پر ذاتِ قدوسی سے فرمائی گئیں اور تو اور جب تکمیلِ دین یعنی فتحِ مکہ کا دن آپہونچا اور مکہ میں لشکرِ اسلام داخل ہو رہا تھا تو مہاجرین و انصار کی سرداری کا علم بھی آپ کو مرحمت فرمایا گیا۔ اور اس طرح آپ اس روز سے "صاحب اللوائین" کے لقب سے بھی ملقب ہوئے۔

آپ ہمیشہ مصالحِ اسلامی کے ساتھ رہے۔ اور اپنی اصابتِ رائے سے مسلمانوں کو مستفید فرماتے رہے۔ مساوات پسندی۔ فراخ حوصلگی۔ نرم دلی۔ خوفِ الٰہی۔ تقویٰ و پرہیزگاری۔ بلند حوصلگی۔ محبت و مروت۔ غیرت و حمیت۔ شجاعت و شہامت میں آپ فردِ فرید تھے۔ اسلام کی خدمت میں آپ ایک ادنیٰ سپاہی کی طرح کاروان رہے۔ بڑے بڑے معرکے سر کئے۔ اور بہادرانِ اسلام میں آپ کا جو رتبہ تھا وہ اظہار سے مستغنی ہے۔ باوجود اس کے جب سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد خلیفہ کے انتخاب کا وقت آیا تو آپ سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حق میں اپنے انتخاب سے دست بردار ہو گئے۔ سیدنا حضرت عثمان غنیؓ آپ کو سب سے زیادہ مستحق خلافت سمجھتے تھے۔ چنانچہ آپ کے متعلق حضرت عثمانؓ کا قول بخاری شریف میں ہے کہ "قسم ہے خدا کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے وہ سب سے بہترین اور بے شک وہ رسول اللہؐ کو سب سے پیارے تھے"۔ یہ الفاظ آپ نے تین مرتبہ حضرت زبیرؓ کے متعلق فرمائے۔

آپ کی زندگی کے چار پہلو اپنی کوئی نظیر نہیں رکھتے جو شجاعت۔ سخاوت۔ تجارت اور امانت ہیں۔ سرکارِ دو عالمؐ اور خلفاء کے زمانہ میں ہر جنگ میں آپ کا بڑا شاندار کارنامہ رہا ہے۔ بدر۔ اُحد۔ اور تمام غزوات میں آپ شریک رہے۔ خندق کی جنگ مسلمانوں کے لئے بڑا صبر آزما معاملہ تھا مگر جس طرح آپ دشمنوں کی خبر لیکر حاضرِ حضورِ رسالت مآب ہوئے اس سے رحمت العالمینؐ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اور "حواری رسول اللہ" کے لقب سے سرفراز فرمائے گئے۔ جنگ یرموک اور مصر کی فتح آپ کا عجیب و غریب کارنامہ ہے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اسلام کی سربلندی و نصرت کے کارناموں میں میرے بدن کا کوئی عضو ایسا نہیں ہے جس میں زخم نہ ہو یہاں تک کہ اس سے سترِ عورت بھی نہیں بچا ہے۔ اور اس طرح آپ بہادرانِ اسلام کی صفِ اوّل میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔

تجارت ذریعۂ معاش میں آپ نے تجارت کو اختیار فرمایا تھا جس کا سلسلہ شام۔ یمن۔ مصر۔ عراق اور حبش وغیرہ تک پھیلا ہوا تھا۔ اسی وجہ سے ہر جگہ آپ کے مکانات اور ایوان موجود تھے۔ مسعودی کے زمانہ تک یہ حویلیاں اچھی حالت میں تھیں۔

ایک دفعہ لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ "آپ کی تجارت میں اس قدر ترقی کس طرح ہوئی"؟ آپ نے فرمایا کہ "اوّل تو میں خراب مال نہیں لیتا۔ دوسرے یہ کہ نفع کے پیچھے نہیں پڑا رہتا"۔ اس تجارت ہی کی وجہ تھی کہ دولت و ثروت میں آپ صحابہ میں بڑے ممتاز تھے۔ آپ کی دولت کا تخمینہ پانچ کروڑ دو لاکھ کیا گیا تھا۔ اس دولت کے ساتھ فیاضی کے جوہر نے اس مال میں اور بھی برکت دی۔ بخاری شریف میں ہے کہ "ایک زمین آپ نے چھ لاکھ میں فروخت کی۔ لوگوں نے کہا آپ نقصان میں رہے۔ فرمایا "واللہ میں نقصان میں نہیں رہ سکتا"۔ یہ فرمایا اور سب رقم راہِ خدا میں خرچ کر دی۔ غریبوں اور محتاجوں کی آپ برابر مدد فرماتے رہتے۔ اور ان کی خبرگیری رکھتے۔ اس تجارت کے علاوہ جو جاگیریں مختلف اوقات میں آپ کو ملتی رہیں وہ مزید برآں ہیں۔ مالِ غنیمت سے بھی آپ کو گراں قدر رقمیں حاصل ہوتی رہیں۔

امانت و دیانت آپ کی انتظامی قابلیت، امانت و دیانت داری کا عام شہرہ تھا۔ صحابہ اپنی آل و اولاد اور مال و متاع کیلئے آپ ہی کو اپنا وصی بناتے چنانچہ حضرت عثمانؓ۔ حضرت مقدادؓ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ وغیرہ جیسے صحابۂ کرامؓ نے آپ ہی کو وصی بنایا تھا"۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد۔ حضرت خدیجہؓ کے بھانجے اور خود حضرت زبیرؓ کے پھوپی زاد بھائی حضرت ابی العاصؓ کے بھی آپ ہی وصی تھے۔ حضرت زینبؓ سرکارِ دو عالم صلعم کی بڑی صاحبزادی حضرت ابی العاصؓ کو بیاہی تھیں۔ جن سے اُن کی صاحبزادی حضرت امامہؓ پیدا ہوئی تھیں۔ اور حضورِ اکرم صلعم کو جن سے بہت ہی محبت تھی۔ جب حضرت ابی العاصؓ کا انتقال ہونے لگا تو وہ بھی اپنی اِن

صاحبزادی کو آپ ہی کی تربیت میں دے گئے تھے۔

جب حضرت امامہؓ سنِ بلوغ کو پہونچیں اور حضرت فاطمہؓ زہرا کا انتقال ہو چکا تو حضرت علیؓ نے ان کے ساتھ شادی کی درخواست کی۔ چنانچہ حضرت زبیرؓ نے اس رشتہ کو قبول فرما کر خود نکاح پڑھا دیا۔"

یہی وجہ تھی کہ آپ مقروض ہو گئے تھے کیونکہ جو شخص آپ کے پاس کوئی امانت رکھنے آتا تھا تو آپ فرما دیا کرتے تھے کہ میں امانت کو نہیں رکھتا البتہ قرض لے لیتا ہوں کیونکہ امانت کی صورت میں مجھے اس کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ جب آپ کا انتقال ہوا ہے تو آپ پر بائیس لاکھ کا قرضہ تھا۔ آپ کی حسنِ نیت تھی کہ صرف ایک زمین کی فروخت سے یہ جملہ قرضہ ادا ہو گیا۔

آپ کا شوق

آپ کو آلاتِ حرب اور گھوڑوں کا بڑا شوق تھا۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے تھے ایک آپ کے پاس اور دوسرا حضرت مقدادؓ کے پاس تھا بعد ازاں اعلیٰ درجہ کے گھوڑے آپ کے پاس رہتے تھے۔ اس طرح آلاتِ حرب بھی آپ کے پاس بہت قیمتی رہتے تھے۔ آپ کی ایک تلوار کی قیمت تین ہزار تھی۔ اور آپ کے اکثر ہتھیاروں پر چاندی کا کام ہوتا تھا۔ آپ کا **بھالا۔ برچھی۔ تلوار** اور آپ کی وہ سیڑھی جس کو لگا کر آپ نے فسطاط کو فتح کیا تھا تبرکاً خلفاء کے پاس رہیں۔ طبری اور بلاذری وغیرہ نے ان چیزوں کا تذکرہ کیا ہے۔

آپ کی ایک حدیث ہے کہ "حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ "بے شک یہ بات کہ کوئی شخص تم میں سے اپنی رسی لے اور لکڑی کا بوجھ اپنی پیٹھ پر لاد کر لے آئے اور اس کو بیچے اور اللہ اس ذریعہ سے اس کی آبرو قائم رکھے۔ یہ بات اس کے لئے اس سے بہتر ہے کہ وہ لوگوں سے سوال کرے۔"

چنانچہ آپ نے حرف بہ حرف عمل کیا اور باوجود بڑے صاحبِ ثروت صحابیؓ ہونے کے آپ معمولی کام بھی خود اپنے ہاتھوں انجام دینے میں کسرِ شان نہیں سمجھتے تھے۔ اور محنت و ایمانداری سے اپنی روزی پیدا فرماتے تھے۔ طرزِ معاشرت نہایت سادہ تھا۔ اپنے باغوں اور کھیتوں میں خود پانی دیدیتے۔ راتوں کو جاگ کر اپنے املاک کی خود حفاظت فرماتے۔ حالانکہ آپ کے پاس ہزار غلام تھے۔ مگر پھر بھی آپ بذاتِ خود چھوٹے چھوٹے کاموں کو انجام دیتے۔ اور آپ کو کسی طرح کے کام میں عار نہیں تھا۔ روایت حدیث میں آپ بڑے محتاط تھے۔ چنانچہ کتب احادیث میں آپ سے صرف (۳۸) احادیث مروی ہیں۔

جنگ جمل سے واپس ہوتے ہوئے ۳۶ھ ہجری میں آپ شہید ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر چونسٹھ سال کی تھی۔ وادی السباع میں آپ سپردِ خاک کئے گئے جو موجودہ بصرہ سے دس گیارہ میل پر واقع ہے۔ اور وہاں کی آبادی آپ کے اسمائے گرامی کی مناسبت سے "زبیریہ" کہلاتی ہے۔"

آپ کے بارہ صاحبزادے اور نو صاحبزادیاں مختلف بیویوں کے بطن سے ہوئیں جن میں سے امیر المومنین سیدنا حضرت عبداللہؓ، سیدنا حضرت عروہؓ اور سیدنا حضرت مصعبؓ اپنی خاص خصوصیات کی وجہ سے بہت مشہور ہوئے۔

علاوہ ازیں آپ ایک نئے بطن "زبیری اسدی" کے بانی بھی ہوئے۔ آپ کے صاحبزادوں اور ان کی اولاد کی اولاد بفضلہ خدا اس وقت تک بھی جس جس مقام پر مقیم ہے۔ اس میں آپ کے فیض و کرم کی جھلکیاں موجود ہیں۔ اور خدا کے فضل و کرم سے امید قوی ہے کہ آپ کے اخلاق و کردار کی روشنی سے آپ کی اولاد تا قیامِ قیامت بہرہ ور ہوتی رہے گی۔

آپ کی اولاد مختلف ممالک میں جن ناموں سے مشہور ہوئی

انساب الخلافہ ترجمہ سبائک الذہب مؤلفہ علامہ شہاب الدین ابی العباس علامہ ابو الفوز محمد امین السویدی میں تحریر ہے کہ "حدانی کہتا ہے جوہری نے تیسری صدی ہجری میں حضرت زبیرؓ کی اولاد کے متعلق لکھا ہے کہ "(۱) مصر میں یہ خاندان جماعت "توق" کے نام سے مشہور رہے۔ اور مختلف ممالک میں "(۲) بنو رمضان" (۳) بنو بدر" (۴) الزبیریوں" (۵) بنو منقلع" (۶) بنو مصعب (۷) زبیریین" (۸) بنو غنی" (۹) اور بنو حلان" کے ناموں سے موسوم ہے۔"

ہندوستان میں یہ خاندان "**قریشی**" اور "**زبیری**" اور اپنے سکنی لقب "**کنبوہی**" سے شہرت پذیر ہوا۔ اور امتدادِ زمانہ سے **کنبوہ** بھی کہلایا جانے لگا۔

امیر المومنین حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ آپ مہاجرین مدینہ منورہ کے مولود اولین ہیں۔ جن کی وجہ سے مسلمانوں کے نعرۂ تکبیر سے مدینہ منورہ کے در و دیوار گونج اٹھے تھے۔ آپ مسجد قبا میں پیدا ہوئے۔ اپنی والدہ ماجدہ حضرت اسماء صدیقہؓ کی گود سے اپنی خالہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی گود میں اور پھر سرکار دو عالم صلعم کی گود میں پہنچائے گئے۔ اور سب سے پہلے آپ کے پیٹ میں رسول اکرم صلعم کا لعاب دہن پہنچا۔ اور عبداللہ نام اور اپنے نانا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مناسبت سے ابو بکر اسدی قریشی کی کنیت سے سرفراز فرمائے گئے۔ ام المومنین حضرت عائشہ نے آپ کو بیٹا بنایا اور سرکار دو عالم صلعم نے ام المومنینؓ کی کنیت ہی ام عبداللہ قرار فرمائی۔

اس طرح آپ کی پرورش رسول اکرم صلعم کے گھر اور حضرت عائشہؓ کی گود میں ہوئی۔ اور اس فیضان کا اثر آپ کی پوری زندگی کے ہر ہر واقع سے بخوبی آشکارا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ ایک جامع صفات خاتون تھیں۔ آپ کے علم و فضل کا یہ فیضان ہے کہ رہتی دنیا تک دنیا اس سے مستفید ہوتی رہے گی۔ حضرت عبداللہؓ کو آپ سے بہرہ وافر ملا۔ اور ہر طرح کی مروجہ تعلیم آپ کے آغوش شفقت و تربیت میں حاصل ہوئی اور اسی وجہ سے آپ نہایت باحوصلہ۔ باہمت۔ جری۔ بیباک اور فصاحت و بلاغت و تدبر میں شہرۂ آفاق ہوئے۔ باپ۔ ماں۔ نانا۔ خالہ۔ وغیرہ کے جملہ صفات آپ میں موجود تھے۔

تمام علوم اسلامیہ میں قرآن اور اس کے متعلقات راس العلوم ہیں۔ آپ کو قرأت سے خاص شغف تھا۔ وہ اسلام کے مشہور قاری تھے حضرت عبداللہ بن العباسؓ۔ آپ کے دوسرے فضائل و کمالات کے ساتھ آپ کی قرأت قرآن کے بھی خاص طور سے معترف تھے۔ جب امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ نے جمع قرآن شریف کی جانب توجہ مبذول فرمائی تو آپ ان چاروں سے ایک تھے جن کو قرآن شریف کے جمع کرنے اور صحت الفاظ کے لئے قریش کے لہجہ کو ملحوظ رکھنے کا ذمہ دار قرار دیا تھا۔ آپ کے ساتھ حضرت سعید بن العاصؓ حضرت عبدالرحمن بن حارثؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ اس کام میں شریک تھے۔ اول الذکر تین قریشی اور چوتھے بزرگ غیر قریشی تھے۔ قرآن شریف جو اس وقت مسلمانوں کا دین و ایمان ہے اس کے ترتیب و جمع کے کام میں شرکت آپ کی زندگی کا ایک روشن باب ہے چونکہ قرآن مجید قریش کے محاورہ کے مطابق نازل ہوا ہے اس لئے ان بزرگوں نے اس کو قریش کے محاورے کے مطابق ہی لکھا۔ اور یہی قرآن رہتی دنیا تک مسلمانوں کا ملجا و ماوی رہے گا۔

آپ نے سرکار دو عالم صلعم اور صحابۂ کرامؓ سے بھی فیض علم و فضل حاصل کیا تھا۔ اور سب کو بعد والوں نے آپ سے حاصل کر کے اس کی اشاعت کی۔ آپ کا علم و فضل آپ کے معاصرین میں مسلم تھا لیکن باوجود اس کے جو مسائل ایسے آ جاتے کہ جن کا آپ کو علم نہ ہوتا تو آپ معاصرین سے استفادہ حاصل فرماتے۔ اور اس طرح کے جو مشورے آپ کو دیئے جاتے ان کو آپ قبول فرما لیتے۔ اور اس میں کسی طرح کی کوئی کسر شان نہ سمجھتے تھے لیکن جن باتوں کو آپ صحیح جانتے اور بڑے سے بڑے صحابی ان کے متعلق کوئی استدلال فرماتے تو آپ ان کو کبھی تسلیم نہ فرماتے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ [illegible] متعہ کے قائل تھے لیکن آپ نے بڑی سختی کے ساتھ اس کا بطلان فرمایا اور اس کی تکذیب کی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی متعہ کے خلاف تھے۔

آپ عربی زبان کے علاوہ دوسرے ممالک کی زبانوں سے واقفیت رکھتے تھے۔ اور آسانی سے گفتگو فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ کے پاس مختلف اقسام کے بہت سے غلام تھے۔ آپ سب سے ان کی مادری زبان میں گفتگو فرماتے تھے (مستدرک حاکم جلد ۳)

بیان آوری اور خطابت میں قریش کی فصاحت و بلاغت مشہور تھی۔ اور آپ کو اس میں خداداد اور فطری ملکہ حاصل تھا عثمان بن طلحہؓ روایت کرتے ہیں کہ بلاغت میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا کوئی حریف نہ تھا۔

جب آپ خطبہ دیتے تھے تو آپ کی آواز کی کڑک سے پہاڑیاں گونج اٹھتی تھیں۔ تاریخ کی کتابوں میں آپ کی تقریریں موجود ہیں۔ جو عربی زبان کی فصاحت و بلاغت کا شاہکار ہیں۔ فتح افریقہ کے بعد جب آپ مدینہ منورہ واپس ہوئے اور امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ کے ارشاد کے بموجب وہاں کے حالات اور فتح و نصرت پر مسجد نبوی میں جو خطبہ دیا وہ اپنی آپ نظیر ہے۔ آپ کے والد حضرت زبیرؓ تقریر سے خوش ہو کر اٹھے اور بیٹے کی پیشانی چوم لی اور فرمایا کہ "اولاد و ذریت ایک دوسرے سے ہوتے ہیں اور بزرگوں کا اثر چھوٹوں پر ضرور ہوتا ہے۔ اے بیٹے تم نے

تو یہ خطبہ ابوبکرؓ کی زبان ہی سے دیا۔" (عقدالفرید)

آپ نے حضرت مصعبؓ کی شہادت پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ "تمام تعریف اُسی خدا کے لئے ہے جس نے سب کو پیدا کیا۔ اور جس کے ہاتھ میں حکومت ہے۔ جسے چاہتا ہے سلطنت عطا کرتا ہے اور جس سے چاہتا ہے لے لیتا ہے جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ جان لو حق وصداقت جس کے ساتھ ہے وہ کبھی ذلیل نہیں ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ تنہا اور بے یارو مددگار ہی کیوں نہ ہو۔ اور خدا اُس شخص کو کبھی عزت نہیں دیتا جس کی دوستی شیطان اور اُس کی جماعت سے ہو۔ اگرچہ وہ جماعت کتنی ہی کثیر کیوں نہ ہو۔

ہمیں عراق سے ایک خبر معلوم ہوئی ہے جس نے ہمیں رنجیدہ بھی کیا ہے اور خوشی بھی بخشی ہے۔ اور وہ خبر یہ ہے کہ مصعبؓ (خدا کی رحمت اُن پر نازل ہو) شہید ہو گئے۔ ہمیں خوشی اِس لئے ہوئی ہے کہ اُنہیں درجۂ شہادت نصیب ہوا۔ غم اِس لئے ہوا کہ ہمارے رفیق مصعبؓ ہم سے جدا ہو گئے۔ جو مصیبت کے وقت ہمارے مددگار تھے۔ ایک محبّ صادق کی جُدائی۔ ایک سوزشِ نہانی ہوتی ہے۔ جو اُس کے دوست کو صدمہ پہونچاتی اور ستاتی ہے۔ مگر عقلا اِن تمام باتوں کے بعد صبر جمیل اختیار کرتے ہیں۔"

اِس وقت مجھے مصعبؓ کا صدمہ اُٹھانا پڑا۔ حالانکہ اس سے پہلے حضرت زبیرؓ کی وفات کا صدمہ اُٹھا چکا ہوں۔ نیز حضرت عثمانؓ کی وفات کا رنج بھی ایسا نہیں ہے جسے میں نے فراموش کر دیا ہو۔

مصعبؓ بھی اللہ کے ایک بندے اور میرے دست و بازو تھے۔ اور خدا وند بزرگ و برتر اُن کی شہادت کو ہمارے لیے بھلائی کا سبب بنانے والا ہے۔ مگر ملال اِس بات کا ہے کہ اہلِ عراق نے اُن سے بے وفائی اور منافقت کی اور دُنیا کی قلیل دولت کے عوض اُنہیں دشمنوں کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ اور اُن کو دشمن کے حوالے ایسے ہی کیا جیسے نشتر لگایا ہوا شتر مُرغ کسی کے حوالے کیا جاتا ہے۔

پس اگر مصعبؓ شہید ہو گئے تو یہ اُن کے خاندان میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ کیونکہ اُن کے والد۔ چچا۔ بھائی بھی فی سبیل اللہ شہید ہوئے اور یہ سب خیار المسلمین میں سے تھے۔

ہم اپنے بستروں پر پڑ کر مرنے کے عادی نہیں ہیں ہماری موت بزدلوں کی طرح نہیں ہو گی۔ بلکہ جوانمرد۔ مرد میدان کی طرح تلواروں کے سایہ تلے ہم جان دیں گے۔

ہم اِس طرح نہیں مریں گے جیسے کہ ابوالعاص (جو عبدالملک کا پردادا تھا) کی اولاد مرا کرتی ہے۔ بخدا اُن کے خاندان کا کوئی شخص بھی زمانۂ جاہلیت یا اِسلام کی جنگ میں کام نہیں آیا۔ اور ہم ہمیشہ تیروں کا نشانہ بنائے گئے اور تلواروں کے سائے میں جان دیتے رہے۔ ہم اب بھی نہیں مریں گے جب تک نیزوں سے ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جائیں۔

یہی دُنیا۔ یہ اس شہنشاہ اعلیٰ و اعظم کی طرف سے کہ صرف اسی کی حکومت کو بقا و دوام حاصل ہے ایک مستعار شے ہے اگر وہ سامنے آئے گی تو میں اُس کو کمینہ و گمراہ اور ذلیل و ناہنجار لوگوں کی طرح نہ لُوں گا۔ اور اگر وہ مجھ سے پُشت پھیر کر بھاگے گی تو میں اُس پر کمزور و ناتواں۔ اور ضعیف دل و اوسان لوگوں کی طرح نہ روؤں گا۔"

اپنی شہادت کے دن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے خطبہ فرمایا کہ "اے آلِ زبیرؓ اگر تم مجھ سے خوش ہو اور مجھ کو اپنے میں سے تصور کرتے ہو تو یاد رکھو کہ ہم عرب کے ایک ایسے خاندان کے لوگ ہیں جنہوں نے خدا کے لئے اپنی جانیں قربان کی ہیں اور خدا ہی کے لئے صلح کی ہے۔"

اے آلِ زبیرؓ تم تلواروں کی ضربوں سے خوفزدہ نہ ہونا کیونکہ زخم میں دوا لگانے کی تکلیف زیادہ ہوتی ہے اُس تکلیف سے جو زخم کے لگنے سے ہوتی ہے۔ تم جس طرح اپنے چہروں کو بچاتے ہو اُسی طرح تلواروں کی بھی حفاظت کرنا کیونکہ میں کسی ایسے شخص سے واقف نہیں ہوں کہ جس کی تلوار ٹوٹ گئی ہو۔ اور پھر بھی وہ زندہ باقی رہا ہو۔ مرد کے پاس ہتھیار نہ ہوں تو وہ عورت کی طرح رہتا ہے۔ اپنی اپنی تلواریں تو تو نظریں نیچی رکھو تاکہ تلواروں کی چمک سے تمہاری آنکھوں میں چکا چوند نہ پیدا ہو جائے۔ ہر شخص اپنے مقابل پر حملہ آور ہو۔ تم مجھے ڈھونڈتے نہ پھرنا۔ اگر کوئی میری تلاش ہی

کرے تو میں سب سے آگے دشمنوں سے لڑتا ہوا ملوں گا۔ اللہ کا نام لے کر حملہ کرو۔"

آپ اپنے شجاع باپ کے بہادر بیٹے تھے۔ فتح افریقہ۔ حملہ قسطنطنیہ اور دوسرے محاذوں پر آپ کے کارنامے ضرب المثل ہیں۔ آپ کی بے نظیر شجاعت کا لوہا آپ کے دشمن بھی مانتے تھے۔

اُس عہد کے مشہور و معروف سپہ سالار "مہلب بن ابی صفرہ" سے اس زمانہ کے بہادروں کے نام پوچھے گئے تو اُس نے حضرت مصعب بن زبیرؓ، عمر بن عبید اللہ اور عباد بن حصین کے نام بتائے۔ پوچھنے والے نے کہا: "امیر المومنین حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کا تم نے نام نہیں لیا؟"

مہلب نے برجستہ جواب دیا: "ہم انسانوں کا ذکر کرتے ہیں جنوں کا ذکر نہیں کرتے۔" (مستدرک حاکم جلد ۳)

حضرت عبد اللہ بن حضرت عمرؓ سے کسی نے پوچھا کہ "حضرت زبیرؓ کے دونوں بیٹوں حضرت عبد اللہؓ اور حضرت مصعبؓ میں سے کون زیادہ بہادر تھا؟"

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ "دونوں بہادر تھے۔ دونوں موت کو دیکھتے ہوئے اس کے منہ میں گھس گئے۔" (مستدرک حاکم جلد ۳)

آپ کی جرأت و بیباکی نے حضرت امیر معاویہؓ جیسے سیاسی بزرگ کو متحیر اور خائف کر دیا تھا۔ اور جو گفتگو ان چچا بھتیجوں میں ہوئی وہ آپ کی نڈرپن اور بیباکی کی مثال کے لئے کافی ہے۔ اور جو اثر حضرت امیر معاویہؓ پر آپ کی گفتگو کا ہوا تھا وہ اس نصیحت سے ظاہر ہے جو انہوں نے اپنی وفات کے وقت آپ کے بارے میں یزید کو کی تھی کہ۔

"...... مجھے اِس کا اندیشہ نہیں ہے کہ امر خلافت جو تیرے لئے مقرر ہو چکا ہے اس کے متعلق قریش میں چار شخصوں کے سوا اس بارے میں اور کوئی تم سے نزاع کرے گا۔ وہ چار "عبد اللہ بن زبیرؓ، حسین بن علیؓ، عبد اللہ بن عمرؓ اور عبد الرحمٰن بن ابی بکرؓ" ہیں۔

عبد اللہ بن عمرؓ کا تو عبادت نے کام تمام کر دیا ہے۔ جب وہ دیکھیں گے کہ اُن کے سوا اب کوئی باقی نہیں رہا تو وہ بھی تجھ سے بیعت کریں گے۔

حسین بن علیؓ کو عراق کے لوگ جب تک خروج پر آمادہ نہ کریں گے ہرگز نہ چھوڑیں گے۔ اگر وہ تجھ پر خروج کریں اور تو اُن پر قابو پا جائے تو درگذر کرنا۔ اُن کو قرابت قریبہ حاصل ہے اور بہت بڑا حق رکھتے ہیں۔

عبد الرحمٰن بن ابی بکرؓ وہ شخص ہیں کہ اپنے اصحاب کو جو کام کرتا دیکھیں گے ویسا ہی خود بھی کریں گے۔

ہاں جو شخص شیر کی طرح تجھ پر حملہ آور ہو گا اور لومڑی کی طرح تجھے دھوکا دے گا۔ اور جب اُس کو موقع ملے گا حملہ کرے گا وہ عبد اللہ بن زبیرؓ ہے اگر ایسی حرکتیں وہ تیرے ساتھ کرے اور تیرے قابو میں آ جائے تو اس کے ٹکڑے اُڑا دینا۔"

عبادت و ریاضت آپ کا محبوب مشغلہ تھا یہاں تک کہ میدانِ جنگ میں قلعہ والوں کی آنکھوں کے سامنے عبادتِ خداوندی میں مشغول ہو جاتے۔ تاریخ میں ہے کہ جب آپ دُنیاوی امور کی طرف راغب ہوتے تو معلوم ہوتا تھا کہ "پکے دُنیادار ہیں۔ اور جب رجوع علی اللہ ہوتے تو معلوم ہوتا کہ دُنیا سے آپ کو کوئی واسطہ ہی نہیں۔ آپ کے رکوع و سجود اس قدر طویل ہوتے کہ تمام تمام شب اِسی میں گزر جاتی۔ اِس سکونِ قلب۔ اِس اخلاص اور اِس استغراق سے آپ نماز ادا فرماتے کہ جس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ: "اگر تم لوگ رسول اللہ صلعم کی نماز دیکھنا چاہتے ہو تو عبد اللہ بن زبیرؓ کی نماز کی نقل کرو۔" (مسند امام احمدؒ حنبل جلد اوّل)

روزوں کا بھی یہی حال تھا کبھی مسلسل سات سات دن کا روزہ بھی رکھتے تھے۔ حج بیت اللہ کم ناغہ ہوا۔ عبادت کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں آپ نے سخت سے سخت محنت نہ اٹھائی ہو۔ آپ کی شہادت کے بعد جب حضرت عبد اللہ بن عمرؓ آپ کی لاش کی طرف سے گذرے تو نہایت حسرت سے مخاطب ہو کر کہا کہ۔

"ابو خبیب (حضرت عبداللہؓ کی کنیت ہے) خدا تمہاری مغفرت کرے۔ تم بڑے روزہ دار، بڑے نمازی اور بڑی صلہ رحمی کرنے والے تھے۔" "بخدا جس خاندان کے تم فرد ہو وہ قوم میں سب سے زیادہ بہتر ہے۔"

"ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کو سرکارِ دوعالم صلعم اور حضرت ابو بکر صدیق رضؓ کے بعد سب سے زیادہ محبت آپ ہی سے تھی۔"

"خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر بھی آپ کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔"

خلافت امیر المومنین حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ پر ایک نظر

"تاریخ اسلام جلد دوم مؤلفہ علامہ اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی کے صفحہ ۸۵ پر تحریر ہے کہ۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ سے بہتر کوئی شخص خلافت کے لئے نہ تھا۔" "جو مستحق خلافت ہو۔ آپ جرأت و بیباکی میں جو شجاعت کا دوسرا نام ہے فرد تھے۔" حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے بیٹے یزید کو ولیعہد بنانے کے لئے اپنی پولیٹیکل تدبیروں اور زرپاشیوں سے بڑے بڑے لوگوں کی زبانیں بند کردی تھیں لیکن حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی تیغ زبان اُن کے مقابلہ میں بھی بے نیام رہی۔ آپ نے اِس شدومد سے اُن کی مخالفت کی کہ حضرت امیر معاویہؓ جیسے عالی دماغ کو بھی متحیر کردیا۔ اور آخر تک یزید کی ولیعہدی تسلیم نہ کی۔" "یزید تخت نشین ہونے پر آپ کو قابو میں نہ لاسکا۔

آپ بنو امیہ کے خلاف اِس زور سے اُٹھے کہ اُن کی حکومت کی بنیادیں ہلا دیں۔ اور قریب قریب تمام عالمِ اسلامی سے اپنی خلافت تسلیم کرالی۔ قضائے قدر کو کچھ اور ہی منظور تھا ورنہ آج بنو امیہ کی تاریخ کا کہیں وجود نہ ہوتا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ کی خلافت کے صحیح خلافت کے ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ تمام عالمِ اسلام میں لوگوں نے اپنی آزاد مرضی سے اُن کو خلیفہ تسلیم کیا۔" اور جہاں جہاں لوگوں کو آزادی حاصل تھی کسی نے بھی ان کی خلافت سے انکار نہیں کیا۔ ہاں بنو امیہ جو خلافت کے معاملہ میں اُن کے رقیب تھے اُن کی مخالفت پر آمادہ ہوئے۔ اور شام و فلسطین و مصر وغیرہ میں جبر و قہر کے ساتھ انھوں نے اپنی حکومت قایم کی۔" اور پھر اسی جبر و قہر کے ساتھ وہ تمام عالمِ اسلام پر حکومت قایم کرسکے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ کی خلافت کے بالمقابل "مروان بن الحکم" اور عبدالملک کی حکومت کو باغیوں کی حکومت کہا جاسکتا ہے نیز عبدالملک بن مروان کی حکومت کا وہ زمانہ ہی جو حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ کی شہادت کے بعد شروع ہوتا ہے باقاعدہ حکومت سمجھنا چاہیئے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو اپنے عہدِ خلافت میں کوئی ایسا موقع نہیں ملا کہ آپ لڑائیوں اور چڑھائیوں کی فکر سے مطمئن بیٹھے ہوں اس لئے آپ کے عہدِ خلافت میں اگر جدید فتوحات اور اندرونی اصلاحیں ہم کو نظر نہ آئیں تو کوئی تعجب کا مقام نہیں ہے۔

آپ بہت بڑے سپہ سالار اور جنگی شہسوار تھے۔ ساتھ ہی آپ بڑے مدبر اور ملکہ دار بھی تھے۔ یہ ایک اتفاقی بات تھی کہ آپ کے حریفوں کی تدبیریں آپ کے خلاف کامیاب ہوئیں اور آپ کو جامِ شہادت نوش فرمانا پڑا۔" آپ کی زندگی کا عملی نمونہ زہد و عبادت کے اعتبار سے بھی بہت ہی قابلِ تعریف تھا۔"

بنو امیہ کے حکمرانوں میں یہ بات خصوصیت سے فایق و نمایاں تھی کہ وہ اپنی حکومت کے قیام و استحکام کے لئے روپیہ سے کام لینا خوب جانتے تھے۔ وہ روپیہ کے حاصل کرنے میں بھی خوب مستعد تھے۔" اور اس روپیہ کو حصولِ مقصد کے لئے خرچ بھی سلیقہ کے ساتھ کرتے تھے۔" اگر لوگوں میں پیسہ کی محبت نہ پیدا ہو گئی ہوتی تو وہ ہرگز ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے تھے۔" اور حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ کو اُن کے مقابلہ میں ہرگز ناکامی حاصل نہ ہوتی۔"

حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ اگر عبدالملک بن مروان کی طرح بیت المال کو اپنے دوستوں اور مددگاروں کے لئے وقف کر دیتے اور کمزوروں کا لحاظ نہ رکھتے تو آپ کے گرد بھی بہت سے شمشیر زن جمع ہو جاتے اور بنو امیہ کو نیچا دیکھنا پڑتا۔" لیکن حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ نے اِس خلافِ تقویٰ راہِ عمل کو ہمیشہ ناپسند فرمایا۔ اور آپ کے لئے یہ ہی موزوں بھی تھا۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے عہدِ خلافت میں "مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کا کوفہ میں قتل ہونا ایک بڑا کارنامہ ہے۔" نامرس کے

فتنۂ خوارج کو بھی آپ نے دب دیا یا۔ اور حتی الامکان انہیں بشر نہیں ابھارنے دیا۔ اِن مختلف عناصر کے انتظامات کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اپنی پوری توجہ اور طاقت ۔ بنی اُمیّہ کے مقابلہ میں نہیں لا سکے۔ اگر بنو اُمیہ کے ساتھ اندرونی معرکہ آرائی اور زور آزمائی جاری نہ ہوتی تو شریعت اسلام کو آپ بہت رواج دیتے اور بہترین خلیفہ ثابت ہوتے ۔"

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت کے بعد" صحابۂ کرامؓ کی خلافت اور فرمانروائی کا زمانہ ختم ہوگیا۔ آپ سب سے آخری صحابیؓ تھے جنہوں نے ملکوں پر حکومت کی۔" آپ کی عابدانہ اور زاہدانہ زندگی ایک مشعل راہ اور نجم ہدایت تھی ۔"

آپ ہی ایک ایسے خلیفہ تھے جن کا دارالخلافہ مکۂ معظمہ تھا۔ نہ آپ سے پہلے مکہ معظمہ دارالخلافہ تھا اور نہ آپ کے بعد آج تک مکۂ معظمہ کو دارالخلافہ بنایا۔

" حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ۔ آپ کے بھائی حضرت مصعب بن زبیرؓ بن العوامؓ کی بہادریوں کے کارنامے پڑھکر اور آپ کی والدہ حضرت اسماءؓ بنت حضرت ابوبکر صدیقؓ کی شجاعت اور حوصلہ مندی دیکھکر انسان کا دل مرعوب ہو جاتا اور دنیا کے شجاعت پیشہ لوگوں کو بے اختیار اس بہادر خاندان کے ساتھ محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ خاک و خون میں لوٹنا حمایت حق میں سینوں پر برچھیوں کے زخم کھا کھا کر آگے بڑھنا اور دشمنانِ حق کو تہِ تیغ کرنا جیسا مشکل اور دشوار کام ہے۔ وہ اُن کے لئے مزیدار اور خوشگوار تھا۔"

آپ کی اولاد خوب پھلی پھولی اور اس میں بڑے بڑے محدث" علماء" فضلاء" اور فقیہ ہوئے ہیں۔ چنانچہ آپ کی اولاد در اولاد کے حالات سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ آپ ہی کی اولاد میں عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن حضرت عبداللہؓ ہوئے۔ آپ حدیث ۔ اور فقہ کے ایک بہت بڑے عالم ہونے کے علاوہ مہدی اور ہارون الرشید کے دست و بازو بھی تھے۔ انہی کے صاحبزادہ مشہور عالم ابوبکر بکار ہارون الرشید کے عہد میں والیٔ مدینہ تھے۔ مدینہ کے گورنر ہونے کے علاوہ آپ وہاں کے قاضی بھی تھے۔ ہارون آپ کو بہت چاہتا تھا۔ آپ ہی نے سیٔر حضرت عروہ بن زبیرؓ کا بانی ہارون الرشید کو مدینہ سے روانہ کیا تھا۔

محمد بن عمر واقدی المتوفی ۲۰۷ ہجری جو طبقات ابنِ سعد کے مؤلف کے استاد تھے اور مغازی میں جن کا بہت بڑا درجہ ہے۔ انہوں نے قاضی ابوبکر بکار ہی کی مدد سے یحییٰ بن خالد اور ہارون الرشید کے دربار دوں میں بار پایا تھا۔ آپ اپنے زمانہ کے علماء کی صف اوّل میں تھے۔ آپ کے صاحبزادہ زبیر بن ابوبکر بکار بھی بڑے عالم اور باپ کے بڑے اور فاضل بیٹے تھے۔ آپ کی تعلیم و تربیت بہت ہی اعلیٰ پیمانہ پر ہوئی تھی۔ آپ بڑے حافظ حدیث فقیہ، مؤرخ اور بڑے نسّاب تھے۔ حافظ امام سمعانی جو ان کے معاصر بھی تھے اپنی کتاب الانساب میں آپ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ ثقہ نسب کے عالم اور متقدمین کے معاصر اور تاریخ کے عالم تھے۔

ابن ابی خیثمہ نے بیان کیا ہے کہ مصعب جن کی کنیت ابو عبداللہ زبیری تھی اہلِ علم میں سے تھے۔ میں نے ان کو مدینہ میں بارہا کہتے ہوئے سنا ہے کہ" اگر ہم سے کوئی بڑھا تو میرا بھتیجا زبیر بن ابو بکار بڑھ جائے گا۔" آپ کے شوق علمی اور کتب بینی میں استغراق کا ایک واقعہ اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ جو بہت سبق آموز ہے۔ ایک دن امام زبیر بن بکار کی بھانجی نے اُن کی بیوی سے کہا کہ" میرے ماموں نہایت لائق تعریف ہیں کہ انہوں نے تمہارے سوا کوئی دوسری بیوی نہیں کی۔" بیوی نے جواب دیا کہ یہ کتابیں مجھ پر سو کنوں سے زیادہ گراں اور بھاری ہیں۔" آپ ایک مشہور و معروف مصنف بھی ہیں چنانچہ" انساب القریش" ایک ایسی مستند کتاب ہے کہ آپ کے بعد علم الانساب کی کوئی ایک بھی کتاب ایسی نہیں کہ جس میں آپ کی اس کتاب کا حوالہ نہ دیا گیا ہو۔ اور جس کو بڑے بڑے عالموں اور فاضلوں نے سبقاً سبقاً نہ پڑھا ہو۔ مگر افسوس ہے کہ اس کتاب کا کوئی نسخہ ہماری معلومات کی حد تک ہندوستان میں موجود نہیں ہے۔ البتہ استنبول کے سرکاری کتب خانہ اور کیمبرج یونیورسٹی کے کتب خانوں میں اس کے نسخے موجود ہیں۔
آپ کی دوسری کتاب" موفقیات" ہے آپ کی تیسری مشہور کتاب" اخبار مدینہ" ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ کتابیں بھی آپ کی تصانیف میں سے ہیں۔ آپ کے شاگردوں کی بڑی تعداد تھی جنہوں نے آپ سے حدیث اور دوسرے موضوعات پر درس لیا تھا۔ ان میں ابنِ ماجہ قزوینی نے سنن میں اور ابن ابی الدینار وغیرہ

نے حدیث میں روایتیں کی ہیں۔

اسحاق بن ابراہیم موصلی آپ کی بہت عزّت کرتے تھے۔ ابن عساکر نے بھی آپ سے روایت کی ہے۔ ایک زمانہ نے آپ سے علم کا فیض حاصل کیا اور آپ مکّہ معظمہ اور بغداد کی مسندِ علم و فضل پر متمکن رہ کر تشنگانِ علم کو سیراب فرماتے رہے۔ آپ کے تبحّرِ علمی کی بغداد میں شہرت ہو جانے کی وجہ سے مکّہ معظمہ کے عہدۂ قضاۃ پر آپ کو ممتاز فرمایا گیا جس پر آپ سنہ ۲۵۶ ہجری تک جبکہ آپ کی وفات ہوئی فائز رہے مکّہ میں دفن ہوئے اور چوراسی سال کی عمر پائی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی اولاد میں اور بہت صاحبِ علم و فضل ہوئے ہیں۔

سیدنا حضرت عروہ بن زبیرؓ

آپ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے حقیقی بھائی تھے۔ سنہ ۲۲ ہجری میں پیدا ہوئے اور اپنی خالہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے بڑے پیارے تھے۔ آپ نے ان ہی کی آغوشِ تربیت میں پرورش پائی اور ان ہی کے حلقۂ درس میں تحصیلِ علم کی۔ اُم المومنینؓ کے حضور میں آپ کو آپ کے بھائی حضرت مصعب بن زبیرؓ و عائشہ بنت حضرت طلحہؓ جو بعد میں حضرت مصعبؓ کی بیوی ہوئیں اور اُم المومنین کی بھانجی تھیں اور صفیہؓ بنت شیبہ کو زیادہ تقرّب اور اختصاص حاصل تھا۔ حضرت عروہؓ بڑے بڑے مسائل کو حضرت عائشہؓ سے حل کراتے اور یاد رکھتے۔ انہی مبارک صحبتوں کا اثر تھا کہ جب بڑے ہوئے تو وہ اپنی خالہ حضرت عائشہؓ کے خزانۂ علمی کے کلید بردار سمجھے گئے۔ اور فضل و کمال کے تاجدار بنے۔ حضرت عائشہؓ کے مرویات اور فقہ و فتاوی کا عالم ان سے بڑھکر کوئی نہ تھا۔

حاجی خلیفہ لکھتے ہیں کہ حضرت عروہؓ اپنی علمیت کے باعث بڑی عزّت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور مدینہ منورہ کے سات مشہور فقہا میں ایک آپ بھی تھے۔ ابنِ شہاب (امام زہری) جو آپ کے مشہور شاگرد ہیں کہتے ہیں کہ حضرت عروہؓ ایک بحرِ ناپیدا کنار ہیں۔ آپ نے اُم المومنین حضرت عائشہؓ اور والدہ حضرت اسماءؓ اور اپنے والد حضرت زبیرؓ اور اپنے بھائی حضرت عبداللہؓ کے علاوہ بھی بڑے بڑے صحابۂ کرامؓ سے فیضِ روایت حاصل کیا۔ آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ حضور رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال اور اقوال کا بہت بڑا حصّہ جو وہ اپنی خالہ اور اپنی خالہ، باپ اور بھائی سے سنتے روایت کرتے ہیں۔ آپ علم کے بحرِ ذخّار تھے۔ تقوی اور پارسائی آپ کی سب سے بڑی خصوصیتیں ہیں۔ صحابیت کی عزّت تو آپ کو حاصل نہیں ہوئی مگر اتنے بڑے صاحبِ علم و فضل اور اس پائے کے محدّث اور فقیہ اور ایسے عابد و زاہد اور متقی و پرہیزگار تھے کہ کبار تابعین میں آپ شمار کئے جاتے تھے۔ آپ قریش کے عبادت گذاروں میں سے تھے۔

"سیرت و مغازیِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام میں آپ ہی سب سے پہلے مصنّف ہوئے ہیں۔ اور فنِ مغازی کی سب سے پہلی کتاب بقول صاحب کشف الظنون آپ ہی نے تدوین کی۔ الفاروق میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح حیات میں سب سے پہلی کتاب آپ نے ہی لکھی تھی۔ مگر افسوس کہ سنہ ۶۳ ہجری میں اہلِ مدینہ اور یزید کی فوجوں میں جنگ حرّہ کے نام سے جو لڑائی مشہور ہے اور جس میں اہلِ مدینہ بہت تباہ و برباد ہوئے تھے اسی میں آپ کی یہ کتابیں بھی برباد ہوگئیں۔ جس کے بعد وہ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ ان کتابوں کا میرے پاس اس وقت ہونا میری اولاد اور مال سے میرے نزدیک محبوب تر ہوتا لیکن باوجود اس کے آپ کی بہت سی لمبی لمبی تحریرات اس وقت بھی کتبِ تواریخ کی زینت بنی ہوئی ہیں۔ آپ کے اقوال میں ہے کہ آپ اپنی اولاد سے فرمایا کرتے تھے کہ علم سیکھو۔ اس لئے کہ اگرچہ تم اس وقت اپنی قوم کے چھوٹوں میں ہو مگر عنقریب دوسری قوموں کے بڑے بن جاؤ گے۔ جہالت بہت بُری چیز ہے خصوصاً قوم کے سردار کے لئے۔"

فرماتے تھے "حضرت داؤدؑ منبر پر بیٹھے ہوئے کھجوروں کی پتیوں کی ٹوکریاں بناتے اور ان کو بیچ کر ان کی قیمت سے زندگی بسر کرتے تھے۔" یہ بھی فرماتے تھے کہ دنیا میں سب سے زیادہ زہد والے میرے گھر کے لوگ ہیں۔

جب آپ نے اپنے محل میں جو وادی عقیق میں تھا گوشہ نشینی اختیار فرمالی۔ اور مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آنا ترک فرما دیا تو لوگوں نے اس کا سبب پوچھا آپ نے فرمایا کہ "میں نے دیکھا کہ مسجدیں کھیل کود کے اکھاڑے۔ ہزلیات کی منزلیں اور گندگاہیں اور بے حیائیوں کے اڈے بن گئے ہیں۔ اس لئے مجھے گھر پر ہی عافیت معلوم ہوتی ہے۔"

آپ اپنے صاحبزادوں کو تفہیم کرنے سے کبھی نہیں جھجکتے تھے کہ علم حدیث حاصل کر کے وہ اپنے آپ کو لاثانی و ابدی بنا سکتے ہیں۔ آپ کی احادیث نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پورے زمانۂ حیات پر محیط ہیں بلکہ خلفاء راشدینؓ کے زمانے کے واقعات پر بھی احاطہ کئے ہوئے ہیں۔
ابو زناد کا قول ہے کہ میں نے حضرت عروہ سے زیادہ کسی کو شعر پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔ شاعری میں آپ بڑے دقیقہ سنج اور ماہر تھے۔ اور اکثر کتب سے ظاہر ہے کہ آپ کو اس کا بڑا ذوق تھا۔ ۹۴ ہجری میں آپ نے وفات پائی۔

آپ کی تمام اولاد بھی بڑی صاحب علم و فضل ہوئی۔ اور حدیث و فقہ کی کتابوں میں آپ کی اولاد در اولاد کے نام روایت حدیث میں کثرت کے ساتھ موجود ہیں لیکن ہشام بن حضرت عروہؓ اپنے بھائیوں میں فرد فرید تھے۔ آپ مدینہ کے مشہور تابعین اور زیادہ حدیثیں روایت کرنے والوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اور اہل مدینہ کے حفاظ اور مقبول اور پرہیزگاروں میں آپ کا شمار تھا۔ آپ کو آپ کے والد سے ورثہ میں علم و فضل حاصل ہوا تھا۔ چنانچہ امام ثوری۔ امام مالک بن انسؓ اور ابن عیینہ بھی آپ کے شاگرد ہیں۔ مدینہ سے آپ بغداد اور وہاں سے کوفہ تشریف لے گئے تھے اور احادیث کی روشنی میں فقہ کی تعلیم کا درس دیتے تھے۔ بغداد میں ۱۴۵ ہجری یا ۱۴۶ ہجری میں آپ کا انتقال ہوا۔ خلیفہ منصور آپ کا نہایت احترام کرتا تھا اور آپ کے جنازے کی نماز بھی اسی نے پڑھائی تھی۔

حضرت عروہؓ کے شاگردوں میں حضرت جعفر صادق۔ امام زہری۔ ہشام بن حضرت عروہؓ۔ ابو زناد خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ وغیرہ وغیرہ شامل ہیں۔ اور ان شاگردوں کے شاگردوں میں امام مالک۔ امام اوزاعی۔ امام لیث بن سعدؒ کے شاگرد شیخ عبداللہ بن یوسف اور شاگرد امام بخاری ہوئے۔ موسیٰ بن عیسیٰ معمر ابن رشید اور کتاب المغازی کے مشہور مؤلف محمد ابن اسحٰق اور امام ابو حنیفہ۔ امام مسلم۔ امام داؤد۔ امام نسائی۔ امام ترمذی۔ اور ابن ماجہ۔ امام شافعی اور امام احمد حنبل وغیرہ وغیرہ بڑے بڑے امام دین آپ کے صاحبزادے اور آپ کے شاگردوں کے شاگردوں کے فیض یافتہ تھے۔ اور اس طرح سے آپ کا علم و فضل رہتی دنیا تک سلسلہ بہ سلسلہ جاری رہے گا۔

سیدنا حضرت مصعب بن حضرت زبیرؓ

آپ اپنے محترم باپ کی شہادت کے وقت بہت چھوٹے اور اپنے برادر بزرگ حضرت عبداللہؓ کے بڑے محبوب تھے۔ اور اُن ہی کے آغوش اور نگرانی میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے اُن شاگردوں میں سے آپ ایک تھے کہ جن کو اُن کی جناب میں اختصاص حاصل تھا۔ حضرت عبداللہؓ کے بعد شجاعت و شہامت اور خطابت و بلاغت میں آپ کا کوئی نظیر نہ تھا۔ اس زمانہ کے مشہور سپہ سالار مہلب بن ابی صفرہ اور ابراہیم بن الاشتر وغیرہ آپ کی شجاعت و شہامت کے معترف تھے۔ مروّت۔ سخاوت۔ شرم و حیا۔ صلۂ رحمی۔ اور دینداری وغیرہ میں بھی آپ کو امتیاز حاصل تھا۔ غرضکہ اپنی تعلیم و تربیت اور ذاتی اوصاف کی خوبیوں کی وجہ سے شہزادگانِ قریش میں آپ ایک بہترین نوجوان تھے۔ صورت و سیرت دونوں میں آپ فرد تھے۔ آپ اپنے زمانہ کے بے حد حسین و جمیل شخص تھے۔ اور اسی کے ساتھ بڑے شاندار اور بارعب بھی تھے۔

روایت ہے کہ مصعب بن الزبیرؓ سے زیادہ کوئی خوبصورت امیر آپ سے پیشتر ممبر پر کبھی نہیں دیکھا گیا۔ باپ نے کافی دولت چھوڑی تھی۔ بھائیوں کے لاڈلے تھے۔ اس لئے آپ کا لڑکپن اور جوانی کا زمانہ بہت فارغ البالی۔ ناز و نعمت اور شہزادوں کی طرح بسر ہوا۔ نوجوانانِ قریش کی جو بیٹھکیں مسجد نبوی صلعم میں ہوتیں اُن میں آپ معہ اپنے بھائی حضرت عروہؓ اور حضرت عبداللہؓ کے بیٹوں سے۔ اپنے بھتیجوں کے ساتھ شریک رہتے۔ آپ کی سب سے زیادہ دوستی عبدالملک بن مروان سے تھی جو امویوں کا بعد میں بڑا زبردست خلیفہ ہوا۔ اکثر و بیشتر وقت ان دونوں کا ایک ساتھ گذرتا تھا۔

جب آپ کے بڑے بھائی امیر المومنین حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ کی خلافت کا زمانہ آیا تو آپ کو اپنی فطری قابلیتوں کے اظہار کا موقع ملا۔ آپ پہلے مدینہ منورہ کے گورنر بنائے گئے۔ اور بعد ازاں بصرہ و کوفہ کی حکومت سپرد کی گئی جس کے معنی یہ ہیں کہ ایران و خراسان ترکستان اور ہندوستان کی سرحد تک کے علاقے آپ کے زیر نگیں تھے۔ آپ نے فتنۂ مختار کا قلع قمع کر دیا۔ اور مسلمانوں کو ایک بڑی مصیبت سے نجات دے دی۔"

اور محاربے کی سرکوبی کی۔ جب عبدالملک کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے کوفیوں اور عراقیوں نے بے وفائی کی اور آپ کا موقف نازک ہو گیا۔ تو آپ کو بصرہ جانے کی صلاح دی گئی۔ مگر آپ کی غیرت اس کو برداشت نہ کر سکی۔ آپ کے صاحبزادہ حضرت عیسیٰ اور آپ جس طرح میدانِ جنگ میں باوجود دشمنوں کی الحاح و زاری کے میدان سے آپ ہٹ جائیں پروا نہ کر کے موت کو سامنے دیکھکر بھی ـــــــ موت کے منہ میں گھس گئے اور ابدالآباد تک اپنا نام روشن کر گئے۔ مولانا اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی مرحوم نے اس واقعہ کا مقابلہ حضرت حسینؓ کی شہادت سے اس طرح کیا ہے کہ

"کوفیوں نے مصعب بن حضرت زبیرؓ اور حضرت حسینؓ دونوں کے قتل کرانے میں ایک ہی درجہ کا جرم کیا ہے۔ لیکن یہ دونوں جرم مختلف شکلوں میں ظاہر ہوئے۔

(۱) وہاں حضرت حسینؓ اپنے دشمنوں سے چاہتے تھے کہ وہ اُن کو میدانِ جنگ سے مکہ یا دمشق اور کسی طرف کو بچ کر نکل جانے دیں۔ یہاں حضرت مصعبؓ کے دشمن خود چاہتے تھے کہ حضرت مصعب میدان سے نکل جائیں۔

(۲) وہاں حضرت حسینؓ کے دشمنوں نے اُن کی بات قبول نہیں کی، اور یہاں حضرت مصعب بن زبیرؓ نے اپنے دشمنوں کی بات کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

نتیجہ دونوں کا ایک ہوا کہ دونوں شہید ہوئے۔ اور مسلمانوں کے لئے ایک شاندار عملی نمونہ چھوڑ گئے۔ آپ کی شہادت کا جو اثر خود آپ کے دشمن عبدالملک پر ہوا اور جس طرح اُس نے آپ کو یاد فرمایا وہ تاریخ میں پڑھنے کے لایق ہے۔ عبدالملک نہیں چاہتا تھا کہ جو صورت پیدا ہوئی وہ ہوتی لیکن حضرت مصعبؓ کی غیرت نے اس کو گوارا نہیں کیا کہ وہ میدان سے پشت پھیر کر نکل جائیں۔ تاریخ کا یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ جو دردناک مرثیے آپ کی شان میں کہے گئے ہیں وہ عربی زبان کے شاہکار ہیں۔ اور آپ سے پیشتر ایسی دردناک نظمیں نہیں لکھی گئی تھیں۔

تیسری صدی ہجری میں جب دیلمی خاندان کے وزراء نے بغداد کے خلفاء کو بے دست و پا کر دیا تو مجالس ماتم سیدنا حضرت حسینؓ کا رواج ڈالا گیا۔ جو ہند میں اس وقت تک جاری ہے سُنّی اُس کے مقابلہ میں صدہا برس تک ماتم سیدنا حضرت مصعب بن الزبیرؓ برپا کرتے رہے۔ یہ بھی ایک حُسنِ اتفاق ہے کہ شیعہ حضرات خسر یعنی حضرت حسینؓ کا اور سُنّی آپ کے داماد یعنی حضرت مصعبؓ کے ماتم میں سوگوار رہے۔

آپ نے اپنے زمانہ کی سب سے زیادہ تعلیم یافتہ مہذب۔ بزلہ سنج۔ خوددار۔ فخرِ زمانہ اور خوددار بیبیوں حضرت سکینہ بنت حضرت حسینؓ اور حضرت عائشہ بنت سیدنا حضرت طلحہؓ جو امیرالمومنین حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نواسی اور اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی محبوب شاگرد اور بھانجی بھی تھیں۔ شادی کی تھی۔ اور یہ دونوں خواتین اپنے زمانہ میں حسن و جمال، ذہن و ذکاء اور طباعی میں فرد تھیں۔

آپ رسول اللہ صلعم کی بعثت اور آپ کے احکام کی تعمیل میں ہر وقت مستعد رہے آپ تقویٰ میں بے نظیر۔ تمول و دولت لاثانی۔ فیاضی ضرب المثل۔ شجاعت بے مثال اور غیرت۔ نفاست پسند تھے۔ رحمدلی و درگذر۔ شفقت و رعایا پروری وغیرہ آپ کے خاص جوہر تھے۔ خطابت میں آپ کا نام ممتاز تھا۔ مسلمانوں میں سب سے پہلے آپ ہی نے درہم و دینار تیار کرائے تھے۔ اور یہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت کا نشانہ تھا۔

آپ کی اولاد میں بھی بڑے بڑے صاحبِ علم و فضل ہوئے جنہوں نے دنیا کو اس سے فیضیاب کیا۔ اور جہاں گئے علم و عمل کو اپنا شمع راہ بنا کر رکھا ہے۔ اور آپ کی اولاد میں بڑے بڑے فقیہ۔ محدث اور صلحاء پیدا ہوتے۔ چنانچہ تاریخ گزیدہ مؤلفہ حمد اللہ بن ابی بکر بن احمد بن نصر مستوفی قزوینی جس نے ساتویں صدی ہجری کی تصنیف ہے۔ قزوین کے مختلف خاندانوں کا حال بیان کرتے ہوئے زبیری خاندان کے متعلق تحریر ہے کہ "زبیریاں۔ از نسل مصعبؓ بن زبیرؓ بن العوام اند در ایشاں علماء و صلحا بودہ اند۔"

اسی طرح ہندستان میں جب سے یہ خاندان آیا تو اپنی انہیں خصوصیات کا حامل رہا۔ اور اب تک چلا آ رہا ہے۔"

سندھ میں اسدیوں کی آمد اور قیام حکومت

حضرت زبیرؓ کے خاندان اسدی میں سے جو بزرگ اوّل سندھ میں (جس کے حدود پہلے نہایت وسیع تھے) تشریف لائے وہ منذر ہباری اسدی ہیں۔ آپ بنی امیہ کے گورنر حکم بن عوانہ کے ہمراہ ۱۱۰ھ ہجری میں داخل سندھ ہوئے تھے۔ آپ کے پڑپوتے عمر بن عبدالعزیز بن ربیع بن منذر نے جو مضریوں کے سردار تھے۔ ۲۳۹ھ ہجری میں عباسی گورنر کو قتل اور مستقر حکومت المنصورہ پر قبضہ کرکے سندھ میں اپنی وسیع اور خود مختار سلطنت قائم کرلی تھی۔ جو نہایت قوّت و شوکت کے ساتھ ۴۱۶ھ ہجری تک اُن کی اولاد میں متوارث رہی۔

زبیریوں کی سندھ میں آمد

خود حضرت زبیرؓ حواری رسول اللہ صلعم کی اولاد میں سے چند بزرگوں کو ۱۴۵ھ ہجری میں اس غرض سے سندھ میں تشریف لانا پڑا کہ وہ وہاں کے عباسی گورنر کو محمد نفس ذکیہ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حضرت حسنؓ بن حضرت علیؓ کی بیعت پر آمادہ کردیں جنہوں نے حضرت زبیرؓ کی اولاد و خاندان کی امداد سے ابوجعفر منصور دوسرے خلیفہ عباسی پر خروج اور اپنی خلافت کا اعلان کرکے مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ پر قبضہ کرلیا تھا۔ اور جس کے متعلق کلثوم بنت وہب زوجہ عبدالوہاب بن یحییٰ بن عباد بن امیرالمومنین حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ کے اشعار مشہور ہیں چنانچہ فرماتی ہیں کہ ہ اس شخص کی (محمد نفس ذکیہ کی) حمایت میں بڑے نجیب الطرفین نوجوان لڑکے جنکہ اسدی رسالہ کے علاوہ اور سب لوگ ان کا ساتھ چھوڑ کر دور ہوگئے تھے۔

مگر جب سندھ میں محمد نفس ذکیہ کی خلافت کا اعلان ہونے کے کچھ عرصہ بعد اس خروج کی ناکامی یعنی مدینہ منورہ پر لڑائی میں عباسی کثیر فوج کے مقابلہ میں مٹھی بھر زبیریوں کو رستانہ جنگ کے بعد شکست ہوگئی۔ عثمان زبیری علمبردار فوج زخمی ہوکر گر پڑے۔ ابراہیم و عیسیٰ بن مصعب الملقب بہ خضیر بن حضرت مصعبؓ بن سیدنا حضرت زبیرؓ جیسے سربرآوردہ اور جری بزرگ معہ محمد نفس ذکیہ کے شہید ہوگئے تو اس خبر کو سُنکر سندھ میں مقیم زبیری سندھ کے عباسی علاقہ میں اپنی رہائش خطرناک جانکر گورنر سندھ کے مشورہ سے اس کی حدود سے ملی ہوئی ایک خود مختار ریاست میں چلے گئے۔ جہاں کے حکمران نے اُن کو بہت عزت و احترام کے ساتھ لیا۔ اور وہ وہاں شہزادوں کی طرح رہنے لگے۔

کنباہ میں زبیریوں کی سکونت

جب عباسی خلیفہ کو سندھ کے گورنر کی کارروائی یعنی محمد نفس ذکیہ کی بیعت کرکے عباسی جھنڈوں کو اُتار کر محمد نفس ذکیہ کے جھنڈے بلند کر دینے اور اُن کی شہادت کی خبر سُننے کے بعد پھر عباسی جھنڈوں کو قائم کردینے کی اطلاع ملی تو اُس نے اس گورنر کے قبیلہ کے اثر کی وجہ سے کوئی سزا دینی نامناسب خیال کرکے اُس کا تبادلہ مصر کی گورنری پر کردیا۔ اور دوسرے گورنر کا تقرر کرکے اِس ہدایت کے ساتھ سندھ میں بھیجا کہ وہ وہاں پہنچکر عبداللہ اشتر پسر محمد نفس ذکیہ اور ان کے ساتھی زبیریوں کو اُن کے پناہ دہندہ سے طلب کرے اور حوالہ نہ کرنے کی صورت میں اُس کی ریاست کو پامال کردے۔

یہ گورنر سندھ آکر موقع کا متلاشی رہا۔ اتفاقاً جبکہ ایک دن چند زبیری معہ عبداللہ اشتر کے دریائے سندھ کے کنارے سیر و شکار میں مشغول تھے۔ اُنہیں اِس نئے گورنر سندھ کے بھائی نے اپنے پانچ سو سواروں سے گھیر لیا۔ اور مطیع ہوجانے کا حکم دیا۔ لیکن وہ اطاعت سے انکار کرکے بہادرانہ لڑے اور شہید ہوگئے۔ اِس معرکہ کے بعد گورنر سندھ نے باقی ماندہ زبیریوں کو اُن کے پناہ دہندہ سے طلب کیا اور انکاری جواب پاکر اُس کی ریاست پر حملہ کردیا۔ گھمسان کا رَن پڑا مگر مقابلہ کیونکہ برابر کا نہ تھا۔ عباسیوں کا یہ حریف بھی لڑائی میں مارا گیا۔ اور اُس کی ریاست کا عباسی سلطنت میں الحاق کرلیا گیا۔ زبیری وہاں سے نقل مقام کرکے دور شہر کنباہ میں چلے گئے۔ عباسی حکومت کو اُن پر دسترس حاصل نہ ہوسکا۔ وہ وہاں نہایت امن و اطمینان اور عزت و شان کے ساتھ سوا دو سو برس تک بستے رہے۔

مذکورہ بالا ریاست کے الحاق کے تھوڑے عرصہ بعد ہی ۱۵۸ھ ہجری میں ابوجعفر منصور عباسی مرگیا تو اُس کے بیٹے مہدی کو اپنی سلطنت کے استحکام کے لئے زبیریوں کی استمالت کرنی پڑی یعنی اُن کی مخالفت کو دوستی میں تبدیل کرنا پڑا۔ اُس نے زبیریوں سے تعلقات بڑھانے کے لئے عبداللہ

(نوٹ ۱) منذر بن زبیر بن عبدالرحمن بن حضرت ہبارؓ شہید و رجنگ اجنادین در ۱۳ھ ہجری بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ بن زید الملقب بہ قصی۔

بن مصعب بن ثابت بن امیر المومنین حضرت عبداللہ بن حضرت زبیرؓ کو کہ انہوں نے ہی محمد نفس ذکیہ کی طرف سے عباسی فوج سے سخت جنگ کی تھی اور محمد نفس ذکیہ کا ایسا مرثیہ لکھا تھا جس کی تمام عرب میں شہرت ہو گئی تھی۔ ۱۶۶ہجری میں گورنر یمامہ بنایا۔ مہدی کے بیٹے ہارون الرشید کے زمانے میں آپ مدینہ منورہ کے گورنر بنائے گئے۔ عبداللہ بن مصعب کے بعد آن کے صاحبزادے "ابو بکر بکار زبیری کو بھی مدینہ منورہ کا گورنر د قاضی مقرر کیا گیا۔ نیز آن کے دیگر اعزا کو خاص بغداد اور مکہ معظمہ وغیرہ میں اعلیٰ مناصب دیئے گئے۔

ملتان میں زبیریوں کی سکونت

ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ سندھ میں ہارون الرشید کے پوتے المتوکل کے زمانے میں حضرت زبیرؓ کے چچیرے بھائی حضرت ہبارؓ کی اولاد میں سے عمر بن عبدالعزیز نے عباسی گورنر کو قتل کر کے اپنی وسیع اور خود مختار سلطنت قایم کر لی تھی جس کا دارالسلطنت منصورہ تھا۔ اِس سلطنت کے سایہ میں تمام عربی قبایل کو ایسا امن و چین حاصل تھا جو اموی اور عباسی حکومتوں میں انہیں نصیب نہ تھا۔ مگر جب ۳۷۵ہجری میں یہ سلطنت قرامطہ کے ہاتھوں تباہ ہو گئی تو وہاں کے اِن عربی قبایل کا اطمینان و چین بھی رخصت ہو گیا۔ اُن میں سے بیشتر ملتان کی ریاست میں چلے آئے زبیری بھی "کنبیا" سے نقل مقام کر کے ملتان میں آبسے" اور وہاں دوسرے عربی قبایل کی طرح مثل "مشہدی۔ بخاری۔ کرمانی۔ بصری۔ مدنی۔ نسائی" وغیرہ وغیرہ کے یہ بھی اپنے سکونت کے شہر "کنبیا" کے تعلق سے "کنبوی" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ پھر جب ملتان سے دہلی آئے تو "کنبوی ملتانی" اور "کنبوی دہلوی کہلائے" چنانچہ کتب تواریخ میں اِس خاندان کے بزرگوں کے اسمائے گرامی کے ساتھ یہ ہی القاب تحریر ہیں"۔

جب دہلی سے جاکر دوسرے شہروں میں سکونت پذیر ہوئے تو آن شہروں کے ناموں کی وجہ سے "میرٹھی یا دہردی۔ سنبھلی۔ امروہوی۔ بریلوی" وغیرہ وغیرہ سکنی لقب بھی آن کے ناموں کے ساتھ حسب قاعدہ تحریر ہوئے۔ جیسے کہ لاہور کے رہنے والوں کے اسمار کے ساتھ لاہوری" قنوج کے رہنے والوں کے ناموں کے ساتھ قنوجی" اور لکھنؤ کے رہنے والوں کے ناموں کے آگے لکھنوی لکھا جاتا ہے۔ وقس علیٰ ہذا۔

ہندوستان میں زبیریوں کی فضیلت و شوکت

زبیری کنبوی خاندان ہمیشہ اور ہر زمانے میں اپنے اوصافِ حمیدہ، جودتِ طبع۔ اور علم و فضل و وجاہت میں ممتاز رہا ہے" حالاتِ ملتان کے ایک مورخ نے لکھا ہے کہ "جب یہ خاندان ملتان سے دہلی کی سمت آ گیا تو اس کی عظمت و شان اور بزرگی کی وجہ سے وہاں کے کچھ دوسرے خاندانوں نے اپنے فخر و ناز کے لئے اِس خاندان کا سکنی لقب اختیار کر لیا ہے"۔

جب دہلی میں تخت اسلام قایم ہوا تو اِس قیام سلطنت کے وقت سے ہی اپنے خصوصی اوصاف کی وجہ سے اِس زبیری کنبوی خاندان کے بزرگ بھی مسلسل ہر شاہی خانوادے کے زمانے میں ارباب حل و عقد میں شامل رہے ہیں۔ وزیروں۔ امیروں۔ گورنروں۔ سپہ سالاروں۔ شیخ الاسلاموں۔ قاضیوں۔ مفتیوں۔ مشایخ طریقت۔ علمائے شریعت۔ شعراء۔ حکماء۔ اطبا۔ اور مصنفین وغیرہ وغیرہ کا ایک سلسلۂ لامتناہی سلطنت اسلامیہ ہند کے خاتمہ تک اِس خاندان میں رہتا چلا آیا ہے"۔ اِس انگریزی سلطنت کے زمانے میں بھی یہ خاندان ناموری اور خاص فضیلت کا حامل رہا اور آج تک اپنے بزرگوں کی میراث کو بہت کچھ قایم رکھے ہوئے ہے۔

کتب تواریخ میں یہ بات بھی وضاحت سے تحریر ہے کہ جو شاہانِ اسلام اپنی مصاحبت اور اعلیٰ عہدوں کے لئے ہی نہیں۔ بلکہ چھوٹی سی چھوٹی ملازمت کے لئے بھی لوگوں کے نسب کا خاص طور سے خیال رکھتے تھے اور جن کو اس بارے میں بیحد ولا انتہا غلو تھا۔ اُن کو جو عقیدت اِس خاندان کے بزرگوں سے تھی اور اُن کے پاس جو قدر ان بزرگوں کا تھا وہ کم [illegible] ہوا ہے"۔ [illegible] یہ بادشاہانِ جلیل القدر ہی ان بزرگوں کے قدم چومتے اور انہیں التجاؤ الحاح سے عمر بھر کے لئے اپنا ہمدم و ہمراز بناتے تھے۔ بلکہ حضرت سید عبدالوہاب بخاری قدس سرہ العزیز برادر عزاد حضرت سید جلال الدین جہانیان جہاں گشت قدس سرہ جیسے اولیاء اللہ تک بھی اِس زبیری کنبوی خاندان کے بزرگوں کی پالکی کو سر بازار اپنے کاندھوں پر اٹھاتے [illegible]

خاندانِ زبیری کے حاسدین

"دنیا کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ" ذی اقتدار اور ذی وجاہت و نامور لوگوں کے کچھ حاسد اور مخالف پیدا ہو جاتے ہیں جو اُن پر نکتہ چینیاں کرتے اور اُن میں طرح طرح کے عیب نکالا کرتے ہیں" بعض تو اس معاملہ میں اس قدر بڑھ جاتے ہیں کہ کسی ایک شخص سے کلفت ہو جانے پر اُس کے سارے خاندان یا قوم ہی کو لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔ اور برائیاں کرتے رہنے ہی میں اپنے دل کی تسکین کا سامان پیدا کرتے ہیں۔

اِسی قاعدہ کلیہ کے مطابق جس طرح دوسرے افرادِ خاندان" مخالفین و حاسدین کے نت نئے حملوں سے محفوظ نہیں رہے ہیں۔ اِسی طرح یہ خاندان بھی اُن کا ہدف بننے سے مامون نہیں رہا۔

(الف) حجاج بن یوسف ثقفی

(۱) اِس خاندان کے مخالف و حاسدوں میں" پہلی دفعہ تاریخوں میں جس شخص کا اس کے نسب پر حملہ کرنے کا ذکر آیا ہے۔ وہ حجاج بن یوسف ثقفی" عبدالملک بن مروان اُموی کا مشہور ظالم و جفاکار سپہ سالار و گورنر تھا" جس کے متعلق حضرت عمر بن عبدالعزیز اُموی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول موجود ہے کہ "اگر ہم ساری دنیا کے ظالم و نابکار لوگوں کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھیں اور دوسرے میں اپنے حجاج کو رکھدیں تو یقیناً ہمارا ہی پلڑا بھاری رہے گا" اِس حجاج نے اپنی مخالفت کے جوش میں خالد بن یزید بن حضرت اُمیر معاویہؓ کے پاس اپنے ایک قاصد کے ذریعہ کہلایا تھا کہ "تو اِن لوگوں کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کا خیال ہی کس طرح کر سکتا ہے" جو ٹھیک نسب کے بھی نہیں ہیں" یہ ہی وہ لوگ ہیں جو تیرے باپ کے ساتھ خلافت کے لئے لڑ جھگڑ چکے ہیں" اور اس کے خلاف ہر قسم کے توہین آمیز الزامات لگا چکے ہیں نیز تیرے باپ اور دادا کے ایمان میں کیڑے نکال چکے ہیں" خالد نے قاصد سے کہا کہ اگر تو بحیثیت قاصد امن میں نہ ہوتا تو میں تیرا ایک ایک عضو کٹوا ڈالتا" اپنے آقا سے جا کر کہہ دے کہ یہ قریشی لوگ ہیں جو آپس میں جھگڑتے رہے ہیں" اور جب وہ یہ کہنے کی جرأت کرتا ہے کہ یہ لوگ ٹھیک نسل کے نہیں ہیں تو کس قدر حیرت کی بات ہے کہ حجاج کو انساب قریش کا کس قدر کم علم ہے" کیا العوامؓ عبدالمطلب بن ہاشم کے برابر کے نہ تھے۔ جب انہوں نے صفیہؓ والدہ ماجدہ حضرت زبیرؓ سے اور رسولِ خدا صلعم نے ام المومنین حضرت بی بی خدیجہؓ (حضرت زبیرؓ کی پھوپھی) سے نکاح کیا۔

(ب) ابو الفضل

(۲) دوسری دفعہ ۹۹۱ ہجری میں" نواب شہباز خاں زبیری کمبوکنبوی کے دینِ الٰہی اکبرشاہی کی تلقین پر" شہنشاہ اکبر سے تیز و تند کلام کرنے اور بیچ میں بول پڑنے پر راجہ بیربر کے از خلفائے دینِ الٰہی اکبرشاہی کو زبردست ڈانٹ بتانے اور اِس دین کی توہین کرنے کی وجہ سے" نواب صاحب موصوف سے بدلہ لینے اور اُن کو نیچا دکھانے کے لئے اُن کے نسب پر حملہ کیا گیا" ابوالفضل اور فیضی نے جو دینِ الٰہی کے موجد یعنی شہنشاہ کو دکھ پہنچانے والے دو فرشتے اور اُس کے خلفائے عظام سے تھے نواب صاحب کے ایسے طرزِ عمل سے بہت پیچ و تاب کھایا۔ اور موقع کے منتظر رہے" انہوں نے یہ دیکھکر کہ یہاں ایک قوم "کمبو" کے نام سے موسوم ہے۔ نواب شہباز خاں کے نسبی لقب "کنبوی" کو چھپا کر اور اُسے کنبو ظاہر کر کے اُن کا رشتہ "قوم کمبو" سے ملا دینے میں اپنی ساری توانائی اور قوتوں کو صرف کر دیا" اور یہاں تک جدوجہد کی کہ نواب صاحب کے نسب کی تحقیقات کے لئے شہنشاہ کی صدارت میں اُمرا اور مورخین کا ایک جلسہ تک کرا دیا۔

اِس شاخسانے کے کھڑا کرنے سے اُن کی غرض یہ تھی کہ نواب صاحب کی عدیم المثال دینداری۔ اور دینِ الٰہی اکبرشاہی نیز اس کے پیرووں کی حقارت کرنے کا انہیں مزا چکھا دیا جائے اور اس طرح نیچا دکھایا جائے کہ بنگال کی گورنری و سپہ سالاری پر جو اُن کا تقرر ہونے والا تھا اپنی سازشوں سے انہیں اس سے محروم کرا دیا جائے انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ جس طرح بھی ہو اُن کا یہ مقصد پورا ہو جائے لیکن جب نواب شہباز خاں کے نسب میں التباس ڈال دینے اور اُن کو ترقی سے محروم کرا دینے میں انہیں ذلت کا منہ دیکھنا پڑا اور شکست فاش اُٹھانی پڑی تو وہ کھسیانا کر رہ گئے" ابوالفضل کو اپنی کتابوں میں نواب صاحب موصوف کے نسب کے متعلق تو ایک حرف تک لکھنے کی جرأت نہیں ہو سکی" لیکن اس نے اُن کی ذات سے متعلق اکبرنامہ میں یہ الفاظ لکھکر اپنے دل کا بخار نکالا ہے کہ "نواب شہباز خاں ہر طرح کی خدمت اور سربراہی سپاہ میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے" اگر زبان کو قابو میں رکھتے اور ناہنجار گفتگو نہ کرتے تو اور ترقی کرتے" یہ آخر کا فقرہ اِسی سازشی کارروائی کی طرف اشارہ ہے

اور اس میں ناکامی کی وجہ سے نواب فہیمانہ خاں سے ابوالفضل کی دلی حالت و کلفت کو بخوبی عیاں کر رہا ہے۔

(ج) ملا عبدالقادر بدایونی نے بھی اسی اکبر بادشاہ کے زمانہ میں جبکہ بادشاہ سے انھیں توقعات تھیں اور اس کی خوشی ایسی منظور تھی کہ خلاف شرع اور برے سے برا کام کرنے میں کوئی باک نہ تھا، شاید ہی امرا اور مشائخ و علما میں سے کوئی بچا ہو جس کے انھوں نے نوچنی نہ لی ہو اور اس کی برائی کرنے میں کچھ کسر اٹھا رکھی ہو۔ اکبر نے جو علماء فضلا اور مشائخین کے خلاف جہاد کر دیا تھا اُن کی ذلت و بے آبروئی کی خدمت ملا صاحب کے سپرد کی تھی اور یہ کہہ کر اُن کی دل افزائی کی تھی کہ "یہ بدایونی اُن کا سرکوب ہے" بادشاہ کے اس فقرے سے وہ پھولے نہ سمائے۔ طینت بھی ملا صاحب کی خاص تھی۔ اپنے استاد زادے ابوالفضل کو آپ نے ولدالزنا تحریر فرمایا ہے۔ دوسروں کے لئے جو لکھا ہو گا اسی پر قیاس کر لینا چاہئے۔ اپنی منتخب التواریخ کی پہلی جلد میں "زبیری کنبوی" خاندان کے ایک بزرگ "شیخ عبدالصمد المتخلص بہ شیخ گدائی" شیخ الاسلام سلطنت پر جن سے اکبر کو بیرام خاں خان خاناں کی دوستی کی وجہ سے شکر رنجی ہو گئی تھی خوب خوب زہر اگلا ہے۔ اُن کے اقتدار بے مثال پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے اپنے دلی جوش میں یہ فقرہ بھی لکھ مارا ہے کہ "ائمہ کے گھروں میں جو اُن کے نسب کو بھی اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ اُن کے ایسے اقتدار سے رونا پیٹنا پڑ گیا اور صف ماتم بچھ گئی تھی" پھر اس سے بھی آگے قدم بڑھا کر انھوں نے شیخ گدائی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ وفات "مردہ خوک کلاں" نکالی ہے۔ ملا صاحب نے جنھیں ائمہ تحریر فرمایا ہے اُن کی حیثیت اُن کام چور اور بد دیانت لوگوں سے زیادہ نہ تھی جو ملازمت سے موقوف کر دیئے جانے پر حاکموں کے خلاف ہرزہ سرائی کیا کرتے۔ یا جو بلا استحقاق جاگیریں اور مناصب طلب کرتے اور اُن کے نہ ملنے پر رطب و یابس بکتے پھرتے ہیں یا جن کی نالائقیوں کی وجہ سے اُن کی جاگیروں میں کمی اور عہدوں میں تنزل کر دیا گیا تھا۔ مگر جب ملا صاحب بادشاہ کی نظروں سے گر گئے اور اُن کی توقعات پامال ہو گئیں یعنی راندۂ درگاہ ہو کر اُن کے حواس درست ہوئے تو انھوں نے اپنی منتخب کی دوسری جلد میں "شیخ گدائی" کا حال دوبارہ تحریر فرمایا ہے۔ مگر اس میں نہ تو اُن کے نسب کے بارے میں کوئی حرف لکھا ہے، نہ ہی اُن کی "مردہ خوک کلاں" جیسی خباثت آمیز تاریخ نکالی ہے۔ بلکہ اُن کی لیاقت اور علم و فضل اور ظاہری و معنوی کمالات کے ذکر میں اپنے قلم کی زبان لال کر دی ہے۔ اور جہاں ملا صاحب نے "شیخ گدائی" کے ماموں زاد بھائی اور ہم جد "شیخ محمد" کا حال لکھا ہے وہاں اُن کے نسب کے متعلق یہ بھی لکھ دیا ہے کہ "شیخ محمد کنبوہ بہ علو حسب و نسب یگانۂ زمانہ بود" "زبیری کنبوی" خاندان کے دو بزرگوں کے نسب کے متعلق جن متضاد تحریروں کو ہم نے یہاں پیش کیا ہے اُن پر ہمیں کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ دکھانا صرف یہ ہے کہ "ملا صاحب" "تیاج" اور "ابوالفضل فیضی" کی صف میں کیوں اور کس وجہ سے آگئے تھے۔

(د) نامعلوم حاسد (۴) ابہام زبیری کنبوی خاندان کے ایک اور حاسد سے تعارف کراتے ہیں جنہیں اپنا نام ظاہر کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ جب اودھ کے گورنر محمد امین المخاطب بہ سعادت خاں برہان الملک کے بھانجے اور داماد ابوالمنصور صفدر جنگ کی اولاد نے شہنشاہ دہلی کی ماتحتی سے نکل کر خود مختاری حاصل کرلی اور شاہی لقب اختیار کر لیا تو اس سلطنت اودھ کے ارباب حل و عقد میں تین خاندان یعنی زبیری کنبوی، افغان اور کشمیری پیش پیش تھے۔ گو ان میں بھی آپس میں چشمک رہا کرتی تھی مگر آخر تک سلطنت کا انصرام اہتمام انھیں سے متعلق رہا۔

زبیری کنبوی خاندان کے وہ بزرگ جو سلطنت کے کاموں میں دخیل تھے "اُن کے کارناموں سے اس حکومت کی تاریخیں بھری ہیں" اور وہ شاہ اودھ کے "بادشاہ گر" کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان تینوں خاندانوں کے اقتدار سے پیچ و تاب کھا کر اس گمنام شخص نے اپنے دل کی آگ کو یہ بیت لکھ کر بجھانے کی کوشش کی ہے

اگر قحط الرجال افتد ازیں سہ آشنا کم گیری — اول افغان دوم کنبو سوم بد ذات کشمیری
ز افغان کینہ می آید ز کنبو فتنہ می آید — ز کشمیری نمی آید بجز اندوہ دلگیری

اس بیت کے متعلق شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب مرحوم و مغفور نے اپنی مشہور تاریخ ہندوستان میں یہ فقرہ تحریر فرمایا ہے
"[illegible] کسی بدنفس شاعر کی لکھی ہوئی ہے۔"

یہاں شاید یہ بتا دینا نامناسب نہ ہوگا کہ سلطنت آصفیہ دکن میں بیت اِس طرح پڑھی جاتی ہے ؎

اگر قحط الرجال افتد ازیں سہ اَنس کم گیری ۔ اوّل میدکی دوم بیدری سوم بدذات کو ہیری

میدک ۔ بیدر ۔ اور کوہیر ، سلطنت متذکرہ کے قصبات ہیں ۔ جن میں اوّل الذکر دو اضلاع کے مستقر ہیں ۔ ان قصبات کے اشخاص اپنی لیاقت نیز علم و فضل اور وجاہت میں ممتاز تھے نیز اپنے وقت کے محسود زمانہ تھے ۔

کنبوہی لقب میں التباس

(۵) مغلیہ سلطنت کے زوال کے زمانے میں جب ملک میں طوائف الملوکی پھیل گئی اور اکثر صوبے سلطنت سے کٹ کر الگ ہو گئے تھے کچھ حضرات نے زبیری کنبوی خاندان کے کسی بزرگ کا حال لکھتے ہوئے انہیں بجائے کنگو یا کنبوی کے ، از طائفۂ کنبو یا از قبیلۂ کنبو یا صرف کنبو لکھدیا ہے ۔ مگر اس میں اُن کے حسد یا مخالفت کا کوئی دخل نہیں ہے ۔ اِس کا سبب محض یہ ہے کہ کسی کتاب میں انہوں نے کاتب کی غلطی سے بجائے کنبوی کے کنبو لکھا ہوا دیکھا اور بلا کسی خیال کے اُسی طرح لکھدیا ۔ اِن میں ایک صاحب ایسے بھی ہیں جنہوں نے کنبو اور کمبو میں مماثلت دیکھکر دونوں کو ایک سمجھ لیا ہے ۔ یہ حضرت اپنی کم علمی اور ناواقفیت کی وجہ سے یہ بات مطلق نہیں جان سکے کہ خود ہندوستان میں اور دوسرے ملکوں میں بھی ایسے بہت اقوام و خاندان ہیں جن کے ناموں میں اسی طرح کی مماثلیں موجود ہیں ۔ جیسے کہ برہمن خاندان نہرو ، راجپوت خاندان نہرا ، اور سادات کا مشہور خاندان نہری ہے ۔ اور کچھ تو عربی قبیلہ شیبانی اور ترکی قبیلہ شیبانی ، نیز منگولی نسل والے بھوٹانی اور افغان قبیلہ بھٹانی ، ہندو خاندان سوری اور افغان قبیلہ سوری کے ایک ہی نام سے موسوم ہیں ۔ مگر اِن ہمنام اقوام و قبایل میں کبھی نسلی تعلق ہرگز نہیں ہے ۔ غرضکہ ان کو نسبی تحقیقات اور جستجو سے کوئی غرض نہ تھی سرسری میں جو لفظ انہیں دکھائی دیا اُسے لکھدیا ہے ۔

پھر جس طرح دوسری بہت قومیں اپنے ناموں میں مماثلت رکھتی ہیں اسی طرح "کمبو" نام سے بھی مماثلت رکھنے والی اکثر قومیں موجود ہیں ۔ مثلاً قوم کمبو ۔ قوم کھمبو ۔ خاندان کموں ۔ قوم کمبرین ۔ قوم کمبوا ۔ وغیرہ وغیرہ سترہ تو ہمارے ہی علم میں ہیں ، اور وہ سب مختلف النسل ہیں ۔ کچھ اِسی پر منحصر نہیں ہے بلکہ کمبو اور اس کے مماثل ناموں کے بہت شہر اور علاقے بھی ، ایشیا ، یورپ ، افریقہ ، امریکہ ، آسٹریلیا اور جزائر میں ہیں جو نقشوں میں دیکھے جا سکتے ہیں ۔ نیز کمبو اور اس کے مماثل الفاظ مختلف چیزوں کے لئے بھی مختلف زبانوں میں مستعمل ہیں ۔ کمبوٹا میں یا اَردوی زبان میں بالچھنے کو اور جاپانی زبان میں بحری گھاس کو کہتے ہیں ۔ کمبیہ ، اس درخت کو کہتے ہیں جو برسات میں لگی ہوئی لکڑی میں اُگ آتا ہے کہ ٹہنی کی ایک سرخ و سفید ڈنڈی نکل کر اس پر ایک چھتری سی ہو جاتی ہے ، اسے صوبہ متحدہ آگرہ و اودھ کے مغربی اضلاع میں سانپ کی چھتری بھی بولتے ہیں ۔ کھمبی ، بھی ایک گھاس کا نام ہے جو ہندوستان کے پانیوں میں ہوتی ہے ۔

زبیری کنگو کنبوی خاندان کے نسب پر جو حملے جن اسباب سے کئے گئے انہیں ہم اوپر بتا آئے ہیں ۔ اس قدر زمانہ دراز میں ایسے باوجاہت اور ذی اقتدار محسود ان کے حاسدوں کی تعداد کا اِتنا کم ہونا بھی اپنی آپ مثال ہے ۔

(نوٹ ۱) پنڈت جواہر لال نہرو مشہور کانگریسی لیڈر اور حال وزیر اعظم ہندوستان کا خاندان ، کشمیر سے آکر دہلی میں نہر کے کنارے آباد ہوا تھا ، اس لئے اُس کا لقب نہرو پڑ گیا

(نوٹ ۲) شاہ علی نہری قدس سرہ العزیز المتوفی ۱۱۵۶ ہجری مشاہیر مشائخین دکن سے ہیں ۔ دکن میں آپ کسی خدمت پر مامور تھے ۔ جاذب حقیقی نے آپ کے دل سے دُنیا کی محبت کو مٹا دیا ۔ ترک روزگار کر کے حج کو تشریف لے گئے ۔ اور وہاں کئی بزرگوں سے ملے اور فیض باطنی اخذ کیا ۔ ہمیشہ عبادت و ریاضت اشغال و اذکار میں رہے ۔ اورنگ آباد دکن میں سکونت کی ۔ مسجد و خانقاہ بنوائی ۔ اور نہر خاص اپنے خرچ سے شہر میں لائے ۔ اِس لئے نہری ، مشہور ہیں ۔ فقیرانہ مزاج تھا ۔ امیرانہ زندگی بسر کرتے تھے ۔ بہت لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں آئے ۔ آپ کا مزار اورنگ آباد میں ہے ۔ رہبر کا ت الاولیاء تالیف مولوی سید امام صاحب گلشن آبادی مطبوعہ افضل المطابع دہلی ۱۳۱۲ ہجری صفحہ ۱۵۶ و ۱۵۷)

سید شاہ علی نہری کا خاندان ، نہری خاندان مشہور ہے ۔ اور نہایت سربرآوردہ ہے ۔ اس خاندان میں بڑے بڑے عہدہ دار سرکاری بھی ہیں ۔

لیکن جب کبھی کسی مصنف کی کتاب سے زبیری خاندان کے مکی لقب کنبوی اور دوسری اقوام کے نام میں التباس پڑنے کا شبہ ہوا تو اس خاندان کے بزرگوں نے اپنی کتابوں میں اسے خود آگے ہی رفع کر دیا ہے۔" اکبر کے عہد میں جس میں پہلی مرتبہ اس التباس کے ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ اور جہانگیر و شاہجہاں و عالمگیر و شاہ عالم ثانی نیز بعد کے زمانوں میں بھی جو کتابیں اِن بزرگوں نے لکھی ہیں اُن میں اپنے نسب کا اظہار کہیں زبیری، کہیں آلِ محمد یعنی رسول اللہ صلعم کے خاندان والے، اور کہیں قریشی لکھ کر ضرور کیا ہے۔"

التباس کا اِزالہ

چنانچہ اِس قسم کے التباس کے دور کرنے کی ایک اہم مثال وہ ہے جو کتاب **"کاشف الاستار"** سے پیدا ہو سکتی تھی۔ اِس کتاب کے مصنف حضرت سید شاہ حمزہؒ مارہروی ہیں جنہوں نے اپنی کتاب میں کنبوی خاندان کے افرادِ صاحبِ ستودہ کو پوری محبت و خلوص سے ظاہر کرتے ہوئے اِس خاندان کے متعلق کسی غلط روایت کی بنا پر رقم فرمایا ہے کہ یہ خاندان حضرت مخدوم شیخ بہاؤ الدین ذکریاؒ کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوا تھا۔ صاحبِ سلسلۂ عالیہ" اور اُن کے اجداد اس خاندان کا پتہ

---

۱ "کاشف الاستار" کے صفحہ ۲۳ پر حضرت سید شاہ حمزہ قدس سرہ العزیز متخلص بہ "عینی" پیدائش ۱۱۳۱ ہجری المتوفی ۱۱۹۸ ہجری نے تحریر فرمایا ہے کہ۔

"دریں جا احوال ساکنان شہر مارہرہ کہ فقیر دریں جا استقامت میدارد رقم می سازد بر ذوی الابصار پوشیدہ نماند کہ دریں شہر محلہ عمدہ از قوم کنبویان است و ریاست قانون گوئی و چودہری و متولی گری دریں قوم است و دیگر محلہ از قوم شیوخ انصاریست کہ قضاء و استفتاء و متولی گری نیز بآں قوم تعلق می داد۔ ایں فرقہ کنبویان از قدیم در ملتان و آں حدود توطن داشتہ اند و از آں جا منتشر شدہ در مکان ہائے مختلف قرار گرفتہ اند و وطن پیدا کردہ اند۔ چنانچہ در شہر میرٹھ و شاہجہاں آباد و سنبھل و بریلی و کول و مارہرہ و دھولپور و گوالیار وغیرہ آباد ہستند گروہے در ابتدا از ایں فرقہ بر دست حضرت مخدوم بہاؤ الدین ذکریا سہروردی و پسر ایشاں صدر الدین قدس اللہ سرہما بشرف اسلام مشرف شدند و تا حال در ملتان کنبوی ہندو نیز ہستند۔ اما روش ایشاں ہمہ پسندیدہ و شرافت و فراست لازم ذات ایں فرقہ است۔ و رسم نکاح و نسبت و قرابت ایشاں بغیر از قوم خویش جائے دیگر نمی شود۔ و دریں قوم امرائے عالی شان گذشتہ اند۔ چنانچہ نواب شہباز خاں اکبری و نواب ابو محمد خاں و بہادر خاں و نواب خیر اندیش خاں عالمگیری و غیر ایشاں بسیار فیاض و صاحب حوصلہ و ہمت و سخاوت بودہ اند۔"

"یہاں اِس جگہ احوال شہر مارہرہ کے رہنے والوں کے جہاں میں خود بھی رہتا ہوں لکھتا ہوں۔ ارباب نظر سے یہ بات پوشیدہ نہ رہے کہ اِس شہر میں عمدہ محلہ قوم کنبویان کا ہے۔ اور ریاست و قانون گوئی و نیز چودہراہٹ و متولی گری اِسی قوم کی ہے۔ دوسرا محلہ قوم شیوخ انصاری کا ہے استفتاء اور متولی گری اِسی قوم سے تعلق رکھتی ہے۔ جماعت کنبویان قدیم سے ملتان اور اس کے آس پاس متوطن رہتی آئی ہے۔ پھر اس جگہ سے منتشر ہو کر اس نے مختلف مقامات پر پہنچ کر انہیں اپنا وطن بنا لیا۔ چنانچہ شہر میرٹھ اور شاہجہاں آباد (دہلی) اور سنبھل۔ بریلی۔ اور مارہرہ اور دھولپور اور گوالیار وغیرہ میں آباد ہیں۔ اِس فرقہ کا ایک گروہ شروع زمانے میں حضرت مخدوم بہاؤ الدین ذکریا سہروردی اور اُن کے بیٹے صدر الدین قدس اللہ اسرارہما کے ہاتھ پر اسلام کے شرف سے مشرف ہوا اب تک ملتان میں کنبوی ہندو بھی ہیں۔ لیکن ان کے طریقے سب پسندیدہ ہیں اور شرافت و فراست اِس فرقہ کے لئے مخصوص ہے۔ رسم نکاح اور نسبت و قرابت اُن کی اپنی قوم کے سوا دوسروں میں نہیں ہوتی ہے۔ اِس قوم میں اُمرائے عالی شان گذرے ہیں۔ چنانچہ نواب شہباز خاں اکبری اور نواب ابو محمد خاں اور بہادر خاں اور نواب خیر اندیش خاں عالمگیری اور اُن کی مثل بہت فیاض اور صاحب حوصلہ و ہمت و سخاوت ہوئے ہیں۔"

۱ صاحب کاشف الاستار کے اِس بیان کو پڑھ کر مگر اس میں لفظ کنبویان دیکھ کر مؤلف امروہوی نے اپنی ساری بحث میں مصلحت کے خلاف جان کر ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ انہوں نے خاندان زبیری کنبوی کو قوم کمبوہ کا جزو بنا کر اپنے شوق میں تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے صفحہ ۳۳۴ پر اِس کتاب سے صرف اسی قدر نقل پر اکتفا کیا ہے کہ "(۶) شاہ شہباز کمبوہ باشندہ سنبھل (کاشف الاستار مؤلفہ حضرت شاہ حمزہ مارہروی قلمی)"

سے بیعت کے شرف سے ممتاز تھے لیکن جب انہوں نے یہ دیکھا کہ حضرت موصوف کی کتاب کا مندرجہ بالا فقرہ غلط فہمی میں ڈالنے والا ہے۔ انہوں نے اس معاملہ کو صاف کرنے کے لئے کتاب لکھ کر حضرت سید شاہ حمزہ قدس سرہٗ العزیز کے صاحبزادہ قطب وقت حضرت مخدوم سید شاہ آلِ احمد صاحب المشہور بہ حضرت اچھے صاحبؒ مارہروی کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرت اچھے صاحبؒ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے مصنف کو گلے سے لگا لیا اور کتاب کا نام "سلسلۂ عالیہ" تجویز فرمایا جس کے متعلق سلسلۂ عالیہ میں اس طرح تحریر ہے کہ

ص۳۔۔۔۔ از حالات اسلاف و اخلاف ہر آنچہ کہ اجمالاً و تفصیلاً بوضوح پیوست بعنایت پیر دستگیر سیدی سندی شیخی مرشدی مخدومی جناب سید شاہ آلِ احمد دام بقائہٗ موجزی مفید بکار آوردہ۔ بارشاد آں جناب آنرا موسوم بہ سلسلۂ عالیہ ساختہ

ص۳۔۔۔۔ بزرگوں اور ان کے اخلاف کے حال جب اجمالاً تفصیل سے روشنی میں آ گئے تو پیر دستگیر سیدی سندی شیخی مرشدی مخدومی جناب سید شاہ آلِ احمد دام بقائہٗ کی عنایت سے خدمت والا میں نام رکھنے کے لئے کتاب کو پیش کیا اور آنجناب کے ارشاد کے مطابق اس کا نام "سلسلۂ عالیہ" رکھا۔

بعد ازاں خاتمہ کتاب "سلسلۂ عالیہ" کے ضمن میں اس خاندان کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ

بر واقفان تاریخ روزگار و دانش مندان اولوا الابصار پوشیدہ نماند کہ ایں فریق عظام و ایں جماعہ کرام نامداران دوران سلطنت دریں کل زمینِ ہند از فضائل و کمالات و ثروت و امارت مسند نشینِ اقتدار و اعتبارات بودہ۔ بلند آوازگی داشتند چوں خاندانِ خلافت برباد شد و اقبالِ سلطنت منتہج ادبار گردید۔ و مملکتِ ہند رو بہ ویرانی نہاد۔ و خانوادہ ہائے امارت و ایالت قدیم و جدید یک قلم ضبط شد و انجمنہائے ارباب کمال و اصحاب شوکت و افضال بیشتر برہم خوردہ کار بر ارباب وظائف تنگ تر گشت و اضطرار معاش مردم از کسب و فضائل باز داشت و رواج ایں معنی یک قلم برخاست پس ترقی دولت ایں گروہ با نام۔ ہم زمانہ حاسد بخیل بہ عادت مستمرہ خود دیدن نتوانست لعل اللّٰہ یحدث بعد ذالک امراً۔ لیکن بر ارباب دانش و بصیرت و اصحاب فہم و فراست ہویدا است کہ ایزد تعالیٰ بندہ نواز خمیر مایہ ہستی ایں قوم از روزِ ازل بہ جوہر چندیں صفات مخصوصہ دست قدرت۔ ید اللّٰہ فوق ایدیہم۔ ساختہ آری ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

تاریخ روزگار کے جاننے والوں اور عقلمندوں صاحب بصیرت سے یہ بات چھپی ہوئی نہیں ہے کہ یہ فرقۂ عظیمہ اور یہ جماعت کرام نامدارِ دورانِ سلطنت اس کل زمین ہند میں اپنے فضائل و کمالات اور ثروت و امارت سے مسند نشین اقتدار اور اعتبار رکھنے میں شہرت خاص رکھتی ہے۔ جب خاندان خلافت برباد ہوا اور اقبالِ سلطنت ادبار میں آ گیا اور مملکت ہند میں ابتری پیدا ہو گئی اور امارت و ریاست رکھنے والے گھر ضبطی میں آ گئے اور ارباب کمال و اصحاب شوکت و افضال کی انجمنیں برہم ہو گئیں اور ارباب وظائف پر کام تنگ تر ہو گیا اور معاش کی طرف سے پریشانی نے لوگوں کو فضل و کمال حاصل کرنے سے باز رکھا اور ان باتوں کا رواج یک قلم موقوف ہو گیا۔ تو اس جماعت با نام کی ترقی دولت کو ہم زمانہ حاسد بخیل اپنی فطری عادت کے موافق نہیں دیکھ سکے۔ لعل اللّٰہ یحدث بعد ذالک امراً۔ لیکن ارباب دانش و بصیرت اور اصحاب فہم و فراست پر ظاہر ہے کہ خدائے تعالےٰ بندہ نواز نے اس قوم کی پیدائش کا خمیر روز ازل سے چند صفتوں مخصوص کے جوہر سے اپنے دستِ قدرت سے ید اللّٰہ فوق ایدیہم کے بنایا ہے ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اس قدر تحریر کرنے کے بعد صاحب "سلسلۂ عالیہ" نے پورے آداب، خلوص اور اپنے اور اپنے بزرگوں کے خاندانی برکاتیہ سے تعلقات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بڑی خوبصورتی کے ساتھ اس کا شعر الاستارہ سے پیدا شدہ التباس کو حسب ذیل تحریر سے دور کر دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ۔

جناب سلطان المحبوبین حضرت سید السادات سید شاہ حمزہ قدس سرہٗ العزیز با خر کتاب کاشف الاستار من تصانیف عالی خود مجملے از احوال ایں گروہ والا شکوہ بقلم فیض شیم ارقام فرمودہ و با وصاف تمام ستودہ۔ و راقم ایں حکایات صدق آنچہ بقید تحریر در آوردہ ہم چنیں از صحت روشن بیان۔ ساطع بیر ہان و از اکابر راسخ القول۔ حقایق داں دریافتہ نمودہ و در تحقیق احوال آں مقدمات کمال اہتمام مبذول داشتہ۔ بعد از غایت تحقیق راستی و درستی جرأت نگارش یافتہ و در ہر باب ازاں کہ اندکے شبہ و شک بخاطر فاتر رسید اظہار آں را از مصلحت دید فطرت ماذون و ماور نہ گردید۔ تحریر آں را معدوم الوقوع دانست۔ اما مجموع غرض اصلی ازیں تالیف و تصنیف فقط اظہار احوال ایں مردم بر سبیل اجمال بود۔

جناب سلطان المحبوبین حضرت سید السادات سید شاہ حمزہ قدس اللہ سرہٗ العزیز نے اپنی تصانیف عالی کتاب کاشف الاستار میں مختصر احوال اِس جماعت والا شکوہ کا اپنے قلم فیض شیم سے ارقام فرمایا ہے" اور اُن کے تمام اوصاف کی مدح و ستائش کی ہے" اور راقم نے جو یہ سچے حالات تحریر کئے ہیں وہ اِسی کتاب روشن بیان سے لئے ہیں جن کے بیان یقینی ہیں" (یعنی اُن کی تحریر سے انحراف نہیں کیا جا سکتا) اور بزرگوں راسخ القول حقایق داں سے بھی معلوم کرکے اور تلاش احوال میں اِن مقدمات کے کمال اہتمام مبذول رکھکر بعد نہایت درجہ تحقیق راستی و درستی کے لکھنے کی جرأت کی ہے۔ اور ہر باب میں کہ جس میں اندیشہ شک و شبہ کا دل میں آیا اور جسے طبیعت نے قبول نہیں کیا اُس کو معدوم الوقوع جانکر چھوڑ دیا۔ لیکن ساری غرض اصلی اِس تالیف و تصنیف سے فقط احوال اِن لوگوں کا مختصر طور سے ظاہر کرنا تھا۔

سر کار اور نسب کے باب میں اِس طرح ارقام فرما کر التباس کو دُور کیا ہے کہ۔

در اثبات نسب ایں فریق مردم از روئے تجاہل اقوال مختلفہ کہ با دلایل بے اصل فراو اشتہ اند از اں اصلی و حقیقتی ندارد اما آنچہ از روئے روایات اصحاب کتب و تصانیف و مصداق مقالات ارباب تحقیق و تدقیق بہ ثبوت و صحت رسیدہ و جمیع اہل دانش و حقیقت بہ آں قرار دادہ بریں گونہ است کہ ایں گروہ از قبیلۂ خاص روسائے قریش است۔

اثبات نسب میں اِس فرقہ کے لوگ جانتے ہوئے بھی انجان بنکر بے اصل دلیلوں سے جو مختلف باتیں کہتے ہیں۔ ہرگز اُن میں اصلیت اور حقیقت نہیں ہے" لیکن جو کچھ مطابق روایات اصحاب کتب و تصانیف اور مصداق مقالات ارباب تحقیق و تدقیق ثبوت اور صحت کے ساتھ معلوم ہوا ہے اور جس پر جمیع اہل دانش و حقیقت متفق ہیں اس طرح ہے کہ یہ جماعت قبیلۂ خاص رؤسائے قریش سے ہے"

سلسلۂ نسب ایشاں بہ صدر الآفاق قریش کہ از ثقات تابعین بودمی پیوندد و مناقب و فضایل او زیادہ تر از احصیٰ است۔ و اورا اعقاب بسیار منتقب بودہ ۔۔۔۔ چنانچہ گروہے ازاں بصوب ہند آوردہ بنا حیت ملتان کہ آنجا بلاد متعدد دمعروف بہ کنبا ہ بود۔ رحل اقامت کشادند۔ دکنباہ کہ نام دریائے است واقعہ آنروئے ملتان۔ و سکناء آں حدود از ہر فریق باآں لقب مکانی اشتہار داشتند مثل پنجابی و کشمیری وغیرہا" ایں گروہ نیز بہ تبع آں بہاں لقب مشتہر شدند"

اِن کا سلسلۂ نسب صدر الآفاق قریش سے جو ثقات تابعین سے تھے ملتا ہے مناقب و فضایل اُن کے شمار سے زیادہ ہیں انہوں نے اپنے بعد بہت اولاد چھوڑی"۔۔ چنانچہ اُن میں سے ایک جماعت نے ہندوستان میں آکر علاقہ ملتان میں کہ وہاں کنباہ کے نام سے متعدد شہر معروف تھے" اقامت اختیار کر لی" اور کنباہ" ملتان کے حدود میں ایک دریا ہے وہاں کے رہنے والے ہر طبقہ کے لوگ" لقب مکانی سے مشہور ہیں" جیسے پنجابی و کشمیری وغیرہ" یہ جماعت بھی اِسی طرح اُس لقب سے مشہور ہوئی۔

کیا اِس سے زیادہ التباس دور کرنے اور ایک غلطی کے ازالہ کی کوئی مثال پیش کی جا سکتی ہے جبکہ صاحب کتاب کاشف الاستار" صاحب سلسلۂ عالیہ اور اُن کے بزرگوں کے ملجا و ماویٰ اور ہادی و مرشد بھی ہوں" اور یہ سلسلہ اسی وقت نہیں بلکہ صدیوں سے متوارث چلا آتا ہو۔ اگر صاحب" سلسلۂ عالیہ" کو اپنے سلسلۂ نسب کے متعلق ذرا سا بھی شک و شبہ ہوا ہوتا تو وہ کسی طرح ایسی بڑی جسارت کے مرتکب نہیں ہو سکتے تھے"

کیونکہ کتاب کاشف الاستار میں کسی سہو نظری یا کسی غلط فہمی کی وجہ سے صاحب "سلسلۂ عالیہ" کے خاندان کے متعلق ایک غلط روایت کا اندراج ہو گیا تھا اس لئے انہوں نے پوری جسارتِ ایمانی کے ساتھ تردید کرتے ہوئے اِس التباس کو دور کر دیا صرف یہی نہیں ہوا بلکہ صاحب کاشف الاستار کے صاحبزادے حضرت اچھے صاحبؒ نے اِس کتاب کا نام تجویز فرمایا اور اُن کی نیک تمنائیں اور دعائیں اِس کتاب کی تالیف میں صاحب تصنیف کی ممد و معاون رہیں۔ اِس لئے اِس کتاب کی تحقیقی اور راست نگارش کے لئے اور کس چیز کی ضرورت تھی" نہ صرف اس خاندان کے بزرگوں ہی نے اپنے قریشی زبیری النسب ہونے کا اظہار کیا ہے بلکہ دوسرے معتبر مورخین و مصنفین نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں اِس دودمان کے زبیری اور عالی نسب ہونے کو تحریر کیا ہے اور کسی بزرگ کو تو "از ساداتِ صالح یا فایق" بھی لکھا ہے۔

موجودہ زمانہ کے اور حاسد و نقاد

ہمارا خیال تھا کہ علم کی اس قدر فراوانی اور کتابوں کے ملنے میں ہر طرح کی آسانی" نیز اس خاندان کے زبیری النسب ہونے کے اتنے بہت شواہد تواریخی کے ہوتے ہوئے اب کوئی خاندان زبیری کمگو کنبوی کے متعلق غلط فہمی پیدا کرنے کی جرأت نہیں کر سکے گا لیکن اِس زمانہ میں تین حضرات ایسے اور پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے حسد سے مجبور ہو کر اور اغراض کے تحت زبیریوں کا رشتہ قوم کمبوہ سے ملا دینے کو ضروری سمجھا ہے" اور اس کام کے لئے اپنی ساری توانائی، ذہانت" اور قابلیت کو صرف کر دیا ہے"

(الف) ان میں سے مسٹر محمود احمد امروہوی ہیں

جنہوں نے "تاریخ امروہہ کی جلد چہارم تحقیق الانساب میں" امروہہ کے ہندو مسلمان۔ ادنیٰ و اعلیٰ رذیل و شریف سب اقوام و خاندانوں کے انساب پر قلم فرسائی کی ہے" کیونکہ وہاں یہ زبیری کمگو کنبوی خاندان بھی عرصہ سے آباد ہے" اِس لئے انہوں نے اِس دودمان کے نسب پر بھی دادِ تحقیق دی ہے" سوائے دو ایک کے باقی سب مسلمان خانوادے اُن کی تحقیقات سے چیخ اٹھے ہیں" اور انہوں نے اپنے اپنے خاندانوں کے متعلق مؤلف تحقیق الانساب کی نادرستیت اور غلط بیانیوں کی "اسنادِ تواریخی" "فرامین شاہی" اور کاغذات دیرینہ و کہنہ سے تردیدیں کی ہیں" بعض نے اُن کلفتوں اور تلخ لفظوں کا بھی اظہار کیا ہے۔ جن کو پیشِ نظر رکھکر مؤلف موصوف نے اُن کے اُوپر قلم اٹھایا ہے" زبیری کنبوی خاندان کے متعلق تحقیقات میں مؤلف صاحب نے تاریخی و جغرافیائی اور اثری شہادتوں سے بحث کرنے کا ادّعا کیا ہے" لیکن واقعات و حالات کے اخفا کر لینے اور جن غلط بیانیوں سے انہوں نے کام لیا ہے۔ وہ اپنی آپ مثال ہیں" مختصر یہ ہے کہ اِس خاندان کے سکنی لقب "کنبوی" کو جو بزرگوں کے اسمائے گرامی کے ساتھ اُن کی حوالہ دادہ کتابوں میں جابجا تحریر ہے چھپا لینے کا انہوں نے ایسا اہتمام کیا ہے کہ اُسے اپنی کتاب میں کہیں ایک جگہ بھی ظاہر نہیں ہونے دیا ہے" بلکہ کہیں کنبو اور کہیں کمبو لکھا ہے۔ اور جہاں دوسروں کے لئے اِن مؤلف صاحب نے "تاریخی و جغرافی و اثری شہادتیں ضروری سمجھی ہیں۔ اپنے خاندان کے نسب کی تحقیقات میں وہ مُصر ہیں کہ صرف اُن کی خاندانی روایتوں یعنی من گھڑت کہانیوں ہی کو صحیح مان لیا جائے۔ کیونکہ مؤلف تحقیق الانساب کے نسب کے متعلق کوئی تاریخی شہادت موجود نہیں ہے۔ اِس لئے انہوں نے کوشش کی ہے کہ جس طرح بھی بن پڑے دھوکے سے فریب سے اِخفا سے [illegible] اور ہاشمی خانوادوں کے نسب میں کوئی نہ کوئی ضرور نکال دیں" تاکہ وہ بھی اِن ہی کے جیسے نظر آنے لگیں" مگر یہ اُن کی بھول ہے جھوٹ کو فروغ کبھی نہیں ہوا ہے"

(ب) چودھری دہاب الدین امرتسری

جو پنجاب کی قوم کمبوہ سے تعلق رکھتے ہیں انہوں نے اِس مبارک جذبہ کے تحت اپنی تاریخ "کمبوہان" لکھی ہے کہ اُن کی قوم جس کا کوئی کارنامہ تاریخوں میں تحریر نہیں ہے" اور جو پسماندہ حالت میں رہتی آئی ہے کسی طرح سے ہو وہ [illegible] اور ترقی کے زینہ پر گامزن ہو جائے" لیکن انہوں نے اپنی اِس دلی خواہش کو بر لانے کے لئے جو طریقے اختیار کئے ہیں وہ ہرگز جائز قرار نہیں دیئے جا سکتے۔ اِن مؤلف صاحب نے بھی غلط واقعات کو پیش کر کے اور سچی باتوں کو اہتمام کے ساتھ چھپا کر نیز مہمل استدلالات سے کام لیکر "اپنے ناظرین کو دھوکے دے دیکر مقصد برآری" کی کوشش کی ہے"

انہوں نے "قوم کمبوج" "اور شہنشاہ ایران کام بوجیا (کیقباد) کے نام تاریخوں میں دیکھکر یہ قصّہ گھڑ لیا ہے کہ جب کام بوجیا

نے ۵۲۹ قبل مسیح میں جب مصر میں خودکشی کرلی تو اُس کی اولاد "افغانستان میں آگئی اور وہاں وہ کمبوجی کہلانے لگی" کیونکہ اُس کی حکومت بھی افغانستان میں قایم ہوگئی تھی۔ اِس لئے افغانستان کا نام بھی "کمبوج" پڑ گیا تھا" اِس کہانی کے باور کرانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا چکنے کے بعد وہ بڑے مخمصہ میں پھنس گئے "تاریخ فرشتہ میں انہیں "نہروال بن ہند بن حام بن حضرت نوحؑ" کے تین بیٹوں میں ایک بیٹے کا نام "کمبناج" نظر آیا۔ جسے انہوں نے بجائے کمبناج کے "کمبوج" تحریر کرنا ضروری خیال فرمایا ہے۔ اور پھر جب انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ "کمبوج" قوم کا ذکر مہا بھارت کی لڑائی میں موجود ہے تو گھبرا کر وہ یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ "شہنشاہ کامبوجیا کا زمانہ تاریخوں میں ۵۲۹ قبل مسیح لکھا ہوا ہے مگر کیونکہ کمبوج قوم کا ذکر مہابھارت کی جنگ میں بھی آیا ہے۔ اِس لئے شہنشاہ کامبوجیا کی موجودگی سنہ ۲۵۰۰ ق م میں یا جو مناسب ہو سمجھ لینی چاہئے" ۔ انہوں نے جہاں جہاں کمبوج قوم کا ذکر کیا ہے اکثر جگہ اُسے کمبو لکھا ہے "چنانچہ تحریر کیا ہے کہ "اشوکا کی لاٹھوں پر بھی کمبو قوم کی سلطنت کا ذکر ہے" اور دشوامتر کی لڑائی میں کمبوج قوم نے شرکت کی تھی" نیز محمد بن قاسم اور سلطان شہاب الدین غوری کی فوجوں کا بھی کمبوج قوم نے مقابلہ کیا تھا۔ شہاب الدین کو زخمی کرنے والا کمبو قوم کا ہی ایک فرد تھا" اور کمبوجا رکمبوڈیا کو کمبوج قوم نے ہی ہندوستان سے جاکر آباد کیا ہے" نیز اس نام کا کوئی دوسرا علاقہ یا شہر دنیا میں موجود نہیں ہے" کمبوج قوم کی دُم کو جب سے سلطان شمس الدین التمش نے کاٹ لیا" یعنی جیم بولنے کو منع فرمادیا تو اس وقت سے یہ کمبوج قوم "لنڈوری ہو کر صرف کمبو کہلانے لگی ہے"

غرضکہ اسی قسم کی خرافات اور عجیب وغریب بیانات سے یہ کتاب بھرا اور واقعات کے اخفا سے مملو ہے"

مؤلف تاریخ کمبوہان نے اپنے بزرگ منشی عبداللہ مصنف رسالہ سفینۂ مایری سے جن کی تعریف میں اُن کی زبانِ قلم لال ہے اور جنہوں نے اپنی تحقیقات سے لفظ کمبو کو کہایت کے تعلق کی وجہ سے سکنی لقب بتایا ہے" اختلاف کرکے کمبوجا" (ملک تبت کا قدیم نام) کی۔ قوم کمبوج کو "شہنشاہ کامبوجیا کی اولاد بنا لینے اور کمبوج وکمبو کو ایک قرار دے چکنے کے بعد جب اپنی قوم کمبو کی پسماندہ حالت کو دیکھا تو اتنی بڑی کارگذاری پر بھی اُن کا دل مطمئن نہیں ہوا" انہوں نے اپنی قوم کے کسی بزرگ کی کوئی تصنیف نہ پاکر اور کسی فرد کا کوئی کارنامہ کسی کتاب میں نہ دیکھ کر یہ مگر زبیری کنبوہی خاندان کی عظمت وشان کو تاریخوں میں پڑھ کر اور موجودہ حیثیت ومرتبہ کو ملاحظہ کرکے اُس کے سکنی لقب "کنبوہی" کو بڑے اہتمام کے ساتھ چھپا کر اور اِس خاندان کے بزرگوں کے ناموں کے ساتھ "کمبوہ" لکھ کر بظاہر انہیں اپنی قوم سے قرار دے لیا ہے" انہوں نے نہایت ہوشیاری سے کام لے کر "ہمارے والد ماجد مرحوم ومغفور کی مؤلفہ کتاب المشاہیر سے زبیری کنبوہی خاندان کے آنا شی وزراء امراء گورنروں سپہ سالاروں فوجداروں مشائخ طریقت علمائے شریعت حکام ادباء اور شعراء وغیرہ کو لے کر اور اُن کے حالات اپنی تاریخ میں لکھکر "قوم کمبو سے اُن کا ہونا باور کرایا ہے" اور اسی پر اکتفا نہ کرکے مزید دلیری یہ بھی کی ہے کہ زبیری کنبوہی خاندان کے ایک بزرگ "شیخ عنایت اللہ میر منشی شہنشاہ شاہجہان مصنف بہار دانش اشرف الصحایف کو بالترا اپنا جد امجد بھی بنالیا ہے" غرضکہ مؤلف موصوف نے اپنے ناظرین کو غلط واقعات کے باور کرانے کا کوئی پہلو نہیں چھوڑا ہے" ایک جگہ "لفظ کمبو" کی [illegible] بحث کر ڈالی ہے۔ اور راجپوت بننے کے شوق میں جنہیں انہوں نے غلطی سے قدیم آرین چھتری سمجھا ہے اپنی قوم کے [illegible] کی ہے" اور اپنی جرأت کو یہاں تک بڑھا دیا ہے کہ "کسی زمانہ میں بھی "کمبیا" کے موجود ہونے سے قطعاً انکار کردیا ہے" جس کی [illegible] زبیری کنبوہی خاندان کا سکنی لقب "کنبوہی" "مثل "بخاری" "ترمذی" "کرمانی" "مشہدی" "ملتانی" "دہلوی" "لکھنوی" وغیرہ کے ہوا ہے" غرضکہ مؤلف تاریخ کمبوہان نے ہر موقع پر من گھڑت کہانیوں "تحریفوں" "اخفا" اور عجیب وغریب دلایل سے کام لے کر جان توڑ کوشش کی ہے کہ [illegible] ثابت ہوجائے اُن کا دلی مقصد حاصل ہو جائے" اور راجپوت یا آرین چھتری بن جائیں۔ اور [illegible] کی قوم [illegible] تعداد [illegible] لاکھ ہے اور جس میں قریباً نصف ہندو وسکھ اور نصف مسلمان ہیں اُن [illegible] کا جذبہ پورا ہوجائے۔

مؤلفین تحقیق الانساب اور تاریخ کمبوہان کی تحقیقات پر ایک نظر

سب جانتے ہیں کہ ہندوستان کی جو شریف اقوام ہندو سے مسلمان ہوگئی ہیں انہوں نے اپنی قومیت کو کبھی نہیں چھپایا بلکہ اس پر ہمیشہ سے وہ فخر کرتی رہی ہیں۔" ان میں ہزار پانچسو برس پہلے اسلام قبول کرلینے کے وقت سے آج تک کچھ نہ کچھ ہندوانہ رسوم باقی ہیں۔" اور ہندوستان میں ہندوؤں کے دوش بدوش رہتے چلے آنے کی وجہ سے اکثر عربی قریشی خانوادوں میں بھی کم و بیش ہندوانہ رسوم کا رواج ہوگیا ہے۔ پنجاب میں سیکل تک شرع اسلامی کے خلاف رواج کے پابند ہوگئے ہیں۔"

زبیری کنبوہی خاندان میں قوم کمبوہ اور دوسری ہندو اقوام کی طرح "گوت" کا نہ تو وجود رہا اور نہ کبھی کوئی ہندو رسم ہی رائج رہی ہے۔" جو دینی و علمی فضیلت اور دنیادی وجاہت اس خاندان کی عرب۔ ایران۔ اور مصر وغیرہ میں رہی ہے۔ وہی حیثیت اس کی سندھ و ہند میں قیام سلطنت اسلام کے زمانے سے رہتی چلی آئی ہے اور اب بھی ہے۔"

لیکن مؤلفین تحقیق الانساب تاریخ امروہہ اور تاریخ کمبوہان دونوں نے اپنی ناجائز مقاصد کے مد نظر ان باتوں کو ظاہر کرنے اور ان پر بحث کرنے سے مطلق کوئی غرض نہیں رکھی۔" اگر وہ دیانت کو کام فرماتے اور فلسفۂ تواریخ کے موجد "علامہ ابن خلدون" کے روایت و درایت کے اصولوں پر اپنی تحقیقات کا مدار رکھتے اور کم از کم ان کے اس فقرے ہی کو اپنا خضر راہ بنا لیتے کہ۔

"خبروں پر اگر صرف روایت پر اعتبار کرلیا جائے۔ اور عادت کے اصول اور سیاست کے قواعد اور انسانی سوسائٹی کے اقتضا کا لحاظ اچھی طرح نہ کیا جائے۔" اور غایب کو حاضر پر اور حال کو گذشتہ پر نہ قیاس کیا جائے تو اکثر لغزشیں ہوگی۔"

تو ان کی وہ عبارت جسے انہوں نے بڑے اہتمام سے "واقعات کو اخفا کرکے" تاریخوں اور نوشتوں میں تحریفیں کرکے" نیز دل سے کہانیاں گھڑ کر اور ان پر عجیب و غریب بحثیں کرکے" اپنے ناظرین کو دھوکے دے کر تعمیر کیا ہے" کسی طرح بھی کھڑا نہیں کرسکتے تھے۔"

"غالباً یہاں ان دونوں مؤلفوں سے ہمارا یہ سوال کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ۔

قوم کمبوہ" جو زمانہ نامعلوم سے پستی کے گڑھے میں پڑی ہوئی۔ گمنامی کی حالت میں رہتی چلی آئی اور ہے" صوبجات متحدہ میں قدم رکھتے ہی وہ کس جنتر منتر کی وجہ سے بام ترقی پر چڑھکر اس قدر بلندی پر پہنچ گئی کہ اس کے کارناموں کی آوازیں فلک الافلاک تک پہنچ گئیں۔ اور ان کے تذکروں سے تمام تاریخیں قدیم و جدید بھر گئیں اور اب بھی اس کے کارنامے روز بروز تاریخ کو بنا رہے ہیں۔"

جہاں اس زمانے میں علم کی فراوانی ہوگئی ہے وہاں "حسد" فریب" اور جھوٹ" کی بھی بہتات ہوگئی ہے" لفظ پروپیگنڈا جو آج ہر شخص کی زبان پر ہے" اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ جھوٹی اور غلط باتوں کو اس طرح پیش کیا جائے کہ دھوکے میں آکر لوگ انہیں سچ سمجھ لیں" ایسا کرنے والے اپنے آپ کو بڑا مدبر اور دانا سمجھتے ہیں" لیکن جیسا کہ ہم اوپر بتا آئے ہیں" علامہ ابن خلدون اور دوسرے بزرگوں نے جھوٹ اور سچ کو پرکھنے کے ایسے قاعدے مقرر کردیئے ہیں کہ ان کو پیش نظر رکھنے سے ہر کوئی جھوٹی اور سچی بات میں تمیز کرلیتا ہے" علامہ ابن خلدون کے اصول روایت و درایت تو ہم نے اسی کتاب میں کسی اور موقع پر نقل کر دیئے ہیں" یہاں ہم اور تین بزرگوں کی تحریریں اس لئے پیش کرتے ہیں کہ کسی کتاب کے پڑھتے وقت ان کو ضرور ذہن میں محفوظ رکھا جائے تاکہ فریبی اور دھوکے باز مؤلفین کے نوشتوں کی حقیقت بخوبی معلوم ہو جائے اور ناظرین کو جھوٹ و سچ میں تمیز کر لینے کی ا[illegible] پیدا ہو جائے۔ [illegible] کسی شکنجے میں نہ پھنسنا ہو پڑے۔"

(الف) علامہ ضیاء الدین المعروف بہ ضیاء برنی المتوفی ۷۵۸ ہجری" مرید خاص سلطان الاولیاء حضرت نظام الدین چشتی بداؤنی دہلوی قدس سرہ العزیز نے اپنی مشہور و معروف کتاب "تاریخ فیروز شاہی کے دیباچے میں تحریر فرمایا ہے کہ۔

"نفاست علم تاریخ۔ لزوم صداقت آنست" از بزرگان دین "نفاست علم تاریخ کے لئے لازمی ہے کہ وہ سچائی پر مبنی ہو۔"

دولت سلطنت و خلافت گفته اند که بنائے علم تاریخ بر صدق نهاده اند۔ چنانچه مهتر ابراہیمؑ این معنی را از خدائے تعالیٰ درخواست میکند و بدعا میخواهد "وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ" و در توبیخ دروغ نویسان حق تعالیٰ میفرماید "يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ" و باری تعالیٰ افترا و بهتان را از مهلکات گردانیده است۔ و نیز تالیف که در علم تاریخ باشد به اکابر و بزرگان و بزرگ زادگان که بعدالت و حریت و راستی و درستی منسوب بوند مخصوص است که علم تاریخ نقل خیر و شر۔ و عدل و ظلم و استحقاق و غیر استحقاق۔ و محاسن و مقابح۔ و طاعات و معاصی۔ و فضایل و رذایل سلف است۔ تا خوانندگان خلف از آن اعتبار گیرند۔ و منافع و مضار جهانداری و نیکوکاری و بدکرداری و جهانبانی دریابند۔ و از دیدن آن نیکوکاری را اتباع نمایند۔ و از بدکرداری پرهیز کنند۔ و اگر نعوذ بالله کذابی و مفتری دروغ را در کار آرد۔ و تلقاء نفس خبیث و باطن خداع خود معاملات ناشایسته به بزرگان سلف بر باند۔ و نقل هائے بر بافته درست کتابت آرد۔ و افترا و بهتان خود را به عبارتهائے رنگین رواج دهد۔ و دروغ ها را به راستی مانند کند۔ و به نوشته داثر بزه معنوی دنیا و آخرت نترسد۔ و از جواب قیامت هراسے در دل نگذارد۔ که نیکان را بد گفتن و بد نوشتن از بزه غیبتی که بزبان گویند صعب تر و بیشتر است۔ و بدان را نیک گفتن و نیک نوشتن۔ سرجمله بدکرداری هاست۔

و چون اخبار تواریخ بے سند است و اعلام معاملات سلاطین و اکابر است۔ پس مؤلف تاریخ هم از اهل اعتبار باید۔ و هم بصدق و دیانت مشهور و نامور باید۔ تا در نوشته بے سند او۔ اعتقاد مطالعه کنندگان راسخ گردد۔ و در میان معتبران اعتبار گیرد که اطمینان خاطر معتبران باشد۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔ و باید دانست که آنچه اهل اعتبار در تاریخ ها نوشته اند معتمد علیه دیگران شده است و آنچه

بزرگان دین و دنیا متقدمین و متاخرین نے کہا ہے کہ "بنیاد علم تاریخ کی سچائی پر رکھی گئی ہے"۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے خدائے تعالےٰ سے اس کے بارے میں درخواست کی اور دعا مانگی کہ "کر دے میری زبان کو قائم سچائی پر قیامت تک"۔ توبیخ میں جھوٹ لکھنے والوں کی حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ "بدل دیتے ہیں کلام کو اپنی جگہ سے"۔ اور باری تعالےٰ جھوٹ باندھنے اور تہمت لگانے کو ہلاک کرنے والی (یعنی خطرناک) بات سے بیان فرماتا ہے"۔ اور تالیف بھی جو علم تاریخ میں ہو مشاہیر اور بزرگوں اور بزرگ زادوں سے جو عدالت اور حریت اور راستی و درستی سے منسوب ہوئے ہیں مخصوص ہے۔ اس لئے کہ علم تاریخ سلف کے خیر و شر اور عدل و ظلم اور استحقاق و غیر استحقاق اور اچھائیوں اور برائیوں اور بندگی و گنہگاری اور فضایل و رذایل کی نقل ہے"۔ تاکہ آئندہ نسلیں پڑھ کر ان پر اعتبار کریں" اور نفع و نقصانات جہانداری و نیکوکاری اور بدکرداری اور جہانبانی سے واقف ہوں"۔ اور ان میں سے اچھی باتوں کی پیروی کریں اور برائیوں سے پرہیز کریں"۔ اور اگر نعوذ باللہ جھوٹا اور مفتری جھوٹ سے کام لے اور اپنے نفس خبیث اور دھوکا دینے والے باطن سے نالایق معاملات کو بزرگان سلف پر منڈھ دے"۔ اور ان گھڑی ہوئی باتوں کو اس طرح چھپا کر کام میں لادے کہ اپنے افترا اور بہتان کو رنگین عبارتوں سے رواج دے اور جھوٹ کو اس طرح لکھے کہ وہ سچ معلوم ہو"۔ اور شرمندگی دنیا و آخرت سے نہ ڈرے اور قیامت کے دن کی جوابدہی کا خوف اپنے دل میں نہ لائے"۔ کہ اچھوں کو برا کہنا اور برا لکھنا غیبت کے گناہ سے جو زبان سے کی جاتی ہے سخت تر اور زیادہ تر ہے۔ اور بروں کو اچھا کہنا اور نیک لکھنا تمام برائیوں سے بڑھ کر ہے۔

اور جب تواریخ کی خبریں بے سند کے ہیں اور معاملوں میں سلاطین و مشاہیر کو ظاہر کرنا ہے تو مؤلف تاریخ بھی اہل اعتبار سے چاہیے۔ اور سچائی اور دیانت داری سے بھی اسے مشہور و نامور ہونا چاہیے تاکہ اس کے بے سند لکھے ہوئے میں مطالعہ کرنے والوں کا یقین مضبوط ہو۔ اور معتبروں میں اس کا ایسا اعتبار ہو جس سے معتبروں کو اطمینان خاطر ہو"۔۔۔۔۔

جاننا چاہیے کہ اہل اعتبار نے جو کچھ اپنی تاریخوں میں لکھا ہے دوسروں نے ان پر اعتبار کیا ہے۔ اور جو تالیفیں شیخی بازوں یا

خودرویان" و مجہول النسبان" تالیف کردہ اند۔ آنرا دانایان اعتبار نہ کردہ اند"

و تاریخ نوشتہ بے سروپایان" در دکان ہائے کتابیان کہنہ شدہ است و باز بہ کاغذیان رسیدہ وکاغذ سپید شدہ"

و نیز مورخ چنانکہ از اکابر و معارف مے باید۔ سلامتی دین و مذہب او ہم شرط نوشتن تاریخ است"

و الا بعضے بد مذہبان و بد اعتقادان" عصبیت موروثہ۔ و عناد متوارث غلات قصہا ئے دروغ . . . بربافتہ اند۔ و بد بینان و بد مذہبان متقدم در تواریخ خود۔ صدق و کذب را آمیختہ اند اخبار مطرود و مردود" در تالیف خود درج کردہ۔ و ہرگاہ خوانندگان تواریخ را دین و مذہب و بد اعتقادی مؤلفان تواریخ روشن نباشد" و نویسندگان تواریخ را از سلف شمارند" گمان برند مگر راست نوشتہ" و ہر کسے خداع بددینان نداند۔ کہ طریق بد مذہبان و شیوع بد اعتقادان در تالیف آنست کہ مذہب باطل۔ و اعتقاد خبیث خود را . . . مستور دارند" و دروغہا بربافتہ کہ در اعتقادات خبیث ایشاں جاگرفتہ باشد" در نہ تا بہ اخبار صحیح و آثار صدق مشہور گشتہ میامیزند و در تالیف مردود خود بنویسند۔ تا کسے را از مطالعہ کنندگان کہ او را خبر از احوال سلف نبود" بر سر بے اعتقادی۔ و طریقۂ خداع ایشاں وقوف آفتد" و دین و مذہب مؤرخان کذاب در یابد" در اعتقاد او از مطالعہ آن کذب ہائے راست آمیختہ خلل رو نماید و نوشتہ ہائے وضعی کذابان بے دیانت را راست پندارد"

یک منفعت بزرگ در شعور علم تاریخ ہمیں کہ صادقان از کاذبان و معتقدان از خداعان سلف روشن بشوند" و قصص معتمد علیہ" و ماجراہائے نا معتمد مبتر ہن میگردد"

و شرطیکہ لوازم تاریخ نویسی است آنست کہ مورخ

یا مغروروں اور مجہول النسب کے لوگوں نے کی ہیں" اُن پر عقلمندوں نے اعتبار نہیں کیا ہے"

اور بے سروپا لوگوں کی لکھی ہوئی تاریخیں کتب فروشوں کی دکانوں پرہی پرانی ہوگئیں اور پھر کاغذیوں کے پاس پہنچکر سپید کاغذ میں تبدیل ہوگئیں۔

اور نیز مورخ" مشہور و معروف لوگوں میں سے ہونا چاہیئے کہ اس کی سلامتی دین مذہب بھی شرط لکھنے تاریخ کی ہے"

لیکن بعضے لامذہب اور بد اعتقاد لوگوں نے تعصب اور دشمنی موروثی کی وجہ سے غلط اور جھوٹے قصّے گھڑ لئے ہیں" اور اگلے بد بینوں اور لا مذہبوں نے اپنی تاریخوں میں سچ اور جھوٹ کو ملا دیا ہے اور خبریں مطرود اور مردود اپنی تالیفات میں لکھدی ہیں" اور کیونکہ ان تاریخوں کے پڑھنے والوں کو مؤلفان تواریخ کے دین و مذہب اور بد اعتقادی سے واقفیت نہیں ہوتی۔ اس لئے وہ تواریخ کے لکھنے والوں کو اصحاب سلف سے جانکر گمان کر لیتے ہیں کہ سچ ہی لکھا ہے" ہر شخص ان بد دین لوگوں کے فریب کو نہیں جانتا ہے" طریقہ لامذہبوں اور بے اعتقادوں کا تالیفات میں یہ ہے کہ" اپنے جھوٹے مذہب اور خبیث اعتقاد کو پوشیدہ رکھتے ہیں" اور بنائے ہوئے جھوٹ جو اُن کے بیہودہ اعتقادات میں جاگزیں ہوتے ہیں۔ اُن کو سچی خبروں اور سچے آثار مشہور میں ملا دیتے ہیں اور اپنی مردود تالیف میں لکھتے ہیں" تاکہ مطالعہ کرنے والوں میں سے وہ لوگ جنہیں سلف کے حالات سے واقفیت نہیں ہوتی" اُن کے اس طرح کے فریب سے بے اعتقادی میں پڑ جائیں" اور ان جھوٹے مورخوں کے دین و مذہب کی کتابوں کے مطالعہ سے اُن جھوٹے سچ ملے ہوئے کو پاکر اُن کے اعتقاد میں خلل پڑ جائے" اور وہ ان بے ایمان جھوٹوں کی گھڑی ہوئی تحریر والی کو سچ سمجھ لیں"

ایک بڑا فائدہ علم تاریخ کے جاننے میں یہ ہے کہ" سچے جھوٹوں سے اور پاک اعتقاد قدیم دھوکے بازوں سے پہچان لئے جاتے ہیں" اور سچے قصے اور جھوٹے واقعات ظاہر ہو جاتے ہیں"

تاریخ لکھنے میں جو شرط ضروری ہے وہ یہ ہے کہ مورخ پر

ازروئے دینداری واجب و لازم است کہ "فضائل و خیرات و عدل و احسان" پادشاہے و بزرگے بنویسد۔ باید کہ مقابح و رزائل اُو را مستور نہ دارد۔ و طریقۂ مداومت درنوشتن تاریخ معمول نکند" و اگر مصلحت بیند بہ صریح" و اِلّا بہ رمز و اشارت و کنایت۔ زیرکان و فہیمان بیاگاہند" و اگر از خوفے و ہراسے۔ مساوی ہم عہد و ہم عصر نتواند نوشت" در آں معذور بود۔ ولیکن از گذشتگان باید کہ راستہا را راست نویسد" و نیز اگر مورخ را در عہد و عصرے از پادشاہے یا وزیرے و بزرگے۔ کبرے و کوفتگی رسیدہ باشد۔ و بانوازش و نواختے زیادت یافتہ" باید کہ در دوان تاریخ۔ لطف و قہر۔ و نوازش و گذارش۔ کسے از بزرگان منظور اُو نبود۔ تا از نتائج آں بر خلاف راستی۔ فضیلتے و رذیلتے نبودہ۔ و معاملہ۔ و ماجرائے تا گذشتہ در قلم آرد" بلکہ منظور مورخ دیندار اعتقاد اُو صدقاً و مذہباً نوشتن و راستی و درستی بود۔ و خوف اُو از جواب قیامت باشد" و بر مورخ واجب و لازم است کہ از طرق و طریقت "کذابان و مدّاحان مبالغہ کنندگان و شاعران و دروغ زبان۔ و سخن آرایان" احتراز کلّی واجب شناسد" اِرطاء الحبۃ مذکورہ خرمہرہ را یاقوت لعل گویند" و از طمع خود" سنگریزہ را جوہر گرانمایہ نام نہند" واحسن نوشتہ ہا و اختراع ہائے ایشاں" اکذب ایشاں باشد"

فاما ہرچہ صاحب تاریخ نویسد" برنوشتہ اُو دیگراں اعتقاد کنند۔ کہ اگر دروغ باشد۔ مؤلف بداں زیان زدہ شود۔ و نوشتۂ اُو میان خدائے تعالےٰ حجّت گردد۔ و فردائے قیامت" مؤلف کذّاب بہ سخت ترین عذاب در ماند"

ازروئے دینداری واجب و لازم ہے کہ "فضائل اور خیرات اور انصاف اور احسان بادشاہ اور بزرگ کے لکھے" اور اُسے چاہئے کہ اُن کی برائیاں اور ذلیل صفات کو نہ چھپاوے" اور مداومت کے طریقہ کا تاریخ لکھنے میں معمول نہ کرے اور اگر مصلحت دیکھے تو صاف طور سے" ورنہ اشارے اور کنایہ سے سمجھ والوں اور عقلمندوں کو واقف کرے" اگر ڈر اور خوف سے اپنے وقت و زمانہ کے حالات کو نہ لکھ سکے" اور اُس میں معذور ہو" تو اُسے چاہئے کہ گذرے ہوئے لوگوں کے سچے سچے حالات لکھے" اگر مورخ کو اپنے وقت و زمانے کے بادشاہ یا وزیر اور بزرگ سے تکلیف اور نقصان پہنچا ہو" اور یا اُن کی نوازش و انعام سے حصہ پایا ہو" تو چاہئے کہ اُس زمانہ کی تاریخ کی تالیف میں لطف و قہر اور نوازش و گذارش بزرگوں سے اسے منظور نہ ہو" تاکہ اُن کے نتیجوں سے فضیلت و رذیلت سچائی کے خلاف نہ ہو اور معاملہ و ماجرا ایسا جس کا وجود نہ ہو" تحریر میں آجائے" بلکہ مورخ کے پیش نظر سچا اعتقاد اور ایمان اور راستی و درستی ہو اور اُس کو قیامت کے دن کی جواب دہی کا خوف ہو" اور مورخ پر واجب و لازم ہے کہ "طور طریقوں سے" جھوٹوں اور خوشامدیوں اور بات کو بڑھا کر کہنے والوں اور شاعروں اور دروغ زبان اور باتیں بنانے والوں سے پورے طور سے پرہیز رکھنے کو واجب جانے" کہ یہ مذکورہ گروہ کوڑی کو یاقوت و لعل کہتا" اور اپنے لالچ سے کنکر کا نام قیمتی جواہر رکھتا ہے" اور اُن کے عمدہ لکھے ہوئے اور من گھڑت بیان سراسر جھوٹ ہوتا ہے"

پس جو کوئی تاریخ لکھے اور اُس کے لکھنے پر دوسرے اعتقاد کریں" تو اگر جھوٹ ہو" تو اُس کا لکھنے والا اُس سے نقصان زدہ ہوگا اور اُس کا لکھا ہوا خدائے تعالےٰ کے درمیان حجّت ہوگا۔ اور قیامت کے دن "جھوٹا مؤلف سخت ترین عذاب میں مبتلا ہوگا"

(تاریخ فیروز شاہی برنی صفحہ ۱۲ تا ۱۴)

(ب) مؤرّخ اعظم علامہ اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی" نے اپنی مشہور تاریخ اسلام کے دیباچہ میں "مؤرخ کے لئے ضروری باتیں" کی سُرخی کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ "مؤرخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی کی خوشامد نہ کرے اور نہ کسی سے عداوت کرے" مؤرخ کی عبارت سادہ "عام فہم۔ اور بے ساختہ ہونی چاہئے" مؤرخ کے لئے بعض ایسی مشکلات ہیں جن کا حل کرنا قریباً محال ہوتا ہے" مثلاً کسی شخص کے کسی لڑائی میں شریک ہونے کا حال راوی نے بیان کیا ہے" اب اِس روایت کے متعدد نتائج

مرتب ہو سکتے ہیں " نہیں کہا جا سکتا کہ کوئی ایک نتیجہ بھی صحیح ہے یا نہیں "(۱) وہ شخص جو تھیٹر میں گیا " گانا سننے کا بہت شوقین ہے " (۲) گانا سننے کا شوقین نہیں ہے حسن پرست ہے " (۳) حسن پرست نہیں ہے کسی ایکٹرس پر اتفاقاً عاشق ہو گیا ہے " (۴) کسی پر عاشق بھی نہیں ہے وہاں کسی دوست سے ملنا ضروری تھا " (۵) تھیٹر کے متعلق ایک مضمون لکھنا چاہتا تھا۔ لہٰذا اس کا دیکھنا ضروری ہوا " (۶) تھیٹر کی مخالفت میں ایک لیکچر دینا تھا اس لئے اس کے معایب کا مشاہدہ کرنا ضروری ہوا " (۷) خفیہ پولیس میں ملازم ہے فرض منصبی کی ادائیگی کے لئے جانا پڑا " (۸) خود تو تھیٹر میں جانے سے متنفر تھا مگر دوستوں نے مجبور کر دیا " (۹) باخدا اور اعلیٰ درجے کا عابد و زاہد تھا۔ لہٰذا لوگوں کی خوش عقیدگی کو زائل کرنے کے لئے تھیٹر میں جا گیا " (۱۰) صرف اس لئے گیا کہ وہاں موقع پا کر کسی کی جیب کترے یا بٹوہ جیب سے نکال لے "

غرض اس طرح سیکڑوں نتائج مرتب ہو سکتے ہیں " پھر ایک نتیجہ کی صحت کے لئے دوسرے اسباب سے تائید حاصل کرنی پڑتی ہے " ان تائیدی اسباب میں بھی اسی طرح مختلف احتمالات ہوتے ہیں " اگر مؤرخ منصف نہیں ہے " اور کسی نتیجہ کی طرف پہلے ہی سے اس کا دل کھنچا جاتا ہے تو وہ اس کے مخالف دلایل کو بڑی آسانی اور بے پروائی سے نظر انداز کرتا جاتا ہے " اور موافق دلایل کو ڈھونڈ کر مہیا کر لیتا ہے " اس طرح خود گمراہ ہو کر دوسروں کو گمراہ کرنے کی کوشش بجا لاتا ہے "

(ج) علامہ حکیم نجم الغنی صاحب رامپوری مؤلف کارنامہ راجپوتان وکتب متعدد نے تحریر فرمایا ہے کہ مؤرخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ مذہبی شخص ہو کیونکہ دنیا کے عام مروجہ مذاہب میں کوئی مذہب ایسا نظر نہیں آتا جس نے اپنے پیرووں کو جھوٹ بولنے کی ہدایت کی ہو " اسی طرح مؤرخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ مہذب اور معزز طبقہ کا انسان ہو بدمعاش اور اوباش نہ ہو۔ مؤرخ کے لئے ضروری ہے کہ وہ جس قوم یا جس ملک کی تاریخ لکھ رہا ہے " اس قوم اور اس ملک کے مراسم " عادات وخصائل " زبان " اور مکانی و زمانی خصوصیات سے بخوبی آگاہ ہو " ورنہ وہ خود واقعات کو ان کے اصلی رنگ میں دیکھ سکے گا نہ دوسروں کو حقیقت آشنا بنا سکے گا " مؤرخ کے لئے ضروری ہے کہ اس کے پاس روایتوں کی جانچ پڑتال کا کافی سامان ہو۔ اور وہ خود ایسا صحیح دماغ رکھتا ہو کہ پیچیدہ مسائل کو بہ آسانی سمجھ سکتا ہو " ان شرایط کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے مؤرخین نے جو گمراہیاں دنیا میں پھیلائی ہیں وہ تعداد میں اب اس قدر زیادہ ہو گئی ہیں کہ ان موضوعات کو تاریخی سرمایہ سے جدا کرنے کے لئے ایک خاص علم یا فن کے مدون کرنے کی ضرورت ہے " یہ ایک جداگانہ مستقل بحث ہے کہ تاریخ تحقیق وتدوین کے لئے کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے اور کام کو کہاں سے شروع کرنا مناسب ہے " اس وقت اپنے دوستوں کی ضیافت طبع کے لئے بعض مؤرخین کے گمراہ کن اعمال کے چند نمونے پیش کرتا ہوں " . . . . .

(۱) قریباً چالیس سال کا عرصہ ہوا۔ ایک بابو صاحب نے " راجپوتانہ کی تاریخ " تین ضخیم جلدوں میں " وقائع راجپوتانہ کے نام سے لکھی ہے " بابو جوالا سہائے صاحب " وقائع راجپوتانہ میں " اجمیر اور اس میں خواجہ معین الدین چشتیؒ اور ان کی درگاہ کا حال لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ۔

" شمس الدین التمش کے عہد میں درگاہ کی تعمیر شروع ہوئی " شہاب الدین غوری نے وسعت دی "
مؤرخ کی تاریخدانی اور تحقیق کا اندازہ کرنے کے لئے۔ اسی قدر کافی ہے کہ شہاب الدین
غوری کا انتقال سنہ ۱۲۰۶ء میں ہوا " اور شمس الدین التمش سنہ ۱۲۱۲ء میں تخت نشین ہوا "

(۲) اسی طرح اور بعض فرنگیوں نے جو اپنی زبانوں میں یہاں کی تاریخیں لکھی ہیں " انہوں نے ناواقفیت اور حقیقت حال کا پتہ نہ لگنے سے غلط واقعات کو صحیح حالات کے ساتھ گڈمڈ کر کے تحریر کی ہیں " اس لئے اب کوئی محقق و واقعات نگار جس کا مذاق تاریخ صحیح ہو ان کو ہاتھ تک نہیں لگاتا تھا اور وہ اس زمانے میں بوجہ اپنے متعصبانہ رنگ " اور غلط بیانیوں سے لبریز ہونے کے پایۂ تحقیق سے ساقط ہو گئے ہیں " مگر ان کے سبب سے جو اہل یورپ کے دل و دماغ میں غلط خیالات جم کر نقش کالحجر ہو گئے ہیں وہ کسی طرح شائستہ نہیں ہو سکتے تھے۔ " اگر کوئی محقق خواہ کیسا ہی اس ملک کی تاریخ کا عالم و فاضل ہو " وہ اس پر ہرگز شک

لگا ئے "تو اہلِ فرنگ تو درکنار رہے خود اپنے ملک کے نزدیک جاہل بے فرہنگ سمجھا جاتے "

کرنل جیمس ٹاڈ نے جو راجستان کی تاریخ لکھی ہے اُس میں بھی دیسی روایتوں کے بھروسہ پر بہت سی باتیں خلاف واقعہ درج ہوگئی ہیں " ٹاڈ صاحب نے "سلطان خرم" کے نام کی وجہ تسمیہ میں لکھا ہے کہ۔

"غالباً وہ اصل میں "کرم" تھا۔ جس کے معنی "چھوا ہے" کے ہیں۔ جو اُس کی (سلطان خرم شہنشاہ شاہجہاں کی) ہندو ماں کی قوم کا نام تھا " یہ اس سبب سے درست نہیں۔ کہ مسلمانوں میں بیٹے کے نام میں ماں کی قوم کو کچھ دخل نہیں ہوتا " باپ دادا کا نام رکھا کرتے ہیں " اصل یہ ہے کہ "خرم" فارسی کا لفظ ہے " تازہ کے معنی ہیں " مجازاً شاد و خوشی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے "

(۳) افغان بنی اسرائیل ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اُن کو اُن قبائل کی نسل ہونے پر اصرار ہے جن کو فلسطین سے " بنوچدنزار (بخت نصر) نامی شخص قید کرکے "میڈیا" (بابل) لے گیا تھا " لیکن اُن کو اپنے اوپر "یہود" کے لفظ کا اطلاق ناگوار گذرتا ہے " کیونکہ یہ فرقہ کفار بنی اسرائیل سمجھا جاتا ہے "

ٹاڈ صاحب نے ظرفگی یہ کی ہے کہ " پٹھانوں کو " جادو راجپوتوں میں سے نکلا ہوا بتایا ہے " اور ساتھ ہی یہ بھی قیاس کیا ہے کہ " جادو اور یہودی " ایک لفظ ہو سکتا ہے جس کو بولنے میں زیادہ زمانہ گذرنے کے سبب فرق آگیا ہو " اور یہ نہایت بعید و لغو خیال ہے "

اختصار کے مدنظر مولوی حکیم نجم الغنی صاحب کی کتاب سے مؤرخین کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں کے صرف یہ نمونے ہم نے لے لئے ہیں " اب ہم مؤرخ اعظم علامہ اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی کے رسالہ عبرت بابتہ ماہ فروری ۱۹۱۶ء سے لے کر اس قسم کا ایک اور نمونہ پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جس کے صفحہ ۳ تا ۲۶ پر " بعض مؤرخین کی گمراہیوں کے چند نمونے کی سرخی کے تحت " تحریر ہے کہ " ڈاکٹر برنیر اپنے مشہور سفرنامہ میں " ترکان عثمان " کی نسبت لکھتا ہے کہ۔

" چونکہ یہ لوگ پیروانِ عثمان رضؓ ہیں۔ اور حضرت عثمان رضؓ کو سچا اور اصلی قایم مقام خلیفہ اپنے پیغمبر صلعم کا سمجھتے ہیں۔ اس واسطے ان کا نام " عثمانی " مشہور ہو گیا ہے "

اس بات کو غالباً ہندوستان کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ " ترکان عثمان کا نام " عثمانی " صرف اس وجہ سے مشہور ہے کہ اُن کے مورث اعلیٰ کا نام " عثمان " تھا۔ جو حضرت عثمان غنیؓ سے پورے پونے سات سو برس بعد برسرِ حکومت ہوئے تھے "

اِن مندرجہ بالا نوشتوں سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی ہے کہ " مؤرخوں کو کیسا ہونا اور کن باتوں کا خیال رکھنا چاہئے اور بہت مؤرخوں نے صحیح واقعات اور واضح تحریروں کو جو بذات خود کسی وضاحت یا بیرونی و اندرونی شہادتوں کی محتاج نہیں ہوتیں اُن کو اس طرح ملمع چڑھا کر اور ریشمی غلاف پہنا کر پیش کیا ہے کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے ہیں " بلکہ اس مسخ شدہ صورت کو پہچان بھی نہیں سکتے " اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک عرصہ کے بعد وہی تحریریں شمع ہدایت بن جاتی ہیں۔ اور ہم اُس وقت چونکتے ہیں جب وہ تحریریں جو خاص مقصد سے واقعات کا اخفا کرکے اور تحریفیں کرکے یا دل سے گھڑ کر شائع کی گئی ہیں۔ ہمارے سامنے کسی وقت پیش ہو جاتی ہیں " چنانچہ متذکرہ کتابیں " تحقیق الانساب تاریخ امروہہ " اور تاریخ کمبوہان " بھی اسی قسم کے مؤرخین کی جودتِ طبع کا نمونہ ہیں۔ جن میں اُن کے مصنفین نے اپنے مقاصد کے بَرلانے کے لئے ناظرین کو طرح طرح سے دھوکے دینے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے "

سب جانتے ہیں کہ عربوں میں " علم الانساب کا بڑا چرچا تھا " اُن کا بچہ بچہ تک اپنے نسب اور دس بارہ پشتوں کے بزرگوں کے

نام لوک زبان پر رکھتا تھا بلکہ وہ اپنے گھوڑوں اور اونٹوں تک کے بھی نسب نامے محفوظ رکھتے تھے۔ ہندوستان میں جو عرب خاندان آئے ان کی اولادوں نے بھی اپنے نسب اور اجداد کے ناموں کو نہیں بھلایا اور اپنے شجروں کی حفاظت خوب طرح کرتے چلے آئے ہیں۔ زبیری کنبوی خاندان کے پاس چھ سو برس سے ایسا سلسلہ موجود ہے جو اپنی آپ نظیر ہے۔ اور اس سے اوپر شجرے موجود ہیں"۔ ہمیشہ شاہانِ اسلام اور بزرگانِ ذوی الاحترام اس خاندان کی عزت و حرمت کرتے اور اس سے خاص ارادت رکھتے آئے ہیں"۔ ان زبیری بزرگوں کے حالات سے تاریخیں بھری پڑی ہیں اور اکثر مورخین نے اپنی تاریخوں میں ان کی عالی نسبی کو خاص طور سے کھول کر لکھا ہے" اور ان کے ان صفاتِ حسنہ کو بھی وضاحت سے ظاہر کیا ہے جن سے عربی خصوصاً قریشی خانوادے ممتاز رہتے آئے ہیں"۔

مؤلف تحقیق الانساب کے خاندان کی ایک جھلک

مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ ایک ایسے خاندان کے ممبر ہیں" جن کے پاس اپنے خاندان اور بزرگوں کے حالات کے متعلق سوائے اختراعی خاندانی روایتوں یعنی من گھڑت باتوں کے کوئی تاریخی ذخیرہ موجود نہیں ہے" اور کیفیت یہ ہے کہ" جس موسیٰ بن امین بن ہارون الرشید عباسی کو انہوں نے اپنا مورثِ اعلیٰ بتایا ہے اس کے متعلق تاریخیں صاف طور سے ظاہر کر رہی ہیں کہ وہ ساڑھے تیرہ یا چودہ برس کی عمر میں مر گیا تھا۔ اس کی شادی اور اولاد کا کہیں کسی تاریخ میں مذکور نہیں ہے" بلکہ مورخین نے وضاحت سے اس بات کو بتا دیا ہے کہ" سوائے معتصم باللہ کے ہارون الرشید کے دوسرے بیٹوں مامون و امین وغیرہ کسی سے اس کی نسل نہیں چلی ہے" یعنی ہارون رشید کی نسل صرف اس کے ایک بیٹے معتصم باللہ ہی سے چلی ہے" جب یہ بات ثابت ہے تو صاف ظاہر ہے کہ ان مولف صاحب کا اپنے آپ کو" موسیٰ بن امین بن ہارون الرشید کی اولاد بتانا کیا قدر و قیمت رکھتا ہے" پھر ان کا معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہو گیا ہے بلکہ انہوں نے جو یہ یاد کرانے کی کوشش کی ہے کہ تباہی بغداد کے بعد" موسیٰ بن امین بن ہارون الرشید کی اولاد میں سے ہمارے جدِ امجد مسمیٰ یوسف" ہندوستان آگئے تھے" ان یوسف بے کارواں کا بھی تاریخوں میں کہیں نام و نشان نہیں ہے" جب ان مولف صاحب امروہوی نے دیکھا کہ قریشی و ہاشمی خانوادوں کی طرح وہ کوئی سند موسیٰ بن امین کے اولاد ہونے اور ان یوسف صاحب تک کے ہندوستان میں آنے کی نہیں پیش کر سکتے اور عربی قریشی خاندانوں کی طرح اپنے خاندان کا حال تاریخوں میں کہیں بھی نہیں دکھا سکتے۔ نیز اپنے خانہ ساز شجرے کی" موسیٰ بن امین بن ہارون رشید تک پوری کڑیاں ملانے میں بھی قاصر رہ گئے ہیں تو انہوں نے اپنے دل کی تسکین کے لئے یہ مقصد قرار دیا کہ" زبیری کنبوی خاندان ہی کو نہیں بلکہ اور جتنے بھی قریشی و ہاشمی خانوادوں کے متعلق ممکن ہو سکے اپنا جیسا بنا دیں" یعنی ان کے نسب میں جس طرح سے ہو سکے شکوک ڈال دیں" مگر جھوٹ کے پاؤں کتنے ہیں"۔

مولوی عبید اللہ امروہوی کی گوہر افشانیاں

ان کے علاوہ" تیسرے رئیس المحققین اور مستند المورخین مولوی عبید اللہ صاحب فرحتی الامروہوی بھی ایک بزرگ ہیں" یہ مولوی صاحب" مولف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ" اور مصنف تاریخ کمبوہان دونوں میں سابقون الاولین کا درجہ رکھتے ہیں" یعنی واقعات کے اخفا کر لینے اور غلط طور سے پیش کرنے میں ان کے علمبردار رہے۔ اور ریشہ دوانی میں بھی ان سے بہت بڑھے ہوئے ہیں" مولف تحقیق الانساب [illegible] آپ اپنے اہلِ خاندان کے دلوں میں قریشی، ہاشمی خانوادوں کی توہین کا بیج بونے والے اور ان پر نکتہ چینی کرنے والے پہلے بزرگ ہیں" رسالہ القریش امرتسر کو آپ نے اپنی اچھال کود کا میدان قرار دیا تھا" یعنی قریشی و ہاشمی خاندانوں کے متعلق [illegible] آپ اپنی لیاقت سے [illegible] کیا کرتے تھے"۔

ان مولوی صاحب نے [illegible] قریشی و ہاشمی خاندانوں اور بزرگوں کے متعلق جیسی کچھ افشانیاں کی ہیں اور ان کے جو جواب پائے ہیں ان سب کو دیا کر کے پیش کرنا ایک طول [illegible] کی تشریح اور [illegible] ابھی خیال ہے اس لئے ہم یہاں ان کی تحقیقات کی حقیقت [illegible]

دل کی حالت" اور اخفائے واقعات کی کیفیت بخوبی عیاں ہو جاتی ہے "

مولوی صاحب موصوف نے دیگر قریشی و ہاشمی خانوادوں کی طرح " زبیری کنبوی " دودمان پر بھی خامہ فرسائی فرمائی ہے مگر جو پیرایہ اِس دودمان سے انتقام لینے اور اپنی کلفت مٹانے کا انہوں نے اختیار کیا ہے وہ انہیں کے لئے خاص ہے "

مولوی صاحب نے اپنے مضمون میں پہلے تو یہ بات بتائی ہے کہ " فاتحانِ عرب نے اپنے عمل مساوات سے عطائے مناصب اور تعلق رشتہ و یگانگت میں کوئی امتیاز نہیں رکھا تھا جس کی وجہ سے سندھ سے افریقہ تک اسلام پھیل گیا تھا " پھر اِس بات پر آنسو بہاتے ہیں کہ کیوں شاہانِ اسلام فاتحانِ ہند - افاغنہ و مغل نے اور مسلمان سرداروں نے اپنی بیٹیوں کی شادیاں ہندوستان کے مشرک راجاؤں سے نہیں کیں ؟ انہوں نے اپنے اِس فعل سے اسلام کی ترقی مسدود کر دی - ورنہ آج تمام راجگان ہند مسلمان نظر آتے "

آگے انکشاف فرمایا ہے کہ " مشرقی افغانستان کے افاغنہ جو بیشتر راجپوت نسل سے ہیں اور مغل جو چینیوں کے ہم قوم ہیں اُن سے قریشی و ہاشمی رشتہ داری روا رکھتے ہیں لیکن برہمن و راجپوت " کنبوہ کلال وغیرہ سے جن کے بزرگ وسط ایشیا سے آئے تھے - بالکل رشتہ ناطہ نہیں کرتے " یہی وجہ ہے جو اِس خیال تحقیر و تنفر سے خواہ مخواہ نومسلم اقوام ہند - اپنی اصلیت ماکر عرب سے ثابت کرنے کی ساعی ہیں "

من بعد یوں دُرفشانی کی ہے کہ " قوم یہود بنی اسرائیل کی قلت تعداد اور تنزل کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے غیر اقوام کی اپنی خانہ انداز عورتوں کی اَولاد کو ناجائز قرار دے دیا تھا "

پھر یوں تحقیقات کی داد دی ہے کہ " کیونکہ بنی اسرائیل کے ہم جد حضرت اسمٰعیلؑ نے شام سے آکر اور عرب میں سکونت اختیار کر کے وہاں کے ایک مؤقر خاندان میں شادی کر لی تھی " اِس لئے قریشی و ہاشمی اصل باشندگان عرب نہیں ہیں " پس دیگر اقوام ہند لاحاصل قدیم عرب بننے کے دلدادہ ہیں " اور تان اِس طرح توڑی ہے کہ " عجیب تر امر یہ ہے کہ " تحقیقات " تو نی پر کامل غور نہ ہونے سے ایسے بزرگانِ دین تک نسب نامے پہنچائے جاتے ہیں جو از روئے تحقیق لاعقب و مقطوع النسل ہیں "

(۱) چنانچہ ہمارے صوبے (صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ) میں ایک آسودہ گروہ بذریعہ عیسیٰ بن مصعب ابن الزبیرؓ تک اپنا نسب جو نوجوان بلا اَولاد جنگ میں مقتول ہوئے پہنچاتے ہیں "

(۲) ملک پنجاب کی ایک ریاست والے " حضرت حمزہؓ سے اپنی اصلیت کا پتہ بتلاتے ہیں - حالانکہ حضرت حمزہؓ لاولد معارکہ احد میں شہید ہوئے "

(۳) علیٰ ہذا " فرقہ آوان بھی " اپنی نسل ایک شخص عبداللہ عون سے بتلاتے ہیں جو جنگ میں بلا اَولاد قتل ہوئے "

بعد ازاں تنبیہ فرمائی ہے کہ " یہ خیالات لا طائل ہیں " خداوند تعالیٰ فرماتا ہے " تم اپنی پاکیزگی کا دعویٰ نہ کرو - خدا جس کو چاہتا ہے پاکیزہ بناتا ہے "

اِن مولوی صاحب کا بھی یہ سارا بیان از سر تا پا غلط ہے اور اُن کی دلی کیفیت کا بیّن ثبوت ہے " اُن کے اِس مضمون کا یہ منشا ہے جو ظاہر فرمایا ہے کہ " اُن قریشی خانوادوں سے جو اپنے خالص اور پاک خون میں غیر قوم کا میل اور ناپاک خونوں کی آمیزش سے پرہیز رکھتے ہیں انتقام لیا جائے اِس طرح کہ واقعات کی تحریف کر کے اور انہیں اخفا کر کے جس طرح بھی ہو سکے اُن کی طرف سے ناظرین کو شبہ میں ڈال دیا جائے "

اِن مولوی صاحب نے دوسرے قریشی و ہاشمی خاندانوں اور بزرگوں کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ لکھا ہی ہے مگر یہ تو بہیمیت کی انتہا ہے کہ بھی اِس ایک مضمون پر ہی اکتفا نہیں کیا ہے - انہوں نے اپنے دوسرے مضمون میں عبدالملک بن مروان اموی کے گورنر سپہ سالار حجاج بن یوسف ثقفی کے مقابلہ میں جس کے متعلق حضرت عمر بن عبدالعزیز اموی کا یہ قول ہم اوپر ظاہر کر آئے ہیں کہ اگر ساری دنیا کے ظالم و جفا کار اور نابکار لوگوں کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھیں اور دوسرے پلڑے میں صرف اپنے حجاج کو رکھ دیں تو یقیناً ہمارا ہی پلڑا بھاری

رہے گا"، امیر المومنین حضرت عبد اللہ بن حضرت زبیرؓ جیسے بزرگ صحابیؓ کو مواخذہ دار بنا کر ان سے اپنی کلفت کا مظاہرہ کیا ہے"۔

اِن مولوی صاحب نے اپنے مضامین میں جو دہوکے دیئے ہیں۔ اور حالات و واقعات کے اِخفا کر لینے میں جس دلیری کا اظہار کیا ہے یعنی تواریخ کے نوشتوں کے علاوہ "صحیح بخاری اور صحیح مسلم تک کی حدیثوں کو چھپا لیا ہے اور دفتر ان اسلام کو "ہندوستان کے ہندو راجاؤں کے سپرد" کرنے پر جس طرح آنسو بہائے ہیں "یہ اِن ہی پُر جوش اور فدائے اسلام مولانا کا کام ہے"۔

قریشی و ہاشمی خاندانوں اور اصحاب رسول اللہ صلعم کے متعلق مولوی فرحتی الامروہوی صاحب نے جو وطیرہ اختیار کیا ہے۔ اور جیسے دہوکوں اور اخفا سے کام لیا ہے اُس کی ذراسی جھلک دکھا کر یہاں ہمیں یہ بھی بتانا ہے کہ جن بزرگوں نے تاریخ اسلام کے صحیح واقعات کے کسی ٹکڑے کو کبھی پیش کیا ہے تو اُن پر بھی سب و شتم کرنے میں اِن مولوی صاحب نے کوئی کور کسر اٹھا نہیں رکھی ہے"۔

علامہ شبلی مرحوم و مغفور نے ایک نظم لکھی تھی "جس میں حضرت عباسؓ کے جنگ بدر میں گرفتار ہونے اور بنی فاطمہ پر "ابو جعفر منصور خلیفہ دوم عباسی" کے عدیم النظیر ظلم و ستم کا مجملاً ذکر کیا ہے"۔ اِس نظم کی وجہ سے مولوی صاحب موصوف نے اپنے غیض و غضب کا جن لفظوں میں اظہار کیا ہے وہ یہ ہیں "انہوں نے علامہ شبلیؒ کو "دہریت پسند" "نمایش طلب" "زمانہ ساز" "ناعاقبت اندیش" "کج اندیش" "ہزل درا" "اسلام میں تفرقے ڈالنے اور مناقشات پیدا کرنے والا" "جدید الاسلام" "نیچری" "ندوہ لکھنؤ سے کنارہ گیری پر مجبور ہونے والا" اور گستاخ وغیرہ کے خطابات عطا فرمائے ہیں" "نیز اُن کی نظم کے جواب میں ایک ایسی نظم بھی تصنیف فرمائی ہے جو دنیا میں عدیم النظیر ہے" اور جس سے ان کے علم و لیاقت اور دل کی سوزش اور جبلت پر بخوبی روشنی پڑتی ہے"۔

وجہ تالیف از سیری کنبوہی ہم نے آیندہ نسلوں کو ان [illegible] مذہبی منافقین کی ہرزہ سرائیوں کا شکار نہ ہونے دینے کی غرض سے یہ کتاب "خاندان زبیری کنبوہی اور اقوام کمبوج و کمبوہ کی جداگانہ حیثیتیں" لکھی ہے اور اس کے دو حصے کر دیئے ہیں"۔

جلد اوّل میں تو مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کی تحریروں کو متن و شرح سامنے رکھکر "اُن کی غلط بیانیوں" "اخفا" "تحریف" اور دہوکوں کو اسناد تواریخی و جغرافی کی روشنی میں دکھایا ہے۔

اور دوسری جلد میں "مؤلف تاریخ کمبوہان کے نوشتوں کو دکھا کر اُن کی تاریخدانی اور لفاظی" "دہوکوں اور غلط بیانیوں" "نیز اخفا کا پردہ بخوبی چاک کر دیا ہے" اور ایسی پُر فریب تحریروں کے جانچنے کے طریقوں کو بھی ناظرین کے جھوٹ اور سچ میں تمیز کر سکنے کے لئے اور اصلیت کے معلوم کر لینے میں کوئی دقت نہ ہونے کی وجہ سے ظاہر کر دیا ہے"۔

اِس کتاب کا ایک ضمیمہ بھی ہے "جس میں ہم نے رئیس المحققین اور مستند المورخین مولوی عبید اللہ صاحب فرحتی الامروہوی کی ہرزہ سرائیوں کا پول "اسناد تواریخی اور احادیث صحیحہ سے کھول کر اُن کی دلی کیفیت کو بخوبی عیاں کر دیا ہے" نیز علامہ شبلی مرحوم و مغفور کا نظم کے بالمقابل جو انہوں نے نظم تصنیف فرمائی ہے۔ ناظرین کے [illegible] کی غرض سے اسے بھی تحریر کیا ہے"۔

موجودہ تالیفات اور تصنیفات کی دقتوں سے واقف ہیں وہ یہی جان سکتے ہیں کہ اس کام میں کس قدر رنج اٹھانا پڑتا ہے" [illegible] سابقہ مؤلفین تحقیق الانساب، تاریخ امروہہ اور تاریخ کمبوہان اور مولوی عبید اللہ جیسے لوگوں کی ایسی تحریروں سے پڑھنے والوں پر کران بہت نقاب اٹھانے میں کہاں [illegible] ہوگی"۔

۱۳۴۳ فصلی (۱۹۳۳ء) میں [illegible] مملکت آصفیہ دکن کے ضلع گلبرگہ میں بسلسلہ ملازمت تعینات تھے تو ہمارے چھوٹے بھائی میاں امداد احمد زبیری بی۔ اے۔ مددگار [illegible] اللہ تعالیٰ نے گلبرگہ سے "تحقیق الانساب" تاریخ امروہہ" کی ایک جلد ہمیں بھیجی تو اسی وقت سے ہمارا یہ خیال ہوگیا کہ اگر اس کتاب کی غلط بیانیوں کو عریاں نہ کیا گیا اور اصل حقیقت کو نہ پیش کیا گیا تو آیندہ نسلوں کے آپس میں پڑھکر شبہ میں پڑ جانے کا قوی احتمال ہے" لیکن کار ہائے مفوضہ کی مصروفیت "اوقات کے دو [illegible] کرنے اور جنگلوں پہاڑوں میں رہنے "نیز کتب خانوں سے دور رہنے کی وجہ سے ہم مجبور رہتے" مگر جب مدت ملازمت کے ختم ہونے سے پانچ برس پہلے ہم [illegible]

جب ہمارے [illegible] ہم نے ملازمت اور پھر وظیفہ لے کر حیدرآباد دکن میں قیام کیا تو ہمیں اپنے خیال کو عملی جامہ پہنانے کا موقع مل گیا۔ اس دوران میں ایک صاحب نے [illegible] تاریخ کمبوہان۔ بھی ہمارے پاس بھیج دی تھی۔ نیز رسالہ القریش امرتسر کے کچھ پرانے پرچے دستیاب ہو گئے۔ جن میں مولوی حبیب اللہ خرحتی امروہوی کے قریشی وہاشمیوں کے متعلق مضامین اور اُن کے جواب تھے۔ ہم نے اللہ کا نام لیکر اس کام کو شروع کر دیا۔ خدا کی مدد ایسی شامل حال ہوئی کہ جو کام مدت دراز میں ہونے کا تھا وہ صرف پانچ برس میں تکمیل کو پہنچ گیا۔ خدا نے ہمیں اس قدر ہمت اور استقلال عطا فرمادیا کہ شب و روز مسلسل کام کرتے رہے۔ بالآخر جو کام شروع کیا تھا اختتام کو پہنچ گیا۔

ہماری تصانیف | جب اس کام کو شروع کیا گیا تو یہ سوچ لیا گیا تھا کہ اب جو تحقیقات پیش کی جائے ایسی مکمل ہو کہ کوئی بات "زبیری" خاندان کے متعلق تشنہ نہ رہنے پائے۔ اس تحقیقات کی تکمیل کے لئے جو میٹیریل (مواد) فراہم ہوا۔ اس سے حسب ذیل کتابیں عالم وجود میں آگئیں۔

(۱) **خاندان سیدنا حضرت زبیرؓ** - اس کتاب میں قریشی قبائل کے بزرگوں کے حالات حضرت نوحؑ تک ہیں۔ اور تمام قریشی قبائل سے تعارف کرایا ہے۔ آگے چل کر رسول اللہ صلعم اور حضرت زبیرؓ کے جد چہارم جناب قصیٰ کی اولاد کے حال تفصیل سے زمانہ اسلام اور اس کے بعد تک کے بھی لکھے ہیں۔ شروع اسلام اور اس کے آگے کے زمانے میں جن لوگوں اور صحابہ کرامؓ کے نام تاریخوں میں آتے ہیں اس کے دیکھنے سے اُن کے رشتوں اور واسطوں سے بخوبی واقفیت ہوتی ہے۔ اس میں حضرت زبیرؓ کا حال بہت مختصر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب نہایت ضخیم و معلومات کا مخزن ہے۔

(۲) **سیرۃ سیدنا حضرت زبیرؓ حواری رسول اللہ صلعم** - اس کتاب میں حضرت زبیرؓ کی پیدائش سے لے کر شہادت تک کے حالات ہیں اور آپ کی بیویوں اور تین صاحبزادوں کا مختصر اور باقی ساری اولاد کا حال تفصیل سے تحریر ہے۔ یہ کتاب بھی ضخیم اور ۳۶ھ ہجری تک تمام اسلامی واقعات پر محیط ہے۔

(۳) **سیرۃ امیر المومنین سیدنا حضرت عبداللہ بن زبیرؓ** مع اولاد بہ ضخیم کتاب ہے اور [illegible] ہجری تک تمام اسلامی واقعات پر مشتمل ہے۔

(۴) سیرۃ سیدنا حضرت مصعب [illegible] سیدنا حضرت زبیرؓ مع اولاد۔

(۵) سیرۃ سیدنا حضرت عروہ [illegible] حضرت زبیرؓ مع اولاد [illegible] آپ کے شاگردوں اور ان کے شاگردوں کے سلسلے [illegible] اسلام کے [illegible] اور ان بزرگوں کی سیرتوں کی مکمل تصویریں ہیں۔

(۶) **اشاعت زبیری سندھ** [illegible] اس کتاب [illegible] صلعم کی [illegible] صدیوں [illegible] علاوہ سلطان محمود غزنوی اور اس کی اولاد کے زمانے تک وہاں جو سلطنتیں قائم ہوئیں اور [illegible] کے جانے [illegible] کا حال بھی [illegible] آگیا ہے۔

(۷) **زبیری ہند میں** - اس کتاب [illegible] خاندان [illegible] بزرگوں کے حالات ہیں جو دہلی میں تخت اسلام قائم ہونے کے وقت سے [illegible] امیر، گورنر، سپہ سالار، شیخ الاسلام، مشائخ [illegible] ہوتے رہے ہیں۔

(۸) **حالات حضرت مخدوم شیخ سماء الدین** قدس سرہ [illegible] شیخ اسحٰق قدس سرہ العزیز مع اجداد و اولاد۔

(۹) حالات حضرت مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ معہ اولاد۔

(۱۰) حضرت مخدوم بہاؤ الدین ذکریا قدس سرہٗ "اس کتاب میں آپ کے شجرۂ نسب کے علاوہ آپ کے والد و دادا اور اولاد و جانشینوں کے حالات شہنشاہ اکبر کے زمانے تک تحریر ہیں نیز آپ کی اولاد میں سے چند خاندانوں کا سلسلہ اور حال اس زمانے تک بھی درج ہے۔

(۱۱) خاندان زبیری کنبوی اور اقوام کمبوج و کمبو کی جداگانہ حیثیتیں "حصہ اوّل یعنی مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کی غلط بیانیوں کا جواب ہے" جو ناظرین کے سامنے ہے"

(۱۲) خاندان زبیری کنبوی اور اقوام کمبوج و کمبو کی جداگانہ حیثیتیں "حصہ دوم یعنی مؤلف تاریخ کمبوہان کی غلط بیانیوں کا جواب ہے"

(۱۳) ضمیمہ کتاب خاندان زبیری کنبوی اور اقوام کمبوج و کمبو کی جداگانہ حیثیتیں "یعنی مولوی عبید اللہ فرحتی الامروہوی کی غلط بیانیوں اور نکتہ چینیوں کا جواب ہے"

ان کتابوں میں نمبر ۱ و ۳ و ۶ و ۷ و ۱۱ و ۱۲ "نہایت ضخیم ہیں" اور باقی اوسط ضخامت کی ہیں" اور ہر طرح مکمل ہیں"

(الف) نواب شہباز خاں "شہر اللہ المخاطب بہ عمدۃ الملک رکن السلطنۃ العلیہ موتمن الدولہ نواب نظام الدین شہباز خاں امیر و سپہ سالار و گورنر شہنشاہ اکبر" اور

(ب) اودھ کے بادشاہ گر"

ان زبیری کنبوی بزرگوں کے حالات کا میٹیریل ایک جگہ جمع کر دیا ہے جب کبھی فرصت ہوگی ترتیب دے لیا جائے گا"

(ج) بہت شجرے اور دیرینہ کاغذات و فرامین شاہی جو اس زبیری کنبوی خاندان سے متعلق ہمارے پاس ہیں ان کی کچھ تو ترتیب ہو چکی اور کچھ ابھی ہونا باقی ہے"

چند اہل علم حضرات کی ہماری کتاب کے متعلق رائیں

جن چند صاحب علم حضرات خاندان نے ان کتابوں کا بنظر امعان مطالعہ کر کے اپنی خوشنودی کا اظہار کیا ہے" ان میں

(۱) خاندان صاحب حکیم نواب علی خاں صاحب مؤلف شمس التواریخ و رئیس امروہہ"

(۲) مولوی نعمت اللہ صاحب بی۔ اے۔ داماد (نواب وقار الملک مرحوم) رئیس امروہہ"

(۳) مولوی محمد احمد صاحب سابق ناظم ڈاک خانہ جات (پوسٹ ماسٹر جنرل) ریاست حیدر آباد دکن"

(۴) صاحبزادہ مشتاق احمد صاحب بی۔ اے آکسن بیرسٹر ایٹ لا۔ فرزند نواب وقار الملک مرحوم و مغفور" اور

(۵) مولوی سید احمد صاحب ماہروی سابق شیبیلہ سٹرمیجیٹ کالج و مصنف امرائے ہنود مرقع آگرہ "تاریخ فتح پور سیکری حیات خسرو" وغیرہ وغیرہ قابل ذکر ہیں"

آخر الذکر بزرگ نے اس کتاب کے متعلق حسب ذیل تحریر کے ذریعہ سے اطمینان کا اظہار فرمایا ہے"

مولوی سید احمد صاحب کا خط

"آپ کے پدر بزرگوار اور جد امجد حکیم عنایت حسین صاحب نے برادری کی جو خدمت انجام دی ہے اس کے احسان سے اہل برادری کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات نے کنبوہ برادری کو زندہ کر دیا۔ اگر "سلسلۂ عالیہ" اور "المشاہیر" کا وجود نہ ہوتا تو آج ہمیں اپنے دادا۔ پردادا۔ کا نام بھی معلوم نہ ہوتا۔ مجھے نہایت خوشی ہے کہ آپ دونوں بھائی "الولد سر لابیہ" کے پورے مصداق ہیں

اور اپنے اجداد کے نقشِ قدم پر چل کر اس قومی خدمت کی انجام دہی میں سرگرم ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہترین جزا مرحمت فرمائے اور انجام بخیر کرے" آمین۔

تین چار سال کا زمانہ گذرا کہ میں نے ارادہ کیا تھا کہ "المشاہیر" کا تکملہ اپنے عہد تک کرنے کی کوشش کروں۔ اس کے متعلق مواد فراہم کیا۔ مگر بہت سی کتابیں نہ مل سکیں۔ اور تحقیقات غیر مکمل رہی۔ مشاہیر کا حال حروفِ تہجی کی ترتیب سے قلم بند کیا گیا۔ جن بزرگوں کا تذکرہ "المشاہیر" یا "سلسلۂ عالیہ" میں آچکا تھا۔ اُن کا مختصر حال بحوالہ کتب مذکور نقل کر دیا تھا۔ جدید مشاہیر کے حالات بھی مختصراً فراہم کئے تھے۔ مگر ابتداءً عدیم الفرصتی اور زیادہ تر تحقیقات غیر مکمل ہونے کی وجہ سے یہ کام ملتوی ہوتا رہا۔ اُس کے بعد علالت نے اس قدر طول پکڑا اور انگوٹھے کی تکلیف نے تحریر کا کام زیادہ کرنے سے معذور کر دیا۔ مجھے آپ کے خط سے یہ معلوم کر کے کمال خوشی حاصل ہوئی کہ بھائی حسین احمد صاحب نے اس قومی فرض کو ادا کر دیا۔ بارگاہِ ایزدی میں اُن کی کامیابی کے واسطے دست بدعا ہوں" فقط

ان حضرات خاندان کے علاوہ بابائے اُردو مولانا ڈاکٹر عبدالحق صاحب سیکریٹری انجمن ترقی اُردو ہند۔ ان کتابوں کی کیفیت سنکر حیدرآباد دکن میں معہ مولوی شبیر حسین ہاشمی صاحب بی۔ اے کے غریب خانہ پر تشریف لائے تھے" اور کافی دیر تک کتابوں کے ملاحظہ کے بعد انہوں نے نہایت خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا اور مولوی شبیر صاحب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ "میں تو پہلے ہی تم سے کہہ چکا تھا کہ اس خاندان کے لوگ بڑے ذہین ہوتے ہیں اور ایسے کام انہیں سے ممکن ہیں" اس کام کو دیکھو جسے مولوی حسین احمد صاحب نے انجام دیا ہے) اور نہایت مطمئن و خوش ہو کر رخصت ہو گئے"

اسی طرح مولانا عبداللہ العمادی صاحب مرحوم و مغفور کے اُن تاثرات کا اظہار کر دینا بھی بیجا نہ ہوگا جو انہوں نے ان کتابوں کے ملاحظہ فرمانے کے بعد روانہ کیا تھا۔ علامہ موصوف اس دور میں ہند کے علوم مشرقیہ کے علماء و فضلاء میں اپنا خاص مقام رکھتے تھے" آپ کتب بینی کے بہت شایق تھے خصوصیت سے اُردو۔ فارسی۔ اور عربی کی نظم و نثر کا مطالعہ بہت وسیع تھا اور ان تینوں زبانوں میں آپ کو شاعری اور انشاپردازی کی قوت حاصل تھی۔ اور ان زبانوں کے ہزاروں شعر آپ کے خزانۂ دماغ میں محفوظ تھے" آپ عربی و فارسی لغات پر بھی عبور رکھتے تھے" آپ کو عربی میں مضمون نویسی کی قدرت حاصل تھی جو اس زمانے میں غیر معمولی بات تھی" اخبار وکیل امرتسر اور دوسرے اخباروں کی ادارت "البلاغ" کافی عرصہ تک ادا کرنے کے بعد جب جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن عالمِ وجود میں آئی تو اس کے شعبۂ تراجم میں آپ کو شریک کیا گیا" اُردو زبان کو علمی زبان بنانے میں آپ کا اہم حصہ رہا ہے"

دارالترجمہ میں آپ اپنی لغات دانی اور جدید عربی مصطلحات علمی کی واقفیت کے سبب سے بہت کار آمد ثابت ہوئے"
دارالترجمہ کی دو جماعتوں میں سے آپ اس جماعت میں تھے جو اُردو میں عربی مصطلحات کے رواج کے لئے کوشاں تھی" اعلیٰ حضرت نظام دکن نے آپ کی کثرت لغات کی وجہ سے آپ کو قاموس کہا تھا" جس کی بنا پر خیال تھا کہ آپ کو قاموس جنگ کا خطاب مل جائے"
دارالترجمہ میں وضع اصطلاحات کے علاوہ آپ مترجم بھی رہے" آپ کے قلم سے متعدد عربی تاریخوں کے ترجمے اُردو میں دارالترجمہ سے شائع ہوئے ہیں" اسی سلسلہ میں "تاریخ طبری" "طبقات ابن سعد" اور "تاریخ یعقوبی" کے ترجمے آپ نے کئے ہیں"
مترجم کے علاوہ آپ دارالترجمہ کے "ناظر مذہبی" بھی رہے" یعنی دارالترجمہ کی ترجمہ اور تصنیف کردہ کتابوں پر اس حیثیت سے نظر ڈالتے تھے کہ ان میں مذہبی معتقدات کے خلاف تو کوئی بات نہیں" اسی خدمت کے بعد اُن کو پنشن ملی مگر اس پنشن کے بعد آپ نے حیدرآباد

یہیں چھوٹا اور وہیں توطن اختیار کر لیا۔"

آپ حیدرآباد کی علمی مجلسوں اور محفلوں کے جزو بن گئے تھے۔" دارالمعارف اور کتب خانۂ آصفیہ جو مملکت دکن کے دو اہم اور عظیم الشان علمی مرکز ہیں۔ آپ اِن دونوں کے مشیر اور رکن رکین تھے۔"

جب ہم ان کتابوں کی تکمیل کر چکے تو معہ اپنے برادر عزیز القدر میاں امداد احمد سلمہ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس ناچیز علمی خدمت کا تذکرہ آپ سے کیا۔ آپ نے کافی دیر تک کتابوں کے متعلق تبادلۂ خیالات فرمایا اور ایک روز معہ اپنے صاحبزادے مولوی عثمان عمادی بی۔ ایس۔ سی۔ علیگ غریب خانہ پر تشریف لائے اور صبح سے شام تک قیام فرما کر کتابوں کو ہر طرح اپنے علمی معیار پر پرکھا اور پھر تو یہ کیفیت تھی کہ کمرے میں ٹہلتے جاتے اور فرماتے جاتے تھے کہ میرے تو ہم و خیال میں بھی اس کا تصور نہیں تھا کہ اس قدر اہم اور ایک بڑا عظیم الشان کام اس خاموشی کے ساتھ انجام پا گیا۔" اگرچہ مولانا سید اعلیٰ صاحب طالب رکن دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ نے اکثر اس کام کا تذکرہ کیا تھا مگر اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد اس کی عظمت کا گہرا نقش اپنے دل پر محسوس کر رہا ہوں۔" چنانچہ اس طرح تمام دن قیام کرنے کے بعد جب علامہ موصوف واپس تشریف لے گئے تو وہ اِس قدر متاثر تھے کہ انہوں نے حسب ذیل تحریر کے ذریعہ اپنے تاثرات کا اظہار فرمایا۔"

علامہ عمادی کی رائے

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری (زبیر بن عوام) کے خاندان کو عرب و عراق سے تقریباً دوسری صدی ہجری میں رخصت ہونا پڑا۔ اس مقدس خاندان نے سندھ کا رُخ کیا۔ اور یہاں آ کے "کنبایہ" میں آباد ہوئے جو قدیم جغرافی تقسیم کے مطابق "تاہل" کے قریب تھا۔ بشاری نے جس کی کتاب سنہ [illegible] میں لیدن (جرمنی) سے شائع ہوئی تھی" سنہ [illegible] میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔ بشاری ایک بڑا سیاح تھا۔ سنہ [illegible] میں اُس نے تصریح کی ہے کہ میں نے یہ پورا ملک دیکھا ہے۔ مکمل سیاحت کی ہے۔ اور جو کچھ لکھا ہے مشاہدہ اور روایت پر مبنی ہے۔ اسلام میں سندھ کی صنعت پاپوش بہت معروف تھی۔ اس صنعت کا مرکز مقام (کنبایہ) ہی تھا۔

"کنبایہ" جو آلِ زبیر رضی اللہ عنہ کا مستقر تھا مخفف ہو کر "کنبہ" رہ گیا۔" یہ تخفیف بھی دَور کی یادگار ہے جس سے بعد کو اہلِ کنبہ "کنبوہ" ہو گئے۔ زبان کا یہ تغیر عام ہو گیا۔ لیکن اس قوم کے دل میں تغیر نہ ہو سکا۔ اب تک اپنے خاص اپنا ذات پر حاوی ہے"

مولوی تسکین احمد صاحب زبیری اِس کتاب کے جامع ہیں۔ ممدوح نے اِس کی تالیف میں انتہائی محنت کی ہے۔"

ہماری لاعلمی تو اس کی کیا قدر کرے گی۔ مستشرقین اگر اِس عظیم الشان محققانہ کارنامہ سے آگاہ ہو سکے تو وہ البتہ منزلت شناس ہوں گے۔"

۷ رمضان سنہ ۱۳۶۵ ہجری

انتظام طباعت کتاب

حیدرآباد دکن کے اہلِ خاندان نے کتاب کی نوعیت، بھاری اخراجات اور محنت شاقہ کو ملاحظہ فرمایا تو انہوں نے کتاب کی طباعت کا بار بھی مجھ ہی پر ڈالنا مناسب نہیں خیال کیا بلکہ جملہ اہلِ خاندان کو اِس بار کے اٹھا لینے کی ترغیب دینے کیلئے معظمی مولوی محمد احمد صاحب کے صلاح و مشورے سے آن کی صدارت میں ایک کمیٹی بنائی جس کے معتمد و خزانچی مولوی مشتاق احمد صاحب اور اراکین مولوی شفقت حسین صاحب، نواب محمد صاحب گتہ دار (ٹھیکہ دار) ڈاکٹر محمد یٰسین صاحب۔ کرنل امیر احمد صاحب۔ اور عزیزی امداد احمد صاحب قرار دیئے گئے۔ اِس کمیٹی کی جانب سے مختلف مقامات پر کو ترتیب دے اہل برادری کے نام چندہ کی اپیل روانہ کی جنہوں نے وقت کی ضرورت کا احساس

کرتے ہوئے علی قدر حوصلہ اپنا اپنا حصہ ادا کیا۔ سب سے بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ خواتین خاندان نے بھی اس بارے میں کافی دلچسپی کا اظہار کیا اور اس طرح ایک معتد بہ رقم اس کتاب کی طباعت کیلئے جمع کر دی۔ پس یوں کہنا چاہیے کہ ان اخراجات کی جانب سے ہمارے اہل خاندان نے ہمیں بے نیاز کر دیا ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ ہمارے اہلِ خاندان نے اپنے بزرگوں کے حالات کے محفوظ کئے جانے کا ایسا ہی جذبہ ظاہر کیا جس کی ان سے بجا طور پر توقع تھی"۔

طباعت کی مشکلات "موجودہ زمانے میں حسب خواہش "کتابت" "کاغذ کی فراہمی" اور "طباعت کے انتظام میں" جیسی مشکلات ہیں اُن سے اربابِ نظر ناواقف نہیں ہیں"۔ ہم کو بھی ان کی وجہ سے نہایت درجہ سرگردانی سے دوچار ہونا پڑا۔ پہلے تو کاتب صاحب ہی حسب منشا نہیں ملتے تھے۔ جب منشی شیخ الدین احمد صاحب کاتب ہاتھ لگے اور انہوں نے تندہی سے کام شروع کیا تو ان کی بیماریوں نے کام میں رکاوٹیں ڈالیں"۔ آخر خدا خدا کر کے یہ مرحلہ طے ہوا تو کاغذ کے حصول کے لئے تگ و دو شروع ہوئی۔ اس کام میں بھی نہایت دقتیں حایل رہیں۔ لیکن چونکہ خدا کو منظور تھا اس کام کی تکمیل ہو۔ عزیزی محمد زبیر صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی انتھک کوششوں سے اس کے ملنے میں کامیابی حاصل ہو گئی"۔ اب سوال طباعت کا تھا۔ علیگڈھ کے ایک مطبع سے معاملہ کیا مگر جب چند صفحات چھپکر سامنے آئے تو وہ کسی کو پسند نہ آئے"۔ لہٰذا وہاں سے قطع تعلق کر کے مسلم یونیورسٹی پریس سے معاملہ طے کیا گیا۔ اس میں بھی جو دقت اور تکلیفیں ہمیں اٹھانی پڑی ہیں ہم انہیں ہمارا دل ہی خوب جانتا ہے۔ بہرحال جیسی ہماری خواہش تھی اس میں ہمیں کامیابی نہیں ہو سکی" اب جیسا کاغذ اور جیسی بھی طباعت ہے وہ حاضر ہے"۔ التماس ہے کہ طباعت وغیرہ میں جو خامی نظر آئے اس سے صرفِ نظر فرمایا جائے" کیونکہ جو بات ہمارے دسترس سے باہر تھی اس میں ہم مجبور تھے۔ البتہ ہمارے دل کو یہ اطمینان ہے کہ ہماری کسی کوتاہی کا اس میں مطلق دخل نہیں ہے"۔ اس ضمن میں ہم سید لطافت علی صاحب کے مشکور ہیں۔ اور مولوی عزیز حسین ابن مولوی حبیب حسین ابن منشی جواہر علی صاحب کے حد درجہ شکر گذار ہیں۔ جب عزیز حسین صاحب کے ہاتھ میں پریس کا انتظام آیا تو آپ نے خاص دلچسپی لے کر اس کتاب کی طباعت کرا دینے میں ایسی کوشش فرمائی کہ جلد اس کی تکمیل ہو گئی۔ ورنہ کون جانتا ہے کہ طباعت میں کتنا وقت اور لگ جاتا"۔

کچھ کتاب سے متعلق ناظرین کو کتاب کے مطالعہ کرنے سے قبل اس طرف دھیان رکھنا چاہئے کہ اس کتاب کی تحریر میں ہم نے اس بات کو پیشِ نظر رکھا ہے کہ "تحقیق الانساب تاریخ امروہہ" میں ہمارے خاندان کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اُس کو مِن و عَن پیش کر دیا جائے"۔ تاکہ جن طریقوں "تحریفوں" اخفا اور اسناد واستدلالات سے کام لے کر مؤلف نے بڑی معصومیت کے ساتھ نتائج منضبط کئے ہیں۔ وہ مِن وعَن سامنے آجائیں"۔ ہم نے اُن کے بیانات کے جواب اُن ہی کی طرزِ نگارش کو ملحوظ رکھتے ہوئے دیئے ہیں۔ جہاں انہوں نے کسی بات کو ادھورا چھوڑ دیا اور آگے چل کر پھر تنقید کی ہے تو ہم نے بھی پہلے موقع پر صرف اشارہ کر دیا ہے اور دوسری جگہ جہاں انہوں نے اپنا فیصلہ دیا ہے وہاں پوری بحث کر کے تواریخی اسناد سے اُن کی غلط بیانیوں کا پردہ فاش کر دیا ہے"۔ اس طرزِ نگارش سے اگرچہ تسلسل بیان میں ایک قسم کی رکاوٹ پیدا ہوتی ہوئی معلوم ہو گی۔ مگر اس سے فائدہ یہ ہے کہ ناظرین پورے واقعات سے بخوبی واقف ہو جائیں گے اور زیادہ سے زیادہ حالات کو معلوم کر سکیں گے"۔ اور جو پھر اعتراضات جن طریقوں سے اس خاندان زیرِ بحث کی نسبی شرافت پر کئے گئے ہیں اُن کے مکمل جواب نظروں کے سامنے آجانے سے استنباطِ نتائج میں آسانی ہو گی۔ یعنی مؤلف تحقیق الانساب کی یاوہ گوئی اور ہمارے پیش کردہ تواریخی۔ اثری "تہذیبی" نسلی" اور تعلیمی شواہد کی روشنی میں حقیقت جو ہے وہ خوب طرح آشکارہ ہو جائے گی"۔

اِسی طرح ہم نے اپنی دوسری کتاب کو بھی جو "تاریخ کمبوہان" کے جواب میں تحریر کی گئی ہے۔ مدون کیا ہے۔ تاکہ بیک نظر اس کتاب کے متعلق بھی معلوم کیا جاسکے کہ اس کتاب کے مؤلف صاحب نے کیا فرمایا ہے اور اس کے متعلق حقیقی کیفیت و حالات کیا ہیں۔ اگر اس طرز کو اختیار نہ کیا جاتا تو ان کتابوں کے نوشتوں کی حقیقت اور ہمارے جوابات کے باصواب ہونے کے متعلق اربابِ علم وفضل

کو دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ ہمارے پیش نظر جو بات رہی ہے اُس کا فائدہ یہ ہے کہ جس قدر اعتراضات اور تنقیدیں ہوئی ہیں وہ سب سامنے آجائیں۔ اور اُن کا ایسا مکمل جواب دیدیا جائے کہ آئندہ نسلیں مزید اعتراضات سے قطعی مامون اور محفوظ ہوجائیں۔

بہرحال ہم مؤلفین تحقیق الانساب اور تاریخ کمبوہان کے نہایت درجہ مشکور اور ممنون ہیں۔ "اگرچہ انہوں نے اپنی تصانیف سے تخریب کا کام لیا ہے یعنی خاندان زیر بحث کے متعلق اپنے ناظرین کو غلط فہمیوں میں مبتلا کردینے کی کوششیں کی ہیں۔ مگر وہ ہمارے لئے باعث خیر اور برکت ثابت ہوئی ہیں۔" نہ وہ ایسی بحثیں چھیڑتے اور نہ ہم ان کتابوں کے لکھنے پر آمادہ ہوتے۔" ہم اُن کی یہ بڑی مہربانی سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے یہ بڑا اور نیک کام انجام پاگیا۔

شکریہ

میرے اکثر اعزا اور احباب نے اِس کتاب کے لئے مواد کی فراہمی اور غیر زبانوں کے تراجم کرنے میں اور مفید مشوروں سے جو بیش قیمت امداد دی ہے ان کا میں دلی شکریہ ادا کرتا ہوں خصوصاً

(۱) مولوی ڈاکٹر حمید اللہ صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی پروفیسر انٹرنیشنل لا (قانون بین الملکت) جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن۔

(۲) مولوی خواجہ محمد احمد صاحب ایم۔ اے۔ ڈپٹی ڈائرکٹر (نایب ناظم) آثار قدیمہ ریاست حیدرآباد دکن۔

(۳) مولوی محمد عقیل صاحب فاروقی علیگ تحصیلدار جاگیر بودھن ضلع نظام آباد دکن۔ برادر خورد مولانا محمد شیث صاحب مرحوم سابق ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڈھ۔

(۴) مولوی فدا علی صاحب طالب مرحوم و مغفور رکن دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ۔

(۵) مولانا مولوی محمود الحسن صاحب ٹونکی مرحوم مصنف معجم المصنفین۔

(۶) مولوی شیخ محمد حسین صاحب قدوائی مرحوم لکھنوی۔ وکیل ضلع کریم نگر دکن

(۷) مولوی عبدالسلام صاحب مرحوم جاگیردار۔

(۸) مولوی امیرالدین حیدر صاحب مرحوم غازی پوری گتہ دار حیدرآباد دکن۔

(۹) مولوی غیاث الدین احمد صاحب فاروقی بی۔ اے۔ علیگ ڈپٹی عثمانیہ اسسٹنٹ ہوم سکرٹری ریاست حیدرآباد دکن

(۱۰) ڈاکٹر راحت اللہ خاں پی۔ ایچ۔ ڈی۔ کیوریٹر آصفیہ لائبریری حیدرآباد دکن۔

(۱۱) مولوی امتیاز علی صاحب عرشی۔ ناظم کتب خانہ ریاست رامپور۔

(۱۲) مولوی محمد صبغت اللہ صاحب بی۔ اے۔ رئیس امروہہ۔

(۱۳) مولوی محمد احمد صاحب سابق پوسٹ ماسٹر جنرل حیدرآباد دکن۔

(۱۴) صاحبزادہ مشتاق احمد صاحب بی۔ اے۔ آکسن بیرسٹر ایٹ لا۔

(۱۵) منشی محمد صادق حسین صاحب میرٹھی (ہمارے حقیقی ماموں)۔

(۱۶) عزیزی حسن احمد صاحب۔ سابق پوسٹ ماسٹر حیدرآباد دکن (برادر حقیقی)

(۱۷) مولوی انعام احمد صاحب سب انسپکٹر پولیس ریاست حیدرآباد دکن

(۱۸) عزیزی محمد زبیر صاحب اسسٹنٹ لائبریرین لٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی علیگڈھ۔

اور دوسرے اصحاب کا بھی شکر گذار ہوں کہ جن کے نام بوجہ طوالت نہیں لکھے جاسکے ہیں لیکن اس موقع پر ہم کسی طرح مغفلمی داروغہ مقصود حسین صاحب میرٹھی کے شکریہ کو نظر انداز نہیں کرسکتے جنہوں نے اپنی بے پایاں خلوص و محبت کی وجہ سے ہمارے میرٹھ آنے کے بعد سے اپنی اس

پیرانہ سالی اور علالت کے باوجود اِس کتاب کے کاموں میں اپنا عزیز وقت وقف فرما دیا۔ اور ہر طرح ہماری مدد فرماتے رہے۔" اِسی طرح معظمی و محترمی حکیم نواب علی خاں صاحب رئیس امروہہ (برادر خورد مسٹر حامد علی خاں صاحب مرحوم بیرسٹر لکھنؤ) بھی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے متعدد مرتبہ اپنی اِس پیرانہ سالی میں امروہہ سے میرٹھ اِسی مقصد سے تشریف لاکر مفید مشوروں سے مستفید فرمایا۔"

اِسی ضمن میں ہم کو اپنے برادر عزیز میاں امداد احمد صاحب زبیری بی۔ اے۔ (علیگ) ڈپ ایڈ (عثمانیہ) کے متعلق بھی کچھ لکھنا ضروری ہے کیونکہ اِس کتاب کے لکھنے میں ان کی کوشش۔ ان کی محنت۔ ان کی تگ و دو اور ان کا خلوص اور ان کے شوق ہی تھے کہ جس نے ہم کو ایسے عظیم الشان کام کرنے کے لئے آمادہ و تیار کر دیا۔ سچ پوچھئے تو صرف یہی ایسی شخصیت ہے جو اِس کام میں ہماری ہر طرح اور ہر وقت شریک و سہیم رہی۔ یوں تو اوائل عمر سے ہم کو مطالعہ کا شوق و ذوق رہا ہے۔ مگر کبھی اس کا خیال بھی ہمارے دل میں نہیں گذرا تھا کہ ایک مصنف کی حیثیت سے ہم کو پبلک میں آنا پڑے گا یہ برادر عزیز ہی ہیں کہ جنہوں نے ہمارے ذوقِ علمی کی رہنمائی اِس جانب کی اور کتابوں کے لکھنے پر باوجود بہت سے موانعات کے ہم کو تیار کر دیا اور ہمارے آرام کے ایسے سامان مہیا کر دیئے کہ ہم دوسرے خانگی بکھیڑوں سے یکسو ہو کر صرف اس کام میں منہمک ہو سکے۔ اور خدا نے آ ان کے خلوصِ نیت کا یہ ثمرہ عطا فرمایا کہ ہماری تصانیف عالم وجود میں آ سکیں۔ اِس لئے ہمارے شکریہ سے تو وہ بالکل بے نیاز ہیں مگر اُن کے لئے یہی کیا کم ہے کہ اُن کے خوابوں کی دنیا ایک حقیقت بنکر اُن کے سامنے آگئی ہے۔ اور جس کام کو اُن کے بزرگوں نے (خدا اپنی رحمت کے پھول اُن پر نچھاور کرے) شروع کیا تھا اُس کے انجام کو پہونچانے میں خود اُن کی امداد شامل ہے۔ دما توفیقی اِلّا باللّٰہ۔

(عزیزی میاں محمود اختر سلّمہٗ اللہ تعالیٰ بھی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں صبح دوپہر شام جب اسکول اور کھیل سے فرصت پاتے تو کاتب صاحب سے ضرور کہہ جاتے کہ جلد اپنا کام ختم کر دیں اور اس طرح ہمارا کام ہلکا کر دیتے تھے۔")

خاتمہ

خدا کا شکر و احسان بے پایاں ہے کہ اُس نے ہمیں ایسی ہمت، و استقلال عطا فرمایا کہ جس کی وجہ سے ہم اِس اہم کام سے عہدہ برآ ہو سکے۔ آپ پوری کتاب سے **زبیری کنبوی** خاندان کے عہد بہ عہد کے حالات کی ایک جھلک نظروں کے سامنے آ جائے گی۔ عرب ہو یا عجم، ہند ہو یا سندھ، وہ جس جگہ رہے یا گئے طلب علم اور اشاعتِ علوم ان کی خصوصیات رہیں جہاں گئے قلم علم ان کے ساتھ رہا جہاں آباد ہوئے اُس کو علمی مرکز بنا لیا۔ چنانچہ موجودہ دَور میں بھی اس خاندان کا تعلّق اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ میں ہے۔ اور اس میں ناخواندگی بمنزلہ صفر کے ہے۔ قدیم و جدید تعلیم میں یہ خاندان صفِ اوّل میں نظر آئے گا۔ مسلم یونیورسٹی کی تاسیس میں اس کا جو حصہ رہا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اٹاوہ و آگرہ کے انٹرمیجیٹ کالج، منصبیہ کالج میرٹھ، امروہہ، میرٹھ، امروہہ وغیرہ وغیرہ کے مذہبی و غیر مذہبی مدارس اِسی خاندان کے بزرگوں کے رہینِ منّت ہیں۔ تحفظِ نسل و ذہانت اور دوسرے اوصاف حمیدہ سے یہ خاندان خدا کے فضل و کرم سے ہمیشہ سے تا ایندم متّصف ہوتا چلا آ رہا ہے۔ چنانچہ اِس وقت تک بفضلہٖ تعالیٰ اِس خاندان میں یہ بات موجود ہے کہ جو اصحاب جس جگہ ہیں وہ اپنے ہم عصروں میں ایک ممتاز حیثیت کے حامل نظر آتے ہیں۔

سیّدنا حضرت عروہؓ بن سیّدنا حضرت زبیرؓ اپنے اہلِ خاندان سے فرمایا کرتے تھے کہ علم سیکھو۔ اِس لئے کہ اگرچہ تم اِس وقت اپنی قوم کے چھوٹوں میں ہو مگر عنقریب دوسری قوموں کے بڑے بن جاؤ گے۔ جہالت بہت بُری چیز ہے خصوصاً قوم کے سردار کے لئے" اور یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ "دنیا میں سب سے زیادہ برے خدا کے میرے گھر کے لوگ ہیں"۔

یہی وہ نصیحتیں اور اُن کے اسلاف کے زہد و اِتقا علم و فضل، دیانت و شرافتِ نفس، ہیں کہ جنہیں آلِ زبیرؓ نے اپنے سینہ سے لگائے رکھا اور صرف اِسی مشعل کو وہ اپنے ہاتھ میں لیکر ہر زمانہ کے بگڑتے ہوئے حالات سے گذرتے چلے گئے اور ہر دَور اور ہر زمانہ میں اپنی مخصوص خصوصیات کو قایم و دایم رکھا۔

ہماری بحث میں جن دوسرے خاندانوں کا ذکر آ گیا ہے وہ برسبیلِ تنقید ہے کیونکہ مؤلف امروہوی نے اِن خاندانوں پر جس بے جا طریقہ سے دادِ تحقیق دی ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہماری اِس کتاب کے مطالعہ کے وقت وہ پیشِ نظر رہیں تاکہ اُن کی تصوراتی دھڑے بندی، معاندانہ ذہنیت اور پارٹی بازی اور اپنے آپ کو افضل القریش بیان کرکے سارے زبیریوں، صدیقیوں، فاروقیوں، عثمانیوں، سیّدوں کو شکست

دینے کی اُن کی خواہش کا اظہار ہو سکے۔

درحقیقت ہم کو کسی خاندان کی تنقیص یا برائی مدنظر نہیں ہے۔ جو بھی وہ اپنے آپ کو کہتے ہوں ہم کو اس سے کوئی غرض نہیں۔ یہاں تو متعلقہ میں سخن گسترانہ بات آجانے کے مدنظر بحث کی گئی ہے۔ کیونکہ انسان ہونے کی حیثیت سے سب لوگ آدم و حوا کی اولاد ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "اے انسانو! چاہے تم کہیں کے رہنے والے ہو۔ کسی برادری کے ہو۔ کسی رنگ کے ہو۔ تم سب کو ہم نے ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔" کسی کو چھوٹا یا بڑا سمجھنا بالکل غلط ہے۔ تمام انسان بھائی بھائی ہیں اور اسلام کا مقصد ہی اونچ نیچ کو مٹانا رہا ہے۔ اگر علیحدہ علیحدہ برادریاں بنائی گئی ہیں تو وہ صرف جان پہچان کے لئے بنائی گئی ہیں۔ اور اس لئے کہ آپس میں صلہ رحمی کر سکیں۔ رتبہ و درجہ کے لحاظ سے ان میں کوئی فرق نہیں۔ فرق درحقیقت انسان کے شرافت نفس اور زہد و تقویٰ کی وجہ سے ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے کہ "فضیلت انہیں کو ہے جن کا تقویٰ بڑھا ہوا ہے۔"

بقول ایڈیٹر صاحب ماہنامہ تجلی دیوبند بابتہ ماہ مارچ ۱۹۵۵ء صفحہ ۲۸ "ہم یہ نہیں کہتے کہ سارے امتیازات فضول ہیں۔ بلاشبہ نسبتوں اور سلسلوں کا تنوع تمدن و عمرانیت کا نتیجہ لازمی ہے۔ سرشت و مزاج کے فرق سے اوصاف و اطوار کا فرق ناگزیر ہے عقل و فکر کے اختلافات اٹل ہیں نسبی سلسلے صحت کے ساتھ رکھنے ضروری ہیں لیکن معاندانہ اور متقابل ذہنیتوں کو ختم کرنا بھی واجب ہے۔ خیال و تصور کے مستقل اسکول بنا کر رسہ کشی کرنا سوائے نفاق و تباہی کے اور کوئی نتیجہ نہیں رکھتا۔ اللہ بس باقی ہوس۔"

میرٹھ

۱۹ ؍ مئی ۱۹۶۹ء

حسین احمد زبیری

مولوی محمدؐ احمدؐ صاحب زبیری

پوسٹ ماسٹر جنرل (وظیفہ یاب) مملکت نظام حیدرآباد دکن

فہرست مضامین کتاب ہذا
خاندان زبیری کنبوی کے متعلق
مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کی تحقیقات کا تجزیہ

LYTTON LIBRARY * ALIGARH * MUSLIM UNIVERSITY

داہنے سے بائیں کو۔ حسن محمد اکمل۔ امداد احمد۔ حسین احمد مؤلف۔ حسن حمیدہ خاتون۔ حسن احمد۔ حسن محمد شفیع
پُشت پر۔ (محمد یعقوب ملازم) الطاف احمد عرف خورشید احمد زبیری (محمد انکش علی ملازم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خاندانِ زبیری کنبوہ کے متعلق

مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کی تحقیقات کا تجزیہ

باب اوّل

صوبجات ممالک متحدہ کے مختلف مقامات یعنی۔ امروہہ۔ سنبھل۔ مرادآباد۔ بریلی۔ میرٹھ۔ مارہرہ اور لکھنؤ وغیرہ میں شرفائے کنبوہ کے بعض نامور اور سربرآوردہ خاندان آباد ہیں۔ نویں صدی ہجری یا بالفاظِ دیگر لودیوں کی سلطنت کے زمانہ سے کتب تاریخ و سیر میں مشاہیر قوم کنبوہ کے جابجا تذکرے ملتے ہیں۔ جن میں مخدوم شیخ سماؤالدین۔ شیخ جمالی۔ نواب شہباز خاں اکبری خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ ہندوستان کے بعض نامور علماء و مشائخ۔ امراء و اطباء و شعراء اس نامور قوم میں پیدا ہوئے۔ زمانہ حال میں نواب وقار الملک مرحوم اور ڈاکٹر ضیاءالدین احمد جیسی بلند پایہ ہستیوں سے اس دودمانِ عالی شان کا نام روشن ہے۔ (تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم ص ۲۳۲)

ملک میاں چمن بیانِ مندرجہ بالا کا دوسرا ٹکڑا کہ نویں صدی ہجری یا بالفاظِ دیگر لودیوں کی سلطنت کے زمانہ سے اس قوم کے جابجا تذکرے ملتے ہیں۔ صحیح نہیں ہے۔ جس کی تکذیب کے لئے پہلے ہم تو "مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ" ہی کی تحریر کو پیش کرتے ہیں۔ "انہوں نے اپنی کتاب کی جلد اول کے صفحہ ۲۳۴ پر "لودیوں سے پیشتر" سیدوں کے زمانہ سلطنت ۸۱۷ ہجری تا ۸۵۵ ہجری میں "اسی خاندان کے ایک بزرگ "ملک میاں چمن" کا حال بایں الفاظ درج کیا ہے کہ۔

(۱) "ملک سرور الملک نے اوّلاً "سدپال و سدارن کھتری" اور ان کے عزیزوں کو جو "مبارک شاہ" کے قتل کے سلسلہ میں "بیانہ و امروہہ" و "نارنول و کہرام" اور ملک دوآبہ کے چند پرگنے" جاگیر میں دیئے۔ لیکن یہ حالت چند روز رہی"

محرم ۸۳۷ ہجری مطابق ۱۴ اگست ۱۴۳۴ء کو "سرور الملک" اور اس کے چند ہندو معاونین "ایک معرکۂ جنگ میں قتل ہو گئے۔ اور "امروہہ" "ملک چمن" المخاطب بہ "غازی الملک" کی جاگیر میں دیدیا گیا"

مؤلف صاحب کی اس تحریر کو پیش کرنے کے بعد یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ "تاریخ مبارک شاہی" اور "طبقات اکبری" نیز دوسری کتابیں اگر انہیں نہیں مل سکی تھیں تو وہ "تاریخ فرشتہ" ہی کو بہ نظر غایر دیکھ لیتے۔ تاکہ انہیں بخوبی معلوم ہو جاتا کہ "میاں چمن" یا "ملک چمن" جن کی شخصیت "خاندانِ سادات" اور "لودیوں" کے زمانۂ سلطنت میں اس قدر نمایاں رہی ہے۔ کس خاندان عالی شان کے گلِ سرسبد تھے"

۸۳۴ ہجری کے واقعات میں "تاریخ فرشتہ" میں لکھا ہے کہ "مبارک شاہ نے ملک چمن نبیرۂ فیروز خاں کو سرور الملک وزیر" اور "سید السادات سید عالم" کے ہمراہ "شرقیون" کے مقابلہ پر روانہ کیا" اور ۸۴۱ ہجری کے واقعات میں تحریر ہے کہ "ملک چمن حاکم بداؤں" نے

"سید مبارک شاہ" کے قاتلوں یعنی "سرور الملک" اور اُس کے "ہندو معاونین" کو "کمال الملک" وغیرہ کے ساتھ مل کر قتل کر دیا" اور "محمد شاہ بن فرید خاں بن سید خضر خاں" کو اُن کے پنجہ سے آزاد کیا۔ اور "غازی الملک" کا خطاب پایا۔

پھر ۸۵۵ھ ہجری کے واقعات میں مرقوم ہے کہ "سلطان بہلول لودھی" کے دربار میں بوقت تخت نشینی جو چونتیس[34] نامی گرامی امیر موجود تھے جن میں بہت سے اُمراء بادشاہ کے عزیز اور قرابتدار بھی تھے۔ اِن اُمراء کی فہرست میں ملک چمن نبیسہ خان جہاں کا نام بھی موجود ہے۔

اس کے بعد ۸۹۴ھ ہجری کے واقعات میں "تاریخ فرشتہ" میں "سلطان سکندر لودی" کی تخت نشینی کے وقت جن ترپن[53] اُمراء کی موجودگی کی فہرست دی ہے۔ اُس میں "میاں چمن کنبوہ مخاطب بخاص" اور "عماد الملک کنبوہ" کے دو نام بھی لکھے ہیں۔

جیسا کہ ہم نے ابھی دکھایا ہے "مورخ فرشتہ نے "ملک میاں چمن" کو نبیرۂ فیروز خاں" اور "نبیسہ خان جہاں" بتایا ہے۔ اُس زمانہ میں "وزیر" "سپہ سالار اعظم" اور گورنروں وغیرہ میں سے "بہت با اختیار و عالی جاہ" اُمراء کو بادشاہ "خان جہاں" کے خطاب سے سرفراز کیا کرتا تھا۔ "فیروز خاں" بھی اپنے زمانہ میں "رکن رکین سلطنت اور نمایاں شخصیت کے مالک تھے" اِس لئے مورخ نے ایک جگہ "میاں چمن" کے نانا کو۔ اور دوسرے موقع پر اُن کے دادا کا نام بتا کر اُن کے حالات میں اُن کی وجاہت و علوئے مرتبت خاندانی کا بھی اظہار کر دیا ہے۔ اگر ۱۲۳۵ھ ہجری کی مصنفہ کتاب سلسلۂ عالیہ کے ص۶ کے اِس فقرے کو کہ "چنانچہ در دہلی قدامت اقامت ایں گروہ مشہور است" مؤلف صاحب نے نظر انداز کر دینا مناسب خیال کیا تھا۔ تب بھی اُن کا فرض تھا کہ وہ "فرشتہ" کی دکھلائی ہوئی اِس روشنی کی طرف قدم بڑھاتے اور "ملک چمن" کے بزرگوں کی تلاش کے لئے چند تاریخوں کی ورق گردانی کر لیتے" اگر وہ ایسا کرتے تو اِس خاندان کے اکثر بزرگوں کو "لودیوں کے زمانۂ سلطنت کی کتب تواریخ و سیر" کے ماسوائے "سیدوں تغلقوں خلجیوں" بلکہ ترکوں کی سلطنت میں بھی بالضرور پا لیتے۔ اور اُن کی حیثیت کو بھی معلوم کر لیتے"۔

غازی الملک "میاں چمن" کے آثار سے ایک محلہ "موسوم بہ چمن سرائے" اب تک سنبھل ضلع مراد آباد میں موجود ہے "پہلے یہ سارا علاقہ یا محلہ "میاں چمن" کے اہل خاندان کے قبضہ میں تھا" اور آج بھی اُن کے چند گھرانوں کی جو وہاں سکونت گزیں ہیں اُس کے ایک حصہ پر ملکیت قائم ہے"۔

تاریخ سنبھل موسومہ معرکۂ عظیم مطبوعہ اہل سنت برقی پریس مراد آباد کے ص۵ پر تحریر ہے کہ "سلطان سلطنت ابو الفتح مبارک شاہ" "میاں چمن کنبوہ" "حاکم شہر بدایوں" تھے۔ انہوں نے "کمال الملک" سے مل کر "حمید خاں" جیسے غیر وفادار کو شکست دے کر دہلی کو فتح کیا" اور "غازی الملک" کا خطاب پایا۔ "بہلول لودی" اور "سکندر لودی" کے اُمراء میں شریک تھے ۸۹۵ھ ہجری میں "سکندر لودی" کے مخاطب خاص ہوئے" اور "سکندر کے ساتھ" "چار برس" "سنبھل میں" "مقیم رہے۔ تو "شیخ چمن" نے اپنے نام پر "محلہ چمن سرائے" آباد کیا۔ ص۵۷ پر تحریر ہے کہ "حضرت سید سالار غازی مسعود" کا نیزہ کا تہوار منگل کو "موضع شہباز پور" کی اراضی میں ہوتا ہے۔ اور دوسرے دن بدھ کو باسی نیزہ حدود شہر میں "محلہ چمن سرائے" اور "بریلی سرائے" کے درمیان ہوتا ہے" بدھ کے دن والا میلہ اُجلا ہوتا ہے" ص۱۱۹ پر تحریر ہے کہ "منگل کے دن کا میلہ تازی لیکن بدھ کے دن کا باسی کہلاتا ہے" جو شہر کے مشرقی آبادی "محلہ چمن سرائے" میں "خوش پوشاک اہل شہر کا ہوتا ہے" (تاریخ سنبھل مرتبہ حکیم غلام احمد صاحب فریدی ۱۳۳۵ھ ہجری)

مولانا جمال الدین

(ب) اِس خاندان کے ایک دوسرے بزرگ "جمال الدین دہلوی" ابن حضرت حسام الدین ملتانی" "سلطان محمد تغلق" کے زمانے میں اپنے علم و فضل کے لئے مشہور تھے" اور فارسی شاعری میں اُن کو درجۂ امتیاز حاصل تھا" اِن دونوں بزرگوں کے تذکرے "کتب تواریخ و سیر" وغیرہ میں برابر ملتے ہیں" اور اس زمانہ میں بھی کبھی کبھی علمی تحقیقات کے ضمن میں اُن کے حالات منظر عام پر آتے رہتے ہیں۔ چنانچہ "ہندوستان کے فارسی ادب کے خصائص کے تذکرے میں" "مولوی ضیاء الدین احمد صاحب ایم۔ اے۔ ریسرچ اسکالر الہ آباد یونیورسٹی۔ حال ریڈر فارسی مسلم یونیورسٹی علیگڈھ نے "جمال الدین دہلوی" کے متعلق "رسالہ معارف اعظم گڈھ" میں لکھا ہے کہ "حضرت امیر خسرو دہلوی" کے بعد "جمال الدین دہلوی کنبوہ بن حسام الدین ملتانی" مداح سلطان محمد تغلق (تخت نشینی ۷۲۵ھ ہجری۔ وفات ۲۱ محرم ۷۵۲ھ ہجری مطابق ۲۰ مارچ ۱۳۵۱ء)" "بدر الدین بدر چاچی۔ (مشہور مشکل گو)" اور "مظہر گجراتی" اور چند اہل فضل جن میں بعض ہندی اور بعض عجمی تھے ہندوستان میں "فارسی شاعری" کے رکن رکین مانے جاتے تھے" (رسالہ معارف اعظم گڈھ ص۲۹۱و۲۹ مرتبہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی۔ بابت ماہ اکتوبر ۱۹۲۶ء)

"شاہانِ سلف کی ادب نوازی" کی سُرخی کے تحت عالمگیر کے سالانہ نمبر ۱۹۳۶ء کے صفحہ ۱۱ پر تحریر ہے کہ:۔

"سلطان محمدؒ تغلق کے دربار میں ایک دفعہ "مولانا جمال الدین" نے قصیدہ پڑھنا شروع کیا" ؎

آلٰہی تاجہاں باشد نگہدار ایں جہانبان را محمدؐ شاہ تغلق ابنِ تغلق ابنِ سلطان را

بادشاہ نے مطلع سُنکر ہی روک دیا اور کہا کہ میں پورے قصیدے کا اِنعام نہ دے سکوں گا۔ اور حکم دیا کہ شاعر کے سر تک اشرفیوں کا ڈھیر لگا دیا جائے۔ جب ڈھیر سر تک آیا تو مولانا جمال الدین کھڑے ہو گئے۔ "بادشاہ نے قدِ آدم ڈھیر لگوایا۔ اور سب اشرفیاں اِنعام میں بخش دیں"

اور حکایاتِ شاہانِ قلمی (موجود در کُتب خانہ مؤلف کتاب ہذا) مؤلفہ نواب احمدؐ اللہ خاں زبیری میرٹھی۔ ولادت ۱۸۲۷ء عیسوی وفات ۱۵ ارمضان سنہ ۱۳۰۹ ہجری کے صفحہ ۶۷ پر تحریر ہے کہ:۔

"سُلطان محمدؐ تغلق کے حالات میں "ہفت اقلیم میں لکھا ہے کہ "مولانا جلال الدین نے قصیدہ اُس کا کہا۔ مطلع اُس کا یہ ہے ؎

آلٰہی تاجہاں باشد نگہدار ایں جہانبان را محمدؐ شاہ تغلق ابنِ تغلق ابنِ سلطان را

جب یہ مطلع پڑھا باقی کو منع کیا۔ کہا کہ میں تمام اشعار کا صلہ ادا نہیں کر سکتا۔ پھر فرمایا کہ تھیلیاں روپئے کی گرد مولانا کے رکھیں۔ جب نزدیک سر کے پہنچیں۔ مولانا کھڑے ہو گئے۔ سُلطان بہت خوش ہوا۔ اور فرمایا سر تک تھیلیاں چُنو"

مولانا جلالؔ الدین کا یہ واقعہ (تاریخ سیر المتاخرین جلد اوّل کے صفحہ ۱۲۴) پر بھی سلطان محمدؐ تغلق کے حال میں تحریر ہے"

یہ نہیں آپ کا نام جمال الدین اور جلال الدین لکھا ہے سہو کتابت بیانات ہر دو بالا [illegible]

شیخ حسام الدین المعروف بہ حاجی جمال قدس سرہٗ

(ج) اِس دُودمانِ عالی شان کے تیسرے بزرگ "حضرت شیخ حسام الدین المعروف بہ حاجی جمال ملتانی" مرید "مخدوم شیخ بہاؤ الدین ذکریا ملتانی" کے اور خلیفہ شیخ صدر الدین عارف قدس سرہٗ العزیز" کے تھے۔ ایک سو اٹھارہ سال کی عمر میں "سُلطان غیاث الدین بلبن" کے اِنتقال سے ڈیڑھ برس بعد" آپ کا وصال ۶۸۷ھ ہجری میں بداؤں" میں ہوا۔ اور وہیں آپ کا مزار مبارک ہے" آپ سُلطان العارفین" اور آپ کے بھائی حضرت بدر الدین ملتانیؒ شاہ ولایت "بداؤں" کے اُستاد" اور "نواب شہباز خاں اکبری کے" جدِ ششم تھے"

اِس خاندان کی بحث میں صفحہ ۳۳ پر خود مؤلف موصوف نے بھی "مآثر الامراء" سے لیکر آپ کا ذکر بدیں الفاظ نقل کیا ہے کہ:۔

"شہباز خاں کنبوہ" نسبش بہ شش واسطہ" بہ حاجی جمال" میرسد"

لیکن ہمیں یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ "لودیوں کے زمانۂ سلطنت سے بہت پہلے کی کتابوں میں آپ کے حالات موجود ہیں۔ علاوہ ازیں "فوائد الفوائد" مرتبہ حضرت حسن سنجریؒ (المتوفی ۷۳۵ھ ہجری) دوست حضرت امیر خسروؒ (المتوفی ۷۲۵ھ ہجری) اور مرید و خلیفہ "حضرت نظام الدین اولیاءؒ" (المتوفی ۷۲۵ھ ہجری) میں سے "حاجی جمالؒ" کے متعلق ایک واقعہ لکھتے ہیں" اُس میں تحریر ہے کہ:۔

"روز دو شنبہ ۱۸ ار محرم ۷۱۹ھ ہجری کو سعادت دست بوسی حاصل ہوئی" اُس دن ہمارا لشکر "بداؤں" سے آیا ہوا تھا" بداؤں" اور اُس کے آس پاس کا ذکر ہو رہا تھا۔ بندہ نے عرض کیا کہ اِس لشکر کو وہاں تک دیکھا گیا۔ بزرگوں کی زیارت کا بہت شوق ہے۔ جیسا کہ والد بزرگوار" مولانا علاؤ الدین اُصولی" و مولانا سراج الدین ترمذی" و خواجہ شاہی

میرٹھی۔ متوفی ۱۸۷۸ء "شمس التواریخ" مؤلفہ حکیم نواب علی خاں صاحب امروہوی مطبوعہ ۱۸۹۵ء "المشاہیر" مؤلفہ حکیم فیض احمد صاحب مارہروی۔ مطبوعہ ۱۹۱۱ء جن میں زیادہ تر مشاہیر قوم کنبوہ کے حالات و سوانح حیات درج ہیں۔

زبیریت کی روایت کے سلسلہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ وہ نہایت مختصر اور غیر مربوط ہے "اس روایت کی توثیق میں کوئی تاریخی شہادت نہیں پیش کی گئی بعض دو بزرگوں کا سلسلۂ نسب "حضرت زبیر بن العوام رضؓ" تک درج کر دیا گیا ہے۔ یعنی ایک "مخدوم شیخ سماء الدین کنبوہ کا" بحوالہ کتاب مصباح العارفین" (جس کا وجود بہت کچھ مشتبہ ہے) "دوسرے" نواب شہباز خاں اکبری کا" (بلا حوالہ) بقیہ اشخاص کا سلسلۂ نسب "حضرت زبیرؓ تک" نہیں بیان کیا گیا ہے" اور بعض اس بنا پر کہ ان کی قرابتیں بھی انہیں بزرگوں سے چلی آتی ہیں "قیاساً انہیں بھی "زبیری" قرار دے دیا گیا ہے" (تاریخ امروہہ جلد ۲۔ صفحہ ۳۲۲ و ۳۲۳)

(۱) اس بیان کے فقرہ اوّل میں مؤلف صاحب نے "تکفیر ایک رسالے اور صرف دو کتابوں ہی کے بتانے پر اکتفا کر کے اور ان کو نسبی تحقیقات کے لئے مدارِ علیہ قرار دے کر اس خاندان کے دیگر بزرگوں کی قدیم تصنیفات کی طرف سے جو خاموشی اختیار کر لی ہے" اس سے دو نتیجے نکالے جا سکتے ہیں"

(الف) "یا تو وہ دوسری تصنیفات سے واقف نہیں ہیں"

(ب) "یا اس لئے کہ مؤلف موصوف کے خاندان کے نسبی اور دیگر حالات کم و بیش "تیرہ سو" برس سے پہلے کی کسی بھی کتاب میں درج نہیں ہیں۔ انہوں نے اس دودمان عالی شان کی نسبی تحقیقات کے لئے دوسری کتابوں سے کچھ معلومات حاصل کرنے بلکہ ان کے ناموں تک کو ظاہر کرنا مناسب خیال نہیں کیا"

ہمارے پچھلے نتیجہ کی تصدیق اس امر سے بخوبی ہو جاتی ہے کہ "مؤلف موصوف نے اپنی ظاہر کردہ کتابوں میں سے "المشاہیر" کے صفحہ ۳۵ پر "حکیم عنایت حسین صاحب (المتولد محرم ۱۱۹۱ ہجری۔ المتوفی جمادی الاوّل ۱۲۶۵ ہجری)" کے حالات میں ان کی تصنیف و تالیف کی سُرخی کے نیچے۔ یہ فقرہ لکھا ہوا دیکھنے کے بعد بھی کہ۔

"تیسری (سلسلۂ عالیہ) اس کتاب میں آں شیوخ قریشی کا بطور سلسلۂ نسب کے مذکور کیا گیا ہے جو ملقب (کنبوہ) شہرت پذیر۔ اور چار سو برس سے قصبہ مارہرہ میں سکونت گزیں ہیں"

اس کتاب کا نام ظاہر کرنا۔ اور اپنی ساری بحث میں کسی موقع پر بھی اس کے کسی بیان کو لکھنا مناسب اور ضروری نہیں سمجھا"

(۲) دوسرے فقرے کے بارے میں ان مؤلف امروہوی سے ہمیں یہ دریافت کرنا ہے کہ "اپنے بیان کردہ رسالے اور کتابوں میں جو انہیں کی تحریر کے مطابق "زیادہ تر مشاہیر قوم کنبوہ" کے حالات و سوانح حیات پر مشتمل ہیں "اگر زبیریت کے سلسلہ میں "کوئی رابطہ اور تعلق" "تاریخی شہادت" وہ نہیں پا سکے تھے "تو جب صاحب المشاہیر" نے اپنی تالیف سے تقریباً ایک صدی پہلے کی ایک ایسی کتاب سے جس میں اس خاندان کا نسب مذکور کیا گیا ہے "روشناس کرا کر گویا اپنے بیان کی سند یا شہادت بھی پیش کر دی ہے "تو انہوں نے "المشاہیر" کی پھیلائی ہوئی روشنی سے بچ کر اندھیرے میں رہنا کیوں پسند کیا"

(۳) تیسرے فقرے کے متعلق ہمیں یہاں صرف اسی قدر کہنا ہے کہ "ارباب نظر واقف ہیں بہت سی کتابوں کا اب دنیا میں وجود باقی نہیں رہا لیکن ان میں سے بعض کے کچھ مضامین اور بعض کے صرف نام دوسری کتابوں میں مل جاتے ہیں" بعض کتابیں ایسی کمیاب ہیں کہ ان [illegible] ایک ۔ ۔ ۔ [illegible] کتاب "مصباح العارفین" جو تقریباً پانچ سو برس کی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہم اوپر ظاہر کر چکے ہیں " اُن کا قاعدہ ہے کہ جن کتابوں کو وہ اپنے مقاصد کے منافی سمجھتے ہیں "۔ اُن کے بیانات دینے تو الگ رہے اُن کے ناموں تک کا ذکر نہیں کرتے "

" مصباح العاشقین " میں کیونکہ " مخدوم شیخ سعد الدین قدس سرہ العزیز " کا شجرہ نسب درج ہے " اور مؤلف صاحب کو " مخدوم صاحب " کے شجرے پر بحث کرکے اُسے غلط ثابت کرنا ضروری تھا " اس لئے انہیں مجبوراً اس کتاب کا نام ظاہر کرنا پڑا۔ یہ دوسری بات ہے کہ انہوں نے اُس کے وجود میں مشتبہ کی پھریری لگا دینی اپنے مقصد کے پیشِ نظر مناسب قرار دی ہے " ہمیں یہاں بس اتنا بتانا ہے کہ " مؤلف موصوف نے اس جگہ " مصباح العاشقین " کے وجود کو صرف " مشتبہ " ظاہر کرنے پر اکتفا کیا ہے " مگر سات آٹھ صفحات آگے بڑھ کر " اس کتاب کے وجود ہی سے قطعاً انکار کر دیا ہے اور اپنے بیان کے ثبوت میں دلیلیں بھی پیش کی ہیں " تو کیونکہ اُس موقع پر جہاں یہ بحث دوبارہ آئے گی " مؤلف صاحب کی تحقیقات کی حقیقت ہمیں پھر دکھانی ہے۔ اس لئے یہاں اِس بارے میں اسی قدر لکھنا کافی ہے "

(۴) نواب شہباز خاں اکبری کے " شجرہ نسب " کے بلا حوالہ " درج ہونے کا جو ذکر مؤلف صاحب نے کیا ہے اُس کے متعلق ہم انھیں بتاتے ہیں کہ " نواب شہباز خاں المتولد ۹۳۵ ہجری المتوفی ۱۰۰۸ ہجری " کا شجرہ نسب " رسالہ مبارک " " سلسلۂ عالیہ " اور " رسالہ شہباز خاں " اِن قدیم کتابوں میں درج ہے " سلسلۂ عالیہ مطبوعہ ہے۔ نایاب نہیں ہے " اور مؤلف صاحب کے وطن " امروہہ " ہی کے اکثر گھرانوں میں موجود ہے " رسالہ مبارک " بھی طبع ہو چکا ہے " المشاہیر " میں " سلسلۂ عالیہ " کا ذکر دو جگہ ہے۔ ایک تو مصنف صاحب کے حالات میں۔ دوسرے اُن کے بیالیس کتابوں کی فہرست میں جن سے صاحب المشاہیر نے حالات لئے ہیں۔ (رسالہ مبارک بھی اسی فہرست میں المشاہیر کی تحریر ہے " اگر مؤلف صاحب اِن کتابوں کو دیکھتے تو انہیں نواب شہباز خاں کے شجرہ نسب کا حوالہ ضرور مل جاتا "

" رسالہ شہباز خاں " قلمی ہے اُس کے مؤلف " نواب شہباز خاں " کے قریبی عزیز۔ اور اُن کے حقیقی بھائی " کے [illegible] المتوفی [illegible] از امرائے کبار شاہنشاہ اکبر " کے رشتہ دار ہونے کے علاوہ ملازم بھی تھے۔ یہ رسالہ " نواب مظفر حسین خاں " ابن نواب سبحان علی خاں " (اودھ کے بادشاہ کی) ابن حسین علی خاں ابن غلام حسین خاں " مدار المہام چیت سنگھ راجہ بنارس) ابن ہمت خاں " دیکھے از عمدہ امیران و الا شاہی " محمد شاہ بادشاہ دہلی " کے پاس تھا اُن کے پاس سے " ہادی علی صاحب نقوی " والد بزرگوار " کے پاس پہنچا ت اور اب ہمارے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے) یہاں اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ " نواب مظفر حسین خاں " اور " ہادی علی صاحب " دونوں اسی خاندان زیرِ بحث کے چشم و چراغ اور شیعہ مذہب کے پیرو تھے " اگر وہ چاہتے تو اِس " رسالہ " کو چھپا ڈالتے اور آسانی کے ساتھ آلِ کمون یعنی فاطمی سید " بن جاتے۔ مگر انہوں نے شیعہ ہونے اور شیعوں کے ترغیب دلانے پر بھی اپنے جد اعلیٰ " حضرت زبیر " سے . . . . . سلسلۂ نسب کو نہیں چھپایا "

" تاریخ امروہہ جلد اوّل کے صفحہ ۱۶۹ پر لکھا ہے کہ۔

" غیر بنی فاطمہ " خواہ بنی ہاشم ہوں۔ یا غیر بنی ہاشم " جب شیعی مذہب اختیار کر لیتے ہیں تو محض شیعیت کی بدولت " سیادت کا دروازہ اُن کے لئے کھل جاتا ہے "

لیکن اِس خاندان کے شیعہ بزرگوں نے کبھی اِس بات کو گوارا نہیں کیا۔ خان صاحب حکیم نواب علی خاں صاحب امروہوی " مؤلف شمس التواریخ " کا گھرانا کئی پشتوں سے شیعہ مذہب کا پیرو ہے " حکیم صاحب موصوف خود بھی راسخ الاعتقاد شیعہ اور اسی خاندان کے جو حضرت زبیر سے اپنے آپ کو منسوب کرتا ہے۔ ایک بزرگ ہیں۔ کئی برس قبل جب وہ عتبات عالیات کے سفر کا ارادہ کر رہے تھے " میرٹھ " میں اُن سے ملاقات ہوئی تھی دوران گفتگو میں فرمایا تھا کہ " شیعہ حضرات نے بارہا زور دیا کہ ہم اپنے آپ کو " سید " کہا کریں۔ لیکن ہم نے کسی طرح اُن کی بات کو پذیرا نہیں کیا " حالانکہ حضرت زبیر کی اولاد ہونے کے سبب سے سید کہلانا اُن کے لئے انوکھی بات نہ ہوتی "

متذکرہ بالا دونوں شجروں کی اہمیت اِس بات سے ظاہر ہے کہ " اِس خاندان کے شیعہ مذہب رکھنے والے بزرگوں میں سے کسی ایک بزرگ نے بھی انہیں قبول کرنے سے کبھی انکار نہیں کیا " اور سید بنانے والی ترغیبوں کو ہمیشہ رد کر دیا " اب رہی یہ بات کہ اِن دو خاندانی کتابوں سے پہلے

کی اور کسی کتاب میں "نواب شہباز خاں" کا شجرۂ نسب کیوں درج نہیں ہے۔ تو اس کے جواب میں تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے صفحہ ۱۵۱ پر مؤلف صاحب نے جو عبارت خود اپنے قلم سے تحریر کی ہے "اسی کے لکھ دینے پر ہم اکتفا کرتے ہیں" وہ لکھتے ہیں کہ۔

"شرفائے ہند" کے خاندانی حالات کا ماخذ اکثر و بیشتر یہی خاندانی روایات تھیں، جنہوں نے مختلف زمانوں میں تحریری شکل اختیار کی۔ اور یہ روایات اگر روایتاً صحیح اور درایتاً معقول تھیں۔ تو انہیں بعد میں تاریخی حیثیت حاصل ہو گئی "خاندان عباسیہ متوطنہ امروہہ" کے خاندانی حالات کا ماخذ بھی سادات و شرفا کے دوسرے خاندانوں کی طرح زیادہ تر یہی خاندانی روایات ہیں"

مؤلف امروہوی کی اس تحریر کے بعد تو "نواب شہباز خاں" کے شجرۂ نسب کی اہمیت کی کوئی حد اور اس کے قابل قبول ہونے میں شک کی ذرا بھی گنجائش باقی نہیں ہے "کیونکہ ان کا شجرہ قریباً چار سو برس کی تصنیف میں ہے" جبکہ اس کے مقابلہ میں "مؤلف صاحب کا شجرۂ نسب ابھی حال میں تصنیف ہوا ہے یعنی ان کے شجرے بلکہ کسی بزرگ تک کا کوئی تذکرہ ستر اسی برس پہلے کی کسی کتاب میں موجود نہیں ہے۔ اور یہ کتاب بھی انہیں کے ایک بزرگ کی لکھی ہوئی ہے۔

(۵) مؤلف صاحب کے آخری فقرے کے متعلق ہمیں کچھ زیادہ کہنا نہیں ہے "صرف ان کی جانی بوجھی بات کو کاغذ پر لکھ دینا ہے" اس خاندان کا قدیم الایام سے ہندوستان میں یہ دستور رہا ہے کہ اپنی بیٹی کسی دوسرے خاندان میں خواہ وہ شیخ یا سید ہی کیوں نہ ہو کبھی نہیں دی" اگر اس خاندان کے کسی شخص نے اپنی خاندانی بیوی کی زندگی میں بیوی کے بانجھ ہونے پر بھی دوسری شادی کرنی چاہی ہے تو خاندان میں سے کسی نے پہلی بیوی کی موجودگی میں اسے لڑکی نہیں دی" اگر کسی شخص نے دوسرے خاندان۔ برہمن۔ راجپوت۔ مغل۔ پٹھان۔ وغیرہ اور شیخ و سید کی لڑکی سے شادی کی بھی ہے۔ تو ان بیبیوں کو خاندانی بیبیوں کا درجہ نہیں دیا۔ اور ان سے جو اولاد پیدا ہوئی اسے قبول نہیں کیا۔ ان کی شادیاں ان کے ہی مماثل لوگوں میں ہوئی ہیں" پانچ سو برس سے زیادہ کا شجرہ اس خاندان میں ایسا موجود ہے جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ کس کی شادی کہاں ہوئی اور اس سے جو اولاد پیدا ہوئی۔ وہ کہاں بیاہی گئی" کم و بیش پچاس سال قبل ایک بزرگ نے اپنی ان لڑکیوں کی جو خاندانی بی بی کے بجائے ایک بیدائی کے بطن سے تھیں۔ ان لڑکیوں کے مماثل خاندان کے لڑکوں کے بجائے "صدیقی اور سید خاندانوں کے لوگوں سے شادیاں کیں" اس خاندان میں یہ پہلی مثال ہے کہ خواہ "غیر کفو کی بی بی سے ہی وہ بیٹیاں کیوں نہ تھیں باہر دی گئیں" اور یہ لڑکیاں مع اپنی اولاد کے ہمیشہ کے لئے اس خاندان عالی شان سے خارج ہو گئیں" اس لئے مؤلف صاحب کا یہ کہنا بھی برحقیقت ہرگز نہیں ہے کہ جن لوگوں کے شجرے "حضرت زبیرؓ" تک نہیں بیان کئے گئے۔ اس بنا پر کہ ان کی قرابتیں بھی متذکرہ بزرگوں سے چلی آتی ہیں۔ قیاساً انہیں بھی "زبیری" قرار دے دیا گیا ہے۔

مؤلف موصوف کو بخوبی سمجھ لینا چاہیئے کہ اس خاندان کے حالات میں قیاسات کی آڑ میں چھپ کر تیر چلانے سے وہ اپنے مقصد میں کسی طرح کامیاب نہیں ہو سکتے"

ہم انہیں بتلاتے ہیں کہ "کتابیں جو اس خاندان کے بزرگوں نے لکھی ہیں انہوں نے اپنا مقصد تمام افراد خاندان کے جن کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے اور جو مختلف شہروں میں مسکن گزیں رہ چکے ہیں۔ شجرے لکھنا قرار نہیں دیا تھا" ان میں سے بعض تو ایسی مختصر ہیں کہ اپنا شجرہ خود لکھنا رہا" انہوں نے اپنے باپ دادا تک کا نام نہیں لکھا" بعض نے اگر اپنا سلسلہ لکھا ہے اور اس میں دو تین پشت کی شاخیں بھی لکھ دی ہیں مگر دیگر کی پشتوں کی شاخوں کو جو چھوڑ دیا ہے۔ تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ "ان ترک شدہ شاخوں کی نسل ان کے خاندان سے کوئی تعلق نہیں رکھتی" مثلاً "مؤلف صاحب المشاہیر زبیری" کے سلسلہ کو ہم پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے صفحہ ۹ پر اپنا سلسلہ تحریر فرمایا ہے۔ اس میں صرف اپنے دادا کی "اپنے والد کی اور خود اپنی ساری اولاد کو بتلائی ہے۔ اور دوسرے بزرگوں کی ان اولادوں کو چھوڑ دیا ہے جن سے ان کا نسبی سلسلہ نہیں چلا ہے" تو کیا اس کے یہ معنی ہو سکتے ہیں کہ ان کے دوسرے اجداد کی جو اور اولادیں ہوئیں پھر ان سے جو شاخیں چلیں وہ

الہ بخش مذکور ایں طور مژدہ راحت بخش کہ از زبان الہام بیان عبدالستار استماع نمود۔ از انجا برخاستہ بیروں شد۔

دریں ضمن شیخ عبدالستار جھنجھانوی کہ ہمیشہ در خدمت وقت بیوقت حاضر بود۔ آں روز بر آستانہ درایستادہ از صفائے باطن کہ بسبب خدمت لایزال حاصل داشت۔ اکثر اوقات مشرف بہ خطرات حضرت شاہ العالمین مے بود۔ اللہ بخش را پیش خود طلب داشتہ ایں بیت خواند ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در مجلس رندان خبرے نیست کہ نیست

بعد ازاں اللہ بخش گفت کہ حضرت پیر دستگیر دیدند کہ ازیں عورت شمارا اولاد نخواہد شد خواستہ بودند کہ بہ تزویج دا ہلیہ دوم امر فرمایند۔ اما شما کہ گفتند در قبیلہ کنبوان زن غیر کفو را۔ و فرزندانِ او را عزت نمی باشد۔ بلکہ طعن و طشن فرزندان را یاد میکنند بنابراں حضرت شاہ العالمین صریح بشما نگفتند۔

اما تامل تفکر دراں باب کہ حضرت ایشاں فرمودند معلوم بندہ چنیں شد۔ کہ از حق تعالیٰ افتادہ حیات طبع زن شما خواستند یقین کہ بعد از انتقال او بزن ہم قوم را خواستگاری کردہ از اں پنج پسر و سہ دختر بوجود خواہند آمد۔

بعد ازاں مرور ایام ہمچناں بوقوع آمد۔ کہ منکوحہ اللہ بخش وفات یافت۔ عنقریب زنِ دیگر از قبیلہ کنبویان در نکاح آورد۔ از وے پنج پسر و سہ دختر متولد شدند۔

گویند کہ بعد از استماع آں سرگذشت کہ از شیخ عبدالستار بنسبت شیخ الہ بخش کنبو ظاہر شد حضرت شاہ العالمین از شیخ عبدالقدوس (شیخ عبدالستار) رنجیدہ فرمودند کہ جریان کارخانہ الٰہی برارباب حل و عقد ضروریست و کشف ہم چنیں اسرار بہ خلق باعث خسران است۔ بعد ازاں شیخ عبدالستار را بہ ادائے دوازدہ ہزار بار استغفار امر فرمودند۔ (ص ۲۹۷ تا ۲۹۹ بحر الابرار قلمی تصنیف جمال محمد شروع ۱۰۲۴ھ و ختم کتاب در ۱۰۳۶ھ)

الہ بخش مذکور یہ مژدہ راحت بخش جو زبان الہام سے بیان ہوا عبدالستار سے سنکر وہاں سے اٹھکر باہر آ گئے۔

اس بارے میں شیخ عبدالستار جھنجھانوی نے جو ہمیشہ خدمت میں وقت بیوقت حاضر رہتے تھے۔ اس روز آستانہ کے دروازے پر کھڑے ہوئے صفائے باطن سے جو بسبب خدمت لایزال کے انھیں حاصل تھا۔ وہ اکثر اوقات بہ خطرات حضرت شاہ العالمین مشرف ہوتے تھے۔ الہ بخش کو اپنے سامنے بلا کر یہ بیت پڑھی ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در مجلس رندان خبرے نیست کہ نیست

اس کے بعد الہ بخش سے کہا کہ حضرت پیر دستگیر نے دیکھا ہے کہ اس بیوی سے تم کو اولاد نہیں ہوگی۔ وہ چاہتے تھے کہ دوسری عورت سے نکاح کرنے کو تم سے فرمائیں لیکن تم نے کہا کہ قبیلہ کنبوان میں غیر کفو کی عورت اور اس کی اولاد کی عزت نہیں ہوتی۔ بلکہ طعن و طشن سے ایسی اولاد کو یاد کرتے ہیں۔ اسلئے حضرت شاہ العالمین نے صاف طور سے تم سے نہیں کہا۔

لیکن اس معاملہ میں تامل اور تفکر جو حضرت والا نے فرمایا اس سے مجھے معلوم ہوا کہ انھوں نے تمھاری بیوی کی زندگی کے ختم ہونے کو چاہا ہے۔ یقین ہے کہ اس کے انتقال کے بعد ہم قوم عورت سے تمھاری شادی ہوگی۔ اور اس سے پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوں گی۔

اس کے بعد کچھ عرصہ گذرنے پر ایسا ہی وقوع میں آیا کہ الہ بخش کی بیوی نے وفات پائی۔ اور ان کی شادی قبیلہ کنبویان میں دوسری عورت سے ہوئی اور اس سے ان کے پانچ لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

کہتے ہیں کہ اس سرگذشت کے سننے کے بعد کہ جو شیخ عبدالستار سے شیخ الہ بخش کی نسبت ظاہر ہوئی۔ حضرت شاہ العالمین نے شیخ عبدالقدوس (شیخ عبدالستار) سے رنجیدہ ہو کر فرمایا کہ جریان کارخانہ الٰہی ارباب حل و عقد پر ضرور ہے اور اس طرح کے بھیدوں کا خلق پر ظاہر کرنا تیرے لئے نقصان کا باعث ہے۔ پھر اس کے بعد شیخ عبدالستار کو بارہ ہزار بار ادائے استغفار کے واسطے حکم فرمایا۔ (ص ۲۹۷ تا ۲۹۹ بحر الابرار قلمی تصنیف جمال محمد شروع ۱۰۲۴ھ و ختم کتاب در ۱۰۳۶ھ)

نوٹ: شجرہ مشہورہ میاں احمد خاں کنبوہی اکبرشاہی کے ص۲۵ پر شیخ ابراہیم پسر رابع مخدوم شیخ نصیر الدین پسر سوم و خورد حضرت مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہ کی اولاد کا حال اس طرح لکھا ہے کہ شش فرزند ارجمند از ایشاں بوجود آمدند ہر یکے صلاح آثار و فضیلت شعار بودند بزرگش شیخ حبیب اللہ وغیرہ۔ دوم شیخ حسین سوم میاں خواجہ چہارم شیخ نصیر اللہ پنجم شیخ عبداللہ ششم شیخ زاہد از دو برادر نسلی نیست شیخ حسین و شیخ عبداللہ۔

باب چہارم

قبل ازیں کہ ہم "کنبوہ" قوم کی "تاریخ اور نسب پر" "تاریخی اور جغرافی اور اثری" شہادتوں سے روشنی ڈالیں یا تذکرۂ بالا بزرگوں کے سلسلۂ نسب پر" جو "المشاہیر" "شمس التواریخ" میں درج کیا گیا ہے "علم الانساب اور تاریخ" کی رو سے تنقید کریں" یہ دیکھنا مناسب سمجھتے ہیں کہ "صوبہ ممالک متحدہ کے کنبوہ حضرات" جن بزرگوں کی اولاد ہیں "اُن میں ایسی کتنی ہستیاں ہیں جنہیں کوئی تاریخی حیثیت حاصل ہے۔ اور اُن کے نسب کے متعلق کیا ثبوت ہم پہنچتا ہے" (تاریخ امروہہ۔ جلد ۴۔ صـ۲۲۳)

ہمیں مؤلف صاحب کے اس بیان پر کوئی اور تبصرہ کرنا منظور نہیں ہے "یہاں اس امر کو پیش نظر رکھنے کی طرف توجہ دلانی مقصود ہے کہ انہوں نے اپنے نسب کی تحقیقات میں جن شہادتوں کو پیش کیا ہے" انہیں خود اپنے قلم سے تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے صـ۱۲۹ پر اس طرح تحریر کیا ہے کہ "عہد بلبن" میں خلفائے عباسی کی اولاد سے بعض بزرگ وارد ہند ہوئے" مگر "فرشتہ" نے ان عباسی شہزادوں کے نام لکھے ہیں" اور کسی دوسرے مورخ نے اس کی تصریح کی ہے "تاہم خاندانی روایات میں علی التواتر مذکور ہے کہ ایک شہزادہ کا نام "محمد یوسف قتالی" کی اولاد میں "خاندان عباسیہ متوطنہ امروہہ ہے" اور صفحات صـ۱۸۰ و ۱۸۱ پر لکھا ہے کہ۔

"کیونکہ ہمارے ہندوستانی مورخین کی عادت ہے کہ "وہ صرف اُن ہی واقعات کو ضبط تحریر میں لاتے ہیں جو ملک کی سیاسی حالت۔ یا جنگ و جدال" اور بادشاہوں کے عزل و نصب وغیرہ سے متعلق ہوتے ہیں" کہیں کہیں "علماء اور مشائخ" کا تذکرہ بھی ملتا ہے" لیکن شرفا کے مشہور اور تاریخی خاندانوں اور اُن کے مورثوں کا تذکرہ شاذ و نادر کرتے ہیں" ان حالات کو عام اور معمولی سمجھکر نظر انداز کر دیتے ہیں" اس لئے مخدوم زادگان عباسی "اور اُن کے خاندانی حالات۔ ان کتب تواریخ سے معلوم نہیں ہوتے" خاندان عباسیہ متوطنہ امروہہ" کے خاندانی حالات کا ماخذ بھی "سادات و شرفا کے دیگر خاندانوں کی طرح" زیادہ تر یہی خاندانی روایات ہیں"

اس بیان کے علاوہ "کسی جگہ اوپر یہ ظاہر کیا جاچکا ہے کہ اُن کے کسی بزرگ کا شجرہ اور حال کسی بھی کتاب میں کم و بیش ستر اسی برس پہلے نہیں لکھا گیا۔ اور سارا دارو مدار صرف خاندانی روایات پر ہے)" مگر وہ اس خاندان کی لغوی تحقیقات پر برخلاف اپنی تحریر کے "تاریخی" "جغرافی" اور "اثری" شہادتوں سے روشنی ڈالنی "نیز علم الانساب اور تاریخ کی رو سے تنقید کرنا چاہتے ہیں" "ہم اُن کی مطلوبہ شہادتوں کے بہم پہنچانے سے قاصر نہیں ہیں"

باب پنجم

"مخدوم شیخ سماؤ الدین" "اُن کے فرزند" "شیخ عبد اللہ بیابانی" اور "مخدوم صاحب کے مرید و خلیفہ مولانا جمالی" ایسے بزرگ ہیں۔ جن کا تذکرہ "کتب تواریخ و سیر" میں ملتا ہے۔ نیز "نواب شہباز خاں" "شیخ گدائی" اور بعض دیگر اشخاص کا ذکر "عہد مغلیہ" کی "کتب تواریخ و سیر" میں پایا جاتا ہے" لیکن ان تمام اشخاص میں سے کسی ایک شخص کے متعلق بھی کہیں تحریر نہیں کہ وہ "زبیری النسل" یا "عربی النسل" تھے۔ کتب تواریخ و سیر میں ہر جگہ "کنبوہ" "طائفہ کنبوہ" یا "قوم کنبوہ" وغیرہ الفاظ سے ان کے نسب کا اظہار کیا گیا ہے" ذیل کے اقتباسات ملاحظہ ہوں"

(۱) "میاں جمن کنبوہ" "عماد الملک کنبوہ" (تاریخ فرشتہ در ذکر سلطان سکندر لودی)

(ب) "میاں جمال خاں مفتی دہلی" شاگرد پدر بزرگوار "شیخ نصیر الدین" و برادر "میاں لاڈن" از طائفہ کنبوہ است" (منتخب التواریخ۔ شیخ عبد القادر بدایونی۔ مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی۔ صفحہ۔)

(ج) "شہباز خاں کنبوہ" پشتش واسطہ بہ "حاجی جمال" میرسد کہ مرید "مخدوم بہاؤ الدین ذکریا" ملتانی بود۔ ہر شب جمعہ صد اشرفی "شیرینی نذر" حضرت غوث الثقلین قدس سرہ "بخش می کرد" "مردم کنبوہ" آن قدر داد کہ ہیچ کس ازین قوم "در ہند پریشان و بد حال نماند" (مآثر الامراء جلد سوم۔ مطبوعہ صفحہ۔)

(د) "شیخ جمالی دہلوی" اصلش از قوم کنبوہ" دست ارادت بجائی خود" "شیخ سماؤ الدین" آورده بود" این گروه دانش پژوه" کہ ابتداء بود از مولانا "میگیرند" و مولانا خود از ایشاں (یعنی قوم کنبوہ بود)

(تذکرہ ماضیہ از سید حسین تسمل قلمی)

(س) "شاہ شہباز" از قوم کنبوہ" باشندہ سنبھل" (کاشف الاستار مؤلفہ حضرت شاہ حمزہ مارہروی قلمی)

پنجاب اور ملتان میں "جہاں سے "صوبہ ممالک متحدہ کے تمام "کنبوہ خاندانوں" کا نکاس ہوا ہے" کنبوہ قوم کے افراد" قدیم الایام سے بکثرت آباد ہیں" لفظ کنبوہ" ان کا قومی لقب چلا آتا ہے" اس لئے ان خاندانوں کے بزرگوں کے ناموں کے ساتھ" لفظ کنبوہ کا" اور ان کی قومیت و نسب کے اظہار میں "طائفہ کنبوہ" اور قوم کنبوہ" کا عام طور سے استعمال کیا جاتا" کیا اس امر کی دلیل نہیں ہے۔ کہ اس زمانے میں ان خاندانوں کو بھی اسی مشہور و معروف قوم سے سمجھا جاتا ہے۔ جو اب تک "پنجاب" میں بہ تعداد کثیر آباد ہے"

(تاریخ امروہہ۔ جلد ۴۔ صفحہ ۳۳۳ و ۳۳۴)

مؤلف صاحب کے اس بیان میں کئی باتیں توجہ طلب ہیں۔ اول تو یہ کہ "انہوں نے جو صرف چار نام اس خاندان کے بزرگوں کے دیکھ لکھدیا ہے کہ" اور بعض دیگر اشخاص کا ذکر عہد مغلیہ کی کتب۔ تاریخ و سیر میں ملتا ہے" اس فقرے سے مغالطہ ہونے کا اندیشہ ہے" صحیح یہ ہے کہ "مغلیہ زمانے سے بہت پہلے کی کتب۔ تاریخ و تذکرہ سے لگاکر ہمارے زمانے کی کتابوں تک میں" اس خاندان کے بزرگوں کے تذکرے مسلسل درج ہوتے آ رہے ہیں"

دوسرے یہ کہ کسی قدیم مورخ نے یہ ہرگز نہیں لکھا کہ یہ خاندان "زبیری یا عربی النسل" نہیں ہے۔ بلکہ ان میں سے کسی نے اس خاندان کو "قریشی" کسی نے "زبیری النسل" اور کسی نے اسی خاندان کے کسی بزرگ کو "والا حسب" اور عالی نسب" لکھا ہے" مورخین کے بس کی بات بھی نہیں ہے اور نہ ان کے یہ کام کبھی پیش نظر رہا ہے کہ جس جس شخص کا حال ان کی کتابوں میں آتا جائے۔ وہ اس کے نسب کو بتانے کا بھی التزام رکھیں" کبھی کسی کتاب میں کسی شخص کے نام کے ساتھ یا ذکر میں اس کے نسب پر بھی روشنی پڑ گئی ہے" اس لئے ایک مؤلف کا فرض ہے کہ جہاں پر وہ روشنی مل سکتی ہے اسے تلاش کرے" اور اندھیرے میں رہ کر ہی اپنی تسکین کی کوشش نہ کرے"

"تیسرے یہ کہ مؤلف صاحب کا یہ فقرہ کہ "پنجاب اور ملتان" سے اس خاندان کا نکاس ہوا ہے" صحیح نہیں ہے۔ اس میں سے پنجاب کو خارج کر دینا چاہیئے" بالراست یہ خاندان "دہلی" اور اس کے اطراف میں "ملتان" کے سوا اور کہیں سے نہیں آیا"

چوتھی یہ کہ "اس خاندان کو پہلے "کنبو" یا "کنبوہ" نہیں کہا جاتا تھا مثل دیگر عربی خاندانوں "سیترواری" "بخاری" "ترمذی" وغیرہ وغیرہ کے۔ اس کے بزرگوں کے ناموں کے ساتھ ہی ان کا سکنی لقب کنبوی بولا اور لکھا گیا" اس زمانے سے آج تک ان متعدد تاریخوں اور تذکروں میں وہ لقب بلا کسی مسخ کے اپنی اصلی صورت میں تحریر ملتا ہے" کسی اگلی کتاب میں کہیں "کنبو" یا "کنبوہ" کاتب کی غلطی کی وجہ سے لکھا گیا ہے۔ تو پچھلے کچھ ناقلوں نے اس بات سے غرض نہیں رکھی ہے کہ وہ اس کی تصحیح فرما لیتے"

مثلاً "تاریخ فرشتہ" فارسی میں "مشہور و معروف بزرگ "حضرت شیخ احمد کھٹو" کو مؤلف یا کاتب" یا ناقل" کسی نے بھی غلطی

"شیخ احمد کنبو" لکھدیا ہے لیکن آج تک کسی کو توفیق نہیں ہوئی کہ اِس غلطی کو درست کر دیتا" عرصہ ہوا جب ایک ترجمہ "تاریخ فرشتہ" کا "نولکشور صاحب نے اُردو زبان میں کرا کر شائع کیا تھا" حال ہی میں "محکمۂ دار الترجمہ سرکار عالی حیدر آباد دکن نے اُس کا ترجمہ کرا کر اور چھپوا کر شائع کیا ہے" اِن دونوں ترجموں میں بھی "شیخ احمد کھٹو" کے بجائے "شیخ احمد کنبو" ہی لکھا ہوا ہے۔ جو "سلطان احمد شاہ گجراتی" و "سلطان محمود شاہ گجراتی" المشہور بہ "سلطان محمود بیگرہ" کے حالات میں دیکھا جا سکتا ہے"

پانچویں یہ کہ "جب بخوبی معلوم ہو گیا کہ خاندان زیر بحث کو "کنبوہ" یا "کنبو" پہلے نہیں کہا جاتا تھا اور یہ بعد کی بات ہے تو اُسے "پنجاب" کی کثیر التعداد "قوم کمبوہ" سے سمجھا جانے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ جن تاریخوں سے "کنبو" طائفہ کنبو" (خاندان کنبو) "قوم کنبو" کے لفظ لیکر "مؤلف صاحب نے پیش کئے ہیں۔ اُن سب میں۔ (۱) "منتخب التواریخ" قدیم ہے سنہ ۱۰۰۴ھ ہجری میں "اکبر بادشاہ" کے زمانہ میں اس کے مصنّف کی وفات ہوئی ہے۔ اور پیدائش ۹۴۷ھ کی ہے۔ (۲) "تاریخ فرشتہ" کا زمانہ "شاہنشاہ جہانگیر" کا ہے۔ اُس کی تالیف ۱۰۱۵ھ ہجری کی ہے"

(۳) "مآثر الامراء" ۱۱۷۴ھ ہجری میں نادر شاہ کے حملہ اور دہلی کے قتلِ عام سے قریباً بیس برس بعد "نظام الملک آصف جاہ" کے زمانے میں "دکن" میں لکھی گئی۔ (۴) "خزانۂ عامرہ" کے مصنّف کی وفات کا زمانہ ۱۲۰۰ھ ہجری ہے" (۵) اور "کاشف الاستار" کے مؤلف صاحب کی وفات ۱۲۹۵ھ میں ہوئی" ولادت کا زمانہ ۱۲۱۳ھ ہجری ہے" (۶) "تذکرۂ ماضیہ" حیدر حسن لسجلی" قریبی زمانہ کی کتاب ہے"

گویا "اوّل الذکر" دو کتابوں کے سوا باقی ماندہ دوسری کتابیں "دو اور ڈیڑھ سو برس سے زیادہ عرصہ کی تحریر شدہ نہیں ہیں" اور "شاہیہ سلطنت کی کمزوری کی وجہ سے جو طوائف الملوکی پھیل گئی تھی اُس زمانے کی ہیں"

مختصراً اتنا لکھنے کے بعد اب ہمیں یہ بتانا ہے کہ "مؤلف آخر ہوئے کیونکہ یہاں یہ بحث ختم نہیں کی ہے" پھر آگے چل کر اپنے اسی بیان کے ثبوت میں "مندرجہ بالا کتابوں کے حوالوں کے علاوہ مزید شہادتیں اور بھی پیش کی ہیں" اس لئے اُن کی تلاش کی پوری داد دینے کا یہ موقع نہیں ہے" جہاں وہ اپنا یہ بیان مکمل کریں گے" وہاں اِنشاء اللہ ہم اُن کے اخفا اور دھوکوں کی حقیقت تفصیل سے دکھائیں گے" اور انہیں کی پیش کردہ کتابوں سے بھی اُن کے اِخفاء کا پردہ چاک کر کے اصلیت کو ظاہر کریں گے"

باب ششم

سب سے اہم دلیل اِس امر کی کہ مخدوم "شیخ سماؤ الدین" "شیخ جمالی" "نواب شہباز خاں" وغیرہ کے خاندان بھی اِن ہی خاندانوں کی ایک شاخ ہیں۔ جو "پنجاب میں" بتعداد کثیر آباد ہیں۔ اور جو اپنا سلسلۂ نسب" اِسی قوم کے قدیم چھتری خاندان سے ملاتے ہیں" یہ ہے کہ "اگر یہ خاندان" جیسا کہ وہ اب بیان کرتے ہیں حقیقتاً عربی النسل" یا "زبیری" ہوتے تو اُس زمانہ میں جبکہ "کنبوہ" نام سے "ہندوستان میں ایک بڑی قوم آباد تھی۔ اور یہ لوگ محض کسی "نسبت مکانی کی وجہ سے "کنبوہ" یا "کنبو" مشہور ہو گئے تھے" یقیناً اِس التباس کو رفع کرنے کے لئے جو بوجہ وحدت لقب ان میں" اور "قدیم کنبوہ قوم میں" پیدا ہو گیا تھا "کتب تاریخ میں" جہاں ان بزرگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ وہاں ان کے نسب کو بصراحت ظاہر کیا گیا ہوتا" دوسرے "مورخ اور تذکرہ نویس" اگر اُن کے نسب کی وضاحت سے قاصر رہے تھے تو خود "قوم کنبوہ کے مورخین" اِس فرق و امتیاز کو" بیان کئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ خود "شیخ جمالی" نے

ف ۱۔ یعنی حضرت شیخ وجیہہ الدین احمد کھٹو" مرید خاص حضرت بابا اسحٰق مغربی کے اور اپنے زمانے کے قطب وقت تھے حضرت مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہٗ زبیری کنبوہ کی ابتدا ۸۰۰ھ ہجری ساٹھ سال کی عمر میں جب گجرات تشریف لائے تھے تو آپ بھی ساتھ تھے۔ اس وقت حضرت شیخ احمد قدس سرہٗ کی عمر ایک سو تین سال کی تھی" آپ نے کمالات و استعداد حضرت مخدوم صاحب قدس سرہٗ نور باطن سے دریافت کر کے اُن کو اپنا مصلّٰی خاص بطور تبرک دیا تھا جسے حضرت مخدوم صاحب قدس سرہٗ نے قبول فرمایا تھا" حضرت شیخ وجیہہ الدین احمد کا مقبرہ گجرات میں احمد آباد کے پاس قصبہ سرکھیج میں ہے "کھٹو کہلانے کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ کے پیر حضرت بابا اسحٰق مغربی گجرات کے موضع کھٹو میں رہتے تھے جہاں حضرت شیخ احمد کھٹو لڑکپن سے اُن کے پاس آ گئے

[illegible]

جو اس قوم کے متبحر عالم - اور صاحب تصنیف بزرگ ہیں - اپنی تصنیفات میں کہیں بھی "اپنے مرشد طریقت" "مخدوم شیخ سماؤالدین" کے حالات اور تذکرہ میں اپنے یا اُن کے "زبیری نسب ہونے پر" کوئی روشنی نہیں ڈالی" حالانکہ انہوں نے "مخدوم صاحب کے حالات نہایت شرح و بسط کے ساتھ تحریر کئے ہیں" "پس ایسی حالت میں اُن کا" اپنے مرشد برادر نسبی" کے اس شرف نسبی کی طرف جو انہیں "محمد زادہ نبوی" ہونے کے لحاظ سے حاصل تھا - اور جس میں خود "شیخ جمالی" بھی شریک تھے "اشارہ تک نہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے"

درآں حالیکہ وہ یہ بھی خوب جانتے تھے کہ "ایک ہندی نژاد قوم" "اُن کے خاندان کے ہم لقب" "قرب و جوار میں" اور بھی آباد ہے" اور اندیشہ ہے کہ آئندہ چل کر "راجہ مانلش آگئی" "ان دونوں کے درمیان "اشتباہ اور التباس" نہ پیدا ہو جائے" لیکن یہ واقعہ ہے کہ وہ اپنے نسب سے واقف تھے اور کسی طرح اپنے خاندان کو "عربی" "قریشی یا زبیری" نہیں سمجھتے تھے" (تاریخ امروہہ - جلد چہارم - صفحہ ۳۳۴ و ۳۳۵)

مؤلف صاحب کی یہ دلیل بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی - "ہم انہیں بتاتے ہیں کہ خاندان زیر بحث کے بزرگوں کی تصنیفات کی تعداد معقول ہے" اُن میں سے چند کے صرف نام معلوم ہیں - جو دوسری کتابوں میں ہیں - اور وہ ضائع ہو گئی ہیں - کیونکہ تلاش بسیار کے بعد بھی ہمیں ان کا کوئی سراغ نہیں مل سکا" مگر مختلف زمانوں کی جو کتابیں آج خاصی تعداد میں موجود ہیں "ان میں بعض نے اپنے نسب پر بھی روشنی ڈالی ہے" اگر مؤلف صاحب کو یہ روشنی نہیں آسکی ہے تو کوئی فکر کی بات نہیں ہے - ہم انہیں دکھلا دیں گے " "علاوہ ان بزرگوں کی تصنیفات کے یہ روشنی بعض دوسرے مورخوں اور تذکرہ نویسوں کے بیانات میں جہاں موجود ہے" ہم انہیں وہاں تک بھی پہنچا دیں گے"

جن اصحاب نظر نے "مخدوم شیخ جمالی قدس سرہ العزیز" کے حالات کا مطالعہ کیا ہے "وہ بخوبی جانتے ہیں کہ وہ کس حال میں تھے - دنیا اور اس کے معاملات سے کتنے نفور تھے - جاہ و حکومت اور شرف نسبی کی اعمال کے سامنے اُن کے نزدیک کیا حقیقت تھی" مؤلف صاحب نے جب خود "المشاہیر" کے صفحہ ۲۱۴ و ۲۱۵ پر اُن کے حال میں یہ پڑھا ہے کہ "شیخ "(جمالی)" دولت معنوی سے معمور" اور حکومت و جاہ دنیوی سے نفور ہو چکے تھے" عنقائے بلند پرواز - جیفۂ مردار (دنیا) کی طرف ملتفت نہ ہوتے" بعد ملاحظہ رقعہ (سلطان سکندر لودی) فرمایا کہ "فقر کو مجالست اغنیا کی پروا نہیں"

اور "سیر العارفین" میں دیکھا ہے کہ "شیخ جمالی" نے اپنے آپ کو سوائے "احقر الانام" "حقیر" "فقیر" اور "درویش" کے اور کسی بھی لفظ کے ساتھ نہیں لکھا" تو ایک ایسے بزرگ طریقت سے جس نے اپنے آپ کو بالکل خاکسار بنا لیا ہو - اور ماسوائے اللہ کے کسی سے واسطہ نہ رکھا ہو یہ توقع رکھنا کہ وہ اپنی کتاب میں اپنے شرف نسبی کو جس میں فخر و ناز کا پہلو نکلتا ہے "ظاہر کرے گا - ان مؤلف صاحب ہی کا کام ہے" آج دنیا کو "مخدوم شیخ جمالی" کے اپنا سفرنامہ نہ لکھنے پر کتنا رنج ہے - اور وہ کیسے پر درد الفاظ میں کہہ رہی ہے کہ "اے کاش وہ اپنا سفرنامہ لکھ دیتے" "اگر وہ لکھ جاتے تو بالیقین اُس کی قدر و قیمت "ابن بطوطہ" اور "مارکو پولو" کے سفرناموں سے بہت زیادہ ہوتی - اس لئے کہ اُن کی قوت ایمانی - تبحر علمی - جرأت - اور ذکاوت کے سامنے اُن دونوں سیاحوں کی حقیقت کچھ بھی نہ تھی" اس سے ایسے واقعات معلوم ہوتے جو پردۂ خفا میں رہ گئے ہیں اور جن کے معلوم کرنے کا اب کوئی ذریعہ نہیں ہے" مگر کیونکہ "مخدوم شیخ جمالی" دوسرے ہی عالم میں تھے - انہوں نے ابتدا اور انتہا کے مصر ہونے پر بھی - اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ اپنا سفرنامہ ہندوستان کا "خراسان و ایران" "عراقین و آرمینیہ" "شام و عرب و روم" اور "مصر و اقصائے مغرب" وغیرہ لکھ جانے پر ان کے نام کے ڈنکے تمام عالم میں رہتی دنیا تک بجتے رہیں گے "اس طرف مطلق توجہ نہیں کی" اور صرف "سیر العارفین" میں کچھ بزرگان طریقت کے حالات لکھ کر اُن کے حوالے کر دی" آپ کا یہ شعر مقبول جناب رسالت مآب صلعم ہے:

موسیٰ زہوش رفت بیک پرتو صفات ٭ تو عین ذات مے نگری در تبسمی

مندرجہ بالا حالات میں اگر مخدوم شیخ جمالی نے اپنے مرشد طریقت کے شرف نسبی کا اظہار اپنی کتاب میں پسند نہیں کیا تو اس کے یہ معنی کسی طرح نہیں نکالے جا سکتے کہ وہ "عربی" "قریشی" یا "زبیری" نہیں تھے" یا اپنے آپ کو "زبیری" نہیں سمجھتے تھے "یہ حقیقت ہے کہ اپنے زمانے میں بلا کسی شک اور شبہ کے بالاتفاق سب کے نزدیک

کی حقیقت تو آگے ظاہر ہو گی ہمیں یہاں صرف اسی قدر بتانا ہے کہ "جب مخدوم شیخ جمالیؒ" اور اُن کے مرشد طریقت کے نسب میں اُن کے زمانے میں کسی اشتباہ کا شائبہ تک نہ تھا اور کوئی التباس کسی قسم کا موجود نہ تھا تو خواہ مخواہ بھی ایک نامعدوم بات کی صفائی اپنی کتابوں میں وہ یا اُن کے کوئی عزیز کس طرح کر سکتے تھے۔ یہ عجیب بات ہے کہ "بیانات مؤلف صاحب کے من گھڑت شجرے کو آنکھیں بند کر کے تسلیم کر لے" اور یہ کتابوں کی اسناد پیش کر لے پر بھی دوسروں کے شجروں کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں"۔ اس کا نام ہٹ دھرمی نہیں ہے تو اور کیا ہے"۔ اس قدر ظاہر کر چکنے کے بعد اب ہمیں یہ بتانا ہے کہ قصہ کب اور کیوں شروع ہوا۔

"نواب شہباز خاں" کی دینداری سے جب "اکبر بادشاہ" کی اُمت پریشان ہو گئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ "مذہب الٰہی" کی تلقین کرنے پر "نواب شہباز خاں" نے "شاہنشاہ اکبر" سے تیز و تند کلام کئے۔ اور اکبر کے ایک مقرب فرشتے "بیربل" کو بادشاہ کے مزاج میں بُری طرح دہکایا تو بادشاہ کے سب سے زیادہ مقرب فرشتے "ابوالفضل" نے کوئی اور چارہ نہ دیکھ کر کیونکہ "نواب شہباز خاں" جو اپنے خاندان کے سکنی لقب کنبوہ سے مشہور تھے اور قوم کمبوہ کے کمبو نام اور نواب صاحب موصوف کے سکنی لقب میں التباس ڈالنے کی غرض سے ان کے نسب کی تحقیقات کا شاخسانہ کھڑا کیا"۔ لیکن اس میں اسے منہ کی کھانی پڑی"۔ یہ قصہ تو خیر بعد میں آئے گا۔ اس جگہ ہمیں صرف "مؤلف صاحب" کے اس بیان کا جواب دینا ہے کہ "دوسرے مورخ اور تذکرہ نویس اگر اُن کے نسب کی وضاحت سے قاصر ہے تو خود "قوم کنبوہ" کے مورخین" اس فرق و امتیاز کو بیان کئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے"۔ لیکن انہوں نے اس پر روشنی نہیں ڈالی"۔

اس بیان کے متعلق ہمیں یہاں کچھ زیادہ کہنا نہیں ہے۔ جس قدر ہم اوپر بتا آئے ہیں وہ بھی کافی ہے۔ لیکن مزید اطمینان کے لئے اور لکھتے ہیں کہ جب پہلے پہل اس التباس کا قصہ نکالا گیا تو فوراً اس خاندان کے ایک بزرگ نے "رسالہ شہباز خاں" لکھا۔ اور اس کے بعد دوسرے بزرگ "مخدوم شیخ جمالی" کے پوتے "میاں احمد خاں" اکبر شاہی مصنف اخبار معدن احمدی نے اس کو اپنی دوسری کتاب "شجرۂ سہروردہ" میں (جو کتب خانہ ریاست رامپور میں قلمی موجود ہے" اور جس کی نقل ہم نے جناب صدر المہام صاحب ریاست رامپور کو درخواست دے کر اور اُس کی نقل وغیرہ کا خرچ ادا کر کے باضابطہ حاصل کی ہے") اس طرح رفع کیا ہے کہ۔

چنوں بے شائبہ ریا و رسم سوائے اعتقاد و لوازم اتحاد خدمت جمیع کم گویان کہ بغلط عام "کنبوہ" شہرت یافتہ" بدین خاندان عالیشان استحکام پذیرا ست" و از عنایت کرم "درہمہ اوان" و آن بانواع رعایت و اصناف تربیت مخصوص و ممتاز بودہ اند علی الخصوص آباؤ اجداد بندہ"

(صـ۱۳)

اس میں کسی ریا کاری اور رسم کا شائبہ نہیں ہے کہ تمام کم گویان جو عوام میں غلطی سے کنبوہ کے نام سے شہرت پکڑ گئے ہیں" عقیدتمندی اور اتحاد رکھنے کی ضرورت اور لزوم خدمت کا جذبہ اس خاندان عالیشان سے استحکام پذیر ہے اور خدا کا انتہائی کرم ہے کہ یہ ہر زمانے میں اور آج بھی انواع رعایت اور ہر قسم کی تربیت سے مخصوص اور ممتاز رہے ہیں۔ خاصکر میرے آباؤ اجداد"

"مولوی امتیاز علی صاحب عرشی" ناظم کتب خانہ شاہی "ریاست رامپور" نے "اورینٹل کالج میگزین حصہ اوّل بابت ماہ نومبر ۱۹۳۲ء میں "ولیسین خاں صاحب نیازی" ایم۔ اے کے مضمون "شیخ گدائی پسر کلاں مخدوم شیخ جمالیؒ" کے جواب میں "استدراک" کی سرخی کے تحت جو تبصرہ تحریر فرمایا ہے اُس میں اس بات پر زور دیا ہے کہ۔

"اس خاندان کے حالات لکھنے والے کو "احمد خاں اکبر شاہی کی کتاب "شجرۂ سہروردہ" کا مطالعہ لازم ہے"

علاوہ بریں اور کتابیں ہیں جن میں اس التباس کو رفع کیا گیا ہے۔ جن میں "سلسلۂ عالیہ" بھی ہے جس سے ہم اوپر روشناس کرا چکے ہیں۔ اور جس کو مؤلف صاحب نے ضرور ملاحظہ فرمایا ہے۔ مگر اپنی بحث میں کہیں بھی اُس کا نام تک ظاہر نہیں کیا گیا"۔ اس [illegible] کے صـ[illegible] پر تحریر ہے کہ۔

"[illegible] [illegible] ارباب [illegible] و [illegible] و ارباب تحقیق و مقالات ارباب تحقیق و تدقیق [illegible] شیخ الہداد [illegible]"

جو کچھ اصحاب کتب (تصانیف) اور ارباب تحقیق و تدقیق کے اقوال سے ثابت ہوا ہے اور اہل دانش و حقیقت حضرات

"حقیقتاً آں قرار دادہ بریں گونہ است۔ کہ ایں گروہ "از قبیلۂ خاص" رؤسائے قریش است"

جس بات کو درست قرار دیا ہے وہ اس طرح ہے کہ یہ خاندان قبیلۂ خاص رؤسائے قریش سے ہے"

ہمارے مندرجۂ بالا بیانات سے کیونکہ "مؤلف صاحب کی اِس تحقیقات کی حقیقت بھی اچھی طرح ظاہر ہوگئی اور اُن کے بیان کا بطلان بخوبی ہوگیا ہے۔ اِس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ آگے وہ اور کیا فرماتے ہیں"

بابِ ہفتم

"اب رہی وہ روایت جو مؤلف "رسالہ مبارک" نے "نواب شہباز خاں" کے نسب کی تحقیقات کے لئے "شہنشاہ اکبر" کے حکم سے کمیشن مقرر کئے جانے کی تحریر کی ہے "قطعاً پایہ اعتبار سے ساقط ہے" اِس کے متعلق کوئی تاریخی شہادت موجود نہیں ہے" اُن کا یہ فرمانا کہ کمیشن کے سامنے "ہندو اُمراء" نے انہیں "ہندی الاصل" اور "ایرانی اُمراء نے "زبیری النسل" قرار دیا" اور اکبر نے اُن کے "زبیری" ہونے کو ترجیح دی۔ اور اِس واقعہ کو "اکبرنامہ" میں درج کئے جانے کا حکم دیا۔ ہرگز ثابت نہیں" (صفحہ ۳۳۵)

مؤلف صاحب نے جو "رسالہ مبارک" کے مندرجہ حالات کو اس بنا پر پایۂ اعتبار سے ساقط قرار دیا ہے کہ "اُس کے متعلق کوئی تاریخی شہادت موجود نہیں ہے" قطعاً غلط ہے "اگر مؤلف صاحب کی سستی یا تحقیق و تلاش میں جیسی چاہئے کوشش نہ کرنے کی وجہ سے اُن کو کوئی کتاب یا شہادت دستیاب نہیں ہوسکی" تو وہ اُس کے موجود نہ ہونے کی دلیل کسی طرح قرار نہیں دی جاسکتی "اور نہ اُس کا مطالعہ کئے بغیر" ایسا ناطق فیصلہ دیا جاسکتا ہے۔ جیساکہ اِن مؤلف صاحب نے بہاں بلا سوچے سمجھے (اپنے جوش) سے مغلوب ہوکر دیدیا ہے" ہم انہیں آگاہ کرتے ہیں کہ "صاحب رسالہ مبارک" کی تحریر کی شہادت موجود ہے۔ انہوں نے "رسالہ مبارک" میں "کمیشن" اور اس کے فیصلہ کا جو حال لکھا ہے۔ وہ "رسالہ شہباز خاں" سے لیا ہے" بلا کسی سند یا شہادت کے نہیں تحریر کیا ہے" کیونکہ ہم "باب سوم" کی بحث میں "رسالہ شہباز خاں" کی قدامت اور موجودگی کو دکھا چکے ہیں۔ اِس لئے دوبارہ یہاں اُنہیں باتوں کے لکھنے کو "غیر ضروری سمجھ کر" نظر انداز کرتے ہیں"

ابوالفضل کے خاندان اور اُس کے باپ بھائی کے حالات "معتقدات" تیرانی کے پیدا کردہ فتنے

آپ کا یہ اعتراض کہ اِس کمیشن کے مقرر ہونے اور اُس کے فیصلہ کا حال "ابوالفضل" کے "اکبر نامہ" میں کیوں درج نہیں ہے" تو اس کی وجہ معلوم کرنی کچھ مشکل نہیں ہے لیکن اِس کے لئے ذرا تفصیل سے ابوالفضل۔ اُس کے باپ اور بھائی کے حالات پر نظر ڈالنی ضروری ہے۔ تاریخوں کے مطالعہ کرنے والے سب حضرات بخوبی واقف ہیں۔ اور "منتخب التواریخ میں" مؤلف صاحب نے بھی ضرور دیکھا ہوگا کہ "ابوالفضل و فیضی" اور اُن کے باپ "مبارک" ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے "شہنشاہ اکبر" کو "دین الٰہی" "اکبر شاہی" قائم کرنے کی تحریک کی تھی "شیخ مبارک" تو جلد مرگیا مگر اُس کے بیٹے باقی رہے۔ جو "شاہنشاہ کی عدم واقفیت سے فائدہ اُٹھاکر "اُسے دین الٰہی" کی باتوں کے سبق پڑھایا کرتے" یا بقول مورخین یہ دو فرشتے تھے "جو شاہنشاہ کو" اِس نئے دین کی "وحی" پہنچایا کرتے تھے "ابوالفضل اور فیضی" "مجہول النسب تھے" انہوں نے اور ان کے آباؤ اجداد نے نہایت افلاس و فلاکت میں زندگی بسر کی تھی" "ان میں وہ جوہر تھے جو "عالی نسب" لوگوں میں فطرتاً موجود ہوتے ہیں" اِس لئے انہوں نے حقانیت اور راست روی کے بجائے "چاپلوسی و خوشامد" اور "دین فروشی کو اپنی ترقی کا زینہ قرار دیا تھا"

نوٹ: علامہ ابوالفضل ۱۰۱۱ ہجری میں قتل کیا گیا۔ اور شہنشاہ اکبر کا انتقال ۱۰۱۴ ہجری میں ہوا۔ اس لئے شہنشاہ اکبر کے پورے زمانے کے حالات نہ ابوالفضل لکھ سکا اور نہ کتاب "مکمل اکبرنامہ" ہی ہے۔ جس سے مؤلف صاحب واقف نظر نہیں آتے"

کرۃ بعد اخریٰ" و مرۃ بعد اولیٰ" بہ شیخ عبد النبی" (صدر یعنی شیخ الاسلام۔)
و مخدوم الملک" (کہ باعلم و دانش رسمی عمدۂ سلطنت بودند") مناظرہ را
"بمجادلہ" و مکابرہ" رسانیدہ" بہ پشت گرمی عرش آشیانی" بہ الزام ہائے
مسکت خفیف تر ساختہ" در عرصۂ اعتبار" بتقرب و مصاحبت روز افزوں
بادشاہِ وقت اختصاص گرفت)

اور صفحہ ۱۱۹ و ۱۲۰ پر ہے کہ "تکفیر شیخ" (ابو الفضل) زبان زد
خواص و عوام است" (۱) بعضے "برہمن کیش" بہمن "پیشارہ زنند"
(۲) و بعضے "آفتاب پرست" گویند" (۳) جو قتے "دہریہ" خوانند"
(۴) آنکہ غایت تفریط بکار بردہ بہ الحاد و زندقہ" نسبت دہند"
(۵) و دیگرے کہ انصاف می دہد" چوں مقلدانِ متصوفہ (کہ بدنام کنندۂ
نکونامے چند اند") بہ صلح کل" و "وسعت مشرب" و ادعائے "ہمہ اوست"
و خلع ربقۂ شریعت" و التزام طریقۂ اباحت" منسوب میکنند"

(۶) صاحب عالم آرائے عباسی" گوید کہ "شیخ ابو الفضل" نقطوی" بود۔ چنانچہ
منشورے کہ "بمیر سید احمد کاشی" کہ از ائمہ" ایں طائفہ" و صاحب رسائل"
در علم نقطہ است" و در سال ہزار و دو ۱۰۰۲ ہجری (کہ در ایران" ملحد کشی"
واقع شد) "شاہ عباس" در کاشان" میر را" خود بقتل آورد" انشا نمودہ"
فرستادہ بود" دلالت بریں معنی دارد"

وعلم نقطہ" الحاد" و زندقہ" و اباحت" و توسیع مشرب است۔ اور مثل حکمائے
بقدم عالم گروندہ" و انکار حشر" و قیامت" نمایند" و مکافات حسن" و قبح
اعمال" و جنت" و نار" در عاقبت" و ذلت دنیا" قرار دہند"
العیاذ باللہ"

عرش آشیانی" "تالیف ایں جماعت" راجپوت را از اعاظم امور ملکی
دانستہ بأقصی الغایت می کوشید حتی مراسم معمولہ ایں ہا را" مثل ذبح گاؤ"
و حلق لحیہ" و انداختن گوشوار ہائے مروارید" و "جشن دسہرہ" و "دیوالی"
وغیر ذلک مراعات می نمود"

شیخ ہر چند" بمزاج پادشاہ تصرف داشت" اما شاید" بہ حب جاہ"
سلوک سنت عنان گرفت" ایں ہمہ نسبت ہا بدو عاید گردید")

منتخب التواریخ جلد دوم مطبوعہ کلکتہ کے صفحہ ۲۰۹ پر ہے کہ۔
قاضی یعقوب را معزول کردہ" قاضی حسین را وکیل ساختند" او موافق مذہب
خویش" بجواز متعہ حکم کرد"

رہے۔ شیخ عبد النبی (شیخ الاسلام یا صدر) اور مخدوم الملک سے جو باعلم و
دانش اور سلطنت کے لائق لوگوں میں تھے" انہوں نے مناظرہ کو مجادلہ
اور مکابرہ تک پہنچا دیا" اور شہنشاہ اکبر کی پشت گرمی سے الزام ہائے
مسکت سے انہیں خفیف بنایا" اور قرب و مصاحبت روز افزوں سے
بادشاہِ وقت کے خاص لوگوں میں ہو گئے"

"کفر شیخ (ابو الفضل) کا زبان زد خواص و عوام ہے" (۱) کوئی تو انہیں
برہمنی مذہب کا جانتا ہے" (۲) اور بعضے آفتاب پرست کہتے ہیں"
(۳) ایک گروہ اُن کو دہریہ کہتا ہے" (۴) وہ جو بہت تفریط سے کام لیتے
ہیں انہیں الحاد و زندقہ سے نسبت دیتے ہیں" (۵) اور دوسرے جو
انصاف کے دعویدار ہیں" جیسے مقلدانِ تصوف" (جو بدنام کنندہ نکونامے
چند ہیں) وہ اُسے "صلح کل" اور وسعت مشرب" اور ادعائے ہمہ اوست۔
اور خلع ربقۂ شریعت اور التزام طریقۂ اباحت سے منسوب کرتے ہیں"

(۶) صاحب عالم آرائے عباسی کہتا ہے کہ "شیخ ابو الفضل نقطوی تھا" چنانچہ
اُس نے خط جو میر سید احمد کاشی کو (جو اس گروہ کے اکابر سے اور مصنف رسائل
در علم نقطہ ہے اور ۱۰۰۲ ہجری میں (جب ایران میں ملحدوں کے قتل کا واقعہ
ہوا تھا) شاہ عباس نے کاشان میں میر کو خود قتل کیا تھا") لکھ کر بھیجا تھا"
اُس کے نقطوی ہونے پر دلالت رکھتا ہے"

اور علم نقطہ" الحاد و زندقہ و اباحت اور توسیع مشرب ہے۔ اور مثل حکمائے
دنیا کے قدیم ہونے کے قائل ہیں۔ اور انکار حشر اور قیامت کا کرتے ہیں" اور
مکافات حسن اور قبح اعمال اور جنت و دوزخ کو عاقبت میں ذلت دنیا کی
قرار دیتے ہیں" العیاذ باللہ"

شہنشاہ اکبر "تالیف اِس جماعت راجپوت کی عظیم ترین امور ملکی سے
جانکر اُس میں بہت زیادہ کوشش کرتے یہاں تک کہ اُن کے اِن سب
مراسم "مثل ذبح گائے" اور داڑھی منڈانے اور گوشوارہائے مروارید ڈالنے
اور جشن دسہرہ و دیوالی وغیرہ وغیرہ کی مراعات رکھتے تھے"

شیخ (ابو الفضل) ہر چند کہ بادشاہ کے مزاج میں دخل رکھتے تھے لیکن شاید
حب جاہ کی وجہ سے وہ درست راستہ نہیں اختیار کر سکے۔ جس کی وجہ سے یہ تمام
نسبتیں اُن پر عاید ہوئیں"

منتخب التواریخ جلد دوم مطبوعہ کلکتہ کے صفحہ ۲۰۹ پر ہے کہ "بادشاہ نے قاضی یعقوب
کو معزول کر کے قاضی حسین کو وکیل بنایا" اُس نے اپنے مذہب کے موافق
متعہ کے جائز ہونے کا حکم دیا"

"۔۔۔ملوک عجم" که آتشکدهٔ ایشان همه برپا بود" دایم الاوقات" چه در شب چه در روز" در محل نگاه میداشته باشند۔ که آیتی است از آیات خدا" و نوری است از انوار خدا"

و" سوم" که عبادت است از آتش پرستی" بموافقت" دختران راجه هائے هند" خود از عنفوان شباب" در این حرم معمول بود" و در ایام نوروز" در سال بیست و پنجم از جلوس" سجدهٔ آفتاب" و هم سجدهٔ آتش" علانیه میکردند" و مقربان نیز در وقت افروختن شمع و چراغ قیام لازم ساختند"

اور صفحہ ۲۶۹ پر ہے کہ" علمائے سوء" بیدین" در تصنیفات از خطبه" تبرا" می آوردند" و اکتفا بتوجیه کرده" القاب بادشاهی می نوشتند" و مجال نداشتند که نام" حضرت رسالت صلعم" علی رغم المکذبین" ببرند"

و باوجود این مردم اراذل و سفله" از خواص و عوام" قلادهٔ ارادت" برگردن انداخته خود را" مرید" نامیدند" و از امید و ترس" مرید شدند" و کلمهٔ الحق بر زبان جاری شدن" ممکن نه بود"

اور صفحہ ۲۷۲ پر ہے کہ" مسودهٔ آن محضر برای اجتهاد شاهنشاه اکبر" بخط" شیخ مبارک" (پدر ابوالفضل) بود" و دیگران بکره نوشتند" و شیخ مبارک" بطوع و رغبت آن نوشت که "این امریست که من بجان و دل خواهان" و از سالها باز منتظر آن بودم" و بعد از آن که فتوی بدست آمد" راه اجتهاد مفتوح گشت" و اعقلیت امام محقق شد" و معارضه نماند" و تحلیل و تحریم موقوف گشت" و عقلیت بر حکم شرع" و شرع اسلام را" تقلید" نامیدند"

و حال" شیخ ابوالفضل" بعینه چون حال" حیرتی شاعر سمرقندی بود" که از بس ایذا که از ماوراء النهریان" بار" گرم مزاج کشیده" بدانجم ایشان" بکسفه مومنان عراق یار شده راه اجتناب ... اخترت النار علی العار" در باب آن دست بسته شده"

اور صفحہ ۲۷۳ پر ہے کہ" و بعد از روان شدن" مخدوم الملک" و شیخ عبدالنبی" به مکه معظمه" خلق را بخلق قرآن" و توغل در استحاله وحی" و تشکیک در نبوت" و امامان" امتحان کردند" و جن و ملک" و سایر مغیبات" و معجزات" و کرامات" انکار صریح" آوردند" و تواتر قرآن" و ثبوت کلامیت آن" و بقای روح بعد انحلال بدن" و ثواب و عقاب را بغیر از تناسخ" محال شمردند" قرار دادند که کلمه" لا اله الا الله" اکبر خلیفة الله" علانیه تکلیف نمایند"

کو ابوالفضل کے اہتمام سے عجم کے بادشاہوں کے طریقہ پر جس طرح کہ اُن کے آتشکدے جاری تھے" ہر وقت رات اور دن میں محل میں روشن رکھا جائے کیونکہ آیت ہے۔ خدا کی آیتوں سے" اور" نور ہے خدا کے انوار سے"

اور" سوم" جس سے آتش پرستی مراد ہے" ہندو راجاؤں کی لڑکیوں کی موافقت سے اپنی جوانی کے زمانے سے اندرون محل بادشاہ کا اُسکے کرنے کا معمول تھا" پچیسویں سال جلوس سے نوروز کے دنوں میں" آفتاب" اور آگ" دونوں کو علانیہ سجدہ کرتے ہیں" اور مقربوں کیلئے شمع اور چراغ جلاتے وقت کھڑا ہو جانا لازم کر دیا گیا"

اور صفحہ ۲۶۹ پر ہے کہ" علمائے سو بیدین تصنیفات میں خطبہ سے تبرا لاتے ہیں اور توجیہ پر اکتفا کر کے القاب بادشاہی لکھتے ہیں۔ اور اُن کی مجال نہیں ہے کہ جھوٹوں کے مقابلہ میں حضرت رسالت مآب صلعم کا نام لیویں"

اور باوجود ان رذیل و کمینہ لوگوں کے خواص عوام قلادہ ارادت گلے میں ڈال کر اپنے آپ کو مرید کہتے ہیں اور خوف سے مرید ہو گئے ہیں" اور کلمہ حق اُن کی زبان پر جاری ہونا ممکن نہ تھا"

اور صفحہ ۲۷۲ پر ہے کہ" اُس محضر کا مسودہ جو برائے اجتہاد شہنشاہ اکبر شیخ مبارک پدر ابوالفضل نے اپنے قلم سے لکھا تھا اور دوسروں نے کراہیت سے لکھا" اور شیخ مبارک نے اس طرح خوشی سے اس میں لکھا کہ "یہ وہ کام ہے کہ جس کا میں دل و جان سے خواہاں و رسالہا سال سے منتظر رہا ہوں" اور فتویٰ ہاتھ میں آنے کے بعد اجتہاد کا راستہ کھل گیا اور امام کا زیادہ عقلمند ہونا ثابت ہو گیا اور کوئی ڈر نہ رہا" اور حلال و حرام کا رواج اور تحلیل و تحریم موقوف ہو گئی" عقلیت میں شرع اسلام کو تقلید کا نام دیا گیا"

اور شیخ ابوالفضل کا حال بالکل حیرتی شاعر سمرقندی کے مثل تھا" کہ چونکہ اُس نے ماوراء النہریوں گرم مزاج سے تکلیف اٹھائی تھی" اس لئے اُس نے بہرا مومنوں عراق کا یار ہو کر یہ راہ روی اختیار کر لی اور مثال اخترت النار علی العار" دین و فرض کو پسند کیا اور عار کو لینے کے عوض میں) آتش کے باب میں دست بستہ ہو گئی"

اور صفحہ ۲۷۳ پر ہے کہ" مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی کے مکہ معظمہ روانہ ہو جانے کے بعد خلقت کو خلق قرآن سے اور وحی کے آسکنے سے انکار ثابت کرنے اور نبوت میں شک لانے میں اور اماموں میں امتحان کیا۔ اور جن وملک اور تمام نظر نہ آنے والی چیزوں اور معجزات و کرامات سے صاف انکار کر دیا" اور تواتر قرآن اور اُس کے خدا کے کلام ہونے کے ثبوت و بقائے روح بعد انحلال بدن۔ اور ثواب و عذاب بغیر تناسخ کے مشکل قرار دیتے تھے۔ یہ قرار دیا کہ کلمہ" لا الہ الا اللہ" اکبر خلیفۃ اللہ" علانیہ پڑھا کریں۔

یہ ہے کہ۔

"جہاں پناہ" اپنی روشن ضمیری سے "روشنی کو بہت عزیز رکھتے ہیں" اس کی تعظیم و تکریم کو "خدا پرستی" اور "ستائش الٰہی" خیال فرماتے ہیں "نادان کور باطن" اس کو "خدا فراموشی" اور "آتش پرستی" کہتے ہیں۔ لیکن حقیقت شناس حضرات "اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ "جب" قدسی ذات اشیاء کی "ظاہری صورت کی تعظیم و تعریف کرنا "خود قابل ستائش و تعریف ہے۔ اور "ایسا کرنا" خدا کا ادراک سرنوشت ہے" تو ایک ایسے عالی قدر جوہر کی تعظیم کرنا "جو انسانی ہستی کا سرمایہ" اور اس کی بقا کا سبب ہے "کیونکر ناپسندیدہ خیال کیا جا سکتا ہے" اس کے بابت کوئی کم مایہ "تک" کسی شخص کے ذہن میں بھی نہیں گذر سکتا "

جب آفتاب "برج شرف" میں داخل ہوتا ہے۔ اور تمام عالم اس کے نور سے منور ہوتا ہے تو دوپہر کے وقت۔ ایک سفید اور روشن پتھر کا "جسے ہندی میں "سوریہ کرانت" کہتے ہیں" ایک ٹکڑا آفتاب کے سامنے رکھتے ہیں" اور تھوڑی "روئی اس کے قریب لے جاتے ہیں" آفتاب کی حرارت "پتھر میں سرایت کرتی ہے۔ اور پتھر سے روئی میں آگ لگ جاتی ہے"

"یہ آسمانی روشنی" خاص ملازمین کے سپرد کردی جاتی ہے "چراغچی" اور "مشعل چی" "باورچی" ہر ایک اس آتش سے" اپنے اپنے کام انجام دیتے ہیں۔ جس ظرف میں یہ آگ رکھی جاتی ہے۔ اس کو "اگن گیر" (آتش دان) کہتے ہیں" جب سال ختم ہو جاتا ہے تو اسی طرح تازہ آگ بنائی جاتی ہے"
اسی طرح کا ایک دوسری قسم کا "سفید روشن پتھر ہوتا ہے" جس کو "چندر کرانت" کہتے ہیں" یہ پتھر جب ماہتاب کے مقابلے میں لے جاتے ہیں۔ تو اس سے پانی کے قطرے ٹپکتے ہیں"

ہر روز جب ایک گھڑی دن رہ جاتا ہے تو "جہاں پناہ" اگر سوار ہوتے ہیں تو نیچے اتر آتے ہیں۔ اور اگر آرام فرماتے ہیں تو بیدار ہو جاتے ہیں۔ اور شاہانہ شان و شوکت سے جدا ہو کر "ظاہر کو بھی باطن کے رنگ میں رنگ لیتے ہیں" (یعنی آفتاب کی پوجا کر لیتے ہیں")

آفتاب کے غروب ہونے کے بعد "خدمت گذار۔ بارہ کافوری شمعیں "حضوری میں لاتے ہیں" اور ان میں سے ایک شیریں زبان خوش گلو خادم "شمع کو ہاتھ میں لئے ہوئے" مختلف دلکش نغموں میں خدا کی حمد کے اشعار گاتا ہے" اور آخر میں "خود جہاں پناہ کے ازدیاد عمر و دولت کی دعا کرتا ہے" دعائے دولت کی انتہا اس جملہ پر ہوتی ہے کہ "بادشاہ دین پناہ کے نیاز کا پایہ اور بلند" اور اسے "تازہ نور معرفت نصیب ہو"

اور صفحہ ۲۹ پر ہے کہ۔

"عوام تو ایک قسم کے بار احسان سے گراں بار ہیں لیکن سلاطین کو "اس سرگروہ اجرام سماوی" کی ذات سے خاص تعلق ہے" اور فرمانروایان گیتی "اس حکمران سماوی" کے تربیت یافتہ" اور زیر اثر ہیں" یہی وجہ ہے کہ "قبلۂ عالم" آتش کی تعظیم" اور "چراغ کی نگہداشت" "میں خاص اہتمام فرماتے ہیں" اور "آتش ہو یا چراغ" تمام روشن چیزوں کو "آفتاب عالم تاب" کے حسن کا پرتو خیال فرماتے ہیں" کم عقل ظاہر پرست" جو تقلید کا دلدادہ ہے" حضرت کے اس فعل کو "آتش پرستی" اور "آفتاب معبودی" کہہ کر طعنہ زنی کرتا ہے" لیکن ہم ایسے اشخاص کی نادانی پر "خندہ زنی کرتے" اور خاموش رہتے ہیں"

اور صفحہ ۹۵ پر ہے کہ۔

"بادشاہ سفر و حضر" میں ہر وقت "گنگا کا پانی" نوش فرماتے ہیں" معتمد ملازمین کا ایک گروہ "دریا کے کنارے متعین ہے۔ جو "سربمہر کوزوں میں" پانی بھر کر لاتا ہے "جب جہاں پناہ "آگرہ" اور "فتحپور" میں قیام فرماتے ہیں۔ تو "قصبہ سوروں" سے پانی لایا جاتا ہے اس زمانے میں جبکہ شاہی خیمے "لاہور میں نصب ہے" ہر دوار کے عمدہ پانی سے "آبدارخانہ سیراب ہے" باورچی خانہ میں "جمنا اور چناب کا پانی" یا آب باراں" صرف ہوتا ہے" لیکن اس میں تھوڑا پانی "گنگا" کا ملایا جاتا ہے"

اور صفحہ ۲۰۳ پر ہے کہ۔

"خاص مریدان عقیدت مندان "آداب کے علاوہ "سجدۂ تعظیمی" کرتے ہیں" اور اس کو حقیقتاً "سجدہ ایزدی" خیال کرتے ہیں"

حضرت کی ذات اقدس قدرت پروردگار کا ایک نمونہ اور آفتاب وجود کائنات ایک خاص پرتو ہے جہاں پناہ کے حضور میں سجدۂ تعظیمی بجا لانا ایک ایسی مقبول عبادت ہے کہ اس کی خوبی اور اس کے صلے کی حقیقت کو سمجھ کر رعایا و مخلوق کے گروہ کے گروہ سعادت حاصل کرتے اور دینی و دنیاوی برکات سے مالا مال ہوتے ہیں۔

چونکہ کج رائے اور تیرہ دل افراد اس رسم کو انسان پرستی خیال کرتے ہیں قبلۂ عالم اپنی مرتبہ شناسی سے ان اشخاص سے بازپرس نہیں فرماتے اور دربار عام میں خدمت گذاران خاص کو بھی اس تعظیم کے بجا لانے سے منع فرماتے ہیں۔

مگر انجمن خاص میں چونکہ صرف خوش نصیب و روشن ستارہ بندگان درگاہ سعادت قدم بوسی سے فیضیاب ہوتے ہیں یہ عقیدتمند گروہ اپنی پیشانی نیاز کو سجدۂ تعظیم کے انوار سے روشن و درخشاں کر کے سعادت اندوز ہوتا ہے۔

نواب شہباز خاں - اور دینِ الٰہی اکبرشاہی

ابوالفضل مصنف اکبرنامہ کے معتقدات اور دین الٰہی اکبرشاہی کے رواج نیز اس کے مزخرفات کا شمہ حال معلوم ہو چکا اب اس کے بالمقابل **نواب شہباز خاں** زبیری کمبوی کی مذہب اسلام سے وابستگی وغیرہ کا تھوڑا سا ذکر کرنا ضروری ہے تاکہ یہ بات بخوبی جان لی جائے کہ ان دونوں کے درمیان کونسی چیز مابہ النزاع تھی جس کی وجہ سے ابوالفضل کے دل میں نواب شہباز خاں کی طرف سے آگ کی بھٹی سلگ رہی تھی۔ المشاہیر کے صفحہ ۹ پر ہے کہ۔

نواب شہباز خاں کھلے ہوئے ولی تھے اکبر کے دربار میں نت نئے خانہ برانداز شریعت احکام جاری ہوتے امراء کو چار و ناچار پابندی کرنی پڑتی داڑھی منڈانا کان چھدانا شراب پینا مہر میں لفظ مرید کندہ کرانا اور بہت سی مزخرفات گویا آئین دربار میں داخل ہو گئے تھے اس بہادر خدا پرست نے باایں ہمہ قربت شاہنشاہی ان میں سے ایک کا بھی اتباع نہ کیا اور مراسم نامشروعہ کے اجراء کی تعمیل میں کبھی بادشاہی احکام اور ناخوشی کی پرواہ نہیں کی جسم و جوارح کو خدمات شاہی کے لئے وقف کر دیا تھا پر دل کی لَو حاکم حقیقی کے ساتھ لگی ہوئی تھی تہجد اشراق یہاں تک کہ سنت عصر بھی کبھی قضا نہیں کی ہر وقت باوضو ہمیشہ تسبیح بدست و ورد برزبان اور مابین عصر و مغرب حرف دنیوی سے ساکت رہتے تھے۔ اور مآثرالامراء جلد اوّل صفحہ ۵۹۸ و ۵۹۹ پر تحریر ہے کہ۔

صلاح و تقوی او مشہور است و پاس شریعت غرا بسیار ملحوظ میداشت رسم و رواج وقت قصر کیہ کردہ و خرنہ پیمودہ و در نگین لفظ مرید نکندہ تہجد و اشراق تا سنت عصر قضا نشدہ و بے وضو نبودہ ہمیشہ تسبیح در دست و ورد میخواند چوں مابین عصر و مغرب حرف دنیوی نمی گفت۔

اور صفحہ ۵۹۹ و ۶۰۰ پر ہے کہ روزے آخر وقت عرش آشیانی بکنار تالاب فتحپور کسب ہوا میکردند و دست شہباز خاں گرفتہ مشغول حرف زدن بودند او ہر ساعتے نگاہ بہ آفتاب میکرد۔

حکیم ابوالفتح با حکیم علی گفت کہ بتفاوت استادہ بودند گفت اگر امروز نماز عصر ایں مرد قضا نہ شود میدانیم کہ واقعی دیندار است چوں وقت نماز تنگ شد ناچار عرض کرد پادشاہ فرمود قضا خواہی کرد مارا تنہا میگذاری شہباز خاں بے اختیار دست خود را

صلاح و تقوی اُن کا مشہور رہے اور پاس شریعت غرا کا ملحوظ رکھتے تھے رسم و رواج وقت کی پرواہ نہ کر کے انہوں نے داڑھی نہیں منڈائی شراب نہیں پی اور انگوٹھی میں لفظ مرید نہیں کندہ کرایا تہجد و اشراق اور سنتیں عصر تک قضا نہیں کیں بے وضو کبھی نہیں رہتے تھے۔ اور ہمیشہ تسبیح بدست و ورد پڑھتے رہتے تھے عصر اور مغرب کے درمیان دنیاوی باتیں نہیں کرتے تھے۔

اور صفحہ ۵۹۹ و ۶۰۰ پر ہے کہ ایک دن شام کے وقت شہنشاہ اکبر فتحپور کے تالاب کے کنارے نواب شہباز خاں کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے ٹہل رہے تھے۔ اور اُن سے باتیں کرتے جاتے تھے شہباز خاں ہر لمحہ آفتاب کو دیکھتے جاتے تھے۔

حکیم ابوالفتح نے حکیم علی سے کہا کہ جو دونوں دور کھڑے ہوئے تھے کہ اگر آج شہباز خاں کی نماز عصر قضا نہ ہوئی تو ہم جانیں گے کہ یہ شخص واقعی دیندار ہے جب نماز کا وقت آیا تو شہباز خاں نے بادشاہ سے نماز کی اجازت چاہی فرمایا قضا پڑھ لینا کیا مجھے اکیلا چھوڑ دو گے شہباز خاں نے بادشاہ سے ہاتھ چھڑا

کشیدہ و دوپٹہ انداختہ شروع بہ نماز نمود و پس ازاں مشغول ورد گشت
پادشاہ ہر لمحہ دست بر سرش میزد کہ برخیز
حکیم ابوالفتح گفت انصاف نیست کہ در شغل این عزیز خلل شود پیش
رفتہ عرض کرد کہ این ہمہ لطف تنہا بہ این مرد مناسب ندارد دیگران
ہم امیدوار چنیں مراہم اند پادشاہ او را گذاشتہ بر آنہا متوجہ شد

اخراجاتش دیدہ مردم متحیر بودند بدیں سبب بر یافتن سنگ پارس
شہرت میداوند بالجملہ گویند شہباز خان مردم بیش قرار نوکر داشت
چنانچہ دہ کس بودند کہ کدام سالیانہ یک لک روپیہ می یافت

و در جنگ بہم پتر از خود نہ ہزار سوار موجود داشت
و ہر شب جمعہ صد اشرفی را شیرینی نذر حضرت غوث الثقلین قدس سرہ بخش میکرد
و بمردم کنبو[1] آں قدر داد کہ ہیچ کس ازیں قوم در ہند
پریشان و بدحال نماند معہذا بعد مردنش تا پنجاہ سال از اشرفی
و روپیہ دفاین و خزاین بدست آید
و در ۹۹۵ھ پر ہے کہ تعرض آشیانی تیولش را کہ در صوبہ مالوہ
داشت تغیر کردہ بمیرزا شاہرخ دادند و او را در سال چہل و سیوم
بہ اجمیر فرستادند بہ مہم رانا بطریق اتالیقی شاہزادہ سلیم کہ از
الہ آباد عازم آں مہم بود تعین شد
چوں بہ سیماب خوری شیفتہ بود سال کہ از ہفتاد برگذشت
دمہشا و کمر درد آمد بحتے بہی یافت در شہر اجمیر ہماں بیماری باز
گردید و تپ افزود از چارہ گری پزشکان تندرستی رو داد

در سال چہل و چہارم اکبری کہ ۱۰۰۸ ہجری ہزار و ہشت ہجری بود
ناگہاں در گذشت
شاہزادہ سلیم بعد شاہنشاہ جہانگیر[2] اموالش متصرف گشتہ
بے تمشیت آں مہم بہ الہ آباد معاودت کردہ لوائے خودسری افراشت

سنکر اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور فوراً دوپٹہ بچھاکر نماز شروع کردی! ورنماز پڑھنے کے بعد وظیفہ پڑھنے
میں مشغول ہوگئے۔ بادشاہ ہر لمحہ اُن کے سر پر ہاتھ رکھکر کہتا تھا کہ اب کھڑے ہو جاؤ۔
حکیم ابوالفتح نے یہ کہکر یہ اخلاق سے بعید ہے کہ اس عزیز کے شغل میں خلل پڑے
آگے بڑھکر بادشاہ سے عرض کیا کہ اِن تمام مہربانیوں کے اکیلے شہباز خاں ہی مستحق
نہیں ہیں ہم دوسرے بھی اِن مراہم خسروانہ کے اُمیدوار ہیں۔ بادشاہ یہ سنکر
شہباز خاں کو چھوڑکر اُن کی طرف متوجہ ہوگیا۔

شہباز خاں کے اخراجات دیکھکر لوگوں کو حیرت ہوتی تھی۔ یہ مشہور ہوگیا تھا کہ ان کو
سنگ پارس مل گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ شہباز خاں بیش قرار تنخواہوں کے نوکر رکھتے
تھے۔ چنانچہ دس آدمی اُن کے پاس ایسے ملازم تھے جو ایک ایک لاکھ روپیہ
ماہانہ تنخواہیں پاتے تھے۔

اور بہم پتر کی لڑائی میں نو ہزار سوار اُن کے ذاتی ملازم تھے۔ اور ہر شب
جمعہ کو وہ سو اشرفیوں کی حضرت غوث الثقلینؒ کی نیاز دلاتے تھے۔
اور کنبو لوگوں کو انھوں نے اس قدر دیا کہ ہندوستان میں کوئی شخص
اِس قوم کا پریشان اور بدحال نہ رہا۔ اسکے سوائے اُن کے انتقال کے بعد
پچاس برس تک اشرفی اور روپیوں کے دفینہ اور خزانے نکلتے رہے۔
اور ۹۹۵ھ پر ہے کہ شہنشاہ اکبر نے اُنکی جاگیر جو صوبہ مالوہ میں تھی تغیر
کرکے میرزا شاہرخ کو دیدی۔ اور اُن کو تینتالیسویں سال جلوس میں بادشاہ
نے رانا کی مہم پر بطریق اتالیق شاہزادہ سلیم کے جو الہ آباد سے اُس مہم کا عازم تھا اور
جس پر اس کا تعین ہوا تھا۔ شہباز خاں اجمیر روانہ کئے گئے۔
کیونکہ سیماب خوری کی اُن کو عادت تھی اور عمر بھی ستر برس سے زیادہ ہوگئی
تھی۔ ہاتھ و کمر میں اُن کے درد ہوا اور چند دنوں میں اچھا ہوگیا تھا۔ شہر اجمیر
میں پھر وہی بیماری عود کرائی اور ساتھ ہی تپ بھی عارض ہوئی۔ لیکن
علاج سے تندرست ہوگئے۔
اور چوالیسویں سال جلوس اکبری میں کہ ۱۰۰۸ ہجری تھا ناگہاں
اُن کی وفات ہوگئی۔
شاہزادے نے اُن کے مال[2] پر قبضہ کر لیا اور وہ بلا انصرام مہم رانا الہ آباد
چلا گیا اور بادشاہ سے بغاوت کردی۔

نوٹ [1] اِس موقع پر ہم مؤلف امروہوی سے دریافت کرتے ہیں کہ "یہ مردم کنبو" کیا پنجاب والی قوم کمبوہ سے ہیں۔ یا کسی طرح بھی ہو سکتے ہیں۔ ذرا وہ اسی ایک بات کا
جواب دیدیں تو اُن کی ساری بحث کی قلعی اسی جواب سے کھل جائے گی۔
نوٹ [2] اِس سفر میں نواب شہباز خاں کا ذاتی دو کروڑ روپیہ اُن کے ساتھ تھا۔

گویند کہ شہباز خاں وصیت کردہ بود کہ در حوطہ مرقد منور معین یعنی حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ دفنش کنند۔ مجاوران بقعہ شریفہ سر زدہ نگذاشتند۔ ناچار بیرون مدفون گردید۔ شب خواجہ بزرگ در رؤیا بمجاوران تاکید فرمود کہ او صاحب ماست اندرون شمالی رو بہ گنبد گذارند۔ فردا بمبالغہ آنرا بر آوردہ بجائے معین سپردند۔

منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۲۷۳ و ۲۷۴ پر ہے کہ۔

"در شعبان ۹۸۷ ہجری قرار دادند کہ بہ کلمہ لا الہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ علانیہ تکلیف نمایند۔ غایتش از ظہور خلل ملاحظہ نمودہ در اندرون حرم بگفتن چندے اکتفا نمودند۔ در باب ترک تقلید دین مبین قطب الدین محمد خاں و شہباز خاں و امثال ایشان را ترغیب کردند و ایشان انتزاع آوردند۔ قطب الدین خاں گفت پادشاہان ولایت چون خوندکار روم وغیر ایشان کہ این سخنان بشنوند چہ گویند۔ ہمہ ہمیں دین دارند۔ خواہ تقلیدے باشد خواہ نہ۔ و از روئے تعرض فرمودند کہ تو برائے خاطر خوندکار روم غائبانہ از جانب او دستی میکنی و جائے از برائے خود درست میکنی کہ ازیں جا بروے پیدا کردہ تا اعتبار یابی۔ ہمانجا برو۔

و شہباز خاں نیز بیتہذیب شدہ و دریں مادہ در آمدہ بیر بر سگ جنس را کہ طعن صریح در دین میکرد دشنام صریح دادہ گفت کہ اے کافر ملعون حالا تو ہم چنیں سخنان میگوئی مااز عہدہ تو بیتوانیم بر آمد۔ کار بے مزگی کشید و شہنشاہ شہباز خاں بخصوص و دیگران بطریق اجمال فرمودند کہ میخواہم کہ کفش پر نجاست بر دہن ہائے شما بزنند۔"

کہتے ہیں کہ شہباز خاں نے خواجہ معین الدینؒ کے روضہ میں دفن کرنے کی وصیت کی تھی۔ مجاوران روضہ اس پر راضی نہ ہوئے جب وہ باہر مدفون ہو گئے۔ رات کو خواجہ معین الدین چشتیؒ نے خواب میں مجاوروں کو تاکید فرمائی کہ شہباز خاں ہمارا دوست ہے شمال رو بہ گنبد کے اندر انہیں دفن کرو۔ صبح کو اُن کے مبالغہ اور منت سماجت سے نعش قبر سے نکال کر جہاں خواجہ صاحبؒ نے ارشاد فرمایا تھا وہاں دفن کی گئی۔"

شعبان ۹۸۷ ہجری میں یہ قرار دیا کہ کلمہ "لا الہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ" کو علانیہ پڑھا کریں۔ مگر جب اس کی وجہ سے خلل ملاحظہ کیا تو اس کلمہ کے اندرون حرم میں چند لوگوں کے کہنے پر اکتفا کر لیا۔ دین اسلام کے چھوڑ دینے کے لئے قطب الدین محمد خاں اور شہباز خاں اور اُن کی طرح مذہب رکھنے والوں کو ترغیب دی کہ وہ اپنے دین کو چھوڑ کر مذہب الٰہی اکبر شاہی اختیار کر لیں۔ قطب الدین خاں نے کہا کہ دوسرے ملکوں کے بادشاہ، شاہ روم وغیرہ جب یہ باتیں سنیں گے تو کیا کہیں گے۔ کیونکہ وہ سب یہی دین (اسلام) رکھتے ہیں۔ خواہ تقلید ہو یا نہ ہو (یعنی تحقیق ہو) شہنشاہ نے بگڑ کر کہا تو بادشاہ روم کی جانب سے اُس کی خاطر سے غائبانہ اُس کے ایسی بات کرتا ہے۔ تو نے اس خیال سے یہ بات کہی ہے کہ جب یہاں سے جائے تو وہاں تیری قدر ہو۔ وہیں چلا جا۔

اور شہباز خاں نے اس بارے میں شہنشاہ سے تیز و تند سوال و جواب کئے اور بیہودہ طریقے سے گفتگو کی۔ اور بیربر نے جو دین کے بارے میں طعن کیا تھا اُن پر سخت گالی دی کہا کہ اے کافر ملعون تو بھی ایسی باتیں کہتا ہے۔ میں ابھی تیرے عہدے سے نکال سکتا ہوں (یعنی تیرا خاتمہ کر سکتا ہوں) صحبت بدمزہ ہو گئی۔ شہنشاہ نے شہباز خاں سے خصوصیت سے اور دوسروں سے بالاجمال کہا کہ میں کہتا ہوں کہ نجاست سے بھرے ہوئے جوتے تمہارے مونہوں پر مارے جاویں۔

دین الٰہی اکبر شاہی کے خلفاء اور اس میں داخل ہونے والے چند خاص اشخاص

"دربار اکبری" مؤلفہ شمس العلماء مولانا محمد حسین صاحب آزاد مطبوعہ نولکشور پرنٹنگ ورکس لاہور کے صفحہ ۸۳ پر لکھا ہے کہ۔

"امراء میں سے جو اشخاص دین الٰہی اکبر شاہی میں داخل ہوئے اُن کی تفصیل کتابوں کے انتخاب سے حسب ذیل معلوم ہوتی ہے۔
(۱) ابوالفضل خلیفہ (۲) فیضی ملک الشعراء دربار (۳) شیخ مبارک پدر ابوالفضل و فیضی (۴) اعظم خاں کوکہ کہ مکہ سے آکر (۵) جعفر بیگ آصف خاں مورخ و شاعر (۶) قاسم کاہی شاعر (۷) عبد الصمد مصور دربار شاعر (۸) صوفی احمد (۹) ملا شاہ محمد شاہ آبادی مورخ (۱۰) صدر جہان مفتی کل ہندوستان (۱۱) و (۱۲) اور اُن کے دو بیٹے (۱۳) میر شریف آملی (۱۴) سلطان خواجہ صدر (۱۵) مرزا جانی حاکم ٹھٹھہ (۱۶) تقی شوستری شاعر و صدی منصبدار (۱۷) شیخ زادہ گوسالہ بنارسی (۱۸) بیربر"

اِن میں سے "شیخ ابوالفضل" خلیفۂ اوّل تھے "جو شخص "دین الٰہی" میں آتا تھا وہ اِقرار نامہ لکھ کر دیتا تھا"

اور صفحہ ۳۱ پر "بیربر" کے حال میں لکھا ہے کہ "بیربر" دین الٰہی اکبر شاہی "میں داخل تھے" اور مرید با اخلاص تھے۔ اور "مراتبِ چہار گانہ" کی منزلوں میں سب سے آگے دوڑے جاتے تھے" اسلام اور اسلام والوں کو بھی جو چاہتے تھے کہہ جاتے تھے" مسلمان امیروں کو یہ بات ناگوار گزرتی ہوگی" چنانچہ "شہباز خاں کنبوہ" چار ہزاری منصبدار" جو اکثر مہموں میں سپہ سالار بھی ہوا" اس نے ایک موقع پر "دربارِ خاص" میں "انہیں ایسا برا بھلا کہا کہ بادشاہ کی طبیعت بے لطف ہو گئی" اور صفحہ ۳۰۹ پر ہے کہ "اس نے (بیربر نے) اس معاملہ میں وہ رتبہ پیدا کیا تھا کہ وہ اور "ابوالفضل" وغیرہ "دین الٰہی اکبر شاہی کے خلیفہ تھے"

اپنے پیغمبر شہنشاہ اکبر کے منصبِ پیشوائی اور رہنمائی وغیرہ پر "ابوالفضل کی ہرزہ سرائی"

آئینِ اکبری جلد اوّل میں "اس دینِ الٰہی اکبر شاہی کے "خلیفہ اوّل" میاں ابوالفضل مصنّفِ اکبر نامہ" نے خود اپنے قلم سے "شاہنشاہ اکبر" اپنے پیغمبر کے "دیدار" رہنمائی" کراماتوں" مرید کرنے کے طریقے" اشرفیہ ی" مریدوں کے سلام" اور "احکام برائے مریدان" کے جو حالات لکھے ہیں اور اُن پر اپنی طرف سے جو رائے زنی کی ہے۔ اس موقع پر ہم انہیں بھی اِس خیال سے نقل کئے دیتے ہیں "تاکہ دوسروں کے بیانات کے مقابلہ میں" اُن کا بھی بیان آجانے سے ابوالفضل کے "دینِ الٰہی کے بانی اور فروغ دہندہ" ہونے میں "کچھ بھی شک و شبہ باقی نہ رہے"

بیان مرحوم | چنانچہ صفحہ ۱۳۳ پر لکھا ہے کہ "(۱) اکثر اشخاص "ارادتمندوں میں داخل ہونے کے لئے حاضر ہوتے ہیں"

(۲) اور ایک گروہ "امراض سے شفایاب ہونے کے واسطے" سعادتِ دارین حاصل کرتا ہے"

(۳) کچھ لوگ "مذہب کی مشکلات حل کرنے کے لئے" قدمبوسی حاصل کرتے ہیں"

(۴) ایک اور گروہ "بعض دنیاوی مصائب سے نجات حاصل کرنے کے لئے" زمین بوس ہوتا ہے"

رہنمائی | اور صفحہ ۱۳۰ پر تحریر ہے کہ "جب بنی نوعِ انسان کی بلند اقبالی کا وقت آتا ہے۔ اور مشیتِ الٰہی یہ ہوتی ہے کہ "زمانہ" حق پرستی کے مبارک آثار" اور برکات سے مستفیض ہو تو فرمانروائے وقت کو "اسرار و یکرنگی سے آشنا کیا جاتا ہے" اور بادشاہِ وقت کی ذات "ظاہری حکمرانی کے علاوہ" باطنی رہنمائی بھی کرتی ہے۔

بادشاہِ حقیقت شناس نے "ایک عرصہ تک اپنی ذات کو "مذہبِ بیگانہ کے پردے میں مخفی رکھا اور اپنے کو اِس اہم ترین خدمت کا مستحق ظاہر ہونے دیا" لیکن جو فعل خدا کی مرضی سے ظہور میں آنے والا ہو اُسے کون روک سکتا ہے" (ابوالفضل کے اِس بیان سے صاف ظاہر ہو گیا کہ جب تک خود اُس کا اور اُس کے بھائی و باپ کا اثر نہیں ہوا تھا "اکبر" کو اِس دینِ الٰہی کی خرافات کا خیال بھی نہ تھا" نہ اُس میں اِس ڈھونگ کے رچانے کی قابلیت تھی" مگر جب یہ تینوں تشریف لائے اُس وقت سے یہ ہنگامہ آرائی شروع ہوئی ہے" پھر اسی سلسلہ میں صفحہ ۱۳۰ پر لکھا ہے کہ۔

"ابتداء میں حضرت سے "خود بخود ایسے حقائق و معارف کا ظہور ہونے لگا کہ زمانہ" اور اہلِ زمانہ" حیرت و تعجب میں مبتلا ہو گئے"

یہاں تک کہ "صفتِ رہنمائی نے" پورا جلوہ دکھایا۔ اور "اسرارِ الٰہی" قلبِ مبارک سے نکل کر زبان پر آئے" اور حقیقت انگیز کلمات و ہدایات نے "دُنیا کو تازہ ہدایت و رونق بخشی" حضرت کے قلبِ مبارک" میں ہدایت و رہنمائی کی "لہریں اُٹھیں" اور بادشاہِ حقیقت شناس نے "اسے مجبور ہو کر" منصبِ پیشوائی" اختیار کرنا" مرضیِ الٰہی سمجھا" اور ہدایت کا دروازہ" ہر خاص و عام پر کھول کر "حقیقت طلب تشنہ لبوں کو" سیراب فرمانے لگے"

بادشاہ کا رازِ آگاہ سینہ" بعض "حقیقت طلب افراد کو" حرماں نصیبی سے" اور بعض کو "سعادتِ دارین کے اعلیٰ مقصد تک پہنچاتا" اکثر مخلص و صادق جویائے حقیقت بعنی ابوالفضل کی طرح کے دین فروش "دُنیا دار" حضرت کے فیض نورِ بصیرت سے "قلیل مدت میں" عرفان کی "اُس منزل تک پہنچ گئے۔ جہاں دیگر "روحانی مجاہدین" برسوں کی چلّہ نشینی سے بھی قدم نہیں رکھ سکے"

شاہنشاہ اکبر کی کرامتیں اور احکام وغیرہ "ابوالفضل کے قلم سے | جہاں پناہ" اپنے انوارِ باطن سے" ہر شخص کے مدعائے دل سے واقف

ہو جاتے ہیں۔ (۲) اور نیازمند گروہ کے ہاتھ سے "کوزۂ آب لیکر" آفتاب کی روشنی میں رکھتے۔ اور اُس کی درخواست کو قبول فرماتے ہیں۔" اکثر بیمار جو "حاذق اطبا کے معالجہ سے" اچھے نہیں ہوتے" اِس طلسم آلٰہی " سے شفایاب ہو جاتے ہیں۔"

(۳) واضح ہو کہ ایک آزاد منش اہلِ حاجت نے " اپنی زبان کاٹ کر" آستانہ والا پر رکھدی" اور کہا کہ " اگر خدائے برتر نے مجھ کو سعید و مخلص پیدا کیا ہے۔ اور میرا عقیدہ صحیح ہے۔ تو میری شکستہ نیت سے میری زبان درست ہو جائے گی" خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھئے کہ " قلیل ہی مدت میں مریض کی تمنا برآئی " (یعنی کٹی ہوئی زبان درست ہوگئی ")

اِن کرامتوں پر ابوالفضل کا تبصرہ

جو شخص بادشاہ دین پناہ کی " خدا شناسی و حق پرستی سے " واقف ہو جاتا ہے۔ وہ اِن عجائبات کو اہمیت نہیں دیتا" جو افراد حضرت کی اِنصاف دوستی اور عبرت اندوزی کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اُن کو حضرت کے افعال میں کوئی امر باعث تعجب نظر ہی نہیں آتا۔ (کیوں نظر آئے گا جبکہ سارا کرشمہ اُن ہی کا پیدا کردہ تھا۔)

حوصلہ مند بادشاہ۔ اپنی خوبیوں پر بہت کم نگاہ رکھتے ہیں" اور جو شخص ارادتمندوں میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ جہاں پناہ اُس کے معروضہ کو قبول فرمانے میں قدرے تاخیر کرتے ہیں۔

قبلۂ عالم نے بارہا فرمایا ہے کہ " میں خود کامل بنے بغیر" دیگر ہی نوع اِنسان کی کیونکر رہنمائی کرسکتا ہوں" اگر کسی طالب صادق کی پیشانی پر نشان راستی بخوبی نمودار ہوتے ہیں اور اُس کے قلب میں آتش طلب روز بروز مشتعل ہوتی جاتی ہے تو " یہ دردمند" اپنی مراد کو پہنچایا جاتا ہے" اور " یک شنبہ کے روز" آفتاب عالم تاب" کی روشنی میں " منزلِ مقصود تک پہنچ جاتا ہے"

حضرت کے اِس قدر اغماض ونیز اِس درجہ دشوار پسندی کے باوجود بھی (لاکھوں) اِنسان " طیلسان عقیدت کو دوش پر رکھکر سلسلۂ ارادت میں داخل ہوتے اور سعادت دارین حاصل کرتے ہیں"

مُرید کرنے کا طریقہ

سلسلۂ ارادت میں داخل ہوتے وقت طالب صادق۔ اپنی دستار کو ہاتھ پر رکھکر سر نیاز حضرت کے قدموں پر رکھتا۔ اور زبان حال سے عرض کرتا ہے کہ " میں نے اپنے طالع کی یاوری اور ستارۂ اقبال کے عروج سے خود غرضی و ریاکاری سے جو تمام بُرائیوں کی جڑ ہے کنارہ کشی کی" اور حضرت کے عقیدتمندوں میں داخل ہوا۔ اور دوامی زندگی کی تلاش میں حیات جاوید حاصل کیا"

بادشاہ توفیق پناہ۔ اپنے دستِ مبارک سے ارادتمندوں کا سر اُٹھاکر دستار" اُس کے سر پر رکھتے ہیں جس کا مدعا یہ ہے کہ " عالی ہمت فرمانروا نے طالب صادق کی دستگیری فرمائی۔ اور ہمت نمائی " سے اپنی حقیقی ہستی کو قبول کیا"

اِس اِرشاد کے بعد ارادتمند کو " زنّار " یا انگشتری خاص " جس پر اسم اعظم " و نقش " اللہ اکبر" کندہ ہوتا ہے عطا فرماتے ہیں۔

اثر پذیری

بندگان درگاہ" جہاں پناہ کے عجائب و غرائب حالات کو دیکھکر رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ اور انواع و اقسام کے رہبرانہ نصائح کو زبان خاموشی سے قبول کرکے سرچشمۂ فیض آلٰہی سے سیراب ہوتے ہیں"

ارادتمندوں کی آنکھوں میں دوسرے ہی " انوار بسا جاتے ہیں۔ اور افعال و کردار میں شمع سعادت کی جھلک نمودار ہوتی ہے۔ جہاں پناہ بعض حوصلہ مند ارادتمندوں سے تخاطب بھی فرماتے ہیں اور اُن کے مرتبہ کے مطابق " گراں بہا اقوال و حکم" سے اُن کو مستفید فرماتے ہیں صفحہ ۳۰۹

مریدوں کا سلام

دیدار کے وقت ارادتمندوں کا عام دستور ہے کہ ایک شخص " اللہ اکبر" کہتا ہے۔ دوسرا اُس کے جواب میں " جلّ جلالہٗ" زبان پر لاتا ہے"

ابوالفضل کی توجیہ

قبلۂ عالم کا اِس قاعدے کی پابندی سے یہ مقصد ہے کہ " بنی نوع اِنسان سرچشمۂ ہستی کو فراموش نہ کریں اور ہر وقت ذکر آلٰہی سے سیراب دل و تر زبان و شیریں کام رہیں"

احکام برائے مریدان

نیز یہ کہ " بادشاہ حق آگاہ و سر دفتر عارفان " کا حکم ہے کہ " جو خیر و خیرات عام طور پر مرنے کے بعد کی جاتی ہے۔ وہ ہر ارادتمند اپنی زندگی ہی میں بجا لائیں۔ اور اِس طرح سفر آخرت کا سامان پہلے سے مہیا کرلیں"

نیز یہ کہ "مرید" ہر سال اپنی ولادت کے روز دعوت کریں۔ اور دسترخوان پر مختلف اقسام کی نعمتیں چنیں۔ تاکہ اِس طرح جود و سخا کی گرم بازاری ہو اور دُور و دراز سفر کے لئے زادِ راہ مہیا ہو جائے۔"

اِرادتمند اشخاص "آئینِ مقدس کے مطابق "گوشت خوری" سے حتی الامکان پرہیز کرتے ہیں۔ بلکہ اکثر "مریدانِ باخلاص" دعوت میں بھی دوسروں کو تو گوشت کھلاتے ہیں۔ لیکن خود نہیں کھاتے۔"

برخلاف دیگر "اِرادت مرید" دعوت میں تو گوشت کو ہاتھ سے چھوتے اور آنکھ سے دیکھ بھی لیتے ہیں۔ لیکن اپنی ولادت کے مہینہ میں گوشت کے گرد بھی نہیں پھٹکتے "یہ اشخاص نہ اپنے ذبیح کے قریب جاتے ہیں۔ اور نہ اس کے کھانے کی رغبت کرتے ہیں۔"

اِرادتمند افراد "قصاب" "ماہی گیر" اور "شکاری" (چڑی مار) وغیرہ کے ساتھ ہم پیالہ و ہم نوالہ نہیں ہوتے۔" اور حاملہ عورت و ضعیف العمر اشخاص "و عقیمہ" و نابالغ "لڑکیوں سے میل جول نہیں رکھتے۔" (صفحہ ۳۱) (ترجمہ آئینِ اکبری جلد اوّل)

نواب شہباز خاں کے متعلق ابوالفضل و فیضی کی سازش مگر ناکامی

مندرجہ بالا اقتباسات سے "دینِ الٰہی اکبر شاہی" اور اُس کے بانی و علمبردار "ابوالفضل وغیرہ کی کیفیت بخوبی روشنی میں آگئی ہے۔" نیز یہ امر بھی اچھی طرح ظاہر ہو گیا ہے کہ "جب بڑے بڑے علماء و مشائخ اور سادات جو اپنے آپ کو دینِ اسلام کا محافظ اور اپنے آپ کو رسُولِ مقبول صلعم کا نائب کہا کرتے تھے" دینِ الٰہی اکبر شاہی" میں داخل ہو کر "لا الٰہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ" کا کلمہ جپنے لگے تھے" اُس وقت ایک اکیلی ذات "نواب شہباز خاں" فرزند حواری رسُول اللہ صلعم اور اسلام میں سب سے پہلے اپنی تلوار کو بے نیام کرنے والے صحابی کی تھی" جنہوں نے "ثروت و عہدہ تو درکنار رہا" اپنی جان تک کی پرواہ نہ کرکے "دینِ الٰہی کے تبلیغ کرنے پر خود شاہنشاہ کو ایسے تیز و تند جواب دیئے" اور "اُس کے خلیفۂ دوم" بیربر" کو اِس سختی سے ڈانٹا تھا کہ" اُن کے دین کی جڑ تک ہلا دی تھی۔"

نواب شہباز خاں کی وفاداری میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی "یہ انہیں کی تلوار تھی کہ جہاں جہاں سے "ٹوڈرمل و مان سنگھ" اور عبد الرحیم خانخاناں و منعم خاں" وغیرہ جیسے سردار ناکام لوٹتے تھے" وہ وہاں پہنچ کر فتح و فیروزی حاصل کرتے" اور "شاہنشاہ اکبر کے ملک میں اضافہ پر اضافہ کرتے رہتے تھے" اِس لئے شاہنشاہ کے دل میں "اُن کی عظمت و وقعت بے پایاں تھی" جس کا شمہ حال اُوپر اسی بیان میں آچکا ہے" اور جس کی تفصیل سے تاریخیں بھری پڑی ہیں۔"

مگر اُن کا "دینِ الٰہی" کو ذلیل کرنے کا یہ حربہ ایسا نہ تھا" جو اُس کے بانی اور اُس کے ذریعہ سے ترقی کرنے والے "ابوالفضل" کے دل کے گھاؤ کو اُن کی طرف سے" کچھ بھی بھر سکتا" چنانچہ کسی طرح کا جب اُس کا کوئی بس (مثل "شیخ عبد النبی" صدر وغیرہ کے جنہیں اُس نے پہلے تو مذہبی مسائل میں بے بیخ نکال کر ذلیل کیا اور بعد چلا وطن کرا دیا" اور جب وہ "مکہ معظمہ سے واپس تشریف لائے تو انہیں قید کرا کر اور نہایت عقوبتیں دلوا کر قید خانے میں مروا دیا) نواب شہباز خاں پر نہ چل سکا" تو اُس نے اپنے تسکینِ دل کے لئے "(بالکل اُسی طرح جیسے کہ کوئی شخص اپنے حریف سے مار کھا کر اور بدلہ لینے پر قادر نہ ہونے سے "عاجز و لاچار ہو کر اُس میں بُرائیاں نکالتا پھرتا" یا اُس کے خلاف سازشیں کرنے لگتا ہے") اُن کے نسب کا شاخسانہ کھڑا کیا" لیکن اُس میں بھی اُسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔" ابوالفضل" کے اِس شاخسانے کے کھڑا کرنے کا حال "رسالہ شہباز خاں" میں تفصیل سے درج ہے" یہ رسالہ "شاہنشاہ اکبر" ہی کے زمانہ میں لکھا گیا" اور ہمارے پاس موجود ہے" اُس میں ہے کہ

رسالہ شہباز خاں کا بیان

"چنانچہ در عصر اکبر بادشاہ عظیم القدر از روئے عصبیت و دینداری "شہباز خاں کنبوہ" شیخ علامی و فہامی ابوالفضل برآشفت و نسبت

"چنانچہ شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں "شہباز خاں کنبوہ" کی عصبیت و دینداری کی وجہ سے "شیخ ابوالفضل" بہت پریشان ہوئے" اور بادشاہ

خدا پرست و دیندار حق پرست عارفان و محققان مطلق اختلاط دارند۔ و
بجا است با فقرائے عالی مقام و زاہدان نیکو سرانجام۔ و عابدان و صفہائے
صوفی صافی میکنند و صحبت ایشان را غنیمت میدانند۔ چراکہ براے
حق رفتہ و از خمخانۂ وحدت بادیہ نوشیدہ و بندگان حق را نصائح ہوش
فرمودہ۔ و مسائل مشکلکشائے تلقین نمودہ۔ و بہ شاہراہ شریعت و منہاج
خاتم رسالت است رہنمون میکنند۔ اما بے سعادتمندان کوتہ اندیش
و گمراہان بدکیش از بخت واژگون و از طالع زبون بگوش نصیحت ناصحان
صاحب دین نمی آرند۔ بل مسائل دینی و سخنان یقینی افسانہ می انگارند
و عمر عزیز را ببطالت و ضلالت صرف مینمایند و بہ دولت فانی محظوظ و
مسرور اند۔ و بعض مقربان درگاہ کہ درین مذکور حاضر بودند بسمع عالی
رسانیدہ اند۔ بادشاہ بہ انصاف و داد بہ آواز بلند این ندا در داد۔
کہ شہباز خان تا کہ شیر بیشۂ حقیقت است کہ قدم ہمت بر بنائے شریعت
استوار نہادہ بہ دینداری در دنیاداری یافتہ۔ از ان بر کاملان خسرو
پیشہ و عاقلان صواب اندیشہ۔ آوازہ اطاعت و گلبانگ عبادت
شہباز خان سامع جامہ ملکوت و الاقدر آستان بالا رسیدہ۔ بجہت
آمرزش او بدرگاہ واہب العطایا استدعا مینماید۔ و شرط دینداری
و جود انقروی شہباز خان بسیط زمین را فرو گرفتہ و تذکرہ اخلاق او
بزبان اہل زمان بیشتر جاری گشتہ۔ و طنطنۂ جود و کرم او در اطراف و اکناف
ہندوستان اشتہار یافتہ و دعوی دینداری بروئے مسلم است۔ اما اکثر دولتمندان
دار الملک ہند بعداوت شہباز خان باکمر کین بستہ در امتحان سخاوت و
آزمائش دینداری او ہستند۔ ہر چند نقد سخاوت و شجاعت او بہ محک ابتلا
آزمودہ اند بہ صورت دعواے و محکم معانی امتحان نمودہ اند۔ او از ہمہ قابل
اعتبار بر آمدہ۔ اما مدعیان منفعل نیستند۔ درین میان شیخ ابو الفضل علامی
بحضور بادشاہ جہان پناہ التماس نمود کہ سادات و شیخ و مغل و افغان و
سایر قوم ہند و سندھ و عراق و عجم بدین بادشاہ اقرار کردی و اند کہ الناس علی دین ملوکہم
اما این مرد کمبو کہ نصف قوم او از اہل ہنود و قلم زن و عیال او نو مسلم اند۔ و
امر بادشاہی مداہنہ وارد و بحث جانبین درمیان آمدہ۔ و بر جادۂ شرع محمدی مستقل
است۔ اگر حکم عالی برای معنی صادر شود۔ باتفاق جمیع امرایان خیرخواہ
بحضور بادشاہ جہانپناہ شہباز خان کمبو را منفعل سازیم و نو مسلمی او اشتہار دہیم
جمیع سادات عظام و شیخان عالی مقام و افغانان نیکو سرانجام و مغلان
ذوی الاحترام و اہل سایر قوم بنی آدم علیہ السلام حاضر آوردہ۔

ہیں۔ کہ اُن کی ظاہری حالت مثل اولیا کے ہے۔ لیکن باطن میں بوئے مسلمانی
نہیں ہے۔ اس وجہ سے خدا ترس دولتمند اور حق پرست دیندار عارفوں
سے ملتے ہیں .... اور فقرائے
عالی مقام اور عابدوں سے دوستی رکھتے ہیں۔ اور اُن کی صحبت کو غنیمت
شمار کرتے ہیں۔ کیونکہ حق راستہ پہ چلکر۔ اور وحدت کا جام پیکر خدا کے بندوں
کو نصیحتیں کرتے ہیں۔ اور شریعت کے راستہ پہ پہنچاتے ہیں۔ لیکن بدبخت
کوتاہ اندیش اپنی بدبختی کی وجہ سے دینی ناصحوں کی نصیحتوں کی ضرورت
نہیں سمجھتے۔ بلکہ دینی اور یقینی باتوں کو افسانہ تصور کرتے ہیں۔ اور
دولت فانی سے محظوظ و مسرور ہوتے ہیں۔ بعضے مقربان درگاہ اس
موقع پر حاضر تھے۔ بادشاہ نے داد انصاف دیکر ندا کی کہ شہباز
خاں حقیقت کے جنگل کا شیر ہے۔ کہ جس نے شریعت کے فرش پہ
ہمت کا قدم مضبوط جما رکھا ہے۔ دنیاداروں میں دینداری کو پالیا ہے۔
کاملوں اور عاقلوں پہ ترجیح رکھتا ہے۔ اس کے اخلاق کا ذکر لوگوں
کی زبانوں پہ جاری ہے۔ اور اس کی سخاوت ہند و سندھ اور
تمام اطراف میں مشہور ہے۔ اس کا دعوی دینداری مسلم ہے۔
لیکن ہندوستان کے اکثر دولتمندوں نے شہباز خاں کی
عداوت پہ کمر باندھی ہے۔ اور اس کی سخاوت و دینداری کا امتحان
لینا چاہتے ہیں۔ ہرچند کہ اس کی سخاوت و شجاعت کو آزما چکے ہیں
لیکن مدعی شرمندہ نہیں ہیں۔ اس اثناء میں شیخ ابو الفضل علامی
نے حضور میں التماس کیا۔ کہ تمام سادات و شیخ و مغل و افغان
اور ہر قوم ہند و سندھ و عجم کی جانتی ہیں کہ الناس علی دین ملوکہم

لیکن یہ کمبو کہ نصف قوم اس کی اہل ہنود ہیں اور باقی
اُن کے نو مسلم ہیں۔ بادشاہ کے حکم کی مخالفت کرتا اور شرع محمدی پہ
قائم ہے۔ اگر حکم عالی صادر ہو تو تمام امراء و سادات و افغان
و مغلان بلکہ تمام قوم بنی آدم علیہ السلام حاضر کر کے

ایسے موقع پر اِس شاخسانے کو کھڑا کرنے سے جو مطلب "ابوالفضل و فیضی" کا تھا وہ "رسالہ شہباز خاں" کے اقتباس سے بخوبی ظاہر ہو چکا ہے "یہ کہ سب سادات و مشائخ نے جو دینِ الٰہی کو قبول کر لیا۔ مگر "نواب شہباز خاں" نے جو حکم اُولوالامر کی پیروی نہیں کی "یعنی دینِ الٰہی کی مخالفت میں بادشاہ کی ناراضی اور اپنی جان تک کی پروانہ کی۔ اُس کا اُن سے بدلہ لیا جائے" اور بن پڑے تو اُن کی ترقی کو روک کر اپنے دل کے اُس ناسور کا جو "نواب شہباز خاں" نے ڈال دیا تھا" تھوڑا بہت اندمال کریں" لیکن جب اِس مکارانہ چال میں "اِن فرشتگانِ دینِ الٰہی کو بے طرح ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا" اور بڑی بھاری خفّت حاصل ہوئی" تو کوئی جائے گریز نہ پا کر ابوالفضل کو "نقیب خاں" اور دوسرے مورخوں کی اِس رائے کی کہ "نواب شہباز خاں" کا نسب نامہ "اکبر نامہ" میں درج کیا جائے۔ تاکہ زمانہ میں یادگار رہے۔ اور لوگوں میں اختلاف نہ رہے" مجبوراً اُس وقت تائید کرنی پڑی" اور پھر اُس سے کوئی غرض نہ رکھی" رسالہ نواب شہباز خاں میں یہ بھی تحریر ہے کہ "نقیب خاں" مع دوسرے مورخوں کے اِس کام پر مامور ہوئے۔ اور "نواب صاحب کا "نسب نامہ" بادشاہ کے سامنے گذرا تھا" یہ نسب نامہ وہی ہے جو "سلسلۂ عالیہ" اور "المشاہیر" میں درج ہے" اور جس سے مؤلف امروہوی واقف ہیں" اِس لئے اُسے ہم یہاں نظر انداز کرتے ہیں"

"نواب شہباز خاں" اور "شاہنشاہ اکبر" کی اُس گفتگو کو سامنے رکھنے سے جو "دینِ الٰہی اکبر شاہی" کے متعلق اِن دونوں میں ہو چکی تھی" یقینی طور سے معلوم ہو جاتا ہے کہ "اِس شاخسانے کا حال" جو "نواب صاحب" کے نسب میں التباس پیدا کر کے اُن کے نسب کے متعلق کھڑا کیا گیا تھا" نواب صاحب" کے اُس کو بیخ و بُن سے اکھاڑ کر پھینکدینے کے بعد "شاہنشاہ اپنے واقعات کے ضمن میں "کسی کتاب میں بھی لکھے جانے کو پسند نہیں کر سکتے تھے" اور "ابوالفضل" تو اپنی ناکامیابی یا شکستِ فاش کی ذلت کو "کسی نہج بھی" اپنے قلم سے منظرِ عام پر نہیں لا سکتا تھا" اِس لئے یہ معاملہ جہاں کا تہاں ختم کر کے اُس کے متعلق خاموشی اختیار کر لی گئی" اور بجائے اس واقعہ کے لکھنے کے "ابوالفضل" نے اپنے دل کی بھڑاس "اکبر نامہ" میں نواب شہباز خاں" کے متعلق فقرات ذیل لکھکر نکالی ہے"

نواب شہباز خاں کے متعلق ابوالفضل کی بھڑاس

مآثر الامراء جلد اوّل کے صفحہ ۵۹۹ تا ۶۰۰ پر تحریر ہے کہ ۔

"شیخ ابوالفضل" در حق او می نویسد" که در ہر گونہ پرستاری و سرہاہی سپاہ "کم ہمتا بود" اگر تقلید بہ یکسو داشتے و تعصب دا ہشتے" و در پیچے نسخہ نداشتے") و زبان را بہ بیجا بہ کشودے" طراز فزو پیدگی برگرفتے" (اکبرنامہ جلد سوم صفحہ ۵۲۸)

شیخ ابوالفضل" نے (اکبر نامہ میں) اُن کے بارے میں لکھا ہے کہ ہر طرح سے وفاداری سے خدمت کرنے اور سربراہی سپاہ میں وہ بنظیر تھے" اگر اسلام سے ترکِ تعلق کر لیتے اور دینِ الٰہی قبول کر لیتے اور اپنی زبان کو قابو میں رکھتے (یعنی دینِ الٰہی اور اُس کے پرستاروں کی زجر و توبیخ نہ کرتے) تو بہت ترقی کرتے"

"ابوالفضل" کے اِن فقرات کو بار بار پڑھئے اور پھر دیکھئے کہ اُس نے "نواب شہباز خاں" زبیری کنبوی" کے متعلق کیا لکھا ہے وہ اُن میں کسی قسم کا کوئی عیب نہیں نکال سکا" اور اُن کے نسب کے بارے میں ایک حرف تک نہیں لکھ سکا ہے" وہ اُن کی "وفاداری" "مردانگی اور شجاعت" نیز فوجی قابلیت کو بے نظیر بتانے کے ساتھ "دینِ اسلام" سے وابستگی اور جان نثاری کو بُرا بتاتا۔ اور انھوں نے "دینِ الٰہی اکبر شاہی" کی جس طرح مخالفت کی تھی۔ اُس پر اپنے دل کے جلے پھپھولے پھوڑتا ہے" جاننا چاہئے کہ "اکبر اور اُس کے فرشتوں" نے اپنی ایجاد یعنی "دینِ الٰہی اکبر شاہی" کے مقابلہ میں "دینِ اسلام کا نام "تقلید" رکھا تھا۔ اور مسلمانوں کو وہ تقلید پرستوں کے نام سے موسوم کرتے تھے" سلطان الاقبال نے فرمایا ہے کہ" [illegible]

تخم دلہا مدلہ اکبر [illegible] باز ز اند صورت [illegible] دارا دمید

یعنی [illegible] اور الحاد کا بیج "اکبر" نے بویا تھا۔ دارا شکوہ ابنِ شاہ جہاں کی شکل میں وہ پھر اُگ آیا"

"ابوالفضل" جو "نواب شہباز خاں" میں عدیم النظیر قابلیتیں ہونے کے باوجود دینِ اسلام کو نہ چھوڑتے" اور "دینِ آلٰہی اکبر شاہی کی مخالفت میں دشنام دہی کا عیب نکالنے سے باز نہ رہ سکا" اگر ایسے شخص کو ان کے نسب میں کوئی خامی یا محاسن میں کچھ کمی نظر آتی تو وہ اُس کے ظاہر کرنے میں کسی طرح بھی درگذر نہیں کر سکتا تھا" کیونکہ "اکبر" کی فتوحات کا بیشتر حصہ انہیں کی تلوار اور فوجوں کو باقاعدہ و قواعد داں بنانے کا رہینِ منت ہے" اس لئے "ابوالفضل" اِن کے لئے "در ہر گونہ پرستاری و سربراہی سپاہ "کم ہمتا بود") کا فقرہ لکھنے پر مجبور تھا" مگر جو خلش نواب صاحب کی طرف سے اُس کے دل میں موجود تھی "اُس نے اُن کے دوسرے محاسن "یعنی" "سخاوت" "فیاضی" "بہادری" "قبیلہ پروری" "انصاف پروری" "انتظاماتِ ملکی" "اعلیٰ نسبی" اور دینداری وغیرہ کے بیان سے اُس کو روک دیا" وہ فقط اُن کے "دینِ آلٰہی اکبر شاہی" کی مخالفت کرنے اور اُس کو بیہودگی اور الحاد و زندقہ سمجھنے۔ اور اس دین کے پرستاروں کی ڈٹائی کرنے کا رونا رو کر خاموش ہو گیا ہے" کیونکہ دینِ آلٰہی کے مقابلے میں سوائے حمایتِ اسلام کے اُن میں وہ کوئی بھی عیب نہیں پا سکا ہے"

مندرجہ بالا اقتباسات اور انکشافات سے ہم "مؤلف صاحب" کے اِس بیان کا جس میں انہوں نے "رسالہ مبارک" کی ذات کو ساقط الاعتبار قرار دیا ہے "بطلان ثابت کر کے اُن کی تحقیقات کی حقیقت کو بخوبی دکھا چکے ہیں" اب ہمیں اِتنا اور بتا دینا ہے کہ "اِن مؤلف صاحب کو "اکثر وہ کتابیں تو ملتی ہی نہیں ہیں جو اُن کے مقصد کو ملیا میٹ کر دینے والی ہیں" لیکن طرّہ یہ ہے کہ "جن کتابوں سے انہیں سو اسے دینے ناگزیر ہو جاتے ہیں، اُن میں بھی وہ باتیں جن سے خاندانِ زیرِ بحث کے بزرگوں کے اصلی حالات پر روشنی پڑتی ہے" انہیں مطلق نظر نہیں آتیں" جس طرح کہ "منتخب التواریخ" اور "مآثر الامراء" وغیرہ جن سے انہوں نے اِسی بحث میں اقتباسات دیئے ہیں" وہ اُن باتوں کو نہیں دیکھ سکے جنہیں انہیں کتابوں سے لیکر ہم نے اوپر لکھا ہے" اور جن سے "رسالہ نواب شہباز خاں" کے دیکھے بغیر بھی "کمبو" اور اُس کے فیصلہ" کے "اکبر نامہ" میں درج نہ کئے جانے کی وجہ بلا کسی دِقت کے صاف طور سے معلوم ہو جاتی ہے" بددیانتی سے واقعات کا اِخفا کر کے "غلط باتوں کو باور کرانے کی کوشش کرنا" اور اُس پر اپنے آپ کو محقق کہنا انہیں حضرت کی جراُت ہے" اِس معاملہ میں شاذ ہی کوئی ان کا مقابلہ کر سکتا ہے"

ابوالفضل کا حشر

اِس بحث کو ختم کرنے سے پہلے "ابوالفضل" کے آخری حشر کا حال بتا دینا بھی ہم اِس موقع پر مناسب سمجھتے ہیں۔ "مآثر الامراء" کے اقتباس میں اُوپر یہ فقرہ آ چکا ہے کہ ۔

"شاہزادہ سلیم" "ازاں مہم" منصرف گشتہ بہ تمشیت آں مہم "بہ الہ آباد" معاودت کردہ "لوائے خودسری افراختہ"

"شہزادہ سلیم" (اُن کے "نواب شہباز خاں" کے) مال کو اپنے قبضہ میں کر کے اُس مہم کو چھوڑ کر الہ آباد کو لوٹ گیا اور اُس نے بغاوت کا جھنڈا بلند کر دیا۔

مورخین نے لکھا ہے کہ "اِس سفر میں "نواب شہباز خاں" کے ہمراہ اُن کا ذاتی دو کروڑ روپیہ تھا۔ جس پر اُن کی وفات پر "شاہزادہ سلیم" (بعد شاہنشاہ جہانگیر) نے قبضہ کر کے "باپ سے بغاوت کر دی" اور سب سے پہلا کام یہ کیا کہ "ابوالفضل" کو جسے وہ "ملحدوں کا سردار" اور اپنے باپ کو ملحد بنانے والا سمجھتا تھا۔ اُس کے دکن سے لوٹتے وقت سرِ راہ ایک راجہ کے ذریعہ سے قتل کرا دیا" اور اس طرح "نواب شہباز خاں" کے تصرف سے اُس کا خاتمہ ہوکر اُس کے پھیلائے ہوئے اِلحاد و زندقہ کی جڑ ہی کٹ گئی" غرضکہ قوم کمبو اور نواب شہباز خاں "زبیری" کے خاندان کے سکنی لقب "کنبوہی" کو کفر ظاہر کر کے دونوں میں التباس ڈالنے والے پہلے شخص کا اِس طرح خاتمہ ہو گیا"

باب ششم

"اکبر نامہ" میں "شہنشاہ مذکور" کے ... ایک ... کو ... "بیرام خاں" کے ... ہے۔ اُس میں "اکبر بادشاہ" نے بھی بعض ... اور کو ... کے متعلق ... "... سرزد ہوئی تھیں۔ چند الزامات عائد کئے ہیں"

ان میں ایک الزام کو شد و مد بیان کیا گیا ہے کہ "مرحوم فاضل، قابل، با حسب و نسب" کے موجود ہوتے ہوئے "خانخاناں نے "شیخ گدائی کنبوہ" کو "صدر الصدور" کے منصب جلیلہ پر کیوں مقرر کیا" "شیخ گدائی مذکور" "قوم کنبوہ کے نامور شخص "شیخ جمالی" کے لایق فرزند تھے" "ان کا "ہندی الاصل" ہونے کے باوجود" "سادات اور دیگر عربی النسل" افراد کے مقابلہ میں "منصب صدارت پر" جو "عربی النسل اشخاص کے لئے مخصوص تھا" فائز ہونا۔ اس زمانہ کے خیالات کے اعتبار سے قابل مواخذہ سمجھا گیا" فرمان مذکور کے چند فقرات ملاحظہ ہوں:

"خانخاناں بداند کہ چوں آں پروردۂ نعمت و تربیت کردہ عنایت و عاطفت ایں دودمان عالیشان است" "و حقوق خدمات شایستہ آں۔ دریں درگاہ ثابت است" "و حضرت جنت آرام گاہ طیب اللہ ثراہ" (یعنی بادشاہ ہمایوں)

آں را امر عظیم القدر اتالیقی اعلیٰ بیعن فرمودند تا آنکہ دریں پنج سال چندیں امور نا شایستہ از و بظہور آمد کہ سبب تفور خاطر مجبور نمودہ مثل تربیت "شیخ گدائی" کہ باوجود آں ہمہ زیرکی و دانائی۔ از میان ایں ہمہ مردم فاضل و قابل با حسب و نسب بجہت آشنائی خود انتخاب نمودہ" و بآنکہ متعہد "منصب صدارت" شدہ بود" و منظر دنا تمیز تہی کردہ" و آں را از تسلیم سعادت داشتہ بود" بکمال جہل و نادانی در محافل جنت محافل۔ آں را بر جمیع سادات صحیح النسب" و علمائے جلیل الحسب" کہ بنا بر ملاحظہ عظمت و شان و حالت مراسم احترام و تعظیم بجا می آوردیم" تقدیم دادہ" باوجود لاف محبت و دوستداری" کہ بخاندان طیبین و طاہرین" می زد" تا ہدات و خواری" ایں طبقہ شریفہ را ۔۔۔ می نمود الیٰ آخرہ"

کسی "زبیری" کے نسب کے متعلق ایسے طعن آمیز الفاظ میں ذکر نہیں کیا جا سکتا تھا "اکبر نامہ" کے ایک "انگریز مترجم" "مسٹر ایچ بیورج" "فرمان مذکور کی نقل درج کرنے کے بعد حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ —
"شیخ گدائی کے باپ "شاعر اور" دہلی" کے اکابر تھے" لیکن تمام کنبوہ" چونکہ اصلاً ہندو تھے۔ (ملاحظہ ہو ضمیمہ ایلیٹ جلد اوّل ص۳۰۰) اور اس وجہ سے "سادات" ان کو عزت کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے"
(ترجمہ اکبر نامہ بزبان انگریزی۔ جلد دوم۔ حاشیہ ۱۹۱، ص۳۳۳و۳۳۴)

مؤلف صاحب کے اس بیان پر ہمیں یہ بتانا ضروری ہے کہ "اوّل" "بیرام خاں" "نائب السلطنت اور اتالیق شاہنشاہ اکبر" کے موسومہ فرمان کا جو بہت طویل ہے "یہاں صرف وہ ٹکڑا پیش کیا ہے جس میں "شیخ گدائی" کا ذکر ہے" اور "بیرام خاں کے دیگر ساتھیوں کے متعلق اس فرمان میں جیسی کچھ گل افشانیاں کی گئی ہیں" انہیں بالکل چھپا لیا ہے" ظاہر ہے کہ کسی مضمون یا واقعہ کے صرف ایک حصہ کو سامنے لانے اور دوسروں کے اخفا کر دینے سے نہ تو صحیح معلومات حاصل ہو سکتی ہیں اور نہ ان سے ٹھیک نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ اسلئے واقعات پر پورا عبور حاصل کرنے کے لئے اس فرمان کی جس میں "بیرام خاں" کی مشہور نامور خیر خواہیوں اور جان نثاریوں پر "حسد بغض اور کینہ پرور شخصیتوں کی وجہ سے پانی پھیر دیا گیا ہے" پوری نقل کرنے کے ساتھ "ان سازشوں" "مکاریوں اور ان واقعات کا حال بتانا بھی" مؤلف صاحب کے فرائض میں داخل تھا" جن کی بنا پر یہ فرمان "نافذ ہوا تھا جس میں" بیرام خاں" کے تمام ساتھیوں پر بھی عجیب عجیب چھینٹے اڑائے گئے ہیں"

مگر چونکہ انہوں نے اپنے مقصد کے نقطۂ نظر سے ان سب باتوں کو معرض اخفا میں رکھنا ضروری خیال کر کے "فرمان کا بہت ذرا سا ٹکڑا ظاہر کیا ہے"

...SLIM UNIVERSITY

اور اپنی طبیعت سے اُس کے وہ معنی نکالے ہیں جو کسی طرح بھی اُس سے پیدا نہیں ہوتے " یعنی " بیرام خاں " کو جو شیعہ مذہب رکھتے تھے " دینی فیاضی سے محبت نہ رکھنے کا جو طعنہ دیا گیا ہے۔ آسے " شیخ گدائی کو " پر طعنہ قرار دیکر " اور اپنے حسب منشا نتیجہ نکال کر اُس رائے کا اظہار کیا ہے " جس میں صداقت کا شائبہ تک نہیں ہے " بلکہ سراسر دھوکے میں ڈالنے والی ہے "

اِس لئے اصلیت اور حقیقت کے اظہار کے لئے " بیرام خاں خانخاناں " کے حالات اور اُن کے حاسدوں کی کینہ توزیوں اور سازشوں کے واقعات کو پیش کردینا ضروری ہے۔ تاکہ اِن حالات و واقعات کو سامنے رکھکر حقیقی فیصلہ کیا جاسکے "

بیرام خاں کے حالات اور اُن کے خلاف حاسدوں کی سازشیں

" بیرام خاں " بدخشاں میں پیدا ہوئے " اور اپنے والد کے اِنتقال کے بعد " بلخ " میں " تحصیل علم " کی " بیرام خاں " نے جس کا ننھیالی رشتہ تیموری خاندان سے بھی تھا " سولہ سال کی عمر میں " کابل " آکر " شاہزادہ ہمایوں " کی ملازمت کی " ہمایوں " نے اُس کی قابلیت دیکھکر اپنی مہرداری کی عظیم خدمت اُس کے سپرد کردی " سنہ ۹۴۲ ہجری میں " شیر شاہ " سے دوسرے مقابلہ میں " جب ہمایوں کو ایسی شکست ہوئی کہ پریشانی میں ایک کو دوسرے کی خبر نہ رہی " تو آپ نے " میاں عبدالوہاب " کے پاس جن سے خاص اِتحاد تھا " سنبھل " جاکر پناہ لی " نصیر خاں حاکم سنبھل " نے آپ کو قتل کرنا چاہا " مگر " عیسیٰ خاں مسند عالی " جو اُس وقت " سنبھل " آئے ہوئے تھے۔ اور " میاں عبدالوہاب " کے دوست تھے " انہوں نے " میاں صاحب " کے کہنے سے آپ کی جان بچالی " اِسی دوران میں " عیسیٰ خاں " جب " مالوہ " جاکر " شیر شاہ " سے ملے۔ تو اُن کی سفارش سے " شیر شاہ " نے بھی اُن کی جان بخشی کرکے " ابوالقاسم " حاکم گوالیار " کے پاس انہیں رہنے کی اجازت دیدی۔ شیر شاہ گو آپ کی بہت قدر کرتے تھے۔ لیکن " ہمایوں " کی محبت کی وجہ سے " ابوالقاسم " کے ہمراہ " برہانپور " کے قریب سے آپ " گجرات " کی طرف بھاگے۔ مگر " شیر شاہ " کے ایلچی کے ہاتھ میں جو " گجرات " سے آرہا تھا دونوں گرفتار ہوگئے " جس نے " آپ کے دھوکے میں " ابوالقاسم " کو قتل کردیا " اس کے بعد آپ گجرات پہنچے "

" شیخ گدائی " جو اُس وقت گجرات میں مقیم تھے " انہوں نے بیرام خاں کے ساتھ بہت سلوک کیا۔ اور انہیں " بآرام " ہمایوں کے پاس پہنچا دیا " (مؤلف)

۷ محرم ۹۵۰ ہجری کو " دریائے سندھ کے کنارے قصبہ جون میں " ہمایوں " ارغونیوں " سے لڑ رہا تھا اور بہت شکستہ دل تھا " قندھار جانے کا ارادہ کر رہا تھا کہ " بیرم خاں " پہنچ گئے " ہمایوں " اور اُس کے لشکریوں کو آپ کے آجانے سے بیحد تقویت اور خوشی ہوئی۔ اب ہمایوں بجائے قندھار کے بیرام خاں کی رائے سے ایران کو روانہ ہوا " جب کوئی شہر قریب آتا تو " بیرم خاں " بڑھکر وہاں کے حاکم سے ملتے اور اس طرح کی باتیں کرتے کہ ہر جگہ ہمایوں کا شاہانہ استقبال کیا جاتا۔ قزوین سے آپ ہی شاہ طہماسپ کی خدمت میں ہمایوں کا خط لے گئے " اور ایسی وکالت کی جس سے شاہ بہت متاثر ہوئے۔

اِیران میں قیام کے زمانے میں ہر کام بیرام خاں کی رائے سے کیا جاتا تھا۔ شاہ ایران اُن پر ایسا مہربان تھا کہ اُس نے اُنہیں " خان " کا خطاب " اور شہزادوں کا مرتبہ عنایت کیا تھا۔

سنہ ۹۵۲ ہجری میں، جب ہمایوں قندھار کو میرزا عسکری کے مقابلہ پر ایرانی فوج کے ہمراہ روانہ ہونے لگے تو شاہ طہماسپ نے بیرام خاں کو روکنا چاہا مگر ہمایوں سے جدا ہونا آپ نے پسند نہیں کیا۔ اور ہمایوں کے لئے اپنے وطن و قوم کو چھوڑ دیا "

ہمایوں نے آپ کو ایلچی بناکر کابل بھیجا۔ راستہ میں قوم ہزارہ نے آپ کو روکا۔ مگر آپ اُن کو شکست دیکر کابل پہنچ گئے۔ اور وہاں میرزا کامران کو تحفے پیش کئے اور اُس سے خلوص و محبت کی باتیں کیں۔ پھر میرزا ہندال و میرزا سلیمان و یادگار ناصر میرزا و الغ بیگ میرزا۔ اور اکبر سے ملے "

ڈیڑھ ماہ کے بعد "بابر" کی بڑی بہن "خانزادہ بیگم" کو ہمراہ لیکر "قندھار" جس کا "ہمایوں" نے محاصرہ کر رکھا تھا آ گئے۔ ان کے آنے کے بعد "مرزا عسکری" مجبور ہو گیا۔ اور "خانزادہ بیگم" کی امان میں قلعہ سے باہر آگیا۔ "بیرام خاں" نے اُس کی گردن میں تلوار ڈالکر "ہمایوں" کے دربار میں پیش کیا۔

ہمایوں نے وعدے کے مطابق قلعہ "شاہ طہماسپ" کے بیٹے کو دیدیا۔ اور چند دنوں کے بعد اُسے بقوت لیکر "بیرام خاں" کے سپرد کر دیا۔ جسے انہوں نے نہایت مستحکم کر لیا۔ "۹۶۱ھ" ہجری میں "ہمایوں" لوگوں کے بہکانے سے "قندھار" آیا تو "بیرام خاں" نے قلعہ سے باہر آکر اُس کا استقبال کیا اور تحائف پیش کیے۔ "ہمایوں" پر مفسدہ پردازوں کی شرارت ظاہر ہو گئی۔ مگر جب وہ "بیرام خاں" کا قندھار سے ہٹایا جانا خلاف دانشمندی سمجھکر تنہا واپس جانے لگا تو "بیرام خاں" کے اصرار پر اُس نے "بہادر خاں" کو حاکم داور بناکر امداد پر متعین کر دیا۔

سلیم شاہ کی وفات کے بعد پٹھانوں میں نفاق ہو جانے کی وجہ سے "۹۶۲ھ" ہجری میں "ہمایوں" نے "ہندوستان" کا قصد کیا۔ اُس وقت "بیرام خاں" اجازت لیکر اپنی فوج کے ساتھ اُس کے لشکر سے آن ملے۔ "دریائے سندھ" سے پار اُتر کر "ہمایوں" نے انہیں "سپہ سالاری" کا منصب عطا کیا۔ اور "صوبہ قندھار" کو اُن کی جاگیر قرار دیا۔ "ماچھی واڑے" سے تین ہزار افغانوں کو "بیرام خاں" نے مار کر بھگا دیا۔ تو انہیں "سرکار سنبھل" جاگیر میں دی گئی۔ "دہلی" پر قبضہ کے بعد تمام اُمراء کو "بیرام خاں" کی تجویز سے انعام عطا ہوئے۔ اور خود اُن کو "صوبہ سرہند" جاگیر میں ملا۔ کیونکہ وہاں انہوں نے زبردست فتح حاصل کی تھی۔

"۹۶۳ھ" ہجری میں "ہمایوں" نے "اکبر" کا اتالیق بناکر "بیرام خاں" کو "سکندر سور" کے مقابلہ میں "سرہند" کو روانہ کیا۔ "بیرام خاں" نے "سکندر" کے اسی ہزار افغانوں کو شکست فاش دیکر بہت مال و ہاتھی گھوڑوں پر اُن کے قبضہ کر لیا۔ اِس فتح کی مسرت میں "ہمایوں" نے "بیرام خاں" کے خطابات میں "خانخاناں" "یار وفادار" اور "ہمدم و غمگسار" کے الفاظ اضافہ کیے۔ اور اُن کے تمام ملازمین کے نام شاہی دفتر میں داخل کر کے "سنبھل" جاگیر عطا کی۔ دلی پر قابض ہونے کے بعد جو فوج پٹھانوں کے استیصال کی غرض سے "ہمایوں" نے اکبر کے ساتھ "بیرام خاں" کی اتالیقی اور سپہ سالاری میں روانہ کی تھی۔ ہریانہ کے حدود میں اُسے "ہمایوں" کے انتقال کی خبر ملی۔ "بیرام خاں" نے اس خبر کو پوشیدہ رکھا۔ اور پیش قدمی روک کر "کلانور" چلے گئے۔ جہاں انہوں نے سب کی تشفی کر کے اور شاہانہ دربار کر کے ۲۷ جمادی الثانی "۹۶۳ھ" ہجری کو تیرہ سال کی عمر میں "اکبر" کے سر پر تاج شاہی رکھا۔ اور جن سرداروں کی طرف سے بغاوت کا اندیشہ تھا اور وہ دربار میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ انہیں مشورے کے بہانے سے بلا کر قید کر لیا۔

اکبر کی تخت نشینی کے بعد "ہیموں بقال" وزیر "سکندر شاہ سوری" "آگرہ" پر قبضہ کر کے "دہلی" پر بڑھا۔ تو وہاں کے گورنر "تردی بیگ" نے شکست کھائی۔ "علی قلی خاں" "میرٹھ" میں تھا۔ وہ مقابلہ کو بے سود سمجھکر "نوشہرہ" چلا گیا۔ "اکبر" اور "بیرام خاں" اُس وقت "جالندھر" میں تھے۔ اور پنجاب کے سوا تمام صوبوں پر "افغانی" اقتدار قائم ہو چکا تھا۔ اُس سے بڑی پریشانی پھیلی۔ لیکن "بیرام خاں" نے "اکبر" کو مطمئن کر کے اور اُمرائے دولت کو جمع کر کے اُن کی رائے لی۔ کیونکہ "دشمن" کا لشکر ایک لاکھ سے زائد تھا اور یہاں کل فوج بیس ہزار تھی۔ اس لئے سب کی رائے ہوئی کہ اِس سال "کابل" چلیں۔ اگلے سال پھر آ جائیں گے۔ "بیرام خاں" نے اُن سے کہا کہ "دوستو خدا کے لئے ہمت مت ہارو۔ مرد بنو۔ تم بھاگ گئے تو کس کو منہ دکھاؤ گے۔ سب کہیں گے۔ ایک لڑکے کو (اکبر کو) میدان میں چھوڑ کر بھاگ آئے۔" "اکبر" نے کہا "خان بابا آپ مختار کل ہیں۔ جو مناسب مصلحت ہو وہ کریں۔" اس وقت "اکبر" نے "بیرام خاں" کے خطابوں پر "خان بابا" کے القاب کا اضافہ کر کے اور اتالیقی و سپہ سالاری پر "وکیل مطلق" کا عہدہ زیادہ کر کے اپنے تمام مہمات ملکی و مالی کو اُن کے سپرد کر دیا تھا کہ جس کام کو تم مناسب سمجھو اور حکومت کا فائدہ اُس میں دیکھو "میری اجازت کے منتظر مت رہو۔" اور اُمراء نے "بیرام خاں" کو لوگوں کی خصومت کے خطرات سے مطمئن کرنے کے لئے "عہد و پیمان" بھی کئے۔

اب "بیرام خاں" نے سب کی حوصلہ افزائی کی اور سب کو تسلی آمیز فرمان بھیج کر بلایا۔ جب "تردی بیگ" آیا تو اسے دوسروں کی عبرت کے لئے قتل کرادیا۔ اس کے بعد "ہیمو" کی فوج کا مقابلہ کرکے اسے شکست دیدی "ہیمو" کو گرفتار کرلیا۔ اور تمام باغیوں کو تہ تیغ کرکے "بابر و ہمایوں" کی سلطنت کو پھر سے "ہندوستان" میں قایم کردیا۔ (کتاب تحفۂ بیرم خاں ترکمان۔ مطبوعہ آگرہ اخبار پریس آگرہ
(تالیف حکیم علی کوثر چاند پوری۔ بیگم گنج بھوپال)

"ہمایوں" کے ساتھ خاص تعلق اور وابستگی رکھنے کے باعث "شیر شاہ" کے سلطنت پر قابض ہونے کے زمانے میں "شیخ گدائی" "گجرات" میں جاکر مقیم ہوگئے تھے۔ اور اکبری تخت نشینی کے سال میں آپ "ہیموں" سے لڑائی اور اس کی گرفتاری سے پہلے ۹۶۳ھ میں "گجرات" سے "دہلی" تشریف لے آئے تھے۔ اور آپ کا تقرر "صدارت" کے عالی شان عہدے پر کردیا گیا تھا۔
(اورنٹیل کالج میگزین لاہور بابت اگست ۱۹۳۴ء صفحہ ۹۱)

دربار اکبری کے صفحہ ۱۶۵ پر ہے کہ "ہیمو" جب "اکبر" کے سامنے لایا گیا تو "شیخ گدائی" نے "اکبر" سے کہا کہ جہاد اکبر کیجئے" اور "اکبر" کی مرضی پاکر پہلے "بیرام خاں" نے بیٹھے بیٹھے "ہیموں" پر تلوار کا وار کیا۔ دوسرا وار "شیخ گدائی" نے کیا۔

اور صفحہ ۱۶۷ پر ہے کہ "غرضکہ فتح و فیروزی کے ساتھ" دلی پہنچ کر "بیرام خاں" نے ادھر ادھر فوجیں بھیجکر انتظامات شروع کر دیئے "اکبر" کی بادشاہی اور "بیرم خاں" کی سربراہی تھی۔ دوسرے کا دخل نہ تھا۔ شکار کو جانا، شکارگاہوں میں رہنا، محل میں کم جانا، اور جو کچھ ہو بہ اجازت "خان خاناں"۔ امرائے اکبر و بابری "بیرام خاں" کے ان بالیاقت اختیاروں کو نہ دیکھ سکے۔ سب کو ان کے پیچھے چلنا پڑتا تھا۔ اس لئے انہوں نے "چھوٹی چھوٹی" باتوں پر "بادشاہ کو بھڑکانا شروع کیا۔ اور ان کے خلاف خفیہ کارروائیاں شروع کرکے "جان و آبرو" کی فکر میں رہنے لگے"

(۱) اکبری لشکر جس وقت "قلعہ مانکوٹ" کو گھیرے ہوئے تھا۔ خان خاناں کے "دنبل" نکلا ہوا تھا جس کی وجہ سے وہ سوار بھی نہیں ہو سکتے تھے۔ اکبر نے دو ہاتھی منگائے اور ان کی لڑائی کا تماشا دیکھنے لگا۔ وہ دونوں لڑتے ہوئے "بیرام خاں" کے خیمہ پر آن پڑے۔ اور ان کی جان مشکل بچی۔ خانخاناں کو "شہاب الدین محمد اتکہ خاں" کی طرف خیال ہوا کہ اس نے "بادشاہ کے کچھ کان بھرے ہوں گے" "بیرام خاں" نے بادشاہ کو "ماہم انگہ" کے ذریعہ کہلا بھیجا کہ "اپنی دانست میں میں نے کوئی خطا نہیں کی" اگر اس خیر اندیش کی کوئی بات خلاف واقعہ حضور تک پہنچی ہے تو ارشاد ہو۔ فدوی اس کا عذر کرے" یہاں تک نوبت پہنچی کہ "فدوی کے خیمہ پر ہاتھی ہول دیئے۔ (صفحہ ۱۷۰)

(۲) ہمایوں نے اپنے مرنے سے پہلے "اپنی پھوپی زاد بہن "سلیمہ سلطان بیگم" کی نسبت "بیرام خاں" سے ٹھہرادی تھی۔ اکبر نے "۹۶۵ ہجری میں" دلی یا جالندھر" کے مقام پر عقد کردیا۔ اس شادی کے لئے بیگمات نے بڑی تاکید کے ساتھ صلاح دی۔ لیکن "بخاری اور ماوراء النہری ترک امراء اس قرابت سے ناراض ہوئے۔ اور کہا کہ "ہماری شہزادی" ایرانی ترکمان" اور نوکر کے گھر میں جائے یہ ہمیں گوارا نہیں" "ملا پیر محمد" نے بھی اس آگ پر خوب تیل ٹپکایا"

شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد دہلوی فرماتے ہیں کہ "ایرانی" "تورانی" کا بہانہ تھا اور شیعہ سنی کا افسانہ۔ انہیں رشک "صرف بیرام خاں کے منصب اور اختیار کا تھا" آل بابر" اور "آل تیمور" کی انہیں پرواہ نہ تھی "بابر" کا چند پشتوں کا نمک برباد کیا "ہندوستان میں آکر یہ ایسے خیر خواہ بن گئے۔ اور "بیرام خاں" بھی کچھ نیا امیر نہ تھا۔ پشتوں کا امیر زادہ تھا۔ اور اس کی ننھیال کا "خاندان تیموری سے رشتہ تھا" (صفحہ ۱۷۱ و ۱۷۲)

(۳) مصاحب بیگ پسر خواجہ کلاں بیگ کو "ایک مفسدانہ جرم پر" خان خاناں" نے مروادیا" گو اس قتل کے بانی "ملا پیر محمد" تھے۔ مگر امراء نے بدنامی کا ٹھیکرا "بیرام خاں" کے سینہ پر توڑا" (صفحہ ۱۷۲، دربار اکبری)

(۴) مصاحب بیگ کی آگ "ابھی ٹھنڈی نہ ہوئی تھی کہ ایک شعلہ اور اٹھا" "ملا پیر محمد" اب بڑھتے بڑھتے "امیر الامراء کے

دریچہ کو پیچ کر" وکیل مطلق ہو گئے تھے" ۳ سنہ جلوس میں بادشاہ مع لشکر" دلی سے آگرہ کو چلے"

منتخب التواریخ میں ہے کہ" روزے در اثنائے توجہ از دہلی" بہ آگرہ" خان خاناں" با پیر محمد خاں" شکار افگناں براہے مے آمد" مقارن ایں حال" خان خاناں" از رکاب داران خاصہ پرسید کہ" ہیچ توشہ در رکاب خانہ است کہ گرسنہ ایم" پیر محمد خاں" در حال گفت کہ حاضر است" اگر فرود آیند" کشیدہ شود" خان خاناں" بہ چشم خویش" زیر درختے فرود آمد" و سی صد کاسہ شربت" و ہفت صد صینی طعام پر تکلف" از رکاب خانہ" پیر محمد" کشیدہ شد" و خان خاناں" متعجب ماند" اگرچہ ہیچ ظاہر نساخت" اما در باطن آں غیرتے عظیم راہ یافت" (صـ۲)

" اکبرنامہ جلد دوم صـ۵ پر ہے کہ" آغاز سال سوم آلہی تاریخ جلوس حضرت شاہنشاہی۔ یعنی سال خورداد از دوراوّل کی سرخی کے تحت لکھا ہے کہ" درینولا کہ رایات اقبال در" حصار" بود" میاں ناصر الملک" و شیخ گدائی" نزاعی و نقاری (کینہ) بہم رسیدہ" و چوں" بیرام خاں" رعایت احوال بسیارے نمود" جانب او گرفت۔ ناصر الملک" روزے چند" خاطر غبار آلود ساختہ" پدر خانہ دربار و حضوری نیامد" وداناں کہ بمانے حجوبی ازیکدیگر آتان درمیان آمدہ صلح دادند"

ایک دن دہلی سے آگرہ کو جاتے ہوئے خان خاناں پیر محمد خاں کے ساتھ شکار کناں ایک جگہ پہنچے" تو خان خاناں نے خاصہ کے رکابدار سے پوچھا کہ رکاب خانہ میں اس وقت کچھ کھانے کے لئے موجود ہے" مجھے بھوک لگ رہی ہے" اِس موقع پر پیر محمد خاں نے کہا کہ کھانا جو چاہیں موجود ہے۔ اگر سواری سے اُتریں تو نکلوایا جائے۔ خان خاناں مع اپنے ساتھیوں کے اُتر کر درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ اور تین سو پیالے شربت کے اور سات سو برتن کھانے کے پیر محمد کے رکاب خانہ سے آئے۔ جنہیں دیکھکر خان خاناں متعجب ہوا" اگرچہ اُس نے کچھ کہا نہیں" لیکن دل میں اُس کے غیرت عظیم نے جگہ پائی"

جب بادشاہ حصار میں تھا" ناصر الملک اور شیخ گدائی" کے درمیان نزاع اور کینہ پیدا ہوا" کیونکہ بیرام خاں کو شیخ گدائی" کی رعایت احوال بہت تھی اس لئے انہوں نے شیخ گدائی کی طرفداری کی۔ ناصر الملک" تھوڑے دن معتوب رہا۔ دربار و حضوری سے محروم رکھا گیا۔ تھوڑے دنوں میں جو شخص نزاع کو پسند نہیں کرتے تھے" انہوں نے درمیان میں پڑ کر صلح کرادی")

منتخب التواریخ کے صـ۲۶ تا ۲۹ اور دربار اکبری میں ہے کہ" آگرہ پہنچکر" ملا پیر محمد" کچھ بیمار ہوئے۔ خان خاناں" عیادت کو گئے۔ پیر محمد کے ایک غلام دربان نے" مثل دوسرے اشراف کے جنہیں وہ روک دیا کرتا تھا" خان خاناں" کو بھی روکا اور کہا کہ جب بلائیں تب جائیے گا ملا پیر محمد" خان خاناں" کا چالیس برس کا نوکر تھا" اپنے ساتھ یہ برتاؤ دیکھکر اُس کی زبان سے نکلا کہ" بیلے خود کردہ را درماں نباشد" ملا۔ کو خبر ہوئی تو انہوں نے خود آکر معذرت کی کہ دربان آپ کو پہچانتا نہ تھا" خان خاناں نے کہا" بلکہ تم بھی" اس پر بھی یہ ہوا کہ" خان خاناں" تو اندر گئے مگر خان خاناں کے ملازموں میں سے سوائے طاہر محمد سلطان میر فراغت کے" کہ اُس نے بھی بڑی دھکا پیل سے اپنے آپ کو اندر پہنچایا" اور کوئی نہ اندر جا سکا" خان خاناں" تھوڑی دیر بیٹھکر گھر چلے آئے"

اِس واقعہ کے دو تین دن کے بعد" خواجہ امینا" جو اخیر میں" خواجہ جہاں" ہو گئے۔ اور" میر عبداللہ بخشی" کو" خان خاناں" نے" ملا پیر محمد" کے پاس بھیجکر کہلایا کہ" تمہیں یاد ہوگا" بغل میں کتاب لئے ہوئے۔ بے طالب علمی و نامرادی کی وضع سے تم" قندھار" میں آئے تھے۔ ہم نے تم میں قابلیت دیکھی اور اخلاص کی صفتیں پائیں۔ اور خدمت دی تم نے اچھی بن آئی چنانچہ بد ترین درجہ فقر و طالب علمی سے" عرش المراتب خانی و سلطانی" اور درجہ امیر الامرائی" تک پہنچایا۔ مگر تمہارا حوصلہ" دولت و جاہ کی گنجائش نہیں رکھتا" خطر ہے کہ کوئی ایسا فساد اٹھاؤ جس کا تدارک مشکل ہو جائے" ان مصلحتوں پر نظر کر کے چندا فتنہ یہ غرور کا اسباب تم سے الگ کر لیتے ہیں۔ تاکہ بگڑا ہوا مزاج۔ اور مغز دماغ ٹھیک ہو جائے۔ مناسب یہ ہے کہ" علم و نقارہ" اور اسباب حشمت" سب سپرد کر دو۔ ملا کی مجال نہ تھی ہوا تھا کہ تنا" ناچار اسی وقت سب حوالے کر دیا" اور وہ ہی ملا پیر محمد رہ گیا جو کہ پہلے تھا" پہلے آئے" قلعہ بیانہ" میں" نظر بند کر دیا" اور چند روز کے بعد" براہ گجرات" مکہ معظمہ" روانہ کر دیا۔ اُس کی جگہ حاجی محمد سیستانی" بادشاہ کے استاد کو" وکیل مطلق کر دیا" بادشاہ نے یہ سنکر رنج کیا مگر کچھ نہ کہا"

"ملا پیر محمد" نے "بیانہ" سے چلکر "رادھن پور" میں مقام کیا" وہاں "فتح خاں بلوچ" نے ان کی بہت خاطرداری کی۔ ادھر سے "ادہم خاں" وغیرہ امراء کے خط پہنچے۔ کہ جہاں ہو وہیں ٹھہر جاؤ اور انتظار کرو کہ پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے "بیرام خاں" کو "ملا" کے وہیں ٹھہر جانے کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے کئی سرداروں کے ساتھ فوج روانہ کردی "ملا نے ایک پہاڑی کی گھاٹی میں تھوڑی جنگ کی بیگمات کو وہاں سے فرار ہو گئے۔ سب مال و اسباب اُن کا "بیرام خانی" سپاہ کے ہاتھ آیا" (ص۱۶۳ تا ۱۶۴)

(۵) اب وہ وقت آیا کہ یا تو "خان خاناں" کی ہر تجویز "عین تدبیر تھی۔ یا ہر بات نظروں میں کھٹکنے لگی اور اُن کے حکموں پر شور و غل ہونے لگے "مالوہ کی مہم کا چرچا ہو رہا تھا۔ غرض کیا کہ فدوی بذاتِ خود جا کر اپنی خرچ خاص سے اِس مہم کو سر کرے گا" جب وہ خود لشکر لے کر گئے تو امرا نے دربار مدد کی جگہ بدخواہی پر کمر بستہ ہو گئے۔ انہوں نے اطراف کے زمینداروں میں مشہور کر دیا کہ "خان خاناں" پر بادشاہ کا غضب ہے "اس پر مزید یہ کارروائی کی کہ "بادشاہ" کی طرف سے "خفیہ حکم لکھکر بھیجے کہ جہاں موقع پاؤ "بیرام خاں" کا کام تمام کردو" اُمرا کی اِن کارروائیوں سے "یہ مہم ناکام ہو گئی" (ص۱۶۵)

(۶) اِسی طرح "بنگالہ" کی مہم میں بھی۔ دو غلے دغابازوں نے "دونوں طرف ملکر کام خراب کر دیا" اور مشہور یہ کیا کہ "خان خاناں" جہاں جاتا ہے۔ بجان بوجھکر" کام خراب کر دیتا ہے" (ص۱۶۵)

(۷) مزید یہ صورتیں پیدا ہوئیں کہ "بادشاہی ہاتھیوں میں ایک مست ہاتھی" فیلبان کے قابو سے نکل گیا" اور "بیرام خاں" کے ہاتھی پر جا پڑا" اُس نے اس کے ایسی جگہ ٹکر ماری کہ "بیرام خاں" کے ہاتھی کی انتڑیاں نکل پڑیں" "خان خاناں" نے خفا ہو کر "شاہی فیلبان کو قتل کر دیا" (ص۱۶۶)

(۸) انہیں دنوں میں ایک خاصہ کا ہاتھی مستی میں آکر "جمنا" میں اُتر گیا اور بدمستیاں کرنے لگا" "بیرام خاں" اُس وقت کشتی میں سوار دریا کی سیر کر رہے تھے" ہاتھی اُن کی کشتی کو دیکھکر ٹکر مارنے کے واسطے اِدھر آیا" یہ حال دیکھکر کناروں سے غل اور دریا میں شور اٹھا" ملاح بھی گھبرا گئے" ہاتھ پاؤں مارتے تھے مگر دل ڈوبے جاتے تھے "خان خاناں" پر عجب حالت گذری۔ بارے مہاوت نے ہاتھی کو دبا لیا اور "خان خاناں" کی جان اِس آفت سے بچ گئی "اکبر نے اس خبر کو سنکر "مہاوت کو باندھکر اُن کے پاس بھیجدیا" اور "بیرام خاں" نے اُسے قتل کر دیا۔ (ص۱۶۶ و اکبرنامہ جلد دوم ص۸۳)

(۹) "خان خاناں" کے دشمن تو بہت تھے مگر "ماہم انگہ" اُس کا بیٹا "ادہم خاں" "شہاب الدین احمد خاں" اُس کا رشتہ دار اور داماد" اور اکثر رشتہ دار ایسے تھے کہ "اندر و باہر" ہر طرح کی عرض کا موقع ملتا تھا" اکبر۔ اُس کا اور اُس کے لواحقوں کا حق بھی بہت مانتا تھا" یہ علامہ بڑھیا" ہر وقت لگاتی بجھاتی رہتی تھی۔ اور کبھی جو اُن میں سے موقع پاتا تھا" بات بات پر اکساتا تھا" کبھی (کہتے تھے کہ) یہ حضور کو بچہ سمجھتا ہے۔ اور خاطر میں نہیں لاتا ہے" بلکہ کہتا ہے کہ "میں نے تخت پر بٹھایا ہے۔ جب چاہوں گا اٹھا دوں گا۔ اور جسے چاہوں گا بٹھا دوں گا" کبھی کہتے کہ "شاہ ایران" کے مراسلے اُس کے پاس آتے ہیں۔ اور اُس کی عرضیاں جاتی ہیں" فلاں سوداگر کے ہاتھ تحائف بھیجے تھے"

درباری رقیب جانتے تھے کہ "بابر و ہمایوں" کے وقت کے پرانے پرانے خدمتگذار کہاں کہاں ہیں۔ اور وہ کون اشخاص ہیں جن کے دلوں میں "خان خاناں" کی رقابت کی آگ سلگ سکتی ہے"

تمہیں یاد ہے "شیخ محمد غوث گوالیاری" کا دربار سے کیونکر سلسلہ ٹوٹا۔ اور وہ اُن سب باتوں کو "خان خاناں" کے اختیار کا خلل سمجھے تھے۔ اُن کے پاس خطوط بھیجے۔ اور مقدمات کے اینچ پینچ سے آگاہ کر کے "برکت انفاس کے طلبگار ہوئے" وہ مرشد کامل تھے" نیت خالص سے شریک ہوئے۔ (ص۱۶۶)

نوٹ ۱ـــ شیخ محمد غوث گوالیاری کے متعلق دربار اکبری کی یہ تحریر لکھی جا چکی ہے کہ "تمہیں یاد ہے "شیخ محمد غوث گوالیاری کا دربار سے کیونکر سلسلہ ٹوٹا۔ اور وہ اُن سب باتوں کو "خان خاناں (بیرام خاں) کے اختیار کا خلل سمجھتے تھے۔ ان کے پاس خطوط پہنچے اور مقدمات کے اینچ پینچ سے آگاہ کر کے برکات انفاس کے طلبگار ہوئے۔ وہ مرشد کامل

اب شفقت شاہانہ یہی ہے کہ اجازت ہوجائے" یہ قدیمی خانہ زاد" خانۂ خدا کو چلے جائیں۔ وہاں غائبانہ دعاؤں سے خدمت بجالائیں گے" (ص۱۷۸)

(۱۱) غرضکہ "بیرام خاں" کی بداندیشی اور بغاوت کے ارادے بادشاہ کے دل پر ایسے نقش کر دیئے کہ اُس کا دل پھر گیا۔ اور اُس نے سوائے اس کے کوئی چارہ نہ دیکھا کہ اپنی حالت کو اُن کی صلاح و تدبیر کے حوالے کر دے" "شہاب الدین احمد خاں" باہر وکیل مطلق ہو گئے" "ماہم" اندر ہی بیٹھی بیٹھی حکم احکام جاری کرنے لگی" اور مشہور کر دیا کہ "خان خاناں" حضور کی خفگی میں آیا" بات منہ سے نکلتے ہی دور پہنچ گئی۔ امراء اور ملازم دربار" جو آگرہ میں تھے۔ دہلی آنے لگے" یہاں جو آتا "شہاب الدین احمد خاں" اُس کا منصب بڑھاتے جاگیریں" اور خدمتیں دلواتے" صوبجات" اور اطراف و جوانب میں جو امراء تھے۔ اُن کے نام احکام جاری ہوئے" "شمس الدین خاں" اتکہ کو" بھیرہ" علاقہ پنجاب میں حکم پہنچا کہ اپنے علاقہ کا بندوبست کر کے" لاہور" کو دیکھتے ہوئے جلد" دہلی" میں حاضر حضور ہو" منعم خاں" کے بھی احکام و ہدایات کے ساتھ" کابل" سے طلب ہوئے" یہ بڑے سردار" کہنہ عمل سپاہی تھے" کہ ہمیشہ" بیرام خاں" کی آنکھیں دیکھتے رہتے۔ ساتھ ہی شہر پناہ۔۔ اور قلعہ دہلی" کی مرمت اور مورچہ بندی شروع کر دی" واہ رے" بیرام خاں" تیری ہیبت" (ص۱۷۹)

(منتخب التواریخ جلد دوم ص۳۵ تا ص۳۷)

(۱۲) یہاں" خان خاناں" نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا" شیخ گدائی" اور چند اور شخصوں نے یہ رائے دی کہ حریفوں کا پلہ ابھی بھاری نہیں ہوا ہے" آپ یہاں سے جریدہ سوار ہوں" اور نشیب و فراز کیا کریں" بادشاہ کو پھر قابو میں لائیں کہ فتنہ انگیزوں کو فساد کا موقع نہ رہے۔ (ص۱۷۹ تا ۱۸۰) منتخب التواریخ جلد دوم کے ص۳۷ پر ہے کہ۔

"خان خاناں" در آگرہ" با جمیع از مخصوصانِ خویش کنکاش طلبیدہ"

خان خاناں نے آگرہ میں اپنے سارے مخصوصوں کو صلاح و مشورے کیلئے طلب کیا۔

(بقیہ نوٹ ص۱۴۲) از یں سبب علما از آزار شیخ در گذشتند۔ وفات و۔۔۔ ۹۷۰ ہجری است۔ (خزینۃ الاصفیا مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ)

بیہوشی میں ہوتی ہے نہ کہ ظاہر میں مجھے کچھ خبر نہیں ہے"۔ اس سبب سے علما نے شیخ محمد غوث کو ستانے سے ہاتھ اُٹھا لیا اور اُسے چھوڑ دیا۔ اسکی وفات ۹۷۰ ہجری میں ہوئی۔

ترجمہ اردو منتخب التواریخ کے ص۱۵۱ پر ہے کہ" جب سلطان محمود گجراتی کے زمانہ میں" شیخ محمد غوث" ہندوستان سے گجرات کو گئے تھے تو" شیخ علی متقی" نے جو مشائخ کبار۔ اور اپنے وقت کے علمائے روزگار میں سے تھے۔ اُن کے قتل کا فتویٰ دیا۔ سلطان نے اُس کا جاری کرنا" میاں وجیہہ الدین" کی رائے پر موقوف رکھا۔ چنانچہ" میاں وجیہہ الدین" شیخ کی ملاقات کو گئے اور پہلی ہی ملاقات میں ایسے اُن کے معتقد ہوئے کہ بے اختیار ہو گئے۔ اور اُس فتوے کو چاک کر ڈالا" یہ سنکر" شیخ علی" اُن کے مکان پر گئے۔ اور اپنے کپڑوں کو پھاڑ کر کہا" کہ تم کیوں بدعت کے رواج پر راضی ہوتے ہو اور شریعت میں رخنہ ڈالتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم ارباب قال ہیں اور شیخ اہل حال" ہمارا ذہن اُن کے کمالات کو نہیں سمجھ سکتا۔ اور ظاہر شریعت میں کوئی اعتراض اُن پر نہیں آتا۔ غرضکہ اُن کے ہی سبب سے اہل گجرات" شیخ محمد غوث" کے معتقد ہو گئے۔ اور شیخ نے آمیا قصہ سے نجات پائی" بعد اس کے" میاں وجیہہ الدین" اکثر اپنی مجلس میں یہ کہا کرتے تھے کہ ظاہر شریعت میں آدمی کی نظر ایسی چاہئے جو" شیخ علی متقی" کی کیفیت ہے۔ اور حقیقت میں یہ حال چاہئے جو ہمارے پیر کی کیفیت ہے"

اور منتخب التواریخ جلد دوم فارسی کے ص۳۴ و ۳۵ پر ہے کہ" بعد از انکہ" مہر علی" بہ آگرہ" آمد" قلعہ چنار" را" بہ غلام عدلی" بہ تصرف در آورد۔ و در سنہ ستین و تسعمایہ (۹۶۶ھ) شیخ مشار الیہ با مریدان و معتقدان و کرو فر تمام" از گجرات" بہ آگرہ" رسید۔ و شاہنشاہ بہ اعتقاد در آورد و مر" شیخ گدائی" را با جیب نفاق و حسد۔ کہ ائمہ ہندوستان را با ہم لازمہ ذاتی است" در این اُردو نماند۔ بالاسہ دکانش سا خفق خوش بیاید"

اس کے بعد جب" مہر علی" آگرہ آیا" قلعہ چنار" کو عدلی کا غلام" فتوح" اپنے تصرف میں لے آیا" اور ۹۶۶ھ میں" شیخ" وہ صوت اپنے معتقدوں اور مریدوں کے ساتھ بہت کروفر کے ساتھ گجرات سے آگرہ پہنچا۔ اور شاہنشاہ اُس کا معتقد ہو گیا" اور" شیخ گدائی" کو اُس سے حسد و نفاق پیدا ہوا۔ کیونکہ آئمہ ہندوستان کی یہ فطرت ہے کہ اپنے آپ سے دوسرے کو بڑھتا ہوا نہیں دیکھ سکتے"

رائے "شیخ گدائی" با چندے دیگر" این بود کہ پیش ازاں کہ بدگوہراں شور خود بہ بایغار رفتہ" شاہنشاہے را بدست آوردہ۔ تا مجال دخل حسّاد و غبار نباشد"

شیخ گدائی اور چند دوسروں کی رائے یہ تھی کہ قبل اسکے کہ مخالفوں کا پلّہ بھاری ہو جائے نورا تیزی سے شاہنشاہ کے پاس پہنچ جانا چاہئے تاکہ حاسدوں کو مجال فساد پیدا کرنے کی نہ رہے

اس تحریر کے مقابلہ میں اب ہم دکھاتے ہیں کہ "ابوالفضل" نے اسی بات کو کن الفاظ میں لکھا ہے "جن سے اس کی خوشامد و چاپلوسی" اور طبیعت کے رنگ کا حال بھی بخوبی عیاں ہو جاتا ہے "اکبرنامہ جلد دوم کے ص۷۲ پر وہ لکھتا ہے کہ"

"باتفاق شورہ بختاں" خوشامد گوئے معاملہ نافہم مثل "ولی بیگ ذوالقدر" و "شیخ گدائی کنبوہ" "اندیشہ ہائے تباہ بخاطر آوردہ۔ خیالاتِ خام پختن گرفتند"

شورہ بختوں "خوشامدیوں اور ناسمجھ لوگوں کے اتفاق سے مثل "ولی بیگ ذوالقدر" اور "شیخ گدائی کنبوہ" "اندیشہ ہائے تباہ دل میں لاکر خیالات خام کو پکانے لگے"

"چوں باطن نورانی" حضرت شاہنشاہی بر خدایع "و مکر و فریب" این گروہ کافر نعمت (نمک حرام) آگاہی یافت" پیش از انکہ آن گروہ۔ گمراہ۔ بدکردار خیال فاسد خود ظاہر سازند" از سر بستہ" خود را درمیان اخلاص پیشہ ہائے یک جہت مثل "ماہم انگہ" (اکبر کی دایہ) و "ادہم خاں" (پسر ماہم انگہ) و "مرزا شرف الدین حسین" (اکبر کا بہنوئی) و جمعی دیگر از آستان نشینان۔ بارگاہِ قرب۔ درمیان آوردہ را باہم مشورہ کردہ) بخاطر خوردہ داں رسانیدند" و در خاطر باریک بیں حضرت اطلاع دادند) کہ نقاب۔ دبیدار شود از غفلت، چند از جمال جہاں آرا بر داشتہ" فکر اورنگ آرائی فرمایند"

جب بادشاہ سلامت کے نورانی باطن کو اس نمک حرام جماعت کے مکروفریب سے واقفیت ہوئی، تو قبل اس کے کہ وہ بدکردار و گمراہ جماعت اپنے خیالات فاسد کو ظاہر کریں۔ اپنے آپ سے وابستہ اخلاص پیشہ ہم رائے "مثل ماہم انگہ (اکبر کی دایہ بانیٔ فساد) اور ادہم خاں (ماہم کا بیٹا) اور مرزا شرف الدین" (اکبر کا بہنوئی) اور سارے دوسرے آستاں نشین بارگاہ قرب سے کہا کہ وہ باہم مشورہ کریں انہوں نے بعد مشورہ عرض کیا کہ "نقاب جمال جہاں آرا سے اٹھا کر یعنی خواب غفلت کو چھوڑ کر فکر اورنگ آرائی فرمائی جائے"

(بقیہ نوٹ ص۴۵) "خان خاناں" نیز بتقریب تصرفے کہ "شیخ گدائی" در مزاج نمودہ بود۔ با "شیخ محمد غوث گوالیاری" آشنائی چنانکہ بایستی نکرد۔ بلکہ مجالس متعدد منعقد ساختہ۔ و رسالۂ "شیخ محمد غوث" کہ دراں کیفیت معراج خود بیان کردہ گفتہ کہ در بیداری مرا مجالسہ و مکالمہ۔ با حضرت ربّ العزت تعالیٰ واقع شد۔ و بر حضرت رسالت پناہی صلعم "تقدیم کردم"

اور خان خاناں نے بھی جس کے مزاج پر شیخ گدائی تصرف رکھتے تھے۔ "شیخ محمد" کی کچھ قدر نہ کی بلکہ متعدد مجلسیں منعقد کر کے "رسالہ شیخ محمد غوث" کا کہ جس میں اس نے اپنی معراج کی کیفیت بیان کی ہے۔ اور کہا ہے کہ میری گفتگو حضرت ربّ العزت شانہٗ سے واقع ہوئی۔ اور میں حضرت رسالت پناہی صلعم سے بڑھ گیا ہوں"

و امثال ایں خرافات کہ عقلاً و نقلاً مذموم و ملوم باشد۔ درمیان آوردہ "شیخ (محمد غوث)، راپیش کشیدہ ہدف تیر ملامت ساختند۔ تا بخاطر آزردہ بگوالیار۔ رفت و علم و لوازم مشیخت و ارشاد و بہ پرداختہ" بجاگیر یک کرور کہ دادہ اند قناعت نمود"

اور اسی قسم کی اس کی اور خرافات جو عقلاً و نقلاً مذموم و بیہودہ ہیں درمیان میں لاکر اور شیخ (محمد غوث گوالیاری) کے سامنے رکھکر اس کو لعنت ملامت کا نشانہ بنایا جس سے وہ رنجیدہ ہو کر گوالیار چلا گیا۔ اور لوازم مشیخت و ارشاد کو لیکر ایک کروڑ کی جاگیر پر جو اسے دی گئی ہے اس نے قناعت کر لی"

آگے اسی جلد کے ص۴۳ پر ہے کہ "وزمانے کہ جامع ایں منتخب" در آگرہ بتحصیل علم رسمی" اشتغال داشت۔ و شیخ با کرو فر تمام۔ و جاہے مالا کلام۔ در لباس فقر آمد و غلغلہ از زمین و زمان درگرفت۔ خواست کہ رفتہ بملازمت نماید۔ اما چوں شنید کہ بتعظیم ہندواں قیام میکند۔ دل ازاں ہوس برخاست و محروم ماند"

اور جس زمانہ میں کہ اس منتخب کا جمع کرنے والا آگرہ میں طالب علمی میں مشغول تھا۔ اور شیخ (محمد غوث گوالیاری) بہت کر و فر کے ساتھ کہ جس کا بیان مشکل ہے۔ فقیری کے لباس میں آیا" اور غلغلہ اس کا زمین و زماں میں پہنچ گیا" میں نے چاہا کہ جا کر اس سے ملوں مگر جب سنا کہ وہ ہندوؤں کی تعظیم کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو یہ ہوس دل سے نکال دی اور اس کے ملنے سے محروم رہا"

پھر منتخب التواریخ جلد سوم کے ص۴ تا ۶ پر ہے کہ
بعد از فترات ہند۔ چوں "شیر شاہ" در مقام آزار "شیخ محمد" شد

اس زمانے سے جبکہ شیر شاہ کی سزا کے خوف سے شیخ محمد نے گجرات

و" بیرام خاں" و خوشامدگویان" مجلس اُو را سزائے لایق" درکنار نہیم۔ تا از خواب غفلت بیدار شدہ زمانے دراز از در حسرت کار خود باشند"

اور بیرام خاں" اور اس کی مجلس کے خوشامدیوں کو سزا ئے لایق دینی چاہئے۔ تاکہ وہ خواب غفلت سے بیدار ہو کر زمانے دراز تک کفِ افسوس ملتے رہیں"

آگے" صاحب دربار اکبری" لکھتے ہیں کہ" بعض کی رائے تھی کہ" بہادر خاں" کو فوج دیکر" مالوہ" پہ بھیجا جائے" خود وہاں چلو اور ملک تسخیر کرکے بیٹھ جاؤ" پھر جب موقع ہوگا۔ دیکھا جائے گا" بعض نے صلاح دی کہ" خان زماں" کے پاس چلو" پورب کا علاقہ" افغانوں" سے بھرا ہوا ہے۔ اُسے صاف کرو۔ اور چند روز وہاں بسر کرو۔ (ص۱۷۹ تا ۱۸۰)

(۱۳) شیخ گدائی" وغیرہ رفقا نے صلاحیں دیں۔ اور" خان خاناں" نے بھی چاہا تھا کہ آپ حضور میں حاضر ہوں۔ اور جو باتیں جرم و گناہ قرار دی گئی ہیں۔ اُن کی عذر و معذرت کرکے صفائی کرے" بعد اُس کے رخصت ہو" لیکن حریفوں نے وہ بھی نہ چلنے دی" انہیں ڈر ہوا کہ جب" بیرم خاں" اکبر" کے سامنے آیا اپنے مقصد کو پُراثر تقریر کے ساتھ اس طرح ذہن نشین کرے گا کہ جو نقش ہم نے اتنے دنوں میں بٹھائے ہیں" سب مٹ جائیں گے۔ اور وہ بنی بنائی عمارت کو چند باتوں میں ڈھا دے گا"

انہوں نے اکبر کو یہ کہہ کر ڈرا دیا کہ وہ خود صاحب فوج و لشکر ہے" اُمراء" سب اُس سے ملے ہوئے ہیں۔ نمک حلالوں کی تعداد بھی اکثر بہت کم ہے" اگر وہ یہاں آیا۔ تو خدا جانے کیا صورت ہو"

بادشاہ بھی لڑکا تھا" ڈر گیا" اور صاف لکھ بھیجا کہ ادھر آنے کا ارادہ نہ کرنا" اب تم حج کو جاؤ" پھر آؤ گے تو پہلے سے بھی زیادہ خدمت پاؤ گے" اس دریادل نے سرِ چشم کہہ کر قبول کیا" اور بہت خوشی سے تعمیل کی" ناگور" سے۔ طوغ و علم" نقارہ و فیل خانہ" تمام اسباب امیرانہ" اور شوکت شاہانہ" کا سامان" حسین قلی بیگ" اپنے بھانجے کے ساتھ روانہ کر دیا" جھجر" کے مقام میں پہنچا۔ اُس کی عرضی جو مضامین نیاز" اور صدق

(بقیہ نوٹ ص۴۶) سفر گجرات اختیار نمودہ۔ در سنہ مذکور (سنہ ۹۶۶ھ) از گجرات بہ آگرہ۔ آمد و پادشاہ را در صغر سن بہ تحریص و ترغیب، تمام بوسایل و سایط در سلک ارادت خود آورد۔ ولیکن بادشاہ زود رہا نمود" و چون صحبت اُو بخان خاناں۔ بیرام خاں" و شیخ گدائی" درست نیامد رنجیدہ بگوالیار رفت۔ و یک کروڑ تنگہ را مدد معاش داشت" ہر کرا میدید حتی کفار را نیز تعظیم و قیام مے نمود۔ ازیں جہت اہلِ فقر اندکے بہ ملامت و انکار اُو برخاستند و در سنہ ۹۰ ہجری نہصد و ہفتاد ہواز ہشتاد سالگی در آگرہ رحلت بدارالملک آخرت نمود و در گوالیار مدفون شد"

کا سفر اختیار کیا تھا" سنہ ۹۶۶ ہجری میں وہ گجرات سے آگرہ آیا۔ اور بادشاہ کی صغر سنی سے فائدہ اٹھا کر اس نے تحریص و ترغیب اور تمام وسیلوں اور واسطوں سے کام لیکر اُسے اپنا ارادتمند بنا لیا" لیکن بادشاہ جلد اس کے پنجے سے نکل گیا" اور کیونکہ اُس کا رویہ خان خاناں اور شیخ گدائی کو پسند نہیں آیا اسی لئے وہ رنجیدہ ہو کر گوالیار کو چلا گیا" ایک کروڑ تنگہ کی مدد معاش رکھتا تھا۔ جس کو دیکھتا حتی کہ کفار کی تعظیم کے لیئے بھی کھڑا ہو جاتا تھا" اسی لئے بعضے اہلِ فقر نے بھی اُس کی بزرگی سے انکار کیا ہے اور اس پر ملامت کی ہے" سنہ ۹۰ ہجری میں اسی سال کی عمر میں آگرہ میں اُس کی وفات ہو گئی۔ اور گوالیار میں مدفون ہوا۔

منتخب التواریخ جلد سوم کے اس بیان میں کیونکہ بادشاہ کو شیخ محمد غوث گوالیاری کے اپنے سلک ارادت میں لے آنے اور پھر بادشاہ کا جلد ہی شیخ موصوف کی ارادت سے پرہیز کرنے کا حال آ چکا ہے اس لئے اب ہم اس کی تفصیل اکبر نامہ جلد دوم کے ص۶۵ تا ۶۹ سے لیکر یہاں لکھتے ہیں جس سے بخوبی معلوم ہو گا کہ یہ پیری مریدی کس قسم کی تھی۔ یعنی جس طرح بادشاہ مرید بنایا گیا اس کا بادشاہ کے دل پر کیا اثر ہوا۔ اس کے متعلق ابوالفضل کا بیان یہ ہے کہ"

دریں ایام عنان عزیمت جنوب رویہ بقصد شکار منعطف داشتہ۔ عرصۂ گوالیار را از قدوم موکب خاص سعادت اجلال دادند" در اثنائے شکار بعض آہوبانان۔ و مقربان بساط شکار (شکار کنندہ) بعرض اقدس رسانیدند کہ ہمراہ" شیخ محمد" کہ از شیخان ہند مشہور ہند بود

انہیں دنوں میں شکار کی غرض سے جنوب کی طرف روانہ ہو کر کچھ عرصہ میں گوالیار میں رونق افروز ہوا" اثنائے شکار میں بعض ہرنوں کے نگہبان اور مصاحب شکار کرنے والوں نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ" شیخ محمد" جو مشائخ ہندوستان میں مشہور ہیں۔

کرخانِ جہان شد۔ و اسمٰعیل خاں برادرش۔ و شاہ قلی خاں محرم و حسین خاں خویش۔ مہدی قاسم خاں کسے دیگر نماند۔ و از زرِ ناگور اسباب حشمت را از نقارہ و علم آنچہ کہ داشت بدست حسن قلی خاں روانہ درگاہ گردانید۔

جو خانِ جہان ہوا۔ اور اسمٰعیل خاں اُس کا بھائی اور شاہ قلی محرم اور حسین خاں داماد مہدی قاسم خاں کوئی دوسرا نہ رہا۔ اور ناگور سے تمام اسباب حشمت نقارہ و علم جو کچھ کہ رکھتا تھا حسین قلی خاں کے ہاتھ بادشاہ کے پاس بھیج دیا۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۸) تماشائے رنگ آمیزی عالم بودند۔ بہ رسم ظاہر جواب فرمودند کہ نے۔ شیخ دستِ مقدس آں جہانپناہ و الٰہی گرفت و گفت۔ یا دستِ شما گرفتیم۔ حضرت شاہنشاہی از فرطِ مروّت و حیا چیزے بہمائے آں نداد و تبسم کناں برخاستند بندگانِ حضرت شاہنشاہی۔ مکرراً در محافل عالیہ میفرمودند کہ ہماں شب مخیم اقبال آمدہ بزمِ جام و بادہ ترتیب دادہ سرگرم نشاء نشاط بودیم۔ و بر طریق گرفتن گاواں۔ و طرز درازدستی شیخ خندہ یاد داشتیم۔

سبحان اللہ! ایں مرد سادہ۔ خود آرائی۔ دراں پایہ و قدردانی و مروّت و مردمی حضرت شاہنشاہی دریں مرتبہ کہ باوجود آنکہ مکرراً از عوام الناس مسامع علیہ رسید کہ آں شیخ در ہنگامہ عوام۔ از عمل ناشایستہ خود پشیمان نشدہ۔ بہ ایں بے روشی مباہات و فخر میکند۔ گوش نفرمودہ۔ در تدارک آں توجہ نہ نمودند۔

و ایں شیخ برادر خورد شیخ بہلول است کہ سابقاً مذکور شد کہ میرزا ہندال او را بقتل رسانیدہ۔ و ایں دو برادر اگرچہ از فضائل و کمالات علمی عاری بودند۔ اما بعض اوقات در دامن جبال نشستہ بدعوات اسماء اشتغال مے نمودند۔ و آں را دستاویزِ جاہ و اعتبار خود ساختند۔ و بصحبت سلاطین و امراء بوسیلہ سادہ لوحان۔ زود فریب رسیدہ متاع ولایت مے فروختند۔

و برادر کلانش کہ ملازم رکاب نصرت قباب حضرت جہانبانی جنت آشیانی مے بود۔ چوں آنحضرت را توجہ تمام بدعوات بود۔ شیخ را بہ ادعائے او علیہ عزت مے دادند۔ و شیخ در خلوت خود۔ باسادہ لوحے چند بنسبت حضرت جہانبانی گاہ واسطہ عقیدت درگاہ رابطۂ ارادت انتساب دادہ۔ تفاخر مے نمود۔ و در ہنگام فتنہ شیرخانی چوں برادر کلان او در دولت خواہی حضرت جہانبانی عمر خود را سپری کردہ بود۔ اہلِ روزگار ایں خاندان را از منسوبان ایں دولت ابد قرین مے پنداشتند۔

شیخ محمد غوث از توہم سبب افغاناں بہ گجرات رفتہ بود۔ و چوں سوادِ اعظم ہندوستان از شعشعۂ نیر اقبال شاہنشاہی روشنائی گرفتہ دائرۂ امن و امان شد۔ شیخ با اولاد و احفاد خود۔ در دار الخلافت آگرہ بمجلس اقدس مشرف شدہ اعزاز و رعایت یافت۔

باور کئے ہیں۔ تماشائے رنگ آمیزی عالم ہیں۔ اخلاقاً جواب دیا کہ میں کسی کا مرید نہیں ہوں۔ شیخ نے بادشاہ جہانپناہ و الٰہی کا مقدس ہاتھ پکڑا اور کہا میں تمہارا ہاتھ پکڑتا ہوں (یعنی تمہیں مرید کرتا ہوں) بادشاہ سلامت نے مروّت و حیا کی وجہ سے کوئی جواب اُس کو نہیں دیا مسکراتے ہوئے چلے آئے۔ بادشاہ سلامت نے کئی دفعہ اپنی محفل عالیہ میں فرمایا کہ اُس شب کو اپنی جائے قیام پر آکر بزم جام و شراب ترتیب دیکر کیسی خوشیاں منائیں تھیں اور گائیں جس طرح حاصل کیں اور شیخ کی دراز دستی کیطرز پر ہنستے تھے۔

سبحان اللہ اس مرد سادہ کی خود آرائی اس پایہ کی ہے اور قدردانی و مروّت و مردمی بادشاہ سلامت کی اس مرتبہ پر ہے کہ باوجودیکہ بادشاہ سلامت کو عوام الناس سے کئی مرتبہ یہ معلوم ہوا کہ وہ شیخ عوام میں اپنے ناشائستہ عمل پر شرمندہ نہیں ہے بلکہ اپنی اس بے روشی پر فخر کرتا ہے۔ بادشاہ نے اُس کی ان باتوں کی طرف کچھ خیال نہ فرمایا اور اس کے تدارک کی طرف توجہ نہیں دی۔

یہ شیخ ور شیخ بہلول کا چھوٹا بھائی ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ اُسے میرزا ہندال نے قتل کرا دیا تھا۔ یہ دونوں بھائی اگرچہ فضائل و کمالات علمی سے عاری تھے لیکن بعض اوقات پہاڑوں میں بیٹھکر چند دعوات اسماء میں مشغول رہتے تھے۔ اُس کو جاہ و اعتبار کی دستاویز بنا کر سادہ لوحوں جلد فریب میں آجانیوالوں کے وسیلہ سے سلاطین و امراء کی صحبت سے متاع ولایت کو بیچتے پھرتے تھے۔

اُس کا بڑا بھائی جو ملازم رکاب حضرت جہاں پناہی جنت آشیانی (ہمایوں بادشاہ) کا تھا کیونکہ آنحضرت کی توجہ دعوات کی طرف تھی۔ شیخ کی اُس کے جاننے کے دعوے کی وجہ سے عزت کرتے تھے۔ اور شیخ اپنی خلوت میں چند سادہ لوحوں کو جتاتا تھا کہ بادشاہ سلامت مجھ سے عقیدت رکھتے ہیں اور میرے مرید ہیں۔ اور اس پر فخر کرتا تھا۔ شیرشاہ کی لڑائیوں کے زمانے میں کیونکہ اس کے بڑے بھائی نے حضرت جہاں پناہی کی دولت خواہی کی تھی اسلئے اہل روزگار اس خاندان کو اس دولت ابد قرین کے منسوبین جانتے تھے۔

شیخ محمد غوث افغانوں کے ڈر سے گجرات چلا گیا تھا اور جب سوادِ اعظم ہندوستان میں آفتاب اقبال شاہنشاہی سے پھر روشنی ہوئی اور امن امان ہوا تو شیخ مع اپنی اولاد اور عزیزوں کے دار الخلافت آگرہ میں آکر مجلس اقدس سے مشرف ہوا اور اُس نے عزت و رعایت حاصل کی۔

منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۳۹ پر ہے کہ "پیر محمد خاں" بتعجیل تمام رفت
وبہانۂ در "ناگور" توقف نمود "از یک دو منزل در رقعہ نوشتہ" بخان
خاناں "فرستاد کہ ؎ آمدم در دلِ اساسِ عشق محکم ہم چناں
با غمت جانِ بلا فرسودہ ہمدم ہم چناں
خان خاناں "درجواب نوشتہ کہ آمدن مردانہ" اما نزدیک
رسیدہ توقف کردن نامردانہ "
وبعد از انکہ "شاہنشاہ" بدہلی "مراجعت فرمودند" منعم خاں
را" از کابل "برائے وکالت طلبیدند" و خان خاناں "از جہت
ملاحظہ" مالدیو "راجہ جودھپور" کہ با جمعیت تمام "سرراہ گجرات"
گرفتہ بود "از ناگور" بہ بیکانیر "آمد" و از خبر تعاقب "پیر محمد خاں"
آزار بسیار یافتہ مایوس شد "وعازم پنجاب" گشت "

پیر محمد خاں جلد روانہ ہوا اور ناگور کی سرحد میں ٹھہر گیا "ایک دو منزل
سے رقعہ میں لکھکر خان خاناں کو بھیجا کہ ؎
آمدم در دلِ اساسِ عشق محکم ہم چناں
با غمت جانِ بلا فرسودہ ہمدم ہم چناں
خان خاناں نے جواب میں لکھا کہ آپ تو مردوں کی مثال لیکن نزدیک
پہنچکر ٹھہر گئے نامردوں کی طرح "
شاہنشاہ نے دہلی کو لوٹ آنے کے بعد منعم خاں کو کابل سے وکالت
کے واسطے بلایا "اور خان خاناں یہ دیکھکر کہ مالدیو راجہ جودھپور نے
اپنی تمام جمعیت کو ہمراہ لیکر گجرات "کا راستہ روک لیا ہے" ناگور سے بیکانیر
آیا۔ اور پیر محمد خاں کے تعاقب کی خبر سے اسے بہت رنج ہوا "مایوس
ہوکر "پنجاب" کی طرف گیا "

صاحب دربار اکبری لکھتے ہیں کہ "عجب دل پر صدمہ گذرا" چنانچہ اسی دل شکستگی کے عالم میں ایک عریضہ حضور میں لکھا۔ وہ خون کے قطرے ہیں جو دل افگار سے ٹپکتے ہیں "وہ بیکس بیت پینک رائے" دنیا سے بے آس "اہل دنیا سے بیزار" بیکانیر سے "پنجاب کی حد میں داخل ہوا" امرائے احباب کو لکھا کہیں "حج بیت اللہ" کو جاتا تھا "مگر سنتا ہوں کہ چند اشخاص نے کیا کیا کہکر "مزاج شریف بادشاہی کو میری طرف سے متغیر کر دیا ہے" خصوصاً "ماہم انگہ" کہ استقلال کے گھمنڈ کرتی ہے۔ اور کہتی ہے کہ میں نے "بیرام خاں" کو نکالا "اب ہمت یہ چاہتی ہے کہ "ایک دفعہ آکر بدکردار کو

(بقیہ نوٹ ۲ صفحہ ۵۰) داشت واز دست چہ قدر خون شنرک زد "وبنیان الرب
کہ عبارت از انسان باشد بچشم خود دراں روز دیدہ شد کہ در نظرش حکم ترب و غبار
گرند نا داشت "چوں فقیر "ملا عبد القادر صاحب منتخب) بے غرضانہ دراں
لشکر رفتہ بودم آں ہول قیامت نشان را دیدہ۔ بہ مہر علی خاں بیگ سلدوز
آشنائی خود گفتم کہ چوں باغیان سزائے خود یافتند "زن و بچہ ایشاں را خود "بحسب
شرع شریف" قتل واسیر نباید داست "
او از علم دین و دیانتے کہ داشت "رفتہ بہ ہمیں عنوان" بہ پیر محمد خاں
گفت "درجواب میگوید کہ یک شب خود ایں بندیان باشند چہ میشود "
و ہماں شب "غارتگراں قزاق" اسیران اہل اسلام را از "زنان مشائخ
وسادات "وعلما" و اعیان "در صندوقہا" و خرجینہا "پنہاں کردہ"
بجانب اُجین و دیگر اطراف بر دند "
و "سادات ومشائخ" آنجا "مصحف بردست گرفتہ پیشواز بر آمدند"
پیر محمد خاں ہمہ را کشت و آتش زد "؎
جلد مصحف کندہ و چرم نقارہ ساختہ
میشود معلوم از یں کو دشمن پیغمبر است

نکلتا ہے "اور بنیان الرب کہ عبارت انسان سے ہے۔ اپنی آنکھوں سے اس روز
دیکھا۔ اور ایسا نظر آیا کہ اُن کا حکم سبزہ خود رو اور کھیت کی گھاس کی سے ہے "
کیونکہ فقیر (ملا عبد القادر بدایونی صاحب منتخب) بے غرضانہ اس لشکر میں گیا تھا "
وہ ہول قیامت دیکھکر "مہر علی خاں سلدوز اپنے دوست سے کہا کہ جب باغیوں
نے اپنی سزا پالی ہے اُن کی بیویوں اور بچوں کو "شرع شریف کے مطابق قتل و
گرفتار نہیں کرنا چاہیے "
کیونکہ وہ دین کا علم اور دیانتداری رکھتا تھا اس نے میری یہ بات پیر محمد سے جاکر
کہدی "اس نے جواب دیا کہ ایک رات یہ قید میں رہیں تو کیسا ہو "
اور اسی رات کو یہ غارتگر قزاق "اسیران اہل اسلام کو جو مشائخ کی بیویاں
میں سے اور سادات "وعلما" و اعیان "تھے۔ صندوقوں اور خرجیوں میں بند
کرکے اُجین کی جانب اور دوسرے اطراف میں لے گئے "
اور وہاں کے سادات ومشائخ "قرآن شریف ہاتھوں میں لیکر
پیشوائی کو آئے "پیر محمد خاں نے سب کو مار ڈالا اور جلا دیا "؎
قرآن شریف کی جلد کو کندہ اور کھال کو نقارہ بنایا ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا
کہ وہ پیغمبر کا دشمن ہے "

کو سزا دینی چاہیے۔ اور پھر ننگے سر سے رخصت لیکر "سفر مقدس" پر متوجہ ہونا چاہیے۔" (صـ۱۸۳ و ۱۸۴)

پرگنہ دکدور "نواح گنا چور" میں کہ جنوب مشرق "جالندھر" پر تھا۔ دونوں چھاؤنیوں کے دھوئیں "طرفین کو دکھائی دینے لگے" بڑھے سپہ سالار نے "پہاڑ او "لکھی جنگل" کو پشت پر رکھکر ڈیرے ڈال دیئے۔ (صـ۱۸۶)

خافی خان کہتے ہیں کہ ان مصنفوں نے رعایت سے بات کو چھپایا ہے "ورنہ شکست" **اتکہ خان** "شمس الدین اتکہ خان سپہ سالار اکبر" پر پڑی" اور بادشاہی لشکر پریشان ہو گیا" (صـ۱۸۷)

وکیل دونوں طرف سے آتے جاتے تھے "خدا جانے" تکرار کس بات پر تھی "**منعم خاں**" سے نہ رہا گیا۔ چند اُمرا اور مقربان بارگاہ کے ساتھ "بے تحاشا" **خان خاناں** "کے پاس چلا گیا" کہن سال سردار تھے۔ کہنہ عمل سپاہی تھے۔ قدیمی رفاقتیں تھیں" مدتوں ایک جگہ رنج و راحت میں شریک رہے تھے۔ دیر تک دل کے درد کہتے رہے "ایک نے دوسرے کی بات کی داد دی" منعم خاں کی باتوں سے بیرام خاں کو یقین آیا کہ جو کچھ پیام آئے ہیں۔ واقعی ہیں" ان میں فقط سخن سازی نہیں ہے غرضکہ **خان خاناں** "چلنے کو تیار ہو گئے" (صـ۱۸۹)

جب بادشاہی خیمہ کا کلس نظر آیا تو گھوڑے سے اُتر پڑے "ترکوں کے رواج کے مطابق جس طرح گنہگار کو بادشاہ کے حضور میں لاتے ہیں" بیرام خاں "نے آپ کمر سے تلوار کھول کر گلے میں ڈالی" پٹکے سے اپنے ہاتھ باندھے "عمامہ سر سے اُتار کر گلے سے لپیٹا اور آگے بڑھے" خیمہ کے پاس پہنچے تو خبر سنکر "اکبر" بھی اٹھ کھڑا ہوا" لب فرش تک آیا" **خان خاناں** "نے دوڑکر سر پاؤں پر رکھدیا اور ڈاڑھیں مار کر رونے لگے" بادشاہ اُن کی گود میں کھیل کر پلا تھا۔ اُس کے بھی آنسو نکل پڑے "اُٹھا کر گلے سے لگایا اور اُن کی قدیمی جگہ دست راست پر پہلو میں بٹھایا" آپ اُن کے ہاتھ کھولے "دستار سر پر رکھی" خانخاناں نے کہا "آرزو تھی کہ حضور کی نمک حلالی میں جان کو قربان کروں" اور "شمشیر نہد بھائی میرے جنازہ کا ساتھ دیں" حیف کہ تمام عمر کی جانفشانی۔ اور جاں نثاری خاک میں مل گئی "خدا جانے ابھی قسمت میں کیا لکھا ہے" یہی شکر ہے کہ "اخیر وقت میں حضور کے قدم دیکھنے نصیب ہو گئے" یہ سنکر دشمنوں کے دل بھی پانی پانی ہو گئے" اکبر نے کہا "خان بابا" تین صورتوں میں سے جس میں آپ کی خوشی ہو "کہہ دیجئے"

(۱) حکومت کو جی چاہتا ہے تو "چندیری و کالپی" کے ضلع لیلو وہاں جاؤ اور بادشاہی کرو"

(۲) مصاحبت پسند ہے تو میرے پاس رہو۔ جو عزت و توقیر آپ کی تھی اُس میں فرق نہیں آنے کا"

(۳) حج کا ارادہ ہو تو بسم اللہ" روانگی کا سامان خاطر خواہ ہو جائے گا" "چندیری" آپ کی ہو چکی" محاصل آپ کے گماشتے جہاں آپ کہیں گے وہاں پہنچا دیا کریں گے" (صـ۱۹۰)

(بقیہ نوٹ نمبر صـ۵۱) "بجز ظلم و شقاوت و قساوت" **پیر محمد خاں** "نبود" کہ معائنہ کردہ شد" اور "منتخب التواریخ" جلد سوم کے صـ۱۵۱ پر ہے کہ "

ملا پیر محمد خاں "شیروانی" ملائے خوش فہم "اہل ادراک بود" مجلس شگفتہ داشت"

باوجود آں "قاسی القلب" و نا مقیدہ بہ آوامر و نواہی بود" از "شیروان" در "قندھار" بخدمت **خان خاناں بیرام خاں** "آمدہ نشو و نما یافتہ و بعد از فتح **ہندوستان** "خطاب خانی" بعد ازاں "ناصر الملکی" یافت"

و سہ و چہار سال در غایت ابہت و شوکت بود" چوں ظالم و جابر بود اں بقا ندید باشہ ہا در ولایت مالوہ بہ آب نربدہ" فرو رفتہ و بہ خشم و دو زخ پیوست"

یہ ماجرا **پیر محمد خاں** کے ظلم و شقاوت و قساوت کا تھا جو دیکھنے میں آیا"

"ملا پیر محمد خاں" شیروانی "ملائے خوش فہم" اور "اہل سمجھ والا تھا" مجلس شگفتہ رکھتا تھا"

لیکن باوجود اس کے سخت دل تھا اور اوامر و نواہی سے لاپرواہ تھا" **شیروان** سے "قندھار" میں "**خان خاناں بیرام خاں**" کی خدمت میں آکر اس نے نشو و نما پائی" **ہندوستان** "کی فتح کے بعد" خطاب خانی اور اس کے بعد "ناصر الملکی" کا خطاب پایا"

تین چار سال بہت ہی باشوکت رہا "مگر کیونکہ ظالم تھا" بقا نہیں ہوتی تھوڑے ہی دنوں بعد ولایت مالوہ میں نربدا دریا میں ڈوب گیا "جس طرح کہ فرعون دریائے نیل میں ڈوب گیا" دوزخ میں چلا گیا"

خان خاناں نے عرض کی کہ "اب عمر آخر ہوئی۔ کوئی ہوس باقی نہیں" تمنا ہے تو یہی ہے کہ "آستانہ الٰہی پر جا پڑوں اور حضور کی عمر و دولت کی دعا کیا کروں" (صفحہ ۱۹۱)

پٹن گجرات میں پہنچے یہیں سے گجرات کی سرحد شروع ہوتی ہے "عہد قدیم میں اسے "نہروالہ" کہتے تھے" ایک دن شام کے وقت "سہس لنگ" وہاں کے تالاؤ میں نواڑے پر بیٹھ کر "پانی پر ہوا کھاتے پھرتے تھے مغرب کے وقت کشتی سے نماز کے لئے اترے "مبارک خاں لوحانی" ایک افغان "تیس چالیس افغانوں کو لیکر سامنے آیا ظاہر یہ کیا کہ ہم ملاقات کو آئے ہیں" بیرام خاں "نے مروت و اخلاص سے پاس بلا لیا۔ اس نابکار نے مصافحہ کے بہانے سے پاس آکر پشت پر ایک خنجر مارا کہ سینہ کے پار نکل آیا۔ ایک اور ظالم نے سر پر تلوار ماری کہ کام تمام ہو گیا" (صفحہ ۱۹۱ و ۱۹۲)

"عبرت" خدا کی شان دیکھو کہ جن جن لوگوں نے اُن کی برائی میں اپنی بھلائی سمجھی تھی "ایک برس کے پس و پیش میں دنیا سے گئے اور ناکام و بدنام گئے" سب سے پہلے "شمس الدین محمد خاں اتکہ" اور گھنٹہ بھر نہ گزرا تھا کہ ادہم خاں "اور چالیس دن نہ ہوئے تھے کہ "ماہم" دوسرے ہی برس "پیر محمد خاں" بھی چل دیئے" (صفحہ ۱۹۳) اور سنہ ۹۷۰ھ میں ایک برس کے بعد شیخ محمد غوث گوالیاری بھی دنیا سے رخصت ہو گئے"

بیرام خاں کے حالات میں "صاحب دربار اکبری صفحہ ۱۹۳ و ۱۹۴ پر لکھتے ہیں کہ "ملا صاحب فرماتے ہیں) اس کا دل برگداز تھا۔ اکابر اور مشائخ کے کلام پر بہت اعتقاد رکھتا تھا۔ دل سے معرفت کے نکتہ پر آنسو بہاتا تھا" صحبت میں ہمیشہ "قال اللہ و قال الرسول" کا ذکر تھا۔ اور عمدہ با خبر انسان تھا"

کل مورخ نئے اور پرانے "بیرام خاں" کے حق میں "سوائے تعریف کے کچھ نہیں لکھتے" بداؤنی "(صاحب منتخب) تو کسی سے نہیں چوکتے مگر وہ بھی جہاں اُن کا ذکر کرتے ہیں "خوبی اور شگفتگی کے ساتھ لکھتے ہیں" (صاحب منتخب التواریخ نے جلد سوم کے صفحہ ۱۹۰ پر لکھا ہے کہ)

از اولاد میرزا جہان شاہ "است۔ بوفور دانش و سخا۔ و صدق و حسن خلق۔ و نیاز۔ و انکسار گوئے سبقت از ہمگناں ربودہ" در ابتدائے حال در خدمت۔ بابر بادشاہ "و در اوسط ملازمت "ہمایوں بادشاہ" نشو و نما یافت" و بخطاب خان خانی "سرفرازی یافت۔ و بندگان بادشاہی در القابش "بابا" افزودند بسیار درویش دوست۔ و صاحب حال "و نیک اندیش"

میرزا جہان شاہ کی نسل سے ہے "وفور دانش و سخاوت و سچائی و حسن خلق و نیاز و انکسار میں اپنے ساتھیوں سے بڑھ گیا تھا" شروع میں بابر بادشاہ کی خدمت میں اور اوسط ملازمت میں ہمایوں بادشاہ اس نے نشو و نما پائی" اور خطاب خان خانی سے سرفراز ہوا۔ اور شہنشاہ اکبر نے اُس کے القاب میں لفظ "بابا" بڑھایا" درویشوں سے بہت محبت رکھتا تھا۔ اور صاحب حال و نیک اندیش تھا"

بیمن سعی و جلادت "و حسن تدبیر او" ہندوستان "در مرتبہ ثانی ہم فتح شد۔ و ہم تعمیر یافت"

اُس کی کوشش و جلادت اور حسن تدبیر سے ہندوستان دوبارہ فتح ہوا اور سلطنت کی ترقی ہوئی"

فضلائے جہاں از اطراف و اکناف بدرگاہ آوردہ۔ از کف بحر مثالش شاداب میرفتند" و بارگاہ آسمان جاہش "قبلہ ارباب فضل و کمال بود" و زمانہ را بوجود شریفش تفاخر"

فضلائے جہاں ہر جگہ سے اُس کی درگاہ میں آکر اس کے ہاتھ بحر مثال سے شاداب ہو کر جاتے۔ اُس کی بارگاہ آسمان جاہ قبلۂ ارباب فضل و کمال تھی" اور زمانہ کو اُس کے وجود شریف پر فخر تھا"

آخر حال "ارباب نفاق" مزاج بندگان پادشاہی "را بر او متغیر ساختند" کار او بہ آنجا رسید کہ شمہ از ذکر آں در سطور تقدیم یافت"

آخر میں نفاق پسندوں نے شہنشاہ کے مزاج کو اُس کے برخلاف کر دیا" اور وہ نوبت پہنچی جس کا کچھ ذکر پہلے کر آئے ہیں"

دیوان بزبان فارسی و ترکی "ترتیب دادہ کہ در ایدی متداول و در افواہ متعارف است"

ایک دیوان فارسی و ترکی اُس نے ترتیب دیا تھا جس سے سب واقف ہیں اور اُس کو پڑھا جاتا ہے"

اور صفحہ ۱۹۲ پر لکھا ہے کہ "در نہصد و شصت و ہشت (سنہ ۹۶۸ھ) در پٹن گجرات بسعادت شہادت فائز شدند۔ و عظام او را بموجب وصیت بہ مشہد" بردند۔

سنہ ۹۶۸ھ میں پٹن گجرات میں سعادت شہادت سے فائز ہوئے اور لاش ان کی وصیت کے مطابق "مشہد" میں لے جا کر دفن کی گئی"

اسی جلد کے صفحہ ۱۳۳ پر "شیخ داؤد جہنی وال" کے حالات کے ضمن میں "ملا صاحب نے لکھا ہے کہ"

چوں جامع ایں اوراق در عہد بیرام خاں کہ بہترین عہدہا
بود و ہند حکم عروسی داشت در آگرہ طالب علمی میکرد
مآثر الامراء جلد اوّل صفحہ ۳۷۴ تا ۳۷۸ میں ہے کہ چوں در ۹۶۱ھ ہجری۔
بعضے فتنہ سازاں از جانب بیرام خاں سخنان غیر موقع بہ پادشاہ ہمایوں
رسانیدند خدیو بہ قندھار آمدند ظاہر شد کہ آنچہ گفتہ اند از صدق بہ تو تہمت
مورد نوازش شد در جنگ ماچھی واڑہ با افاغنہ بسیار جنگ کردہ غالب
آمد و سرہند وغیرہ پرگنات جاگیر یافتہ بہ خطاب ہائے عالیہ یار وفادار
برادر نیکو سیر و فرزند سعادتمند)
در ۹۶۳ھ ہجری۔ دو ربیع الآخر روز جمعہ کہ عرش آشیانی (اکبر) در قصبہ
کلانور مضاف پنجاب بہ تخت جلوس نمودند بیرام خاں وکیل
السلطنت شد و حل و عقد امور خلافت و رتق و فتق جنود نصرت
برائے صواب نمائی او تفویض یافت و بہ خطاب والائے خان خاناں
کوس ناموری بلند آوازہ ساختہ۔ در مخاطبات بہ خان بابا مخاطب
گشت و در ۹۶۵ھ ہجری با سلیمہ سلطان بیگم کہ جنت آشیانی
(ہمایوں) در حیات خود با بیرام خاں نامزد کردہ بودند عقد ازدواج
اتفاق افتاد بیگم طبع موزوں داشتہ مخفی تخلص میکرد بعد فوت
بیرام خاں عرش آشیانی (اکبر) بیگم را بہ نکاح خود آوردند۔ در سال
ہفتم جہانگیری بود

سبحان اللہ بایں قرب و منزلت و آں استقلال و اقتدار و
آں ہمہ دانائی و معاملہ دانی و وفور اخلاص و عقیدت آمورے چند از
نیرنگی تقدیر بہ وضعہ ظہور نقش بست۔ کہ مزاج عرش آشیانی از اں بزرگ
منش منحرف گشت و فی الحقیقت فتنہ سازاں حسد آگیں از ناتواں بینی و
خود غرضی یکے را بصد رسانیدہ مزاج پادشاہ نوجوان را برگردانیدند و
خوشامد سازاں خانہ برانداز طبع آں امیر کہن سال را از جا بردند۔

چوں بہ سکندرآباد رسید بہ ترغیب ماہم انگہ بہ شوق ملازمت
مریم مکانی عنان بہ دہلی منعطف نمود ہیچ از جانب بیرام خاں غبارے
بہ حاشیہ خاطر نبود اگرچہ حسادہ و اشرار از ابتدا در فکر آں بودند کہ طرح دیگر
بر روئے کار آوردہ و مدعا یاب شوند و بہ قابو سخنے کہ موجب بے اتفاقی
شود بہ حضور می گفتند خصوص ادہم خاں و مادرش ماہم انگہ
اما چوں صفائی عقیدت بیرام خاں در مرآت ضمیر پادشاہی منطبع بود
آں حرف ہائے بے فروغ پذیرائی نمی یافت لیکن چو گفتہ اند ؎

یہ جامع اوراق بیرام خاں کے عہد میں جو بہترین عہد تھا اور ہندوستان
دولہن بنا ہوا تھا۔ آگرہ میں طالب علمی کرتا تھا۔
(بیرام خاں کے متعلق) جب ۹۶۱ھ ہجری میں بعض فتنہ پردازوں
نے باتیں غیر موقع ہمایوں بادشاہ کو پہنچائیں اس لئے وہ قندھار تشریف
لائے وہاں پہنچکر انہیں معلوم ہوا کہ جو کچھ اُن سے کہا گیا تھا جھوٹ تھا۔ بادشاہ نے
اُن پر نوازش فرمائی۔ ماچھی واڑہ کی لڑائی میں افغانوں سے خوب لڑکر غالب
آئے اور سرہند وغیرہ پرگنہ جات جاگیر میں پاکر خطاب ہائے عالیہ۔ یار وفادار
برادر نیکو سیر اور فرزند سعادتمند سے سرفراز ہوئے۔
جمعہ ۲ ربیع الآخر ۹۶۳ھ ہجری کو جب شہنشاہ اکبر پنجاب کے مضافات قصبہ
کلانور میں تخت نشین ہوئے تو بیرام خاں وکیل سلطنت ہوئے اور امور
سلطنت کا حل و عقد اور سرکاری افواج کا انتظام و اہتمام اُن کے تفویض ہوا
اور اُن کی رائے پر چھوڑ دیا گیا اور خطاب خان خاناں سے اُن کی ناموری کو
بلند کیا گیا۔ نیز بادشاہ اُن کو خان بابا سے مخاطب کرتا تھا اور ۹۶۵ھ ہجری
میں سلیمہ سلطان بیگم سے جن کی منگنی ہمایوں بادشاہ نے اپنی زندگی میں
بیرام خاں سے کر دی تھی ان کی شادی ہوئی۔ بیگم طبع موزوں رکھتی تھی اور
مخفی تخلص کرتی تھی۔ بیرام خاں کے انتقال کے بعد اکبر نے اس بیگم سے اپنا
نکاح کر لیا تھا۔ جہانگیر کی تخت نشینی کے ساتویں برس میں اس بیگم نے
وفات پائی۔

سبحان اللہ اس قربت و منزلت اور اس استقلال و اقتدار اور اس قدر دانائی
و معاملہ دانی اور وفور اخلاص و عقیدت پر بھی نیرنگی تقدیر سے کچھ ایسی باتیں
ظہور میں آئیں کہ بادشاہ کا مزاج بیرام خاں نیز رگ منش کے خلاف ہو گیا۔
حقیقت یہ ہے کہ فتنہ سازوں اور حاسدوں نے اپنے کمینہ پن اور خود غرضی سے
ایک کی سو بنا کر نوجوان بادشاہ کو اُن کے خلاف کر دیا اور خوشامدیوں خانہ
برانداز طبع نے اُس بڈھے امیر کو جگہ سے ہٹا دیا۔

جب بادشاہ سکندرآباد پہنچے تو ماہم انگہ کی ترغیب سے اپنی والدہ کے
دیکھنے کے شوق میں دہلی روانہ ہوئے ہیں۔ اُس وقت تک بیرام خاں کی طرف
سے اُن کے دل میں کوئی بات نہ تھی۔ اگرچہ حاسد اور شریر اشخاص شروع سے اس فکر
میں تھے کہ کسی طرح سے بادشاہ کو لاکر اپنے مدعا میں کامیاب ہوں اور گفتگو کا موقع
پاکر ایسی باتیں حضور میں کہیں جو بیرام خاں سے بے اتفاقی کا باعث ہوتی
ان لوگوں میں ادہم خاں اور اس کی ماں ماہم انگہ خصوصیت سے پیش پیش
ہیں۔ مگر کیونکہ صفائی عقیدت بیرام خاں بادشاہ کے دل میں بیٹھی ہوئی تھی

ہرچند باعبارِ عنایت نظرے ہست
گوئیم بہ نشان کہ سخن را اثرے ہست

اہلِ عناد (کہ فرصت جو بُودند) دایں وقت کدورت با ذہن نشین ساختند۔ بالجملہ” او ہم از راہِ درست اعتقادیٔ خود۔ اثاثہ سلطنت را بہ اُمرائے عمدہ روانہ حضور کردہ” درخواست سفر حجاز نمود” و بار یہ وساوس بد نفسان چند۔ خود را بہ میوات” انداخت۔ و چوں آوازہ فوج بادشاہی بہ تعاقب او شہرت گرفت” ہمہ مردم بادشاہی از وجدا شدند” او ہم” تمن و توغ” و علم و نقارہ۔ و سامرادوات امارت مصحوب حسین قلی بیگ” ہمشیر زادہ خود بحضور فرستاد” چوں رائے مالدیو راجہ جودھپور” سرراہ گجرات بود بہ خانخاناں” نزاع داشت” از ناگور” بہ” بیکانیر” وڈ” رائے کلیان مل” زمیندار آں جا۔ بہ قدم اخلاص پیش آمدہ۔ لوازم مہمانداری بہ تقدیم رسانید” دریں اثنا شہرت یافت کہ” ملا پیر محمد” از گجرات رسیدہ۔ بہ تعاقب مامور شدہ۔ فتنہ انگیزانِ مزاج بیرام خاں بر شورا بیندند۔ و قرار مخالفت دادہ۔ بہ پنجاب” عنان تاب ساختند”

اور صـــ ۳۸۲ و ۳۸۳ پر ہے کہ”

حق این ست کہ بیرام خاں بفضل و کمال” و صلاح و تقوی” و ہمت و کرم” آراستگی داشت” و مدبر۔ شجاع۔ و کاردان قوی دل” بود”

نظر بر اسباب ظاہر حقے عظیم بریں خانوادۂ عالیہ تیموریہ” ثابت کردہ” درچنیں تخلل ایام (کہ ہنوز سلطنت ہمایوں پادشاہ انتظامے نگرفتہ بود۔ کہ از میان رفت” و بادشاہزادہ” خورد سال” ناتجربہ کار” سوائے پنجاب تمام ملک از تصرف بدر رفتہ۔ افغاناں” باہمہ کثرت و ہجوم۔ بدعوائ سلطنت لوائے انا ولا غیری” مے افراشتند۔ و در ہر گوشہ” و کنار” واقعہ طلبان” طبل مخالفت مے زدند”

اُمرائے چغتائیہ” (کہ و مرہ اقامت ہندوستان نمودند) مشورت رفتن” کابل” مے دادند” میرزا سلیمان” قابو یافتہ” در کابل” خطبہ خود خواند۔

محض نیروے جگر داری” اثبات پائی” و حسن تدبیر صائبہ” و فکر رضیہ” بیرام خاں آب رفتہ بجو آمد” سلطنت را استقرارے بہم رسید” عرش آشیانی را کبر، ہم نواع دلجوئی و نوازش جمیع مہام مفوض بدو داشتہ” قسم ہا از و گرفت۔ کہ آنچہ مناسب و صلاح کار باشد۔

اِس لئے ان کی اِن جھوٹی باتوں پر بادشاہ نے کوئی توجہ نہ دی” لیکن جیساکہ کہا ہے” ؎ ہرچند باعبار عنایت نظرے ہست
گوئیم بہ نشان کہ سخن را اثرے ہست

مخالفین جو فرصت کے منتظر تھے انہوں نے آخر کار بادشاہ کے دل میں کدورت ڈال ہی دی۔ القصہ بیرام خاں نے اپنی درست اعتقادی کی وجہ سے اثاثۂ سلطنت کو اُمرایان نامدار کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں روانہ کر کے سفر حجاز کی درخواست کی” اور بد نفسوں کے دباؤ سے اندیشہ مند ہو کر میوات کو چلا گیا” جب یہ شہرت ہوئی کہ بادشاہی لشکر اسکے تعاقب میں ہے تو تمام بادشاہی لوگ اُس سے جدا ہو گئے” اُس نے بھی تمن و توغ” اور علم و نقارہ اور سامان امارت اپنے بھانجے حسین قلی خاں کے ساتھ بادشاہ کے پاس بھیجدیا” جب اُس نے دیکھا کہ رائے مالدیو راجہ جودھپور نے گجرات کا راستہ روک لیا ہے اور وہ اُس کے خلاف ہے تو ناگور سے وہ بیکانیر چلا گیا” اس جگہ کے زمیندار رائے کلیان مل نے اُس کی مہانداری کی اور بہت اخلاص سے پیش آیا” اِسی دوران میں یہ خبر آئی کہ” ملا پیر محمد” گجرات سے آکر اس کے تعاقب پر مامور ہوا ہے” تو فتنہ انگیزوں نے بیرام خاں کے مزاج میں بھی شورش پیدا کر دی اور مخالفت کو قرار دیکر پنجاب کی طرف باگ موڑ دی”

اور صـــ ۳۸۲ و ۳۸۳ پر ہے کہ” سچ یہ ہے کہ بیرام خاں فضل و کمال” اور صلاح تقویٰ اور ہمت و کرم کے اوصاف رکھتا تھا” اور مدبر و شجاع اور کاردان اور قوی دل تھا” تمام باتوں پر نظر کی جائے تو اس خانوادۂ عالیہ تیموریہ پر حق عظیم اُس کا ثابت ہے” ایسے دنوں میں کہ سلطنت میں خلل پڑا ہوا تھا اور ہمایوں بادشاہ نے ہنوز انتظام قایم نہ کیا تھا کہ اُس کا انتقال ہو گیا” اور بادشاہزادہ خورد سال ناتجربہ کار تھا سوائے پنجاب کے تمام ملک قبضہ سے نکل گیا تھا” اور افغان بہت کثرت سے ہجوم کر کے سلطنت کا دعوی کر رہے تھے اور لوائے انا ولا غیری بلند کر رہے تھے” اور ہر گوشہ و کنار سے واقعہ طلب طبل مخالفت بجا رہے تھے”

اُمرائے چغتائیہ جو ہندوستان کی اقامت نہیں چاہتے تھے” کابل کو جانے کا مشورہ دے رہے تھے” اور میرزا سلیمان نے قابو پاکر کابل میں اپنے نام کا خطبہ پڑھا تھا”

یہ محض بیرام خاں کی بہادری و ثابت قدمی اور حسن تدبیر اور اچھی سمجھ بوجھ کی وجہ تھی کہ پانی گیا ہوا نہر میں آگیا اور سلطنت قایم ہو سکی”

شہنشاہ اکبر نے بھی اس طرح دلجوئی اور نوازش کی کہ تمام سلطنت کے کام اُس کے سپرد کر دیئے اور قسم کھائی کہ جو مناسب سمجھیں کریں” خوشامد و مراعات

بعمل آوردہ باہمہ و مراعات کسے منظور نہ باشد و از دوست لازم نہ ترسد و این مصرع خواند۔ ع

دوست گر دوست شود، ہر دو جہاں دشمن باشش

چوں روز بروز اقتدار و تسلط خان خاناں زیادہ تر شد خار حسد در دل پاشکست ناتواں بنیاں حسد پیشہ بہ شقیقہ سازی و تمامی دروغ و راست را باہم بے یافتند و یکے با صد رسانیدہ مزاج پادشاہی منحرف ساختند۔ خان خاناں ہم در اقتدار و استقلال خود دیگرے را بہ چشم اعتبار نیاوردہ۔ اعتنا بشان آنہا نمی کرد۔ اما بہ سفلگی و توہم بہ خود راہ دادہ بود۔ کہ زود از جا در می آمد۔ پس از بہم خوردگی ہم خان خاناں اصلا ارادہ بغی نہ داشت۔

کسی کی منظور نہ ہوگی۔ انہیں لوگوں کی لگائی بجھائی یا شکائتوں سے نہیں ڈرنا چاہئے۔ اور یہ مصرع پڑھا۔ ع

دوست گر دوست شود ہر دو جہان دشمن باشش

کیونکہ دن بہ دن اقتدار اور تسلط خان خاناں کا زیادہ تر ہوا۔ حسد کا کانٹا حاسدوں کے دلوں میں ٹوٹ کر کھٹکنے لگا۔ کم نظر حسد پیشہ لوگوں نے اپنی شقیقہ سازی و چغل خوری سے جھوٹ و سچ کو باہم ملا کر اور ایک کے سو لگا کر بادشاہ کے مزاج کو خلاف کر دیا۔ خان خاناں اپنے اقتدار و استقلال کے زمانے میں دوسروں کو چشم اعتبار میں نہ لا کر اُن کی طرف توجہ نہیں کرتا تھا۔ لیکن اُس نے بدگمانی اور توہم کو جو اختیار کیا تھا۔ وہ جلد اس کا اظہار کر دیتا تھا۔ بگاڑ کے بعد سے بھی خان خاناں نے باغی ہونے کا ارادہ ہرگز نہیں کیا۔

مختلف مورخین کے مندرجہ بالا بیانات سے اُن سازشوں اور کینہ توزیوں کا حال بخوبی عیاں ہو گیا ہے۔ جو حسد پیشوں نے۔ بیرام خاں خان خاناں۔ اور اُن کے ہوا خواہوں کے خلاف برپا کی تھیں۔ اب ہم اُس فرمان کی پوری نقل پیش کرتے ہیں جو انہیں حاسدوں کا نوشتہ ہے۔ اور جس میں بیرام خاں کے ساتھ اُن کے دوستوں اور اعزا پر بھی خوب خوب ستم کر کے اپنے دلوں کے جلے پھپھولے پھوڑے گئے ہیں۔ اور مؤلف امروہوی نے بھی اِس فرمان کے جاری ہونے کے اسباب کو معرضِ خفا میں رکھکر اور صرف اُس کے ایک ٹکڑے کو سامنے لا کر۔ شیخ گدائی اور اُن کے خاندان کے متعلق اپنے ناظرین کو قصداً دھوکہ میں ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

فرمان جلال الدین اکبر بنام خان خاناں بیرام خاں

خان خاناں بداند۔ کہ چوں او پروردہ نعمت و تربیت کردہ عنایت و عاطفت این دودمان (خاندان) عالی شان است۔ و حقوق خدمت شائستہ او۔ درین درگاہ ثابت۔ و حضرت پادشاہ جنت و ستگاہ طیب اللہ ثراہ۔ بواسطہ صدق نیت و اخلاصے کہ ازو مشاہدہ نمودہ بودند۔ او را بمنتہائے رعایت و تربیت رسانیدہ۔ امر عظیم القدر اتالیقی (معلم و ادیب آموزندہ نشست و برخاست تعلیم کنندہ) ما را بہ او تفویض فرمود۔ بعد از اں کہ آنحضرت از تنگنائے جہان فانی بہ فضائے عالم جاودانی رحلت فرمودند۔ او از روئے اخلاص و دولت خواہی۔ کمر صدق و جان سپاری۔ در میان بستہ متعہد۔ ذمہ دار و ضامن) مہمات سبقت آں خدمات و نیک اندیشی ہائے کہ بظہور رسانید۔ زمام حل و عقد و رتق و فتق امور را چناں بقبضۂ اختیار او گذاشتہ بودیم۔ کہ مزید بر اں متصور نبود۔ چنانچہ از نیک و بد ہرچہ خواست و ارادہ کرد بعمل آورد۔ با آنکہ درین پنج سال چند امور ناشائستہ از و بظہور آمد کہ بسبب نفور خاطر جمہور بود۔ مثل تربیت شیخ گدائی۔

خان خاناں جانتا ہے کہ وہ کیونکہ وہ پروردہ نعمت اور تربیت کیا ہوا عنایت و عاطفت کا اس خاندان عالی شان کا ہے۔ اور اُس کی شائستہ خدمت کے حقوق اس درگاہ پر ثابت ہیں۔ اور حضرت بادشاہ (ہمایوں) جنت دستگاہ طیب اللہ ثراہ نے صدق نیت اور اخلاص کی وجہ سے جو اُس سے اُن کے مشاہدہ میں آئی۔ اُس کی انتہائی رعایت اور تربیت کی۔ اور عظیم القدر کام ہماری اتالیقی کا اُس کے سپرد فرمایا۔ اس کے بعد جبکہ حضرت (ہمایوں بادشاہ) نے جہان فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرمائی۔ اور وہ از روئے اخلاص اور دولت خواہی کے کمر صدق و جان سپاری باندھکر اور ذمہ دار و ضامن ہو کر اُن خدمات و مہمات سابقہ کو اور نیک اندیشیوں کو ظہور میں لایا۔ تو ہم نے زمام حل و عقد اور اندرونی و بیرونی کاموں کو اس طرح اُس کے قبضۂ اختیار میں چھوڑ دیا کہ اس سے زیادہ جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ نیک و بد سے جو چاہا اور ارادہ کیا عمل میں لایا۔ مگر ان پانچ سالوں میں چند کام ناشائستہ اُس سے ظہور میں آئے جو جمہور کی نفرت کا سبب ہوگئے۔

کہ باوجود دعوئے آں ہمہ بزرگی و دانائی از میان این ہمہ مردم فاضل
و قابل با حسب و نسب۔ او را بمصاحبت و آشنائی خود انتخاب نمود
و با آنکہ متعہد منصب صدارت شدہ بود۔ و در ظہر (پشت) مناشیر
(جمع منشور یا فرمان) مہر میکرد۔ و او را از تسلیم (خمیدگی پشت
برائے سلام) معاف داشتہ بود۔ و بکمال جہل و نادانی۔ در محافل
جنت مماثل او را بر جمیع سادات صحیح النسب و علمائے جلیل الحسب
کہ بنا بر ملاحظہ عظمت و شان و حالت مراسم احترام و تعظیم بجا مے
آوردیم تقدیم دادہ۔ با وجود لاف محبت و دوستداری کہ بخاندان
طیبین (ائمہ معصومین) و طاہرین میبرد ذلت و خواری این فرقہ
شریفہ را عمداً تجویز مے نمود۔ و تربیت کردہ خود را کہ مردود و مطرود
مطرود نظر ماست۔ برین طائفہ کہ تربیت الٰہی دارند۔ ترجیح دادہ۔ از
ارواح مقدسہ این ہمہ بزرگان ہیچ گونہ شرم و آزرم نداشتہ وا دا
بمرتبہ رسانیدہ بود کہ سوارہ پیش آمدہ بما مصافحہ مے نمود۔ ص۲۵

و نوکران فرود۔ (کمترین چاکران) خود را کہ حالت و لیاقت
ایشان معلوم بود۔ بخطاب سلطانی و خانی۔ و علم و نقارہ و جائے گیرہائے
معمور (آباد) و ولایت ہائے پُر حاصل امتیاز دادہ۔

خواتین و سلاطین و اُمراء و معتمدان حضرت جہانبانی جنت آشیانی
را کہ اصالت و حالت و استحقاق ایشان بہمہ کس روشن است از کمال
بے اعتباری بتہ نان (پارۂ نان) محتاج ساختہ بود۔ چہ قصد خون و
ناموس ہمہ آنہا داشت۔ و از ملازمان و خدمتگاران بابری کہ سالہا بہ
اُمیدواری خدمت کردہ مستوجب رعایت و عنایت شدہ بودند تجویز نمی کرد
کہ اقل مرتبہ و جہ معیشتے داشتہ باشند۔ و بجمع کہ در شکار ہا و سواری ہا در
ملازمت میکشند و خود را بہزار محنت و مشقت قرار بخدمت دادہ بودند۔
در ہر چہ روز سعیہا و فریب بسخن دروغ دادہ) ساختہ بخون آنہا تشنہ
بود۔ و انواع بے اعتدالی و بے انتظامی مے نمود۔ و اگر از نوکران او صد
گونہ گناہ مثل خون و دزدی و راہ زنی و تاراج و انواع فسق و فجور بظہور
مے آمد۔ بواسطہ میل و مداہنہ (چرب زبانی کردن نفع کردن) ہمہ را در
میگذرانید۔ و اگر از ملازمان درگاہ والا اندک چیزے واقع مے شد۔
یا کسے بہتان میکرد۔ در قتل و حبس و تاراج ایشان تاخیر نمے نمود۔ و تاخیر
شدن انواع جفا و بے آبروئی بہر سانید و لیکنے بہ کمال دنائت و حماقت

مثلاً تربیت شیخ گدائی کی کہ باوجود اس قدر بزرگی اور عقلمندی کے
دعوے کے ان سب فاضل و قابل اور باحسب عالی نسب لوگوں کے
درمیان سے اُس کو اپنی مصاحبت اور دوستی کے لئے منتخب کیا۔
اور منصب صدارت دیکر اس قدر اقتدار دیدیا کہ تمام فرمان شاہی
کی پشت پر وہ مہر کرتا ہے۔ اور اُسے مجھے سلام کرنے کی بھی معافی دے
دی ہے۔ اور کمال جہل و نادانی سے محفلوں جنت مثال میں اُس کو
سارے سادات صحیح النسب اور علمائے جلیل الحسب پر بیہ دیکھکر بھی کہ
میں ان کی عظمت و شان اور حالت مراسم احترام اور تعظیم بجا لاتا ہوں
افسر بنادیا ہے۔ باوجود لاف محبت اور دوستداری کے جو آئمہ معصومین
سے جتایا کرتے ہیں۔ ذلت اور خواری اس فرقہ شریفہ کی عمداً تجویز کی۔
اور اپنے تربیت کردہ کو جو دل سے گرا ہوا اور نظر میں راندہ شدہ ہے۔ اس
گروہ پر جس نے اللہ میاں سے تربیت پائی ہے ترجیح دیکر ان تمام بزرگوں
کی ارواح مقدسہ سے کسی طرح کی شرم نہیں رکھی اور اُس کو اس مرتبہ
پر پہنچا دیا کہ سواری پر سامنے آکر مجھ سے مصافحہ کرتا ہے۔
اور اپنے کمترین نوکروں کو جن کی حالت اور لیاقت معلوم تھی۔ سلطانی
اور خانی کے خطابوں سے اور علم و نقارہ اور جاگیروں آباد اور ولایتوں
پُر حاصل سے امتیاز دیا۔
خواتین و سلاطین اور امراؤ معتمدین حضرت ہمایوں بادشاہ کو جن کی اصالت
و حالت اور جن کا استحقاق تمام لوگوں پر روشن ہے۔ کمال بے اعتباری سے
روٹی کے ٹکڑے کا محتاج بنا دیا۔ کیا ارادہ اُن سبکے ناموس کے برباد کرنے اور
خون کا تھا۔ اور ملازمان و خدمتگاران بابری جنہوں نے برسوں سے امیدوار
رہ کر خدمت کی۔ اور مستحق رعایت و عنایت کے ہو گئے ہیں اُن کے ساتھ کچھ بھی
نہیں کیا۔ حالانکہ بہت ہی کم مدد معاش رکھتے ہیں۔ اور شکار و سواری میں
سب نہیں کھینچتے ہیں۔ اور وہ خود کو بہزار محنت و مشقت اپنی خدمت پر قائم
رکھے ہوئے ہیں۔ اور جس دن کوئی جھوٹی بات اُن کے متعلق کہہ دیتا ہے تو
اُن کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں۔ اور طرح طرح کی بے اعتدالی۔ اور
نامناسب باتیں ہوتی ہیں۔ اور اگر اُس کے نوکروں میں سے سو گنا گناہ مثل
خون و چوری اور رہزنی اور تاراج اور مختلف قسم کے فسق و فجور ظہور میں آئیں
تو بواسطہ میل و چرب زبانی کے سب کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اگر میرے
نوکروں سے ذرا سی بات واقع ہو یا کوئی بہتان رکھے تو اُن کے قتل و قید دیے
تاراج میں دیر نہیں کی جاتی۔ اور تا خیر ہونے میں طرح طرح کی جفائیں پہنچا

وچناں بوقت عرض رسید کہ از کمال میل و توجہ کہ بریں امور داشته و دارد و حقوق نعمت و تربیت خاندان والائے ما کہ چہل سال است کہ در ذمۂ او است ـ من المہد الی اللحد ـ از رضاعت تا ایں دور پرورش یافته بالکلیہ فراموش کردہ ـ گوش بہ سخن ایں جماعت مفسدہ و مفتن دارد کہ بواسطۂ اغراض نفسانی میخواہند کہ او را در جریدۂ ردفتر) اہل بغی در آرند و دریں آخر عمر از سعادت آخروی محروم گردانند ـ و بشقاوت ابدی مبتلا سازند چنانچہ از کمال شیطنت رہے حیائی) و خباست و خود پسندی کہ دارند معقول او ساختہ ـ او را از راہ بردہ اند ـ و بولد اسکندر پیغام کرد کہ بمخالفت و منازعت پیش آید" و تتار خاں پنج بھییہ را نیز کس فرستادہ کہ او در دامن کوہ آمدہ آہنگ خرابی و دست اندازی کردہ اندراں حدود درآید ـ و خود خیال بلاہور کردہ کہ دراں حدود بنیاد فتنہ و فساد نمودہ طریق مخالفت سپرد ـ و در اطراف ممالک محروسہ خلل انداختہ چراغ دولت ایں خاندان را کہ برافروختہ فروغ ازلی و برافروختہ دست قدرت است ـ بدم سرد منطفی سازد ـ و ہمانا کہ بہ پردۂ غرور و پندار و دیدۂ اعتبار او را کور ساختہ بیدار اند سے

چراغ را کہ ایزد برفروزد
ہر آنکس پف کند ریشش بسوزد

چوں نظر باں ہمہ اخلاص و اعتقادے کہ از بہرۂ احوال و جبیں و پیشانی (احوال او) واضح و لائح بود ایں امور مبنی بر شرور دانستہ و در باور نمودہ و مینمائید و باور نمی آید کہ پروردۂ نعمت و تربیت یافتہ ایں دودمان عظیم الشان است ـ و اطاعت حکم ما برو واجب و لازم بسبیل حجت فرمودیم کہ خود را ازیں افعال و اعمال قبیحہ کنارہ کشیدہ ایں جماعت مخذول العاقبت را کہ باعث نقص دولت و عزت او شدہ بجہت اغراض خود ـ در پے بغی و عدوان (دشمنی) او شدہ مقید ساختہ ـ بدرگاہ معلی فرستد ـ و چوں ما دریں پنج سال ملاحظۂ خاطر او کردہ ہیچ چیز منافی شد ملال و رنج) نمودہ ایم ـ و ہر چہ عرض کردہ خواہ معقول خواہ نامعقول از صواب بعید او بدانستہ ایم او ہم ایں حکم ما را سمعاً و اطاعتاً انقیاد نمودہ تخلف نورزد کہ ہرگاہ بایں حکم عمل نماید خاطر اشرف بر وصادت ساختہ جرائم و تقصیرات او را بالکلیہ عفو فرمائیم و ہر وقت کہ میل ملازمت داشتہ باشد و وقت اقتضا (موقع و محل) نماید بملازمت اشرف تعلیم کردہ رفع حجاب او شود ـ و چوں ایں ہنوز ذہنا او ملحوظ و منظور است ـ یا آنکہ ہر اہمیت برابر آں خدمات رعایت یافتہ

اور میرے اس طرح اختیار حاصل کر لینے سے مجھے خبر ملی ہے کہ کمال میل و توجہ سے جو ان امور سے تھی اور ہے چالیس سالہ حقوق نعمت و تربیت، جو اس کے ذمہ ہیں ـ پیدائش سے اس زمانہ تک کی پرورش کو بالکل بھلا کر مفسد و فتنہ انگیز جماعت کی باتیں سنتا ہے جو اپنی اغراض نفسانی کی وجہ سے چاہتے ہیں کہ اس کا نام اہل بغاوت کے دفتر میں لکھوا دیں" اور اس آخر عمر میں آخروی نیکنامی سے محروم کر دیں" اور شقاوت ابدی میں مبتلا کر دیں" چنانچہ اپنی کمال شیطنت و خباست و خود پسندی سے وہ اسے معقول کر کے اپنی راہ پر لے آئے ہیں ـ اور اسکندر کے بیٹے کو پیغام بھیجا ہے کہ وہ مخالفت و منازعت سے پیش آئے اور تتار خاں پنج بھییہ کے پاس بھی آدمی بھیجا ہے کہ وہ پہاڑ کے دامن میں آ کر خرابی و دست اندازی کر کے ان حدود میں داخل ہو جائے" اور خود نے لاہور جانے کا ارادہ کیا ہے کہ ان حدود میں بنیاد فتنہ و فساد کی ڈالکر مخالفت کا طریقہ اختیار کرے اور اطراف ممالک محروسہ میں خلل ڈالکر اس خاندان کے چراغ دولت کو جو ازل سے روشن رہتا چلا آیا ہے اور دست قدرت کا روشن کیا ہوا ہے" دم سرد سے بجھا دے" اور اس طرح پردۂ غرور و پندار اور دیدۂ اعتبار کو اپنے اندھا بنا کر یہ بھی جانتا ہے کہ سے جس چراغ کو خدا روشن کرتا ہے اگر کوئی اس پر پھونک مارے تو اس کی ڈاڑھی جل جاتی ہے"

(ل) اسکے تمام اخلاص و اعتقاد پر نظر کر کے جو اس کے چہرۂ احوال اور پیشانی (احوال) سے واضح اور ہویدا ہے یہ باتیں جو مبنی بر شرارت دراز ہیں اور نا باور ہوتی ہیں مجھے ان پر یقین نہیں آتا وہ پروردۂ نعمت و تربیت یافتہ اس خاندان عالیشان کا ہے" اور اس پر میرے حکم کی اطاعت واجب لازم ہے بسبیل حجت کہتا ہوں کہ اپنے آپ کو ان اعمال و افعال قبیحہ سے علیحدہ کر کے اس جماعت رسوا ر العاقبت کو جو باعث نقص دولت ہے اور جس نے اُسے اپنے اغراض کی وجہ گمراہ کیا ہے ان کو دشمن جان کر گرفتار کر کے میرے پاس بھیجدے" اور کیونکہ میں نے ان پانچ سال میں اس کا ملاحظہ خاطر کر کے کوئی ملال و رنج نہیں ظاہر کیا ہے اور جو کچھ اس نے عرض کیا خواہ وہ ٹھیک تھا یا نہ تھا اس کی رائے کے خلاف نہیں کیا" اس کو بھی چاہئے کہ میرے اس حکم کی تعمیل کرے" اور اطاعت اختیار کرے" میں نے اپنا دل اس سے صاف کر لیا ہے ـ اور اس کے جرم و قصور معاف کر دیئے ہیں" اور ہر وقت جب اسے ملازمت کی خواہش ہو اور جب موقع محل ہو گا میں اسے طلب کروں گا" تاکہ اس کی شرمندگی رفع ہو" کیونکہ اب بھی اس کی خدمتیں ملحوظ و منظور ہیں آسکی خدمتوں کی

بخواہم کہ نام اُو سالہا با خلاص و ارادت و اعتقاد و نجمیع امصار و بلاد منتشر شدہ بہ لبغی و عناد و افساد۔ رسرکشی) مشہور نشود۔ و در آخر عمر در زمرۂ قراجۂ قراجنت محشور نگردد۔ و بنا بر حقوق عبودیت اُو را آگاہ ساختیم۔ زنہار کہ خیال دیگرے نکند۔ و بیقین خود داند کہ اگر از رُوئے جہل و کوتہ اندیشی از راہ (بے راہی) رود۔ و نخوت و پندار دماغ اُو را پریشان ساختہ در سلک اہلِ ادبار در آرد۔ و بہ دولت و اقبال با عساکر نصرت اعتصام بعزیمت رفع و دفع اُو متوجہ شدہ بعنایت الٰہی دمار۔ (ہلاکی) از روزگار اُو بیرون خواہیم آورد۔ امید است کہ دریں حالت کہ عنفوان (شروع) اقبال خلافت ما و آغاز ادبار اُوست فتح عظمی از رُوئے دیدہ ظہور گرفتہ۔ مقابل آید) اُو مغلوب عساکر اقبال گشتہ شرمسار و گرفتار گردد۔ و بیدولتی را از ایں معنی استدلال نمی نماید کہ اُو دریں پنجسال مردم خود را چگونہ رعایت ہا کردہ کہ بروز وا قعہ (بروز جنگ) بکار آیند۔ و از کوتہ اندیشی و نادانی نمیداند کہ دولت وابستہ بعنایت الٰہی است ہرگاہ آں عنایت نباشد۔ نوکرے دولت بکار نمی آید۔ چنانچہ برای العین دیدہ میشود کہ آنہا را کہ فرزند و برادر میگفت وہرگز با ایشاں گمان جدائی نداشت بر ہمنوئی سعادت اکثرے از وے جدا شدند۔ آنانکہ ماندہ اند یک یک جدا شدہ بدرگاہ معلی مے آیند۔ و رفتہ رفتہ اُو را تنہا خواہند گذاشت۔ دریں مقام غیر تسلیم و رضا جوئی ہیچ چیزے فائدہ ندارد۔

(اکبر نامہ جلد دوم۔ صفحہ ۸۲ تا ۸۵)

بڑا ہر ایک رعایت ہوگی۔ میں چاہتا ہوں کہ اُس کا نام سالہا سال اخلاص و ارادت اور اعتقاد سے تمام ممالک و بلاد میں پھیلے۔ بغاوت و دشمنی اور سرکشی سے مشہور نہ ہو۔ اور آخر عمر میں زمرۂ قراجہ سیاہ بخت کے ساتھ محشور نہ ہو۔ اور حقوق عبودیت کی بنا پر اُس کو جتلاتا ہوں کہ ہرگز کوئی دوسرا خیال دل میں نہ لاوے۔ اور یقین جانے کہ اگر جہالت و نافہمی کی وجہ سے وہ بے راہی اختیار کرے اور اپنے دماغ میں نخوت و غرور کو راہ دیکر اہلِ ادبار کی سلک میں اپنے آپ کو لاوے۔ اور میں فاتح لشکر کے ساتھ اُس کے رفع و دفع کے ارادہ سے متوجہ ہوا۔ تو خدا کی عنایت سے ہلاکی روزگار سے اُس کو باہر لے آؤں گا۔ امید ہے کہ اس حالت میں جبکہ میرے اقبال خلافت کا طلوع ہے اور اس کے ادبار کا آغاز ہے۔ فتح عظیم مجھے حاصل ہوگی اور وہ مغلوب ہو کر عساکر اقبال سے شرمسار و گرفتار آئے گا۔ اور بیدولتی کو اس میں سے استدلال نہیں ہوتا ہے کہ ان پانچ برس میں اپنے آدمیوں کی کس طرح رعایت کی کہ بروز جنگ کام آئیں۔ اور کوتہ اندیشی و نادانی سے نہیں جانتا ہے کہ دولت عنایت الٰہی سے وابستہ ہے۔ جب عنایت نہ رہے تو کر ہے دولت کام نہیں آتا۔ چنانچہ آنکھوں سے دیکھ لیا ہے کہ جن کو بیٹا اور بھائی کہتے ہوا اور ہرگز اُن سے جدائی کا گمان نہیں تھا۔ برہمنوئی سعادت سے اکثر اُس سے جدا ہو گئے۔ اور وہ جو کہ رہ گئے ہیں۔ ایک ایک جدا ہو کر درگاہ معلی پر آرہے ہیں۔ اور رفتہ رفتہ اُس کو اکیلا چھوڑ دیں گے۔ اس مقام میں بغیر تسلیم و رضا کوئی چیز فائدہ نہیں رکھتی۔

خان خاناں بیرام خاں کے موسومہ فرمان پر صاحب دربار اکبری کا تبصرہ

اب یہ پورا فرمان ہمارے سامنے ہے۔ اُس میں بیرام خاں اور اُن کے ہوا خواہوں کے متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ اور جن وجوہ سے جن حالات کے تحت لکھا ہے۔ اس سے واقفیت ہو جانے کے بعد یہاں ہم اس فرمان کے صرف اسی قدر ٹکڑے کے اُردو ترجمہ کو جس میں "شیخ گدائی" کے متعلق حاسدوں نے "اکبر" کی طرف سے "بیرام خاں" پر سب و شتم کیا ہے۔ اس جگہ پھر لکھتے ہیں۔ تاکہ واقعات کی روشنی میں اس کو سامنے رکھ کر مؤلف اُمرو ہوی کی غلط بیانی یعنی اُس معنیٰ آفرینی حقیقت کو بخوبی جانچا جا سکے جو انہوں نے اس بحث پر اپنی طرف سے پیدا کی ہے۔

"ان پانچ برس میں تم سے چند کام ناشائستہ ظہور میں آئے جن سے جمہور کے دل میں نفرت پیدا ہو گئی۔ جیسے "شیخ گدائی" کی تربیت۔ اس قدر بزرگی اور عقلمندی کے دعوے کے باوجود ان تمام فاضل و قابل اور باحسب نسب لوگوں میں سے اپنی مصاحبت اور دوستی کے لئے "شیخ گدائی" کو منتخب کیا۔ اور سوائے اس کے صدارت کے عہدے پر مقرر کر کے انہیں اس قدر اختیار دیدیا کہ (۱) تمام شاہی فرمان اُن کی مہر سے جاری ہوتے"
(۲) اور اُن کو تسلیم بھی معاف کر دی تھی" (۳) نیز اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے جنت مثال محفلوں میں ان

کو تمام صحیح النسب سادات اور جلیل الحسب علماء پر جن کی میں تعظیم و تکریم کرتا ہوں فوقیت دے دی "
(یعنی تم نے "شیخ گدائی" کی دوستی کا تو خیال کیا اور میری کچھ بھی پرواہ نہیں کی۔ اور اپنی اِن حرکات سے میری اور شاہی فرمانوں کی توہین کے مرتکب ہوئے "
"کیونکہ "بیرام خاں" شیعہ مذہب رکھتے تھے۔ آگے انھیں اِن الفاظ میں طعنہ دیا ہے کہ "
(۴) تم بنی فاطمہ کی محبت کی اور دوستی کی بڑی ڈینگیں مارا کرتے تھے۔ مگر برخلاف اِس کے تم نے جان بوجھکر اِس فرقۂ شریفہ کو ذلت و خواری میں ڈال دیا "
"کیونکہ "شیخ گدائی" کے اقتدارات سے حاسدوں کے دلوں میں آگ بھڑک رہی تھی۔ اِسی سلسلہ میں اُن کے بارے میں اپنے جلے پھپھولے اِس طرح پھوڑے ہیں کہ" اور اپنے تربیت کردہ کو (یعنی شیخ گدائی کو) جو دلوں اور نظروں سے مردود و مطرود ہے۔ اِس خاندان پر (یعنی بنی فاطمہ پر) جو تربیت یافتہ الٰہی ہے۔ ترجیح دے کر۔ ان کے تمام بزرگوں کی ارواحِ مقدسہ سے کچھ بھی شرم نہیں کی "
(۵) اور اُس کو (شیخ گدائی کو) اس قدر مرتبہ پر پہنچا دیا کہ وہ میرے سامنے آکر بحالت سواری مجھ سے مصافحہ کرتا " یعنی میری تعظیم کچھ نہ کرتا اور میرے روبرو آکر گھوڑے سے نہیں اُترتا تھا "

فرمان کے اِس ٹکڑے سے مؤلف امرہوی نے "شیخ گدائی" کے نسب پر طعن کیے جانے کے جو معنی اپنی طبیعت سے نکالے ہیں۔ ایسے معنی پیدا کرنا اُن ہی جیسے لایق مؤلف کا کام ہے۔ یہ معنی جو اُنوں نے اخذ کئے ہیں۔ الہامی اور غیبی ہوں تو ہوں لیکن فرمان میں تو ان معنوں کا مفہوم تک موجود نہیں ہے "۔ اِس میں تو صرف " شیخ گدائی " کے اقتدار کا رونا ہے۔ اور اُن کے ایسے اعلیٰ اقتدارات کے لئے جو شاید ہی کسی کو کبھی حاصل ہوئے ہوں " بیرام خاں خان خاناں " پر جس جس طریقہ سے ممکن ہو سکا دل کھول کر طعن کیا گیا ہے " جب حاسدوں کی کوششیں کامیاب ہوئیں اور نوجوان بادشاہ ان کے اثر میں آگیا۔ تو اب انہیں بیرام خاں پر کھلا وار کرنے کا موقع مل گیا " خوئے بد را بہانہ بسیار کو اپنا شعار بنا کر پہلے تو انہوں نے اِس فرمان کے ذریعہ سے " بیرام خاں " اور اُن کے " احباب و اعزا " کی تمام عمدہ خدمتوں پر پانی پھیر دیا " اور پھر اُن کی عزت و آبرو کی بربادی کی کوششوں میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ اِس فرمان میں نہ کسی کے نسب سے بحث ہے نہ حسب سے " جو بھی ہے وہ حاسدوں اور سازشیوں کے حسد کی محض نمایش ہے "

شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد دہلوی نے " دربارِ اکبری " کے صفحہ ۱۵۳ پر تحریر فرمایا ہے کہ " ابوالفضل " اکبر نامہ " میں کئی ورق کا ایک فرمان لکھتے ہیں " جو دربار سے اُس محروم القسمت (بیرام خاں) کے نام جاری ہوا تھا۔ اُسے پڑھکر بیہدہ لوگ تو نمک حرامی کا جرم لگائیں گے " لیکن قابلِ اعتبار دو شخصوں کا حال ہوگا "
(الف) ایک وہ جس نے اُس کے تجزدی تجزدی حالات کو نظرِ انصاف سے دیکھا ہوگا۔ وہ آیندہ ہمدردی اور رفاقت سے توبہ کرے گا "
(ب) دوسرے جس نے کسی ہونہار آیندہ دار کے ساتھ جانفشانی اور جانفشانی کا حق ادا کیا ہوگا۔ اُس کی آنکھوں میں خون اُتر آئے گا۔ بلکہ آتشِ غضب سے جگر جلے گا اور دھواں منہ سے نکلے گا "

فرمانِ مذکور میں اُس کی تمام خدمتوں کو مٹایا ہے۔ اُس کے اقربا کی جانفشانیوں کو خاک میں ملایا ہے " اُسے خود پروری " اور ملازم پروری " کے الزام لگائے ہیں " اُس پر جرم لگائے ہیں کہ " پٹھان سرداروں کو بغاوت کی ترغیب دی " خود فلاں فلاں طریقوں سے بغاوت کے منصوبے باندھے " اُس میں " علی قلی خاں " اور " بہادر خاں " کو بھی لپیٹ لیا ہے "
بڑھاپے کی نمک حرامی۔ اور بیوفائی سے " خبیث خیالات اور کثیف الفاظ " اُس کے حق میں صرف کر کے کاغذ کو سیاہ کیا ہے "

اِن دودوں کو کون جانے" بدنصیب بیرام خاں جانے" یا جس ناکام کی "بیرام خاں" جیسی خدمتیں برباد ہوئی ہوں" اُس کا دل جانے" خصوصاً جب یہ یقین ہو" کہ ساری باتیں دشمن کر رہے ہیں" اور گودوں کا پالا ہوا آقا۔ اُن کے ہاتھوں میں کٹ پتلی ہے"

مؤلف امروہوی کی دروغ بیانی کا اِنکشاف

اِس فرمان کے متعلق "شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد دہلوی" کی رائے "دربارِ اکبری" سے لیکر جو ہم نے ابھی لکھی ہے وہ نظروں کے سامنے ہے۔ اب مؤلف امروہوی کے اُس بیان کو جو "بیرام خاں" کے متعلق انہوں نے لکھا ہے پیش کرتے ہیں۔

وہ لکھتے ہیں کہ "اکبر نامہ" میں "شہنشاہ" نے اکبر کے ایک فرمان کی نقل ضرور درج ہے" جو "خان خاناں بیرام خاں" کی موسومہ ہے۔ اُس میں "اکبر بادشاہ" نے "بعض فروگذاشتوں اور کوتاہیوں کے متعلق جو خان خاناں موصوف سے بزمانہ اتالیقی سرزد ہوئی تھیں۔ چند الزامات عاید کئے گئے ہیں۔ ان میں ایک الزام کو بشدو مد بیان کیا گیا ہے کہ "مردم فاضل قابل باحسب ونسب کے موجود ہوتے "خان خاناں" نے "شیخ گدائی کنبوہ" کو "صدر الصدور" کے منصب جلیلہ پر کیوں مقرر کیا"

واقعات کا اِخفا کر کے "مؤلف امروہوی" نے "بیرام خاں" کے متعلق یہ جو کچھ خامہ فرسائی کی ہے۔ اِس سے صاف ظاہر ہے کہ "اُن کو اپنے مقصد کے حصول کے لئے کسی بے گناہ کو گنہگار بنادینے اور جھوٹ کو سچ باور کرانے میں قطعاً کوئی باک نہیں ہے" جیسا کہ فرمان سے ظاہر ہے "بیرام خاں" پر الزامات کی تعداد کچھ کم نہیں ہے" اور سارے الزام اُن پر بشدومد ہی لگائے گئے ہیں۔ صرف ایک کیلئے "شیخ گدائی" کے متعلق الزام کے بارے میں بشدومد کا لفظ استعمال کرنا ان کی کھلی ہوئی بددیانتی نہیں تو کیا ہے"

"اندمیان این ہمہ مردم فاضل وقابل باحسب ونسب" کا مردم فاضل قابل باحسب ونسب کے موجود ہوتے

ترجمہ کر کے پیش کرنا بھی اِن ہی جیسے فاضل مؤلف کا کام ہے" اندمیان این ہمہ مردم" کے الفاظ صاف کہہ رہے ہیں کہ "صاحب فرمان کو "شیخ گدائی" کے فاضل قابل اور باحسب ونسب ہونے کا اقرار ہے" بلکہ "بیرام خاں" سے شکایت ہے کہ "ان صفات کے لوگوں میں سے اُن کے درمیان میں سے "شیخ گدائی" کو اپنی دوستی کی وجہ سے منتخب کر کے اور صدارت کا عہدہ دیکر جو انہیں فرمانوں کی پشت پر اپنی مہر نصب کرنے کا اختیار دیدیا اور تسلیم بھی معاف کر دی یہ تم نے بہت ہی بُرا ستم کیا ہے" یعنی اپنی دوستی کی وجہ سے "شیخ گدائی" کو مجھ پر مسلط کر دیا اور میری عزت و مرتبے کا کچھ بھی خیال نہیں کیا" غور طلب زبان میں بیرام خاں پر یہ اعتراض نہیں ہے کہ "شیخ گدائی" کو صدارت کا عہدہ کیوں دیا" رونا جو کچھ ہے وہ صرف ان کے اقتدار کا ہے" جیسا کہ تو آگے چل کر "بڑے جوش سے آگے لکھا ہے کہ "و آوردن شیخ گدائی را بمرتبہ رسانیدہ بود کہ سوار و پیشِ آمدہ بما مصافحہ مے شود" مگر اس فقرے کو مؤلف موصوف نے اپنے بیان میں اِخفا کر لیا ہے" یعنی اپنے مقصد کے منافی جان کر اُسے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی"

مؤلف امروہوی کے ترجموں میں تحریفیں کرنے کی ایک مثال

مؤلف امروہوی ترجموں میں جس قسم کی تحریفیں کرتے ہیں اس موقع پر اس کی ایک مثال دیدینی ہم مناسب سمجھتے ہیں" مؤلف موصوف نے "تحقیق الانساب تاریخ امروہہ" کی جلد چہارم کے صفحہ ۱۴۲ پر لکھا ہے کہ

"کتب تاریخ میں مذکور ہے کہ۔ جب خلافت عباسیہ کا "چنگیزیوں" کے ہاتھوں خاتمہ ہو گیا" خاندان عباسیہ کے ہزاروں افراد کو کفار نے تہ تیغ کیا" امیر المومنین کی "بیٹی" تاتاریوں کے ہاتھ گرفتار ہوئی" قافلہ تاتار" جب سمرقند پہنچا" عفیفہ نے مزار شاہ زندہ حضرت قثم بن حضرت عباس" کو دیکھ کر فاتحہ خوانی کی اجازت مانگی۔ اور مزار

برآکر بارگاہِ ربّ العزت میں یوں ملتجی ہوئی۔ کہ اے قادر توانا۔ اگر صاحب مزار تیرے پیارے رسول کے بھائی اور تیرے مقرب ہیں تو اس مزار کو شق فرمادے" کہ میں اس میں سما جاؤں "خدایا خاندانِ نبوت کی ایک ناچار لڑکی کی عفت اور خاندانِ رسالت کی لاج رکھ" قدرتِ خدا سے قبر شق ہوجاتی ہے۔ اور اسی میں وہ عفیفہ سما جاتی ہے"

عباسی شہزادی کی یہ روایت جو مؤلف صاحب نے لکھی ہے" اس کے مقابلہ میں اب ہم طبقات ناصری" سے بعینہ اسی روایت کو پیش کرتے ہیں" جس سے مؤلف امروہوی کے ترجمہ کی تحریف پر خوب روشنی پڑتی ہے"

ہلاؤ (ہلاکو نبیرہ چنگیز خاں) قصد کشتن امیر المومنین المستعصم باللہ عباسی خاتم خلافت بغداد" بنوع دیگر پیش گرفت و بگفت۔ تا او را در محافظت جامہ ہا بپیچیدند۔ ولگد بروی آزردند۔ تا ہلاک شد" و او را شہادہ" و امیر ابوبکر" پسرش را" و امیر اعظم سلیمان شاہ" را شہید کردند" با جملہ ملوک حضرت خلافت" و پسر خورد امیر المومنین را۔ و جملہ خزائن بغداد" کہ حصر و عد آں در حوصلہ تحریر قلم و در دائرہ تقریر بنی آدم نگنجد۔ برگرفت" از نقود و جواہر و ظرائف و مرصع۔ جملہ را بہ لشکرگاہ خود برد" و آنچہ از نقود و لایق" منکو خاں بود" با بعضے از ہا و حرم خلیفہ" و یک دختر خلیفہ" بطرف ترکستان" روان کرد" و بعضے بوجہ تحفہ و قسمت بہ نزدیک "برکا" مسلمان فرستاد" و بعضے نگہداشت"

ثقات چنیں روایت کردہ اند" کہ آنچہ برکا رسید" قبول نکرد۔ و فرستادگان "ہلاؤ" را بکشت۔ و خصومت "میان برکا" و "ہلاؤ" بدیں سبب قایم شد۔

و آنچہ بنزدیک "منکو خاں" فرستادہ بود" آں اموال و درم [illegible] بشہر سمرقند" برسید" دختر خلیفہ" از فرمانبر کہ بر سر ایشاں موکل بود اجازت طلبید" کہ یکے از اجداد مرا" روضہ در سمرقند است" یعنی قثم بن عباس رضی اللہ عنہ" تا او را زیارت کردہ آید"

[illegible] آں موکل فرمانہ۔ او را اجازت داد" تا آں معصومہ" بسر روضہ قثم بن عباس رض" آمد۔ و شرائط زیارت بجا آورد۔ و دو رکعت نماز گزارد۔ و روے بر زمین نہاد و دعا کرد کہ"

ہلاؤ (ہلاکو خان پوتا چنگیز خان) نے امیر المومنین المستعصم باللہ عباسی خلافت بغداد" کے مار ڈالنے کے ارادے سے دوسرے طریقے سے پکڑ لیا اور کہا کہ قالین میں لپیٹ کر اس کے جسم پر لاتیں ماریں کہ وہ مر جائے اور مروا ڈالا اور اس کے لڑکے ابوبکر کو" امیر اعظم سلیمان شاہ اور خلیفہ کے تمام امراء کو شہید کر دیا" اور امیر المومنین کے چھوٹے بیٹے کو اور بغداد کے تمام خزانوں کو جن کا احاطہ اور شمار کرنا" جو حوصلہ تحریر قلم اور دائرہ تقریر بنی آدم میں نہیں آسکتا" تمام نقود و جواہرات و ظروف اور جڑاؤں میں جو اس کے پاس تھا" اس میں سے جو چیزیں منکو خاں کے لائق تھیں ان کو چند لوگوں اور حرم خلیفہ اور خلیفہ کی ایک دختر کے ساتھ ترکستان" کی طرف روانہ کیا" اور چند چیزیں بطور تحفہ برکا (ایک بادشاہ عزیز قومی ہلاکو) مسلمان کو بھیجیں" اور بعض کو اپنے پاس رکھا"

ثقہ اشخاص روایت کرتے ہیں کہ برکا نے اس کی بھیجی ہوئی چیزوں کو قبول نہیں کیا۔ اور ہلاکو کے ایلچیوں کو قتل کر دیا۔ دشمنی ہلاکو اور برکا کے درمیان اسی سبب سے قائم ہوئی"

اور جو کچھ منکو خاں کو بھیجا جب وہ اموال و درہم شہر سمرقند میں پہنچے تو خلیفہ کی لڑکی نے اس افسر سے جس کی وہ نگرانی میں تھی اجازت مانگی کہ میرے داداؤں میں سے ایک کی قبر سمرقند میں ہے" یعنی قثم بن عباس رض" کی میں اس کی زیارت کرنی چاہتی ہوں"

اس افسر نے اس کو اجازت دیدی" جب خلیفہ کی دختر قثم بن عباس رض کی قبر پر آئی تو اس نے شرائط زیارت بجا لا کر اور دو رکعت نماز پڑھ کر اور اپنا سر زمین پر رکھ کر دعا کی کہ"

(نوٹ ملاحظہ) [illegible] زیاد بن سفیان" بصرہ پر والی مقرر ہوا ۱۳۹ زیاد نے الحکم کے بعد [illegible] میں "الربیع بن زیاد الحارثی" کو خراسان کا والی کیا۔ زیاد کی وفات کے بعد "حضرت معاویہ نے" عبداللہ بن زیاد" کو خراسان پر مقرر کیا" اس کے بعد حضرت معاویہ نے "سعید بن حضرت عثمان رض" کو خراسان کا والی مقرر کیا۔ سعید نے نہر جیحون عبور کی۔ [illegible] اور اہل کش" نسف [illegible] ایک لاکھ بیس ہزار کی جمعیت [illegible] سعید کے ساتھ "قثم بن العباس بن عبدالمطلب" بھی تھے" سمرقند میں وفات پائی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہاں شہید ہوئے۔ ص۱۳۳) ترجمہ فتوح البلدان بلاذری حصہ دوم"

خداوندا اگر ایں "قثم بن عباسؓ" کہ جد من است در حضرت تو آبروئے دارد" جان ایں بندہ را بحضرت خود بری۔ واز دست ایں ناکرمان مرا خلاص بخشی" دراجابت کشادہ شد۔ وہمدراں سجدہ" جان پاک را بحضرت باری تعالےٰ فرستاد"

اے اللہ اگر یہ قثم بن عباسؓ جو میرا دادا ہے" تیرے حضور میں قدر و منزلت رکھتا ہے تو میری جان کو اپنے حضور میں لے اور ان ناکرموں کے ہاتھ سے مجھے رہائی بخش دے" اس کی دعا قبول ہو گئی۔ اور اسی سجدہ میں اس کی جان خدائے تعالےٰ کے پاس پہنچ گئی"

(طبقات ناصری ص۲۴۳ تالیف ۶۵۸ھ از طرف ایشیاٹک سوسائٹی مطبوعہ کالج پریس کلکتہ در ۱۸۶۴ء)

مؤلف امروہوی نے "شیخ گدائی" کے متعلق فرمان سے جو معنی اپنے مقصد کے بر لانے کے لئے اپنی طبیعت سے پیدا کر کے ان پر ایک عمارت کھڑی کی تھی وہ تو مسمار ہو چکی ہے اور اس پر ہمیں یہاں کچھ اور لکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔ اس جگہ ہمیں صرف یہ دکھانا ہے کہ انہوں نے جو "در اجابت کشادہ شد و ہمدراں سجدہ جان پاک را بحضرت باری تعالےٰ فرستاد" (قبولیت کا دروازہ کھل گیا۔ اور اسی سجدے میں جان پاک کو اللہ تعالےٰ کے حضور میں بھیجدیا) کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ "قدرت خدا سے فرشق ہو جاتی ہے اور اس میں وہ عفیفہ سما جاتی ہے" یہ ترجمہ اپنی آپ مثال ہے اور کسی طرح "شیخ گدائی" کے متعلق فرمان کے ان کے پیدا کردہ معانی سے کم قدر و قیمت نہیں رکھتا ہے۔

"مسٹر بیوریج" اور مسٹر ایلیٹ کے بیانات کی حقیقت

"شیخ گدائی" کے متعلق اسی بیان میں مؤلف امروہوی نے نہایت شدومد سے یہ فقرات بھی بر سبیل قرطاس کئے ہیں کہ:

(الف) "شیخ گدائی" کے باپ شاعر اور "دہلی" کے اکابرین سے تھے لیکن تمام "کنبوہ" چونکہ اصلاً ہندو تھے۔ اور اس وجہ سے سادات ان کو عزت کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے"

(ب) ان کا (شیخ گدائی کا) ہندی الاصل ہونے کے باوجود "سادات اور دیگر "عربی النسل" افراد کے مقابلہ میں" منصب صدارت پر جو "عربی النسل اشخاص کے لئے مخصوص تھا۔ فائز ہونا۔ اس زمانہ کے خیالات کے اعتبار سے قابل مواخذہ سمجھا گیا"

فقرہ الف کی تصدیق کے لئے ان مؤلف صاحب کو "طبقات اکبری" "منتخب التواریخ" اور "اکبر نامہ" میں کوئی مواد نہیں مل سکا" نہ جہانگیر و شاہجہاں اور اورنگ زیب عالمگیر غازی وغیرہ ہی کے زمانہ کی کسی کتاب میں دستیاب ہو سکا" اس لئے انہوں نے اس بیان کے لئے "بیوریج اور ایلیٹ" دو غیر مذہبی زمانے کے غیر ملکی اور اپنی غرض کے تحت لکھنے اور رائے زنی کرنے والے انگریزوں کے دامن میں پناہ لی ہے" اب وہ زمانہ نہیں رہا ہے کہ ان جیسے مترجم اور مورخوں کے نام لیکر لوگوں کو دھوکا دیا جا سکے" بیوریج ہوں یا ایلیٹ یا ان کے دوسرے بھائی بند ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں" مؤلف صاحب کے ان مورخ اعظم ایلیٹ کا تو یہ حال ہے کہ اس نے کوئی خاص تحقیقات نہیں کی ہے؟ صرف قدیم تاریخوں کے انگریزی ترجموں پر اکتفا کیا ہے" مگر یہ کھلا ہوا واقعہ ہے کہ اس نے بڑی حد تک ان تراجم کے اکثر حصوں کو غلط پیش کیا ہے" اور ان میں جہاں جہاں اپنی آراء پیش کی ہیں۔ ان تمام کو مورخین نے ساقط الاعتبار قرار دیا ہے۔ کیونکہ ان فرنگیوں نے بجائے تاریخی تحقیقات کے ان تاریخوں کے لکھنے میں اپنی مصلحتوں اور سیاست ملکی کو پیش نظر رکھا ہے" اس لئے ان میں تحریفیں کر کے کبھی عبارتوں کو لکھا ہے" اور رائیں بھی وہ ہی پیش کی ہیں جو انہوں نے اپنے مقاصد کے مدنظر مناسب سمجھی ہیں" جیسا کہ "کارنامۂ راجپوتان" کے مصنف نے اپنی کتاب کے ص۳۳ پر لکھا ہے کہ:

"اسی طرح (یعنی ٹاڈ کی طرح) اور بعض فرنگیوں نے جو اپنی زبانوں میں یہاں کی تاریخیں لکھیں۔ انہوں نے ناواقفیت اور حقیقت حال کا پتہ نہ لگنے سے غلط واقعات کو صحیح حالات کے ساتھ گڈمڈ کر کے تحریر کیں" اس لئے اب کوئی محقق ان واقعات کا۔ جس کا مذاق تاریخ صحیح ہو۔ ان کو ہاتھ تک نہیں لگاتا۔ وہ اس

زمانہ میں بوجہ اپنے متعصبانہ رنگ اور غلط بیانیوں ” سے لبریز ہونے کے پایۂ وقعت سے ساقط ہوگئی ہیں ؛؛

یہ ہی حال ” ایلیٹ ” کی تاریخ کا ہے۔ ایلیٹ ” ہنگامۂ ۱۸۵۷ء سے کچھ ہی پہلے ” وائسرائے ہند کا اوّل سیکرٹری تھا۔ اس کو اس کی نوبت کہاں آئی تھی کہ وہ اِس قدر درد سری اٹھاتا کہ واقعات کی تہہ تک پہنچ جاتا ”

اگر ” ایلیٹ ” کو ” پنجاب ” کے ” کمبوؤں ” اور اس کمبوی یا کنبوہ ” خاندان کے نام میں التباس پیدا ہو گیا۔ اس نے ” کمبوہ ” اور ” کنبوہ ” کو ایک سمجھکر دھوکا کھایا۔ اور اپنی نافہمی اور تحقیق و تلاش کی کوتاہی کی وجہ سے ایک سمجھ لیا۔ تو مؤلف صاحب کا فرض تھا کہ وہ اِس التباس کو رفع کر کے صحیح بات کو پیش کرتے ” صد حیف ہے اُن پر کہ ” شیخ گدائی ” کے خاندان سے واقف ہونے اور اُن تاریخوں کو دیکھکر بھی جن میں ” شیخ گدائی ” کے خاندان کے علوئے حسب و نسب کا ذکر ہے ” انہوں نے حقیقت کے اظہار سے گریز کیا۔ اور ان تاریخوں کے نوشتوں کو معرضِ خفا میں رکھکر اپنے ناظرین کو دھوکا دیا ہے ” اِسی بحث کے سلسلہ میں آگے ہم بتائیں گے کہ مؤرخوں نے ” شیخ گدائی ” اور اُن کے خاندان کے بارے میں کیا لکھا ہے ” اور اُن کے حسب و نسب کو کس طرح سراہا ہے ” نیز کیسے جلیل القدر سید اُن کے علوئے مرتبت و شان اور عالی نسبی کی وجہ سے اُن کی پالکیوں تک کو سربازار اپنے کندھوں پر اٹھانا اپنے لئے باعثِ برکت اور قابلِ فخر سمجھتے تھے ”

شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ ” مشہور مصنّف نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ” وہ ہی کتابیں قابلِ اعتبار ہیں جو اپنے اپنے زمانوں میں اہلِ ملک نے حالات کو سامنے رکھکر تحریر کی ہیں۔ اور وہ سب فارسی میں ہیں۔ اِن کتابوں میں سے کسی ایک سے بھی کوئی حوالہ نہ دیکر ” شیخ گدائی ” کے متعلق اس حالیہ زمانے کے ایک انگریز کی کتاب سے جو حوالہ مؤلف امروہوی نے پیش کیا ہے ” اُس کے ساقط الاعتبار ہونے کا حال کچھ تو اوپر ظاہر ہو چکا ہے ” آگے چل کر جہاں اپنی تحقیقات کی سند میں مؤلف صاحب نے ایلیٹ کی کچھ اور قیاس آرائیوں کو پیش کیا ہے ” شیخ گدائی ” کے بارے میں اپنی اِس بحث کو پورا کر کے ہم اُن کو پھر جانچیں گے ” اور سر ایلیٹ کی کتاب و آراء کی حقیقت کو وضاحت سے دکھائیں گے نیز دوسرے یورپین سیّاحوں اور مؤرخوں کے نوشتوں کو بھی پیش کر کے اُن کی تاریخدانی اور اخذ واقعات کی لیاقت اور عجیب و غریب باتوں سے ناظرین کو محظوظ ہونے کا موقع دیں گے ؛؛

” فقرہ ب ” میں ” شیخ گدائی ” کے نام کے ساتھ ہندی الاصل لکھکر عربی النسل سے اُنھیں الگ ظاہر کیا گیا ہے۔ اِس لئے اِتنا اور بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہندی الاصل یا مؤلف امروہوی کے پیش کردہ ” ہندی النسل ” کے معنی یہ ہیں کہ ” جس شخص کی بھی پیدائش ” ہندوستان ” میں ہوئی ہے ” وہ ” ہندی النسل ” ہے۔ اِس میں ہندوستان کے ” سیّد ” ” قریشی ” ” افغانی ” ” مغل ” اور ” شیخ ” خاندانوں کی کوئی تخصیص نہیں ہے ”

مشہور شاعر و اہلِ قلم جناب ہوش بلگرامی ” معتمد (سیکرٹری) وزیر افواج سلطنت آصفیہ دکن نے ” رسالہ نگار ” لکھنؤ بابتہ ماہ دسمبر ۱۹۲۷ء کے صفحہ ۳۱ پر تحریر فرمایا ہے کہ ” واسطی النسل مسلمان ” ہندوستان میں دو مقامات پر پھیلے ” ایک نے ” بارہہ ” (ضلع مظفر نگر) کو بسایا ” اور دوسرے نے ” بلگرام ” (ضلع ہردوئی) کو ” دونوں ایک ہی خاندان کے چشم و چراغ ہیں ” اور ” سیّد ابو الفرح واسطی ” کی اولاد ” ایک بادشاہ گر ” (بارہہ) کہلائے ” اور قلمدانِ وزارت سے قسمتوں کا فیصلہ کیا ” دوسرا مسندِ علم پر بیٹھا۔ اور باپ علم کا ورثہ دار تھا اور ” واسط ” کو الوداع کہہ کر ” بلگرام ” کو اپنا نشیمن بنایا ”

شہر ” واسط ” کو ” حجاج بن یوسف ” نے آباد کیا تھا ” یہ ” فارس یا ایران ” کا ایک شہر ہے ” عرب ” کا شہر نہیں ہے ” مگر کیونکہ اِس خاندان کے جدِّ اعلیٰ ” جو ” سیّد قریشی عربی تھے ” ” واسط ” میں پیدا ہوئے تھے اور وہاں رہتے تھے ” اِس لئے اُن کو انہیں کی اولاد میں سے ایک لائق و قابل ترین شخص نے ” واسطی النسل ” لکھا ہے ” تو اُس کے یہ معنی کسی طرح بھی پیدا نہیں کئے جا سکتے ” کہ سیّد ابو الفرح واسطی ” کہ وہ ” ایرانی عجمی ” کے سوا ” عربی قریشی ” نہیں تھے ”

منصب صدارت کے عربی النسل اشخاص کے لئے مخصوص ہونے کی مؤلف امروہوی کی دھوکا دہی کا انکشاف

اب ہم مؤلف امروہوی کے فقرہ ۲ پر نظر ڈالتے ہیں "جس میں انہوں نے کسی سند کے پیش کئے بغیر محض اپنے جریدہ بیان سے اپنے ناظرین کو یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ۔

(" منصب صدارت عربی النسل " اشخاص کے لئے مخصوص تھا")

مگر یہ بیان بھی ان کا قطعاً غلط اور پایہ تحقیق سے بالکل خارج ہے۔ بلکہ مذہب اسلام پر بھی ایک بڑا اتہام ہے " اس دین میں امامت نماز کی جو منزلت اور درجہ ہے۔ وہ ارباب نظر سے پوشیدہ نہیں ہے " حضور اکرم صلعم خود امامت فرمایا کرتے تھے " اپنے اپنے زمانوں میں خلفائے راشدین کا بھی یہی عمل رہا ہے " شیوع اسلام کے بعد جوں جوں مقبوضات اسلامیہ وسیع ہوتے گئے تو ان دوسرے مقامات پر جو ہونے والے اصحاب عامل یا حاکم مقرر کئے گئے ان کے فرائض میں نمازوں کی امامت کرنا بھی داخل تھا۔ لیکن ایسے اہمیت رکھنے والے کام یعنی امامت کے لئے عربی اور عجمی " غلام اور آقا کی کوئی تخصیص نہ تھی۔ ایسی مثالیں کثرت سے موجود ہیں۔ کہ اکابر صحابہ ؓ نے غلاموں تک کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں "

صحیح بخاری میں ہے کہ " حضرت ابن عمر ؓ " فرماتے ہیں کہ " سالم " ابو حذیفہ ؓ " کے غلام " مسجد قبا " میں مہاجرین " اور حضور صلعم کے اصحاب ؓ کی امامت کیا کرتے تھے " حضرت عمر ؓ " زید ؓ " اور " عامر بن ربیعہ ؓ " بھی ہوتے تھے "

{ ترجمہ صحیح بخاری جلد ثالث کتاب الاحکام ص ۲۴۳)
مترجمہ سید عبدالدایم جلالی مطبوعہ جیدیہ پریس دہلی

اس مشہور شعر سے کون واقف نہیں ہے کہ ؎

حسن ز بصرہ بلال از حبش " صہیب از روم — زخاک مکہ " ابوجہل ایں چہ بوالعجبی ست

اس بات سے بھی سب واقف ہیں کہ " حضرت عمر ؓ نے " انتقال کے وقت فرمایا تھا کہ " میرے جنازہ کی نماز " صہیب رومی ؓ " پڑھائیں " جب جنازہ نماز کے لئے تیار ہو گیا اور حضرت عثمان غنی ؓ " اور حضرت علی ؓ " دونوں بیک وقت نماز جنازہ پڑھانے کے لئے آگے بڑھے تو انہیں " حضرت عبدالرحمن بن عوف ؓ " نے روک دیا تھا چنانچہ حضرت فاروق ؓ کے جنازے کی نماز وصیت کے مطابق حضرت صہیب رومی ؓ نے پڑھائی۔ پھر جب تک خلافت کے لئے " حضرت عثمان غنی ؓ کا انتخاب نہیں ہو گیا حضرت صہیب ؓ ہی اصحاب رسول اللہ صلعم کو نمازیں پڑھاتے رہے "

ہم سمجھتے ہیں) اس بات سے مؤلف امروہوی بھی اچھی طرح واقف ہیں کہ " حضرت سلمان فارسی ؓ کو تو حضور اکرم صلعم نے اپنی اہل بیت میں داخل فرما لیا تھا "

اموی گورنر۔ اور خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی کا منصب قضا قبول نہ کرنے پر " امام ابو حنیفہ رح " پر ظلم و ستم "

صحابہ کرام ؓ کی خلافتوں کے بعد جب مسلمانوں میں بادشاہت ہو گئی اور مذہبی عہدہ الگ قایم ہوا۔ تب بھی ان اموی " اور عباسی " بادشاہوں کو اس مذہبی عہدہ کے " عربی النسل " اشخاص کے لئے مخصوص کر دینے کا خیال تک نہیں آیا۔ بلکہ انہوں نے تو عجمیوں یعنی غیر عربیوں " اور غلاموں کو اس عہدے پر مقرر کرنے کی انتہائی کوششیں کیں اور جبر سے بھی کام لیا "

اکمال فی اسماء الرجال (ترجمہ) " حضرت امام ابو حنیفہ ؓ " کے متعلق تحریر ہے کہ " ابن ہبیرہ " (یزید بن ہبیرہ) مروان بن محمد اموی کے گورنر " نے آپ کو کوفہ کی قضا پر مجبور کیا تھا مگر آپ نے قبول نہیں کیا۔ اس نے دس روز کے عرصہ میں سو درے آپ کے

مارے مگر تب بھی آپ نے قبول نہیں کیا۔ آخر لاچار ہو کر چھوڑ دیا۔" (ترجمہ اردو اکمال فی اسماء الرجال صفحہ ١٦٩)

تاریخ طبری میں ہے کہ "سلیمان بن مجاہد" سے روایت ہے کہ "منصور" نے (ابو جعفر منصور خلیفہ دوم عباسی) "ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کو "قاضی" بنانا چاہا۔ انہوں نے اس عہدے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ "منصور" نے قسم کھائی کہ میں ضرور ان کو سرکاری عہدہ دوں گا۔ اس کے مقابلہ میں "ابو حنیفہ" نے بھی قسم کھائی کہ میں کبھی قبول نہ کروں گا۔" چنانچہ جب قضا کے عہدے سے انہوں نے انکار کر دیا تو اب "منصور" نے اپنی قسم پورا کرنے کے لئے "ابو حنیفہ" کو "شہر بغداد" کی خشت سازی" ان کے شمار" اور مزدوروں سے کام لینے کی نگرانی پر متعین کر دیا۔" (ترجمہ طبری جلد سوم حصہ اوّل صفحہ ٢٦٣)

پھر "منصور" نے حضرت امام صاحب کو قید خانے میں بھیج دیا تھا۔ اور آپ کا انتقال اسی قید خانہ میں سنہ ١٥٠ ہجری میں ہوا۔" اکثر مورخین نے لکھا ہے کہ "منصور" نے آپ کو زہر دلوا دیا تھا۔ حضرت امام ابو حنیفہ رح "جنہیں "مروان بن محمد اموی" کے زمانے میں کوفہ کا قاضی" بنانے کی انتہائی کوشش کی گئی تھی۔ اور "منصور عباسی" نے جن پر "قاضی القضاۃ" یعنی "صدارت" کا عہدہ قبول نہ کرنے پر جبر و ظلم کیا۔ اور قید خانہ میں بند کر دیا تھا۔ "عربی النسل" ہرگز نہیں تھے" بلکہ "قوم کے جاٹ" اور غلام خاندان" سے تھے۔"

حضرت امام ابو حنیفہ رض کے غلام خاندان اور قوم جاٹ سے ہونے کے شواہد

امام بخاری نے تحریر فرمایا ہے کہ "نعمان بن ثابت ابو حنیفہ الکوفی" مولیٰ لبنی تیم اللہ بن ثعلبہ" روی عنہ عباد بن العوام" وابن المبارک" وهشیم" ووکیع" ومسلم بن خالد" وابو معاویہ" والمقری" کان مرجئا سکتوا (عنہ و۔ا) عن رأیہ وعن حدیثہ "قال ابو نعیم مات ابو حنیفہ سنۃ خمسین ومائۃ"

نعمان بن ثابت ابو حنیفہ الکوفی " بنی تیم اللہ بن ثعلبہ کے غلام تھے۔ "عباد بن العوام اور ابن المبارک اور ہشیم اور وکیع اور مسلم بن خالد اور ابو معاویہ اور المقری نے ایسا ہی بیان کیا ہے۔" ابو نعیم کہتے ہیں" کہ ابو حنیفہ کی وفات سنہ ١٥٠ ہجری میں ہوئی۔"

(التاریخ الکبیر القسم ثانی من جز الرابع تالیف محمد بن اسمٰعیل بن ابراہیم الجعفی البخاری المتوفی ٢٥٦ھ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ١٣٦١ھ)

ترجمہ اکمال فی اسماء الرجال کے صفحہ ١٦٩ پر ہے کہ "حضرت امام ابو حنیفہ رض کے دادا "کابل" کے رہنے والے اور بنی تیم اللہ بن ثعلبہ کے غلام تھے۔" جب انہوں نے انہیں آزاد کر دیا تو "ثابت" حضرت امام ابو حنیفہ کے والد حالت اسلام میں پیدا ہوئے۔" بعض کہتے ہیں کہ یہ آزاد ہی تھے کبھی ان کے خاندان میں کوئی غلام نہیں ہوا۔" آپ گروہ" زات" میں سے ہیں۔"

علامہ شبلی رح نے تحریر فرمایا ہے کہ "امام ابو حنیفہ" قوم "زط" یعنی "جاٹ" سے تھے۔" (سیرت امام اعظم مؤلفہ علامہ شبلی)

عباسیوں کے عربی۔ قریشی نسل کو نیست و نابود کر دینے کے احکام اور ان کے خلفاء کی عربوں پر عجمیوں کو ترجیح

"عربی النسل" یا عربی قوم کی جو قدر اس "عباسی خاندان" نے کی اس پر عبور حاصل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل واقعات کافی ہیں۔" "ابو جعفر منصور" کے بڑے بھائی "ابراہیم بن محمد بن عبد اللہ بن حضرت عباس رض" نے "ابو مسلم خراسانی" کو اپنے خط میں ہدایتیں کی تھیں۔ اور خاص طور سے یہ لکھا تھا کہ "خراسان" میں کسی "عربی النسل یا عربی اللسان" کو زندہ مت چھوڑنا۔ خراسان کے اصلی باشندے جو مسلمان ہو گئے ہیں وہ ہمارے بہت کام آئیں گے" اور انہیں پر زیادہ اعتماد رکھنا چاہئے۔" (تاریخ اسلام حصہ دوم مؤلفہ مولوی اکبر شاہ خاں نجیب آبادی)

"شرح نہج البلاغۃ" ۱: صفحہ ٣٠٩ پر ہے کہ "ابراہیم" نے اپنے خط میں یہ لکھا تھا کہ "مضر" کا تمہیں خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے۔ یہ ایسے دشمن ہیں کہ تمہارے گھر سے قریب ہیں۔ ان کی ہری بھری کھیتیاں تباہ کر دو۔ ان میں سے کسی کو زندہ مت چھوڑو۔"

جاننا چاہئے کہ "مضر بن نزار بن معد بن عدنان" کی نسل "مضری" کہلاتی ہے۔ آپ ہی کی نسل میں تمام "قریشی" "ہاشمی" اور سادات" ہیں۔ "ابو مسلم" نے "ابراہیم عباسی" کے حکم کی تعمیل میں ان چھ لاکھ عربوں کو قتل کرا دیا جو اس وقت "ایران" میں "لسانی" ہاشمی

"شیخ گدائی کا" ہندی الاصل" ہونے کے باوجود "سادات اور دیگر عربی النسل افراد" کے مقابلے میں" منصب صدارت پر جو "عربی النسل" اشخاص کے لئے مخصوص تھا" فائز ہونا" اُس زمانے کے اعتبار سے قابلِ مواخذہ سمجھا گیا"

اُن کے اِس بیان کی تکذیب کے لئے ہمیں اِدھر اُدھر تلاش کرنے اور دُور جانے کی ضرورت نہیں پڑی "وہ ہی تاریخیں جن سے اِن مؤلف صاحب نے اکثر مقامات پر حوالے پیش کئے ہیں اُن کے اِس صریح جھوٹے بیان پر خندۂ دنداں نما کر رہی ہیں" اگر مؤلف موصوف کا بیان سچ ہوتا تو (۱) شیخ گدائی کے ہٹ جانے کے بعد اُن کی جگہ صدارت کے عہدے پر بالضرور کسی "سید بنی فاطمہ" کا تقرر کیا جاتا" یا کوئی اور عربی النسل شخص اِس عہدے پر فائز کیا جاتا" مگر تاریخیں بتا رہی ہیں کہ "شیخ گدائی رح" کے بعد" سادات بنی فاطمہ" یا کسی دوسرے عربی النسل شخص کے بجائے" صدارت کا منصب جلیلہ اُس شخص کو عطا کیا گیا۔ جو قوم سے جاٹ تھا اور جن کے جدِّ اعلیٰ غلام رہ چکے تھے" مزید برآں اِسی اکبر کے زمانے میں جو گت "سیادتِ مآب حضرات و عربی النسل افراد کی بنائی گئی" یہ حالات بھی اُن ہی تاریخوں میں جو مؤلف امروہوی کے زیرِ مطالعہ رہ چکی ہیں" شرح و بسط سے مذکور ہیں"

شیخ عبد النبی

(۲) شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار کے صفحہ ۲۱۶ پر "شیخ عبد النبی صدور الصدور" کے حال میں تحریر فرمایا ہے کہ" در سنہ احدے و سبعین و تسعمائۃ بر مسند صدارت نشست" یعنی ۹۷۱ھ ہجری میں "شیخ عبد النبی" کو صدارت کا منصب جلیلہ حاصل ہوا" آپ کا جو مرتبہ بادشاہ کے دل میں تھا اُس کو" ملّا عبد القادر بدایونی نے اپنی کتاب "منتخب التواریخ جلد سوم کے صفحہ ۸۲ پر اِن الفاظ میں بیان کیا ہے کہ"

"پادشاہ را چندگاہ نسبت بہ او آں چناں اعتقاد پیدا شدہ بود کہ" کفش پائے اُو پیش نہادند"

اور بادشاہ کو کچھ عرصہ اُن سے ایسا اعتقاد ہو گیا تھا کہ وہ اُن کے جوتے اُٹھا لیتے تھے"

"مآثر الامراء جلد دوم کے صفحہ ۵۶۱ پر" بادشاہ اکبر" پر آپ کے لاٹھی چلانے کا حال اِن الفاظ میں تحریر ہے کہ"

روزے بہ تقریب سال گرہ" بہ جلوس بادشاہی" رنگ زعفران" پوشیدہ بودند" شیخ (عبد النبی) بہ غضب آمدہ سرِ دیوان چناں عصا برتافت کہ بدامن عرش آشیانی رسیدہ پارہ شد"

ایک دن سالگرہ کی تقریب میں شاہی محفل میں بادشاہ نے زعفرانی رنگ کے کپڑے پہنے تھے" شیخ عبد النبی نے غصّہ میں آکر دربار میں ایسی لاٹھی ماری کہ شہنشاہ اکبر کے دامن میں لگی جس سے وہ پھٹ گیا"

آپ کے تسلّط و تصرف استقلال کا حال صاحب منتخب التواریخ نے جلد دوم کے صفحہ ۲۰۵ و ۲۰۶ پر اِس طرح تحریر کیا ہے کہ۔

ہرگز در آں زمان ہیچ پادشاہے ایں قدر تسلّط و تصرف استقلال بہیچ صدرے" بر دست ندادہ بود"

اُس زمانے میں ہرگز کسی بادشاہ نے اس قدر تسلّط و تصرف اور استقلال" کسی صدر کو اپنے اوپر نہیں دیا تھا"

ترجمہ آئین اکبری جلد دوم کے صفحہ ۲۲ پر آپ کے دادا کا حال تحریر ہے کہ" شیخ عبد النبی کے دادا" شیخ عبد القدوس" "امام ابو حنیفہ" کی اولاد میں ہیں" آپ کو" شیخ عارف بن احمد عبد الحق" سے بیعت و خلافت حاصل تھی۔ آپ نے علوم ظاہر و باطن کی تکمیل حاصل کی" اور خداشناسی میں بلند مرتبہ حاصل کیا۔ بے شمار حقائق آپ سے منقول ہیں" جنّت آشیانی (ہمایوں بادشاہ) آپ کے خلوت کدہ میں تشریف لے جاتے اور مجلس واعظ و مناظرہ گرم ہوتی تھی۔ سنہ ۹۴۵ ہجری میں آپ نے رحلت فرمائی" دہلی" کے قریب میں گنگوہ" میں آپ کا مزار ہے"

ملّا عبد القادر بدایونی نے بھی "منتخب التواریخ جلد سوم کے صفحہ ۸۳ پر" شیخ عبد النبی" کے" امام اعظم ابو حنیفہ رح کی اولاد سے ہونے کا ذکر اِن الفاظ میں لکھا ہے کہ"

"شیخ عبد النبی" آنکہ او خود را از اولادِ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ میگرفت"

شیخ عبد النبی جو آپ کو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہونا بیان کرتے تھے

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے "اخبار الاخیار" کے صفحہ ۲۱۶ پر آپ کے علم و فضل اور آپ سے بادشاہ کے اعتقاد کا حال ان الفاظ میں تحریر کیا ہے کہ۔

یکے از ابنائے او (یعنی شیخ عبدالقدوس) شیخ عبدالنبی بود کہ تحصیل بعضے علوم رسمیہ نمودہ بود۔ در جوانی متوجہ زیارت حرمین شریفین شد۔ و پیش از بعضے فقہائے مکہ معظمہ برخے از حدیث نبوی صلعم بر خواند۔ بعد از آں بوطن اصلی عود کرد و بہ تزہد و تقشف منسوب با پدر در احکام بحث مسئلہ توحید و سماع در افتاد۔ بادشاہ وقت را بوے اعتقاد عظیم پیدا شد۔

اس کے (شیخ عبدالقدوسؒ کے) بیٹوں میں سے ایک شیخ عبدالنبی تھا جس نے تحصیل بعضے علوم رسمیہ کی کی تھی۔ جوانی میں وہ حرمین شریفین کی زیارت کو گیا۔ اور بعضے فقہائے مکہ معظمہ سے اس نے احادیث نبوی صلعم پڑھیں۔ اس کے بعد وطن کو لوٹ آیا۔ اور زہد و تقشف سے منسوب ہو کر اپنے باپ چچاؤں سے مسئلہ توحید و سماع میں اس نے مباحثہ کیا۔ بادشاہ وقت کو اس سے اعتقاد عظیم پیدا ہوا۔

مآثر الامراء جلد دوم کے صفحہ ۵۶۱ پر تحریر ہے کہ "و در قرب و منزلت بادشاہی بمرتبہ رسید کہ بہ استماع حدیث شریف بعرش آشیانی (اکبر بادشاہ) بخانہ اش می رفت۔ و چوں دراں وقت "اکبر بادشاہ" بترغیب "شیخ (عبدالنبی صدر) در اجرائے احکام شرعی و امر معروف و نہی عن المنکر فراواں جد و جہد مے فرمود۔ و خود اذان میگفت و امامت میکرد حتی کہ بقصد ثواب مسجد جاروب میزد"۔

بادشاہ کے نزدیک اس کا تقرب اتنا ہوا اور اس کی منزلت اس حد کو پہنچی کہ اکبر بادشاہ حدیث شریف سننے کو اس کے گھر جاتا تھا۔ ان دنوں اکبر بادشاہ شیخ عبدالنبی کی ترغیب سے اجرائے احکام شرعی اور امر معروف و نہی عن المنکر میں بہت کوشش کرتا تھا۔ اور خود اذان کہتا اور امامت کرتا یہاں تک کہ ثواب کی غرض سے مسجد میں جھاڑو دیتا تھا۔

شیخ عبدالنبی صدر کے علم و فضل جاہ و جلال اور ان سے بادشاہ کو جس قدر اعتقاد تھا اس کا حال معلوم ہو چکا۔ اب ہم ان کے زوال کے اسباب اور بادشاہ کی ان سختیوں کو بھی جو ان پر روا رکھی گئیں۔ نیز جس طرح ان کی موت واقع ہوئی، اس موقع پر دکھاتے ہیں۔ مگر آگے بڑھنے سے پہلے ہم ان خرافات کی بھی تھوڑی سی جھلک دکھا دینا مناسب سمجھتے ہیں جن کی "بیرام خاں اور شیخ گدائیؒ" کی تربیت اور نگرانی سے "اکبرؒ" کو اپنے قابو میں لا کر ان حاسدوں اور سازشیوں نے جنہوں نے فرمان میں "بیرام خاں" بمع "شیخ گدائیؒ" کے مقابلے میں "سادات بنی فاطمہ" کو قعر مذلت میں ڈال دینے کا طعنہ بڑی شد و مد سے دیا ہے۔ اس نوجوان بادشاہ کو چاٹ لگا دی تھی۔ آگے چل کر ان ہی خرافات کے اثرات مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہوئے۔ اور "شیخ عبدالنبی" نیز دوسرے علماء و فضلا۔ اور بڑے بڑے شریف و نجیب نیز سادات وغیرہ کو ذلت و خواری میں ڈال دینے کے علاوہ "مذہب اسلام سے بغاوت کرنے اور اس کے بجائے "دین الٰہی اکبر شاہی" کی تخلیق کرنے کا سبب بنے"۔

۹۶۸ھ ہجری میں "بیرام خاں" شہید ہوئے۔ اور "شیخ گدائی" نے "جیسلمیر" کے پہاڑوں میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ اور اکبر بادشاہ ان کے حاسدوں کے قابو میں اچھی طرح آ چکا تھا۔ جنہوں نے یہ فرمان جاری کرایا تھا جس پر مؤلف امروہوی نے یہ بے بنیاد عمارت کھڑی کی ہے۔ ۹۶۹ھ ہجری کے واقعات میں "منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۶۱ و ۶۲ پر تحریر ہے کہ۔

در ۹۶۹ھ ہجری شاہنشاہ ہے از حوالیٔ متھرا بجانب دہلی "نہضت واقع شد۔ "آنجا داعیۂ نسبت مصاہرت با اعیان دہلی" پیدا آمدہ" قوالی و خواجہ سرایان "از برا انتخاب بنات البکر (بنات الکبرا) و تحقیق احوال ایشاں در محلات نامزد گشتند" و ہوے عظیم در شہر افتاد۔ و باعث برتحریک ایں سلسلہ اغوائے "شیخ بدہ" و سہرہ" مخادیم آگرہ بود"۔

مجملاً آنکہ یک بیوہ شیخ بدہ" فاطمہ نام" اسے بی مسماۃ از ہوا و ہوس ... فصل ... کرشمہ ... آرد" ...

۹۶۹ھ ہجری میں شہنشاہ کی افواج متھرا سے دہلی کی طرف واپس ہوئی۔ اس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ دہلی کے اعیان سے رشتہ دامادی قائم کرے۔ قوال اور خواجہ سرا کنواری لڑکیوں کے انتخاب کے واسطے اور ان کے حالات کی تحقیق کے لئے محلات میں نامزد ہوئے۔ اس سے شہر میں دہشت پھیل گئی۔ اس تحریک کا باعث شیخ بدہ اور سہرہ آگرہ کے خادموں کا اغوا تھا۔

مختصر یہ ہے کہ ایک بیوہ "شیخ بدہ" کی "فاطمہ نام" ہوا و ہوس از فضل ... خوش ... سے ...

فرمودند۔ روزے "شیخ النبی" شنیدم کہ میگفت یکے از مجتہدان تا نہ زن تجویز کردہ است"

معروض داشتند بلے "ابن ابی لیلیٰ مجتہد" بریں رفتہ است و بعضے نظر بظاہر عبارت قولہ تعالےٰ "فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث ورُباع" تا ہژدہ زن ہم روا داشتہ اند" اما ایں روایت ہا مرجوع است "عمل نا می شاید۔ و "شیخ عبد النبی" را پرسیدہ فرستادند۔ او ہمیں طور جواب دادہ باشم"

و ایں معنی بہ طبع بادشاہ گراں آمد۔ فرمودند کہ "بریں تقدیر "شیخ" با ما نفاق ورزیدہ بود۔ کہ آں زمان چیزے دیگر میگفت وحالا دیگر میگوید" و ایں تخم در دل جا گرفت"

و بعد از ردّ و بدل بسیار "و جمع روایات متنوعہ۔ فتویٰ دادند کہ بطریق "متعہ" آنقدر زن کہ میسر باشد "متعہ مباح است"

و ایں در مذہب "امام مالک" جائز است۔ و شیعہ خود فرزندے را کہ از "متعہ" پیدا میشود۔ بیشتر از غیر آں دوست میدارند"

بر رغم "اہل سنت و جماعت" دریں جا ہم سخنان بے گذشت و جمع از آں در "نجات الرشید" مذکور شدہ" و "موطائے امام مالک" را "نقیب خاں" نمود کہ در آنجا بتصریح "حدیثے بر منع متعہ" اسناد کردہ"

و شبے "قاضی یعقوب" و "شیخ ابو الفضل" و "حاجی ابراہیم" و یک دو دیگر از علماء۔ در حجرہ انوپ تلاؤ" در ملازمت نشستہ بودند "شیخ ابو الفضل" معارض مشائخ شدہ روایاتے کہ "والدش" جمع کردہ بود۔ در نظر آورد"

و "قاضی یعقوب" بعجز گفت "پس من چہ گویم مبارک شد "مباح است"

پادشاہ فرمود کہ "قاضی حسین عرب" [illegible] قاضی [illegible] و "قاضی یعقوب" از امر [illegible] معزول [illegible] و [illegible] قاضی حسین را [illegible] ساختند"

او موافق مذہب [illegible] حکم کردہ"

و پیران را از "صدر [illegible] "شیخ عبد النبی" [illegible] "امام الملک"

و "قاضی" و دیگر [illegible] را در [illegible] واد [illegible]

ہو سکتا ہے" پھر فرمایا کہ ایک دن "شیخ النبی" سے میں نے سنا ہے کہ "کہتے ہیں" مجتہدوں میں سے ایک نے نو عورتوں تک کی اجازت دی ہے"

عرض کیا گیا کہ بیشک "ابن ابی لیلیٰ مجتہد اس طرف گیا ہے اور بعضے اللہ تعالیٰ کی اس آیت "فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث ورُباع" بظاہر نظر ڈالکر اٹھارہ عورتیں تک روا رکھتے ہیں" لیکن یہ سب روایتیں مرجوع ہیں" ان پر عمل نہ کرنا چاہئے" اور "شیخ عبد النبی" سے دریافت کرایا تو انہوں نے بھی یہی جواب دیا"

اور یہ بات بادشاہ کی طبیعت کو ناگوار ہوئی۔ فرمایا "اس طرح شیخ نے ہمارے ساتھ نفاق برتا ہے" کہ اس وقت تو دوسری بات کی اور اب دوسری کہتے ہیں" اور یہ بات اُن کی دل میں جڑ پکڑ گئی"

اور بہت ردّ و بدل کے بعد "تمام روایات متنوعہ پر فتویٰ دے دیا کہ بطریق متعہ جس قدر بھی عورتیں چاہیں جائز ہیں"

اور یہ امام مالکؒ کے مذہب میں جائز ہے" اور شیعہ اپنے اُس لڑکے کو جو متعہ سے پیدا ہوتا ہے اپنی اُس اولاد سے جو نکاحی بی بی سے ہو زیادہ عزیز رکھتے ہیں"

اہل سنت و جماعت کے مقابلہ میں اس جگہ بہت سی باتیں چھوڑ دیں" اور مجمع نے اُن کو اپنی نجات کا باعث قرار دیا" حالانکہ اُس جگہ صاف طور سے موطائے امام مالکؒ کی حدیث سے جو متعہ کی ممانعت میں ہے نقیب خاں نے سند پیش کی"

ایک رات کو "قاضی یعقوب" اور "شیخ ابو الفضل" اور "حاجی ابراہیم" اور ایک دو دوسرے علماء میں سے "انوپ تلاؤ کے حجرے میں بادشاہ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے" "شیخ ابو الفضل" مشائخ پر معترض ہو کر وہ روایتیں جو اُس کے باپ نے جمع کی تھیں بادشاہ کے ملاحظہ میں لایا"

اور "قاضی یعقوب" نے عاجزی سے کہا کہ اب میں کیا کہوں "مبارک ہو" جائز ہے"

بادشاہ نے فرمایا کہ "قاضی حسین عرب مالکی" کو اس مسئلہ میں قاضی [illegible] اور "قاضی یعقوب" "آج سے معزول ہوا" اور [illegible] قاضی حسین [illegible] کیا گیا"

[illegible]

[illegible] "شیخ عبد النبی" [illegible]

[illegible]

ازان قبیلہ مصالحہ عمارت مسجد را کہ تعمیر آں میخواستم کنم بردہ۔ بت خانہ بنا کردہ۔ وچوں معارض و معترض او شدیم۔ برگردِ سِس اشما دزبان۔ کہ خاک در دہانش باد۔ بنسبت نبی علیہ السلام کشادہ۔ و اہانت گوناگوں بہ اہل اسلام رسانیدہ۔ و چوں طلبیدند۔ آں برہمن۔ بہ طلب شیخ نیامد۔ بعدہ شیخ ابوالفضل را فرستادند۔ و او را آوردند۔ و شیخ ابوالفضل آنچہ از مردم شنیدہ بود۔ بعرض رسانید و گفت۔ کہ سب بہ تحقیق از و بپیوست۔ و علما بعضے بقتل۔ و بعضے بتشہیر و مصادرۂ او و قائل شدہ دو فریق گشتند۔ و دریں باب گفتگوئے وسیع بود۔

ہرچند شیخ عبدالنبی، از بادشاہ رخصت قتل او مے گرفت۔ بہ صریح نمیداد و نمید۔ و در پردہ میگفتند۔ کہ سیاسیات شرعی تعلق شما دارد۔ ما از چہ مے پرسید۔ و برہمن۔ مدتے باین تقریب دربند ماند۔

و اہل حرم شاہنشاہی۔ بشفاعت بجہت تخلیص او برخاستند۔ و خاطر شیخ درمیان بود۔ چوں مبالغہ شیخ از حد در گذشت۔ جواب فرمودند کہ سخن ہماں است کہ گفتہ ایم۔ شما میدانید۔

و شیخ بمجرد رسیدن بمنزل حکم قتل او کرد۔ وچوں این معنی بعرض رسید۔ خیلے در ہم و برہم شدند و اہل حرم۔ از درون۔ و سایہ مقربان ہندو از بیرون گفتند کہ این ملایان را شما نوازش فرمودید۔ و کار ایشان حالا بجائے رسیدہ۔ کہ ملاحظۂ خاطر شما ہم نمی کنند۔ و بے حکم شما برائے اظہار حکومت و جاہِ خویش۔ مردم را بقتل میرسانند۔ و چنداں مقدمات گوش پادشاہی پر ساختند کہ دیگر تاب نتوانستند آورد۔ و مادہ کہ از مدتے پارۂ غلیظ شدہ بود سر کردہ و بیرون ریخت۔

و کار و بار شیخ عبدالنبی روز بروز تنزل پیدا کرد۔ و نسبت بجناب وے اعراض و تفاضل و سلب جدید و قدیم کشید۔ و ملایہ در بار کم رفت۔

درہماں ایام شیخ مبارک پدر ابوالفضل و فیضی، از آگرہ بہ فتحپور بجہت تہنیت امرے آمدہ بود۔ بایں ماجرا در ... [illegible]

اور متمرد برہمن نے مسجد کی عمارت کا مصالحہ جس کی میں تعمیر کرانا چاہتا ہوں لے جاکر اس سے بت خانہ بنالیا ہے۔ اور جب میں اس سے معارض و متعرض ہوا تو اس نے علی الاعلان اپنی زبان سے کہ اس کے منہ میں خاک پڑے۔ رسول مقبول صلعم کی شان میں بُرے الفاظ کہے۔ اور طرح طرح کی ذلت اہل اسلام کو پہنچائی ہے اور جب اس برہمن کو بلایا تو وہ شیخ کے بلانے سے نہیں آیا۔ پھر بادشاہ نے شیخ ابوالفضل کو بھیجا وہ اس کو لے کر آئے۔ اور شیخ ابوالفضل نے جو کچھ لوگوں سے سنا تھا وہ خدمت میں عرض کر دیا۔ کہ آنحضرت صلعم کے متعلق بُرے الفاظ اس کے کہنے ثابت ہیں۔ بعض علما نے کہا کہ وہ قتل کر دیا جائے۔ بعضوں نے تشہیر کرنے اور اس پر تاوان عاید کرنے کی رائے دی اور اس معاملے میں گفتگو بہت پیدا ہوئی۔

ہرچند شیخ (عبدالنبی) نے بادشاہ سے اس کے قتل کرنے کی اجازت چاہی لیکن انہوں نے صاف طور سے جواب نہیں دیا اور در پردہ کہا کہ سیاسیات شرعی کا تعلق تم سے ہے۔ مجھ سے کیا پوچھنا ہے۔ اس وجہ سے عرصہ تک برہمن قید میں رہا۔

ادھر شاہنشاہ کی حرمیں برہمن کی رہائی کی سفارش کرتی تھیں۔ ادھر شیخ کی خاطر بھی منظور تھی۔ جب شیخ کا اصرار حد سے گذر گیا تو جواب دیا کہ وہی بات ہے جو میں نے پہلے کہی تھی۔ تم ہی جانو۔

شیخ نے یہ جواب پاتے ہی اس کے قتل کا حکم دیدیا۔ جب یہ خبر بادشاہ نے سنی تو وہ بہت ناراض ہو گئے۔ اہل حرم نے محلوں میں اور سب ہندو مقربوں نے باہر کہا کہ ان ملاؤں کی تم پر بہت نوازش ہے اور ان کے کام اس نوبت پر پہنچ گئے ہیں کہ تمہاری خوشنودی کا کچھ بھی خیال نہیں کرتے ہیں۔ اور تمہارے بے حکم اپنی حکومت و جاہ کے جتانے کے لئے آدمیوں کو قتل کر دیتے تھے" اور اس قدر باتیں بادشاہ کے کانوں میں بھریں کہ دو سرا ان کے سننے کی تاب نہیں لا سکتا۔ اور غلیظ مادہ جو مدت سے دل میں بھرا تھا وہ بہہ کر باہر نکلنے لگا۔

اور شیخ عبدالنبی کا کاروبار دن بدن تنزل پیدا کرنے لگا۔ اور نسبت جناب وہ اعراض اور تفاضل و سلب جدید و قدیم تک اثر لے کر وہ دربار میں نہیں جاتا تھا۔

انہیں دنوں میں شیخ مبارک ... ابوالفضل ... فیضی ... آگرہ سے فتحپور کو ... آیا تھا ... [illegible]

سلطان خواجہ | منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۲۶۷ پر تحریر ہے کہ "دریں سال (۹۸۶ ہجری) "سلطان خواجہ" از مکہ معظمہ" معاودت نمودہ۔ اسپان عربی نژاد" و غلامے حبشی" و ہدایائے دیگر نفیس آوردہ" بمنصب ارادت" و صدارت" رسید۔

و میر حاجی" سال نہصد و ہشتاد و شش (۹۸۶ ہجری) بنام" خواجہ محمد یحییٰ" از بنا بر حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ قرار یافتہ" چہار لک روپیہ حوالہ ایشاں نمودہ بتاریخ ماہ شوال ایں سال" از اجمیر" روانہ" مکہ معظمہ" ساختند" و شیخ عبد النبی" و مخدوم الملک" را" بجانب مکہ" ہمراہ ایں قافلہ۔ اخراج کردند"

منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۲۶۷ پر تحریر ہے کہ "اسی سال ۹۸۶ ہجری میں "سلطان خواجہ" مکہ معظمہ سے واپس آیا" گھوڑے عربی نژاد" اور حبشی غلام اور دوسرے اچھے تحفے لایا" اور منصب ارادت و صدارت کو پہنچا"

(۹۸۶ ہجری) اور میر حاجی" بنام" خواجہ محمد یحییٰ" از اولاد حضرت خواجہ احرار قدس سرہٗ کو مقرر کر کے اور چار لاکھ روپیہ اُن کے حوالہ کر کے بتاریخ ماہ شوال ۹۸۶ ہجری اجمیر سے اُن کو مکہ معظمہ روانہ کیا۔ اور شیخ عبد النبی اور مخدوم الملک کا اس قافلے کے ہمراہ مکہ کی طرف اخراج کر دیا"

اور صفحہ ۳۱۱ پر ہے کہ" و نوزدہم ماہ شعبان ۹۹۰ ہجری) وزن شہزادہ بزرگ شد" و دریں سال یا سال آیندہ" شیخ عبد النبی و مخدوم الملک" کہ اخراج مو بدیا فتہ بودند۔ اخبار میرزا محمد حکیم" و باغی گری ہا امرا شنیدہ۔ از مکہ معظمہ" بہ گجرات آمدند" و مخدوم الملک در احمد آباد" درگذشت۔ در ۹۹۰ ہجری۔ نہصد و نود ہجری" و پسران او چندگاہ در شکنجہ رنجہ بودہ" بہ نان گرسنہ محتاج شوند"

اور صفحہ ۳۱۱ پر ہے کہ ۹۹۰ ہجری میں بڑے شہزادے کا وزن ہوا اور اسی سال یا سال آیندہ شیخ عبد النبی اور مخدوم الملک جو ملک سے نکال دیئے گئے تھے میرزا محمد حکیم (برادر اکبر) اور دوسرے امراء کی بغاوتوں کی خبریں سنکر مکہ معظمہ سے گجرات آ گئے" ۹۹۰ ہجری میں احمد آباد میں مخدوم الملک کا انتقال ہو گیا۔ اور اُن کے لڑکے کچھ عرصہ شکنجہ عذاب میں رہ کر روٹی کے ٹکڑے کو محتاج ہو گئے"

(نوٹ ملاحظہ صفحہ) حتیٰ کہ چوں" اکبر بادشاہ" ایجاد مذہب الٰہیہ کرد" خلق را بداں دعوت نمود" و شمس پرستی وغیرہ۔ احکام را جاری کرد و حکم داد کہ بجائے کلمہ محمدی" لا الٰہ الا اللّٰہ۔ اکبر خلیفۃ اللّٰہ" بخوانند"

مولانا عبد اللّٰہ۔ باو در جہاد بودے۔ آخر الامر" اکبر" او را از ملک خود اخراج کرد۔

وے بمسجد معتکف گشت" اکبر گفت۔ کہ مسجد ہم از زمین ملک ماست۔ از ینجا ہم بدر رود۔ و راہ ملک دیگر پیش گیرد۔ وے راہ حجاز پیش گرفت۔ و بزیارت حرمین شریفین مشرف گشت"

و باز در ہندوستان آمد۔ آخر بحکم بادشاہ زہر در طعامش کردند۔ و وے شربت شہادت چشید" او را تصانیف بسیار است۔ چنانچہ" کشف الغمہ" و منہاج الدین" و "عصمۃ الانبیاء" وغیرہ از تالیف اوست"

حتیٰ کہ جب اکبر بادشاہ" نے مذہب الٰہی جاری کیا اور لوگوں کو اس کی دعوت دی اور سورج پرستی وغیرہ کے احکام جاری کر کے حکم دیا کہ بجائے کلمہ محمدی کے لا الٰہ الا اللّٰہ۔ اکبر خلیفۃ اللّٰہ" پڑھیں"

مولانا عبد اللّٰہ" اس کے خلاف ہو گئے" آخر کار۔ اکبر بادشاہ" نے اُن کو ملک سے خارج کر دیا"

وہ مسجد میں معتکف ہو گئے" اکبر نے کہا کہ مسجد بھی میرے ملک کی زمین میں ہے اس جگہ سے بھی چلے جاؤ" اور دوسرے ملک کا راستہ پکڑو" وہ حجاز کو چلے گئے اور حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے"

اور پھر ہندوستان میں آئے" آخر" اکبر بادشاہ" کے حکم سے کھانے میں انہیں زہر دے دیا۔ اور انہوں نے شربت شہادت چکھا" ان کی تصانیف بہت ہیں" چنانچہ" کشف الغمہ" و منہاج الدین" اور عصمۃ الانبیاء" وغیرہ اُن کی تالیف سے ہیں"

شیخ حاجی عبد الکریم چشتی لاہوری (قدس سرہٗ) پسر اوست خلق کثیر در حلقۂ ارادت وے در آمدے

شیخ حاجی عبد الکریم چشتی لاہوری قدس سرہٗ اُن کے بیٹے ہیں" خلقت کثیر اُن کے حلقۂ ارادت میں آئی"

تحریر ہے کہ "

"دربیع الثانی سال نہصد و نود و نہ ۹۹۱ ہجری، سیادت پناہ " میر فتح اللہ شیرازی " کہ در وادیٔ الٰہیات " و ریاضیات و طبیعیات " و سایر اقسام علوم عقلی و نقلی " و طلسمات و نیرنجات " و جرِ اثقال " نظیر خود در عصر نداشت۔ برحسب فرمان طلب۔ از پیش " عادل خاں دکھنی " (بادشاہ بیجاپور) بہ فتح پور رسید " و حسب الحکم " خانخاناں " و حکیم ابوالفتح " بہ استقبال رفتہ۔ بملازمت آوردند " و بمنصب صدارت "

" کہ سیاہ نویسی بیش نبود "

امتیاز یافت " و پرگنہ بسا ور " بیداغ و محلی " بجائے گیر او مقرر شد۔ او در وادیٔ مذہب خود۔ استقامت تمام ورزیدہ۔ با کمال حبِّ جاہ۔ و دنیاداری " و امراء پرستی " دقیقہ از دقایق تعصّب در دین " فرو نگذاشت "

" ربیع الثانی ۹۹۱ ہجری میں سیادت پناہ میر فتح اللہ شیرازی " جو الٰہیات اور ریاضیات اور طبیعیات اور تمام اقسام کے علوم عقلی و نقلی " اور طلسمات و نیرنجات اور جرِ اثقال میں اس زمانے میں اپنی نظیر نہیں رکھتا " طلبی کے فرمان کی وجہ سے " عادل خاں دکھنی " (بادشاہ بیجاپور) کے پاس سے آکر فتح پور پہنچا " اور بادشاہ کے حکم سے " خانخاناں " اور حکیم ابوالفتح استقبال اس کا کر کے بادشاہ کی خدمت میں لائے " اور اُس نے صدارت کے منصب پر جو "

" سیاہ نویسی سے زیادہ نہ تھا "

امتیاز پایا " اور پرگنہ بسا ور بیداغ و محلی " اس کو جاگیر میں دیا گیا " اُس نے اپنے مذہب میں خوب مضبوطی سے قدم جما کر " کمال حبِّ جاہ اور دنیاداری اور امراء پرستی سے " دین میں تعصّب کے درجوں میں سے کوئی درجہ نہیں چھوڑا "

و در عین دیوان خانۂ خاص کہ ہیچ کس یارائے آں نداشت " کہ علانیہ ادائے صلوٰۃ کند۔ نماز بفراغ بال و جمعیت خاطر " بمذہب امامیہ " میگذارد " و بریں معنی مطلع شدہ او را از زمرۂ ارباب تقلید " شمردہ از ان وادی اغماض فرمودہ " و بجہت رعایت علم و حکمت و تدبیر و مصلحت " در تربیت او دقیقۂ فرو گذاشت نرفت "

اور عین دیوان خانۂ خاص میں جہاں کوئی شخص اس کی مجال نہیں رکھتا تھا۔ ظاہر ظہور نماز ادا کرتا " اور فراغ بالی و دل جمعی سے مذہب امامیہ کی طرح نماز پڑھتا " اس بات پر مطلع ہو کر بادشاہ نے اُس کو زمرۂ اربابِ تقلید میں سمجھ کر اُس کی اس بات سے اغماض فرمایا " اور اُس کے علم و حکمت اور تدبیر مصلحت کی وجہ سے رعایت کر کے اسکی تربیت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا "

۹۹۴ ہجری کے حالات میں " اسی منتخب التواریخ کے صفحہ ۳۴۳ پر " میر فتح اللہ شیرازی " صدر الصدور " کے بارے میں تحریر ہے کہ

آخر رفتہ رفتہ کار بجائے کشید کہ " شاہ فتح اللہ " باں عزت و جاہ " قدرت دادن پنج بیگہ زمین " نداشت " امّا اراضی کلّی کلّی باز یافت نمودہ کفایت خیال میکرد " و آں زمین ہمیں طور مسکن وحوش و ہوام سوام شد "

نامۂ اعمال " صدور " نامے از ایشاں باقی نماندہ باقی ماند "

آخر رفتہ رفتہ بات یہ پہنچی کہ شاہ فتح اللہ اس قدر عزت و جاہ پر بھی " پانچ بیگہ زمین دینے کی قدرت " نہیں رکھتا " لیکن ساری کی ساری زمین کو واپس لینے میں کفایت خیال کرتا ہے " اور وہ زمین اس طرح سے وحشی اور درندے جانوروں اور حشرات الارض کا مسکن ہو گئی ہے " نامۂ اعمال میں صدور کے سوائے اُن کے نام کے کچھ باقی نہیں رہا ہے "

(۵) صدر جہان صدر " کے متعلق منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۴۰۴ پر تحریر ہے کہ "

و دریں ماہ محرم سنہ ۱۰۰۰ ہجری " صدر جہان " مفتی ممالک محروسہ کہ بمنصب ہزاری رسیدہ " با دو پسر فضول مقاصد خود " بحلقۂ ارادت در آمدہ " شصت ارادت قبول یافت چوں ماہی بقلاب در آمدہ " و منصب ہزاری یافت " و بعرض رسانید " کہ ریش مرا چہ حکم میشود " فرمودند کہ باشد "

اور اسی سال محرم سنہ ۱۰۰۰ ہجری میں " صدر جہان مفتی ممالک محروسہ جو ہزاری منصب پر پہنچا اپنے فضول مقاصد " دو لڑکوں کے ساتھ ارادت میں آ گیا " اس کی ارادت قبول ہوئی " مثل مچھلی کے جو جال میں پھنس جاتی ہے اور منصب ہزاری پایا " اس نے عرض کیا کہ میری داڑھی کے متعلق کیا حکم ہوتا ہے فرمایا کہ رہنے دو "

ہم نے ابھی اُوپر بتایا ہے کہ " سلطان خواجہ صدر " اور " صدر جہان " مع اپنی دو بیٹوں کے " دین الٰہی اکبر شاہی میں داخل ہو گئے تھے " صاحب دربار اکبری نے صفحہ ۱۳۳ پر تحریر فرمایا ہے کہ " اس دین کے خلیفۂ اوّل " شیخ ابوالفضل " تھے۔ جو شخص " دین الٰہی میں آتا

تھا۔ وہ اقرارنامہ لکھکر دیتا تھا۔" اُمراء میں سے جو اشخاص "دین الٰہی اکبرشاہی" میں داخل ہوئے۔ اُن کی تفصیل کتابوں کے انتخاب سے حسب ذیل معلوم ہوتی ہے:"

(۱) ابوالفضل خلیفہ
(۲) فیضی۔ ملک الشعرائے دربار
(۳) شیخ مبارک ناگوری" (پدر ابوالفضل وفیضی)
(۴) جعفر بیگ آصف خاں۔ مؤرخ وشاعر۔
(۵) قاسم کابلی شاعر
(۶) عبدالصمد مصوّر دربار اور شاعر
(۷) اعظم خاں کوکہ۔ مکّہ سے آکر۔
(۸) صوفی احمد
(۹) مُلّا شاہ محمد شاہ آبادی مؤرخ۔
(۱۰) صدر جہان مفتی کل ہندوستان" اور ان کے دو صاحبزادے"
(۱۱) میر شریف آملی۔
(۱۲) سلطان خواجہ صدر۔
(۱۳) میرزا جان حاکم ٹھٹھہ۔
(۱۴) تقی شوستری شاعر و دوصدی منصبدار
(۱۵) شیخ زادہ گوسالہ بنارسی
(۱۶) بیربر

دربار اکبری کے صفحہ ۔۔۔ پر ہے کہ "میر عبدالحئی صدر جہان" کا حال دیکھو تتمہ میں" یہ بھی بزرگوار "حکیم ہمام" کے ساتھ "عبداللہ خاں ازبک" کے دربار میں برسم سفارت بھیجے گئے تھے۔ اور مراسلت میں جو فقرے اُن کی شان میں نازل ہوئے تھے یہ ہیں "سیادت مآب ثقابت نصاب" میر صدر جہان" ازجملہ اعاظم سادات کبار" و اجلہ اتقیائے این دیار" زمانے کی تاثیر دیکھو کہ اہل عالم کا کیا حال کر دیا تھا" بازاروں کے برآمدوں میں رنڈیاں اتنی نظر آنے لگیں کہ آسمان پر اتنے تارے بھی نہ ہوں گے" خصوصاً دارالخلافہ میں"۔

(۶) خواجگی محمد صالح صدر" (دو ۷) مولانا عبدالباقی صدر" کے حالات کا اندازہ "شیخ عبدالنبی" کے بعد کے ان تین متذکرہ بالا صدور کے حالات سے لگا لینا چاہئے" کہ یہ بھی نت نئے اختراعات مذہبی یا دین الٰہی اکبرشاہی میں رواج دینے یا بادشاہ اور اُس کے فرشتوں کے آلۂ کار ہونے سے کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتے تھے"۔

جس دن "صدر جہان" دین الٰہی اکبرشاہی میں داخل ہوئے ہیں۔ اُسی روز "ملا تقی شوستری" اور "ملا شاہ محمد" نے بھی "دین الٰہی اکبرشاہی" کی بیعت کی تھی" ان دونوں کے اس نئے دین میں داخل ہونے کے واقعہ کو "صاحب منتخب التواریخ" نے جلد دوم کے صفحہ ۔۔۔ پر ان الفاظ میں تحریر کیا ہے کہ:

درہمیں روز" (محرم ۱۰۰۲ھ ہجری) ملا تقی شوستری" کہ خود را اعلم العلماء مے گوید" و شیخ زادہ گوسالہ خام نام بنارسی" و ملا شاہ محمد" کہ منسوب بفرزندی" حضرت غوث الثقلین" مے ساخت" مرید شدند" و مراتب اخلاص چہارگانہ را متقلد گشتہ۔ و منصب صدی تا پانصدی یافتہ" بطریق تلاش ترک ریش گفتند" وجود مردگشتند" موتراش چند" تاریخ یافتہ"

انہیں دنوں (۱۰۰۲ ہجری) میں "ملا تقی شوستری" جو اپنے آپ کو اعلم العلماء کہتا ہے۔ اور شیخ زادہ گوسالہ خام نام بنارسی" اور ملا شاہ محمد جو حضرت غوث الثقلین" کی فرزندی سے منسوب ہے۔ یہ تینوں مرید ہوئے۔ اور مراتب اخلاص چہارگانہ کے متقلد ہو کر اور منصب صدی تا پانصدی پا کر ڈاڑھیاں منڈوا دیں" وجود مردگشتن "موتراش چند" تاریخ نکلی"

اکبر کی دین میں اختراعی اور علماء مشایخ وسادات کی دُرگت بنائے جانے کی چند دیگر مثالیں

صاحب دربار اکبری نے صفحہ ۔۔۔ پر تحریر فرمایا ہے کہ "(۱) ڈاڑھی جو مسلمانوں میں نورِ الٰہی کہلاتی ہے۔ بڑی خوار ہوئی" سبزۂ رخسار کی جڑ پتال سے ڈھونڈھ کر نکالی۔ جہاں سے اُسے پانی پہنچتا ہے"

علماء میں ایک مشائخ تھے اور خاص "حضرت شیخ امان پانی پتی" کے بھتیجے تھے۔ اپنے عم بزرگوار کے کتب خانے میں ایک کرم خوردہ

کتاب لے کر تشریف لائے۔ اس میں حدیث دکھائی کہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں ایک صحابی رض تشریف لائے" بیٹا ساتھ تھا۔ اسکی ڈاڑھی منڈی ہوئی تھی۔ آنحضرت صلعم نے دیکھکر فرمایا کہ اہل بہشت کی ایسی ہی صورت ہوگی" غرض تمام دربار صفا چٹ ہوگیا"

(۲) ہندوؤں کے مذہب کا مشہور مسئلہ ہے کہ دس جانور ہیں جن کی صورت میں خدا نے ظہور کیا ہے۔ ایک اُن میں سے سور ہے" بادشاہ نے بھی اس کا خیال کیا۔ اور زبردستی اور بعض مقامات میں جدھر لوگ اشنان کراتے تھے۔ سور پلوائے"

(۳) کتے کے فضایل میں یہ دلیل پیش ہوئی کہ اس میں دس صفتیں ایسی ہیں کہ ایک بھی اُن میں سے اگر انسان میں ہو تو ولی ہوجائے" بعض مقربان درگاہ نے کہ خوش طبعی اور ہمہ دانی اور ملک الشعرائی سے ضرب المثل ہیں۔ چند کتے پالے" گودوں میں بٹھاتے تھے۔ دسترخوان پر کھلاتے تھے" ملا صاحب یعنی صاحب منتخب التواریخ" فرماتے ہیں کہ" دربار میں تقریریں ہوتی تھیں کہ" غسل جنابت کی کیا ضرورت ہے" کوئی کہتا تھا کہ" شیر اور سور" کا گوشت کھانا چاہیئے۔ کہ بہادر جانور ہیں طبیعت میں ضرور بہادری پیدا کرے گا"

منتخب التواریخ جلد سوم کے صفحہ ۱۵۳ پر "قاضی نظام بخشی" کے حالات میں تحریر ہے کہ"

ملقب بہ قاضی خان" از ولایت بدخشان است نزدیک کوہے کہ کان لعل دارد" در علوم مکتبی شاگرد" مولانا عصام الدین ابراہیم است" و پیش" ملا سعید" استفادہ نمودہ" و از علوم تصوف بہ اشتی و بہرہ تمام داشتہ" در طریقت مرید" مخدومی اعظم شیخ حسین خوارزمی" است" چوں بہ ہند آمد در ملازمت پادشاہی رعایت بیشتر از اندازہ یافت۔ فصیح زبان و خوش تقریر بود" بہ سن ہفتاد سال در" اودھ" در سنہ ۹۹۲ ہجری نہضت نمود و در حرمت حق پیوست"

قاضی نظام بخشی ملقب بہ قاضی خان" ولایت بدخشاں کا رہنے والا ہے" اس پہاڑ کے نزدیک کا جس میں لعل ہیں" علوم مکتبی میں ملا نا عصام الدین ابراہیم کا شاگرد ہے" اور ملا سعید سے بھی اس نے استفادہ کیا ہے" اور علوم تصوف میں مرید مخدومی اعظم شیخ حسین خوارزمی کا ہے" جب ہندوستان آیا تو ملازمت پادشاہی میں اس نے اندازہ سے زیادہ رعایت پائی" فصیح زبان اور خوش تقریر تھا" ستر سال کی عمر میں اودھ میں سنہ ۹۹۲ ہجری میں مرگیا۔

(۴) اول کسیکہ" اختراع سجدہ پیش پادشاہ کرد۔ در فتحپور" او بود" و ملا عالم کابلی" بہ حسرت میگفت" دریغ کہ" مخترع ایں امر من نبودم"

پہلے پہل جس نے بادشاہ کے سامنے سجدہ کرنے کی فتحپور میں ایجاد کی" وہ ہی تھا" اور ملا عالم کابلی حسرت سے کہا کرتا تھا کہ افسوس ہے اس بات کی ایجاد کا موجد میں نہ ہوا"

(۵) دربار اکبری کے صفحہ ۹۱ پر تحریر ہے کہ" نوبت یہاں تک پہنچی کہ ہم قوم اور غیر قوم کا فرق اصلا نہ رہا۔ راجپوتوں کی محبت بلکہ اُن کی ہر بات کو بلکہ رسوم اور لباس کو بھی اس کی آنکھوں میں خوشنما دکھانے لگی" چغے اور عمامہ کو اُتار کر جامہ اور کھڑکی دار پگڑی اختیار کرلی" ڈاڑھی کو رخصت کردیا۔ تخت و دیہیم کو چھوڑ کر سنگھاسن پہ بیٹھنے اور ہاتھی پر چڑھنے لگا" فرش فروش سواریاں اور دربار کے تمام سامان آرائش سب ہندوانہ ہونے لگے" ہندو اور ہندوستانی لوگ ہر وقت خدمت گذاری میں حاضر" جب بادشاہ کا یہ رنگ ہوا تو ارکین و امراء ایران۔ توران۔ سب کا وہ ہی لباس" دربار اور بان کی گلوری اُس کا لازمی سنگھار ہوگیا۔ ترکوں کا دربار" اندر سبھا کا تماشا تھا"

(۶) اسی کتاب کے صفحہ ۹۵ پر تحریر ہے کہ" قاضی عبدالسمیع میانکالی" قاضی القضاۃ" تھے" ان کا خاندان" ماوراءالنہر" میں عظمت اور برکت سے نامور تھا۔ مگر یہاں کا یہ عالم تھا کہ" بازی لگا کر شطرنج کھیلنا وظیفہ تھا۔ جلسہ میخواری ایک عالم تھا جس کے وہ آفریدگار تھے" رشوت۔ نذرانہ تھا" جس کا لینا مثل ادائے نماز فرض عین تھا۔ مسکوں پر" سود پر" حسب الحکم" لکھتے تھے اور وصول کرلیتے تھے" قاسم خاں قوچی نے کچھ اشعار لکھکر اُن کی تصویر کھینچی تھی۔ ایک شعر اُن کا یاد ہے ؎

پیرے نہ تبسیلہ سفر ریشے چو کل سفید یک گز

(۷) اور صفحہ ۲۹۹ پر ہے کہ" ملا صاحب فرماتے ہیں سنہ ۳۰ جلوس کے بعد زمانہ کا رنگ بالکل بدل گیا کیونکہ بعض دین فروش ملا بھی شامل ہوکر اُن کے ساتھ ہم داستان ہوگئے" نبوت میں کلام" وحی میں سکوت ہونے لگے" معجزے" کرامت" جن" پری" ملایک"

جو آنکھ سے غایب اُس کا انکار "قرآن کا تواتر" اُس کا کلام الٰہی ہونا۔ سب باتوں کے لئے ثبوت طلب"
تناسخ پر رسالے لکھے گئے اور قرار یہ پایا کہ اگر مرنے کے بعد ثواب عذاب ہے تو "تناسخ" ہی ہوسکتا ہے" اس کے سوا اور کوئی صورت ممکن نہیں"

(۸) مُلّا صاحب فرماتے ہیں کہ "شیخ تاج الدین ولد ذکریا اجودھنی دہلوی" تھے۔ اکثر اشخاص "شیخ ذکریا" موصوف "کو تاج العارفین" کہتے ہیں" حضرت شیخ مان پانی پتی" کے شاگرد تھے" شیخ مان پانی پتی" وہ شخص تھے کہ "سوانح" پر شرح لکھی ہے" اور نزہت الارواح پر بھی موٹی شرح تحریر فرمائی ہے۔ اور تصوف میں ایسی ایسی یادگاریں چھوڑ دی ہیں کہ علم توحید کے دوسرے "محی الدین عربی" تھے)"
دیوی بہمن" کو خواب گاہ پر جاتے ہوئے دیکھکر اُنہیں بھی شوق پیدا ہوا" اور مکر و حیلہ کی کمند پھینک کر خواب گاہ پر پہنچنے لگے" بہت مقاصد قرآن کے" اور مطالب پر اُن کے ملا کر ایک کر دیئے "وحدت وجود کی بنیا د رکھکر" ہمہ اوست" کا منارہ بلند کیا" اور "فرعون" کو بھی مومن ثابت کر کے کسی کو ایمان سے محروم نہ رکھا" بلکہ منقوش خاطر کر دیا کہ انسان کامل جو پہلے پیغمبر تھے" وہ اب "خلیفۃ الزماں (بادشاہ اکبر)" ہے۔ اور وہ ہی عین واجب ہے۔ کم از کم اُس کا پرتو ضرور ہے" پس قبلہ مراد" اور "قاضیٔ حاجات" وہ ہی ہے "سجدہ" اُس کے لئے جائز ہے" کہ فلاں فلاں پیروں کو اُن کے مُرید کیا کرتے تھے"

(۹) صٓ بیربر نے یہ روشنی ڈالی" کہ آفتاب ذات الٰہی" کا مظہر کامل ہے" سبزہ اُگانا" غلوں کا لانا" پھلوں کا کھلانا" پھولوں کو پھلانا" عالم کا اُجالا" اہل عالم کی زندگی اُس سے وابستہ ہے" اس لئے تعظیم اور عبادت کے لایق ہے۔ اُس کے طلوع کی طرف رُخ کرنا چاہیئے نہ کہ غروب کی طرف"

اِسی طرح "آگ" پانی" پتھر" اور "پیپل" کے ساتھ "سب درخت مظاہر الٰہی ہوگئے" یہاں تک کہ "گائے" اور "گوبر" بھی مظاہر الٰہی ہوئے" ساتھ اس کے "تلک" جینیو" کو بھی جلوہ دیا" مزہ یہ ہے کہ "علماء" فضلاء" اور "مصاحبانِ خاص نے" اُس کی تقویت کی۔ اور کہا کہ فی الحقیقت "آفتاب نیّر اعظم" اور "عطیہ بخش تمام عالم" اور "مربی بادشاہوں کا ہے" اور جو با اقبال بادشاہ ہوئے ہیں۔ اُس کی عظمت کو رواج دیتے رہتے ہیں" برہمنوں سے تسخیر آفتاب کا منتر سیکھا کہ نکلتے وقت اور آدھی رات کو اُسے جپا کرتا تھا"

(۱۰) صٓ و ۲۳ راجہ بھگوان نے ایک جلسہ میں کہا" کہ حضور اگر گائے خدا کے نزدیک واجب التعظیم نہ ہوتی تو قرآن میں سب سے پہلے اُس کا سورہ کیوں ہوتا۔ اُس کے گوشت کو حرام کر دیا۔ اور تاکید سے کہہ دیا کہ جو مارے گا وہ مارا جائے گا" حکماء طب کی کتابیں لیکر حاضر ہوئے کہ اس کے گوشت سے رنگا رنگ کے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ ردی اور دیر ہضم ہے"

(۱۱) صٓ ۲ ملّا صاحب کہتے ہیں کہ ۹۸۲ھ ہجری میں جب سب طرف سے خاطر جمع ہوگئی۔ تو تجویز ہوئی کہ "لا الٰہ الا اللہ" کے ساتھ "اکبر خلیفۃ اللہ" کہا کریں۔ پھر بھی لوگوں کے شور و شر کا خیال تھا اس لیے کہتے تھے کہ باہر نہیں" محل میں کہا کہ "عوام کالعوام کی زبانوں پر "اللہ اکبر" کے سوا وظیفہ نہ تھا۔ اکثر اشخاص "سلام علیک" کی جگہ "اللہ اکبر" جواب میں "جل جلالہ" کہتے ہیں" ہزاروں سکے موجود ہیں۔ جن کے دونوں طرف یہ ہی سکہ منقوش ہے"

(۱۲) گوکہ باوفا اور جاں نثار سمجھے جاتے تھے" مگر صلاح ہوئی کہ پہلے ان ہی سے کوئی ابتدا کرے" چنانچہ "قطب الدین خاں" کو کہ "مذہب تقلیدی" (یعنی مذہب اسلام) چھوڑنے کی طرف بادشاہ کا اشارہ ہوا" وہ سیدھا سادھا سپاہی تھا" اُس نے خیر اندیشی و دلسوزی کے رنگ میں ظاہر کیا کہ "ولایتوں کے بادشاہ" یعنی سلطان روم" وغیرہ سُنکر کیا کہیں گے" سب کا یہ ہی دین ہے۔ خواہ تقلیدی ہے۔ خواہ نہیں ہے" بادشاہ نے بگڑ کر کہا "ہاں تو "سلطان روم کی طرف سے غائبانہ لڑتا ہے" اپنے لئے جگہ پیدا کرتا ہے۔ کہ یہاں سے جائے تو وہاں کی عزت پائے" جا وہیں چلا جا"

شہباز خاں کنبوہ "نے بھی تیز و تند سوال و جواب کئے" بیربر" موقع تاک کر کچھ بولے تو آہیں "شہباز خاں" نے "...

سختی سے دھمکایا کہ صحبت بدمزہ ہوگئی " اور اُمراء آپس میں کھسر پھسر کرنے لگے " شہباز خاں " کو خصوصاً " اور اوروں کو عموماً کہا " کیا بکتے ہو۔ تمہارے منہ پر گُوہیں جُوتیاں بھر کر لگواؤں گا "

شہباز خاں " کے اس واقعہ کے متعلق " منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۲۷۴ پر یہ تحریر ہے کہ "

و " شہباز خاں " نیز تیز و تند " دریں وادی در آمدہ " بیربر " سگِ جہنمی را کہ طعن صریح در دین میکرد " دُشنام صریح دادہ گفت " کہ اے کافر ملعون " حالا تو ہم این چنین سخنان میگوئی " ما از عہدۂ تو بیتو انیم برآمد " وکار بے مزگی کشید " و " شہباز خاں " بخصوص و بدیگراں بطریق اجمال فرمودند " کہ میخواہیم کہ کفش پُر نجاست بر دہن ہائے شما بزنند "

اور شہباز خاں بہت غضبناک ہو گئے۔ دوزخ کے کتے بیربر کو جس نے دینِ اسلام پر کھلّم کھلّا طعن کیا " صاف گالی دیکر کہا " کہ اے کافر ملعون اب تو بھی ایسی باتیں کہتا ہے۔ ہم تجھے ختم کر سکتے ہیں " اور صحبت بدمزہ ہوگئی " شہباز خاں کو خصوصیت سے اور دوسروں کو عموماً بادشاہ نے فرمایا کہ ہم کہتے ہیں کہ نجاست سے بھرے ہوئے جوتے تمہارے مونہوں پر لگائے جائیں "

غرضکہ یہ ہنگامہ آرائیاں تھیں لیکن " شہباز خاں " کا تو بادشاہ کا کچھ نہیں کر سکا مگر اور دوسروں کے ساتھ جو کچھ اُس نے کیا " اُن کا کچھ حال تو " شیخ عبد النبی صدر " مخدوم الملک " اور " سید محمد میر عادل " کے حالات لکھکر ہم اُوپر ظاہر کر چکے ہیں " یہاں چند مثالیں اور دیتے ہیں "

مُلّا یزدی اور میر معز الملک کی غرقابی

منتخب التواریخ جلد دوم صفحہ ۲۷۶ تا ۲۷۸ پر تحریر ہے کہ۔

محمد معصوم خاں پسر معین الدین خاں " فرنخودی " کہ حکومت جونپور داشت " بدرگاہ آمدہ باز رخصت جونپور یافت " و ملا محمد یزدی " بقاضی القضاۃ " آنجا مقرر ساختند " وحکومت دہلی " بمحب علی خاں پسر میر خلیفہ تفویض یافت "

و ملا محمد یزدی " در صوبہ جونپور " رفتہ " فتوی بوجوب خروج دیگر بر بادشاہ داد " میر معز الملک " و " محمد معصوم خاں کابلی " و " محمد معصوم خاں " فرنخودی " و " نیابت خاں " و عرب بہادر " و دیگراں تیغ ہا کشیدہ " ہر جا چنانکہ مذکور شود جنگ ہائے عظیم کردند " بہتر سعادت " کہ " بہشیر و خاں " خطاب دارد " و مخفے کہ نزد " معصوم خاں جونپوری " رفتہ باز گشت " حقیقت فتوی ملا یزدی " را بعرض رسانید " تا میر معز الملک و ملا یزدی " را بہ تقریبے از " جونپور " طلبیدند " چوں بفیروز آباد " کہ ہژدہ کروہے " آگرہ " است رسیدند " حکمے فرستادند کہ سواراں را از ایشاں جدا ساختہ " وہر دو را بکشتی نشاندہ " و از آب جون گذرانیدہ بجانب گوالیار " برند۔ و متعاقب حکمے دیگر رسید۔ کہ ایں ہا را ضائع سازند " و سُو کلاں و کشتی دیگر نشستند۔ وایشاں را در کشتی عمر ایں ہر دو را " در گرداب فنا غرق ساختند "

محمد معصوم خاں " معین الدین خاں فرنخودی کا بیٹا۔ جو جونپور کا حاکم تھا وہ بادشاہ کے پاس آیا پھر اُس نے جونپور جانے کی اجازت پائی " اور ملا یزدی کو وہاں کا قاضی القضاۃ مقرر کیا " اور دہلی کی حکومت " میر خلیفہ کے بیٹے محب علی کو تفویض ہوئی "

ملا محمد یزدی " نے " صوبہ جونپور میں جا کر بادشاہ پر خروج کرنے اور اُس سے بغاوت کرنے کا فتویٰ دیا " جس کی وجہ سے " امیر معز الملک " اور محمد معصوم خاں کابلی " اور محمد معصوم خاں فرنخودی " اور نیابت خاں " اور عرب بہادر " اور دوسروں نے تلواریں کھینچکر ہر جگہ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے بہت سخت لڑائیاں کیں " بہتر سعادت خاں " جس کا خطاب " بہشیر و خاں " تھا " جب معصوم خاں جونپوری کے پاس جا کر واپس آیا " تو اس نے بادشاہ سے " ملا یزدی کے فتوے کی حقیقت بیان کی " بہانے سے بادشاہ نے " میر معز الملک " اور ملا یزدی کو جونپور سے بلایا " جب وہ آگرہ سے اٹھارہ کوس پر فیروز آباد پہنچے تو حکم بھیجا کہ سواروں کو ان سے علیحدہ کرے " اور دونوں کو کشتی میں بٹھا کر دریائے جمنا کے راستے سے گوالیار لے جائیں اور پیچھے دوسرا حکم بھیجا کہ ان کو ضائع کر دیں " اور اُن کے نگراں دوسری کشتی میں بیٹھیں اور اُن کی عمر کی کشتی کو گرداب فنا میں غرق کر دیں "

قاضی یعقوب کا قتل

و بعد از چند روزے " قاضی یعقوب " از بنگالہ میرسد " داد را ہم متعاقب ایشاں بسفر فرستادند "

اور تھوڑے دنوں بعد " قاضی یعقوب جو بنگالہ سے آیا تھا اُس کو بھی ان کے پیچھے بھیج دیا " یعنی مروا دیا "

دیگر علماء کا قتل

و دیگاں بگاں را از ملّایان کہ از و توہم بے اخلاصی داشتند، در پنہاں خانۂ عدم میفرستادند۔

اور ایک ایک کر کے ملّاؤں میں سے جن کی طرف سے بے اخلاصی کا وہم رکھتے تھے، اُنہیں بھی ملکِ عدم کو بھیجدیا۔

علماء کی جلاوطنی

و علمائے لاہور را جلائے وطن ساختہ ہر کدام را چوں سلکِ منثور را از ہم گسیختند از انجملہ قاضی صدرالدین لاہوری را کہ تحقیق اُو زیادہ از مخدوم الملک بود بتقضائے بھروچ از گجرات و ملّا عبدالشکور گول دار را بتقضائے جونپور و ملّا محمد معصوم را بہ بہار نامزد گردانیدہ و شیخ منوّر را بہ مالوہ جلاوطن کردند و صدارت آں صوبہ بدو تفویض یافت بریں قیاس ہر کدام در غربت مقضی المرام شدند۔

اور علمائے لاہور کو جلاوطن کر کے ہر ایک کو مثلِ سلکِ منثور کے منتشر کر دیا۔ اُن میں سے قاضی صدرالدین لاہوری کو جس کی تحقیق مخدوم الملک سے بھی زیادہ تھی گجرات سے بھروچ کی تقضا پر اور ملّا عبدالشکور گول دار کو جونپور کی تقضا پر اور ملّا محمد معصوم کو بہار پر نامزد کیا اور شیخ منوّر کو مالوہ پر جلاوطن کر کے صدارت اُس صوبہ کی اُس کے سپرد کی۔ اس طرح ہر کوئی غربت ہی میں مر گئے۔

حاجی ابراہیم پر مہربانی کی وجہ

و حاجی ابراہیم سرہندی را صدر گجرات ساختہ فرستادند۔ و اُو از ذخیرۂ زر بسیار بہ رشوت از ائمہ گرفت۔ و از فراواں جمع کرد و اگر نہ دادند مدد معاش را باز یافت مے نمود و ایں معنی بعرض رسید کہ داعیۂ رفتن بدکن ہم داشت تا بہ تہمت بغی از انجا بہ حکیم الملک سپردند و در مجلس شب طلبیدند اُو رسالہ مشتمل بر نقل دروغ از بزرگانِ دین بخوش آمد خیال کردہ گذرانید۔ و آں جعل و لباس ظاہر شد حاصل آنکہ عبارت جعلی از شیخ ابن عربی قدس سرہ در کتابے کہنہ کرم خوردہ بخط مجہول نوشتہ کہ صاحبِ زماں زنان بسیار خواہد داشت و ریش تراش خواہد بود۔ و صفتے چند کہ در خلیفۃ الزماں بود۔ درج کردہ بادے بسیر عنایت آمدہ در سلک بازیافتگان پایۂ قُرب در آوردند۔

اور حاجی ابراہیم سرہندی کو گجرات کا صدر بنا کر بھیجا۔ اُس نے وہاں کے ائمہ سے رشوت لیکر بہت سا ذخیرہ جمع کر لیا۔ اور اگر کسی نے نہیں دیا تو اُس کی مدد معاش واپس لیلی۔ یہ بات بادشاہ کو معلوم ہوئی کہ وہ بھی بادشاہ کے خلاف ہو گیا ہے۔ لہذا اُس کو بغاوت کی تہمت پر وہاں سے بلا کر حکیم الملک کے سپرد کر دیا۔ اور رات کی مجلس میں طلب کیا۔ اُس نے ایک رسالہ میں بزرگانِ دین کے متعلق جھوٹی باتیں لکھکر خوشامد کے خیال سے پیش کیا۔ اور اُس کا یہ جعل ظاہر ہو گیا۔ یعنی یہ کہ پُرانی کتاب کیڑے کھائی ہوئی میں شیخ ابن عربی قدس سرہ کی طرف سے یہ جعلی عبارت مجہول خط سے لکھی کہ صاحبِ زماں بہت سی عورتیں رکھے گا اور ڈاڑھی منڈوائے گا۔ اور چند صفات جو خلیفۃ الزماں میں ہوں گے درج کیئے۔ بادشاہ اُس سے عنایت سے پیش آئے اور اُس کو مصاحبوں میں داخل کر لیا۔

ملّا ابو سعید میاں مان پانی پتی کے بھتیجے کی قید و موت

و موافق نقل حاجی ابراہیم در رسالۂ کہنہ از کتب ملّا ابو سعید برادرزادہ میاں مان پانی پتی حدیثِ موضوع گذرانیدہ بودند کہ پسر صحابی منترش در نظر آنحضرت صلعم آمد فرمودند کہ اہلِ بہشت بایں ہیئات خواہند بود۔ چوں بہ شاہ فتح اللہ و شیخ ابو الفضل و حکیم ابو الفتح بحث ہائے دلیرانہ میکرد و مذلت ہائے نمود بقلعۂ رنتھنبور فرستادند تا مُرد و جثّۂ اُو را بعد از انداختن پایانِ قلعہ یافتند کہ با پارچہ ہائے طولانی بستہ بود و شہرت چناں یافت کہ خود از بالائے قلعہ انداخت۔ و ایں واقعہ در سنہ نہصد و نود و چہار ۹۹۴ھ ہجری رُو نمود۔

اور موافق نقل حاجی ابراہیم نے میاں مان پانی پتی کے بھتیجے ملّا ابو سعید کی کتابوں سے ایک پُرانے رسالہ میں موضوع حدیث گذرانی تھی کہ آنحضرت صلعم کے سامنے ایک صحابی کا ڈاڑھی منڈا لڑکا آیا۔ آپ نے فرمایا کہ اہلِ بہشت اِسی صورت کے ہوں گے۔ جب شاہ فتح اللہ اور شیخ ابو الفضل اور حکیم ابو الفتح نے دلیرانہ بحثیں کیں تو اُس نے ذلّت اُٹھائی۔ بادشاہ نے اُسے قلعہ رنتھنبور بھیجدیا۔ وہ وہاں مر گیا۔ اور لاش اُس کی گرانے کے بعد قلعہ کے نیچے اس حالت میں پائی گئی کہ ایک لمبے کپڑے سے بندھی ہوئی تھی۔ اور یہ شہرت ہوئی کہ اُس نے خود اپنے آپ کو قلعہ کے اُوپر سے گرا دیا۔ یہ واقعہ ۹۹۴ھ ہجری میں واقع ہوا۔

پیرانِ طریقت کی قید و جلاوطنیاں

و ہر کسے را کہ میدانستند کہ مرید میگیرد

اور جس کسی کو جانتے کہ مُرید کرتا ہے یا مجلس سماع یا حلقہ کرتا ہے اُس کو

یا مجلس سماع۔ بانوع قلابے وارد "آزادکان نامیدہ" یا در قلاع مے کشیدند" یا اخراج بجانب بنگالہ" و بکّر" مے نمودند"

حکیم الملک کی جلاوطنی

اسی کتاب کے صفحہ ۲۸۵ پر تحریر ہے کہ "درشتی بسیار (درسنہ ۹۸۵ ہجری) بحکیم الملک از جہت مخالفت اُو" با شیخ ابوالفضل" کہ اُورا "فضلہ" میگفت۔ عاقبت الامر حکم اخراج بجانب "مکّہ" فرمودند"

شیخ حسین ازاولاد حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہٗ کی جلاوطنی

اور صفحہ ۳۰۳ پر ہے کہ: "وہم چنیں "شیخ حسین" نبیرہ حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہٗ" راکہ تسلیم خاطر خواہ نمی کرد" و بعد از اخراج "بمکہ معظمہ" و آمدن اُو از آنجا "فتحپور" و بہماں دستور سابق "کورنش با استغنا نمودہ۔ و اداۓ بے اخلاصی از فہمیدن" دریکّر" فرستاد"

دکانداری نام دیکر یا تو قلعوں میں قید کردیتے ہیں یا اُس کا اخراج بنگال اور بکّر (سندھ) کو کردیتے ہیں"

اسی کتاب کے صفحہ ۲۸۵ پر ہے کہ "(سنہ ۹۸۵ ہجری میں) "حکیم الملک" کے ساتھ "شیخ ابوالفضل" کی مخالفت کی وجہ سے کہ وہ اُس کو فضلہ کہتا تھا" بہت سختی برتی" آخرکار اُس کا مکہ کی طرف اخراج کردیا"

اور صفحہ ۳۰۳ پر ہے کہ "اور اسی طرح "حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہٗ کے پوتے "شیخ حسین" کو جس نے تسلیم خاطر خواہ نہیں کی تھی" اور بعد از اخراج مکہ معظمہ" وہاں سے "فتحپور" واپس آنے کے بعد بھی پہلی طرح انہوں نے کورنش سے استغنا برتا تو بے اخلاصی جاکر انہیں "بکّر" بھیجدیا"

ہم نے یہ اقتباسات جو پیش کئے ہیں "دریا میں قطرہ سے زیادہ نہیں ہیں" ان کی تفصیل کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے" ان اقتباسات سے صاف ظاہر ہوگیا ہے کہ "منصب عظمٰے صدارت کے لئے کسی عربی یا عجمی کی کوئی قید نہ تھی" اگر ایسا ہوتا تو "شیخ گدائی" کے بعد "شیخ عبدالنبی" جو غلام خاندان سے اور قوم کے جاٹ تھے "ہرگز" عہدہٗ صدارت پر فائز نہ کئے جاتے"

اُن کے بعد جو اور پانچ صدر" اکبر ہی کے دور میں مقرر کئے گئے۔ اُن میں بھی کسی "عربی یا عجمی" بلکہ شیعہ وسنی کی کوئی قید روا نہیں رکھی گئی" جس طبقہ سے جس کو مناسب خیال کیا اُس کا تقرر کردیا۔ پھر یہ بھی ہے کہ "شیخ عبدالنبی" کا زمانہ صدارت "سولہ برس ہے" ان پانچوں صدور میں سے کسی ایک کو شیخ عبدالنبی کے زمانہ کی نصف مدت تک بھی اس خدمت پر باقی نہیں رہنے دیا گیا"

کیونکہ ہمیں یہ بھی بخوبی معلوم ہوچکا ہے کہ اُس زمانے میں "حسد اور سازشیں کس طرح کے کام کررہی تھیں۔ اور ان حسد پیشہ نیز سازشی ولامذہب لوگوں نے جاہل و کودن بادشاہ کو اپنی ترکیبوں اور ہتھکنڈوں سے قابو میں لاکر اُسے کن خرافات میں ڈال دیا تھا" اور ہندوستان کو جو صاحب منتخب التواریخ کی تحریر کے مطابق "بیرام خاں" (یعنی "شیخ گدائی) کے زمانے میں (کیونکہ مؤرخوں کا بیان ہے کہ "بیرام خاں" بڑی حد تک "شیخ گدائی" کے زیر اثر تھے) حکم عروسی رکھتا تھا" مردم فاضل و قابل" "باحسب ونسب" اور عربی النسل حضرات بشمول سادات بنی فاطمہ" کے لئے جہنم زار بنادیا تھا" اور شدائد و عقوبات سے ان میں سے تھوڑے وہ بچ سکے تھے" جنہوں نے دین فروشی اختیار کرلی تھی" یا معدودے چند مثل "مفتی جمال خاں کنبوی" "شیخ گدائی کنبوی" اور "نواب شہباز خاں کنبوی" کے ایسے تھے جن پر ان کی عالی نسبی" وجاہت خاندانی اور اثرو اقتدار نیز کارگذاریوں کی وجہ سے اکبر اور اُس کے حواریوں کو ہاتھ ڈالنے یا جبرو سختی کرنے کی ہمت نہیں پڑسکتی تھی" ورنہ باقی سب قید و بند۔ اور قتل و جلاوطنی نیز ذلت و خواری کے بھینٹ چڑھادیئے گئے تھے"

ان واقعات کو پردۂ خفا میں رکھکر "مؤلف امروہوی" کا نہایت جسارت سے کام لے کر یہ لکھدینا کہ

"عربی النسل افراد کے مقابلے میں "منصب صدارت پر جو "عربی النسل" اشخاص کے لئے مخصوص تھا"

"شیخ گدائی" کا فائز ہونا" اُس زمانے کے اعتبار سے" قابل مواخذہ سمجھا گیا"

قطعاً فریب اور دھوکا دینا نہیں ہے تو اور کیا ہے"

مؤلف امروہوی کا منتخب التواریخ کے ایک خاص بیان کا اخفا

مؤلف امروہوی کی اس غلط بیانی کا بھی بہ احسن وجوہ انکشاف کرکے۔ اب ہم اُن کے اُس اغماض کی طرف توجہ مبذول

کراتے ہیں جو انہوں نے "صاحب منتخب التواریخ" کی تحریر سے دانستہ برتا ہے" اور قصداً و ضرورتاً اسے معرضِ خفا میں رکھنا ضروری خیال کیا ہے" جس میں صاحب منتخب التواریخ نے جلد دوم کے صفحہ ۲۹ و ۳۰ پر شیخ گدائی کے حالات لکھتے ہوئے اُن کے نسب پر چوٹ کی ہے" اور اس طرح لکھا ہے کہ"

"شیخ گدائی کنبوہ" پسر "جمالی کنبوہی" شاعر دہلوی
بتقریب آشنائی "خان خاناں" کہ بعد از شکست ثانی ہند
در ایام غربت در "گجرات" بہ او ہم رسیدہ بود" بر جمیع اکابر ہندوستان
و خراسان "تقدیم دادہ" منصب رفیع القدر صدارت" برو مسلم
داشتند"

و "خان خاناں" بلکہ "شاہنشاہ" نیز اکثر اوقات
در منزل او" بہ مجلس سماع" کہ از آں سراسر تکلف مے بارید" و
دکان تزویر ساختہ بود" حاضر میشدند"

اکابر ائمہ ازیں معراج "شیخ گدائی" کہ در سلک نسبت او ہم سخن
داشتند" و خانہ بخانہ در ماتم عظیم افتادند" و سر کبرفی موت الکبریٰ
آشکار شد ؎

در تنگنائے حیرتم از نخوت رقیب — یارب مباد آنکہ گدا معتبر شود

داد در شیخ گدائی) قلم نسخ بر اراضی مدد معاش" و اوقات خانزادہائے
قدیم "کشید"

ہر کس را کہ بر ذلت در بار داری میکشد" بیورغال میداد" و الّا
فلاں" و باوجود نظر بہ ایں زماں کہ سخن در پنج جریب زمین۔ انعام مدد
معاش میرود" بلکہ کمتر" او را عالم بخش تواں گفت" و اعیان و
اشراف ولایت ہم کہ مے آمدند از تمرد و تحکم و تعذر بے موقع او
نیز بودند"

و بعضے خود را بہ ایں تسلّی میدادند کہ" ؎

گر فروتر نشست خاقانی — نے او را عیب نے ترا ادب است
مے نہ بینی کہ سورۂ اخلاص — زبر تبّت یدا ابی لہب است

و میر سید نعمت رسول "قطعہ گفتند" در جوامع و صوامع
شہرت داد" و بخبث ہا آنرا در مسجد دیوان خانہ "شیخ گدائی" نوشتند
تا خواندند و محو ساختند" اما فائدہ نداشت" و ایں بیت از انجملہ
است" ؎

نام گدائی مبر" نان گدائی مخور — زانکہ گدائی بدست گدائی سیاہ

دارد و بعضے آثار بے اخلاصی و بے ریائی و بدراہی "نسبت بہ بندگان

"شیخ گدائی کنبوہ" پسر "جمالی کنبوہی" شاعر دہلوی" کو
خان خاناں" کی دوستی کی وجہ سے جو شکست ثانی ہند کے بعد
خان خاناں" کے ایام غربت میں گجرات میں اُن سے ہو گئی تھی" تمام
اکابر ہندوستان و خراسان پر ترجیح دے کر منصب رفیع القدر
صدارت پر فائز کر دیا"

اور خان خاناں بلکہ شاہنشاہ بھی اکثر اوقات اُن کے مکان
پر مجلس سماع میں کہ اس سے سراسر تکلف معلوم ہوتا تھا اور دکان مکر و فریب
کی بنائی تھی حاضر ہوتے تھے"

بڑے ذی وجاہت لوگوں نے شیخ گدائی کے اِس عروج سے جس کی
عالی نسبی میں بھی وہ شک کرتے تھے" ہر گھر میں بہت رونا پیٹنا پڑ گیا"
اور سر کبرفی موت الکبریٰ ظاہر ہوا" ؎

در تنگنائے حیرتم از نخوت رقیب — یارب مباد آنکہ گدا معتبر شود

شیخ گدائی نے اراضی مدد معاش اور اوقات خانزادوں قدیم کو
واپس لے لیا"

جو کوئی اُن کی دربار داری کی ذلت گوارا کرتا تھا اُس کو مدد معاش دیتے
تھے" ورنہ نہیں" لیکن جب ہم اس زمانہ پر نظر ڈالتے ہیں کہ چند جریب بھی
انعام مدد معاش دینے میں بھی چون و چرا کی جاتی ہے بلکہ کمتر دی جاتی ہے
تو اُن کو عالم بخش کہا جا سکتا ہے" اعیان و اشراف جو ولایت سے آتے ہیں
وہ اپنی حاجتوں کیلئے اُن کے غرور و تکبر و تحکم و مداخلت بیجا اٹھاتے ہیں"

اور بعضے اپنے آپ کو یہ تسلی دیتے ہیں کہ" ؎

گر فروتر نشست خاقانی — نے او را عیب نے ترا ادب است
مے نہ بینی کہ سورۂ اخلاص — زبر تبّت یدا ابی لہب است

اور میر سید نعمت رسول نے قطعہ لکھ کر سب لوگوں اور صومعوں
میں شہرت دی" اور اُس کے خبث کو شیخ گدائی کی مسجد اور دیوان خانہ
میں لکھ دیا" انہوں نے پڑھا اور مٹا دیا" اُس سے کچھ فائدہ نہ ہوا" اُس
قطعہ کی ایک بیت یہ ہے" ؎

نام گدائی مبر۔ نان گدائی مخور — زانکہ گدائی بدست گدائی سیاہ

اور اُس سے بعضے آثار بے اخلاصی و بے ریائی اور بدراہی کے بادشاہ کی

شاہی" ظاہر شد" کہ بجائے غوو مذکور شود"

سنبت ظاہر ہوئی۔ جن کا اپنی جگہ پر ذکر ہو چکا ہے"

پھر انہیں صاحب منتخب التواریخ نے جلد دوم کے صـ۱۱۹ پر ۹۷۶ ہجری کے واقعات میں اس طرح لکھا ہے کہ"

دریں سال "شیخ گدائی کنبوہی دہلوی" کہ حکم شحنہ معزول داشت۔ و از طنابل مقابل ایام دریں پندار و غرور" از جملہ اقسام بود" درگذشت" و مردہ خوک کلاں" تاریخ یافتند۔

اس سال میں "شیخ گدائی کنبوہی دہلوی" جو حکم کوتوال معزول کا رکھتا اور اپنی نخوت و غرور کی وجہ سے جملہ بتوں سے تھا" از طنابل مقام ایام مرگیا۔ او "بڑا سور مر گیا" میں نے تاریخ نکالی"

صاحب منتخب نے "شیخ گدائی" سے متعلق "جو گل افشانیاں" جن الفاظ میں کی ہیں۔ انہیں ہم نے من وعن پیش کر دیا ہے" کیا یہ حیرت و سوچ میں ڈال دینے والی بات نہیں ہے کہ "مؤلف امروہوی" جنہوں نے "شیخ گدائی" کے نسب کو کمتر" اور "ہندی الاصل ثابت کرنے کا تہیہ کر لیا ہے" بلکہ اس بارے میں ایڑی چوٹی تک کا زور لگا دیا ہے۔ اور اپنی اس کوشش میں "غلط قیاسات" و توہیموں سے جھوٹ کو سچ باور کرانے" واقعات کو اخفا کر لینے" اور بعض میں تحریفیں کرنے اور غلط تراجم تک پیش کرنے میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کی ہے" تو انہوں نے اس زہریلے ہتھیار کو جو "صاحب منتخب نے اُن کے ہاتھوں میں دیدیا تھا" اپنی اس ساری بحث میں کہیں بھی استعمال نہ کرنا اور اپنے ناظرین کو اس کی زیارت سے محروم رکھنا کیوں مناسب و ضروری خیال کیا"

صاحب منتخب التواریخ کی قدر و منزلت مؤلف امروہوی کی نظر میں اور ان کی آڑ میں شیخ کو سید بنا دینے کی جسارت

صاحب منتخب التواریخ" ملا عبدالقادر بدایونی" کو مؤلف امروہوی نے "شیخ ابن امروہوی" کے نسب پر بحث کرتے ہوئے جس طرح سراہا ہے۔ اور اُن سے اپنا اعتقاد ظاہر کرکے جن الفاظ میں اُن کی مدح و ثنا کی ہے" وہ مؤلف موصوف کی کتاب تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے صـ۳۲ تا ۳۶ پر اس طرح تحریر ہے کہ۔

سب سے پہلے شاید یہ مناسب ہوگا کہ ان عبارتوں کو ذیل میں نقل کر دیا جائے جو" مختلف عہد کی کتب تواریخ و تذکرہ مشائخ میں "حضرت ممدوح (یعنی شیخ ابن رح) کے حالات میں دستیاب ہوتی ہیں"

(۱) اخبار الاخیار" مؤلفہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی تالیف ۹۹۶ھ

و از جملہ مریدان و خلفائے شیخ علاؤ الدین" شیخ ابن" امروہہ بود" مردے عزیز و حسین و صاحب حال و مجذوب شکل بود"

(۲) طبقات اکبری مطبوعہ مؤلفہ نظام الدین احمد بخشی عہد اکبری تالیف ۱۰۰۲ھ ہجری"

بزمرۂ مشائخ عہد اکبری صرف نام لکھا ہے یعنی شیخ ابن امروہہ"

(۳) منتخب التواریخ مؤلفہ ملا عبدالقادر بدایونی تالیف ۱۰۰۴ھ

شیخ ابن امروہہ" دبعض قلمی نسخوں میں "سید ابن" بھی لکھا ہے۔ سالک و مجذوب بود۔۔۔

(۴) گلزار ابرار قلمی۔ مؤلفہ محمد غوث بن حسن بن موسیٰ شطاری"

تالیف شروع ۱۰۱۴ھ ختم در عہد جہانگیری"

شیخ ابن" خلیفہ علاؤ الدین شیخ دریائے" دہلی است"

(۵) اسراریہ" مؤلفہ سید کمال بن سید لال سنبھلی تالیف ۱۰۶۸ھ

گویند" شیخ عبداللہ معروف شیخ ابن" در اوایل از امروہہ بعزیمت سفر حجاز بر آمدہ"

(۶) ماثر الکرام مؤلفہ سید علامہ غلام علی آزاد بلگرامی تالیف ۱۱۶۶ھ

شیخ عبداللطیف مولد و منشاء آدا امروہہ از مضافات دہلی نسبش بہ شیخ عبداللہ المعروف بہ شیخ ابن قدس سرہ مے رسد"

(۷) جام جہاں نما قلمی مؤلفہ قدرت اللہ صدیقی ساکن موضع موئی تالیف ۱۱۹۹ھ

شیخ عبداللہ معروف بہ شیخ ابن" گویند از امروہہ بعزیمت کعبتہ اللہ بر آمدہ"

یہ ہی وہ کتب تاریخ و تذکرہ ہیں جن میں "حضرت شاہ ابّن قدس سرہٗ کے" حالات مندرج ہیں"۔ ان میں صرف دو کتابیں تاریخ کی ہیں۔ یعنی "طبقات اکبری" اور "منتخب التواریخ"۔ باقی کتب مشایخ اور علماء کے تذکروں پر مشتمل ہیں"۔ لیکن ان میں سے کسی کتاب میں "حضرت ممدوح کے نسب کا ذکر صراحت کے ساتھ نہیں کیا گیا"۔ بعض میں آپ کا صرف عرف لکھا ہے۔ اور بعض میں نام نامی بھی درج کیا گیا ہے"۔ جس کے ساتھ "بالعموم" لفظ شیخ" تحریر ہے"۔ لیکن آپ جیسے "شیخ وقت" اور ولی کامل کے اسم گرامی کے ساتھ "محض لفظ شیخ کا استعمال" تا وقتیکہ نسب کا اظہار صراحتاً نہ کیا جائے" قادح سیادت و فاطمیت نہیں ہو سکتا"۔

کتب متذکرۂ بالا میں چار کتابیں "حضرت کے معاصر مصنفین" کی ہیں"۔

تاریخ کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ "معاصرین کا بیان متاخرین کے مقابلہ میں" ہر طرح لائق استناد و قابل ترجیح ہوتا ہے"۔

(الف) حضرت شاہ عبدالحق محدّث دہلوی" نے" اخبار الاخیار" میں آپ کا تذکرہ ضمناً کیا ہے۔ اور آپ کا صرف عرف لکھا ہے"۔

(ب) اسی طرح صاحب طبقات اکبری نے بزمرۂ مشایخ صرف" شیخ ابّن امروہہ" تحریر کیا ہے"۔

(ج) گلزار ابرار کے مؤلف نے بھی اسی کی تقلید کی ہے"۔ ان مصنفین کے بیانات سے آپ کے نسبی حالات پر کوئی روشنی نہیں پڑتی"۔

(د) البتہ آپ کے معاصر مصنفین میں سے" ملّا عبدالقادر بدایونی" کی تصنیف" منتخب التواریخ" ضرور ایک ایسی کتاب ہے۔ جس میں آپ کے نسب کے متعلق صاف اور صریح اشارہ ملتا ہے"۔

"جہاں تک اس کتاب اور اس کے مصنف کا تعلق ہے" یہ بتانا ضروری نہیں کہ عہد اکبری کے تاریخی حالات کے لحاظ سے یہ کتاب کس پایہ کی ہے" اور اس کے مصنف کو واقعات کی تنقید کرنے اور صاف گوئی و صداقت بیانی کے اعتبار سے تاریخی دنیا میں کیا درجہ حاصل ہے"۔ علامہ بدایونی" کی شخصیت سے ہر تعلیم یافتہ شخص واقف ہے کہ" وہ کس درجہ محتاط" ناقد" اور صاف گو مورخ ہے"۔

امروہہ سے ان کو ایک خاص تعلق یہ بھی ہے کہ" ایام شباب میں یہاں کچھ عرصہ تک" طالب علم کی حیثیت سے مقیم رہے" اس کے بعد بھی بہت ممکن ہے کہ وہ یہاں آئے ہوں"۔ لیکن ۹۸۱ھ ہجری میں پنجاب کے سفر سے اپنے وطن بدایوں کو واپس جاتے ہوئے ان کا امروہہ سے ہوتا ہے"۔

ان کی تاریخ کی ورق گردانی کرنے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ" ملّا صاحب" مشایخ و اولیا کے نہایت درجہ عقیدتمند ہیں۔ حضرت شیخ ابّن رح کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ آپ سے ملاقات کرتے ہیں۔ آپ کے حالات اپنی کتاب میں لکھتے ہیں آپ کے خوارق و عادات کے سلسلہ میں ایک واقعہ بھی بیان کرتے ہیں۔ جو خود ان کی اپنی ذات سے تعلق رکھتا ہے"۔ اپنے بیان میں وہ آپ کو بصراحت" سید ابّن" اور "سید مشار الیہ" تحریر کرتے ہیں۔ کیا یہ الفاظ "حضرت شاہ ابّن کی سیادت" اور" فاطمیت" کی ناقابل تردید شہادت نہیں ہیں"۔

اس شہادت کی صحت اور قطعیت کا مرتبہ اور بھی زیادہ بڑھ جاتا ہے جبکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ علامہ موصوف" حضرت ممدوح کے حالات کے سلسلہ میں ایسے واقعات بھی تحریر کرتے ہیں" جو بغیر خاص تحقیق و جستجو کے معلوم نہیں ہو سکتے" مثلاً وہ لکھتے ہیں کہ "سالک و مجذوب بود" ان لطیف ترین روحانی کیفیات کا اندازہ اجنبی شخص پہلی ملاقات میں نہیں کر سکتا" اس کے بعد لکھتے ہیں کہ "باوجود ایں حالت دقیقہ از دقایق سنّت مطہرہ از وفوت نشدے"۔

یہ وہ حالات و واقعات ہیں کہ جب تک کسی کے حالات کا کافی استقصا نہ کیا گیا ہو۔ اور اس کی زندگی کے واقعات پر ہر پہلو سے نظر نہ ڈالی گئی ہو" ایک محتاط تذکرہ نویس اور مورخ" ہر گز نہیں لکھ سکتا" پھر ان حالات کا لکھنے والا" عبدالقادر بدایونی" جیسا ناقد و محقق" اور صاف گو شخص ہو" ایسے الفاظ بغیر کافی تحقیق اور پوری جستجو کے حوالہ قلم نہیں کر سکتا" چنانچہ اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ "خوارق از و بسیار نقل می کنند" مگر دوسروں کی روایت نہیں بیان کرتے۔ خود اپنا واقعہ سند میں پیش کرتے ہیں"۔

ان حالات کے اعتبار سے یہ امر درجۂ یقین کو پہنچ جاتا ہے کہ "علامہ موصوف" کو "حضرت شاہ ابنؒ" کے حالات سے کافی واقفیت حاصل تھی" اور غالب قیاس یہ ہے کہ "آپ کے نسب کے متعلق خود آپ ہی سے استفسار کرنے کے بعد" آپ کو سید تحریر کیا ہے"

یہاں یہ سوال البتہ ہو سکتا ہے کہ "علامہ بدایونیؒ" کو آپ سے آپ کے نسب کے بارے میں استفسار کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی تھی" اس کے دو جواب ہیں"

(الف) اوّلاً یہ کہ جب ایک مؤرخ و تذکرہ نویس" ایک ایسی بزرگ ہستی سے شرفِ ملاقات حاصل کرتا ہے جس کی شہرت اور عظمت کا آوازہ" ہندوستان کے دور دور دراز مقامات تک پہنچ چکا ہو۔ اور جس کے مریدین و معتقدین کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہو" اور جس کے فضل و کمال کا اثر خود اس مؤرخ پر بھی پڑ چکا ہو۔ اور اسی بناء پر وہ اس کے حالات قلمبند کرنے کا خواہشمند ہو" تو استفسارِ حال کے سلسلہ میں "پہلی بات دریافت طلب" اور پہلا خیال جو قدرتاً اس مورخ اور تذکرہ نویس کے دل میں پیدا ہونا چاہئے" وہ یہی ہوگا کہ یہ وجود باجود" کس خاندان کا چشم و چراغ ہے" اسلئے آپ کے نسب کے متعلق "علامہ بدایونیؒ" نے آپ ہی سے استفسار کیا۔ اور صحیح حال معلوم ہو جانے پر "سید اور سید مشار الیہ" تحریر کیا"

(ب) دوسرے یہ کہ "حضرت شاہ ابنؒ" کے زمانے میں نیز اس سے پیشتر اور اس کے ایک عرصہ بعد تک اُن حضرات کے ناموں کے ساتھ "جو مسندِ ارشاد و ہدایت" اور سجادہ مشیخت و طریقت" پر متمکن ہوتے" خواہ وہ نسباً عربی النسل" تھے" یا "عجمی الاصل" ہاشمی تھے، یا غیر ہاشمی" فاطمی تھے یا غیر فاطمی" اکثر شیخ کا لقب مستعمل تھا" چونکہ شاہ ابنؒ" اپنے زمانہ میں "شیخ ابنؒ" کے لقب سے دور و نزدیک مشہور تھے" اور علامہ موصوف نے بھی آپ کا نام و لقب یہی سُنا تھا۔ اور چونکہ ایک ولی کامل کے نام کے ساتھ "شیخ" کے لفظ کا استعمال نہ تو اُن کی مشیخت نسبی کا قطعی ثبوت ہے" اور نہ عدم سیادت نسبی کو ظاہر کرتا ہے" اس لئے آپ کے حالات کے سلسلہ میں "علامہ موصوف کو استفسار کی ضرورت پیش آئی" جب اُن کو آپ کی سیادت نسبی کا علم ہوا تو آپ کا مشہور و متعارف لقب ترک کر کے آپ کے نام کے ساتھ الفاظ "سید و سید مشار الیہ" تحریر کئے" تاکہ لفظ "شیخ" سے جس اشتباہ کا آپ کے نسب کے متعلق پیدا ہونے کا امکان تھا وہ رفع ہو جائے۔ اور "شیخ" سے نسبی "مشیخت" ذاتی میں جو التباس واقع ہو سکتا ہے وہ باقی نہ رہے"

پھر اسی سلسلہ میں صفحہ ۳۶ و ۳۷ پر تحریر ہے کہ "علامہ بدایونیؒ کی اس تحریر پر دو شبہات ظاہر کئے جا سکتے ہیں" اوّلاً" یہ کہ امروہہ چونکہ بیرونجات میں "مسکن سادات" مشہور تھا۔ اس لئے علامہ بدایونی نے "حضرت شاہ ابنؒ" کے حالات اور آپ کی شہرت و عظمت پر نظر کرتے ہوئے" شبہتاً آپ کو "سید" تحریر کر دیا۔ اور یہ خیال کہ آپ جیسی باعظمت ہستی کا نسبی تعلق" امروہہ کے "اسی مشہور خاندان ساداتؒ ہوگا جو یہاں پہلے سے متوطن تھا لیکن یہ شبہ وہم بے بنیاد اور خیال باطل سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا"

> "جو شخص علامہ بدایونی کے حالات سے ذرا بھی واقفیت رکھتا ہے۔ اُس کے حاشیہ خیال میں بھی یہ شبہ پیدا نہیں ہو سکتا کہ "بدایونی" واقعات و حقائق کو ترک کر کے" اوہام و قیاسات سے کبھی کام نہیں لیتا"
> اگر ایسا ہوتا تو آج اُس کی تاریخ کو اعتماد کا وہ درجہ ہرگز حاصل نہ ہوتا" جو اُسے بجا طور پر حاصل ہے"

اور صفحہ ۳۸ و ۳۹ پر تحریر ہے کہ "**دوسرا شبہ**" جو اس سلسلہ میں ظاہر کیا جا سکتا ہے یہ ہے کہ "منتخب التواریخ بدایونی کے مطبوعہ نسخوں میں "عنوان پر شیخ ابن امروہہ" تحریر ہے" لیکن وسط عبارت میں جو "سید مشار الیہ" لکھا ہے شاید وہ کاتب کی غلطی ہے" [illegible] "شیخ مشار الیہ" تھا"

اس کے متعلق سب سے اول دیکھنا یہ ہے کہ "تاریخ بدایونی کے جس قدر نسخے قلمی یا مطبوعہ ہندوستان میں یا بیرونِ ہند پائے جاتے ہیں" یا اُن کا کیا حال ہے" آیا کتابت کی غلطی یا تصحیف تمام نسخوں میں پائی جاتی ہے" یا بعض میں" اور آیا یہ تصحیف عنوان میں ہوئی ہے یا وسط عبارت میں" اس بارے میں جو تلاش و جستجو کی گئی اُس کا نتیجہ یہ ہے کہ "تاریخ مذکور کے جتنے نسخے اس وقت تک شائع ہو چکے ہیں" یا مختلف کتب خانوں میں جو قلمی نسخے موجود ہیں اور جو مختلف زمانوں" مختلف مقامات اور مختلف کاتبوں کے ہاتھ کے تحریر شدہ ہیں" ان سب میں وسط عبارت میں" "سید مشار الیہ" ہی تحریر ہے" کسی ایک نسخہ میں بھی "شیخ مشار الیہ" درج نہیں ہے" جس سے یہ قیاس ہو سکے" کہ سید کا لفظ کاتب کی

غلطی یا تصحیف ہے“ برخلاف اس کے متعدد قلمی نسخے ایسے موجود ہیں جن میں عنوان پر بھی ”سید ابّن امروہہ“ تحریر ہے۔ اس بنا پر قیاس قایم کرنا غلط نہ ہوگا کہ ”عنوان پر اصل نسخہ میں ”سید ابّن“ تھا نہ کہ ”شیخ ابّن“ اور تصحیف یا غلطی جو ہوئی ہے وہ عنوان میں ہوئی ہے“ نہ کہ وسط عبارت میں“ کیونکہ وسطِ عبارت میں ”لفظ سیّد“ کا ہونا باتفاق جمیع نسخے ثابت و محقق ہے۔“ اختلاف جو کچھ ہے وہ عنوان میں ہے“ اور عنوان میں بھی اکثریت ”لفظ سیّد ہی کو حاصل ہے“ اس لئے ہر شخص جو ذرا بھی ”طرز تحریر و طریق انشاء سے واقف ہے یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوگا۔ کہ

علامہ بدایونی“ نے جو عنوان حقیقتاً اپنے قلم سے قایم کیا تھا وہ ”سیّد ابّن“ تھا نہ کہ ”شیخ ابّن“ ورنہ وسطِ عبارت میں سیّد مشارٌالیہٗ کا تحریر کرنا“ جو بغیر کسی ادنیٰ اختلاف کے علی وجہ التواتر ثابت ہے۔ قطعاً بے معنی اور لغو ہو جاتا ہے“ اور یہ امر ”ملّا عبدالقادر جیسے فاضل انشا پرداز سے بعید ہے“ کیونکہ کسی لفظ کے بعد ”مشارٌالیہ“ معرّی الیہ“ اور ”موسیٰ الیہ“ وغیرہ الفاظ اس وقت تک نہیں استعمال کئے جاسکتے“ جب تک وہی لفظ بجنسہٖ پیشتر مذکور نہ ہو چکا ہو“ پس عنوان پر ”لفظ شیخ“ کا طبع ہونا غلطی و تصحیف ہے“ اصل میں لفظ سیّد تھا۔ جو متعدد قلمی نسخوں میں موجود ہے اور یہی صحیح ہے۔“

”شیخ ابّن رح“ کے نسب کی اس بحث میں ”مؤلف امروہوی نے اپنی جو آراء پیش کی ہیں۔ اور جن استدلال و قیاسات سے کام لیا ہے“ اُن پر اگر کسی کو اعتراض ہو۔ اور وہ اسی قبیل کے کچھ اور اعتراضات کردے جن کا اظہار خود مؤلف موصوف نے اپنی بحث میں کرکے اُن کے جواب دینے کی کوشش کی ہے۔“ اور پھر اس قیاس کو بھی کہ ”صاحب منتخب نے ”شیخ ابّن رح سے“ خود اُن کے نسب کے متعلق استفسار کیا تھا۔ اس قوی دلیل سے رد کردے کہ ”جب معمولی آدمیوں تک میں ملاقاتوں کے مواقع پر ایک دوسرے کے نسب کے دریافت کرنے کو معیوب خیال کیا جاتا ہے“ تو شیخ ابّن رح“ جیسے بزرگ طریقت سے“ جن کے نزدیک حسب و نسب کی اس لئے کوئی وقعت باقی نہ رہ گئی تھی کہ انہوں نے دنیا داروں میں تفاخر پیدا کرنے والی باتوں سے کوئی علاقہ باقی نہیں رکھا تھا“ اور ما سوائے اللہ کے اس قسم کے تمام جھنجھٹوں سے وہ بالکل بے نیاز ہو چکے تھے“ اور کیونکہ شیخ صاحب قدس سرہٗ سے“ اُن کے نسب کے بارے میں استفسار کرنا بے ادبی تھی“ اس لئے صاحب منتخب التواریخ“ جو بقول مؤلف صاحب“ ”مشائخ و اولیاء سے نہایت درجہ عقیدت رکھتے تھے“ ہرگز ایسی بے ادبی کا کام کرنا گوارا نہیں کرسکتے تھے“

اس دلیل کو قوت اس بات سے بھی پہنچتی ہے کہ ”شیخ ابّن رح“ جیسے اور بزرگ بھی اس زمانہ میں خاصی تعداد میں موجود تھے ”صاحب منتخب نے“ اکثر بزرگوں سے ملاقاتیں کی ہیں“ اور اُن کے حالات اپنی کتاب میں لکھے ہیں“ لیکن اُن کے نسب کو تحقیق کرنے اور لکھنے کا کوئی خاص خیال نہیں کیا ہے“

مگر ہمیں یہاں ”شیخ ابّن قدس سرہٗ“ کے نسب کی بحث سے کوئی تعلق نہیں ہے“ اور اس بارے میں“ کچھ لکھنا ہمارے مقصد سے بالکل خارج ہے“

ہم کو اس بحث سے صرف یہ دکھانا تھا کہ ”مؤلف امروہوی“ کو صاحب منتخب“ سے کیسی عقیدت ہے“ اور وہ اُن کو ”محتاط“ ناقد“ محقق“ اور صاف گو مورخ“ نیز مشائخ و اولیاء سے نہایت درجہ عقیدت رکھنے والا“ یقین کرتے ہیں“ لیکن انہوں نے ”صاحب منتخب التواریخ“ کے اُس بیان کو جو شیخ گدائی کے نسب کے بارے میں ہے اور جسے ہم اوپر درج کر آئے ہیں“ پھر بھی معرض خفا میں رکھنا پسند کیا ہے“ اور بتانا یہ ہے کہ جب وہ ”صاحب منتخب کو“ ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسا کہ انہوں نے ”شیخ ابّن قدس سرہٗ“ کی بحث میں یاد کرایا ہے۔ تو ایسے عدیم النظیر مورخ کی سند کو پیش کرنے کی اور شیخ ابّن کی طرح تاویلات کرنے اور شیخ گدائی کی کم نسبی کو اچھالنے کی انہیں ہمت کیوں نہیں ہوسکی“

ملّا عبدالقادر بدایونی کی ”کام چوری“ ”زمانہ سازی“ ”جاہ پرستی“ اور ”متعصب حاسد“ طبیعت کی چند مثالیں خود ملّا صاحب ہی کے قلم سے

قبل اس کے کہ ہم مؤلف موصوف کے اس اخفا کی وجوہ ظاہر کریں ”صاحب منتخب التواریخ“ ملّا عبدالقادر بدایونی“ کے اصلی حالات کو جو اُن ہی کے نوشتہ تاریخ میں موجود ہیں پیش کرنا اس لئے مناسب و ضروری سمجھتے ہیں۔ کہ اُن پر عبور حاصل ہو جانے کے بعد“ اس امر پر کوئی شاہد

شبہ باقی نہ رہنے پائے کہ اُن کی اُفتادِ طبع اور کردار کا کیا رنگ تھا۔ اور انہوں نے اپنی افتادِ طبیعت کی وجہ سے نہ صرف "شیخ گدائی" کے متعلق بلکہ اور دوسرے بزرگ اپنے سرپرستوں اور محسنوں تک کی اسی قسم کی ہرزہ سرائیوں سے کیسی تواضع کی ہے اور اُن کے متعلق کس کس طرح اپنے دل کا بخار نکالا ہے۔

ملازمت شاہی

منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۱۷۲ پر تحریر ہے کہ

"در اواخر ذی الحجہ ۹۸۱ھ ہمیں سال فقیر بحسب تقدیر کہ زنجیرہ پائے تدبیر است۔ از صحبت "حسین خاں" گسستہ "وازبداؤں به آگرہ" آمدہ" بوسیلہ جمال خاں قورچی "و مرحوم جالینوس عین الملک شاہنشاہے را ملازمت نمود"

منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۱۷۲ پر تحریر ہے کہ "آخر ماہ ذی الحجہ ۹۸۱ھ ہجری میں فقیر اپنی تقدیر سے جو زنجیر پائے تدبیر ہے "حسین خاں" کو چھوڑ کر اور بداؤں سے آگرہ آ کر" جمال خاں قورچی اور مرحوم جالینوس عین الملک کے وسیلہ سے شاہی ملازمت میں داخل ہوا"

اپنی نادانی اور ابوالفضل کی ترقی پر افسوس

صفحہ ۱۷۵ و ۱۷۶ پر ہے کہ "و دریں ایام ۹۸۳ھ نہصد و ہشتاد و سہ" فقیر را امام ساختہ حکم کردند کہ خدمت داغ بکند۔ و ہیچ غیر معتبر بہ دادہ" اوّل وہلہ فرمودند کہ "موافق منصب بیستی" اسپان داغ رساند۔

صفحہ ۱۷۵ و ۱۷۶ پر ہے کہ "انہیں دنوں ۹۸۳ھ ہجری میں فقیر کو امام بنا کر حکم دیا کہ خدمت داغ کرے اور بہت سا ہیچ دیکر پہلے وہلہ میں فرمایا کہ موافق منصب بیستی گھوڑوں کو داغ دلوادے"

و شیخ ابوالفضل "کہ ہمدراں نزدیکی رسیدہ۔ از نہایت زیرکی و زمانہ سازی" فی الحال اقبال نمودہ شروع در داغ و محلی کرد" در خدمت بجد شدہ تا آخر "بمنصب دوہزاری" و درجہ وزارت رسید"

اور شیخ ابوالفضل جو بادشاہ کا اس قدر مقرب ہو گیا۔ اُس نے نہایت عقلمندی اور زمانہ سازی سے اُسی وقت قبول کر کے داغ و محلی پہلے کیا اور خدمت میں آ کر آخر کار دوہزاری منصب اور وزارت پر پہنچا"

و فقیر از بے تجربگی و سادہ لوحی "بنوکری نتوانستم قرار داد" وگمان این بود قناعت کہ نفس ابضاعت است بہ چیزے مدد معاشش کہ خواہند داد نمودہ" در گوشہ سلامت و عافیت بمشغولی علم و آزادی "شیوہ نامرادی خواہم داشت۔ و آں خود میسر نہ شد"

اور فقیر نے ناتجربہ کاری اور بے سمجھی سے جانا کہ نہیں یہ نوکری نہیں کر سکتا اور خیال میرا یہ تھا کہ قناعت نفس کا مال ہے" مدد معاش سے جس جیز کی خواہش ہو دیتے ہیں۔ گوشۂ سلامت و عافیت میں علم و آزادی کی مشغولی سے شیوۂ نامرادی سے جو سوال رکھتا تھا وہ مجھے میسر نہ آیا"

ہزار بیگہ زمین ملنے پر رنج و غم

و در ماہ شوال ۹۸۲ھ ہجری نہصد و ہشتاد و سہ۔ بعد از طلب رخصت۔ و عدم اقبال بران بخشیدن اسپان ای مقدار ہزار بیگہ زمین" کہ دراں زماں کم نمود۔ موافق علوفہ بیستی۔ بہ جہتہ ناسازگاری "صدر" و مدد دے ایام مقرر ساختند" و در فرمان "بعینہ مدد معاش" درمیان آوردند" و ہر چند بعرض رسانیدم کہ بایں قدر زمین پیوستہ در خدمت نمی توانم بود۔ فرمودند کہ نیز لشکر بامدد و انعام خواہم کرد" و شیخ عبدالنبی (صدر) گفت کہ از امثال و اقران شما ہیچ کس را ایں قدر مدد معاش ندادیم" و آں اعداد کہ بیست و دو سال باشد" در پردہ مشیت ماندہ۔ و ورق گشتہ۔ بجز از یک دو بار صورت نیافت"

اور ماہ شوال ۹۸۲ھ ہجری میں بعد از طلب رخصت اور اُن گھوڑوں کی خدمت سے انکار کرنے پر ہزار بیگہ زمین جو اُس زمانہ میں ناکافی تھی اور موافق خوراک کے نہیں تھی "صدر سے بگاڑ کی وجہ سے مدد دے۔ ایام مقرر کی اور فرمان میں بعینہ مدد معاش تحریر کیا گیا" میں نے ہر چند عرض کرایا کہ اس قدر زمین سے میں خدمت نہیں کر سکتا" فرمایا کہ لشکر سے بھی مدد و انعام دیا جائے گا" اور شیخ عبدالنبی صدر نے لکھا کہ تمہارے درجہ کے لوگوں میں سے کسی کو اس قدر زمین نہیں دی ہے" اور وہ امدادیں بائیس ۲۲ سال ہو گئے مشیت کے پردہ میں رہ کر اور ورق ہو کر سوائے ایک دو بار کے نہیں ملیں"

کم خدمتی یا کام چوری سے بادشاہ کی ناراضی

صفحہ ۲۵۲ پر ہے کہ "ازاں منزل راخیر ماہ رمضان ایں سال (۹۸۵ھ ہجری) در نواح قصبہ بیواری "رخصت پنج ماہہ گرفتہ" بہ بسا ور" آمدم۔ بعضے ضروریات بلکہ فضولہا۔ تخلف در وعدہ نمودہ "یکسال ماندم"

صفحہ ۲۵۳ پر ہے کہ "اس منزل میں اخیر ماہ رمضان ۹۸۵ھ نواح قصبہ بیواری میں، پانچ مہینوں کی رخصت لیکر بسا ور آیا" بعضے ضرورتوں بلکہ فضولیوں کی وجہ سے وعدہ خلافی کر کے ایک سال رہ گیا"

کم خدمتی رہا۔ وآں مخالفت با عاقبت رفتہ رفتہ باعث افتادن از نظر و بے توجہی تمام شد۔ و تا حال کہ مدت ہژدہ ہزار عالم رفتہ، ہماں واحد بخدمت نا مجرا مبتلاست۔ کہ نہ روئے قرار و راہ فرار دارد۔

شوق غزا اور محمد بادشاہ کے قدم چومنے کو ہاتھ بڑھانا

صفحہ ۲۲۸ و ۲۲۹ پر ہے کہ "در اوائل محرم ۹۸۴ھ چوں فقیر تا سہ کروہی اجمیر، بجائیکہ سراپردہ ایں امراء زدہ بودند، بجہت مشایعت "قاضی خان" اور "آصف خان" رفتم، شوق غزا در سویدائے دل ہیجان نمود، توسل بہ "نقیب خاں" کہ عقد اخوت بہ او درمیان بود جستم۔ "نقیب خاں" در زمانیکہ شاہنشاہ بر صفہ بلندی پائے ہا آویختہ متوجہ مزار فائض الانوار بودند۔ التماس رخصت فقیر نمود۔ اوّل فرمودند کہ بعہدۂ امامت متعین است چوں میرود۔ "نقیب خاں" عرضداشت کرد کہ میل غزا دارد۔ طلبیدہ مرا پرسیدند کہ بجد می روی؟ عرض کردم بلے۔ فرمودند بچہ سبب؟ بعرض رسانیدم کہ داعیہ دارم کہ ایں محاسن سیاہ را در دولت خواہی سرخ سازم۔ فرمودند انشاء اللہ تعالیٰ خبر فتح خواہی آورد۔ و بمراقبہ رفتہ بتوجہ تمام فاتحہ خواندند۔ و چوں زمانیکہ دست برائے پابوس یازیدم، پائے را بالا برکشیدند۔"

بادشاہ سے اشرفیاں انعام پانا

و حینیکہ از دیوان خانہ برآمدم بازخواندہ و ہر دو دست پُر کردہ پنجاہ و ششی اشرفی بخشیدہ وداع فرمودند۔

شیخ عبد النبی صدر سے التماس دعا

و چوں بہ وداع "شیخ عبد النبی" کہ دراں ایام بسر التفات آمدہ رفع کلفت سابق نمودہ بود، رسیدم فاتحہ التماس نمودم۔

شیخ گدائی کے قریبی عزیز نواب شہباز کی سفارش پر بادشاہ نے ملا صاحب کو ... کیے

صفحہ ۲۶۲ و ۲۶۳ پر ہے کہ "دریں سال ۹۸۶ھ ہجری "قاضی علی بغدادی" کہ برائے تحقیق و ضبط اراضی مدد معاش و تداخل برائے "شیخ عبد النبی" منسوب گردانیدہ بودند، ہزاریان و پانصدیان ائمہ را تا صدی از نظر میگذرانیدند۔ و اکثر زمین آنہا را سے بُردند۔ و از کاہ عدودی گذشتہ اند کہ میگذاشتند، و بایں تقریب اعتبار خاندان اکابر و اعیان و معارف و مشاہیر از شہرہا افتاد۔ و فرزندان ہیچ طائفہ چوں آدمی زادگان ہند ناقابل نماندند۔ و مساجد و مدارس۔ و اکثرے جلائے وطن شدہ۔ و اولاد ناقابل ایشاں کہ ماندہ بودند باجی گری نام برآوردند۔"

و در ماہ مبارک رمضان ایں سال "قاضی علی" مذکور "فقیر" را کہ از خدمت باز ماندہ "خود را بزعم خود از جملہ منشیان ساختہ بودم" در بلدہ

اور یہ کم خدمتی اور اس مخالفت کی وجہ سے آخرکار رفتہ رفتہ میں نظر سے گر گیا اور بادشاہ کی بے توجہی کا باعث ہوا۔ اور اس وقت تک کہ مدت اٹھارہ ہزار عالم گذر گئی اسی ایک خدمت نا مجرا میں مبتلا ہے نہ ٹھیرنے کا منہ ہے نہ بھاگنے کی راہ رکھتا ہو۔

صفحہ ۲۲۸ و ۲۲۹ پر ہے کہ شروع محرم ۹۸۴ھ ہجری میں جب اجمیر سے تین کوس پر اس جگہ جہاں میروں کے ڈیرے تھے "قاضی خان" اور "آصف خان" کے ساتھ گیا، تو میرے دل میں (سویدا میں) جہاد کرنے کا بہت شوق پیدا ہوا۔ میں نے نقیب خاں کا وسیلہ ڈھونڈا جن سے میری دوستی تھی۔ "نقیب خاں" نے اس وقت جبکہ بادشاہ اونچے چبوترے پر پاؤں لٹکائے ہوئے مزار فائض الانوار کی طرف متوجہ تھے "فقیر کی رخصت کے لئے عرض کیا"۔ پہلے فرمایا کہ "امامت کے عہدہ پر متعین ہے۔ کیوں جاتا ہے"۔ نقیب خاں نے عرض کیا کہ جہاد کی طرف رغبت رکھتا ہے۔ مجھے بُلا کر پوچھا کہ سچ ہے؟ عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا کس وجہ سے؟ عرض کیا کہ میری خواہش ہے کہ اس سیاہ داڑھی کو دولت خواہی میں سُرخ کروں۔

فرمایا اللہ نے چاہا تو فتح کی خبر لائے گا۔ اور مراقبہ میں جا کر بتوجہ تمام فاتحہ پڑھی۔ اور جب اس درمیان میں، میں نے اپنا ہاتھ پاؤں چومنے کو اٹھایا تو اپنے پاؤں کو اوپر کھینچ لیا۔

اور اسی وقت کہ دیوان خانہ سے باہر آنے لگا تو پھر بلایا اور دونوں ہاتھ بھر کر چھپن اشرفیاں مجھے عنایت کیں۔

شیخ عبد النبی، جو ان دنوں مجھ پر مہربان ہو گئے تھے اور میری طرف سے سابقہ کلفت کو رفع کر چکے تھے رخصت کے وقت میں نے جا کر ان سے التماس فاتحہ پڑھنے کی کی۔

اور صفحہ ۲۶۲ و ۲۶۳ پر ہے کہ اس سال ۹۸۶ھ ہجری میں "قاضی علی" بغدادی جو برائے تحقیق و ضبط اراضی مدد معاش تداخل برائے شیخ عبد النبی منصوب کئے گئے، انہوں نے ہزاریان و پانصدیان ائمہ کو صدی تک ملاحظہ میں پیش کیا اور اکثر زمین اُن کی لے لی۔ اور برائے نام کہنے کو تھوڑی سی چھوڑ دی۔ اور اس وجہ سے اعتبار اکابر و اعیان و معروف و مشہور خاندان کا شہر میں جاتا رہا۔ اور علم و دانش کسی گروہ مثل آدمی زادگان ہندوستان میں ناقابل نہ رہے اور مدارس و مساجد میں بھی اور اکثر جلا وطن ہوئے اور اُن کی اولاد ایسی ناقابل ہو گئی کہ تھوڑے عرصہ میں پاجی گری میں ان کا نام نکل گیا۔

اور اس سال ماہ مبارک رمضان میں قاضی علی مذکور نے فقیر کو خدمت سے علیحدہ کر دیا۔ اپنے آپ کو بزعم خود تمام منشیان سے بنایا ہوا

اجمیر" از نذر گذرانیده" و هزار بیگه مدد معاش را که ضائع کننده روزگار است شنوانیده"

فرمودند که پنداریم" در فرمان او قیدے هم شده بود. عرض کرد که "بلے. بشرط خدمت" فرمودند که پیر سید که مگر ضعفے داشت که از خدمت ماند"

غازی خاں بدخشی" در بدیه گفت. که ضعیت طالع داشت. و هر کدام از مقربان. بجهت امامت سابق که دراں ایام با نماز برطرف شده بود سفارش یا نمودند"

و شهباز خاں کمبو" گفت. که او همیشه در خدمت مے باشد" جواب دادند. که ماکسے را خدمت بزوری فرمائیم. اگر داعیه خدمت ندارد. زمین او معاف باشد. فی الحال تسلیم کردم. و ایں معنی بسیار گراں آمد و روئے تافتند"

شیخ عبدالنبی کی سفارش ملا صاحب کے لئے

و چوں قاضی علی بغدادی" مکرر بعرض رسانید که در حق او چه حکم میشود. بعد از مبالغه فرمودند که "شیخ عبدالنبی را که هنوز در آمده بود، بپرسند. که او بے شرط خدمت چه قدر زمین داشت"

شیخ بدست مولانا الهداد امروهه مرحوم" پیغام فرستاد که چوں عالم ما شرح شنیده میشود که دارد. ما هم ایں قدر که فرموده اند" هشت صد" یا هفت صد بیگه. تجویز میکردیم" و مقربان ایں عرض را مناسب ندیدند. و مرا مبالغه بر التزام خدمت کردند.

ملا صاحب کی کام چوری اور ابوالفضل صاحب سے تاریخ نظامی کی ہمدردیوں سے ان کی رشتہ کا رشتہ

صفحہ ۲۹۶ ۲۹۵ است که در پنجم ذوالقعده سنه ۹۸۹ بمستقر خلافت رسیدند" و در یں سفر" چوں از من به تقریب تعلق خاطرے بطلسم بر مظهری نام از مظاهر الٰهی و آزادی و وارستگی که تا بیک سال" در بساور" ماند و احوال غریب و صعب دراں وادی گذرانیده تخلف واقع شده بود" شیخ ابوالفضل" پرسیده بودند که از یں سفر چوں مانده بود. بعرض رسانید که از جمله" مدد معاشیان است و گذشته"

و پیش ازاں قریب" کابل" نیز روزے" بصدر جہاں" فرموده بودند که اہل سعادت هر که دریں لشکر همرکاب است. و آنانکه حاضر نیستند همه را نوشته بیارید"

چوں نوبت فقیر رسید خواجه نظام الدین احمد مرحوم و مغفور" صاحب تاریخ نظامی" که پیش ازاں بیک سال یار آشنا شده. رابطه قوی که گویا صد ساله است پیدا کرده بود. از نهایت دل سوزی و مهربانی

ہوں" بلدۂ اجمیر میں نذر گذار کر اور ہزار بیگہ مدد معاش کے متعلق کہ ضائع کنندۂ روزگار ہے" کہلایا"

فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں فرمان میں اُس کے لئے کوئی قید بھی تھی" عرض کیا کہ جی ہاں خدمت کی شرط تھی" فرمایا کہ پوچھو کیا بیمار ہو گیا تھا جو خدمت نہ کر سکا"

غازی خاں بدخشی نے کہا کہ ضعف طالع کا ہے اور مقربوں میں سے ہر کسی نے امامت سابق کے واسطے کہ آن دنوں میں نماز باجماعت موقوف ہو گئی تھی" سفارش کی"

اور شہباز خاں کمبو نے کہا کہ وہ ہمیشہ خدمت میں رہتا ہے" جواب دیا کہ ہم خدمت کے لئے کسی پر زبردستی نہیں کرتے ہیں" اگر خدمت کرنے کا ارادہ نہیں ہے" تو زمین اُس کی واپس ہو" میں نے اس وقت تسلیم کی اور یہ بات بہت ناگوار ہوئی چہرہ سرخ ہو گیا"

اور جب قاضی علی بغدادی نے دوبارہ عرض کی کہ اُس کے بارے میں کیا حکم ہوتا ہے تو بعد از مبالغہ فرمایا کہ شیخ عبدالنبی سے جو اب تک لشکر میں نہ پہنچے پوچھیں کہ وہ بے شرط خدمت کس قدر زمین رکھتا ہے"

شیخ نے مولانا الہداد امروہوی مرحوم کے ہاتھ جواب بھیجا کہ چونکہ دنیا کو معلوم ہے اور ہمارا سنا ہے کہ رکھتا ہے" جیسا کہ فرمایا ہے میں نے بھی اتنا قدر سات سو یا آٹھ سو بیگہ تجویز کیا ہے" مقربوں نے اس عرض کو مناسب نہ دیکھ کر مبالغے سے مجھ کو خدمت کرنے پہ مجبور کر دیا"

صفحہ ۲۹۶ ۲۹۵ پر ہے کہ پانچ ذیقعدہ ۹۸۹ھ کو مستقر خلافت پہنچے" اور اس سفر میں کیونکہ مجھے مظاہر سے (ایک عورت) مظہری نام سے بہت دلی تعلق ہو جانے کی وجہ سے آزادی و وابستگی ہو گئی تھی" اس لئے ایک سال تک بساور میں رہا" اور اس عشق میں عجیب و مشکل حالات میں پڑ جانے سے وعدہ خلافی ہو گئی تھی" اس حیثیت کی جھجک تاریخ کو مجبور جا کر ملازمت کی" شیخ ابوالفضل" سے بادشاہ نے پوچھا کہ اس سفر سے یہ کیوں باز رہ گیا تھا" اُس نے عرض کیا کہ ہمارے مدد معاشوں میں سے ہے اور بات آئی گئی ہو گئی"

اور اس کے بعد ایک روز قریب کابل بھی" صدر جہاں" سے فرمایا تھا کہ اہل سعادت میں سے جو لوگ لشکر کے ساتھ ہیں اور وہ جو حاضر نہیں ہیں سب کو لکھ کر لائیے"

جب نوبت فقیر کی پہنچی تو خواجہ نظام الدین احمد مرحوم و مغفور" صاحب تاریخ نظامی" ... جو ایک برس پہلے میری دوستی ہوئی تھی۔ اور ایسی محبت پیدا ہو گئی تھی جیسی سو سال میں ہوتی ہے" انہوں نے نہایت

جبلی کہ بہمہ احباب عموماً۔ و بر فقیر خصوصاً داشت۔ مرا بعض نویسانیدہ گذرانیدہ" و الحق ملازمت مخلوق" و طمع از وے" و خوف از مرض شدید است" و دریں مدت مفارقت پیوستہ خط ہا لائے خط میفرستاد کہ چوں آمدن مساہلہ واقع شدہ۔ در استقبال خود لا اقل تا لاہور و دہلی و متھرا بدا بچہ مقدور باشد سعی باید نمود۔ کہ کار عالم است و احتیاط شرط"

"تخلف وعدہ یا کام چوری کی وجہ سے مدد معاش کی ضبطی اور ختم حصن حصین و رد قصیدہ بردہ میرمیرزا نظام الدین احمد وغیرہ کی ہمدردی سے بادشاہ کی ناراضگی سے رستگاری"

ص ۲۷۵ تا ۵۷۷ اور ص ۳۸۵ و ۳۸۴ پر ہے کہ در ماہ ربیع الثانی

۹۹۹ ہجری التماس رخصت" بجانب بداؤں" ساختم و بہ رحجر قبول پیوستہ رخصت پنج ماہ دادند۔ و چوں میرزائے مشار الیہ (میرزا نظام الدین احمد) بعرض رسانید کہ والدۂ فلانے از جہان در گذشتہ برائے تسکین خواطر برادرا و خویشان التماس رخصت میکند" رخصت بکرہ دادند" چوں صدر جہان" گفت کہ سجدہ بکن۔ واقع نشد۔ فرو ماندہ گذار و رنجیدہ پیچ نداوند" ہر تنہا بہمراہ" میرزا (نظام الدین احمد) در شمس آباد رفتہ آنجا بیمار شد" و بداؤں آمدہ۔ و متعلقان آوردہ ہم بعمارت مرہم و معالجہ اشتغال نمودہ" میرزا۔ بہ لاہور" شتافت" و بتقریب نامۂ خرد افزا" کہ از کتب خانہ گم شدہ بود۔ محصلے سلیمہ سلطان بیگم" مرا چند مرتبہ یاد فرمودند" و ہر چند تاصدان از یاران" بہ بداؤں" رفتند۔ بتقریب موانع آمدن نشد" آخر حکم کردند کہ مدد معاش او را موقوف دارند۔ و خواہی نخواہی طلبند۔

و میرزائے مذکور کہ غریق رحمت باد۔ غائبانہ یار فروشی بالبسیار کردہ" و شیخ ابوالفضل" مکرر عرض داشت کہ تا مانع کلی پیش نیامدہ باشد آنجا نماندہ"

در ماہ ذی الحجہ ایں سال (۱۰۰۰ ہجری) "جامع ایں منتخب" از بداؤں" حسب الحکم آمدہ" بہ اردو ملحق شد۔ در منزل ایں بہیرہ" حکیم ہمام" بعرض رسانید کہ فلانے ہم خواہد کہ کورنش بکند۔ پرسیدند کہ" چہ تا کجا از وعدہ تخلف نمودہ" جواب داد کہ پنج ماہ" پرسیدند چہ تقریب ماند" گفت بتقریب بیماری" و محضر اکابر بداؤں" و عریضہ حکیم عین الملک" بہمیں مضمون از دہلی" آوردہ" چوں ہمہ را خواندند فرمودند۔ بیماری تا پنج ماہ نمی باشد" و کورنش نداوند"

دلسوزی اور عادتی مہربانی سے جو وہ تمام دوستوں پر عموماً اور فقیر پر خصوصاً رکھتے تھے" مجھے بیاد لکھوا دیا اور یہ معاملہ یوں گذر گیا" سچ یہ ہے کہ ملازمت مخلوق اور اس کا لالچ اور خوف شدید تر مرض سے ہے" اور اس عرصہ مفارقت میں خطوں پر خط انہوں نے بھیجے کہ کیونکہ تمہارے آنے میں سستی واقع ہوئی ہے۔ تم کم از کم لاہور و دہلی و متھرا تک استقبال کے لئے ضرور پہنچ جاؤ" کوشش کرنی چاہئے کہ یہی دنیا کا کام ہے"

ص ۳۷۵ تا ۳۷۷ اور ص ۳۸۳ و ۳۸۴ پر ہے کہ" ماہ ربیع الثانی ۹۹۹ھ میں میں نے بداؤں جانے کی رخصت کے لئے التماس کی جو منظور ہوئی" پانچ مہینوں کی رخصت دی" اور جب میرزا نے مشار الیہ (میرزا نظام الدین احمد) نے عرض کی کہ فلاں کی والدہ کا انتقال ہو گیا ہے" بھائیوں اور عزیزوں کی تسکین خاطر کے لئے التماس رخصت کی کرتا ہے" تو ناراضی سے رخصت دی" کیونکہ صدر جہاں نے دو بارہ کہا کہ سجدہ کرا اور یہ مجھ سے نہ ہو سکا اسلئے مجھے بے خبر حال پر چھوڑ دیا اور رنجیدہ ہو کر کچھ نہ دیا" بہر تقدیر میرزا نظام الدین" کے ساتھ شمس آباد جا کر وہاں بیمار ہو گیا" اور بداؤں آ گیا" اور متعلقان کو لا کر مرہم و معالجہ میں مشغول ہوا" میرزا لاہور گیا" اور بتقریب نامۂ خرد افزا" جو کتب خانہ سے گم ہو گیا تھا" بہ سلیمہ سلطان بیگم کے محصل نے مجھے چند مرتبہ یاد فرمایا اور ہر چند یاروں نے بداؤں کو قاصد بھیجے لیکن چند رکاوٹوں کی وجہ سے میرا آنا نہ ہو سکا" آخر حکم دیا کہ مدد معاش اس کی موقوف رکھیں اور زبردستی اسے بلائیں۔

اور میرزا نے مذکور نے خدا اسے غریق رحمت کرے میری بہت طرفداری کی اور شیخ ابوالفضل" نے بھی مکرر عرض کیا کہ اگر کوئی ایسی ہی موانع پیش نہ آتے تو وہ ہرگز وہاں نہ رہتا"

ماہ ذی الحجہ ۱۰۰۰ ہجری میں اس منتخب کا جمع کرنے والا حسب الحکم بداؤں سے لشکر میں شامل ہوا" بہیرہ کی منزل میں یہ حکیم ہمام" نے عرض کیا کہ فلاں شخص۔ سلام کرنا چاہتا ہے" دریافت فرمایا کہ کس قدر اس نے وعدہ خلافی کی ہے" جواب دیا کہ پانچ مہینے پوچھا کس وجہ سے" کہا بیماری کی وجہ سے اور اکابر بداؤں کا محضر اور عریضہ حکیم عین الملک" اسی مضمون کا دہلی سے لایا ہے" جب سب کو پڑھ لیا تو فرمایا کہ بیماری پانچ مہینوں تک نہیں رہتی ہے اور سلام کی اجازت نہیں دی"

وہماں طور" محجوب و مغموم و محروم و محزون " در آں دو" کہ ہمراہ شاہزادہ
دانیال " در رہتاس " گذاشتہ بودند مے بودم - وورد قصیدہ بردہ " وختم
حصن حصین از کلام حضرت خیر النبیین صلعم را حصار خود ساخت - ومجیب الدعوات
مضطرب آں دعاے دردآلود " نیاز آمیز " بشرف اجابت قرین گردانید "
تا آنکہ - بعد از پنج ماہ " ہنگام وصول موکب از " کشمیر " بلاہور " بادشاہ
را مہربان ساخت " و بتقریب ترجمہ ساختن " کتاب جامع رشیدی " کہ
مجلدے عظیم است " یاران صادق مشفق - چوں میر نظام الدین احمد "
وغیرہ - نام فقیر را غائبانہ در مجلس خلوت مذکور ساختند - وحکم ملازمت
صادر شد " و بعد از مراجعت " کشمیر " روز بہمن خور ماہ عید بہمن ماہ
الٰہی موافق ہفتدہم ربیع الآخر ایں سال کورنش دادند - ویک اشرفی
گذرانیدہ وبہ التفات تمام پیش آمدہ - رفع آں حجاب - وتواری بعد از
دشواری بہ آسانی میسر گردید - وحکم انتخاب " کتاب جامع رشیدی "
بہ استصواب " علامی شیخ ابوالفضل " صادر شد "

صاحب منتخب التواریخ کے تعصب پر شاہنشاہ اکبر کا قول

ص ۳۹۸ و ۳۹۹ پر ہے کہ " در نہم ماہ رجب ایں سال (سنہ ۱۰۰۰ھ)
تحویل نوروزی واقع شد " و در سال چہل از جلوس رسید " و مجلس آئین
بندی - بدستور سنوات سابق گذشت " و پیش از تحویل بہ دو روز در دیوان
خانہ عام و خاص - از بالاے جھروکہ فقیر را پیش طلبیدند - وخطاب شیخ
(ابوالفضل) فرمودند کہ ما فلانے را کہ عبارت از فقیر باشد " جوانے فانی
صوفی مشربے - خیال میکردیم " اما او خود چناں فقیہ متعصب ظاہر شد
کہ ہیچ شمشیرے رگ گردن تعصب او را نتواند برید "

شیخ ابوالفضل پرسید - کہ صاحب در کدام کتاب نوشتہ کہ
حضرت ایں چنیں فرمایند "

فرمودند کہ در ہمیں " رزم نامہ " کہ عبارت از " مہا بھارت " است
باشد - و دوش بریں معنی " نقیب خاں " را گواہ گرفتہ ام " شیخ "
بعرض رسانید کہ تقصیر کردہ است "

بضرورت پیش رفتہ معروض داشتم کہ بندہ مترجمے بیش نیستم ہرچہ
دانایان ہندی - تعبیر کردہ اند - بے تفاوت ترجمہ نمودہ ام - واگر از خود
نوشتہ باشم تقصیر من خواہد بود " و بد کردہ باشم " و " شیخ " ہمیں معنا
عرض کرد " ناخوش ماندند "

اور اسی طور " شرمندہ اور غمزدہ اور محروم و محزون اُس لشکر میں
جسے شاہزادہ دانیال کے ساتھ " رہتاس میں چھوڑ دیا تھا رہا - اور
ورد قصیدہ بردہ کا اور ختم حصن حصین از کلام حضرت خیر النبیین صلعم کو
حصار اپنا بنایا " اور مجیب الدعوات نے اُس دعائے دردآلود مضطرب
نیاز آمیز کو شرف قبولیت بخشا " اُس وقت جبکہ پانچ مہینوں کے
بعد بادشاہ کی سواری کشمیر سے لاہور آئی بادشاہ کو مہربان بنا دیا "
اور بتقریب ترجمہ کرنے " کتاب جامع رشیدی کے جو بہت ضخیم ہے "
میرے سچے اور شفیق یاروں مثل میر نظام الدین احمدؒ وغیرہ نے مجلس
خلوت میں فقیر کا نام غائبانہ مذکور کیا اور حکم ملازمت کا صادر ہوا " اور
کشمیر سے لوٹنے کے بعد روز بہمن خور ماہ عید بہمن ماہ الٰہی مطابق ۱۷ ربیع الآخر
اس سال سلام دیا " اور ایک اشرفی نذر دی) اور مہربانی سے پیش آئے "
وہ حجاب رفع ہو کر خوشی بعد از دشواری بہ آسانی میسر ہوئی " اور حکم انتخاب کتاب
جامع رشیدی " علامہ ابوالفضل " کی رائے سے صادر ہوا "

ص ۳۹۸ و ۳۹۹ پر ہے کہ " اس سال (سنہ ۱۰۰۰ ہجری) کی نو ماہ رجب
کو تحویل نوروزی واقع ہوئی " اور سنہ چالیس جلوس سے پہنچا " اور مجلس
آئین بندی بدستور سالہائے سابق گذری " اور تحویل سے دو روز پہلے
دیوان خانہ خاص و عام میں جھروکہ کے اوپر سے " فقیر کو سامنے بلایا اور
شیخ ابوالفضل سے خطاب فرمایا کہ ہم فلاں کو جس سے اشارہ فقیر کی طرف
تھا " جوان فانی اور صوفی مشرب خیال کرتے تھے " لیکن وہ ایسا
فقیہ متعصب ظاہر ہوا " کہ کوئی تلوار اُس کے تعصب کی گردن کی رگ کو
نہیں کاٹ سکتی "

شیخ ابوالفضل سے پوچھا کہ کونسی کتاب میں میں نے ایسی بات لکھی
ہے جو حضرت ایسا فرما رہے ہیں "

فرمایا کہ اسی کتاب " رزم نامہ " میں جس سے اُن کا منشاء مہا بھارت
سے تھا " اور اس بات پر میں نے نقیب خاں کو گواہ کیا ہے " شیخ "
نے عرض کیا کہ قصور مند ہے "

ضرورت جان کر آگے بڑھ کر عرض کی کہ میں پہلا مترجم نہیں ہوں "
جو کچھ ہندوستان کے عقلمندوں نے کہا ہے بلا کسی ردّ و بدل
کے ترجمہ کر دیا ہے " اگر میں نے اپنی طبیعت سے کچھ لکھا ہو تو میری خطا ہے
اور بُرا کیا ہے " شیخ " نے یہ ہی بات عرض کر دی مگر ناخوش
رہے "

اکبر بادشاہ کو صاحب منتخب کا سجدۂ زمین بوس

صفحہ ۴۰۱ و ۴۰۲ پر ہے کہ "شبے در خوابگاہ خاصہ نزدیک بہ پایۂ تخت طلبیدہ۔ تا بہ امداد حکایات از ہر باب پرسیدہ" حکم فرمودند کہ چوں در جلد اوّل "بحر الاسمار" کہ سلطان زین العابدین "ترجمہ فرمودہ" فارسی قدیم غیر متعارف است" آں را ہم تو از سرِ نو بہ عبارتے مانوس بنویس" و مسودہ ایں کتب راکہ خود ترجمہ کردہ نگاہدار" زمین بوس نمودہ بہ دل و جان قبول نمودم، و شروع دراں کردم"

سجدۂ زمین بوس پر صاحب منتخب کو انعام

و بعد از التفات بسیار دہ ہزار تنگہ مرادی انعام" و اسپ" بخشیدند۔ انشاء اللہ تعالےٰ ایں کتاب بزودی و خوبی وایں دو سہ ماہ مرتب و پرداختہ آید۔ و رخصت وطن کہ ہلاک آنست حاصل کنند"

صفحہ ۴۰۱ و ۴۰۲ پر ہے کہ "ایک رات کو خوابگاہ خاصہ میں نزدیک پایۂ تخت کے بلا کر" ہر باب کی حکایتوں سے پڑھوا کر پوچھا" اور حکم دیا کہ کیونکہ بحر الاسمار کی جلد اوّل جس کا ترجمہ سلطان زین العابدین نے کیا ہے" اُس کی فارسی قدیم اور غیر متعارف ہے" اُس کو تو عبارت مانوس میں لکھ اور اس کتاب کے مسودہ کو جسے تو نے خود ترجمہ کیا ہے سامنے رکھ" میں نے زمین بوس ہو کر بدل و جان قبول کیا اور اسی طرح شروع کیا"

اور بعد بہت التفات کے دس ہزار تنگہ مرادی انعام اور گھوڑا عطا کیا" اللہ نے چاہا تو یہ کتاب جلد تر خوبی سے انہیں دو تین مہینوں میں مرتب اور مکمل ہو جائے گی" اور وطن کی رخصت جس کے لئے میں ہلاک ہو رہا ہوں حاصل کروں گا"

مُلّائے بدایونی۔ صاحب منتخب التواریخ کا کچھ اور حال۔ صاحبِ دربار اکبری کے قلم سے

صاحب منتخب التواریخ ملا عبدالقادر بدایونی" کے یہ تھوڑے سے حالات تو ہم نے" اُن کی کتاب سے لیکر اُن ہی کے الفاظ میں لکھے ہیں" اب ہم شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد دہلوی کی کتاب " دربار اکبری" سے لیکر اُن کی افتاد طبیعت اور مزاج کی کیفیت کے کچھ اور حالات پیش کرتے ہیں" دربار اکبری کے صفحہ ۴۱۹ پر تحریر ہے کہ" اہلِ ذوق دیکھیں گے اور جہاں تک ممکن ہوگا میں دکھاتا جاؤں گا" کہ وہ اُمرائے دربار میں جس کے برابر نکلتے ہیں۔ ایک چٹکی ضرور لے لیتے ہیں"

اُمرائے دربار سے اُن کا اس قدر بگاڑ نہ ہوتا۔ مگر اُس کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے" ملائی کے دائرہ سے قدم نکالنا نہ چاہا۔ اور اسی کو دین کی دولت اور دُنیا کا فخر سمجھا" انہیں کبھی تو بے علم یا کم لیاقت لوگ مراتب عالی پر نظر آئے اور یہ ناگوار گذرا" اکثر چھوٹے تھے کہ آنکھوں کے سامنے بڑے ہوئے" یا برابر سے آگے بڑھ گئے" کبھی باہر سے آئے اور مختلف خدمات کی سُنہری مسندوں پر بیٹھ کر صاحب جاہ و جلال ہو گئے" اور یہ ملا کے ملا ہی رہے"

ایسے لوگوں کو ان کی فضیلت علمی ضرور خاطر میں نہ لاتی ہوگی۔ بلکہ چاہتی ہوگی کہ میرا ادب پیش نگاہ رکھیں۔ اُدھر دولت و حکومت کو اتنا دماغ کہاں۔ یہ بھی جہاں موقع پاتے ہیں" اپنے گھسے ہوئے قلم سے وہ زخم دیتے ہیں کہ قیامت تک نہیں بھرتے"

اور صفحہ ۴۲۱ و ۴۲۲ پر ہے کہ" وہ اکبر" ابوالفضل و فیضی" اور" مخدوم و صدر" سے بھی خفا تھے" جو کم نصیبی اُن کی ترقی میں سنگ راہ ہوئی۔ وہ یہ تھی کہ زمانے کے مزاج سے اپنا مزاج نہ ملا سکتے تھے" جس بات کو خود بُرا سمجھتے تھے اُسے چاہتے تھے کہ سب بُرا کہیں اور اُسے عمل میں نہ لائیں" جس بات کو اچھا سمجھتے تھے اسے چاہتے تھے کہ اُسی طرح ہو جائے" قباحت یہ تھی کہ جس طرح طبیعت میں جوشش تھا" اُسی طرح زبان میں زور تھا" اس واسطے ایسے موقع پر کسی دربار اور کسی جلسے میں بغیر بولے نہ رہا جاتا۔ اِس عادت نے ان کے لئے بھی بہت سے دشمن بہم پہنچا رکھے تھے"

پُرانے عالم پُرانی باتوں کے خوگر تھے" اکبر نے انہیں اپنے راستے پہ کھینچنا چاہا۔ انہیں یہ باتیں ناگوار ہوئیں اور انہوں نے اپنی گردنیں سخت کیں" ناچار یا توڑنا یا بیچ سے اُٹھانا واجب ہوا" اِن خیالات کی اِبتدا تھی جو فاضل مذکور (یعنی ملائے بدایونی صاحب منتخب) دربار میں پہنچا" اس نے اوّل اوّل ترقی کے خوب قدم بڑھائے" یہ نوجوان عالم (صاحب منتخب) اپنے علم کے جوشش اور ترقی کی اُمنگ میں تھا" بُڈھے ملاؤں اور اُن کی بُڈھی تعلیم کو توڑ توڑ کر" اکبر" کو خوش کیا" مگر یہ نہ سمجھا کہ اُصول میرے اور بُڈھوں کے ایک ہیں۔ اصحاب زمانہ نے بیا مزاج پکڑا ہے" انہیں توڑ دل گا تو ساتھ ہی آپ بھی ٹوٹ جاؤں گا" غرض کچھ تو اس سبب سے کہ اُس نے پُرانی تہذیب کے دامن میں پرورشش پائی تھی" اور کچھ اس کی طبیعت ہی ایسی واقع ہوئی تھی اِس لئے وہ نئے زمانے میں پُرانے مسائل کو واجب العمل سمجھتا تھا۔ یہی سبب تھا کہ مخالفت شروع ہوئی" اور چونکہ ابوالفضل و فیضی (اکبر کے خلیفہ)

صاحب منتخب کے استاد شیخ مبارک کے لڑکے" ہی نئے خیالات نہ رکھتے تھے۔ بلکہ زمانے کا مزاج بدلا ہوا تھا" اس لئے اُس کے مزاج نے کسی سے موافقت نہ کھائی"

اُس کی تصنیفات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ" وہ ایک زمانے سے لڑائی باندھے بیٹھا ہے" "مخدوم الملک" اور "شیخ صدر (عبدالنبی) شریعت کا ٹھیکہ لئے ہوئے بیٹھے تھے۔ مگر وہ انہیں بھی قابل موافقت نہ سمجھتا تھا"

اور صد ۲۲۴ پر تحریر ہے کہ "یہ ہی سبب ہے کہ یہ دونوں" بلکہ کوئی "مشہور عالم" یا نامی عارف "نہیں۔ جو اُس کے شمشیر قلم سے زخمی نہ ہوا ہو" جس کسی بات پر خفا ہوتا ہے تو وہیں صلواتیں سنانے لگتا ہے"

" اب جو نکتے میں نے مجمل لکھے ہیں۔ اُن کی تفصیل اور اپنے خیالوں کی تصدیق "ملا صاحب" کے حالات سے کرتا ہوں"

فاضل مذکور" اگرچہ بداؤنی مشہور ہیں مگر "ٹونڈہ" میں پیدا ہوئے" جو بساور" کے پاس ہے"

صد ۲۲۳ تا ۲۲۵ پر ہے کہ "ملا صاحب نے بساور" میں پرورش پائی" بزرگوں کا حال کہیں مفصل نظر سے نہیں گذرا" خاندان امیرانہ تھا" مگر یہ ضرور ہے کہ "فاروقی شیخ" تھا" ان کے نانا "مخدوم اشرف" تھے جو "سلیم شاہ" کے عہد میں "فرید تارن" ایک پنج ہزاری سردار متعینہ بجواڑہ متصل بیانہ صوبہ آگرہ" کی فوج میں ایک جنگی عہدہ دار تھے"

غرض فاضل مذکور ۹۵۲ھ ہجری سے ۹۶۰ھ ہجری تک اپنے والد "ملوک شاہ" کے دامن میں رہے" پانچ برس کی عمر تھی جب "سنبھل" میں قرآن وغیرہ پڑھتے رہے" "پیدائش ۹۴۷ھ ہجری کی ہے) پھر نانا نے انہیں اپنے پاس رکھا" "سید محمد مکی" ان کے پیر بھی وہیں رہتے تھے" وہ علم قرأت میں کامل تھے" ان ہی سے قرأت" اور خوش الحانی کے ساتھ قرآن پڑھنا سیکھا" اس وقت ۹۶۰ھ ہجری "سلیم شاہی" دور تھا" مگر یہ شاگردی بہت مبارک ہوئی کہ ایک دن اسی کی سفارش سے "دربار اکبری" میں پہنچے اور "سات واموں میں داخل ہو کر" امام اکبر شاہ" کہلائے۔

خود لکھتے ہیں کہ "بارہ برس کی عمر تھی" والد نے "سنبھل" میں آکر "میاں حاتم سنبھلی" کی خدمت میں حاضر کیا۔ کہتے ہیں کہ چند سبق شرح وقایہ کے" میں نے بھی "قاضی ابوالمعالی" سے پڑھے" پھر فاضل بداؤنی "شیخ مبارک (پدر ابوالفضل)" کے حلقہ درس میں داخل ہو کر "فیضی و ابوالفضل" اور "نقیب خاں" کے ہمدرس ہوئے" "شیخ مبارک" کے ذکر میں خود فرماتے ہیں کہ "جامع اوراق نے عنفوان شباب میں آگرہ" میں چند سال اُن کی ملازمت میں سبق پڑھا تھا" الحق ان کا حق عظیم مجھ پر ہے"

اپنے سرپرست حسین خاں سے ناراضی صد ۲۲ پر ہے کہ "پٹیالی" (ضلع ایٹہ) جہاں "امیر خسرو" پیدا ہوئے" یہ علاقہ "حسین خاں" کی جاگیر میں تھا" ۹۶۵ھ ہجری میں یہاں پہنچکر "حسین خاں" سے ملے" جوانی کے ذوق اور ہمت کے شوق نے دربار شاہی کی طرف" تو بہکایا" مگر اس افغان دیندار کی محبت ایمانی۔ اور خوبیوں کی کشش نے رستے میں روک لیا" خود لکھتے ہیں "یہ شخص صاحب اخلاق" متواضع" درویش سیرت" سخی" پاکیزہ روزگار" پابند سنت وجماعت" علم پرور" فضل دوست تھا" نیکی سے پیش آتا تھا۔ اُس کی صحبت سے جدائی" اور نوکری کرنے کو جی نہ چاہا" دس برس تک انہی گمنام گوشوں میں رہا" وہ نیک لوگوں کی خبرگیری کرتا تھا" ملا صاحب نے اس پرہیزگار اور بہادر افغان کی بڑی تعریفیں لکھی ہیں۔ اور اس قدر لکھی ہیں کہ پیغمبروں تک نہیں تو اصحاب واولیا کے درجات تک ضرور پہنچا دیا ہے" (اس دلاور افغان نے "ہمایوں" کی مراجعت سے لیکر "اکبر" کے سال بائیس جلوس تک بڑی جاں نثاری اور وفاداری دکھائی اور تین ہزاری منصب حاصل کیا")

غرض وہ دو دیندار ومتقی اصحال مسلمان ساتھ رہتے تھے اور عزت سے گذران کرتے تھے" "حسین خاں کے پاس" ملا صاحب" ۹۶۳ھ سے ۹۸۱ھ تک آٹھ برس رہے"

صد ۲۲۳ و ۲۲۴ پر ہے کہ "اسے فقط تقدیر کا اتفاق کہتے ہیں کہ ۹۸۱ھ ہجری میں دس برس کے دوست بلکہ دینی بھائی "حسین خاں" سے [illegible]

کی ماں کے پاس گیا اور سفارش چاہی۔ مگر ملّا صاحب "ضد کے پورے تھے ایک نہ مانی" کیونکہ انھوں نے دربار شاہی میں جانے کی مصمم تجویز کر لی تھی۔

ہوسِ ملازمت شاہی ملّا صاحب کی جوانی عمر، علم کا جوش، طبیعت کی اُمنگ۔ انکے دل میں بھی ہوس نے موج ماری۔ فیضی و ابوالفضل وغیرہ ہمدرس، جو اُن کے ساتھ گوشہ مسجد اور صحن مدرسہ میں بیٹھکر ذہن لڑاتے تھے۔ اُن کی باتوں کے گھوڑے دربار شاہی میں دوڑنے لگے تھے۔ یہ بھی بداؤں سے آگرہ میں آئے۔ آخر ذی الحجہ ۹۸۱ ہجری تھا کہ جمال خاں قورچی سے ملاقات ہوئی۔ وہ اکبر کے مصاحبین میں تھا۔ جمال خاں اُن کے پیچھے نماز پڑھکر اور علمی تقریریں سنکر بہت خوش ہوا۔ اکبر کے سامنے لایا۔ اور کہا حضور کے لئے پیش نماز لایا ہوں۔

خود فرماتے ہیں کہ ۹۸۱ ہجری میں حسین خاں سے ٹوٹ کر بداؤں سے آگرہ میں آیا۔ جمال خاں قورچی اور مرحوم جالینوس حکیم عین الملک کے وسیلہ سے ملازمت شاہنشاہی میں داخل ہو گیا۔

اکبر کی خوشی کیلئے علما سے مقابلے یہاں تک کہ جو علماء تحریر کے نقارے بجاتے تھے اور کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ بادشاہ نے اُن سے لڑا دیا۔ خود بات کو پرکھتے تھے۔ خدا کی عنایت اور قوت طبع اور تیزی فہم اور دل کی دلیری سے (کہ عالم جوانی کا لازمہ ہے) بہتوں کو زیر کیا۔ پہلی ہی ملازمت میں فرمایا کہ یہ بداؤنی حاجی ابراہیم سرہندی کا سر کوب ہے۔ چاہتے تھے کہ وہ کسی طرح زک پائے۔ میں نے بھی اُسے خوب خوب الزام دیئے۔ اور بادشاہ بہت خوش ہوئے۔

بادشاہ کا ملّا جی سے اپنا کام نکالکر پھر انہیں نظروں سے گرا دینا شیخ عبدالنبی صدر عالی قدر پہلے ہی خفا ہوئے تھے کہ ہم سے بالا بالا آن پہنچا۔ اب جو مناظروں میں مقابل دیکھا تو وہ مشکل ہوئی کہ ایک تو سانپ نے کاٹا اُس پر کھائی افیم۔ خیر آخر رفتہ رفتہ اُن کی کلفت بھی الفت سے بدل گئی۔

ملّا صاحب اِس فتحیابی پر ناحق خوش ہوئے۔ انہیں خبر نہ تھی کہ یہ فتح اپنی فوج کی شکست ہوئی۔ کیونکہ آہستہ آہستہ بادشاہ تمام علماء سے بے اعتقاد ہو گیا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی نظروں سے گر گئے۔

ساتھ ہی لکھتے ہیں۔ انہیں دنوں میں شیخ ابوالفضل خلف شیخ مبارک جس کی عقل و دانش کا ستارہ چمک رہا تھا ملازمت میں آیا۔ اور انواع و اقسام کی عنایتوں سے امتیاز پایا۔ تھوڑی دور آگے چلکر لکھتے ہیں۔ بادشاہ نے ملّایانِ فرعون صفت کے کان ملنے کے لئے (جن کی بے حمیتی نہ رہی تھی) انہیں خاطر خواہ پایا۔ وغیرہ وغیرہ۔

بادشاہ کی نظروں سے گر جانے اور ملّا صاحب کے حسد کی وجہ ان کے اور ابوالفضل دونوں کے حالات پڑھکر معلوم ہو جائے گا کہ اکبر کی نظر توجہ جو ان کی طرف تھی وہ اُدھر پھر گئی۔ اسے اُس کی قسمت کا زور کہو۔ خواہ اُس کی طرح شناسی کہو۔ اور یہی رشک تھا جو ہمیشہ تیزاب بنکر پہلے الفاظ بن کر ان کے قلم سے ٹپکتا تھا۔

خواجہ دولت ناظر سے خفگی کی وجہ اور اُس کی ہجو ملّا صاحب کی طرف سے صفحہ ۲۳۶ و ۲۳۸ پر ہے کہ حضور میں سات امام تھے۔ ہفتہ کے سات دن ایک ایک دن باری باری سے نماز پڑھایا کرتے تھے۔ دوسرے سال ملّا صاحب لکھتے ہیں کہ خوش آوازی کے سبب سے جیسے طوطی کو پنجرے میں ڈالتے ہیں۔ اسی طرح مجھے اُن میں داخل کر کے بدھ کی امامت عنایت ہوئی۔ اہتمام حاضری کا خواجہ دولت ناظر کے سپرد تھا۔ عجیب سخت مزاج خواجہ تھا۔ لوگوں کو بڑا دق کرتا تھا۔ الخ (لا ذکرکم الا آنکہ شد خوجہ ہیجڑا نہ زن شد نہ زنان نہ مرداں۔)

ترقی سے محروم رہ جانے پر ملّا صاحب کا رنج و غم اسی سال بیستی کا منصب دیا کچھ جاگیر بھی عنایت کیا۔ اور پہلی ہی دفعہ میں فرمایا کہ بیستی کے منصب کے بموجب گھوڑے داغنے کے لئے حاضر کرو۔ لکھتے ہیں کہ شیخ ابوالفضل بھی اسی عرصہ میں پہنچے تھے۔ اور ہم دونوں کی وہی مثال ہے جو شیخ شبلی نے اپنے اور جنید کے لئے کہی تھی۔ ہم اور یہ دونوں جولی کی طرح ایک ہی تنور میں سے نکلے ہیں۔ ابوالفضل نے جھٹ قبول کر کے کام شروع کر دیا۔ اور اُس عرق ریزی سے خدمت بجا لایا کہ خود دو ہزاری منصب اور وزارت کے درجہ کو پہنچ گیا۔ (جس کی چودہ ہزار کی آمدنی ہے) میں ناتجربہ کاری اور سادہ لوحی سے اپنے کل کو بھی نہ سنبھال سکا۔ مجھے اُن دنوں یہی خیال تھا کہ قناعت بڑی دولت ہے۔ کچھ جاگیر ہے۔ کچھ بادشاہ انعام اکرام سے مدد کریں گے۔ اسی پر صبر کروں گا۔ سلامت و عافیت کے گوشہ میں بیٹھوں گا۔ علم کے شغل اور دل کی آزادی کا شیوہ نامرادی ہے۔ اِسے بہت سمجھا ہوں گا۔ افسوس کہ وہ بھی میسر نہ ہوا۔

ملّا صاحب بہت اپنی اٹھان سے اٹھے تھے۔ مگر افسوس کہ رہ گئے اور بُری طرح رہ گئے۔ وہ ترقی پاتے اور خاطر خواہ سے بھی زیادہ پاتے۔ مگر ضدی شخص تھے اور بات کی پرورش ایسی کرتے تھے کہ ہر طرح نقصان اٹھاتے تھے۔ اور اُسے فخر سمجھتے تھے۔ ابوالفضل کو زمانے کے گھِسّوں نے خوب سبق پڑھائے تھے۔ وہ سمجھ گیا۔ ملّا صاحب کو بیستی کا عہدہ ملا انکار کیا۔ اُس نے فوراً منظور کر لیا اور اطاعت و تسلیم کی۔ اُسی کا نیک ثمرہ پایا۔

اُن کی تباہی اُن کی تحریروں سے ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں کہ ۹۸۳ھ ہجری میں میں نے رخصت مانگی نہ ملی۔ بادشاہ نے ایک گھوڑا اور کچھ روپیہ دیا۔ ہزار بیگہ زمین دی اور کہا کہ فوجی دفتر سے تمھارا نام نکال دیتے ہیں۔ ان دنوں میں بیستی کے عہدے پر نظر کر کے یہ انعام مجھے بہت معلوم ہوا کہ ہزاری کا ہم پلہ ہے۔ بادشاہی بہم پانی ہے۔ علم کا سلسلہ ہے۔ خدمت کا بجالانا ہے۔ سپاہی کی تلوار اور بندوق نہیں اٹھانی پڑتی۔ یہ سب کچھ درست مگر صدر کی ناموافقت اور زمانہ کی بد مددی سے خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا۔ اور آئندہ ترقی کا راستہ نہ تھا۔ اتنا ہوا کہ مدد معاش کا لفظ لکھا گیا۔ نہ کہ جاگیر۔ (جاگیر میں خدمت بھی بجالانی پڑتی تھی۔)

ہر چند عرض کی کہ اتنی زمین پر ہمیشہ حاضری کیونکر ہو سکے گی۔ فرمایا کہ فوج کے زمرہ میں ترقی مل جائے گی۔ انعام سے بھی مدد ہوا کرے گی۔ شیخ عبدالنبی صدر صاحب بولے کہ تمھارے ساتھیوں میں کسی کو اتنی مدد معاش نہیں دی۔ اب تک بائیس برس ہوئے۔ آگے راستہ بند ہے۔ اور وہ مددیں قدرت الٰہی کے پردے میں ہیں۔ ایک دو دفعہ سے زیادہ انعام کی بھی صورت نہ دیکھی۔ وعدے ہی وعدے رہتے۔ اور اتنے زمانے کا ورق ہی اُلٹ گیا۔ جن کا کچھ نتیجہ نہیں۔ اور عمل پابندیاں ہیں کہ مفت گلے پڑی ہیں۔ کوئی لطیفہ غیبی ہو تو اُن سے چھٹکارا ہو۔

جنگ اور شہادت سے ملا صاحب کی پریشانی

شوقِ غزا اور بادشاہ کے قدم چومنے کو ہاتھ بڑھانا۔ کی شرح کے تحت منتخب التواریخ سے لیکر ملا صاحب کی درخواست پر رانائے میواڑ کی جنگ میں اُن کو شرکت کی اجازت ملنے کا حال ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ اور یادِ اکبری کے ۹۸۴ھ سے لے کر باقی ماندہ حال یہاں لکھتے ہیں۔ فرمایا انشاء اللہ فتح کی خبر لاؤ گے۔ میں نے چبوترے کے نیچے سے پابوس کے لئے ہاتھ بڑھائے۔ آپ ہٹ کر اوپر کھینچ لئے۔ جب میں دیوان خانہ سے باہر نکلا تو پھر بلایا۔ ایک لپ بھر کر اشرفیاں دیں اور کہا خدا حافظ۔ گنیں تو چھپن تھیں۔ جب فتح ہوئی اور رانا بھاگ گیا تو امرا مشورے کرنے بیٹھے اور علاقہ کا بندوبست شروع کیا۔ رام پرشاد ایک بڑا اونچا اور جنگی ہاتھی رانا کے پاس تھا۔ بادشاہ نے کئی دفعہ مانگا تھا اس نے نہ دیا تھا۔ وہ بھی لوٹ میں آیا۔ امرا کی صلاح ہوئی کہ اُسے فتح نامہ کے ساتھ حضور میں بھیجنا مناسب ہے۔ آصف خاں نے میرا نام لیا کہ یہ فقط ثواب کے لئے آئے تھے۔ ان کے ساتھ بھیجو۔ مان سنگھ (سپہ سالار) نے کہا ابھی تو بڑے بڑے کام پڑے ہیں۔ یہ میدان معرکہ میں صف کے آگے امامت کریں گے۔ میں نے کہا یہاں کی امامت کے لئے قصہ ہے۔ میرا اب یہ کام ہے کہ میں جاؤں اور بندگانِ حضرت کی صف کے آگے امامت ادا کروں۔ مان سنگھ اس لطیفہ پر بہت خوش ہوا۔ غرض تین سو سوار ہاتھی کے ساتھ کئے۔ اور سفارش نامہ لکھ کر رخصت کیا۔

ص ۲۳۱ و ۲۳۲ آخر ملا ہی تھے اندازِ تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت گھبرائے۔ اور یہیں سے سمجھ لو کہ مہماتِ سلطنت اور اُس کے خطرناک بوجھ ایسے لوگوں کی گردن پر پڑیں تو بیچارے پیچ یا پیٹے۔ غرض جوں توں کر کے فتح پور پہنچے۔ راجہ بھگوان داس۔ راجہ مان سنگھ کے باپ تھے۔ اُن کے سلوک کی معرفت فتح نامہ اور ہاتھی حضور میں گذرانا۔ فرمایا اس کا کیا نام ہے۔ عرض کی رام پرشاد۔ فرمایا سب پیر کی پرورش سے ہوا۔ اس کا نام پیر پرشاد ہے۔ پھر فرمایا تمھاری تعریف بہت لکھی ہے۔ سچ کہو کون سی فوج میں تھے اور کیا کیا کام کیا۔ عرض کی کہ بادشاہوں کے حضور میں سچ بھی ڈرتے ڈرتے کہا جاتا ہے۔ فدوی جھوٹ کیونکر عرض کر سکتا ہے۔ سب واقعی حالات عرض کئے۔ پوچھا جنگی لباس میں تھے یا ننگے ہی رہے؟ عرض کی زرہ بکتر تھا۔ فرمایا کہاں سے مل گیا؟ عرض کی سید عبداللہ خاں سے۔ یہ جواب پسند آیا۔ گنج میں سے ایک لپ بھر کر انعام فرمائی۔ پچیاسی تو اشرفیاں تھیں۔

شیخ عبدالنبی صدر کی تباہی اور بادشاہ کی بگاڑ

پھر پوچھا کہ شیخ عبدالنبی سے مل لئے؟ عرض کی گرد راہ سے دربار میں پہنچا ہوں۔ اور ملا صاحب [illegible] شیخ کو ایک [illegible] وہ شائستہ [illegible] کیونکر مل سکتا تھا۔ ایک دوشالہ خود تو اُڑھا دیا کہ یہ لیتے جاؤ۔ شیخ سے ملو اور کہو کہ راستہ اور سفر [illegible] سے فرمائش کی تھی۔ میں نے گیا اور پیغام پہنچایا۔ شیخ خوش ہوئے۔ پوچھا کہ رخصت

کے وقت میں نے کہہ دیا تھا کہ دشمنوں کا آمنا سامنا ہو تو دعا سے یاد کرنا میں نے کہا۔ کُل مسلمانوں کے حق میں جو دعا ہے وہ پڑھی تھی۔ کہا کہ یہ کافی ہے"۔ اللہ اللہ یہ وہی شیخ عبدالنبی ہیں "آخر حال میں اس بدحالی کے ساتھ دنیا سے گئے کہ خدا دکھائے نہ سنائے" چاہئے کہ سب کو عبرت ہو جائے"۔

ملّا صاحب کی دینداری فقط بہانہ تھا

صفحہ ۲۴۵ پر ہے کہ "دربار اور اہلِ دربار کے حالات تم نے دیکھ لئے کہ" عالم بدل گیا۔ اور حریف نئی دنیا کے لوگ تھے"
اور ملّا صاحب کی طبیعت ایسی واقع ہوئی تھی کہ کسی سے میل دکھاتی تھی" دینداری فقط بہانہ تھا" اور اس میں بھی شک نہیں کہ "ابوالفضل و فیضی ان کے ہمدرس و ہم سبق جس طرح اعلیٰ مراتب فضل و کمال میں تھے اُسی طرح مراتب جاہ و جلال میں اڑے جاتے تھے" اور اکثر اہلِ علم جو کتابی استعداد میں ملّا صاحب کے ہم پلہ بلکہ اُن سے کم تھے۔ وہ زمانے کے موافق رفتار کر کے بہت آگے بڑھ گئے تھے" اس لئے بھی ان کا جی چھوٹ گیا تھا۔ اور ہمّت قاصر ہو گئی تھی "سچ پوچھو تو یہ اسی کام کے تھے" جس میں جوہر شناس بادشاہ نے رکھا۔ اور یہ اسے کرتے رہے" اور اسی میں مر گئے"۔

ملّا صاحب کا عشق ایک لونڈی سے

صفحہ ۴۴۸ تا ۴۴۹ پر ہے کہ "لکھتے ہیں" منظری نام ایک لونڈی تھی کہ جس میں ظہورِ قدرت کا نمونہ تھا۔ میں اس پر عاشق ہو گیا" اس کے عشق نے ایسی آزادی اور وارستگی طبیعت میں پیدا کی کہ سال بھر "بساور" میں پڑا رہا اور عجیب عجیب عالم دل پر گذرے" ۹۸۹ھ میں برس دن کی غیر حاضری کے بعد "فتحپور" میں جا کر ملازمت حاصل کی۔ ان دنوں سفر کابل سے پھر کر آئے تھے" "شیخ ابوالفضل سے پوچھا۔ اس سفر میں کیونکر رہ گیا تھا۔ عرض کی کہ یہ تو مدد معاشیوں میں ہے۔ بات ٹل گئی۔

کابل کے پاس ہی "صدرِ جہاں" سے کہا تھا۔ کہ جو لوگ اہلِ سعادت سے ساتھ ہیں یا رہ گئے ہیں۔ دونوں کی فہرست پیش کرو" خواجہ نظام الدین احمد مرحوم" مصنف تاریخ نظامی" سے نئی نئی شناسائی ہوئی تھی۔ مگر ایسی ہوئی تھی کہ گویا سیکڑوں برس کی محبت تھی" دل سوزی اور الفت طبعی سے کہ سب پر عام اور مجھ پر خاص تھی" بیمار لکھوا دیا تھا کیونکہ خدا کے ساتھ معاملہ آسان ہے۔ بندوں کا ڈر اس سے کہیں بڑا سخت مرض ہے" مدّت مفارقت میں "خواجہ مذکور نے بطریق خط لکھے کہ دیر بہت ہوئی ہے" کم سے کم "لاہور" دلّی" متھرا" جہاں تک ہو سکے استقبال میں کوشش کرنی چاہئے۔ کہ دنیا کی رسم ہے اور احتیاط شرط ہے"

ملّا صاحب کا روزہ توڑ ڈالنا

منتخب التواریخ مترجمہ مولوی احتشام الدین مراد آبادی۔ مطبوعہ مطبع نولکشور ۱۸۸۹ء صفحہ ۲۷ میں خود ملّا صاحب نے لکھا ہے کہ اُس روز لڑتے لڑتے سپاہی ایسے تھک گئے کہ ہاتھ ہلانے کی طاقت نہیں رہی تھی" بعض لوگوں نے اُس حال میں روزہ نہیں توڑا" جب میں بے طاقت ہو گیا تو میں نے ایک گھونٹ پانی سے اپنا حلق تر کیا" ملّا صاحب کے خود کے تحریر کردہ اس بیان کے بعد ہمیں یہ ادب بتا دیتا ہے کہ ملّا صاحب لڑائی میں شریک نہ تھے اور جہاد کے ثواب سے دُور ہی رہنا پسند کرتے تھے" سپاہیوں نے تو لڑائی لڑتے ہوئے بھی روزہ نہ توڑا" بے طاقت ہو جانے پر بھی نہ توڑا" مگر ملّا صاحب بیٹھے ہی بیٹھے بے طاقت ہو گئے اور انہیں اپنا روزہ توڑ ڈالنا پڑا"

ملّا احمد ٹھٹھوی سے متعلق ملّا صاحب کی فضیحت اور تحشّس گوئی"

صفحہ ۴۴۹ پر ہے کہ "روضۃ الاحباب اور تاریخ کی کتابیں خزانے سے منگا کر نقیب خاں کو دیں کہ تحقیق کرو۔ اُس نے جو کچھ تھا وہ کہہ دیا۔ خدا کی عنایت کہ اُن بیجا گفتوں سے مخلصی ہوئی" چھتیسویں سال سے "ملّا احمد ٹھٹھوی" کو حکم ہوا کہ تم تمام کرو۔ یہ حکم "حکیم ابوالفتح کی سفارش سے ہوا" ملّا احمد "متعصب شیعہ تھا۔ جو چاہا سو لکھا۔ اُس نے چنگیز خاں کے زمانے تک دو جلدیں تمام کیں"
"میرزا فولاد برلاس" اُس کے گھر آیا اور کہا" حضور نے یاد کیا ہے" وہ گھر سے نکل ساتھ ہوا۔ راستے میں مار ڈالا۔ اور خود بھی سزا کو پہنچا"
آزاد" افسوس انہوں نے "ملّا احمد" مظلوم کے باب میں جو "فحش اور فضیحت کی نجاست اُچھالی ہے "لاحول ولا قوۃ" قلم تحریر اس کے شرم کے سر نہیں اُٹھاتا" اور مجھے قانونِ تہذیب "اجازت نہیں دیتا کہ دامن ورق کو اُس کی نقل سے نجس کروں" میں شیعہ بھائیوں کی بدزبانی پر خونِ جگر کھاتا تھا" اس سُنّی بھائی نے "دل جلا کر خاک کر دیا"

بادشاہ کی صاف تقریر ملّا صاحب کو"

صفحہ ۴۵۱ پر ہے کہ "تیسری رات فقیر کو بلا کر فرمایا "نقیب خاں" کے ساتھ شامل ہو کر لکھا کرو" تین چار مہینے تک اٹھارہ میں سے دو پرب دفن میں نے لکھے" اس پر سناتے وقت کہا کیا اعتراض نہ سُنے "حرام خور" اور "شلغم خورہ" کیا تھا۔ وہ یہ ہی اشارے تھے۔ گویا میرا حصّہ ان کتابوں میں یہ تھا" سچ ہے قسمت کا لکھا ضرور پورا ہوتا ہے"

مُلّا صاحب کی وفات و دفن — ص۱۱۶ پر ہے کہ "اسی ۱۰۰۴ھ ہجری میں دس صفر کو" شیخ فیضی نے بھی انتقال کیا۔ ان کے مرنے کا حال بہت خرابی کے ساتھ لکھ کر کہتے ہیں کہ چند ہی روز میں حکیم ہمام بھی دنیا سے گئے۔ دوسرے ہی دن "کمال الدین صدر" بھی۔ دونوں کے گھروں پر اسی وقت شاہی پہرے بیٹھ گئے۔ ان کے مردے کفن کے چیتھڑے کو محتاج تھے "یہاں تاریخ کو ختم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حال تھے ان بعض اجزا کے جن جزوں سے زمانہ مرکب تھا۔ کہ صفر ۱۰۰۴ھ ہجری کے مطابق سال چہلم جلوس پر بسبیل اجمال مجھ شکستہ دل کے قلم سے مرقوم ہوا" افسوس یہ ہے کہ اسی سال میں کتاب تمام کی اور اسی سال کے اخیر میں خود بھی تمام ہو گئے۔" ستاون سال کی عمر تھی "خوشگو نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ "باغ انبہ واقع عطاپور" "توابع بداؤن" میں دفن ہوئے۔"

سید فرید بخشی کی خدمت نسبی — ص۱۰۱ پر ہے کہ "ملّا صاحب" نے لکھا ہے "جہانگیر" بہت ہراساں تھا" چنانچہ جب اکبر کی حالت غیر ہوئی تو اس کے اشارے سے قلعہ سے نکل کر ایک مکان محفوظ میں جا بیٹھا "وہاں شیخ فرید بخشی" وغیرہ پہنچے اور شیخ اپنے مکان میں لے گیا" "اس نے اکثر معرکوں میں مردانگی دکھا کر جہانگیر سے "مرتضیٰ خاں" خطاب حاصل کیا" اکبر کے عہد میں بڑی جانفشانی اور نمک حلالی سے خدمتیں بجا لاتا رہا۔ یہاں تک کہ بخشی گری کے منصب تک پہنچا تھا" "سید صحیح النسب" تھا کہتا تھا کہ میں "رضوی سید" ہوں۔ مگر حقیقت میں "نقوی سید" تھا۔ یہ "حضرت جعفر تواب" کی اولاد تھا جنہیں اکثر مصنف "جعفر کذاب" کہتے ہیں۔"

محمد شریف و محمد نفیس چوکی نویس — ص۱۲۳ پر ہے کہ "اسی عہد میں چوکی نویسی کا آئین مقرر ہوا تھا چند معتبر منصبدار تھے کہ باری باری سے حاضر ہوتے تھے۔ روز مرہ ساعت بساعت کے احکام لکھتے رہتے تھے۔ وہ چوکی نویس کہلاتے تھے "امیر" "منصبدار" "احدی" جو خدمت پر حاضر ہوتے تھے۔ ان کی یہ حاضری لکھتے تھے۔ چوستے اور چٹھیاں" ان کی تنخواہوں کی خزانہ پر ہوتی تھیں۔ انہیں کی تصدیق سے ہوتی تھیں "محمد شریف" اور "محمد نفیس" بھی انہیں میں تھے۔" ان کی لیاقت بھی بہت خوب تھی" اور اکبر کی بھی نظر عنایت تھی۔ اس واسطے حاضر بھی زیادہ رہتے تھے۔"

محمد شریف "شیخ ابوالفضل" کے جلسے کے بھی یار تھے۔ انشائے ابوالفضل کے دفتر دوم میں کئی خط ان کے نام ہیں" اور "مان سنگھ" وغیرہ امرا کے خطوط میں ان کی سفارش بھی ہے" پھر تو ملّا صاحب کو ان پر خفا ہونا واجب ہوا" چنانچہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ ان کے باب میں کسی نے شعر بھی کہا ہوا ہے ؎

دو چوکی نویس اند ہر دو کثیف
یکے نا نفیس و دگر نا شریف

شیخ عبدالنبی صدر کی ہجو — شیخ موصوف کا اجمالی حال ہم اوپر لکھ آئے ہیں اور اس میں آپ کی وفات کے واقعہ کو دکھا چکے ہیں۔ دربار اکبری کے ص۳۲۷ پر ہے کہ "ملّا صاحب کس قدر خفا تھے۔ اس مرحوم کا دم نکل گیا اور ان کا غصہ نہ نکلا ترحم و مغفرت تو درکنار "فرماتے ہیں" "شبے اورا خفہ کردند و بحق واصل شد" "ورو زدیگر درمیان منارہا ثانی زدیگر افتادہ بود")

"و شیخ کنبی" (کنیت "بھنی بھنگ") تاریخ یافتند" یہ شعر اکثر اشخاص ان کی شان میں پڑھا کرتے تھے" ؎

گرچہ الشیخ کالنبی گفتند
کالنبی نیست شیخ ما کنبی ست

اور "بحق واصل شد" کے لفظ کو دیکھو۔ اس میں کیا کام کر گئے ہیں۔ چاہو سمجھ لو "کہ ذات حق کے ساتھ واصل ہو گئے" چاہو یہ کہو کہ امر حق کو پہنچ گئے" (معتمد خاں نے اقبال نامہ میں صاف لکھ دیا ہے کہ ابوالفضل نے بادشاہ کے اشارے سے مروا ڈالا")

"ملّا بدایونی" کے "ارباب اقتدار سے حسد اور کینہ توزی کے" چند مزید ثبوت "ان کے حالات اور تاریخ ہائے وفات میں"

تاریخ برتری خواجہ مظفر علی تربتی — در سنہ احدے و سبعین و تسعمائہ (۹۷۱ھ ہجری) خواجہ مظفر علی تربتی "خطاب خانی" یافتہ وکیل کل شد" و "ظالم" تاریخ یافتند" ص۶۵

۹۷۱ھ ہجری میں خواجہ مظفر علی تربتی "خطاب خانی پا کر وکیل کل ہوا" اور "ظالم تاریخ نکلی۔"

(و "ظالم" تاریخ یافتند)

ملّا صاحب کی گُل افشانی بہ وفات ملّا پیر محمد ناصر الملک

چوں ظالم را چنداں بقائے نمی باشد " در اندک فرصت " در ولایت مالوہ " بہ آب نربدہ " فرو رفتہ " بہ فرعون در نیل دوزخ پیوست " صـ ۱۲۵

گُل افشانی بہ وفات راجہ بیربر

(در سنہ ۹۹۴ ہجری) بیربر " کہ از ترس جان راہِ فرار پیش گرفتہ بود - بقتل رسید " و " در سلک سگانِ جہنم " داخل شد " و " پادہ اجزائے اعمال شنیعہ خود یافت - صـ ۳۵

تاریخ وفات ملّا حکیم احمد ٹھٹوی

(در سنہ ۹۹۶ ہجری) در ایّامیکہ زخم " میرزا فولاد " خورد - اُو را دیدم - بخدائے کہ در خدا ایش ہیچ تردد نیست - و دیگراں ماہم بعینہ چوں " رُوئے خوک " در نظر مے آید " و

" خوک سقری " تاریخ اُو یافتند " صـ ۱۲۹

تاریخ وفات حکیم ابو الفتح صدر

در تاریخ بیست و ہفتم شہر رمضان ایں سال (۹۹۷ھ) عازم سیر کابل " شدہ " از راہ " پکھلی " بجانب قلعہ اٹک " عنان تافتند - و دریں عطفہ " حکیم ابو الفتح " در منزل دستور عنان توسن زندگی بجانب آخرت تافت و در " حسن ابدال " مدفون گشت " و " خدا ایش سزا داد " تاریخ یافتہ شد " صـ ۳۷۱

گُل افشانی بہ وفات راجہ ٹوڈر مل " و راجہ بھگوان داس

در سنہ ثمان و تسعین و تسعمائۃ " (۹۹۸ ہجری) راجہ ٹوڈر مل " و " راجہ بھگوان داس " امیر الامراء " کہ در " لاہور " ماندہ بودند " بہ مستقر جحیم و سقر شتافتند - و در درک اسفل طعمہ حیات و عقارب گشتند " سقرہما اللہ - ع

" بگفتا تو در و بھگوان مُردند " تاریخ یافتند " و دیگرے میگوید کہ ع

ٹوڈر مل آنکہ ظلمش بگرفتہ بود عالم چوں رفت سوئے دوزخ خلقے شدند خُرم
تاریخ رفتنش را از پیر عقل جستم خوش گفت پیر دانا " رفت در جہنم "

تاریخ وفات شیخ ابراہیم چشتی پسر شیخ سلیم چشتی

دریں سال (۹۹۹ ہجری) شیخ ابراہیم چشتی " در " فتحپور " بہ اجل طبیعی درگذشت و جان جہاں را وداع کردہ حساب بجان آفریں داد - از انجملہ " بیست و پنج کرور مبلغ نقد سوائے فیلان و اسپان - و سایر اجناس - داخل خزانہ بادشاہی شد - باقی ہمہ نصیب اعدا گشت کہ فرزندان و وکیلان باشند و چوں بہ خست و لوم موسوم و ملوم بود ع

" ذمیم الاوصاف " و " شیخ لئیم " تاریخ اُو شد " صـ ۳۷۳ و ۳۷۵

تاریخ وفات شاعر عرفی

در سنہ تسع و تسعین و تسعمائۃ (۹۹۹ھ)

ملّا عرفی شیرازی " شاعر مشہور [illegible]

کیونکہ ظالم کو کچھ بقا نہیں ہوتی " تھوڑے ہی عرصہ میں " ولایت مالوہ " میں " دریائے نربدا " میں ڈوب گیا " جس طرح فرعون نیل میں دوزخ کو پہنچ گیا " (بہ فرعون در نیل دوزخ پیوست)

(در سنہ ۹۹۴ ہجری) بیربر جس نے جان کے خوف سے راہِ فرار لی تھی " قتل ہو گیا " اور جہنم کے کتّوں کی سلک میں داخل ہوا " (در سلک سگانِ جہنم داخل شد) اور اپنے اجزائے اعمال شنیعہ کا حصہ پایا "

۹۹۶ہجری میں اُن دنوں میں کہ میرزا فولاد نے زخم کھایا " میں نے دیکھا بخدا اس بات میں کچھ شک نہیں ہے اور دوسروں نے بھی دیکھا کہ اس کا چہرہ سوٗر کی طرح کا نظر آیا " اور " خوک سقری (دوزخ کا سوٗر) " اس کی تاریخ میں نے نکالی "

اس سال (۹۹۷ ہجری) کی ستائیس رمضان کو بادشاہ کابل کی سیر کو روانہ ہوئے " پکھلی کے راستے سے " قلعہ اٹک " کی طرف چلے " اس منزل میں حکیم ابو الفتح نے اپنی زندگی کے گھوڑے کی لگام آخرت کی طرف موڑی " اور " حسن ابدال " میں مدفون ہوا " اور (خدا ایش سزا داد) خدا نے اس کو سزا دی - تاریخ نکالی)

۹۹۸ہجری میں راجہ ٹوڈر مل اور راجہ بھگوان داس " امیر الامراء " جو لاہور میں رہ گئے تھے " مستقر جہنم کو جا کر اس کی تہ میں بچھوؤں اور سانپوں کا لقمہ ہو گئے " " بگفتا تو در و بھگوان مُردند " تاریخ نکلی اور دوسرے کی کہ ع

ٹوڈر مل آنکہ ظلمش بگرفتہ بود عالم
چوں رفت سوئے دوزخ خلقے شدند خرم
تاریخ رفتنش را از پیر عقل جستم
خوش گفت پیر دانا " رفت در جہنم "

اسی سال (۹۹۹ ہجری) میں شیخ ابراہیم چشتی " فتحپور " میں اپنی طبعی موت سے مر گیا " اس نے جانِ جہاں کو الوداع کر کے حساب جان آفریں کو دیا " اس کے منجملہ پچیس کروڑ نقد روپیہ " علاوہ ہاتھیوں اور گھوڑوں اور دیگر اجناس کے بادشاہی خزانہ میں داخل ہوا " باقی سب دشمنوں کے نصیب ہوا " جو اس کے بیٹے اور وکیل تھے " اور کیونکہ وہ خِسّت اور بخل سے موسوم اور ملامت کیا ہوا تھا " ع

" ذمیم الاوصاف " و " شیخ لئیم " اس کی تاریخ ہوئی "

۹۹۹ہجری میں " ملّا عرفی شیرازی " مشہور شاعر نے بہ رحمت [illegible]

[illegible]

واپسیں ایں رباعی گفت کہ ؎

عرفی دم نزع است و ہماں مستیٔ تو   آخر بچہ مایہ بار بر بستیٔ تو
فرداست کہ دوست نقد فردوس بکف   جویائے متاع است و تہی دستیٔ تو

و چوں بہ استادان متقدمین و متاخرین۔ خیلے سخنان بے ادبانہ گفتہ
ایں تاریخ یافتہ شد ؏ "گفت عرفی جوانامرگ شدی"۔ و دیگرے "دشمن خدا" صہ ۳۸۱

تاریخ وفات "قاضی علی بغدادی" "دیوان کشمیر" | قاضی علی بغدادی "کہ دشمن اللہ راکہ" منصب دیوانی کشمیر" داشت و حساب
ہائے دور از کار و دقت ہائے نامعقول درمیان آوردہ۔ ہم سپاہی و ہم رعیت
را بجان آزردہ بود۔ گوش و بینی بریدہ و قلم بر بنا گوش نہادہ گردانیدہ مے ؔ و ایں
تاریخ یافتہ شد ؎

چونکہ قاضی علی بغدادی   حسرت یادگار با خود برد
خامۂ منشیٔ قضا بنوشت   سال تاریخ او کہ "موذی مرد" صہ ۳۸۱

راجہ رائے سنگھ کو "ملا صاحب" کا خطاب | چوں "برہان الملک" (بادشاہ احمد نگر دکن) پیش کش خاطر خواہ نفرستادہ بود "بتاریخ
یکم و بست محرم سنہ ۱۰۰۲ ہجری" "شاہزادہ دانیال" را بوکالت "خان خاناں"
و "راے سنگھ" کہ او را "رائے سگ" تواں گفت" و دیگر امرا را
با ہفتاد ہزار رقمی بہ ایں خدمت نامزد ساختہ" صہ ۳۸۹

تاریخ وفات شیخ فیضی | شیخ فیضی در سنہ ۱۰۰۴ ہجری فوت شدہ و ہر آئینہ
در جذب بد بختی و مذمت دین و طعن حضرت ختم المرسلین صلعم ایں ہا ہنوز کم بود۔
و تواریخ گوناگوں مذلت آمیز بسیار یافتند" بیت

فیضی بیدین چو مرد سالش فاتش قبیح   گفت سگے از جہاں رفتہ بحال قبیح

عرفی دم نزع است و ہماں مستیٔ تو   آخر بچہ مایہ بار بر بستیٔ تو
فرداست کہ دوست نقد فردوس بکف   جویائے متاع است و تہی دستیٔ تو

اور کیونکہ استادوں متقدمین و متاخرین کے متعلق بے ادبی کی باتیں
بہت کہتا تھا" اس لئے یہ تاریخ نکالی" ؏
"گفت عرفی جوانامرگ شدی" اور دوسری "دشمن خدا"

قاضی علی بغدادی جو اللہ کا دشمن تھا اور منصب دیوانی کشمیر"
کا رکھتا تھا۔ اور حساب ہائے دور از کار اور دقتیں نامعقول درمیان میں لاکر"
سپاہیوں اور رعیت کو اس نے جان سے بیزار کر دیا" جس کی وجہ سے انہوں
نے اس کے ناک کان کاٹ کر اور قلم کان کے کنارے پر رکھکر اسے پھرایا" اس کی
یہ تاریخ نکالی" ؎

چونکہ قاضی علی بغدادی   حسرت یادگار با خود برد
خامۂ منشیٔ قضا بنوشت   سال تاریخ او کہ "موذی مرد"

(قاضی علی" ملا حسین کے پوتے اور صدر کے عہدے پر مقرر تھے)

کیونکہ "برہان الملک" (بادشاہ احمد نگر دکن) نے خاطر خواہ
پیش کش نہیں بھیجی تھی" اور محرم سنہ ۱۰۰۲ ہجری کو شاہزادہ دانیال کو دکالت
سے خان خاناں اور راے سنگھ کو جسے رائے سگ (کتا) کہہ سکتے ہیں اور
دوسرے امیر ستر ہزار سپاہ با قاعدہ کے ساتھ اس خدمت پہ مقرر کئے گئے"

شیخ فیضی کا سنہ ۱۰۰۴ ہجری میں انتقال ہوا۔ ملا صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ
وہ ہر آئینہ جذب بد بختی میں اور مذمت دین اسلام اور طعن کرنے میں حضرت
ختم المرسلین صلعم پر کم نہیں تھا۔ اس لئے تاریخیں طرح طرح کی مذلت آمیز بہت
سی نکالیں" ؎

نوٹ ملہ میرزا یوسف خاں رضوی" نے اپنے بھتیجے یادگار گل" کو کشمیر میں اپنا نائب چھوڑ کر جو بیسویں شوال سنہ ۹۹۴ھ کو ملازمت میں حاضر ہوا" اکبر" نے "قلیچ خاں
کو لاہور کے انتظام کے لئے چھوڑا۔ اور عین بارش میں وہاں سے کوچ کر کے "راوی ندی" سے اترا۔ پھر لشکر کو بڑے شاہزادے کے ساتھ کر کے خود   شکار کھیلتا ہوا"
چناب ندی" کے کنارے پہنچا۔ وہاں یہ خبر آئی کہ "یادگار گل" "حسین بیگ" "شیخ عمری بدخشی" سے جو کشمیر کا تحصیلدار تھا۔ مقابلہ کر کے غالب آیا"
اس نے قاضی علی بغدادی" کو جو وہاں کی دیوانی کا منصب رکھتا تھا لیکن سارے منافق دماروں کا دشمن تھا۔ اور بڑے بڑے سخت محاسبے پیش کر کے تمام رعایا اور فوج کو
اس نے جان سے تنگ کیا تھا ناک کان کاٹ کر بڑی رسوائی سے قتل کیا" (اردو ترجمہ منتخب التواریخ صہ ۴۸۳ مترجمہ مولوی احتشام الدین مراد آبادی بار دوم)
(مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ در سنہ ۱۸۸۹ء)

(نوٹ) یہ یادگار گل" شیخ گدائی" کے ایک قریبی عزیز "نواب شہباز خاں کنبوہ (بخشی و گورنر و سپہ سالار" کے ہاتھوں قتل کیا گیا")

ودیگر گفتہ ؎

سالِ تاریخ فیضیٔ مُردار — شُد مقرر بہ چار مذہب نار

ودیگرے یافتہ ؎

فیضیٔ نحس دشمن نبوی — رفت با خویش داغ لعنت برد

سگ کسے بود و دوزخی زاں شد — سالِ فوتش چہ سگ پرستی مُرد

وعلیٰ ہٰذا القیاس "قاعدۂ اِلحاد شکست"

واز دیگرے ست "بود فیضی ملحدے" — ایضاً ؎

چوں بہ ناچار رفت شُد ناچار — سالِ تاریخ خالد فی النار

وے فلسفی و شیعی و طبیعی و دہری — (رحلت)

(منتخب التواریخ جلد سوم مطبوعہ کالج پریس کلکتہ ۱۸۶۵ء منتخب التواریخ جلد دوم ...)

فیضیٔ بیدین چو مُرد سالِ فاتش فصیح — گفت سگے از جہان رفتہ بحالِ قبیح

اور دوسری کہی ؎

سالِ تاریخ فیضیٔ مُردار — شُد مقرب بہ چار مذہب نار

اور دوسری نکالی ؎

فیضیٔ نحس دشمن نبوی — رفت با خویش داغ لعنت بُرد

سگ کسے بود و دوزخی زاں شد — سالِ فوتش چہ سگ پرستی مُرد

اور علیٰ ہٰذا القیاس "قاعدۂ اِلحاد شکست"

اور دوسری ہے "بود فیضی ملحدے" — ایضاً

چوں بہ ناچار رفت شُد ناچار — سالِ تاریخ خالد فی النار

وے فلسفی و شیعی و طبیعی و دہری

فیضی کی لاش پر مُلّا صاحب کی بمباری اور اُس پر صاحبِ دربارِ اکبری کا محاکمہ

ص ۳۶۲ :- سنہ ۹۹۰ ہجری میں "آگرہ" "کالپی" "کالنجر" کی تحقیقات معافی کے لئے صدر الصدور کی مسند پر بیٹھے"

ص ۳۶۵ :- دس صفر سنہ ۱۰۰۴ ہجری تھی جو فضل و کمال کے گھر سے نالہ و ماتم کا شور اُٹھا"

ص ۳۶۶ تا ۳۶۷ و ۳۶۸ مرنے کا وقت ایسا نازک ہوتا ہے کہ ہر شخص کا دل پگھل جاتا ہے۔ مگر حق تو یہ ہے کہ ملّا صاحب بڑے بہادر ہیں۔ دیکھو اس کے مرنے کی حالت کو کس طرح بیان کرتے ہیں۔ میں بہ احتیاط ترجمہ کرتا ہوں۔ محاورہ میں فرق رہ جائے تو اہلِ ذوق معاف فرمائیں۔ دس صفر کو ملک الشعراء فیضی اس عالم سے گذر گیا۔ چھ مہینہ تک ایسے مرضوں کی شدت اٹھائی کہ ضد ایک دوسرے کے تھے۔ ضیق النفس۔ استسقا۔ اور ہاتھ پاؤں کا ورم۔ خونی قے سے طول کھینچا۔ مسلمانوں کے جلانے کو کتوں سے کھیلا کرتا رہتا تھا۔ کہتے ہیں کہ جانکندنی کی سختی میں بھی کتے کی آواز نکلتی تھی۔ ایجاد شرائع اور دینِ اسلام کے انکار میں بڑا تعصب رکھتا تھا۔ اس لئے اس وقت بھی دین کے مقدمے میں ایک متقی پرہیزگار صاحبِ علم سے لا یعنی بیہودہ کفر کی باتیں کہتا تھا کہ اس کے عادت میں داخل تھیں (شاید اس سے اپنی ذات بابرکات مراد ہے) پہلے بھی ان باتوں پر اصرار کرتا تھا۔ اُس وقت بھی کہتا رہا یہاں تک کہ اپنے ٹھکانے کو پہنچا۔

تاریخ۔ وے فلسفی و شیعی و طبیعی دہری۔ ایک اور ہوئی۔ قاعدۂ الحاد شکست۔ ۵ اوائل میں تخلص مشہور سے شعر کہے۔ آخر میں چھوٹے بھائی کے خطاب کی مناسبت سے اُس کو علامی کہتے ہیں۔ شان بڑھانے کو فیاضی اختیار کیا۔ مگر مبارک نہ ہوا۔ ایک دو مہینے میں رختِ ہستی باندھکر گھٹڑی کے گٹھڑ حسرت ہمراہ لے گیا۔ سفاہت اور سفہ کا مجموعہ۔ غرور اور کینہ کا مخزن۔ نفاق۔ خباثت۔ ریا۔ حبِّ جاہ و نمود اور شیخی کا مجموعہ تھا۔ اہلِ اسلام کے عناد و عداوت کی وادی میں اور اصل اُصول دین کے طعن میں صحابۂ کرام اور تابعین کی مذمت میں اور اگلے پچھلے متقدمین متاخرین کے باب میں کہ مر گئے اور زندہ ہیں بے اعتبار اور بیہودہ طرح کی بے ادبی کرتا تھا۔ سارے علماء و صلحا و فضلا کے باب میں خفیہ اور ظاہر اور رات دن یہی حال تھا۔ کل یہود و نصاریٰ۔ ہنود اور مجوسی اس سے ہزار درجہ بہتر۔ چہ جائے فلاسفہ اور صابیہ۔ تمام حرام چیزوں کو دینِ محمدی کی ضد سے مباح جانتا تھا اور فرائض کو حرام۔ جو بدنامی سو دریاؤں سے نہ دھوئی جائے گی۔ اس کے دھونے کو تفسیر بے نقط عین حالتِ مستی اور جنابت میں لکھا کرتا تھا۔ کتے ادھر اُدھر پامال کرتے پھرتے تھے۔ یہاں تک کہ اسی انکار اور گھمنڈ کے ساتھ اصلی قرار گاہ کو بھاگ گیا اور ایسی حالت سے گیا کہ خدا دکھائے نہ سنائے۔ جس وقت بادشاہ عیادت کو گئے تو کتے کی آواز سی اُن کے سامنے بھونکا اور یہ بات خود سر دربار بیان فرمائی۔ منہ سوج گیا تھا ہونٹ سیاہ ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ شیخ ابو الفضل سے پوچھا کہ اتنی سیاہی ہونٹوں پر کیسی ہے۔ شیخ نے کہا مسی ملی ہے۔ اُس نے کہا خون کا اثر ہے قے کرتے کرتے سیاہ ہو گئے ہیں۔ بیشک جو ذلت اور طعن حضرت خاتم المرسلین کی شان میں کرتا تھا اُس کے مقابلہ میں یہ باتیں پھر بھی بہت کم تھیں۔ رنگ رنگ کی تاریخیں مذمت آمیز لوگوں نے نکالی ہیں۔ ملّا صاحب یہاں جو تاریخیں موذی الفاظ میں لکھکر پھر اُس کی رُوح کو ایذا دیتے ہیں۔

"ملا صاحب خطوں کی گرفتاری کا حال کس خوبصورتی سے لکھتے ہیں" صحیح کو بخادمت رائے سے فرمایا۔ اس نے منزل کو کوٹ میں پھانسی سے لٹکایا۔ اور "خدائی کا مطلبہ گلے کا پٹہ رہا" کہ قیامت تک لٹکا کرے گا۔

برترقی ہجو خواجہ مظفر علی تربتی وکیل کل

و در سنہ احدی و سبعین و تسعمایۃ (۹۷۱ ہجری) خواجہ مظفر علی تربتی "خطاب خانی یافتہ" وکیل کل شد "ظالم" تاریخ یافتند۔ و درمیان راجہ" و آوے ہر روز مناقشہ" ہر کلی و جزوی بود۔ و ظریفے این بیت را گفت

سگ کاشی بہ از خراسانی　　گرچہ صد بار سگ ز کاشی بہ

چنانچہ تضمین کرد کہ　سگ راجہ بہ از مظفر خان
گرچہ صد بار سگ ز راجہ بہ

سجع مہر راجہ ٹوڈرمل

و عبارۂ سجع مہر "راجہ" را چنین یافتہ کہ

آنکہ شد کار ہند از و مختل　　راجۂ راجہاست ٹوڈرمل (۹۶۶)

میر معز الملک اور اُن کے تمام اہل وطن پر تبصرہ

میر معز الملک "از آنجا کہ بواسطہ" دم از انا و لا غیری" میزد و فرعونیت و شدادیت کہ "ملک موروثی" سادات مشہدی" آمدہ وازیں جا گفتہ اند"

اہل مشہد" بجز امام شما"　　لعنۃ اللہ بر تمام شما

و دیگرے میگوید کہ

رو سیۂ زمین گرچہ ز مردم خوش است　　مشہدی از روسیۂ زمین گم خوش است

گل افشانی بعرائے شریف آملی

و از جملہ سوانح ایں ایام (ذی الحجہ سنۂ ۹۸۲ ہجری) آمدن "شریف آملی" است۔ و دیدن او شاہنشاہ را در منزل "دیالپور" مجمل آنکہ" ایں مردود" مطرود" مانند سگ سوختہ پا" از دیارے بہ دیارے گشتہ" و از مذہبی بہ مذہبی انتقال نمودہ" بفیلے جدل زدہ تا کارش بر الحاد" قرار یافت۔ و چندگاہ بہ روش متصوفہ مبطل بیعقا" در بلخ" بہ خانقاہ "مولانا محمد زاہد" نبیرہ مخدومی اعظم شیخ حسین خوارزمی رح" است آمدہ" با درویشان بسرے برد۔ و چون مناسبت ذاتی بہ درویشی نداشت" دہرزہ گوئی فراخ" و بد شطاحی بے مزہ" بنیاد کردہ، پریشان میگفت" از آنجا اخراج کردند۔ و مولوی بیتے چند" در شان او فرمودہ۔ و از انجملہ است این کہ

ہست یک ملحدے شریف بنام
ناتمامی بطور خویش تمام (۲۲۵و۲۲۶)

ملا صاحب نے "شریف آملی" کے لئے اس کے آگے خود اپنے یہ شعر لکھے ہیں

بسے نہ ز ظاہر نہ ز باطن آگاہ　　انگہ ز جہالت بہ بطالت گمراہ
مستغرق کفرند و حقیقت گویند　　لا حول و لا قوۃ الا باللہ

۹۷۱ ہجری میں خواجہ مظفر علی تربتی "خطاب خانی" پا کر وکیل کل ہوا" ظالم" تاریخ نکالی" راجہ (ٹوڈرمل) اور اس کے درمیان ہر چھوٹے بڑے معاملہ میں جھگڑا رہتا تھا" اور ایک ظریف نے اس بیت کو کہ

سگ کاشی بہ از خراسانی
گرچہ صد بار سگ ز کاشی بہ

اس طرح تضمین کیا کہ　سگ راجہ بہ از مظفر خاں
گرچہ صد بار سگ ز راجہ بہ

اور راجہ کی مہر کا سجع اس طرح نکالا کہ

آنکہ شد کار ہند از و مختل　　راجۂ راجہاست ٹوڈرمل

میر معز الملک جو" دم از انا و لا غیری مارتا تھا" اور کیونکہ فرعونیت و شدادیت "ملک موروثی سادات مشہدی کی ہے۔ اس موقع پر کہا ہے۔ کہ

اہل مشہد بجز امام شما
لعنۃ اللہ بر تمام شما

اور دوسرا کہتا ہے کہ

روئے زمین گرچہ ز مردم خوش است　　مشہدی از روئے زمین گم خوش است

اور جملہ سوانح ان ایام (ذی الحجہ سنہ ۹۸۲ ہجری) سے شریف آملی کا آنا ہے" شہنشاہ کی منزل دیالپور میں اس کو دیکھا" مختصر یہ ہے کہ" یہ مردود" مطرود" پاؤں جلے کتے کی طرح ملکوں ملکوں پھرا" اور ایک مذہب سے دوسرے مذہب میں منتقل ہوتا رہا" بہت سی رد و بدل کے بعد آخر کار اس نے الحاد کو پسند کیا" اور تھوڑے دنوں صوفیوں کی روش سے باطل کنندہ روشنی بلخ میں" مخدوم اعظم شیخ حسین خوارزمی رح کے پوتے کی خانقاہ میں آکر درویشوں کے ساتھ اس نے بسر کی" اور کیونکہ ذاتی شیطنت درویشی سے نہیں رکھتا تھا۔ اور بہت بیہودہ گوئی اور مخالف شریعت پریشان باتیں کرتا تھا۔ اس لئے اسے وہاں سے نکال دیا۔ اور مولوی نے چند بیتیں اس کی شان میں کہیں ہیں۔ جن کے منجملہ یہ ہے کہ　ہست یک ملحدے شریف بنام

ناتمامی بطور خویش تمام

اس کے آگے ملا صاحب نے شریف آملی کے لئے اپنے یہ شعر لکھے ہیں

بسے نہ ز ظاہر نہ ز باطن آگاہ　　انگہ ز جہالت بہ بطالت گمراہ
مستغرق کفرند و حقیقت گویند　　لا حول و لا قوۃ الا باللہ

ہجو شریف سرمدی چوکی نویس

ملا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "وبہ شریف سرمدی" کہ کسے در حق او گفتہ ؎

دو چوکی نویسندہ بر دو کیشت   یکے ناقص و دگر تا شریف صفحہ ۳۳

شیخ محمد غوث گوالیاری سے ملا صاحب کے نہ ملنے کی وجہ

و در ماشے کہ "جامع ایں منتخب (ملا صاحب) در آگرہ" بہ تحصیل علم رسمی اشتغال داشت و شیخ (محمد غوث گوالیاری) باکر و فر تمام "و جاہے مالا کلام" در لباس فقر آمدہ و غلغلہ او زمین و زماں راگرفتہ "خواست کہ رفتہ ملازمت نماید"

اما چوں شنید کہ "بہ تعظیم ہندوان" قیام میکند۔ دل ازاں ہوس برخاست و محروم ماند" (صفحہ ۶۳ و ۶۴)

شیخ محمد غوث کی صحت و تندرستی سے ملا صاحب کی پریشانی

اما روزے در بازار آگرہ "دید کہ سوار میے آید۔ و خلقے انبوہ۔ پیش و پس آورا گرفتہ۔ و از برائے رد سلام خلایق و تواضع ایشاں۔ ہر طرف زمان زمان خم یشد۔ و فرصت راست نشستن در خانہ زین نداشت" و با وجود" ہشتاد سالگی" طراوتے عجیب" و سیمائے غریب" در بشرہ" او ظاہر بود" صفحہ ۴

ملا صاحب کے تعصب پر شاہنشاہ اکبر کی تنقید خود ملا صاحب کے قلم سے

و نہم ماہ رجب ایں سال (۱۰۰۳ھ) بہ تحویل نوروزی واقع شد۔ و مجلس آئین بندی بہ دستور و سنوات سابق گذشت" و پیش از تحویل بہ دو روز در" دیوان خانہ عام و خاص۔ از بالائے جھروکہ" بہ فقیر" (ملا صاحب) را پیش طلبیدند۔ و خطاب بہ شیخ (ابوالفضل) فرمودند کہ "ما فلانے راکہ عبارت از فقیر" (ملا صاحب) باشد۔ جوانے فانی صوفی مشرب" خیال میکردیم"

اما او خود" چناں فقیہ متعصب ظاہر شد" کہ ہیچ شمشیرے رگ گردن تعصب او را نتواند برید" شیخ ابوالفضل" پرسید کہ صاحب درکدام کتاب نوشتہ کہ حضرت" ایں چنیں فرمایند" فرمودند کہ "دریں رزم نامہ کہ عبارت از" مہابھارت" باشد۔ و دوش بریں معنی" نقیب خاں بطور گواہ گرفتہ ام" شیخ بعرض رسانید" کہ تقصیر کردہ است"

بضرورت پیش رفتہ معروض داشتم کہ بندہ مترجم پیش نیستم۔ ہر چہ دانایانِ ہندی" تعبیر کردہ اند۔ بے تفاوت ترجمہ نمودہ ام و اگر از خود نوشتہ باشم تقصیر من خواہد بود" و بدکردہ باشم" شیخ" ہمیں مدعا عرض کردہ" تا خوش ماندند" (صفحہ ۳۹۹ منتخب التواریخ جلد دوم مطبوعہ کالج پریس کلکتہ)

ملا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "شریف سرمدی" کہ کسی نے اس کے بارے میں کہا ہے ؎

دو چوکی نویسندہ بر دو کیشت   یکے ناقص و دگر تا شریف

اُس زمانہ میں جبکہ اس منتخب کا جمع کرنے والا (ملا صاحب) آگرہ میں تحصیل علم میں مشغول تھا" شیخ (محمد غوث گوالیاری) باکر و فر تمام اور جاہ بے مالا کلام فقیری کے لباس میں آیا" اور شہرت اُس کی زمین و زمان میں ہوئی" میں نے چاہا کہ جا کر اُس سے ملوں"

لیکن جب سنا کہ ہندوؤں کی تعظیم کے لئے وہ کھڑا ہو جاتا ہے" اُس کے ملنے کی خواہش دل سے نکال دی اور نہیں ملا"

لیکن ایک دن آگرہ کے بازار میں، دیکھا کہ سوار آرہا ہے" اور بہت ہجوم خلایق اُس کے آگے پیچھے ہے" اور لوگوں کے سلام و تواضع کے لئے بار بار ہر طرف جھکتا تھا اور فرصت خانہ زین پر آسے بیٹھنے کی نہیں تھی"

اور باوجود اسّی سالگی عمر ہونے کے" عجیب طراوت اور رونق اُس کے چہرے سے ظاہر تھی" (منتخب التواریخ جلد دوم)

اِس سال (۱۰۰۳ھ) کی نویں ماہ رجب کو تحویل نوروزی واقع ہوئی۔ اور مجلس آئین بندی کی پہلے سالوں کے مطابق ہوئی" اور تحویل سے دو دن پہلے دیوان خانۂ عام و خاص کے جھروکے کے اوپر سے" فقیر (ملا صاحب) کو سامنے بلایا اور شیخ (ابوالفضل) کی طرف خطاب فرمایا کہ ہم نے فلاں کو جس سے فقیر مراد تھا" جوان فانی صوفی مشرب خیال کیا تھا" لیکن وہ تو ایسا متعصب فقیہ ظاہر ہوا کہ کوئی تلوار اُس کے تعصب کی گردن کی رگ کو نہیں کاٹ سکتی"

شیخ ابوالفضل نے پوچھا کہ حضور کس کتاب میں لکھا ہے۔ جو حضرت والا نے ایسا فرمایا ہے"

فرمایا کہ اسی رزم نامہ میں جس سے مہابھارت مراد تھی" اور اس بات پر نقیب خاں کو میں نے گواہ کیا ہے" شیخ نے عرض کیا کہ قصور کیا ہے"

ضرورت تھی اس لئے آگے بڑھ کر میں نے عرض کیا کہ میں پہلا مترجم بناں ہوں" جو کچھ ہند کے عاقلوں نے تعبیر کی ہے۔ بلا کسی رد و بدل کے ترجمہ کر دیا ہے" اگر میں نے اپنی طبیعت سے کچھ لکھا ہوتا تو بیشک میری خطا تھی۔ اور بُرا کیا ہے"

شیخ نے یہی بات عرض کر دی مگر ناخوش ہی رہے"

شیخ ابوالفضل وغیرہ کے نسب کے متعلق ملا صاحب کا بیان

کیونکہ" شیخ ابوالفضل" کی موت" ملا صاحب کے سامنے واقع نہیں ہوئی۔ اس لئے وہ اُن کی تاریخ وفات لکھنے سے تو محروم رہ گئے" مگر جو سرٹیفکیٹ" ملا صاحب نے" ابوالفضل" کو دیا ہے۔ وہ "منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۳۰۶ پر انہوں نے

سے زیادہ اُن کی کوئی وقعت نہیں ہے۔"

جب ۹۶۸ھ ہجری میں "شیخ گدائی" منصب صدارت سے سبکدوش ہوئے۔ تو ملّا صاحب کی عمر بیس اکیس سال کی تھی۔ اُس وقت وہ طالب علم تھے" اِس سے ظاہر ہے کہ "ملّا صاحب" کو "شیخ گدائی" سے خود کوئی واسطہ نہیں پڑا۔"

دربار اکبری کے صفحہ ۳۳۵ پر درج ہے کہ "شیخ مبارک" نے اپنے بیٹے "فیضی" کے ملازمت شاہی میں داخل ہونے سے پہلے اُسے اپنے ہمراہ لے جاکر "شیخ عبدالنبی" صدر کی خدمت میں سو بیگہ زمین مدد معاش کے لئے درخواست پیش کی تھی۔ اور "جناب صدر" نے ان کا کوئی استحقاق نہ ہونے کی وجہ سے اِس درخواست کو نامنظور فرمایا تھا" اگر "شیخ مبارک" کی طرح "ملّا صاحب" کے والد بزرگوار نے بھی اپنے صاحبزادے کے ساتھ حاضر ہو کر "شیخ گدائی" کی خدمت میں مدد معاش کے لئے کوئی درخواست گذرانی ہو۔ اور اُس کی نامنظوری کی وجہ سے "ملّا صاحب" کے دل میں "شیخ گدائی" کی طرف سے جلن پیدا ہو گئی ہو تو اس سے ہم واقف نہیں ہیں" یا "ملّا صاحب" "شیخ گدائی" کی خانہ نشینی کے زمانے میں" اُن کی مجلس میں حاضر ہوئے ہوں۔ اور آداب محفل کے خلاف کسی حرکت پر وہاں سے نکلوا دیئے گئے ہوں۔ اور اس سبب سے اُن کے دل میں "شیخ گدائی" کی طرف سے ناسور پڑ گیا ہو" تو اس کا بھی ہمیں علم نہیں ہے۔"

اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی بھی واقع نہیں ہوئی۔ اور "شیخ گدائی" سے "ملّا صاحب" کو کسی طرح کا کوئی واسطہ نہیں پڑا" تو یہ بدیہی امر ہے کہ "انہوں نے جو خامہ فرسائی کی ہے۔ اُس سے اُن کی غرض بادشاہ کی خوشامد میں وہ ٹیکا مٹانے کی کوشش کے سوا کچھ نہیں ہے" جو "بیرام خاں" اور اُس کے اعزا نیز دوستوں کی جن میں "شیخ گدائی" کا نمبر اول ہے" خدمات کی قدر نہ کرنے اور اُن کے حاسدوں کے ہاتھوں کٹھ پتلی ہو جانے کا۔ ابد الآباد تک کے لئے بادشاہ کی پیشانی پر لگ گیا ہے" "ملّا صاحب" نے "حبّ جاہ کی وجہ سے" بادشاہ کے دل میں جگہ پیدا کرنے کے لئے خوشامد کو اپنا شعار بنا کر" بادشاہ کی خاطر جس طرح علمائے دین کی توہین کی اور اُن کی پگڑیاں اُچھالی ہیں" اور پھر بادشاہ کی نظروں سے گر کر یا راندۂ درگاہ ہو کر" بزرگوں یا صاحب عزت و جاہ و مرتبت لوگوں سے جس جس انداز میں اپنے حسد کے مظاہرے کئے ہیں۔ اور یہ کہ دینداری اُن کی فقط بہانہ تھا" اس کی مثالیں اُن ہی کی کتاب سے لے کر ہم اوپر دکھا چکے ہیں" مکرر اُنہیں بیان کرنا ضروری نہیں ہے۔"

(۳) مؤلف صاحب امروہوی کے اِن الفاظ پر کہ "ملّا صاحب" کے اِس بیان پر کہ "شیخ گدائی" نے خاندانہائے قدیم سے ان کی مدد معاش اور روزینہ کو واپس لے لیا تھا" جو کوئی اُن کے دربار کی ذلت اٹھاتا تھا اُس کو وہ "سیورغال یا مدد معاش دیتے تھے" ولایت کے اعیان و اشراف جو آتے تھے وہ بھی اُن کی حکومت اور غرور سے متردد رہتے تھے" تردید خود ملّا صاحب کے اِس فقرے سے جسے انہوں نے اِسی سلسلہ میں لکھا ہے کہ "آج تو پانچ بیگہ بلکہ اس سے بھی کم جاگیر نہیں ملتی" اِس حساب سے تو "شیخ گدائی" کو "حاتم بخش" کہہ سکتے ہیں" بخوبی ہو رہی ہے"

"وقفی املاک و انعامات اور مدد معاش کی حالت" اور "متولیوں کی دیانت سے آج بھی کون ہے جو واقف نہیں ہے" "صدارت کا عہدہ نہایت ارفع و اعلیٰ تھا" تمام قلمرو ہندوستان کے اوقاف کا اُس سے تعلق" اور کل علما و مشائخ و "قبیل" کا اُس سے واسطہ تھا" جو سب فرشتے نہ تھے" اکبر کے وقت میں بھی یہی زمین و آسمان۔ اور یہی حضرت انسان تھے" ہر طرح کی بدمعاشیاں اور بدعنوانیاں ظہور میں آتی تھیں" ہر قسم کے مقدمات پیش ہو کر لوگ سزا پاتے تھے" قصور واروں "جابروں" "ستمگروں" اور غاصبوں کی جاگیریں" آج کی طرح ضبط بھی ہوتی تھیں"

جس طرح "شیخ مبارک" کو سو بیگہ زمین مدد معاش کے لئے درخواست لے کر "شیخ عبدالنبی صدر" کے دربار میں حاضر ہونا پڑا تھا" اِسی طرح "شیخ گدائی" کے دربار میں بھی لوگوں کو حاضر ہونا پڑتا تھا" آج بھی تمام مملکتوں میں یہی قاعدہ ہے کہ "حاجتمند کچہری دربار میں جا کر اپنی عرضیاں پیش کرتے ہیں" اگر درخواستیں ڈاک کے ذریعہ سے بھیجی جاتی ہیں تب بھی درخواست کنندہ کو تاریخ مقررہ پر بلایا جاتا اور بعد استفسار حالات کے اُن کی درخواستوں پر جیسے حالات ہوں اُن کے مطابق "موافق یا مخالف فیصلہ کر دیا جاتا ہے" "ملّا صاحب" اپنے قصائص میں ولایت کے اعیان و اشراف کے بارے میں "شیخ گدائی" سے کیا اس لئے خفا ہیں کہ "انہوں نے اِن حضرات کے نازل ہوتے ہی" اُن کے گھروں پر از خود پہنچ کر کیوں انہیں وسیع اور زرخیز جاگیریں نہیں پیش کیں" اگر وہ مستحق تھے اور انہوں نے "شیخ گدائی" کے دربار میں عرضیاں گذران کر اپنے

استحقاق ثابت کر دیئے تھے تو انہیں مسترد ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی ۔ ملا صاحب کی تحریر خود یہ بات ظاہر کر رہی ہے کہ "شیخ گدائی" کی بیدار مغزی اور بے لوثی کی وجہ سے ایسے ہی لوگ مسترد رہتے تھے جو بلا کسی حق کے جاگیریں حاصل کرنا چاہتے تھے " کیونکہ اگر "شیخ گدائی" حقداروں کو جاگیریں دینے میں فیاض نہ ہوتے تو اپنے زمانہ پر اُن کے زمانہ کو ترجیح دیتا نہیں "عالم بخش" کبھی نہ لکھتے "ملا صاحب نے جیسا کہ ہم بیرام خاں کے حالات میں دیکھ آئے ہیں۔ کہ بیرام خاں کے عہد میں جو بہترین عہد تھا ہندوستان دُلہن بنا ہوا تھا " اور بلا مشورے "شیخ گدائی" کے بیرام خاں کوئی کام نہیں کیا کرتے تھے، اس سے بھی "شیخ گدائی" کی ایسی انتظامی قابلیت ظاہر ہو گئی ہے جس پر اب کچھ اور لکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی ہے ۔

(۴) ملا صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ "ہمایوں" کی شکست دوم کے بعد "شیخ گدائی پسر شیخ جمالی کنبوی" شاعر دہلوی " نے خان خاناں کے ساتھ " اور گجرات میں رفاقت کی تھی ۔ اس لئے بیرام خاں خان خاناں " نے تمام اکابر ہندوستان و خراسان سے بڑھا کر ان کو " منصب رفیع القدر صدارت " دیدیا تھا "

خان خاناں " بلکہ " شاہنشاہ اکبر " بھی بعض اوقات اُن کے گھر حال و قال کی مجلسوں میں " جن میں " سراسر تکلف " اور ظاہرداری برتی تھی " جاتے تھے "

شیخ گدائی کے اس اقتدار و اثر اور عزت و مرتبہ سے " جس کے نسب کو بھی لوگ اچھا نہ سمجھتے تھے سب اکابر گھبرا گئے " اور گھر گھر کہرام مچ گیا اور زور و شور سے ماتم کیا جانے لگا " بڑوں کی موت نے مجھے بڑھاپا کا بھید اب سمجھ میں آگیا ۔ بہت سے تو یہ کہکر اپنے دل کو بہلا لیتے تھے کہ " اگر خاقانی در تر جگہ بیٹھ جائے تو نہ اس کی بے عزتی ہے نہ تیری عزت ہے " تم دیکھتے نہیں " کہ " سورۂ اخلاص " " تبت یدا " کے نیچے ہے "

اور میر سید نعمت رسول نے ایک قطعہ اُن کی ہجو میں لکھا تھا ۔ اس میں کا ایک شعر یہ ہے کہ " گدائی کا نام مت لو اور گدائی کی دی ہوئی روٹی مت کھاؤ " کیونکہ گدائی اس گدائی کے ہاتھ سے سیاہ یا خراب ہو گئی ہے " (شیخ گدائی کا نام " شیخ عبد الصمد اور تخلص گدائی تھا ") اور جسے ان کی مسجد و دیوان خانہ پر بھی لکھوا دیا تھا " اسے دیکھ کر بھی " شیخ گدائی " نے کوئی پرواہ نہیں کی ۔ اسے انہوں نے پڑھا اور مٹا دیا " غرضکہ اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا "

بلا کسی استحقاق کے جاگیر چاہنے والوں نے " شیخ گدائی " کے دربار سے اپنی درخواستوں کے مسترد ہو جانے پر اور اُن کے اقتدار کے حاسدوں نے اپنے حسد کی آگ میں جل کر " اور ملا صاحب نے اپنی طینت سے مجبور ہو کر جو ہائے اور واویلا مچائی " ماتم کیا ۔ اور " شیخ گدائی " کو پانی پی پی کر کوسا ہے " اور اپنی دلی کاوش اور سوزش کو اُن کی عالی نسبی اور والا حسبی پر خاک اڑا نے نیز ہجو لکھنے سے مٹانا اور بجھانا چاہا ہے " اس کے جواب میں ہم صرف اسی قدر کہنا کافی سمجھتے ہیں کہ " ملا صاحب نے علماء مشائخ اور دیگر ارباب ہمم پر جس جس طرح کے انگارے اُگلے ہیں " اور اُن کی وفات کی جیسی تاریخیں نکالی ہیں " اور اس طرح اپنی دنائت و نجاست طبع کا ثبوت خود پیش کر دیا ہے " انہیں ایک بار اور دیکھ لیا جائے " ایسے دنی الطبع لوگوں اور حاسدوں سے کوئی زمانہ خالی نہیں رہا " آج بھی اسی قبیل کے مظاہرے ہوتے رہتے ہیں " جنہیں روزمرہ ہم سنتے اور اخباروں میں پڑھتے رہتے ہیں " جس سے لوگ خفا ہوتے " یا جس کسی کو عوام کی نظروں سے گرانا چاہتے ہیں ۔ تو اُس کے لئے کیا کچھ نہیں کہتے اور لکھتے رہتے ہیں یہ ہو بہو پنپل بورڈ کے دو مقابل امیدوار ممبری کے ایک دوسرے پر سب و شتم سے کونسا شہری ہے جو واقف نہیں ہے "

شیخ گدائی کے نسب کا طعن بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ " شیخ مبارک پدر ابو الفضل " کو حاسدوں نے بے اصل مطعون کر دیا تھا "

اور جس طرح منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۱۳۰ پر ملا صاحب نے " ابو الفضل " کو " اولاد الزنا " تحریر فرمایا ہے " اگر " شیخ گدائی " کے نسب میں واقعی کوئی کھوٹ ہوتا تو یہ مقدس ملا یعنی " محتاط " ناقد " محقق " اور " صادق مورخ " اتنا ہی کہہ کر چپ نہ ہو جاتا کہ " شیخ کی معراج ہے جس کے نسب کو بھی لوگ اچھا نہ سمجھتے تھے سب اکابر گھبرا گئے) بلکہ اسے کھول کر بیان کرتا اور خوب کھل کر کہتا " مگر کیونکہ وہ شیخ گدائی کے نسب میں کوئی خامی ثابت نہیں کر سکتا تھا " اس لئے اُسے اپنے دل کو مسوس کر رہ جانا پڑا "

شیخ گدائی کے متعلق ملا صاحب کے استشہاد پر صاحب دربار اکبری کی رائے

شمس العلماء مولانا آزاد دہلوی " نے دربار اکبری کے صفحہ ۱۲۳ پر تحریر فرمایا ہے کہ " مجھے اب تک یہ بھید نہیں کھلا کہ " شیخ گدائی "

کی ذات با صفات میں کیا داغ تھا؟ازاد حیران تھا کہ "شیخ گدائی" اور ان کے بزرگوں کی اب تک کوئی برائی نظر نہیں آتی۔ کیا سبب ہے کہ اکثر اہل تاریخ انہیں سب بک الفاظ سے یاد کرتے ہیں "اور ملا صاحب کا تو کہنا ہی کیا" "نظم" "نثر" "لطیفہ" "تاریخ کے تیروں سے "خاک کا تودہ بنادیا ہے "آخر سے یہ عقدہ کھلا کہ ان کے خاندان کا مذہب بھی شیعہ تھا "الٰہی تیری امان" "الٰہی تیری امان"

صاحب دربار اکبری کی رائے "شیخ گدائی اور ان کے بزرگوں کے مسلک پر چند مرید و شاگرد

(۱) شیخ گدائی "کے نانا حضرت مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہ العزیز" (پیدائش ۸۰۰ ہجری وفات ۹۰۱ھ) اپنے زمانے کے اولیاء اللہ اور بڑے پایہ کے مشائخ طریقت سلسلۂ سہروردیہ کے تھے "جن کے چند مرید و خلیفہ "یہ ہیں" ان کے صاحبزادے کلاں

(الف) حضرت شیخ عبداللہ بیابانی "قدس سرہ۔ آپ مشہور اولیاء اللہ تھے "جس طرح شیخ یوسف سجادہ نشین درگاہ و از اولاد حضرت مخدوم بہاؤ الدین ذکریا سہروردی ملتانی قدس سرہ کے صاحبزادے شیخ عبداللہ "سے سلطان بہلول لودی نے اپنی صاحبزادی کی شادی کی تھی اسی طرح سلطان سکندر لودی نے جنہیں نسب کے معاملہ میں بڑا غلو تھا انہوں نے آپ کی نوجوانی میں اپنی بھتیجی کی آپ سے شادی کردی تھی" عبادت میں ہارج سمجھکر آپ نے چھ ماہ بعد اسے طلاق دیدی۔ اور بعدہٗ مالوہ کے جنگل میں رہ کر تمام عمر عبادت و ریاضت میں بسر کردی۔ سلطان غیاث الدین خلجی بادشاہ مالوہ کو بھی آپ سے بے انتہا ارادت و عقیدت تھی" اور

(ب) صاحبزادے خورد شیخ نصیر الدین قدس سرہ آپ سلطان سکندر لودی کی سلطنت کے شیخ الاسلام تھے "آپ نے اپنے والد بزرگوار حضرت مخدوم صاحب قدس سرہ سے فیض حاصل فرمایا تھا" (شجرۂ سہروردی) اور

(ج) حضرت مخدوم صاحب کے ابن عم و داماد کلاں مخدوم شیخ جمالی "قدس سرہ پدر بزرگوار "شیخ گدائی رح" اور

(د) شیخ چندن قریشی رح ابوالفضل کے نانا۔ (بحر زخار)۔ اور

(س) شیخ زین العابدین عرف شیخ اودہن رح شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے نانا۔ (اخبار الاخیار) اور

(ط) مولانا شیخ عجائب سنبھلی متخلص بہ بلائی جو ملا عبدالقادر بدایونی "صاحب منتخب التواریخ کے استاد شیخ حاتم "مفتی سنبھل کے چچا تھے" (بحر زخار و مرکۂ اقلیم تاریخ سنبھل)

(۲) شیخ نصیر الدین قدس سرہ کے شاگرد حضرت شیخ عبدالستار پسر عبدالکریم بن خواجہ سالار سہارنپوری بھی تھے۔ جن کے متعلق "بحر زخار" میں ہے کہ "معارف کا آلات آں زبدہ ارباب ولایت و عرفان برتر از اندازہ شرح و بیان است"

(۳) میاں شیخ فتح اللہ پسر کلاں شیخ نصیر الدین قدس سرہ "بڑے ماموں شیخ گدائی کے مفتی شہر دہلی تھے"

(۴) شیخ عبدالغفور المعروف بہ میاں لادن رح پسر دوم شیخ نصیر الدین قدس سرہ "آپ سلطان سکندر لودی کے مشیر مذہبی تھے" بقیہ

(الف) ملہ شمس العلماء مولانا آزاد کے بیان میں یہ بات صحیح نہیں ہے کہ "شیخ گدائی" کے خاندان کا مذہب شیعہ تھا" ماثر الامراء سے جس سے یہ بیان "مولانا آزاد نے لیا ہے" محض اس وجہ کہ میں آکر "شیخ گدائی" کو شیعہ لکھ دیا ہے کہ "بیرام خاں" شیعی مذہب کے پیرو تھے "شیخ گدائی" اور ان میں بے حد اتحاد تھا "بیرام خاں" ان کے اثر میں اس قدر تھے کہ بلا استصواب "شیخ گدائی کے کوئی کام نہیں کرتے تھے" اکبرنامہ جلد دوم کے صفحہ ۹۰ و ۶۶ پر ہے کہ "

الا شیخ گدائی "کہ بصدارت امتیاز داشت" وکیل معنوی بود "جمیع مہمات ملکی و مالی" بے استصواب او نمی کرد" — لیکن شیخ گدائی جو صدارت کے عہدہ پر امتیاز رکھتے تھے "اصلی وکیل وہی تھے۔ سارے ملکی و مالی کام اُن سے پوچھے بغیر نہیں کئے جاتے تھے"

اسی اتحاد اور اثر کی وجہ سے "صاحب ماثر الامراء نے قیاس کر لیا کہ "شیخ گدائی" شیعہ تھے۔ اور یہ قطعاً غلط ہے" بلکہ اُن کا سارا خاندان "حنفی مذہب اور صوفی مشرب تھا"

(الف) سید علاؤ الدین مجذوب المشہور بہ علاول بلاول المتوفی ۹۵۳ھ ہجری در آگرہ کے استاد تھے"۔ ان سید علاول بلاول صاحب کا دہلی... شیخ لادن کنبوہ مفتی عصر کے مدرسہ میں تفسیر کا سبق لیا تھا"۔ یہی سید علاول بلاول مجذوب ہیں جن کے ارادتمندوں میں داخل ہو کر شیخ ابن رح نے استفادہ حاصل کیا تھا۔ اور جن کی ہدایت کے مطابق شیخ ابن رح آگرہ سے امروہہ گئے۔ (در مقصود مطبوعہ امروہہ)

(ب) ملا عبد القادر بدایونی کے استاد میاں شیخ عبد اللہ بدایونی نے بھی نعمتِ علم میاں لادن دہلوی سے حاصل کی تھی۔
(منتخب التواریخ جلد سوم) صفحہ ۵۴ تا ۹۵) حالات شیخ عبد اللہ)

(۵) شیخ گدائی رح کے تیسرے ماموں میاں ظفر خاں اور چوتھے ماموں شیخ ابراہیم نے اپنے جد بزرگوار حضرت مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہٗ سے خرقۂ خلافت پایا تھا"۔ سیادت مآب معز الدین" و شیخ محمود" و رسولدار" و تقوی شعار صلاح آثار شیخ احمد پدر شیخ دہر شیخ عبد النبی" و شیخ حاتم سنبھلی" استاد ملا عبد القادر بدایونی" میاں ظفر خاں کے شاگرد تھے" اور پانچویں ماموں شیخ عبد العزیز المشتہر بہ میاں دولت خاں اور چھٹے ماموں شیخ بدھ جمال الدین المشتہر بہ میاں جمال خاں جو سلیم شاہ سوری کے زمانہ سے اکبر کے زمانہ تک مفتیِ دہلی تھے۔ ان دونوں نے اپنے والد بزرگوار حضرت شیخ ظہیر الدین قدس سرہٗ سے خرقۂ خلافت پایا تھا۔ (شجرۂ سہروردیہ قلمی۔ در کتب خانہ ریاست رامپور)

سید محمد میر عدل امروہوی جو اپنے خاندان میں منصب امارت پر پہنچنے والے پہلے شخص ہیں اور جن کا درجہ نوی صدی تھا۔ شیخ حاتم سنبھلی کے شاگرد تھے۔

(۶) شیخ گدائی رح نے اپنے والد بزرگوار حضرت مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا۔ اور اپنے منجھلے ماموں میاں لادن سے بھی کچھ فیض پایا تھا اور آپ نے شیخ سلیمان شروانی قدس سرہٗ کے والد بزرگوار شیخ بایزید قدس سرہٗ ابن شیخ راجو قدس سرہٗ و لد شیخ محمد زماں کو تربیت و تلقین کر کے درجۂ کمال کو پہنچایا تھا"۔ شیخ راجو مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ کے مرید و خلیفہ تھے"۔ (تاریخ خانجہانی مخزن افغانی)

منتخب التواریخ جلد سوم کے صفحہ ۲۰ پر تحریر ہے کہ۔

شیخ گدائی در مزارات مشائخ دہلی قدس اللہ ارواحہم در ایام عرس حاضر میشد و مجالس عالی با حشمت و کر و فر ترتیب میداد"	شیخ گدائی مزارات مشائخ دہلی قدس اللہ ارواحہم پر عرس کے دنوں میں حاضر ہوتے اور مجالس عالی کو حشمت اور کر و فر سے ترتیب دیتے تھے"

(۷) شیخ گدائی کے نانا حضرت مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہٗ العزیز کے برادر حقیقی حضرت مخدوم شیخ اسحٰق قدس سرہٗ العزیز بھی بہت بڑے اولیاء اللہ تھے سلطان بہلول لودی کو آپ سے بے انتہا ارادت و عقیدت تھی۔ اور آپ کے صاحبزادے شیخ یحییٰ عبد السلام المعروف شیخ اچھن رحمۃ اللہ علیہ، دلی مادر زاد اور اولیائے دہلی کے قطب ماد تھے۔ ارشاد و ہدایت اور یادِ الٰہی آپ کا مشغلہ تھا"۔

غرضکہ شروع سے شیخ گدائی کے خاندان میں اور بھائی بھتیجوں بیٹوں پوتوں میں سے بھی کوئی شیعہ مسلک کا پیرو نہ تھا"۔ اس خاندان میں سب سے پہلے محمد معظم الدین خاں المخاطب بہ عماد الملک شاہ عالم بادشاہ کی ترغیب سے شیعہ ہوئے"۔ یہ محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کے اخیر زمانہ میں شاہزادہ محمد معظم (بعد شاہ عالم بہادر شاہ بادشاہ) کے پاس لاہور کے قاضی (جج) مقرر ہوئے"۔ جب شاہ عالم بہادر شاہ شہنشاہ ہوئے۔ تو صوبہ ملتان اور بعد میں صوبہ لاہور آپ کی جاگیر ہوئی"۔ پنجہزاری ذات و پنجہزاری سوار کا منصب پایا۔ اور عماد الملک کا خطاب ہوا"۔
(المشاہیر و شمس التواریخ)

پھر اس خاندان کے چند اشخاص شاہانِ اودھ کے وسطی زمانہ میں شیعہ ہو گئے تھے۔ جن کی اولاد میں سے بعض نے پھر حنفی مذہب اختیار کر لیا"۔ معدودے چند گھرانوں کے سوا شروع سے آج تک یہ خاندان سنی مسلک کا ہی پیرو چلا آ رہا ہے"۔

٭ ٭

صاحب منتخب ہی کے بیان سے شیخ گدائیؒ کی عالی نسبی کا ثبوت

"حجاج بن یوسف" خلیفہ عبدالملک اموی اور اس کے بیٹے ولید کے گورنر نے "حضرت زبیرؓ ہی کے نسب کو بٹا لگا دیا تھا" جس کی تفصیل ہم نے کسی دوسری جگہ لکھی ہے۔ یہاں شیخ گدائی رح کے نسب پر "ملا صاحب بدایونی" نے خاک اڑانے کی کوشش کی ہے" جس کی وجہ سے "دروغ گو را حافظہ نہ باشد" کی مثل مؤلف امروہوی کے ان ناقد" محقق" محتاط" اور معاند گو مورخ پر بالکل صادق آ گئی ہے" اس لئے اب ہم ملائے موصوف ہی کے بیان سے "شیخ گدائی رح کی اعلیٰ نسبی کو دکھاتے ہیں جسے انہوں نے اپنی منتخب التواریخ جلد دوم کے ص ۳۴۵ پر اس طرح اپنے قلم سے تحریر کیا ہے"

شیخ محمد دہلوی" در علوئے حسب ونسب" وفضائل کتسبی وموروثی یگانۂ زمانہ بود" بعد از آشنائی غریبانہ چندیں سالہ" فقیر را با دہلی کہ لشکر منصور" بعزم تسخیر" قلعہ چتوڑ" متوجہ بود۔ اتفاقاً در نواحی قصبۂ باری" صحبت افتاد۔ و بنا بر تنگی وقت آں مجالست ومکالمت با چنداں شوق بیک ساعت نکشیدہ" ایشاں بہ آں جانب ومن بدیں جانب افتادم۔ و در اول وہلہ احوال خجستہ او" مجملاً معلوم گشت"

اگرچہ نسبت ایشاں بود۔ ذکرش در ذیل شعرا لطافتے نداشت" اما چوں گاہے بنظم مے پرداخت۔ ایں مطلع او بیادگار ثبت افتادہ شد

اگر بروز غمت صبر اختیار کنم   چو اختیار نماند بگو چہ کار کنم

شیخ محمد دہلوی علوئے حسب ونسب" اور فضائل کتسبی وموروثی میں یگانۂ زمانہ تھے" بعد آشنائی غریبانہ چند سالہ کے جس سال شاہی لشکر "تسخیر چتوڑ" کے واسطے جا رہا تھا۔ اتفاقاً قصبۂ باری" کے نواح میں میری ان سے ملاقات ہو گئی۔ وقت بہت تنگ تھا ایک ساعت بھی یکجائی اور ہم کلامی کا موقع نہ ملا۔ وہ اس طرف اور میں اس جانب چلے گئے۔ اور اول وہلہ میں ان کے خجستہ احوال مجملاً معلوم ہو گئے"

اگرچہ بنظر عظم وشان وجامعیت فضائل شعرا کی ذیل میں ان کا ذکر کرنا موزوں نہ تھا۔ الا کبھی کبھی نظم فرماتے تھے۔ لہذا یہ مطلع ان کا بطور یادگار رکھا

اگر بروز غمت صبر اختیار کنم   چو اختیار نماند بگو چہ کار کنم

اور منتخب التواریخ جلد سوم کے ص ۱۹۹ و ۲۰۰ پر ملا نورالدین محمد ترخان کے حال میں" متذکرۂ بالا" شیخ محمد" کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ"

او" اکابر حضرت دہلی را" بہ تقریب ناخوشی کہ با تاتار خاںؒ داشت ہجو کردہ۔ بنام قاسم کاہی بستہ وشہرت دادہ بود۔ دریں زمین کہ

مفتی دہلی ست میاں خان جہاں
حاکم شہرست ز تاتار خاں
شیخ حسن چک دہ نہ تبز ہری
وقت صلوٰت طلسا لسانہ
شہرکش و شہرکش شہرکش

و مطلع آں منتخب الزایں است" مطلع

آہ از دہلی و مزار انہ

وایں ہجو قریب دویست وپنجاہ بیت باشد" ویکے از فضلائے آں شہر کہ نام شیخ محمد کنبوہ" بود جواب تمام آنرا بیک بیت ادا کردہ کہ" قطعہ

نورالدین زادہ پدر او از ایں ، زادہ چیتی لادہ ز لادانہ ،

ملا نورالدین محمد ترخان" نوری تخلص کو" تاتار خاں" حاکم دہلی کے ساتھ ناخوشی تھی" ملا نے اس کی ہجو میں قصیدہ لکھ کر قاسم کاہی کے نام سے اسے شہرت دی تھی۔ اس زمین میں کہ

مفت نہ دادہ است فتادانہ
خادم او چہرہ حمارانہ
چک چک بسیار و جکا جانہ
مفرق بہ آمد بہ منارانہ
لکلک بسیار لکا لانہ

اور مطلع اس مجمع عیوب وخرافات گو اور مجہول النسب کا یہ ہے

دہ زخصمہ ابلی حمارانہ

اور یہ ہجو قریب دو سو پچاس بیت کی ہے" شیخ محمد کنبوہ" نے جو فضلائے دہلی سے تھے اس تمام کا جواب ایک بیت میں ادا کر دیا ہے" جو یہ ہے کہ

چک زدہ آں ابلہ بیہودہ گو   لیس بہ اقبح کخرافناۃ

چوں مولانا ترخان، بعد از عزل منصب، در آگرہ آمد، روزے در بازار میگذشتم، کہ از پیش پیدا شد، از یاران فقیر، میاں کمال الدین حسین شیرازی، نامی خوش طبع ظریفے از اکابر آگرہ، بمولوی گفت کہ نواب خان، اکابر دہلی را خوب یاد فرمودید۔ چہ شود اگر، اکابر آگرہ را ہم نوازش فرمایید، کہ امیدوارند۔

جب مولانا ترخان منصب سے معزول ہو کر، آگرہ، میں آیا میں ایک دن بازار میں گذر رہا تھا کہ اُس کا سامنا ہو گیا۔ میرے دوستوں میں سے میاں کمال الدین حسین شیرازی نے جو خوش طبع اور ظریف۔ اکابر آگرہ سے تھے، مولوی سے کہا کہ، نواب خانی، آپنے اکابر دہلی کو خوب یاد فرمایا۔ کیا ہوا اگر اکابر آگرہ کے واسطے بھی ایسی ہی نوازش فرمادیں کہ وہ بھی امیدوار ہیں

فقیر گفتم ظاہرا دریں ہا آں قابلیت ندیدہ اند، کہ یاد کنند۔ خندہ کرد و گفت، آں تہمتے بود کہ برپائے ما بستند۔

میں نے کہا کہ ظاہر اُن میں وہ قابلیت نہیں پائی ہے کہ انہیں یاد کریں۔ ہنسے اور جواب دیا کہ، وہ تہمت تھی جو میرے پاؤں میں باندھ دی تھی۔

خان مذکور، زمانے کہ شاہنشاہے بر سر حکیم میرزا، لشکر کشیدند، در نہصد و ہشتاد و نہ تخلف نمودہ، از پنجاب بازگشتہ بجاگیر رفت۔ و ایں معنی موجب بدگمانی بود شد، تا بعد از مراجعت از ان سفر، در فتحپور، بپایۂ حساب و کتاب، و عتاب و خطاب کشیدہ چند سال آزارش دادند۔

اُسی زمانہ ۹۸۹ ہجری میں جبکہ شاہنشاہ اکبر نے، حکیم میرزا پر لشکر کشی کی تھی، خان مذکور (یعنی شاعر ہجو گو) براہ خیرہ سری و خلاف ورزی، پنجاب سے اپنی جاگیر کو لوٹ گیا۔ بادشاہ کو بدگمانی پیدا ہوئی۔ اُس سفر سے مراجعت کرنے کے بعد، فتحپور، پہنچکر، چند سال معرض عتاب اور کشاکش حساب و کتاب میں رکھا۔

و ایں شکست را، ارباب ہوش، بشومی آں سوئے ادب میدانستند، کہ او اکابر حضرت دہلی را، بتقریب ناخوشی کہ با تاتار خان داشت، ہجو کردہ۔

شاعر ہر بیان سرا نے بہت ذلت و تکلیف اٹھائی، کہتے ہیں کہ اُسی گستاخی و بے ادبی کے سبب جو اُس نے بزرگان دہلی، کے ساتھ کی تھی یعنی تاتار خاں سے ناخوشی کی وجہ سے اُن کی ہجو کی تھی اُس کو یہ خواری و ذلت نصیب ہوئی۔

صاحب منتخب کے اِس بیان سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی ہے کہ تاتار خاں حاکم دہلی، سے ناخوشی اور کدورت کی وجہ سے، ملا نورالدین محمد ترخان، نے کس طرح اپنی ہجو میں، بلا کسی عناد کے خواہ مخواہ ایسے بزرگان دہلی کو بھی شامل کر لیا تھا، جن کے تقدس اور بے گناہی کی وجہ سے، ملا صاحب جیسے شخص بھی تلملا گئے تھے۔

دوسرے اُس سے، شیخ محمد، کے نسب وغیرہ پر ایسی صاف روشنی پڑ گئی ہے کہ اُس کے بارے میں کسی بھی شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی ہے۔

یہ شیخ محمد کنبوہ، جنہیں ملا صاحب نے، علوئے حسب و نسب، اور فضائل کتبی و موروثی میں، یگانہ زمانہ بتایا ہے، شیخ گدائی، کے حقیقی نانا مخدوم شیخ سماء الدین قدس سرہ العزیز، کے پڑپوتے، اُن کے ماموں مخدوم شیخ نصیر الدین قدس سرہ کے پوتے، اور اُن کے ماموں زاد بھائی شیخ عبد الغفور المشتہر بہ میاں لاڈن قدس سرہ، کے پانچ صاحبزادوں میں سے دوسرے تھے۔ (دیکھو شجرہ سہروردیہ مؤلفہ احمد خاں اکبر شاہی قلمی)

ابوالفضل نے بھی اپنی کتاب آئین اکبری میں اِن مولانا شیخ محمد، کا نام، علمائے معقول کے ذکر میں لکھا ہے، اور مولانا محمد، کے صاحبزادے شیخ احمد المتوفی ۱۰۱۱ ہجری کا نام علمائے منقول کی ذیل میں تحریر کیا ہے۔

مولانا شیخ محمد کی عالی نسبی کا حال، صاحب منتخب، ہی کے بیان سے ثابت ہو جانے کے بعد، اب یہ بات صاف ظاہر ہو گئی ہے کہ، ملا صاحب نے، شیخ گدائی کے نسب پر، خاک ڈالنے کی جو کوشش کی، وہ محض حسد سے اور بادشاہ کی اُس خوشامد میں کی تھی جس کا ذکر ہم اوپر کر چکے ہیں، اور یہ بھی بتا چکے ہیں کہ، اگر، شیخ گدائی، کے نسب میں کچھ بھی خامی ہوتی تو، اِس حاسد اور خوشامدی ملا کو، اُسی قدر کہہ کر خاموش نہ ہو جانا پڑتا، کہ شیخ کی معراج سے جس کے نسب کو بھی لوگ اچھا نہ سمجھتے تھے، سب اکابر و ائمہ گھبرا گئے۔ بلکہ وہ اُسے کھول کر بیان کرتا اور خوب کھول کر کے دکھاتا۔

جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے، آخرکار ملا صاحب ہی کے قلم سے، شیخ گدائی کے علوئے نسب اور والا حسبی، نیز اُن کی اور اُن

کے اعتراضات گوں کے علم وفضل کی موروثیت کا حال بھی بخوبی معلوم ہوگیا ہے" کیونکہ جو فضایل نسبی وحسبی وغیرہ" مولانا شیخ محمد کے ہیں وہ ہی "شیخ گدائی کے ہیں" یہ دونوں ماں اور باپ کی طرف سے ایک ہی شخص کی اولاد ہیں"

یہاں اس امر کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ "مورخین" نے کسی "غیر عربی النسل" شخص یا خاندان کو "عالی النسب" لکھنے سے احتراز برتا ہے" دوسری اقوام کو وہ "خراسانی" مصری" ایرانی" رومی" ترکی" ہندی" برہمن" و" راجپوت" وغیرہ لکھتے رہے ہیں" اور ملا صاحب کے متعلق تو دنیا کی کوئی طاقت یہ ثابت نہیں کر سکتی کہ وہ "غیر عربی النسل" میں سے کسی کو بھی "عالی نسب" لکھ سکتے تھے" جس شخص کے تعصب کا یہ حال ہو کہ "شیخ محمد غوث گوالیاری" سے اس نے ملنے کا ارادہ کیا ہو۔ مگر پھر یہ سنکر اپنے اس ارادہ کو ترک کر دیا ہو کہ وہ ہندوؤں کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں" تو ایسے شخص کا کسی "غیر عربی النسل" کو "عالی نسب اور والاحسب" اور فضائل حسبی و موروثی" رکھنے والا" لکھدینا قطعیً ناممکن ہے" مؤلف امروہوی بھی اگر اپنا پورا زور لگا دیں تب بھی اس ناممکن کا ممکن ہونا ثابت نہیں کر سکتے"

شیخ گدائی کے نانا کی پالکی کو حضرت سید حاجی عبدالوہاب قدس سرہ کا سربازار اپنے کاندھے پر اٹھا لینا

شیخ گدائی کے علوئے حسب و نسب" اور "سید زبیری" ہونے کا ثبوت" اس واقعہ سے بھی ثابت ہے کہ"

روزے مخدوم "رشیخ سماؤالدین قدس سرہ اوہم جدنانا شیخ گدائی) از ضعف کبر سن" بر پالکی" سوار میرفتند" واز فرزندان و خادمان و متعلقان" جمع کثیر" در ملازمت ہمراہ بودند" دریں اثنا" مہر سپہر سیادت" خورشید فلک نقابت" سید حاجی عبدالوہاب بخاری قدس سرہ" رسیدہ" از اسپ فرود آمد" بجائے کہار کتف خود بنہاد" مخدوم از صفائے نور باطن" دریافتند و فرمودند" زود تر پالکی بر زمین بنہد" حاجی گفتند نظر کردم فرمودند" ادب سیادت باقی ست بلے قدر بزرگان دانند" (شجرۂ سہروردیہ صفحہ ۳۶-۳۷)

ایک دن مخدوم (شیخ سماؤالدین قدس سرہ" شیخ گدائی" کے نانا۔ اوہم جد) بڑھاپے کے ضعف کی وجہ سے پالکی پر سوار جا رہے تھے۔ لڑکوں اور خادموں اور متعلقین میں سے جماعت کثیر آپ کی خدمت میں ساتھ تھی" اسی اثنا میں" مہر سپہر سیادت" خورشید فلک نقابت" سید حاجی عبدالوہاب بخاری قدس سرہ برادر حضرت مخدوم جہانیان جہاں گشت قدس سرہ۔ پہنچے اور گھوڑے سے اتر کر انہوں نے کہار کی جگہ لیکر پالکی کو اپنے کندھے پر رکھ لیا" مخدوم صاحب نے صفائے نور باطن سے معلوم کر لیا۔ اور فرمایا پالکی کو جلدی زمین پر رکھو اور حاجی صاحب کی طرف دیکھکر فرمایا" ادب سیادت کا باقی ہے۔ مگر تو بھی بزرگوں کی قدر کرنا جانتا ہے"

نوٹ ملہ اخبار الاخیار کے صفحہ ۲۰۹ تا ۲۱۱ پر "شیخ عبدالحق محدث دہلوی" نے "سید حاجی عبدالوہاب بخاری کا حال جنہوں نے مخدوم صاحب کی پالکی کو کاندھا دیا تھا" اس طرح تحریر کیا ہے کہ"

از اولاد سید جلال بخاری بزرگ است" کہ جد سید جلال الدین مخدوم جہانیان ست"

سید جلال را دو پسر بود" سید احمد" بزرگ و دیگر سید محمود مخدوم جہانیان" پسر سید محمود است" و شیخ حاجی عبدالوہاب بخاری" از اولاد" سید احمد است" بزرگ بود" موصوف بعلم و عمل وحال و محبت" در اوایل حال کہ ہنوز در ملتان توطن داشت" روزے در ملازمت پیر و استاد و خسر (خسر) خود" سید صدر الدین بخاری" نشستہ بود۔ از وے شنید کہ گفت۔ دولت ... الفا...

سید جلال بخاری بزرگ کی اولاد سے ہیں" جو دادا سید جلال الدین مخدوم جہانیان کے ہیں"

سید جلال کے دو لڑکے تھے" بڑے سید احمد بزرگ اور دوسرے سید محمود" مخدوم جہانیان سید محمود کے لڑکے ہیں" اور شیخ حاجی عبدالوہاب بخاری" سید احمد کی اولاد ہیں" موصوف کا علم و عمل اور حال و محبت میں بڑا درجہ تھا" شروع حال میں جبکہ ابھی ملتان میں سکونت رکھتے تھے۔ ایک دن اپنے پیر اور استاد اور خسر سید صدر الدین بخاری کی خدمت میں بیٹھے ہوئے ...

سید عبدالوہاب بخاری قدس سرہ کے جن کی بزرگی اور سیادت میں کسی کو بھی مجال دم زدن نہیں ہے" حضرت مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہ العزیز کی پالکی کو والہانہ جوشش ارادت و عقیدت سے اپنے کاندھے پر اٹھا لینے پر مخدوم صاحب قدس سرہ نے جو الفاظ اُن کو مخاطب کرکے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمائے۔ اُن سے "حضرت مخدوم صاحب قدس سرہ کی شان و مرتبت عظیم کے ساتھ ہی اُن کی عالی نسبی یعنی عربی "قریشی" "زبیری" ہونے کا ایک او قطعی ثبوت بہم پہنچنے کے ماسوائے"

مؤلف امروہوی کے پیش کردہ بیو یج اور ایلیٹ کے اس بیان کی بھی کہ "سادات" "شیخ گدائی" کے خاندان کو "کنبوی یا کنبوہ" کی عزت کی نظر سے نہیں دیکھتے تھے" بخوبی تردید ہو گئی ہے" اور اُن کی اس دروغ گوئی کا پول بھی اچھی طرح کھل گیا ہے"

شیخ گدائی کے خاندان کے ایک اور بزرگ "کے سید زبیری ہونے کی شہادت

شیخ گدائی کے اہلِ خاندان کی "سیادت نسبی" کے یہ متذکرۂ بالا واقعے ہی کتابوں میں مذکور نہیں ہیں۔ بلکہ اُن کے اس شرف کو تو مختلف زمانوں کی متعدد کتابوں میں جا بجا ظاہر کیا گیا ہے" اختصار کے مدِنظر یہاں ہم "شیخ گدائی" کے خاندان کے صرف ایک اور بزرگ "شیخ محمد لیسین" کا حال لکھ دینے پر اکتفا کرتے ہیں" جس میں اُن کے نسب پر اچھی طرح روشنی ڈالی گئی ہے۔ بحر زخار کے صفحہ ۱۳۲۵ پر تحریر ہے کہ۔

حضرت شیخ محمد لیسین" از نژاد و شیخ سماؤ الدین" دہلویست"
تقوی شعار" سعادت آثار" حاجت روائے خلق" بدوست ملحق بود"
در تذکرۃ العارفین" شاہ محمدی نویسد" از سادات صالح با
ذوق بغایت با ادب بود" ہفتم صفر یک ہزار یکصد ہجری وفات یافت"

حضرت شیخ محمد لیسین" شیخ سماؤ الدین دہلوی" کی نسل سے ہیں"
تقوی شعار" سعادت آثار" حاجت روائے خلق اور بدوست ملحق تھے
تذکرۃ العارفین میں" شاہ محمدی نے لکھا ہے کہ سیدوں نیکو کار
حقیقت شناس میں سے بہت ہی با ادب تھے" ۷ صفر ۱۱۰۰ ہجری میں وفات پائی"

(نوٹ علیٰ بقیہ صفحہ ۱۱۱) کہ فوق جمیع نعمت ہاست" ولیکن مردم قدر آں دو نعمت را نمی شناسد" و بداں پے نمی برند۔ و از تحصیل آنہا غافل اند" یکے آنکہ وجود مبارک مصطفیٰ صلعم بصفت حیات" در مدینہ" موجود ست۔ و مردم ایں سعادت را در نمی یابند"

دوم دیگر قرآن مجید کہ کلام پروردگار ست۔ و حق سبحانہ تعالیٰ بہ واسطہ بداں متکلم خلق از اں غافل اند۔ بمجرد شنیدن ایں کلام۔ از پیش پیر برخاست و رخصت زیارت مدینہ درخواست۔ و براہ خشکی زیارت پیغمبر صلعم بشتافت و ایں سعادت را دریافت باز بوطن اصلی عود نمودند"

و بعد از اں بتقریب بعضے سوانح روزے از آنجا" در عہد سلطان سکندر لودی" بہ دہلی" آمد۔ سلطان سکندر را باُے اعتقاد پیدا شد۔ و آنچہ از شرائط تعظیم بود۔ رعایت نمود۔

اُو را با شاہ عبداللہ" نسبت محبت و پیار و طلب و استرشاد چنداں بود کہ اینچہ میگویند کہ فنا فی الشیخ بیا شد" اینچنیں خواہد بود" و بسبب محبت اُو با بطریق تشبیہ مناسب" حکایت مولانا روم ہست" با شمس تبریز قدس اللہ
. . . . .

پر فوقیت حاصل ہے" لیکن آدمی اُن دو نعمتوں کی قدر نہیں جانتے ہیں اور اُن کے لئے کوشش نہیں کرتے" اور اُن کے حصول سے غافل ہیں" ایک اُن میں سے یہ ہے کہ وجود مبارک مصطفیٰ صلعم کا بصفت حیات مدینہ میں موجود ہے" اور لوگ اِس سعادت کو نہیں حاصل کرتے"

اور دوسری قرآن شریف جو پروردگار کا کلام ہے" اور اُس سے بواسطہ خداوند تعالیٰ اُن سے بات کرتا ہے" اور خلقت اُس سے غافل ہے" اس بات کے سنتے ہی پیر کے سامنے سے اٹھے اور رخصت زیارت مدینہ کی چاہی" اور خشکی کے راستے پیغمبر صلعم کی زیارت کو چلے گئے اور اس سعادت کو حاصل کرکے پھر اپنے وطن کو لوٹ آئے"

اور اس کے بعد کسی واقعہ کے سبب سے ایک دن وہاں سے روانہ ہو گئے۔ سلطان سکندر لودی کے زمانے میں دہلی میں چلے آئے" سلطان سکندر کو اُن سے اعتقاد پیدا ہوا" جو کچھ شرائط تعظیم کی تھیں وہ بجا لاتا تھا"

اُن کو شاہ عبداللہ سے نسبت محبت دو پیار و طلب و استرشاد اس قدر تھی کہ جیسا کہتے ہیں فنا فی الشیخ ہو گیا" اس قدر چاہتے تھے کہ ان کی محبت کے سبب سے تشبیہ مناسب طریق سے حکایت مولانا روم کی ہے" شمس تبریز قدس اللہ سرہ العزیز سے"

اِس بیان سے بھی اچھی طرح معلوم ہوگیا کہ "شیخ محمد الیسین" "سیّد زبیری" تھے۔ اگر وہ "سیّد زبیری" نہ ہوتے تو "شاہ محمدی" اُن کو "سیّد" ہرگز نہ لکھتے۔ "صاحب بحرِ ذخار" اُن کی تحریر کو قبول کرتے"۔

مؤلف امروہوی کے برادرِ بزرگ "حکیم فرید احمد صاحب امروہوی" طبیب خاص طبیہ کالج دہلی" نے بھی اپنی کتاب "حقیقۃ السیادۃ" مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی، چھاپہ ۱۳۴۲ھ کے صـ۱۱ پر تحریر فرمایا ہے کہ۔

"ممالک اسلامی میں "قریشی" "سیّد" لکھے اور کہے جاتے ہیں" اور صـ۹ پر تحریر فرمایا ہے کہ "حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ "قریش" کا کوئی بطن نہ تھا جو "ذوی القربیٰ" میں نہ آتا ہو" یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ "حضور سرورِ عالم صلعم کے تمام قریش قرابتدار تھے" اور آنحضرت صلعم کے ساتھ "سیادت" میں سب شریک تھے" حضورؐ نے فرمایا تھا" کہ جو شخص قریش کو ذلیل کرنا چاہے گا۔ خدا اُس کو ذلیل کرے گا"۔

حکیم صاحب موصوف نے اپنی اِس کتاب میں "سیّد صدیقی" "سیّد فاروقی" "سیّد عثمانی" "سیّد زبیری" تحریر کئے جانے پر زور دیا ہے۔

جیسا کہ ہم اُوپر دکھا آئے ہیں۔ مؤلف امروہوی نے اُن تمام کتابوں میں جن میں "شیخ ابن امروہوی" کا حال تحریر ہے۔ اُن کے نام کے ساتھ پیشانی پر اور اندر ہر جگہ لفظ "شیخ" لکھا ہوا پایا اور صرف منتخب التواریخ میں سُرخی میں تو "شیخ" ہی مگر اندر عبارت میں ایک جگہ "سیّد مشارٌ الیہ" دیکھ کر جو اپنی عجیب و غریب تاویلوں اور لفاظیوں سے انہیں "سیّد" بنا دیا ہے وہ تو بحث طلب ہے" کیونکہ "سیّد مشارٌ الیہ" ایک عزت کا کلمہ ہے۔ جیسے ہر عرب ہر کہیں تعظیماً اپنے مخاطب سے گفتگو کرتے وقت اُس کے لیے "سیّدی" "مولائی" بولتا ہے۔ صاحبِ منتخب نے بھی "شیخ ابن" رح کے تقدس و بزرگی کی وجہ سے اگر انہیں ان کے تذکرے میں ایک جگہ "سیّد مشارٌ الیہ" لکھ دیا ہے تو اُن کے اِس لکھنے کو "شیخ ابن" رح کے سیّد ہونے کی سند کسی طرح بھی قرار نہیں دی جاسکتی"

لیکن "شیخ محمد الیسین" کے نسب کے بارے میں یہاں کسی قسم کے شک اور شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی ہے" کیونکہ اُن کو تعظیمی لفظ "سیّد مشارٌ الیہ" کے بجائے صاف طور سے "سیّد" لکھا گیا ہے" جو اٹل ثبوت اس بات کا ہے کہ وہ "سیّد زبیری" تھے "رسول مقبول صلعم سے جس قدر رشتہ قرابت کے حضرت زبیرؓ کو حاصل تھے وہ کسی صحابیؓ کو نہیں تھے" (دیکھو تحفہ اثنا عشریہ حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی رح)

(بقیہ نوٹ نمبر۱ صـ۱۱۱) و بار دیگر ہم از دہلی "قصد زیارت حرمین کرد و مکرر بہ ایں سعادت عظمیٰ رسید و بہ بشارت ہا از جناب حضرت خاتم الرسل صلعم" اشارت یافتہ" باز بدین حدود عود فرمود"

وفات شیخ "در ۹۳۲ھ ہجری اثنین و ثلثین و تسعمائۃ کہ عدد عبارت۔ "شیخ حاجی" موافق آنست" و مقبرۂ ایشان جوار مقبرۂ شاہ عبد اللہ قدس سرہٗ است"

و "شیخ حاجی عبد الوہاب" را "تفسیر یست" کہ اکثر قرآن۔ بلکہ تمام اجزا۔ ارجاع بہ نعت پیغمبر و ذکر آنحضرت صلعم" و بسیارے از دقایق عشق و اسرار محبت در آنجا درج کردہ است"

غالباً وقوع آں۔ در غلبہ حال و استغراق وقت بودہ است۔ و بداں جہت در بعضے مواضع بجانب ظاہر لفظ و عبارت نامرعی ماندہ است"

خزینۃ الاصفیا جلد دوم کے صـ۴۳۳ پر ہے کہ

"سیّد شاہ ابو الغیث بخاری مجذوب" پسر "سیّد حاجی عبد الوہاب بخاری" و وفات در ۹۶۵ھ ہجری واقع شد)

(اور دوبارہ دہلی سے بھی قصد زیارت حرمین کا کیا اور مکرر یہ سعادت عظمیٰ حاصل کی۔ اور بشارتیں حضرت خاتم الرسل صلعم کی جناب سے پاکر پھر وہیں واپس تشریف لے آئے"

شیخ صاحب کی وفات ۹۳۲ ہجری میں ہوئی "شیخ حاجی" سے سنہ وفات کے عدد نکلتے ہیں" اُن کا مقبرہ شاہ عبد اللہؒ کے مقبرہ کے جوار میں ہے"

اور "شیخ حاجی عبد الوہاب" کی تفسیر ہے کہ اکثر قرآن بلکہ تمام قرآن شریف کو نعت پیغمبر اور اُن کے ذکر سے ارجاع کیا ہے" اور بہت عشق و اسرار محبت کے دقایق اُس میں درج کئے ہیں"

غالباً اُن کا وقوع حال و استغراق کے غلبہ کے وقت ہوا ہے" اِس لیئے بعض موقعوں پر جانب ظاہر لفظ و عبارت نامرعی رہ گئے ہیں"

خزینۃ الاصفیا" جلد دوم کے صـ۴۳۳ پر ہے کہ۔

"سیّد شاہ ابو الغیث بخاری مجذوب" پسر "سیّد حاجی عبد الوہاب بخاری" کی وفات ۹۶۵ ہجری میں واقع ہوئی")

شیخ گدائی کے گھرانے کی شان و عظمت۔ اور بادشاہانِ عظیم الشان کی نیازمندی اُن کے بزرگوں سے

اب ہم مُلّا صاحب کے اِس بیان کو جانچتے ہیں۔ کہ (۱) ہمایوں کی شکست دوم کے بعد شیخ گدائی پسر شیخ جمالی کنبوہی شاعر دہلوی نے خانِ خاناں کے ساتھ آوارگی گجرات میں رفاقت کی تھی۔ اس لئے بیرام خاں خانِ خاناں نے تمام اکابر ہندوستان و خراسان سے بڑھا کر اُن کو منصب رفیع القدر صدارت دیدیا تھا۔

(۲) خانِ خاناں بلکہ شاہنشاہ اکبر بھی بعض اوقات اُن کے گھر حال و قال کی مجلسوں میں جن میں سراسر تکلف اور ظاہر پرستی ہوتی تھی، جایا کرتے تھے۔

(۳) شیخ گدائی کے اس اقتدار و اثر اور عزت و مرتبہ سے تمام اکابر گھبرا گئے۔ اور گھر گھر کہرام مچ گیا۔ اور زور شور سے ماتم ہونے لگا بڑوں کی موت نے مجھے بڑھاپا کا بھید اب سمجھ میں آ گیا۔ بہت سے تو یہ کہہ کر اپنے دل کو سمجھا لیتے تھے۔ کہ اگر خاقانی فرو تر جگہ بیٹھ جائے تو نہ اس کی بے عزتی ہے نہ تیری عزت ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ سورۂ اخلاص تبت یدا کے نیچے ہے۔

ملائے بدایونی کے اس بیان کے تینوں ٹکڑے سراسر دھوکے میں ڈالنے والے ہیں۔ اور اُن کی اور اُن کے خاندان کی عظمت و شان و جلالت و مرتبہ کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش کے سوا کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے۔

خانِ خاناں اور اکبر اگر شیخ گدائی کے گھر جاتے تھے تو یہ کوئی اچنبھے کی بات نہ تھی۔ خود اکبر کا باپ شاہنشاہ ہمایوں اور دادا بابر اور لودھی شاہنشاہ وغیرہ بھی اُن کے مکان پر جایا کرتے اور وہاں جانے کو اپنے لئے باعث افتخار و برکت سمجھتے تھے۔

سلطان بہلول لودھی کا سر شیخ گدائی کے نانا کے قدموں پر

سیر العارفین کے صفحہ ۱۶۹ پر شیخ گدائی کے نانا مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہٗ کے حالات میں تحریر ہے کہ:

روزے سلطان بہلول پدر حضرت سلطان سکندر انار اللہ برہانہما بزیارت ایشاں آمد۔ خبر کردند کہ سلطان تشریف قدمبوسی ملتمس و منتظر صدا است۔ اشارت چیست۔ فرمودند کہ در آید۔

سلطان مذکور در آمد۔ و سر در قدم حضرت ایشاں نہاد و متقابل نشست۔ بعد زمانے سلطان مذکور عرضداشت نمود۔ کہ یعنی ایں معتقد را دیدہ ظاہر و باطن ناظر بر چہرۂ کرم و شفقت حضرت مخدومی است۔ زیرا کہ بادشاہان یعنی درویشانند۔ و ما ریزہ چین صورت ایشاں۔

حضرت مخدومی فرمودند ریزہ چیدن از صورت ایشاں ایں معنی دارد۔ اگر کسے توفیق رفیق طریق احوال ایشاں نیابد۔ باسے براہ افعال و اقوال و اعمال ایں قوم بشتابد۔ تا اثر صورت ظاہر درویشاں زنگ کدورت بر باطن ایشاں بزداید۔

بعد از اں بزبانِ مبارک راندند۔

ایک دن سلطان بہلول پدر حضرت سلطان سکندر انار اللہ برہانہما اُن کی (حضرت مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہٗ) کی زیارت کے لئے آیا۔ خبر کی کہ سلطان قدمبوسی کا شرف حاصل کرنے کی التماس کرتا ہے اور امیدوار ہے کیا ارشاد ہے۔ فرمایا کہ آ جائے۔ سلطان مذکور آیا اور اپنا سر حضرت مخدوم صاحب کے قدموں میں رکھا اور سامنے بیٹھ گیا۔ عرصہ کے بعد سلطان مذکور نے عرض کیا کہ اس معتقد کی ظاہری و باطنی آنکھیں حضرت مخدومی کے چہرۂ کرم و شفقت پر لگی رہتی ہیں۔ اس لئے کہ بادشاہ تو درویش ہی ہیں اور ہم ریزہ چیں اُن کی صورت کا ہوں۔

حضرت مخدوم صاحب نے فرمایا کہ ریزہ چینا اُن کی صورت سے یہ معنی رکھتا ہے کہ اگر کسی کو توفیق رفیق طریق احوال اُن کی نہ ہو تو اس فرقہ کے افعال و اقوال و اعمال کے راستہ کو اختیار کرے تاکہ درویشوں کی صورت ظاہری کا اثر اُن کے باطن کی کدورت کے زنگ پر پڑے۔

اس کے بعد زبانِ مبارک سے فرمایا کہ۔

نزد شیخ سماؤالدین کنبوہ پیر شیخ جمالی کہ از علمائے کبار و مشائخ روزگار بود رفت۔ بر ایں تقریب کہ مبادا آورضا بہ سلطنت برادران دیگر داشتہ باشد، وسبق ہوی (معنی) را بہانہ ساختہ۔ بیان معنیٔ عبارت "اسعدک اللّٰہ فی الدارین" از خدمت شیخ پرسید، چوں گفت کہ نیک بخت گرداند ترا خدائے تعالےٰ التماس کرد کہ ایں لفظ را سہ مرتبہ بر زبانِ مبارک خود میرانند۔ شیخ سہ بار گفت، آں گاہ برخاستہ عرض داشت کہ من مدعائے خود را حاصل کردم و از شیخ استمداد طلبیدہ متوجہ لشکر شد۔ (منتخب التواریخ جلد اول ص ۳۱۳ و ۳۱۴)

شیخ سماؤالدین کنبوہ کی خدمت میں جو شیخ جمالی کے پیر اور علمائے کبار اور مشائخ روزگار سے تھے گیا اس وجہ سے کہ شاید سلطنت کی انکی خواہش میرے بھائیوں میں سے کسی کے لئے ہو۔ اور سبق پڑھنے کا بہانہ بنا کر "معنی عبارت" اسعدک اللّٰہ کے خدمت میں حاضر ہو کر شیخ سے پوچھے۔ جب انہوں نے فرمایا کہ "نیک بخت کرے تجھ کو خدائے تعالےٰ" تو التماس کیا کہ اس لفظ کو تین مرتبہ اپنی زبان مبارک سے فرما دیں۔ شیخ نے تین مرتبہ کہا تو اس نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ میں نے اپنی غرض حاصل کر لی اور شیخ سے مدد چاہ کر لشکر کو چلا گیا۔

سلطان سکندر کی۔ شیخ گدائی کے نانا سے حصول سلطنت کیلئے طلب برکت اور لقب سکندر رکھنے کی وجہ

اسی واقعہ کو صاحب مخزن افغانی نے اپنی کتاب کے ورق ۸۹ ب پر ان الفاظ میں تحریر کیا ہے کہ:

گویند چوں سلطان بہلول درگذشت، سلطان سکندر را بجہت سلطنت طلب داشتند، در ملازمت حضرت قطب الاقطاب شیخ سماؤالدین کم گوئی المشتہر بکنبوی دہلوی رفت و گفت "میخواہم کہ من کتاب میزان صرف پیش شما بخوانم" و نسخہ را فی الحال از بغل برآوردہ پیش شیخ نہاد۔ حضرت شیخ فرمودند کہ "براں اسعدک اللّٰہ تعالےٰ فی الدارین" سلطان گفت "باز بگوئید" و تا سہ مرتبہ از حضرت شیخ استدعا طلب تکرار نمود بعد از کتاب را برداشتہ دست حضرت ایشاں بوسید و گفت "مقصود من ایں بود کہ ایں کلمہ در حق من از زبان شما برآید" حضرت شیخ را تحسین ادب شاہزادہ بغایت پسندیدہ و مستحسن نمودہ از روئے توجہ باطن کار ساختہ زمود کہ نظام خاں از خدا خواستہ ام کہ انشاء اللّٰہ تعالےٰ سکندر وقت باشی و بندہ ہائے خدا از توفیق بسیار بہرہ مند محفوظ و مسرور گردند۔ پس ایں کلمہ را اقبال گرفتہ روان شد۔

کہتے ہیں کہ جب سلطان بہلول کا انتقال ہو گیا تو سلطان سکندر سلطنت کے حصول کی غرض سے حضرت قطب الاقطاب شیخ سماؤالدین کم گوئی المشتہر بہ کنبوی دہلوی کی خدمت میں گیا اور عرض کیا کہ میں کتاب میزان الصرف آپ سے پڑھنا چاہتا ہوں۔ اور اسی وقت کتاب کو بغل سے نکال کر شیخ کے آگے رکھ دی۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ "تجھے نیک بخت کرے اللّٰہ تعالےٰ دونوں جہان میں" سلطان نے عرض کیا "پھر فرمایئے" اور حضرت شیخ سے تین مرتبہ اسی جملہ کو فرمانے کی درخواست کی۔ اس کے بعد کتاب اٹھا کر حضرت مخدوم صاحب کے ہاتھ چومے اور عرض کیا کہ میرا مقصد اس سے یہ تھا کہ یہ کلمہ میرے حق میں آپ کی زبان سے نکلے۔ حضرت شیخ کو شہزادہ کا یہ حسن ادب نہایت پسندیدہ اور مستحسن معلوم ہوا اور توجہ باطنی کر کے فرمایا کہ "نظام خاں! میں نے خدا سے چاہا ہے کہ انشاء اللّٰہ تعالیٰ تو سکندر وقت ہوگا اور خدا کے بندوں کو تجھ سے بہت فیض پہنچے گا اور محفوظ و مسرور کرے گا۔" پس ان کلموں کو شگون نیک گردہ روانہ ہوا۔

(حاشیہ ملک) گنگوہ جس طرح گنگو تالی مخفف یا محرف ہو کر گوتے کہا جاتا ہے جس کے معنی فلس مجبوبہ کے ہیں اسی طرح کمبو [illegible] لغت کمالم کا مخفف ہے جس کے معنی [illegible] وزیر و حاکم صوبہ کے ہیں۔ (کتاب تفصیلی کا میدان جنگ مصنفہ سر الیٹ بارکلیہ ممبر پارلیمنٹ انگلستان مترجمہ مولوی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار ۱۹۱۲ء) کیونکہ مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہ کے خاندان میں وزیر و گورنر اور صدر و قاضی و مفتی مسلسل ہوتے آئے ہیں۔ اس لئے ان کا خاندان کمبوہ یعنی وزراء کا خاندان اسی طرح بلانے لگا تھا۔ جس طرح شاہی خطاب کی وجہ سے امروہہ میں ایک خاندان "الشمیران" کہلاتا ہے۔ یا ماہرہ کے ایک خاندان میں پشتوں تک "قضا" رہنے کی وجہ سے وہ خاندان "قاضی" کہلاتا ہے اور جن کا محلہ "قاضیان" کے نام سے وہاں آباد ہے اور یہ محلہ قاضیاں اب تک موجود ہے۔ یہاں "گنگوہ" اور "کنبوہی" مخدوم صاحب کے نام کے سامنے لکھ کر مورخ نے مخدوم صاحب کے خاندان کے لقب اور حقیقی لقب دونوں کو ظاہر کر دیا ہے۔)

شیخ گدائی کے ماموں شیخ عبداللہ بیابانی کی سلطان غیاث الدین خلجی کی درخواست سے بے اعتنائی اور ایک موقع پر سخت ڈانٹ

شجرۂ سہروردی قلمی کتب خانہ ریاست رامپور صفحہ ۲۲۹ کے صفحہ ۴۳ تا ۴۷ پر "شیخ گدائی" کے بڑے ماموں "حضرت شیخ عبداللہ بیابانی" علیہ الرحمۃ کا حال تحریر ہے۔ اس میں "سلطان غیاث الدین خلجی" اور آپ کے متعلق لکھا ہے کہ

چوں فراغ عبادت نیافت و مانع حضور بدید از خود جدا کرد" و مہر وے "زوجہ را" او الموزہ" طرف ولایت مالوہ" عزیمت فرمود"

"سلطان غیاث الدین" بعد از ملاقات "شیخ عبداللہ" مذکور" فریفتہ وضع ایشان گشت" و تکلیف صحبت وظیفہ مدد معاش" بالحاح تمام کرد" شیخ راضی نشد" و در صحرائے "موضع چھتری" اعمال قصبہ تاراپور" کہ ہفت کروہے از "ضلع مندو" است سکونت اختیار کرد" سلطان غیاث الدین" بارہا تکلیف ملاقات نمود۔ و شیخ راضی نمی شدند"

سلطان غیاث الدین" بارہا تکلیف ملاقات نمود" و شیخ راضی نمی شدند"

وقتے ایام رحلت حضرت رسالت صلعم" سلطان استدعا طعام کرد" و مجلس ترتیب دادہ بود" آمدند۔ وقت رخصت سلطان" طلب تبرک نمود" تسبیح در دست ایشان بود۔ دادند و بیرون آمدند"

جب عبادت میں خلل پایا اور مانع حضوری دیکھا تو اپنی زوجہ کو علیحدہ کر دیا۔ اور اس کا مہر دیکر ولایت مالوہ کی طرف تشریف لے گئے"

سلطان غیاث الدین" شیخ عبداللہ سے ملاقات ہونے پر ان کی وضع کا فریفتہ ہو گیا" اور اس نے ان سے اپنی صحبت میں رہنے اور وظیفہ مدد معاش قبول کر لینے کے لئے بہت منت و عاجزی سے درخواست کی "شیخ راضی نہ ہوئے اور "موضع چھتری اعمال قصبہ تاراپور" کے جنگل میں جو "ضلع مندو" سے سات کوس ہے "رہائش اختیار کی" سلطان غیاث الدین نے بہت دفعہ ان سے ملاقات کرنی چاہی مگر شیخ راضی نہ ہوئے"

حضرت رسالت مآب صلعم کی وفات کی فاتحہ کے دن سلطان نے کھانے کی درخواست کی اور مجلس جو ترتیب دی تھی اس میں وہ تشریف لائے" رخصت کے وقت سلطان نے تبرک کی درخواست کی" ان کے ہاتھ میں تسبیح تھی دیدی اور باہر تشریف لے آئے"

دو کس طبق پُر از اشرفی و روپیہ" پیش آوردند و گفتند" نذر برائے فقرا است" شیخ از آنجا برگشتہ۔ واز دست سلطان" تسبیح کشیدہ گرفت و گفتند" ہمراہ ایں درمیان نشدہ بود۔ ایں چنیں است۔ و راہی شدہ۔ و در آں ویرانہ در آمدند۔ بعد ازاں ہرگز با اغنیاء ملاقات نکردند" مگر درویشے"

دو آدمی اشرفیوں اور روپوں سے بھرے ہوئے دو طباق ان کے سامنے لائے اور عرض کیا کہ "نذر فقراء کے واسطے ہے" شیخ نے اس جگہ سے واپس لوٹ کر سلطان کے ہاتھ سے تسبیح کھینچکر لیلی اور فرمایا "یہ شرط ہمارے درمیان نہیں ہوئی تھی یہ کیوں ہے" اور وہاں سے روانہ ہو کر جنگل میں چلے آئے" اس کے بعد ہرگز امراء سے ملاقات نہیں کی" سوائے درویشوں کے"

شیخ گدائی کے ماموں "حضرت شیخ نصیر الدین قدس سرہٗ کی خدمت میں شہنشاہ ہمایوں کی حاضری و نیازمندی"

شجرۂ سہروردی میں "شیخ گدائی" کے چھوٹے ماموں "مخدوم شیخ نصیر الدین" کے حال میں تحریر ہے کہ"

روزے خلافت پناہ "ہمایوں بادشاہ" بدیدن ایشاں آمد" و مولانا محمد فرغلی" و مولانا جلال بخشی" ببرکات سعادت انتساب ہمراہ بودند" و شیخ" بوضع درویشان" خلوت در انجمن داشت"

خلافت پناہ" بایشاں اشارت کرد" کہ خدمت شیخ را بسخن آرند" مولانا گفت" چنانچہ از لقائے شریف بہرمندم" آرزو دارم کہ از کلام لطیف مستفیض کرم" گفتند" قال النبی صلعم خصلتان فی الاسلام لیس

ایک دن خلافت پناہ ہمایوں بادشاہ ان کے دیکھنے کے واسطے آئے" مولانا محمد فرغلی اور مولانا جلال بخشی" بادشاہ کے ہمراہ تھے" اور شیخ درویشوں کی وضع سے خلوت در انجمن رکھتے تھے"

خلافت پناہ نے اپنے ساتھیوں سے اشارے میں کہا کہ حضرت شیخ سے کوئی بات پوچھو" مولانا نے عرض کیا کہ دیدار شریف سے ہم بہرہ مند ہوئے" آرزو رکھتا ہوں کلام لطیف سے مستفیض کرم فرمائیں" تو فرمایا "قال النبی صلعم

(در مکہ و در مدینہ گشتی — گوہر بودی غزینہ گشتی)
اے شیخ بما برس بزودی — بسیار شما فرت بنمودی
یکشائے لبشوے درگہم گام — تا دریا بی ز گلو نجی کام
چشم بجمال تو طپان است — دل مرغ مثال در فغان است
من اسکندر تو خضر مائی — آں بہ کہ بسوئے ما بیائی
(در شیخ ز دوستاں نشد سیر — تشریف منودنش کشد دیر)
باید کہ کتاب مہر و ماہم — ارسال دہد چنانکہ خواہم
از مہر کشد دو دیدہ را نور — آں مہ نشود ز دیدہ ام دور

یہ خط خود اس بات کی صاف و صریح دلیل ہے کہ سکندر لودھی کے دل میں شیخ گدائی کے والد مخدوم شیخ جمالی کی کیا قدر و قیمت، کیسی عزت و حرمت اور دلی لگاؤ، محبت، خلوص اور کیا توقیر و وقار تھا۔ کیسا والہانہ جوش اور بیقراری کا جذبہ موجزن تھا۔

المشاہیر کے صفحہ ۲۱۴ و ۲۱۵ پر تحریر ہے کہ "شیخ جمالی) دولت معنوی سے معمور اور مکنت و جاہ دنیوی سے نفور ہو چکے تھے۔" منقاد بلند ہو دا "جیفہ (مردار) دنیا کی طرف ملتفت نہ ہوئے۔" بعد ملاحظہ رقعہ (سلطان سکندر) فرمایا کہ "فقرا کو مجالست اغنیا کی پروا نہیں۔" رقعہ منظومہ جواب میں لکھکر "کتاب مہر و ماہ" خدمت شاہ میں روانہ کردی۔ "کتاب اور خط کو دیکھکر سلطان نے "فلک ہدایت" حضرت سماؤ الدین رح" کی خدمت میں (جو شیخ جمالی کے پیر و مرشد اور خسر تھے) عرضداشت بھیکر بعجز و نیاز درخواست کی کہ جس طرح ممکن ہو شیخ کو بھیجدیجئے۔ حضرت نے بکمال توجہ "شیخ جمالی" کو روانہ کیا۔ جب "سنبھل" کے نزدیک پہنچے تو "فرط شوق سے دو تین کوس خود بادشاہ نے استقبال کیا۔ بڑی آؤبھگت سے لیا۔ اکثر بندگان خدا شیخ کے ذریعہ سے فیضیاب حضور سلطانی ہوئے۔ اور خلق اللہ کو بہت فائدہ پہنچا۔ تا دم حیات "سلطان" شیخ کے ساتھ دمساز و ہمراز و ہم صحبت اور ہم زبان رہا۔"

تاریخ خانجہانی مخزن افغانی قلمی کے ورق ۹۷ تا ۱۰۸ میں "سلطان سکندر لودی" کے حال میں "مخدوم شیخ جمالی" اور "سلطان" کے تعلقات کا حال اس طرح تحریر ہے کہ:

چوں شہر کتاب "مہر و ماہ" کہ از نتائج طبع "والا نژاد" معارف دستگاہ "حقایق آگاہ" "شیخ جمالی کنبو دہلوی" را استماع یافت، شوق صحبت کثیر البہجت ایشان" دامنگیر سلطان شد۔"

سلطان رقعہ دیگر "بابنیاز تمام" بہ قطب فلک ہدایت شیخ سماؤ الدین کنبوہ کہ پیر شیخ جمالی" و نبیہ ایشان نیز در حبالہ عقد "شیخ جمالی" بود نوشت۔"

شیخ بنا بر فرمودہ پیر بے نظیر خود "از دہلی" عزیمت "سنبھل" نمودند" چوں بنواحی شہر رسیدند۔ مخبران ایں خبر را بہ سلطان رسانیدند۔ از بس کہ سلطان را شوق ملاقات حضرت شیخ غالب بود۔ دو سہ کروہ پیش آمدہ ملاقات نمودند و ہمراہ گرفتہ بمنزل تشریف آوردند و بدست راست محل اجلاس مقرر فرمودند" و از صحبت کثیر البہجت ایشاں بغایت محظوظ و بہرہ مند و منتج و مسرور گشتند۔ و گرمی صحبت بنوعے درگرفت کہ زیادہ از آں تصور

جب تصنیف مثنوی "مہر و ماہ" کی جو "والا نژاد" معارف دستگاہ "حقایق آگاہ" "شیخ جمالی کنبو دہلوی کے نتائج طبع سے تھی" خبر ملی" تو ان کا بہت ہی شادمانی بڑھانے والا شوق صحبت سلطان کو دامنگیر ہوا۔"

سلطان نے دوسرا رقعہ "بانیاز تمام" قطب فلک ہدایت شیخ سماؤ الدین کنبو کی خدمت میں جو شیخ جمالی کے پیر تھے اور انکی لڑکی بھی شیخ جمالی کے حبالہ عقد میں تھی لکھا۔"

شیخ جمالی نے اپنے پیر بے نظیر کے فرمانے کی بنا پر دہلی سے سنبھل کا ارادہ فرمایا۔ جب شہر کے نواح میں پہنچے تو مخبروں نے یہ خبر سلطان کو پہنچائی۔ کیونکہ سلطان کے دل پر حضرت شیخ کی ملاقات کا شوق بہت ہی غالب تھا۔ اس نے تین کوس استقبال کے لئے آگے آکر ان سے ملاقات کی اور اپنے ہمراہ لیکر واپس ہوا اور منزل پر لایا۔ اور اپنے سیدھے ہاتھ پر دربار میں ان کی جگہ مقرر کی۔ اور ان کی بہت ہی خوشی بڑھانے والی صحبت سے نہایت محظوظ اور بہرہ مند

شتواں کردہ تا آخر ایام حیات "سلطان" بایکدیگر "دمساز" و "ہمراز" و "مصاحب" و "ہم زبان" بودند"

اور شیخ اور مسرور رہے اور گرمیٔ صحبت نے وہ رفعت پکڑی کہ جس سے زیادہ تصور نہیں کی جاسکتی "سلطان کی وفات کے وقت تک" دونوں ایک دوسرے کے دمساز اور ہمراز "اور مصاحب" اور ہم زبان رہے"

شیخ گدائی کے والد بزرگوار کی عزت و منزلت "سلطان ابراہیم لودی کے پاس"

رسالہ عبرت نجیب آباد ضلع بجنور میں مورخ اعظم علامہ اکبر شاہ نے تحریر فرمایا ہے کہ "ذیقعدہ ۹۲۳ھ ہجری بروز یک شنبہ سلطان سکندر" فوت ہوا" اس کے بعد "سلطان ابراہیم لودھی کے دربار میں بھی" شیخ کا "درشیخ جمالی کا" وہی اکرام و احترام رہا" ابراہیم لودہی "شیخ جمالی" کا ادب اس قدر ملحوظ رکھتا تھا کہ اپنے کسی چچا کا ادب اس نے اس قدر نہیں کیا"

شیخ گدائی کے والد بزرگوار کے اثر و کوشش سے "رانا سانگا کی شکست"

رانا سانگا کی کثیر فوج سے خوفزدہ ہو کر جبکہ شاہنشاہ بابر کی فوج نے دل ہار دیا۔ اور اُس کے افسروں نے "ملک ہندوستان کو" کافروں کے ہاتھ میں چھوڑ کر "کابل لوٹ چلنے کا تہیہ کر لیا تھا" شیخ جمالی کے اثر سے جو اُن کا دہلی اور دیگر علاقوں کے مسلمانوں پر تھا۔ بابر کو بہت مدد ملی" اور بابر نے لشکر میں جو پریشانی پھیلی ہوئی تھی اُس کا کچھ خیال نہ کر کے "جنگ کی تیاری شروع کر دی" "شیخ جمالی" بابر کے ساتھ تھے"

کارنامہ راجپوتان کے صـ۸۶ پر تحریر ہے کہ "بابر" نے "شیخ جمالی" کو بھیجا کہ "دوآبہ دہلی" کے ترکش بندوں میں سے جس قدر آدمی جمع ہوسکیں "جمع کر کے" مواضعات میوات کو "تاخت و تاراج کریں" اور جب تک اُس طرف کوئی خدشہ ہو۔ اپنا عمل جاری رکھیں۔ اور ملا ترک علی کو جو "کابل" سے آیا تھا۔ فرمان دیا کہ "شیخ جمالی" کے ہمراہ ہو کر "میوات کو" ویران و تاراج کرنے میں تقصیر نہ کرے"

شیخ گدائی کے والد بزرگوار "شیخ جمالی" کی عزت و تکریم شہنشاہ بابر کے دربار میں

"تزک بابری کے صـ۳۳۸ و ۳۳۹ پر شاہنشاہ بابر نے ۹۳۵ھ ہجری کے واقعات میں تحریر فرمایا ہے کہ "پیر کے دن چھٹی تاریخ" باغ میں جشن ہوا" (بمقام آگرہ) میں "اس ہشت پہلو بنگلہ کے شمالی ضلع میں بیٹھا جو بنایا گیا ہے" میرے سیدھے ہاتھ کی طرف "پانچ چھ گز کے فاصلہ پر "توختہ بوغا سلطان" عسکری" (فرزند شاہنشاہ بابر) خواجہ عبد الشہید اولیٰ "خواجہ کلاں تولا" خواجہ حسین خلیفہ "علماء اور حفاظ" جو "خواجہ" کے توابین میں سے تھے اور سمرقند سے آئے تھے بیٹھے"

اُلٹے ہاتھ کی طرف "پانچ چھ گز ہٹ کر "محمد زماں میرزا" تا فک اُشن سلطان "سید رفیع" سید رومی" "شیخ ابو الفتح" "شیخ جمالی" "شیخ شہاب الدین عرب" اور "سید ترکنی" بیٹھے" قزلباش "ازبک" اور "راجاؤں کے ایلچی بھی اس جشن میں شریک تھے"

دائیں ہاتھ کی طرف "ستر اسّی گز کے فاصلہ پر" شامیانہ تان کر "قزلباش" کے سفیر کو بٹھایا" اور اُس کے ساتھ بیٹھنے کو "یونس علی کو حکم دیا" اسی طرح دائیں ہاتھ کی جانب "ازبک" کے سفیر کو بٹھایا۔ اور اُمراء میں سے "عبد اللہ" کو اُس کے ساتھ بیٹھنے کے لئے متعین کیا"

شیخ جمالی کے اثر سے شہنشاہ بابر کا فائدہ اُٹھانا

جب شاہنشاہ اکبر "آرہ" اور "بستی منیر" کے قرب و جوار میں تھے "شاہنشاہ بابر نے" شیخ جمالی" کو ان کے اثر کی وجہ سے "داؤد" اور اُس کے بیٹے کو لانے کے لئے روانہ کیا تھا" جس کو صـ۳۵۲ پر اس طرح تحریر فرمایا ہے کہ "جمعرات کے دن "شیخ جمالی" کو "داؤد" اور اُس کے بیٹے "جلال الدین خاں" کے پاس معہ فرمان استمالت روانہ کیا"

بصفحہ ۳۵ پر "شاہنشاہ بابر" نے "شیخ جمالی" کے ان دونوں باپ بیٹوں کے اپنے ہمراہ لے آنے کا حال ان الفاظ میں لکھا ہے کہ "پیر کے دن آٹھویں تاریخ "دریا خاں کا پوتا جلال خاں" جس کے لانے کے لئے "شیخ جمالی" گئے تھے" آکر ملا" بڑے بڑے اُمراء سمیت آکر ملا۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ جبکہ بابر بادشاہ "بنگالیوں" کو شکست دیکر" اور "بہار" میں اپنی حکومت جماکر" اودھ" میں آگئے تھے" یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شیخ جمالی کا بے پایاں اثر تمام افغان قوم پر تھا اور وہ ان کو کس عظمت اور حرمت بزرگی کی نظر سے دیکھتی تھی"

شہنشاہ بابر کی "شیخ گدائی" کے والد بزرگوار کے مکان پر بار بار حاضری

علامۂ زماں مؤرخ اعظم اکبر شاہ خاں "نجیب آبادی" نے اپنے رسالہ عبرت نجیب آباد ضلع بجنور میں تحریر فرمایا ہے کہ "جب پانی پت کے میدان میں بابر کے ہاتھ سے دولت افغانیہ" ابراہیم لودھی کے ساتھ تباہ ہوئی۔ تو بابر کی مردم شناس نگاہ نے ہندوستان کے اس گوہر بے بہا کو" دولت افغانیہ" کے تمام خزاین ودفاین سے زیادہ قیمتی سمجھکر اپنی ذات کے لئے منتخب کرلیا" اور اپنے دربار کا زیب وزینت سمجھکر کبھی جدا نہ ہونے دیا" بابر کے دربار میں دولت افغانیہ کے اُمراء کی کچھ قدر نہ تھی" اور یہی سبب تھا کہ بابر کے بعد بہت جلد افغانوں نے "شیر شاہ" کے زیر سایہ جمع ہوکر" ہمایوں" کو ہندوستان سے نکالنے میں کامیابی حاصل کی" لیکن بابر باوجود اس کے کہ اس کے ہمراہ بہت ایرانی اور تورانی باکمال موجود تھے" "شیخ جمالی" کی اس قدر عزت کرتا تھا کہ بسا اوقات خود اٹھکر" شیخ جمالی" کے گھر چلا جاتا تھا"

شیخ گدائی کے والد بزرگوار کی خدمت میں شہنشاہ ہمایوں کی بارہا حاضری او نیازمندی

مآثر الامراء سے لیکر "ہمایوں بادشاہ" سے آپ کے تعلقات کا حال اور یہ کہ ہمایوں بادشاہ" کر ران کے مکان پر تشریف لائے تھے" اوپر لکھا جا چکا ہے اس لئے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے"

علامہ اکبر شاہ خاں نے رسالہ عبرت میں لکھا ہے کہ بابر کے بعد ہمایوں نے بھی "شیخ جمالی" کی تعظیم وتکریم بدرجۂ اتم ملحوظ رکھی" اپنے باپ کی سنت کے موافق "شیخ جمالی کے مسکن پر حاضری دی" اور کبھی شیخ کی جدائی کو گوارا نہ کیا" بنگالے کے سفر" کا نجر کی فتح" اور گجرات کی فوج کشی میں "شیخ جمالی" ہمایوں کے ساتھ تھے" جب ہمایوں نے "بہادر شاہ" فرماں روائے گجرات و فاتح چتوڑ پر چڑھائی کی۔ تو شیخ جمالی ہمایوں کے ساتھ تھے" اسی سفر میں شیخ جمالی فوت ہوئے" میت دہلی بھجوائی گئی۔ اور قطب صاحب کے پاس سپرد خاک ہوئی" ۱۰ ذیقعدہ ۹۴۲ ہجری کو سلطان سکندر سے پورے اُنیس سال بعد فوت ہوئے"

صاحب منتخب التواریخ ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی کتاب کی جلد اوّل کے صفحہ ۳۴۲ پر لکھا ہے کہ"

"زمانیکہ "بادشاہ (ہمایوں) از مندو" دار السلطنت مالوہ) بجانب آگرہ متوجہ شدہ بودند میرزا عسکری "درراہ بملازمت رسید" و بہادر "چاپانیر" را بصلح از "تردی بیگ" گرفت" و دریں سال "جمالی کنبوہ دہلوی" از عالم فنا بملک بقا رسید" و خسرو ہند بوده" تاریخش یافته اند"

جس زمانے میں کہ بادشاہ (ہمایوں) مندو (دار السلطنت مالوہ) سے آگرہ کی طرف متوجہ ہوا" اور میرزا عسکری نے راستہ میں ملازمت کی۔ اور بہادر نے چاپانیر کو صلح سے تردی بیگ سے لیلیا" اسی سال "جمالی کنبوہ دہلوی" کا انتقال ہوگیا" اور خسرو ہند بوده ان کی وفات کی تاریخ ہوئی"

خزینۃ الاصفیا جلد دوم کے صفحہ ۔۔۔ پر ہے کہ"

"وفات آں جامع الکمالات درسالیکہ "ہمایوں بادشاہ" بہ گجرات رفتہ بود" ہمراہ لشکر بادشاہ بوقوع آمد"

وفات اس جامع الکمالات کی اس سال جب ہمایوں گجرات گیا تھا" ہمراہ لشکر بادشاہ وقوع میں آئی"

عرب و عجم سے آنے والوں کے سرپرست شیخ گدائی کے برادرِ خورد شیخ عبدالحیٔ المتخلص بہ حیاتی

"شیخ عبدالحق محدث دہلوی" نے "اخبار الاخیار" کے صفحہ ۲۲۲ میں تحریر فرمایا ہے کہ:

"در زمان "افغانان" ہر کہ از جنس طالب علم "یا شاعر" یا "قلندر" از ولایت "بایں جانب" افتادے در منزل او مے بودے و بہر یک بہر بایں ہا خدمت ہا مے کردے "و مبلغ کثیر" از ترکۂ پدر "بہ او رسیدہ بود" آں ہمہ را در مدتے از عمر خود "صرف اوقات یاراں کردے"

افغانوں کے زمانے میں جو طالب علم "یا" شاعر "یا" قلندر "ولایت" سے اِس طرف آیا" اس کے لئے اُن کا گھر ٹھکانا تھا" وہ ہر ایک کی اپنی دولت سے خدمت کرتے تھے" اور کثیر دولت جو انہیں ترکۂ پدری سے پہنچی تھی اُس سب کو اپنی مدت العمر میں اپنے دوستوں پر صرف کر دیا"

شیخ گدائی کے بھائی کی قدر و منزلت شیر شاہ کی نظر میں

تاریخ خانجہانی مخزنِ افغانی میں ہے کہ "شیخ عبدالحیٔ برادر خورد شیخ گدائی" مصاحب و ندیم و ہم زبان "شیر شاہ سوری" کے تھے" چنانچہ اِس کتاب کے ورق ۲۰۳ پر تحریر ہے کہ"

"ملو خاں" (حاکم مالوہ) نصف شب از اُردو بر آمدہ "راہ فرار پیش گرفت" علی الصباح چوں "شیر شاہ" در بارِ عام بر آمد" ایں خبر شنید" بجانب فضائل مآب "شیخ عبدالحیٔ" ولد "شیخ جمالی کنبو" برادر خورد "شیخ گدائی" کہ مصاحب و ندیم و ہم زبان شیر شاہ بود" توجہ نمود" و ایں مصرع بر زبان راند" ع با ما چہ کرد دیدی ملّو غلام کیدی"
"شیخ عبدالحیٔ" فی البدیہہ مصرع دیگر گفت" ع
قولیست مصطفیٰ را لا خیر فی العبیدی
"شیر شاہ" بغایت شگفتہ گشت"

ملّو خاں (حاکم مالوہ) آدھی رات کو اپنے لشکر سے نکل کر بھاگ گیا" صبح سویرے "شیر شاہ" نے دربارِ عام میں برآمد ہو کر یہ خبر سنی" تو فضائل مآب "شیخ عبدالحیٔ ولد شیخ جمالی کنبو برادر خورد شیخ گدائی کی طرف جو مصاحب و ندیم اور ہم زبان شیر شاہ کے تھے" مخاطب ہو کر یہ مصرع زبان پہ لایا" ع با ما چہ کرد دیدی ملّو غلام کیدی"
"شیخ عبدالحیٔ" نے فوراً ہی یہ دوسرا مصرع کہا" ع
قولیست مصطفیٰ را لا خیر فی العبیدی
"شیر شاہ" بہت ہی خوش ہوا"

حیات لودی معروف شوکت افغانی کے صفحہ ۲۶۹ پر اور "تاریخ فرشتہ جلد دوم مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ کے صفحہ ۲۶ پر" پہلا مصرع شیر شاہ کا اور دوسرا فی البدیہہ مصرع "شیخ عبدالحیٔ" کا تحریر ہے" مگر صاحب "منتخب التواریخ" "ملا عبدالقادر بدایونی" نے یہ پورا شعر "شیر شاہ" سے منسوب کر دیا ہے" چنانچہ اپنی کتاب کی جلد اول کے صفحہ ۳۶۵ پر اس نے لکھا ہے کہ"

"دریں اثنا بہ خاطر "ملو خاں" راہ یافت شبے خیمہ را پارہ کردہ تنہا بروش معہود غلاماں راہِ فرار پیش گرفت و "شیر خاں" (شیر شاہ سوری) ایں بیت گفت ؎

اسی اثنا میں ملو خاں کے دل میں وہم پیدا ہوا" رات کو خیمہ میں سوراخ کر کے وہ غلاموں کی طرح اکیلا بھاگ گیا" اور "شیر خاں" (شیر شاہ سوری) نے یہ بیت کہی ؎

با ما چہ کرد دیدی ملّو غلام کیدی — قولیست مصطفیٰ را لا خیر فی العبیدی

با ما چہ کرد دیدی ملو غلام کیدی — قولیست مصطفیٰ را لا خیر فی العبیدی

مؤلف امروہوی کا یہ قول" محتاط "ناقد" اور محقق ملا" اِن دونوں مصرعوں کو "شیر شاہ" سے چسپاں کرتے وقت اتنا بھی نہ جان سکا کہ اِس دوسرے مصرع کو "شیر شاہ" اپنی زبان سے کہہ بھی سکتا تھا یا نہیں"

اسلیم شاہ سوری کے پاس شیخ گدائی کے بھائی کی قدر و منزلت و اُن کی تصنیف

"تاریخ خان جہانی مخزنِ افغانی" کے ورق ۱۱۴ و ۱۱۵ پر ہے کہ"

"فضایل مآب" معالی انساب" شیخ عبدالحیٰ" کہ در فضیلت سخن وری" وظرافت طبع" ثانی نداشت" مصاحب و ندیم و ہمدم وہم زبان" سلیم شاہ" بود"

فضایل مآب" معالی انساب" شیخ عبدالحیٰ" جو فضیلت۔ سخن وری اور ظرافت طبع میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے" مصاحب" ندیم اور ہمدم اور ہم زبان" سلیم شاہ" کے تھے"

منتخب التواریخ میں جلد اوّل کے صفحہ ۴۱۷ پر ہے کہ"

ہمیں سال (سنہ ۹۵۹ ہجری) شیخ عبدالحیٰ ولد شیخ جمالی کنبوہی دہلوی" کہ بفضائل علمی وشعری آراستہ و صاحب سجادہ۔ و ندیم" و مصاحب خاص الخاص" اسلیم شاہ بود" وفات یافت"

اسی سال (سنہ ۹۵۹ ہجری) میں شیخ عبدالحیٰ ولد شیخ جمالی کنبوہی دہلوی نے جو فضائل علمی اور شعری سے آراستہ اور صاحب سجادہ اور ندیم ومصاحب خاص الخاص" اسلیم شاہ کے تھے۔ وفات پائی"

شیخ عبدالحق محدث دہلوی" تذکرہ مصنفین دہلی کے صفحہ ۱۸ و ۱۹ پر لکھتے ہیں کہ"

میگویند کہ تاریخ نوشتہ بود" بنام سلیم شاہ" مصنوع مطبوع کہ باقی نماند"

کہتے ہیں کہ مصنوع مرغوب طبع سلیم شاہ کے نام سے تاریخ لکھی تھی" جو باقی نہیں رہی"

شیخ گدائی کے عزیز نواب شہباز خاں شہنشاہ اکبر کے سپہ سالار و گورنر و نائب السلطنت

المشاہیر کے صفحہ ۹۰ پر" شیخ گدائی" کے قریبی عزیز" نواب شہباز خاں" کے حالات میں تحریر ہے کہ" جب اکبر" مرزا محمد حکیم اپنے چھوٹے بھائی کے فتنہ وآشوب کے دفع کرنے کے لیے کابل گیا" شہباز خاں" جو" بنگالہ وبہار" میں" معصوم خاں" کو شکست فاش دیکر اُس ملک کو" باغیوں سے صاف کر چکے تھے" حسب الحکم شاہی" آگرہ" پہنچکر بادشاہ کی غیبت میں" وہ دارالسلطنت کی حفاظت پر مامور ومصروف رہے" چھبیس سال جلوس (سنہ ۹۸۹ ہجری) میں بادشاہ نے مراجعت کی" شہباز خاں" مشرف یاب ملازمت ہو کر مورد مراحم خسروانہ ہوئے"

اور صفحہ ۹۱ پر لکھا ہے کہ" محرم سنہ ۹۵۹ ہجری میں خبر آئی کہ" میرزا محمد حکیم" حسب طلب" معصوم خاں فرنخودی" قصد ہندوستان کو آتا ہے" اور شادمان نامی" اُس کا ایک نوکر" اٹک" اتر آیا ہے" اکبر" فتحپور" سے" پنجاب" کی طرف متوجہ ہوا" جب" سعد آباد" میں جو فتحپور سے پندرہ کوس ہے پہنچا" شہباز خاں" کی فتح عظیم پانے اور" معصوم خاں فرنخودی کو" دشت ادبار کرنے" ڈیڑھ سو ہاتھی" اور بہت سا مال واسباب ہاتھ آنے اور معصوم خاں کے اہل وعیال کے گرفتار ہو جانے کی خبر پہنچی۔ اس فتح نمایاں کی بڑی خوشی ہوئی۔ اور فال نیک سمجھی گئی" شہباز خاں کے نام" فرمان عنایت اقتران بھیجا گیا" اور معصوم خاں کے اہل وعیال کی حفاظت کی ہدایت کی گئی" بادشاہ کی غیبت میں" کرہی" (نام مقام در گجرات) سے" پنجاب تک" تمام ملک" شہباز خاں" کے زیر حکومت تھا" وہ جس شخص کو جو منصب چاہتے تھے دیدیتے تھے" جب اکبر" پانی پت میں داخل ہوا تو" شہباز خاں" نے بڑے کروفر سے ملاقات حاصل کی" اکبر نے" اُن سے پوچھا" کہ تم کو بیدریغ مناصب دینے کی کیوں ایسی جرأت ہوئی" انہوں نے جواب دیا کہ اگر میں سپاہیوں کو دلاسا نہ دیتا تو سب یک قلم باغی ہو جاتے۔ اب آپ کا ملک ہے اور آپ کی فوج ہے۔ جس کسی کو جو منصب چاہے دیجئے۔ اور جس سے چاہیے نکال لیجئے"

صاحب منتخب التواریخ نے جلد دوم کے صفحہ ۲۹۶ پر اس طرح لکھا ہے کہ"

وچوں (اکبر) بہ پانی پت" رسیدند" دریں منزل" شہباز خاں" کہ در مدت غیبت" از کرہی" تا" پنجاب" ممالک محروسہ را بطور جاگیر مردم ساختہ" وہر کرا" ہر منصبے کہ خواستہ دادہ بود" باطمطراق وکروفر آمدہ۔ ملازمت کرد۔ وچوں از وے سبب ایں جرأت پرسیدہ اند۔ جواب دادہ" کہ اگر ایں چنیں دلاسائے سپاہی نمی کردم"

جب اکبر پانی پت پہنچا۔ اس منزل میں شہباز خاں نے جس نے بادشاہ کی غیر حاضری میں" کرہی (نام مقام در گجرات) سے پنجاب تک تمام ملک بطور جاگیر کے زیر حکومت تھا اور وہ جس شخص کو چاہتا تھا اپنے اختیار سے ہر منصب دیدیتا تھا" بڑے طمطراق اور کروفر سے آکر بادشاہ کی ملازمت کی" جب بادشاہ [illegible]

نواب شہباز خاں کی دینداری اور بزرگان دین سے ارادت، قومی ہمدردی اور عدیم النظیر دولتمندی

مآثر الامراء جلد اول کے ص ۵۹۷ تا ۶۰۰ پر تحریر ہے کہ:

(۱) گویند شہباز خاں وصیت کردہ بود کہ در محوطۂ مرقد منور معینیہ (حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ) نعش کنند۔ مجاوران بقعۂ شریفہ سر زدہ نگذاشت۔ ناچار بیرون مدفون گردید۔ (ص ۵۹۸)
شب خواجہ بزرگ در رؤیا بمجاوران تاکید فرمود کہ از محبان ماست۔ اندرون شمال روپہ گنبد گذارند۔ صبح بمبالغۂ آنہا برآوردہ بہ جائے معین سپردند۔

(۲) صلاح و تقوی او مشہور است۔ و پاس شریعت غرّا بسیار ملحوظ میداشت۔ (ص ۵۹۷ و ۵۹۸)

(۳) رسم و رواج وقت لحیہ نکرد۔ و خمر نہ پیمود۔ و در نگین لفظ مرید نکند۔

(۴) تہجد و اشراق تا سنت عصر قضا نشد۔ و بے وضو نمے بود۔ و ہمیشہ تسبیح در دست بود و میخواند۔ ص ۵۹۹

(۵) اخراجاتش دیدہ مردم متحیر میبودند۔ برشے بہ یافتن سنگ پارس شہرت میدادند۔

(۶) بالجملہ گویند شہباز خاں مردم بیش قرار نوکر داشت۔ چنانچہ دہ کس بودند کہ ہر کدام سالیانہ یک لک روپیہ مے یافت۔

(۷) در جنگ برہم پتر از خود نہ ہزار سوار موجود داشت۔

(۸) و ہر شب جمعہ صد اشرفی را شیرینی نذر حضرت غوث الثقلین قدس سرہ بخش میکرد۔

(۹) و بمردم کنبوہ آنقدر داد کہ ہیچ کس از یں قوم در ہند پریشانی

(۱) کہتے ہیں کہ شہباز خاں نے وصیت کی تھی کہ مجھے خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے مزار مبارک کے احاطہ میں دفن کریں۔ مجاوروں نے اجازت نہ دی ناچار باہر مدفون ہوئے۔
رات کو خواب میں خواجہ بزرگ نے مجاوروں کو تاکید فرمائی کہ شہباز خاں ہمارا دوست ہے اس کو اندرون شمال سوئے گنبد کے جگہ دو۔ صبح کو اُن کی منت سماجت سے اُن کی نعش نکال کر خواجہ صاحب کی بتلائی ہوئی جگہ دفن کیا۔

(۲) صلاح و تقویٰ اُن کا مشہور ہے شریعت غرّا کا پاس بہت ملحوظ رکھتے تھے۔

(۳) رسم و رواج وقت کے مطابق انہوں نے داڑھی نہیں منڈائی شراب نہیں پی۔ اور انگوٹھی میں لفظ مرید کندہ نہیں کرایا۔

(۴) تہجد اور اشراق کی نمازیں حتیٰ کہ سنت عصر تک قضا نہیں کیں اور کبھی بے وضو نہیں رہتے تھے۔ اور ہمیشہ تسبیح ہاتھ میں رکھتے اور ورد کرتے رہتے تھے۔

(۵) اُن کے اخراجات دیکھ کر لوگ حیران ہوتے تھے۔ اور شہرت ہو گئی تھی کہ ان کو پارس پتھر مل گیا ہے۔

(۶) یہ بھی کہتے ہیں کہ شہباز خاں بڑی بڑی تنخواہوں کے نوکر رکھتے تھے۔ چنانچہ دس آدمی ایسے تھے کہ جن میں سے ہر ایک کو ایک ایک لاکھ روپیہ سالانہ تنخواہ دیتے تھے۔

(۷) جنگ برہم پتر میں ان کی اپنی ذاتی فوج نو ہزار تھی۔

(۸) اور ہر جمعہ کی رات کو سو اشرفیوں کی مٹھائی حضرت غوث الثقلین قدس سرہ کی نیاز دلا کر تقسیم کراتے تھے۔

(۹) اور کنبوہ لوگوں کو انہوں نے اس قدر دیا کہ کوئی آدمی اس قوم کا

(بقیہ نوٹ ۱۳۱) اور علم مجلسی۔ اور آداب محفل کی اس غریب کو کیا خبر۔ وہ آپ ہی نہیں جانتا۔ شاگرد کو کیا سکھائے اور بتائے۔ سن سن کر معلوم بھی کر لیا تو کیا ہوتا ہے۔ یہ کہاں اور وہ کہاں۔ اُن کا دل کھلا ہوا تھا۔ اُن کو وقت پر قواعد و آداب کے سوچنے کی ضرورت نہ تھی۔ اپنے موقع پر خود بخود اعضا میں وہی حرکت پیدا ہو جاتی تھی۔ کیونکہ وہ اسی دربار کی مچھلی تھے۔
اب بھی نئے روشن ضمیر نو تعلیم یافتہ کہیں جا پہنچتے ہیں۔ تو سلام کرنا بھی نہیں آتا۔ میرے ان دوستوں کے ہوش بجا نہیں رہتے۔ چلتے ہیں تو قدم ٹھکانے سے نہیں پڑتا۔ اور نظر باز بھی وہیں ٹھکانے کھڑے ہیں۔ بات بات پر کہہ رہے ہیں کہ یہاں چوکا۔ وہاں بھولا۔ یہ ٹھوکر کھائی۔ وہ گر پڑا۔ پھر صاف کہہ دیتے ہیں کہ مولوی صاحب۔ بابو صاحب۔ ٹکسال باہر ہیں۔ خیر اب نہ وہ دربار۔ نہ وہ سرکار۔ جہاں ٹوٹا پھوٹا کارخانہ ہے۔ اسی کا رنگ بدلتا

بدحال خاندے (۱۰) سعدا۔ بعد قمر ونش تا پنجاہ سال از اشرفی و روپیہ فایت خزاین برسے آمد

ہندوستان میں پریشان و بدحال نہ رہا (۱۰) بہرحال اُن کے مرنے کے بعد پچاس برس تک اشرفیوں روپیوں کے دفینے اور خزانے نکلتے رہے۔

شیخ گدائی کے ایک اور عزیز وزیر اعظم سلطان ابراہیم لودھی

المشاہیر کے صفحہ ۱۱۱ پر "شیخ گدائی" کے ایک اور عزیز "شیخ عبدالعزیز کنبوہ" کا حال اس طرح تحریر ہے کہ "شیخ عبدالعزیز" سلطان ابراہیم لودی" کے "مدارالمہام" سلطنت تھے۔ بادشاہ کے بھائی کو اُن کے بہادر فرزند نے گرفتار کیا تھا۔ سلطان سکندر نے اتوار کے دن بارہ ذیقعدہ ۹۲۳ ہجری میں سلطنت دنیا سے کنارہ کیا تھا۔ اسی دن ابراہیم "اس کا چھوٹا بیٹا" آگرہ میں تخت نشین ہوا۔ سکندر و ابراہیم "کے وقت سے" شیخ عبدالعزیز" کے زمانہ کا پتہ چلتا ہے۔"

شیخ نورالحق (المتوفی ۱۰۳۳ ہجری) فرزند شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتاب "زبدۃ التواریخ قلمی" کے ورق ۴۲۵۴ پر بھی آپ کا ذکر تحریر ہے۔ اور کارنامہ راجپوتان کے صفحہ ۵ پر اور تزک بابری "سے معلوم ہوا کہ آپ سلطان بابر کی طرف سے جمادی الاول ۹۳۳ ہجری میں راجہ سانگا کی فوج سے لڑکر شہید ہو گئے۔"

شیخ گدائی کے عزیز وزیر اعظم شیر شاہ سوری

المشاہیر کے صفحہ ۱۱۶ و ۱۱۷ پر "نواب اعتماد الملک سنبھلی" کا حال تحریر ہے کہ "آپ شیر شاہ سوری کے وزیر اعظم تھے" اور آپ کا گنبد دار مقبرہ سنبھل میں موجود ہے" اور آپ کی نسل کا بھی سنبھل میں پتہ ملتا ہے" یہ اعتماد الملک "شیخ گدائی" کے خاندان سے تھے۔"

شیخ گدائی کے خاندان کے چند دیگر امراء" اولیاء اور علماء

شیخ گدائی کے خاندان کے تین بزرگوں۔ (۱) ملک میاں چھجو نبیرۂ فیروز خاں اور نبیرۂ خان جہاں اور (۲) مولانا جمال الدین پلو ولد حسام الدین ملتانی" اور (۳) حاجی جمال قدس سرہ کے کچھ حالات ہم باب سوم میں لکھ آئے ہیں۔ جو ملک میاں چھجو کے علاوہ تغلقوں "خلجیوں" اور ترکوں کے زمانوں کے بزرگ ہیں۔ "ملک میاں چھجو" سیدوں اور لودھیوں کے امرائے کبار میں سے تھے۔ ان کے علاوہ (۴) ملک تاج الدین اور (۵) خانجہاں عماد الملک" سلطان بہلول اور سکندر لودھی کے امرائے کبار میں تھے" موخرالذکر میر عدل تھے"

شیخ گدائی کے نانا" نانا کے حقیقی بھائی اور والد بزرگوار نیز خالو اور ماموں زاد بھائیوں کے حالات سے جو اپنے اپنے درجات میں ایسے ممتاز تھے جو اپنی آپ نظیر ہیں ہم آگے کسی موقع پر روشناس کرائیں گے۔ یہاں اُن کے زمانے کے صرف چند بزرگوں سے اور واقف کراتے ہیں۔

اکبری کے زمانے میں امراء میں (۱) کرم اللہ نواب شہباز خاں کے بھائی اور (۲) بہاؤالدین کنبوہ بھی تھے جنہیں شہنشاہ اکبر نے یوسف خاں بادشاہ کشمیر کے پاس سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ (۳) مصطفیٰ قلی کنبوہ امراء میں نامور جرنیل تھے شہنشاہ اکبر کے زمانے میں دکن کی لڑائیوں میں آپ کا ذکر موجود ہے۔ غرضکہ جہانگیر و شاہجہاں و عالمگیر و فرخ سیر و محمد شاہ شاہ عالم۔ وغیرہ وغیرہ کے زمانوں میں بھی مسلسل اسی قبیل کے بزرگ ہوتے چلے آئے ہیں۔ اگر سب کا حال لکھا جائے تو کئی ضخیم جلدیں بنیں گی" شعراء، حکماء اور مصنفین کا ذخیرہ" امراء" علماء اور مشائخ طریقت کا ایک لا متناہی سلسلہ ہے جو "شیخ گدائی" کے خاندان میں شروع سے آج تک چلتا چلا آیا ہے۔ ہر تاریخ میں اس خاندان کے بزرگوں کے حالات موجود ہیں۔ عزیز برآں زین الدین شہید دہ گجرات اور بہادر خاں شہید دکو تلنگی" نامور سپہ سالار شہنشاہ اکبر کے تھے۔"

شیخ گدائی کے خاندان کی حیثیت جو ہر زمانے میں رہتی آئی

ہم نے اس موقع پر "شیخ گدائی" کے صرف چند اُن بزرگوں" اور اقربا کا تذکرہ۔ دکھا ۔۔۔ ۔۔۔ کرنا ۔۔۔ ۔۔۔

ایک محلہ "بلالی سرائے" اب بھی موجود ہے" (۴) شیخ ابن بدر چشتی امروہوی" کے پیر طریقت "سید علاؤ الدین المشہور علاول بلاول مجذوب" و شاہ عبداللہ قریشی۔ (۵) سیادت مآب معز الدین" (۶) شیخ محمود" (۷) رسولدار" (۸) شیخ عبد النبی صدر الصدور یا شیخ الاسلام سلطنت شاہنشاہ اکبر کے والد ماجد" شیخ احمد" (۹) ملا عبد القادر بدایونی اور ان کے والد" اور "سید محمد میر عدل امروہوی کے استاد" شیخ حاتم سنبھلی" (۱۰) شیخ راجو قدس سرہ ابن شیخ محمد زماں" (۱۱) اور شیخ بایزید ابن شیخ راجو قدس سرہ" کے علاوہ شیخ عبد الستار سہارنپوری قدس سرہ اور ہزاروں "پیران طریقت" اور علمائے شریعت" شیخ گدائی کے نانا" ماموں" ماموں زاد بھائیوں۔ ان کے والد" اور خود ان کے مرید و خلیفہ نیز شاگرد تھے"

اور ان کے مکان پر "سلطان بہلول لودی" سکندر لودی" بابر" اور ہمایوں و اکبر وغیرہ" آکر سر نیاز جھکایا کرتے تھے" نیز "شیر شاہ سوری" اور "اسلیم شاہ" شیخ گدائی کے چھوٹے بھائی" شیخ عبد الحی المتخلص بہ حیاتی کی مصاحبت و ہمزبانی کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے" اور جس قدر بھی طالب علم" شاعر" یا درویش" ولایت سے اس جانب آتے تھے" اُن سب کی سرپرستی "شیخ گدائی" کا گھرانا ہی کرتا تھا" خصوصاً اُن کے چھوٹے بھائی "حیاتی" اُن پر مبلغ خطیر صرف کرتے تھے"

پھر جبکہ ہمارے پیش کردہ اقتباسات سے اس امر پر بھی بخوبی روشنی پڑ گئی ہے کہ "ہندوستان میں" ابتدائے عملداری مسلمانان سے "شیخ گدائی" کے خاندان کو مسلسل قابل رشک اقتدار حاصل رہا ہے) اور ہم نے ملا عبد القادر بدایونی کی کتاب "منتخب التواریخ" میں تو "شیخ گدائی" کے بھتیجے "شیخ محمد" کے متعلق یہ لکھا ہوا دکھا دیا ہے"

(۱) شیخ محمد" علوئے حسب و نسب" اور فضائل مکتسبی و موروثی میں "یگانۂ زمانہ تھے" اور

(۲) شجرۂ سہروردیہ" اُن کے نانا مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہ" کی پالکی کو "سید عبد الوہاب بخاری کے اپنے کاندھوں پر اٹھا لینے کا حال بھی بتایا ہے"

(۳) نیز "مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہ کی نسل کے ایک بزرگ" شیخ محمد اللبین" کو "فخر و خارستان" میں "سید" تحریر کیا گیا ہے" اور

(۴) تاریخ خان جہانی مخزن افغانی میں "شیخ گدائی" کے والد بزرگوار "شیخ جمالی کنبوہی دہلوی" کو "والا نژاد"

(۵) اور شیخ گدائی" کے برادر خورد "شیخ عبد الحی" کے نام کے ساتھ "معالی انساب" لکھا ہونا بھی ظاہر ہو چکا ہے"

(۶) شاہنشاہ بہلول لودی" مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہ کے ہم وطن" یعنی ملتان ہی کے باشندے تھے" اور "مخدوم صاحب" کے نسب سے اچھی طرح واقف تھے" اُن کے حضرت مخدوم صاحب کے آستانۂ مبارک پر آکر قدمبوسی کی اجازت چاہنے" اور بعد حصول اجازت" حضوری میں حاضر ہو کر "مخدوم صاحب" کے قدموں پر اپنا سر رکھ دینے کا حال بھی مذکور ہو چکا ہے"

(۷) سلطان سکندر لودی کے متعلق سارے تاریخداں حضرات جانتے ہیں کہ اُن کو نسب کا بڑا خیال تھا" تاریخ فرشتہ جلد دوم مترجمہ مولوی فدا علی صاحب طالب رکن دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن کے صفحہ ۱۹ پر تحریر ہے کہ "جو شخص بادشاہ کے پاس نوکری کے لئے آتا" بادشاہ اُس کا نسب پوچھ کر اُس کے حسب حیثیت اُس پر نوازش کرتا تھا" یہ بادشاہ بھی مخدوم صاحب" کے علوئے نسب سے خوب طرح واقف تھا" اُس نے جس اعتقاد سے "مخدوم صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن سے "میزان الصرف" کا سبق لیا تھا۔ اور حضرت مخدوم صاحب کی زبان مبارک سے اپنے لئے یہ فقرہ سن کر "نظام خاں" از خدا خواستہ ام کہ انشاء اللہ تعالیٰ سکندر وقت خود باشی" اپنے برادران بزرگ کی موجودگی میں بادشاہ ہو جانے پر" اپنے نام کی مناسبت سے "نظام شاہ" کے بجائے حصول برکت کے لئے اپنا نام "سکندر" رکھ لیا تھا" یہ بیان بھی اوپر آ چکا ہے" اور اس بات پر بھی روشنی ڈالی جا چکی ہے کہ "حضرت مخدوم صاحب قدس سرہ کے فرزند اکبر شیخ عبد اللہ بیابانی سے سلطان سکندر نے اپنی بھتیجی کی شادی کی تھی" نیز شیخ گدائی کے ماموں زاد بھائی میاں لادن" سکندر لودی کے مشیر مذہبی تھے۔ اور جب آپ بادشاہ کے پاس دہلی سے آگرہ تشریف لے جاتے تھے تو جتنے دن آپ

اسی "سکندر لودی" نے جو "اشتیاق خاصہ "شیخ گدائی" کے والد بزرگوار "حضرت مخدوم شیخ جمالی قدس سرہ" کی خدمت میں بھیجا تھا" اور "مخدوم شیخ جمالی قدس سرہ" کے اس کو دَر کرو دینے پر "آپ کے بھیجد ینے کے لئے "حضرت مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہ" کی خدمت میں بعجز و نیاز درخواست کی تھی" اور "مخدوم شیخ جمالی رح" کی تشریف آوری کی خبر سنکر۔ تین کوس جا کر اُن کا استقبال کیا تھا" اور پھر عمر بھر اُن کو اپنے آپ سے جدا نہیں ہونے دیا" اور تا دم حیات "مخدوم شیخ جمالی رح" کے ساتھ "دمساز و ہمراز و ہم صحبت" اور ہم زبان رہا" اِن واقعات کی تفصیل بھی ہم اُوپر دے چکے ہیں" اور اُن سے "مخدوم شیخ جمالی رح" کی "عالی نسبی" "والا نژادی" اور "عربی" "قریشی" "زبیری" ہونے کا حال بخوبی منکشف ہو گیا ہے"

(۸) مزید سے برآں "شیخ عبد الحق محدّث دہلوی کے نانا" "شیخ زین العابدین عرف شیخ اودھن رح" المتوفی ۹۳۳ھ ہجری نے اپنی کتاب مصباح العارفین میں "حضرت مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہ کا" "جو شجرۂ نسب "حضرت مصعب بن حضرت زبیر" تک دیا ہے" یہ ہی شجرہ "شیخ گدائی" کا بھی ہے" کیونکہ شیخ گدائی" کے پردادا" اور حضرت مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہ کے دادا" ایک ہی بزرگ ہیں"

(۹) اور "شیخ گدائی" کے قریبی عزیز "نواب شہباز خاں" کا "شجرۂ نسب" "رسالہ شہباز خاں" میں ہے جو "شاہنشاہ اکبر کے زمانہ کی تصنیف ہے" امیر المومنین حضرت عبد اللہ بن حضرت زبیر رض" تک لکھا ہے"

گو مؤلف امروہوی نے اپنے مقصد میں حائج سمجھکر "مصباح العارفین" اور "رسالہ شہباز خاں" کے وجود سے انکار کیا ہے" لیکن ہم نے اُس موقع پر جہاں "مؤلف موصوف" نے "مصباح العارفین" پر بحث کی ہے۔ اِس کتاب کے موجود ہونے کو ثابت کر دیا ہے" اور "رسالہ شہباز خاں" تو خود ہمارے کتب خانے ہی میں موجود ہے" اور دیکھا جا سکتا ہے"

(۱۰) پھر یہ بھی ہے کہ "کتاب سلسلۂ عالیہ مطبوعہ مطبع فیض منبع ہاشمی شہر میرٹھ" جو آج سے تقریباً ڈیڑھ سو برس پہلے کی تصنیف ہے" اور عام طور پر ملتی ہے" اور جس کے متعدد نسخے "مؤلف امروہوی کے وطن امروہہ" میں اکثر اشخاص کے پاس موجود ہیں" اور ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ خود مولف امروہوی نے بھی بنظر امعان اُس کا مطالعہ کیا ہے" اُس کے صفحہ پر "شیخ گدائی کے خاندان کے نسب کے متعلق یہ فقرہ تحریر ہے کہ

مجمعہ اہلِ دانش وحقیقتہ بایں قرار دادہ۔ بدیں گونہ است کہ "عقلمند اور حقیقت پر عبور رکھنے والوں نے جو بات تسلیم کی ہے وہ یہ ہے

ایں گروہ" از قبیلۂ خاص رؤسائے قریش است" — کہ یہ جماعت رؤسائے قریش کے خاص قبیلہ سے ہے"

اِن کتابوں کے علاوہ اور کتابیں بھی ہیں جن میں "شیخ گدائی" اور آپ کے خاندان کا سلسلۂ نسب "حضرت زبیر بن العوّام تک مذکور ہے" مگر ہم طوالت کے مدنظر اسی پر اکتفا کر کے مختصراً یہ اور دکھا دینا چاہتے ہیں کہ "حضرت زبیر رض کی اولاد کی جو حیثیت شروع زمانے سے "عرب وایران" وغیرہ میں تھی "ہندوستان" میں "شیخ گدائی" کے خاندان کی حیثیت بھی بجنسہٖ وہ ہی تھی۔ اور بفضلہٖ ہذا اِس وقت تک ہے" آگے بھی اللہ کی ذات سے نیک ہی اُمید ہے"

شیخ گدائی کے خاندان کی حیثیت وخصوصیات کی عرب وعجم اور ہندوستان میں یکسانی

۱۴۵ھ ہجری میں "خاندان حضرت زبیر رض" نے "محمد النفس ذکیہ بن عبد اللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن رض بن حضرت علی رض" کی حمایت میں "ابو جعفر منصور خلیفہ دوم عباسی" کی کثیر فوج سے ایسی جنگ کی جو اپنی آپ نظیر ہے" اِس لڑائی میں عیسیٰ بن مصعب بن مصعب بن حضرت زبیر رض" کے وہ کارنامے ہیں۔ جن کی مثال نہیں ہے"

بالآخر "محمد النفس ذکیہ" اور "عیسیٰ بن مصعب الملقب بنضیر بن مصعب" وغیرہ کی شہادت کے بعد" اِس فریق میں سے جو اصحاب شہید ہونے سے بچ رہے۔ اُن میں سے کچھ تو سرحدی ممالک میں چلے گئے اور "سندھ" میں بھی پہنچ گئے" کچھ وہیں روپوش ہو گئے" لڑائی "مدینہ منورہ" کے باہر ہوئی تھی

۱۴۳ تا ۲۴۶

اِس لڑائی کی وجہ سے" اِس خاندان کی طرف سے "منصور عبّاسی" کے دل میں "ایسا خار بیٹھ گیا تھا کہ وہ کہا کرتا تھا۔ کہ اگر زبیریوں کے ایک ہزار آدمیوں میں سب متقی "پرہیزگار" اور مطیع و فرمانبردار ہوں " اور اُن میں صرف ایک بد ہو۔ تو میں ہزار کے ہزار زبیریوں کو قتل کر دوں "۔ (ترجمہ طبری جلد سوم حصہ اوّل صفحہ ۲۲۴ و طبری نسخہ عربی مطبوعہ یورپ صفحہ ۲۶)

آخر کار "منصور المتوفی ۱۵۸ہجری کے بیٹے" المہدی المتوفی ۱۶۹ ہجری کو اپنی حکومت کے زمانے میں اِس خاندان کی استمالت کرنی پڑی۔ اور اُسے اپنی حکومت میں شریک کرنا پڑا چنانچہ "عباسی" حکومت کے چند زبیری عہدہ داروں کی تفصیل یہ ہے "

(۱) گورنر یمامہ | عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن امیر المومنین حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ" المتوفی ۱۸۴ہجری" بزمانہ المہدی بن ابو جعفر منصور" (ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد ششم صفحہ ۳۴۶ و آغانی جلد ۲۰ صفحہ ۱۸ و ابن الاثیر جلد ۵ صفحہ ۲۲۳) و ابن الاثیر جلد ۶ صفحہ ۵۵ و ۱۱۶ و ابو المحاسن جلد ۱ صفحہ ۵۱۹") اور

و گورنر مدینہ منورہ | بزمانہ ہادی بن المہدی" و ہارون الرشید بن المہدی" (ترجمہ تاریخ طبری جلد سوم حصہ دوم صفحہ ۱۴۲)

(۲) گورنر مدینہ منورہ | ابوبکر بکار بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن امیر المومنین حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ" المتوفی ۱۹۵ہجری" بزمانہ ہارون الرشید بن المہدی" (ترجمہ طبری جلد سوم حصہ دوم صفحہ ۱۴۲) اور

و قاضی مدینہ منورہ | بزمانہ ہارون الرشید" (وفیات ابن خلکان صفحہ ۲۳۹ و ۲۴۹ و تاریخ ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۴۷ ابو المحاسن جلد ۱ صفحہ ۵۵)

(۳) گورنر مدینہ منورہ" اور یمن | الزبیر بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن امیر المومنین حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ" بزمانہ ہارون الرشید" (المعارف ابن قتیبہ صفحہ ۱۱۶)

(۴) قاضی بغداد" اور مدینہ منورہ | قاضی ابو البختری وہب بن وہب بن قسیر بن عبداللہ بن زمعہ بن الاسود بن مطلب بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی" المتوفی ۲۰۰ہجری" جو حضرت زبیرؓ کے چچا زاد بھائی کی اولاد تھے" بزمانہ حکومت ہارون و امین و مامون" (معارف ابن قتیبہ صفحہ ۲۵۸ و ڈائریکٹری الزبیرؓ صفحہ ۱۶ و وفیات ابن خلکان صفحہ ۲۳۹ و ۲۶۹ و تاریخ ابن اثیر جلد ۶ صفحہ ۱۴۷ و ابو المحاسن جلد ۱ صفحہ ۵۵)

(۵) از اعیان سلطنت | ابو عبداللہ مصعب بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن امیر المومنین حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ المتوفی ۲۳۶ہجری" بزمانہ ہارون و امین و مامون و معتصم و واثق و متوکل" (تاریخ ابن اثیر جلد ۷ صفحہ ۳۷۴)

(۶) قاضی مکہ معظمہ | زبیر بن ابوبکر بکار بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن امیر المومنین حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ" المتوفی ۲۵۶ہجری" بزمانہ متوکل و منتصر و مستعین و المعتز باللہ و مہتدی باللہ" و المعتمد"

(ابن خلکان صفحہ ۲۳۹ و تاریخ ابن الاثیر جلد ۷ صفحہ ۱۴۹ و ابو المحاسن جلد ۲ صفحہ ۲۵)

(۷) سپہ سالار فوج مغاربہ | نصر بن احمد الزبیری" المتوفی ۲۵۶ہجری۔ بزمانہ المہتدی باللہ" تھے اور المہتدی کی جان بچانے کے لئے اُس کی مخالفوں کی فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے" (ترجمہ طبری جلد سوم حصہ سوم و چہارم صفحہ ۳۶۲ و ۳۷۴)

(۸) صاحب تاریخ گزیدہ نے اپنے وطن "قزوین" کے مشہور و معروف علماء اور فضلاء کے خاندانوں کے ذکر میں لکھا ہے کہ "زبیریان" از نسل مصعب بن زبیرؓ بن العوام" اند در ایشان علماء و فضلا بودہ اند" زبیریان نسل سے مصعب بن زبیرؓ بن العوام کے ہیں" اُن میں علماء و فضلاء گذرے ہیں)

(تاریخ گزیدہ صفحہ ۸۳۵ مؤلفہ حمداللہ بن ابی بکر بن احمد بن نصر مستوفی قزوینی" تالیف ۷۳۰ ہجری جلد اوّل)

(مطبوعہ لندن ۱۳۲۸ ہجری۔ مطابق ۱۹۱۰ عیسوی)

شیخ گدائی کے خاندان کے اُن کے زمانے سے پہلے کے چند اور بزرگ

(۱) ملک تاج الدین تاج الملک محمود زبیری | آپ "سلطان شمس الدین التمش" اور اُن کے بیٹے سلطان رکن الدین فیروز شاہ" کے

دبیر و مشرف ممالک تھے" جب سلطان رکن الدین" کا ظلم حد سے بڑھ گیا" تو آپ نے چند اُمراء کے ساتھ ملکر" سلطان رضیہ بنت سلطان التمش" کو تخت پر بٹھا دیا تھا" (طبقات ناصری صفحہ ۱۸۲ تا ۱۸۶ و تاریخ فرشتہ صفحہ ۲۵۰ و ۲۵۵ و ۲۵۶)

(۲) ملک معین الملک زبیری | آپ سلطان علاؤالدین خلجی کے اُمراء میں سے تھے" تاریخ فیروز شاہی ضیا برنی" کے صفحہ ۳۶۶ پر آپ کے متعلق تحریر ہے کہ"

"و ہم در عہد علائی" سہ شخص" در علم رمل معروف" و چندیں خوانندگان مشہور بودند" و از رمالان" یکے" مولانا صدرالدین کوفی" و دوم "مغربی" و رمال کول" بود" سوم "معین الملک زبیری" در اظہار علم ضمیر" و کشف احکام مغیبات" و دبیروں آوردن گم شدہ ساحری ہا میکرد"

اور عہد علائی میں تین شخص علم رمل میں معروف اور جو کہ مشہور ہوئے۔ رمالوں میں سے ایک مولانا صدرالدین کوفی" دوم (۲) مغربی" رمال کول کا تھا" سوم (۳) معین الملک زبیری" جو دلوں کی باتیں بتانے اور پوشیدہ باتوں کے ظاہر کرنے اور کھوئی ہوئی چیزوں کے نکالنے میں جادوگری کرتے تھے"

(۳) امام عزالدین زبیری | علم و فضل میں آپ کا درجہ اس قدر بلند تھا کہ" ابن بطوطہ" نے جو عالم و فاضل اور دُنیا کا سیاح تھا۔ آپ کو امام و فقیہ لکھا ہے" مترجم سفر نامہ ابن بطوطہ کے صفحہ ۲۳ تا ۲۳۹ پر تحریر ہے کہ" صفر ۷۴۳ھ ہجری کی سترھویں تاریخ کو دربار سلطنت محمد شاہ تغلق ہم روانہ ہوئے" اوّل دن ہم نے" تلپت" میں قیام کیا" جو دہلی سے سات آٹھ میل ہے" اس کے بعد" آؤ" میں اور اس کے بعد" بیانہ" پہنچے" اس شہر کے عالموں میں سے" امام عزالدین زبیری" تھے۔ جو حضرت زبیر رضی ابن العوام" کی اولاد میں سے تھے" میری ملاقات اُن سے" گوالیار" میں" ملک عزالدین ملتانی" المشہور بہ اعظم ملک" کے مکان پر ہوئی تھی"

شیخ گدائی کے بزرگوں کے ملتان سے آکر" بیانہ" میں رہنے کی وجہ

یہاں یہ بات ذہن نشین کر لینی ضروری ہے کہ جب" شیخ گدائی" کے نانا" مخدوم سماؤالدین قدس سرہ اور مخدوم صاحب کے برادر بزرگ" مخدوم شیخ اسحٰق قدس سرہ" نے" ملتان" سے نقل وطن کیا تھا اور اُن کے ہمراہ" شیخ گدائی" کے والد بزرگوار" مخدوم شیخ جمالی" بھی ہمراہ تھے" تو وہ ملتان" سے سیدھے" دہلی" نہیں چلے گئے تھے" بلکہ پہلے" بیانہ" تشریف لائے تھے اور وہاں کچھ مدت قیام فرمانے کے بعد دہلی تشریف لے گئے تھے" دہلی کے قیام کے بعد بھی" بیانہ سے" آپ کے تعلقات قایم رہے" چنانچہ مخدوم شیخ اسحٰق قدس سرہ نے" پلانہ نزد بیانہ" میں وفات پائی" اور وہیں آپ مدفون ہیں"

اِس تحریر کی تصدیق کے لئے" سیرالعارفین" اور" کتاب شجرۂ سہروردی" کو دیکھنا چاہئے" ظاہر ہے کہ" وطن کو چھوڑ کر کوئی شخص بھی اکثر و بیشتر وہیں جایا کرتا ہے" جہاں اُس کی قرابت قریبہ ہوتی ہے"

شیخ گدائی زبیری کنبوی کے خاندان کے علوئے مرتبت شان کے مقابلہ میں" عباسی خاندان کی حیثیت مؤلف امرہوی کی دکھائی ہوئی روشنی میں

شیخ گدائی کے" قریشی و زبیری النسب" ہونے کے اِن چند شواہد کے پیش کر چکنے کے بعد اب ہم" مؤلف امروہوی کے اُس بیان کو

(نوٹ علی صفحہ ۱۳۷ کاتب یا ناقل کی غلطی سے ترجمہ تاریخ فرشتہ میں" تاج الدین تاج الملک محمود" کے نام کے سامنے" بجائے زبیری کے" ریزہ" لکھا ہے۔ جسے زبیری کی بگڑی ہوئی شکل سمجھنی چاہئے" آپ کے زبیری ہونے کے ثبوت کے لئے" مترجمہ کے یا سو کے" تاریخ مبارک شاہی کے انگریزی ترجمہ کے صفحہ ۲۲ کا وہ نوٹ دیکھنا چاہئے جو اس نے" تاج الملک" پر دیا ہے" وہ لکھتا ہے Frishta writes Tajuddin Zubaidy اور یہ کہ" یحییٰ" اپنی تاریخ میں صاف طور سے" زبیری" لکھا ہے"

نے بچ رہے۔ آن میں سے کچھ کو سرحدی ممالک کی چپ سے …

دکھاتے ہیں۔ جو انہوں نے "خلفائے عباسیہ" کی اولاد اور قرابتداروں کی عزت اور احترام کے بارے میں "اپنی کتاب "تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے صفحہ ۱۰۲ و ۱۰۳ پر بدیں الفاظ تحریر کیا ہے کہ:-

"آپ اوپر پڑھ آئے ہیں کہ سلاطین ہند" بالخصوص شاہانِ مغلیہ" کے نزدیک" آلِ عبّاس" کی کیسی قدر و منزلت تھی" بنی ہاشم و عمزادگانِ رسول ربّ العالمین" اور خلفائے عبّاسی" کی اولاد" اور قرابتدار ہونے کی وجہ سے" اُن کا خاص ادب و احترام ملحوظ رکھا جاتا تھا" اِس خاندان کے ارباب علم و فضل کو "اِدارات شرعیہ" تفویض کئے جاتے" اور اکثر یہی حضرات" قاضی و مفتی" اور بادشاہوں کے "معلّم و اِمام و خطیب" ہوتے" یہ کیفیت صرف ہندوستان ہی میں نہ تھی" ممالک اسلامیہ میں بھی اِس خاندان کے ادب و احترام کا یہی حال تھا"

صاحب مراۃ عبّاسیہ" (قلمی در کتب خانۂ ریاست بہاولپور) ایک موقع پر لکھتے ہیں کہ۔

بعضے بنو عباس بعد خروج از مصر وارد ولایت رُوم در شہر استنبول کہ پائے تخت روم است" سکونت میدارند۔ و سلاطین و قیاصرہ رُوم۔ وجود مسعود اوشان بنہایت حُرمت و بہ تعظیم غنیمت مے پندارند" و ادب جناب اوشان قسمے کہ در عہد دولت خلفائے عباسیہ" در دارالخلافہ "بغداد" مے داشتند۔ زیادہ ازآں بجامے آرند۔ و ہرگاہ سلطانے ازیں سریر فانی بہ سرائے جاودانی انتقال نماید" ولی عہد او تا دستار حضرت ایشان حاصل کردہ۔ افسر افتخار نہ سازد و بتاج قیصری سرنمی افرازد"

تھوڑے بنو عباس" نے "مصر" سے نکلنے کے بعد رُوم کی سلطنت میں جس کا دارالسلطنت شہر استنبول ہے آکر سکونت اختیار کرلی" اور بادشاہوں اور قیصروں نے روم کے اُن کے وجود مسعود کو نہایت حرمت و تعظیم کرکے غنیمت جانا" اور اُن کا ادب جس قدر کہ خلفائے عبّاسیہ" کی سلطنت کے زمانے میں دارالخلافہ بغداد میں تھا اُس سے زیادہ بجا لائے" اور جب کوئی سلطان سرائے فانی سے سرائے جاودانی کو انتقال کرتا" اُس کا ولیعہد جب تک پگڑی اُن سے حاصل کرکے اپنے سر کا افتخار نہ بناتا" تاج شاہی کو سر پر نہیں رکھتا تھا"

چنانچہ بزرگان خاندان عبّاسیہ امروہہ" ابتدائے عہد مغلیہ میں "شہزادگان کے معلّم" اور بادشاہ کے امام و خطیب" سیدنا و مولانا سے مخاطب رہے" حتّٰی کہ لفظ مولانا" اس خاندان اور قبیلہ کا لقب پڑ گیا" اپنی اِس تحریر پر مؤلف صاحب نے جو نوٹ دیا ہے" وہ یہ ہے کہ۔

"بعض ناواقف عہد اکبری و جہانگیری" اور اس کے مابعد کی دستاویزات و تحریرات میں "قبیلہ مولانا" محلہ مولانا" یا دستخطوں میں "مولانا لال محمد" وغیرہ دیکھکر چونکتے ہیں" حالانکہ وہ اس پر غور نہیں کرتے" کہ اس خاندان کو بوجہ "خلفائے عبّاسی" کی اولاد ہونے کے عام مسلمان۔ اور سلاطین ہند" کس عقیدت کی نظر سے دیکھتے تھے" اِدارات شرعیہ" پر فائز ہونے کی وجہ سے" سیدنا و مولانا" سے مخاطب تھے" جس طرح قاضی و مفتی خاندان کے لوگ" بالعموم "قاضی اور مفتی" کہلاتے تھے" یہ خاندان لفظ مولانا سے ملقب تھا"

اِس بیان کی بھی کوئی تاریخی سند نہیں دی گئی ہے" اور یہ صرف مؤلف امروہوی کی لفاظی ہی لفاظی ہے"

ایک طرف تو کہا جاتا ہے کہ امروہہ کے تمام نہاد عبّاسی خاندان و قبیلہ کا مولانا لقب پڑ گیا ہے لیکن دوسری طرف جب نہ بیہودہ خاندان اپنے سکنی لقب کنبوہی کی وجہ سے خاندان کنبوہ" قوم کنبوہ" فی الحقہ کنبوہ یا قبیلہ کنبوہان بن گیا یا مستقل زمانہ سے کہا یا جانے لگا۔ تو اس پر کچھ دعوا اعتراضات کئے جانے لگے۔ اور غبار دل کا نکالا جانے لگا" مؤلف محمود احمد صاحب کو اپنے خاندان کا حال قطعاً معلوم نہیں ہے" اگر کتابوں میں ان جناب کے بزرگوں کے کچھ حالات ملے ہوتے یا اُنہیں اپنے اسلاف میں سے کسی ایک بزرگ کا عرب سے آنے کا حال کسی ایک تاریخ میں ہی ملا ہوتا تب تو پھر نہ مین و آسمان کو سر پر اٹھا لیتے چونکہ خود کچھ نہیں ہیں اس لئے دوسروں کی عیب جوئی کو ان مؤلف صاحب نے اپنی بڑائی کا ذریعہ قرار دے لیا ہے"

مؤلف صاحب نے اپنا شجرۂ نسب" ایک ایسے غیر معقب شخص "موسیٰ بن امین الرشید" سے ملا کر جس کا تیرہ چودہ برس کی عمر میں" نا کتخدا

لیکن انہوں نے "عبّاسیوں" کے اپنے خاندانی شرف کی وجہ سے "ادارات شرعیہ" یعنی **قاضی و مفتی و خطیب** "مقرر کئے جاتے رہنے" اور بادشاہوں کے معلّم ہوتے رہنے کا جو دعویٰ اپنے بیان میں کیا ہے "اس کے ثبوت کے لئے وہ کوئی سند کسی تاریخ سے اپنے بزرگوں کے ان عہدوں پر مقرر کئے جانے کی پیش نہیں کر سکے" کسی تاریخ میں اُن کا حال ہوتا تو ضرور پیش کرتے" اور جہاں انہوں نے ایک آدھ نام لکھا بھی ہے تو اس کی کیفیت **خواجہ حسن نظامی** اور مصنف "کتاب البیرونی" کے مندرجہ ذیل بیانات سے بخوبی معلوم ہوتی ہے"

مؤلف صاحب کا دعوے یعنی "عثمانی" کو "عباسی" ظاہر کرنا

کتاب **تاریخ امروہہ** "مؤلفہ محمود احمد صاحب امروہوی کے متعلق مشاہیر قوم و ملک، و مشہور اہلِ قلم اور بعض اہلِ امروہہ کی رائیں" جسے مؤلف موصوف کے ایک عزیز قریبی سعید احمد صاحب نے دسمبر ۱۹۳۱ء میں جامعہ ملیہ پریس صدر بازار دہلی میں چھپوایا ہے"

(۱) اس میں **خواجہ حسن نظامی** دہلوی نے اپنے اظہارِ خیال میں صفحہ ۳ پر ایک فقرہ یہ لکھا ہے کہ "نسب کے متعلق بعض حالات سے مجھے اطمینان نہیں ہوا جن کے متعلق آپ نے وضاحت کے ساتھ بحث کی ہے"

(۲) مسٹر **سید حسن** برنی بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی۔علیگ۔ ایڈووکیٹ بلند شہر مصنف **کتاب البیرونی** نے جو اردو زبان کے مشہور انشاپرداز" بلند پایہ مصنف ہونے کے علاوہ تاریخی معلومات میں اعلیٰ مرتبہ رکھتے ہیں صفحہ ۷ پر حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا ہے"

(**الف**) میں ابھی تک پوری کتاب نہیں دیکھ سکا ہوں لیکن دو ایک حواشی تصحیح طلب ہیں۔ از آن جملہ صفحہ ۲۰ پر آپ نے لکھا ہے "علم ریاضی کی نادر اور مشہور کتاب "**قانون مسعودی**" ایرانی مؤرخ "**ابو الحسن مسعودی** کی تصنیف ہے" یہ صحیح نہیں ہے۔ یہ کتاب البیرونی کی تصنیف ہے۔ اور **سلطان مسعود غزنوی** کی جانب منسوب ہونے کی وجہ سے "**قانون مسعودی**" کہلاتی ہے"

(**ب**) صفحہ ۱۳۱ کے حاشیہ میں آپ نے "**قاضی نورالدین** کو "**عباسی**" لکھا ہے" حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ "**عثمانی**" ہیں۔ اور اُن کا نسب نامہ میرے پاس محفوظ ہے"

اس تبصرہ سے مؤلف صاحب کے پیش کردہ **قاضی** صاحب کے عبّاسی ہونے کی حقیقت خوب معلوم ہو گئی ہے "تلاش بسیار کے بعد بھی انہیں جب کسی تاریخ میں کوئی حال عبّاسیوں کا نہ مل سکا تو مجبوراً اُن کو اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۱۸۰ و ۱۸۱ پر لکھنا پڑا کہ"

> "کیونکہ ہندوستانی مؤرخین کی یہ عادت ہے کہ وہ صرف اُن ہی واقعات کو معرضِ تحریر میں لاتے ہیں۔ جو ملک کی سیاسی حالت یا جنگ و جدال" بادشاہوں کے عزل و نصب وغیرہ سے متعلق ہوتے ہیں" کہیں کہیں علماء و مشائخ کا تذکرہ بھی ملتا ہے" لیکن شرفاء کے مشہور" اور تاریخی خاندانوں" اور اُن کے مورثوں کا تذکرہ" شاذ و نادر کرتے ہیں" ان حالات کو عام اور معمولی سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں" اس لئے مخدوم زادگان عباسی کے اسمائے گرامی" اور اُن کے خاندانی حالات" ان کتب و تواریخ سے معلوم نہیں ہوتے" لیکن پھر بھی" بعض کتب تذکرہ" علماء و مشائخ سے" جن میں بعض عبّاسی لوگوں کے حالات درج ہیں۔ اور زیادہ تر خاندانی روایات سے پوری ہوتی ہیں" جو علی التواتر ان خاندانوں میں چلی آتی ہیں"

مؤلف موصوف کے اس بیان سے یہ بات قطعی طور پر معلوم ہو گئی ہے کہ "انہوں نے "عبّاسیوں" کے نسبی شرف کی وجہ سے" اُن کے ادارات شرعیہ پر یعنی **قاضی و مفتی و خطیب** "اور بادشاہوں کے معلّم" مقرر ہوتے رہنے کا جو اظہار کیا ہے" وہ ایک بے بنیاد دعویٰ ہے جو کوئی وقعت نہیں رکھتا" کیونکہ اپنے بیان کے ثبوت میں وہ کسی تاریخی سند کو نہیں پیش کر سکے" اور خود اس بارے میں انھیں اپنی عاجزی و درماندگی کا اقرار ہے" اور اس پر مزید یہ ہے کہ وہ کسی تذکرہ علماء و مشائخ سے بھی کوئی ثبوت اپنے بیان کی صداقت کے لئے نہیں لا سکے ہیں" پھر طرفہ یہ ہے کہ عبّاسیوں کے حال میں تو جس کے ایک فرد ہونے کا خود مؤلف امروہوی کو ادّعا ہے" وہ خاندانی روایتوں ہی کو کافی سمجھ رہے ہیں" اور بلا تاریخی شواہد کے صرف اپنی خانہ ساز یا من گھڑت روایتوں کو یاد کرانا چاہتے ہیں" لیکن اپنی اسی کتاب کے صفحہ ۳۳۲ پر دوسرے خانوادوں سے اُن کی تاریخ و نسب کے لئے "تاریخی" "جغرافی اور اثری" شہادتیں

کو طلب کرتے ہیں" اور کسی طرح بھی اُن کی خاندانی روایات و شجروں کو بغیر ان شہادتوں کے قبول کرنے پر تیار نہیں ہیں" خدا کی شان ہے کہ آن کی یہ خواہش کیسے عمدہ طور سے پوری ہوتی چلی جارہی ہے" ہم نے اس قدر ڈھیران مطلوبہ شہادتوں کے اُن کے سامنے لگا دیئے ہیں جن کی فراوانی سے ان کا بوکھلا جانا قرینِ قیاس ہوگا"

اب ہمیں یہاں صرف اسی قدر بتانا ہے کہ "یہ امر ہوئی کہ اس بیان کے مقابلہ میں جس میں انہوں نے تحریر طور سے عبّاسی خاندان کے کچھ افراد کے "اُن کی شرافت نسبی کی وجہ سے "ادارات شرعیہ پر مامور ہونے اور بادشاہوں کے معلّم مقرر کئے جانے کو گو بلا کسی سند ہی کے سہی - صرف اپنے جدیدہ بیانی سے ظاہر کر دینا ضروری خیال کیا ہے" تو شیخ گدائی کے بزرگوں کے آستانے پر حاضر ہو کر بادشاہوں کے سر نیاز جھکانے اور اُن کے قدموں پر اپنا سر رکھدینے" سادات میں سے بھی حضرت سید عبدالوہاب بخاری قدس سرہٗ جیسے بزرگ کے اُن کے نانا حضرت مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہ العزیز" کی پالکی کو اپنے کاندھوں پر سر بازار اُٹھا لینے" اور اُن کے گھرانے میں کثیر التعداد "اولیاء کرام" علماء" فضلاء" علوم باطنی و ظاہری" کی یونیورسٹی کے پرنسپل" محافظِ دینِ متین" بادشاہوں کے ندیم و ہمراز" شہزادوں کے اتالیق" وزراء" اُمراء" صدر الصدور" یا شیخ الاسلام" گورنر و سپہ سالار" ہوتے رہنے" نیز ہندوستان میں ابتدائے عملداری مسلمانان سے خدمات شرعیہ پر موروثی طور سے مامور رہتے چلے آتے" بلکہ ہر زمانہ میں ان اوصاف سے متّصف چلے آنے کے) جو شواہد تواریخوں سے ہم نے پیش کئے ہیں" انہوں نے "شیخ گدائی" کے خاندان کے "علوئے حسب و نسب" و "مرتبت و شان" کے چراغ کو ایسا روشن کر دیا ہے" جس کو کسی بھی حاسد کی پھونک کسی طرح نہیں بجھا سکتی"

شیخ گدائی کے اہلِ خاندان کے اوصاف

اب ہم یہ بھی بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ جو اوصاف "استقامت و پاس مذہبی" وفاداری و خودداری" حق پسندی و حق شناسی" مہر و مروّت" امانت و دیانت" اخلاق و تواضع" اتقاء و پرہیزگاری" خلوص و وفاداری" ارادہ کے استحکام" غیرت و ہمت" شجاعت و سخاوت" ذہانت و فطانت" بیخوفی و بیباکی" بُردباری و راست بازی" تبحر علمی" فراخ حوصلگی" جرأت و ہمت" دانش و بلاغت" حصول و ترویج علم و حکمت" عزم و بصیرت" وغیرہ وغیرہ کے حضرت زبیرؓ اور آپ کے صاحبزادوں میں تھے" اس کی جھلک ہر زمانہ میں اس خاندان کے افراد میں برابر نمایاں رہی ہے" اور آج بھی دیکھی جا سکتی ہے"

(۱) ذہانت مستدرک حاکم جلد تین کے صفحہ ۵۴۹ پر اور سیر الصحابہ کے صفحہ ۲۹۲ پر تحریر ہے کہ "امیر المؤمنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اپنے ہم عصروں سے فائق تھے" صحابہؓ میں ایسے افراد مشکل سے نکلیں گے جو عربی کے علاوہ دوسری زبانوں سے واقفیت رکھتے ہوں" لیکن یہ امتیاز حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ کو حاصل تھا کہ آپ متعدد زبانوں کے ماہر تھے" اور ان میں آپ آسانی سے گفتگو کر سکتے تھے" آپ کے پاس مختلف اقوام کے بہت غلام تھے" جن کی زبانیں مختلف تھیں" حضرت عبداللہ بن زبیرؓ سب سے اُن کی مادری زبانوں میں گفتگو فرماتے تھے"

ترجمہ طبری جلد سوم حصہ اوّل کے صفحہ ۲۲ و صفحہ ۲۳ پر "ایک زبیری کی ذہانت" کی سُرخی دیکر یہ واقعہ تحریر کیا ہے کہ "علی بن محمد بن سلیمان" اپنے باپ کی روایت بیان کرتا ہے کہ "ایک دن "مہدی" (بن ابو جعفر عبّاسی) استغاثے سننے کے لئے دربار میں بیٹھے" آلِ زبیرؓ" کے ایک شخص نے بڑھکر عرض کی کہ ہماری جائداد کو "بنی اُمیّہ" کے کسی بادشاہ نے ضبط کر لیا" وہ ولید ہے یا سلیمان" مہدی نے عبداللہ کو حکم دیا کہ دیوان میں اس کا داخلہ دیکھو" اس نے دیکھ کر "مہدی" کو سنایا کہ مثل دیکھنے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ "بنو اُمیّہ" کے کسی خلفاء کے سامنے حتّٰی کہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے سامنے بھی پیش ہوا تھا" مگر کسی نے اس جائداد کو واگذاشت نہیں کیا" یہ معلوم کر کے "مہدی" نے مستغیث سے کہا کہ "اے زبیری جبکہ عمر بن عبدالعزیزؒ تک نے جو تمہارے ہی عزیز قریشی تھے" اس کی بحالی مناسب نہ سمجھی" تو اب میں اس باب میں کیا کر سکتا ہوں" اس نے زبیری سے کہا "تو کیا عمر بن عبدالعزیزؒ کی تمام باتیں پسندیدہ تھوڑی ہی تھیں" مہدی نے کہا وہ کیسے" زبیری نے کہا" اس کا تو یہ حال تھا کہ بنی اُمیّہ کے نوزائیدہ بچے تک کی نہایت بیش عطا مقرر کرتے" اور بنی ہاشم کے شیوخ کی عطا صرف ساٹھ مقرر کرتے" مہدی نے اپنے وزیر سے کہا "اسے معاویہ" تم بتاؤ- کیا عمر بن عبدالعزیزؒ" ایسا ہی کرتے تھے" اس نے کہا جی ہاں" مہدی" نے کہا "اچھا تم اس زبیری کو جائداد واپس دیدو"

نے بچ رہے۔ ان میں سے کچھ [illegible]

(الف) شیخ گدائی کے عزیز "نواب شہباز خاں کے جدِ ششم" حاجی جمالی رح" کی ذہانت کا واقعہ "مآثر الامراء جلد اول کے صفحہ ۵۹ پر اور "تاریخ ہندوستان جلد پنجم اقبال نامۂ اکبری" مؤلفہ خان بہادر شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب دہلوی کے صفحہ ۹۵۲ نمبر ۸ میں "نواب شہباز خاں کے حال میں اس طرح تحریر ہے کہ "شہباز خاں کے جدِ ششم حاجی جمال" مخدوم بہاؤ الدین ذکریائے ملتانی کے مرید تھے" کہتے ہیں کہ ایک درویش نے "مخدوم سے سوال کیا کہ بلللہ ہر پیغمبر کے نام لینے پر مجھے ایک اشرفی دو" مخدوم صاحب متفکر ہوئے۔ کیونکہ پیغمبروں کا شمار لاکھوں تک ہے نہ اُس کا سوال پورا کر سکتے تھے۔ نہ خدا کی دوستی کے واسطے ولانے سے ایسے شیخ وقت اور صوفی واصل بحق کو بیساختہ انکار کا محل تھا" حاجی صاحب نے کہا کہ مجھے حوالے کیجئے" اور درویش کو اپنی گھر لے جا کر اُس سے کہا" نام ایک ایک پیغمبر کا اپنی زبان سے کہتے جاؤ۔ اور ہر اسم ایک اشرفی لیتے جاؤ" درویش دس بیس پیغمبروں کا نام اور اشرفیاں لیکر ساکت رہا" اور معترف عجز ہو کر بخوشی رخصت ہوا"

حضرت مخدوم اس عاقلانہ تدبیر کو سنکر "حاجی صاحب" کی دانائی سے بہت محظوظ ہوئے۔ اور دعا دی کہ تمہاری قوم میں کوئی خفیف العقل نہ ہو" چنانچہ اکثر اس فرقہ کے آدمی "ہندمیں" جودت ذہن" اور ہوشمندی میں مشہور ہیں" یہاں یہ بات پیشِ نظر رکھنی چاہئے کہ عربوں کی قوت حافظہ بہت بڑھی ہوئی تھی" چنانچہ وہ بڑے بڑے قصیدے ایکبار سنکر یاد کر لیا کرتے تھے" اور سوائے شیخ گدائی کے خاندان کے مؤرخین نے کسی دوسرے خاندان کی ذہانت و ہوشمندی کا تذکرہ نہیں کیا ہے"

(ب) نواب سبحان علی خاں زبیری کنبوی "اور" تاج الدین حسین خاں زبیری کنبوی" اودھ کی سلطنت میں بادشاہ گر ہوئے ہیں" شاہانِ اودھ کی مراسلت "شاہانِ ایران" سے ہوا کرتی تھی" ایک دفعہ "سبحان علی خاں زبیری کنبوی نے بادشاہ ایران کو پیر و مرشد" لکھدیا۔ وہاں سے اعتراض ہوا کہ لفظ "پیر و مرشد" جناب امیر علیہ السلام" کے لئے مخصوص ہے" اودھ کے بادشاہ نے گھبرا کر۔ سبحان علی خاں کو جواب دینے کا حکم صادر کیا" سبحان علی خاں نے تحریر کیا کہ آپ صاحب زبان ہیں" مجھے آپ کے اس اعتراض پر تعجب ہوا" ہم لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ "پیر و مرشد" کا لفظ جناب امیر علیہ السلام کے لئے تحریر کیا جاتا" یہاں سے "پیر و مرشد" نہیں لکھا گیا ہے۔ بلکہ "پِیرِ و مُرشد" لکھا گیا تھا"

غرضکہ "شیخ گدائی" کے اہلِ خاندان کی ذہانت کے ایسے ہی بہت سے واقعات کتابوں میں تحریر ہیں" جنہیں طوالت کے مدِ نظر یہاں نہیں لکھا جا سکتا" مختصراً یہ ہے کہ "آج بھی کوئی خاندان اس خاندان کے مقابلہ میں تعلیم یافتہ ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا" جس میں قریباً سو فیصدی تعلیم یافتہ ہیں۔ اور بڑی بڑی تعلیمی ڈگریاں حاصل کرنے میں بھی اسے امتیاز خاص حاصل ہے"

(۳) خودداری و بیباکی

مولانا جامی رح" کی بزرگی اور نازک مزاجی مشہور ہے" آپ کی بزرگی کی وجہ سے بڑے بڑے بادشاہ آپ کے آستانے پر سرِ نیاز خم کرتے تھے" جب شیخ گدائی کے والد بزرگوار "مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ" ہرات" پہنچے۔ درازی سفر سے پریشان حالت" اور قلندرانہ صورت تھی" ایک تہبند کے سوا بدن پر دوسرا لباس نہ تھا" گرد آلود ہو رہے تھے" سفر میں اُس وقت یہ آسائیاں نہ تھیں جو ہم کو آج حاصل ہیں" نہ ریل تھی نہ موٹر سے" نہ شکرمیں تھیں نہ گاڑیوں کا وجود تھا" نہ سڑکوں کی کثرت تھی نہ راستوں کی صفائی" سفر اُس وقت سقر کا نمونہ تھا" غرضکہ اسی حالت اور اسی صورت سے آپ سلام و علیک کرکے" مولانا عبدالرحمٰن جامی رح کے پاس جا بیٹھے" مولانا جامی جیسے عالی دماغ "نازک خیال" اور تیز طبع شخص نے" آپ کی اس جرات و بیباکی" کو ناپسند کرکے "ناک بھوں سکیڑی" اور فرمایا کہ "خرو تو چند فرق است" آپ نے بالشت بیچ میں رکھدی" اب تو مولانا جامی بہت چونکتے ہوئے" سمجھے یہ بھی کوئی چیز ہیں" دبجرز خار کے صفحہ ۱۳۳۵ تا ۱۳۳۷ میں" مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ کے حالات میں یہ واقعہ ان الفاظ میں تحریر ہے کہ۔

در تذکرہ "علی قلی خاں" نوید" آنحضرت (مخدوم شیخ جمالی رح) در ہرات" بخانۂ ملا جامی رفت و نزدیک بساطِ اُو نشست" ملا جمال بے ادبی اُو کردہ گفت" خرو تو چند فرق است" گفت یک وجب" و

تذکرہ میں علی قلی خاں نے لکھا ہے کہ "آنحضرت (مخدوم شیخ جمالی رح) ہرات میں ملا جامی کے مکان پر گئے اور فرش پر اُن کے پاس بیٹھ گئے" جامی صاحب نے بے ادبی کا خیال کرکے اُن سے کہا" گدھے اور تجھ میں کتنا

ہم چناں بود ''درمیان ملا'' و ''او'' فرق یک وجب بود ملا بفراست دریافت کہ مرد کامل است ''پرسید'' از کجا ے آئی ''گفت از ہندوستان'' گفت از سخنان جمالی ''چیزے بخاطر داری'' این شعر بخواند ے

مارا ز خاک کویت پیراہنے ست بر تن
آں ہم ز آب دیدہ صدچاک تا بدامن

فرق ہے'' مخدوم جمالی نے کہا ایک بالشت'' اور حقیقت میں ایسا ہی تھا کہ جامی اور اُن کے درمیان ایک بالشت کا فاصلہ تھا۔ ملا جامی نے عقل سے معلوم کر لیا کہ مرد کامل ہے ''پوچھا کہاں سے آئے ہو کہا ہندوستان سے'' جامی نے کہا جمالی کے کچھ شعر یاد ہیں۔ انہوں نے یہ شعر پڑھا ے

مارا ز خاک کویت پیراہنے ست بر تن
آں ہم ز آب دیدہ صدچاک تا بدامن

مولوی بگریست و طلب نام او کرد ''گفت'' جمع مالا ''مولوی پے برد کہ ایں'' مولانا جمالی است'' فرمود از ایں عبارت'' لفظ جمالی خود مفہوم میگرد دیا ئے باقیست ''گفت'' وعدہ'' چوں بر مولوی خوب معلوم شد کہ ''مولانا جمالی'' است'' در کنار گرفت و با انواع ملاطفت پیش آمد''

مولانا جامی رو دئے اور آپ کا نام پوچھا'' آپ نے فرمایا'' جمع مالا[1] وہ سمجھ گئے کہ یہ'' مولانا جمالی ہیں'' فرمایا کہ اس عبارت سے لفظ جمال'' تو معلوم ہو گیا'' مگر'' ی'' باقی ہے'' آپ نے فرمایا'' وعدہ''

حضرت رسالت مآب صلعم کے حضور میں مخدوم شیخ جمالی کے شعر کی مقبولیت

و ایں شعر او'' مقبول جناب رسالت مآب است ے

اور یہ شعر اُن کا جناب رسالت مآب صلعم کے پاس مقبول ہے ے

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پر تو صفات
تو عین ذات مے نگری در تبسمے

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پر تو صفات
تو عین ذات مے نگری در تبسمے

(۳) موت کو سامنے دیکھ کر بھی اُس سے بے خوفی اور سچ بات کہنے میں استقامت و بیباکی

یزید کی بیعت کے بارے میں'' حضرت امیر معاویہ رضؓ سے'' حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ کی گفتگو'' اور ہر طرح کی ترغیب و تحریص کے بعد جان کا خوف دلانے پر بھی'' حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ کے'' یزید کی بیعت سے قطعاً انکار کر دینے'' پھر حضرت امیر معاویہ رضؓ کی وفات کے بعد'' یزید سے آپ کے مقابلہ کے حالات سے ہر کوئی واقف ہے''

سنہ ۱۴۵ ہجری میں'' محمد نفس زکیہ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حسن رضؓ بن حضرت علی رضؓ کی حمایت میں خاندان حضرت زبیر رضؓ کے'' ابو جعفر منصور عباسی کی کثیر التعداد فوج سے جنگ کرنے کا حال اوپر مذکور ہو چکا ہے'' محمد نفس زکیہ کی فوج کے علمبردار'' عثمان بن محمد بن خالد بن حضرت زبیر رضؓ تھے''

ترجمہ طبری جلد سوم حصہ اوّل کے صفحہ ۲۲۶ پر اور ترجمہ تاریخ کامل ابن اثیر جلد پنجم کے صفحہ ۱۳۹ پر'' عثمان بن محمد کی گرفتاری'' منصور عباسی سے گفتگو اور پھر شہادت کا حال اس طرح تحریر ہے کہ

عثمان بن محمد بن خالد بن الزبیر رضؓ کو جو لڑائی میں سخت زخمی ہو گئے تھے'' محمد نفس زکیہ کے شہید ہو جانے کے بعد بصرہ کی طرف نکل جانے کا موقع مل گیا تھا'' لیکن بصرہ پہنچ کر آپ پکڑے گئے۔ آپ کو المنصور کے پاس لایا گیا'' لوگوں نے'' عثمان کو سامنے کر کے کہا کہ یہ'' عثمان بن محمد بن خالد ہیں''

---

[1] ذو معنی علمہ'' جمع مالا'' میں جمع میں جا سے مراد حرف جیم ہے اور'' ما'' سے مراد لفظ'' ما'' ''جا'' ہوا'' اور لا سے مراد حرف لام'' یعنی جیم کو ما اور لام میں ملا دو تو'' جمال ہوا'' مولانا جامی نے کہا کہ اس معمہ میں غلطی باقی رہ گئی ہے پورا نام نہیں نکلتا'' آپ نے فرمایا میں'' عددہ'' یعنی عدد کے شمار سے یا نکلتی ہے'' مخدوم صاحب نے عمداً اپنا نام'' جمال'' بتایا اور اس معمہ کی ترکیب میں حروف یا کو ایسا پوشیدہ کیا کہ بغیر بتائے کوئی پتہ نہ پا سکتا تھا'' عددہ کا حل یہ ہے کہ جیم میں سے خواہ حروف شمار ہوں خواہ عدد لو اور جمع مالا کے فقرہ کے سات حروف ہیں۔ اب سات نہیں دس ہو گئے'' اور یا کے عدد دس ہیں'' لہٰذا جمالی ہوا'' جامی اس فقرے پر پھڑک اٹھے'' اور اُن کو جب یقینی طور سے معلوم ہو گیا کہ یہ خود جمالی ہیں'' تو اُن کو اُٹھ کر گلے سے لگا لیا اور بے تکلف ہو گئے''

جانے کا موقع مل گیا تھا لیکن بصرہ پہنچ کر آپ پکڑ لئے گئے۔ آپ کو المنصور کے پاس لایا گیا۔ لوگوں نے "عثمان" کو سامنے کرکے کہا کہ یہ "عثمان بن محمد بن خالد ہیں"
ابوجعفر منصور نے ان سے پوچھا "وہ سرکاری روپیہ جو تمہارے پاس تھا کہاں ہے" انہوں نے کہا "وہ میں نے "امیر المومنین رحمۃ اللہ علیہ" کو دیدیا"
ابوجعفر نے پوچھا "امیر المومنین کون" عثمان نے کہا۔ محمد بن عبداللہ" ابوجعفر نے کہا "تو نے اس کی بیعت کی تھی" تو ہی تھا جو ان کے ساتھ مل کر
مجھ پر خروج کرنے والا ہے" عثمان نے کہا "ہاں میں نے ان کی بیعت کی تھی جس طرح تو نے بیعت کی تھی" میں نے اپنی بیعت پوری کی۔ اور تو نے اپنی بیعت
توڑ دی" یہ سنکر ابوجعفر نے عثمان کو "ابن اللخناء" یعنی فاحشہ زادہ کہا۔ "عثمان بولے" یہ تو وہ ہوگا جن کی مائیں لونڈیاں ہوتی ہیں" یعنی
ابوجعفر منصور (جو بربری لونڈی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا) اس پر ابوجعفر برافروختہ ہوگیا۔ اور اس نے "عثمان کے قتل کا حکم دیدیا" لوگ انہیں
پیچھے ہٹالے گئے اور ان کی گردن ماردی"

طبری کی اسی جلد کے ص۲۲۳ پر ہے کہ "ابوجعفر نے "عثمان کو تو قتل کردیا" مگر بہت سے قریشیوں کو چھوڑ دیا" اس پر "عیسیٰ بن موسیٰ"
نے "ابوجعفر سے کہا" جناب والا یہ کچھ ان لوگوں سے زیادہ خطاوار نہ تھے" ابوجعفر کہنے لگے "ہاں" مگر یہ میرے گھرانے والے ہیں" (یعنی دعویدار سلطنت نہیں)

(الف) اب "عثمان بن محمد بن خالد بن حضرت زبیر رض" کی اس بیباکی اور بیخوفی کے مقابلہ میں یہ واقعہ دیکھنا چاہئے کہ جب
اکابرین "اور عربی النسل حضرات بشمول سادات نے بھی مجال دم زدن نہ پاکر "دین الٰہی اکبر شاہی" کے آگے اپنے سر خم کردیئے تھے" اور وہ برملا
"لا الہ الا اللہ اکبر خلیفۃ اللہ" کا کلمہ جپنے لگے تھے" تو ایسے نازک زمانے میں "شیخ گدائی کے خاندان" میں سے کوئی ایک فرد بھی کسی ترغیب و تحریص اور
تخویف سے متاثر نہیں ہوا" بلکہ یہ خاندان برابر اپنے مسلک پر قائم اور "علوم اسلام کی اشاعت میں استقامت کے ساتھ مصروف و مشغول رہا"

ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ "جب کسی کو بھی مجال دم زدن نہ تھی" اس وقت "شیخ گدائی" کے ایک قریبی عزیز "نواب شہباز خاں" ہی کی ذات
تھی" جنہوں نے دین الٰہی اکبر شاہی کے تلقین کرنے پر" اپنی جان کی مطلق پروا نہ کرکے "شہنشاہ اکبر" سے ترش کلام کئے تھے" اور راجہ بیربر کو بیچ میں
بول اٹھنے پر اس سختی سے ڈانٹا تھا کہ "مجلس شاہی میں ان کے اس طرز عمل سے بیحد بدمزگی پھیل گئی تھی" اور اسی واقعہ سے متنبہ ہوکر "شاہنشاہ اکبر" کو
اپنی مریدین سے کہنا پڑا تھا کہ "دین الٰہی کے کلمہ کو چپکے چپکے پڑھا کریں" اور قلعہ کی چار دیواری کے اندر پڑھ لیا کریں"

(۴) **شجاعت** | مستدرک حاکم جلد ۳ "تذکرہ ابن زبیر رض" میں تحریر ہے کہ "اس عہد کے ایک مشہور سپہ سالار "مہلب بن ابی صفرہ" سے آخر زمانہ
کے بہادروں کے نام پوچھے گئے تو اس نے "حضرت مصعب بن حضرت زبیر رض" عمر بن عبیداللہ" اور "عباد بن حصین
کے نام بتائے" پوچھنے والے نے کہا "حضرت عبداللہ بن حضرت زبیر رض کا نام تو تم نے لیا ہی نہیں" مہلب نے کہا "ہم انسانوں کا ذکر کرتے ہیں۔
جنوں کا ذکر نہیں کرتے"

حضرت عبداللہ بن حضرت عمر رض سے کسی نے پوچھا کہ حضرت زبیر رض کے بیٹوں "حضرت عبداللہ بن زبیر رض" اور حضرت مصعب
بن حضرت زبیر رض" میں سے کون زیادہ بہادر تھا" حضرت ابن عمر رض نے فرمایا "دونوں بہادر تھے" دونوں موت کو دیکھتے ہوئے اس کے منہ میں گھس گئے"

سن ۱۴۵ ہجری میں "حضرت زبیر رض" کا سارا خاندان جو "محمد النفس ذکیہ" کی حمایت میں لڑا تھا اس کی تعداد کل تین سو تھی" اور ان کے
ماسوا چند "فاروقی" بھی تھے" لیکن ان کے مقابلہ میں "ابوجعفر منصور عباسی کی فوج چالیس ہزار تھی" ترجمہ طبری جلد سوم حصہ اول کے
ص۲۱۸ و ۲۱۹ پر تحریر ہے کہ "ماہان بن حطبہ کا مولی بیان کرتا ہے کہ جب ہم مدینہ آئے تو "ابراہیم بن جعفر بن حضرت مصعب بن حضرت زبیر رض"
بطور طلیعہ ہمارے یہاں آئے" انہوں نے ہمارے پورے پڑاؤ کا چکر لگایا۔ اور پھر واپس چلے گئے" ان کی جرات سے ہم لوگ مرعوب ہوگئے" یہاں تک کہ خود
عیسیٰ اور حمید" (سپہ سالار لشکر منصور عباسی) بھی ان کی دلیری پر تعجب کرنے لگے کہ صرف ایک شخص تن تنہا اپنی فوج کے طلیعہ کی خدمت انجام دینے چلا آیا"

ترجمہ طبری جلد سوم حصہ اول کے ص۲۲۷ و ۲۲۸ پر ہے کہ "محمد بن عمر" راوی ہے کہ "محمد النفس ذکیہ بن عبداللہ" کے ساتھ "مصعب
بن حضرت زبیر رض کے ایک پوتے "ابن خضیر یعنی یحییٰ بن مصعب بن حضرت مصعب بن حضرت زبیر رض" تھے" جب ان کو یہ خیال ہوا ۔۔۔
نے یہ محسوس کیا کہ ان کے ساتھیوں میں خلل واقع ہوگیا ہے" اور زوال نے ان کا صفایا کردیا ہے" انہوں نے "۔۔۔" جانے کی اجازت لی"

"محمدؒ" نے انہیں اجازت دیدی" مگر انہیں یہ نہ معلوم ہوا کہ وہ کیوں "مدینہ" جا رہے ہیں" انہوں نے "عیسیٰ ابن مصعب الملقب خضیر" نے ریاح بن عثمان بن حیان المرّی (عباسی گورنر مدینہ) اور اُس کے بھائی کو زبردستی جیل میں گھسکر ذبح کر دیا۔ اور واپس آکر "محمدؒ" کو اس کی اطلاع دی" پھر آگے بڑھکر حریف سے لڑے اور شہید ہو گئے"

طبری کی اسی جلد کے صفحہ ۲۲۳ و ۲۳۱ پر تحریر ہے کہ "جس روز "محمدؒ" مارے گئے" "ابن خضیر" (عیسیٰ) کے ہمراہ تھے" "ابن قحطبہ نے" اُنہیں امان کی دعوت دی" ۔ اور بہت کچھ موت سے ڈرا کر "سلامتی جان کی ترغیب دی" مگر انہوں نے ایک نہ سنی" اور رجز پڑھتے ہوئے پا پیادہ حریف پر حملہ کرتے رہے" رجز پڑھتے ہوئے وہ دشمن کی بڑی فوج میں گھس پڑے" وہاں کسی نے اُن کی ریڑھ کی ہڈی پر سرین کے قریب ایسی ضرب لگائی کہ وہ جوڑ سے کھل گئے" اس لئے اُس وقت یہ اپنی فوج میں پلٹ آئے" انہوں نے ایک کپڑا پھاڑ کر اُس کی پٹیاں اس کٹے ہوئے حصہ کو سنبھالنے کے لئے اپنی پُشت پر باندھیں" اور پھر لڑنے کے لئے آ گئے"

اِس مرتبہ کسی نے اُن کی بھنوں پر تلوار ماری جو اُن کی آنکھ میں پیوست ہو گئی" اس صدمہ سے وہ گر پڑے۔ اب بہت سے لوگوں نے نرغہ کر کے اُن کا سر کاٹ لیا" اُن کی شہادت کے بعد "محمدؒ" (نفس ذکیہ) گھوڑے سے اُتر پڑے اور اُن کی لاش پر کھڑے ہو کر لڑنے لگے۔ یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے"

خراسانیوں کا یہ حال تھا کہ جب وہ "ابن خضیر" (عیسیٰ بن مصعب بن مصعب بن حضرت زبیرؓ) کو دیکھتے تو ایک دوسرے کو شتابی کے لئے پکارتے "خضیر آمد" "خضیر آمد" اور سب کے سب اُن کے مقابلہ سے ہٹ جاتے تھے"

(الف) اب "شیخ گدائی" کے اہل خاندان کی شجاعت و بے پناہ دلیری و بہادری کا شمہ حال ہندوستان میں ہم دکھاتے ہیں" "ابو الفضل" جو شاہنشاہ اکبر کو "دین الٰہی اکبر شاہی" کی وحی پہنچانے والا سب سے بڑا فرشتہ تھا۔ اور اس وجہ سے کہ "دین الٰہی" کی تبلیغ پر "نواب شہباز خاں" نے "شاہنشاہ اکبر" سے تیز و تند کلام کئے تھے" اور اس دین کے دوسرے فرشتے "راجہ بیربر" کو "شاہنشاہ" کے سامنے بھرے دربار میں ایسا ڈانٹا تھا جس سے صحبت بدمزہ ہو گئی تھی" "ابو الفضل نواب شہباز خاں کا سب سے بڑا دشمن تھا"

اِس دشمنی پر بھی "ابو الفضل" کو "نواب شہباز خاں" کے دین اسلام پر سختی کے ساتھ قایم رہنے اور دین الٰہی اکبر شاہی کی تبلیغ پر جو انہوں نے پھٹکار بتائی اُس کا رونا رونے کے سوا سُجھے۔ کوئی چارہ نہ دیکھکر مجبوراً اُن کی وفاداری اور عدیم النظیر شجاعت و بہادری کی تعریف ہی لکھنی پڑی"

چنانچہ اکبرنامہ جلد سوم کے صفحہ ۱۸ھ پر تحریر ہے کہ:

"در ہر گونہ پرستاری" "و سربراہی سپاہ کم ہمتا بود" "اگر تقلید پرستی وا ہشتے" "و زبان را بہ ہنجار نہ کشودے" "طرز فرد ہی سید گی بر گرفتے"

ہر نہج سے وہ وفاداری اور سپاہ کے منظم کرنے میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے اگر تقلید پرست نہ ہوتے (یعنی دین اسلام پر قایم نہ رہتے اور دین الٰہی اکبر شاہی ختیار کر لیتے) اور زبان کو قابو میں رکھتے تو اور ترقی کرتے"

جب کسی جنگ میں سب سردار و سپہ سالار عاجز ہو جاتے تب نواب شہباز خاں بھیجے جاتے اور جاتے ہی فتح کر لیتے تھے" آپ کی فتوحات کے حالات سے تاریخیں بھری پڑی ہیں" اس موقع پر ہم اپنی غیر مطبوعہ اُس نظم کے ایک ٹکڑے سے جو نواب شہباز خاں کے قریباً تمام سوانح حیات پر محیط ہے" اُنکی فتوحات کی کچھ جھلک دکھلائے دیتے ہیں:

کیا لیاقت تھی میری وصف جو تیرے لکھتا — یہ تصرف ہے تیرا کہتا ہوں ایقان کے ساتھ
تیرے اوصاف نے پیدا کیا ہیجان مجھ میں — تو نے کیا کر دیا میرے دلِ نادان کے ساتھ
اللہ اللہ تیرے حملے تھے سیلاب فنا — بہ گئے جس میں سبھی "رانا" و افغان کے ساتھ
راجپوتانہ کے راجوں نے بغاوت جب کی — تو پکڑ لایا اُنہیں لشکر و سامان کے ساتھ
باغی گوندوانہ وہ "مرخود" سے تیری تیغ کا چکھا جو مزا — بچ کر بھاگ گیا وہ بڑے ارمان کے ساتھ

باغی گورنر بہار

وہ عرب جس کی شجاعت کا بہت شہرہ تھا ... سامنے سے تیرے بھاگا دل حیران کے ساتھ
سرکشی راجہ بوندیلہ نے دکھائی جس وقت ... تو نے آوارہ اُسے کر دیا نقصان کے ساتھ
جب گرا لشکرِ جرار کو اپنے لے کر ... ہل گیا سارا دکن دولت ویران کے ساتھ
قلعہ سیوانہ لیا فتح کیا کو بھلیسہ ... تاکہ راجاؤں کو عبرت ہو دل و جان کے ساتھ
ملک بنگالہ و آسام، اڑیسہ و اودھ ... تو نے گجرات فتح کر لیا ملتان کے ساتھ
بیربر قتل ہوا، زین خاں مشکل سے بچا ... جب لڑائی ہوئی یوسف زئی افغان کے ساتھ
ایسے ذلت کی ہزیمت سے شاہنشاہ کبیر ... پڑ گیا رنج میں اندوہ میں حرمان کے ساتھ
تو نے یوسف زئی اقوام پہ حملہ کر کے ... چور و رنجور اُنہیں کر دیا خسران کے ساتھ
یادگارِ گلِ کشمیر کا قصہ تیرا ... کوئی تجھ کو لے گا نہیں کہتا ہوں ایقان کے ساتھ
جب کسی جنگ میں عاجز ہوئے سارے قائد ... تو نے جاتے ہی فتح کر لیا ایک شان کے ساتھ
تیری فوجوں کی شجاعت کا بھلا کیا کہنا ... سب ہی نسبت اُسے دیتے رہے طوفان کے ساتھ
ایک دن بھی نہیں آرام سے بیٹھا گھر میں ... کیسی رغبت تھی تجھے جنگ کے میدان کے ساتھ

عــــــہ بادشاہ کشمیر جس کی نواب شہباز خاں نے گردن اڑا دی تھی۔

تو تھا رستم سے سوا، تیرے مقابل جو ہوا
ہو کے پامال ہلا، ریگِ بیابان کے ساتھ

تو نے بے قاعدہ فوجوں کو مرتب کر کے ... کیسا احسان کیا مغلیہ ایوان کے ساتھ
ہند کی منتشر اقوام کو یکجا کر کے ... منسلک تو نے کیا مغلیہ ایوان کے ساتھ

جس تمدن سے کہ آنکھیں ہوئیں سب کی خیرہ
تو نے بنیاد رکھی تھی سر و سامان کے ساتھ

تھا ابو الفضل سا دستور بھی حاسد تیرا ... ہر ادا تیری نرالی تھی بڑی آن کے ساتھ

حاسدوں کی کبھی پرواہ نہیں کی تو نے
واسطہ تجھ کو رہا اپنے ہی ایمان کے ساتھ

(ب) شیخ گدائی کے خاندان کے ایسے شجاع سرداروں کی ہندوستان میں تعداد کثیر ہے۔ اور اس جگہ اُن سب کے تھوڑے تھوڑے حالات کے لکھنے کا بھی موقع نہیں ہے۔

(۱) شیخ مجاہد خاں شہید در کوتلیر . (۲) مجاہد خاں کے دادا محب علی خاں
(۳) بہادر خاں شہید ابن نواب اعتماد الملک وزیر اعظم شیر شاہ سوری۔ (۴) شہباز خاں ثانی پسر محمود خاں شہید بر قلعہ قندھار۔
(۵) دولت خاں شہید در بند بلکھنڈ پر پوتے مدا خاں نائب گورنر لاہور برادر کلاں شہباز خاں ثانی شہید۔
(۶) محمد سعید خاں کوہی شہید در لکھی جنگل از توابع سرکار دیپالپور متعلق صوبہ ملتان۔ پانچویں پشت میں حضرت مخدوم شیخ اسحٰق قدس سرہ کے پوتے۔
(۷) محمد علی شہید در لکھی جنگل ابن محمد سعید خاں شہید (۸) محمد خاں پسر خورد محمد سعید خاں شہید۔
(۹) محمد لہر سپ خاں شہید ۱۰۰۱ھ ہجری پسر کلاں محمد خاں۔ (۱۰) بہادر خاں فاتح بندر ہنگلی
(۱۱) محمد مسیح المخاطب نواب خیر اندیش خاں ثانی (۱۲) زین الدین خاں شہید در گجرات خویش نواب شہباز خاں
(۱۳) محمد صالح شہید در آسام۔ اظہر حسین شہید در قصبہ سہاور پسر شاہ بخش بانی اور دیگر بزرگوں کی شجاعت، نیز علیم اللہ بہادر ہو۔

کے حالات "طبقات ناصری" "تاریخ فیروز شاہی" "طبقات اکبری" "جنگ نامہ اعظم شاہ و بہادر شاہ" "منتخب التواریخ" "تاریخ فرشتہ" "بادشاہ نامہ عبدالحمید لاہوری" اور "بادشاہ نامہ المعروف عمل صالح" "مفاد صفات عالمگیری" "سفر نامہ برنیر مترجمہ خلیفہ محمد حسین وزیر پٹیالہ" "تاریخ ہندوستان" مؤلفہ مولوی ذکاء اللہ صاحب" "سلسلۂ عالیہ" "المشاہیر" وغیرہ وغیرہ کتابوں میں دیکھنے چاہئیں"

(۵) غیرت و حمیت — مشہور واقعہ ہے کہ جب "حضرت مصعبؓ" کے پاس "میدان دیر جاثلیق" میں آپ کے صاحبزادے "عیسیٰ" اور صرف چند افراد کے سوا کوئی نہ رہا تو "عبدالملک بن مروان" نے پہلے اپنے بھائی "محمد" کو اُن کے پاس بھیجا اور پھر خود جا کر اُن سے میدان جنگ سے واپس چلے جانے کی درخواست کی" اور اپنی درخواست میں الحاح وزاری سے بھی کام لیا" مگر آپ نے یہ موقع حاصل ہونے پر بھی کہ واپس جا کر۔ اپنی قوت فراہم کر کے اور اپنے جری و مشہور سپہ سالاروں کو "ایران و خراسان" وغیرہ سے بلا کر بہ آسانی "عبدالملک" کی حکومت کو زیر و زبر کر سکتے تھے "صرف اِس خیال سے کہ قریش میں آپ کے میدانِ جنگ سے ہٹنے کا چرچا ہو جائے گا لڑ کر جان دیدینی گوارا کر لی اور میدان سے قدم ہٹانا گوارا نہیں کیا" اور "عیسیٰ" نے بھی اِس غیرت و حمیت کی وجہ سے کہ قریش کی عورتیں کہیں گی "تم نے اپنی جان بچانے کے لئے باپ کا ساتھ چھوڑ دیا" میدان سے قدم نہیں ہٹایا اور بیشمار فوجوں سے جنگ کر کے وہ بھی شہید ہو گئے"

ہم نے جناب منشی فیض احمد صاحب مؤلف المشاہیر کے حالات زندگی کو نظم کر دیا ہے" اِس موقع پر اس نظم کا وہ ٹکڑا پیش کرتے ہیں جس میں کیریکٹر کی دیگر خوبیوں کے ساتھ آپ کی غیرت اور حمیت کا ایک خاص واقعہ بھی ہے" اور جس کے دیکھنے سے اچھی طرح معلوم ہو گا کہ جب زر و نقد کو دیکھ کر بڑے بڑے لوگ بلا تامل کے ہاتھ پسار دیتے ہیں" بلکہ اُس کے حصول کے لیے ناجائز طریقے تک اختیار کرتے رہتے ہیں" تو آپ اپنی غیرت و حمیت کی وجہ سے کس طرح ثابت قدم رہے ہیں"

نام فیض احمد کا جب آتا ہے ان ہونٹوں تلک ۔۔۔ نطق فوراً لیتا ہے بوسے دہن کے ہم نشین
تھے پسر دلدار احمد کے وہ ایک عالی خیال ۔۔۔ غیرت و ہمت حمیت اُن میں تھی اعلیٰ ترین
بالیاقت" ذی فہم" بیحد خلیق" اور خوش مزاج ۔۔۔ ذی قناعت" اور سخی" پُر حوصلہ" خندہ جبین
وہ اعزا کی مدد کرنے میں تھے فردِ فرید ۔۔۔ حُبِ قومی کی تڑپ رکھتے تھے دل میں جاگزین
اُن میں تھی ہمدردی" مروت" اور سچائی بہت ۔۔۔ تھے کدورت سے مبرا" پُر بہار" ... بعد ازین
رکھتے تھے مہمان کے آرام کا ہر دم خیال ۔۔۔ خاطریں کرتے بہت کھانے کھلاتے بہترین
اُن کو قرآن کی تلاوت میں تھا کچھ ایسا شغف ۔۔۔ جس کی تمثیلوں سے خالی ہے زبان اور یہ زمین
خود اُنہوں نے یہ لکھا ہے کہ باپ کو میرے قریب ۔۔۔ ہو گئے ہیں سال ملتا ہے پر دل ہرگز نہیں
کوئی دن خالی سفر میں۔ اور بیماری میں بھی ۔۔۔ پڑھ سکے قرآن جبکہ میں نے باپ کو بخشا نہیں

تھے وہ پابند صلوٰۃ و صوم آبا کی طرح
سب فرائض کو ادا کرتے تھے وہ احسن ترین

نوکری کر لی تھی" اپنے وقت کا پیشہ چھوڑ کر ۔۔۔ تھے وہ عمدہ دار پر مٹھ کے بہت لائق ترین
تھانہ تھا اُن میں اعلیٰ" تھے مؤدب کاردان ۔۔۔ سارے افسر کرتے تھے توقیر اُن کی بہترین
ایک افسر نے کہا دیکھی جو کچھ تو قیر میں ۔۔۔ دیدیا استعفا پر وا نوکری کی کی نہیں

اپنی اُس اکیس سالہ نوکری کو چھوڑ کر
دور رہ کر وطن میں وہ بس خانہ نشین

جبکہ چھوٹا تھا ولیعہد[1] ریاست رامپور — اقتدار اُس وقت تک حاصل نہ تھا جن کے تئیں

اور جنرل اعظم الدین[2] تھے نہ ریجنٹ رامپور — با اثر تھے اور نامور بے حد جری تھے لایق ترین

اپنی بیکاری سے اُکتا کر گئے وہ رامپور — جا کے جنرل سے ملے تھے با طریق احسن بہترین

خوش ہوا جنرل تھے لیاقت اور ذہانت دیکھکر — اور کہا دوں گا میں خدمت آپ کو اعلیٰ ترین

ایسے قابل لوگوں کی یاں پہ ضرورت ہے بہت — تا ترقی ہو ریاست کی بطرز بہترین

میں نکالوں گا بہت جلدی کوئی ایسی جگہ — جس سے عزت مرتبہ ہو، آپ کا ہر دل نشین

پیش کش فی الوقت کوئی چھوٹی سی خدمت کروں
حاشا اِس کو کسی طرح سے میرا دل نہیں

آئے وہ جنرل سے مل کر جب اقامت گاہ پر — پاس اُن کے بھیجی پُر زر سے تھیلی جنرل نے وہیں

ساتھ ہی رقعہ لکھا کہ کر لیں آپ اِس کو قبول — صرف ہے یہ آپ کا، گو آپ کے لایق نہیں

جو ہوئی ہے زیر باری، آپ کو آنے میں یاں
یہ اگر سمجھیں، کہ اس کا بدلہ ہے، ہرگز نہیں

پھیر دی تھیلی انہوں نے، دے کے یہ اپنا جواب — میں نے خدمت اِس ریاست کی، ابھی تک کی نہیں

کس طرح لے سکتا ہوں میں آپ سے کوئی رقم
جب بلا خدمت کے لینا مجھ کو واجب ہے نہیں

اُس رقم کے ساتھ جب جنرل نے پایا یہ جواب — دگنی کر کے بھیج دی پھر وہ رقم اُن کے تئیں

ایک چٹھی پھر لکھی کہ اصرار یہ اس میں کیا — آپ کے قابل نہیں ہے۔ پر اسے پھیریں نہیں

واپسی کا یہ سبب سمجھے تھے وہ عالی جناب
کم سمجھ کر یہ رقم پھیری نہ ہو شاید کہیں

پھر یہ شائستہ طریقہ، بھیجکر ساری رقم — یہ لکھا جنرل کو، شرمندہ کریں زیادہ نہیں

آپ کا ممنون ہوں، عزت ہے دل میں آپ کی — پر کسی طرح سے بھی ۔ میں اِس کو لے سکتا نہیں

یہ تو کیا ہے سارا دیدیں گر خزانہ بھی مجھے — میں بلا حق کے نظر تک اُس پہ ڈالوں گا نہیں

گر ریاست کی کوئی خدمت میں کرتا تو ضرور — لینا واجب تھا، مگر اس وقت حق کوئی نہیں

ہے حمیت کا تقاضا یوں نہ میں ایسی رقم
جو بغیر حق و محنت کے مجھ کو ملتی ہو کہیں

یہ زمانہ وہ تھا۔ جب اکثر ایڈیٹر، مولوی — اور مشایخ بھی بہت سے رقموں کے لینے کے تئیں

کرتے تھے دورے ریاست ہائے ہندوستان کے — جس طرح بن پڑتا لیتے تھے رقمیں خاصی بہترین

گر وہاں تھوڑی بھی رہ جاتی تھی اُن کے کچھ کمی — تو برائی کرتے پھرتے تھے وہ اُن کی ہر کہیں

اُس زمانے کے رئیسوں کا تھا کچھ ایسا خیال — حرف اُن کے انتظام اور ذات پر آئے نہیں

وہ ڈراتے تھے انہیں اثرات اُن پر ڈال کر
بے لئے ٹلتے نہ تھے ہرگز یہ مار آستین

[1] نواب علی خاں مرحوم
[2] نائب السلطنت

دیکھی جنرل نے وہ چٹھی، سمجھا اُن کا مدعا   ہو گیا اُس کو یقین یہ لینے والوں میں نہیں
ہو گئی حیرت اُسے" بھیجا یہ اُس نے پھر جواب   میں نے لکھا آپ کا۔ اب کر لیا ہے دل نشین
آپ کی غیرت۔ ہمیّت، اور ہمّت کا اثر   مرتے دم دل میں رہے گا۔ اس کو بھولوں گا نہیں
مشفقا میری یہ ایک درخواست ہے اب آپ سے   خط کتابت مجھ سے رکھیں" اور مجھے بھولیں نہیں

یہ سمجھ لیں آپ" جلدی آئیں گے یاں با ضرور
فیض سے گلزار ہو گی" آپ کے یہ سرزمین

ایک جلسہ واں ہوا اُن کے چلے آنے کے بعد   اور تقریریں بہت سی اُس میں لوگوں کی ہوئیں
جب ہوئے جنرل کھڑے تو اپنے لیکچر میں کہا   دو اجازت مجھ کو بھی کہنا ہے کچھ اے حاضریں
غیرت و ہمّت، ہمیّت پر مسلمانوں کی میں   جب نظر کرتا تو۔ ہو جاتا تھا بس اندوہگیں
سوچا کرتا تھا۔ الٰہی ان کا کیسا ہونا ہے حال   کس طرح سرسبز ہوں گے۔ اب یہ رب العالمین
جس طرح کے اور جیسے" کرتے ہیں یہ اب عمل   اُن سے حاصل ہو نہیں سکتی کبھی فتح مبین
مُفت لینے کو رقم۔ اور پیٹ پوجا کے لئے   حرکتیں کرتے ہیں وہ۔ جو شایانِ ہیں نہیں
جبکہ دریوزہ گری پر باندھ لے اپنی کمر   قوم ایسی کس طرح پائے گی رُتبہ بہترین

ہوتی تھی حیرت مجھے، یہ کیوں ہیں باقی اب تلک
جب کوئی اسلاف کی باقی صفت ان میں نہیں

بعد اس تمہید کے جنرل نے فقرہ یہ کہا   اب مری مایوسی کی وہ کیفیت باقی نہیں
چند روز دن قبل" پیش آیا ہے جو ایک ماجرا   وہ نرالا ہے" مگر اُمید سے خالی نہیں
جس نے حیرت دُور کی ہے مجھ کو بھرا اُمید سے   واقعہ یہ ہے۔ سنیں دہر کان اس کو حاضرین

بعدہٗ جنرل نے وہ سارا سُنایا ماجرا
گذرا دربارہ رقم تھا جو میانِ آں دو امیں

پھر کہا کہ۔ کوہ کا سا دیکھ کر اُن کا ثبات   ہو گئی دل کو تسلی۔ آگیا مجھ کو یقین
قوم میں غیرت" ہمیّت والے باقی ہیں ابھی   جن سے باقی ہے نشان۔ اس قوم کا بر سرزمین

حق کو جادہ سے" انشاء اللہ" ہٹا سکتا نہ ہو
جس میں ایسے لوگ ہوں" وہ قوم مٹ سکتی نہیں

دم قدم سے ایسے ہی لوگوں کے اور فیضان سے   قوم نکبت سے نکل کر پاتی ہے فتح مبین
واقعہ تم کو سُنایا ہے جو میں نے یہ ابھی   ہے گذارش میری کر لو تم بھی اِس کو دل نشین
اور ذرا سوچو کہ پہلے کتنے تھے، اور آج ہم   کس قدر قائم ہیں بر تعلیم ختم المرسلین
ایسے ہی لوگوں کی کثرت ہو گی جبکہ قوم میں   یہ صفات اسلاف کی جس روز ہم میں آگئیں
یہ زماں پھر اپنا ہو گا۔ اور ساری سرزمین   اپنی ہی محکوم ہو گی دل سے ہے مجھ کو یقین

بے عمل اچھے کیئے ہرگز فلاح ملتی نہیں
جھوٹ ہو سکتا نہیں ہے" قولِ ختم المرسلین

تھوڑے ہی عرصہ میں جب جنرل شہادت پا گئے — دشمنوں کے فیر سے، راہی ہوئے خلد بریں
جو بھی جنرل کے ارادے تھے۔ ہوئے سب گاؤ خورد — اُن سے جو قایم تعلق تھا، رہا باقی نہیں

بعد جنرل کے ملاقی ہونے کے وہ عمر بھر
واسطے اپنے کسی سے پھر ملے جا کر نہیں

اب یہ سوچا تھا، وطن میں بیٹھکر آزاد و خوش — کام وہ مانند آبا کے کریں گے بس وہیں
جوش تھا اُن میں بہت۔ تھی حُبِّ قومی کی تڑپ — کارِ دنیا میں سلیقہ اُن کو تھا اعلیٰ ترین
تھے بہت عالی خیال و خوش خصال و باتمیز — فارسی اِنشا میں اُن کا کوئی ثانی تھا نہیں
ماسوائے فارسی، اُردو کی تحریریں جو ہیں — بعد غالب کے کسی نے ویسی لکھیں ہی نہیں
جب وہ لکھنے بیٹھتے تو پھر قلم رکتا نہ تھا — آمدِ مضمون کسی میں ایسی دیکھی ہی نہیں
تھے وہ خوش تقریر، اُن کا پُر فصاحت تھا کلام — خوشرقم بیحد تھے وہ لکھتے شگفتہ اور متین

مادۂ تفتیش و تحقیقاتِ تاریخی کا وہ
رکھتے تھے اچھا، بہت ہی بہترین اعلیٰ ترین

اُن کے پردادا کی لکھی "سلسلہ عالیہ" جو — گوشۂ گمنامی سے پبلک میں آئی تھی نہیں
یہ خیال آیا اُنہیں، کہ اگلی نسلوں کے لئے — شایع کردیں اُس کو، تا واقف نہ رہ جائیں کہیں
اپنے وہ اسلاف سے۔ اور اُن کی سیرت چال سے — غلغلہ جن کا رہا ہے غرب سے تا ملکِ چین
دینِ قیومی کی خدمت، اور شوکت کے لئے — مال کیا ہے، جانوں کی پروا جنھوں نے کی نہیں
ہند میں بھی سربلندی کے لئے اسلام کے — کارنامے جو کئے ہو جائیں اُن کے دِلنشیں
شیر بنکر تا رہیں اسلاف کی مانند وہ — اُن میں ہمت، جوش و غیرت پیدا ہو اعلیٰ ترین
کوئی مشکل آپڑے۔ اُن پر نہ مُنہ موڑیں کبھی — مُبتلا ہوں اِبتلا میں، تو وہ گھبرائیں نہیں
حرکتِ بیجا سے وہ پرہیز کا رکھیں خیال — اور لیاقت وہ کریں حاصل، بزرگوں میں جو تھیں
ساتھ ہی اس کے انہوں نے یہ تہیہ بھی کیا — سلسلہ جو تین پشتوں تک کا اُس میں ہے نہیں

وقت تک اپنے اُسے بھی پُورا کر دیں در کتاب
تا ذرا سی بھی کسر اُس میں رہے باقی نہیں

اس میں تھے پیچ سفر، اور اچھا خاصا صرف تھا — پر ارادہ جو کیا تھا اُس کو چھوڑا ہی نہیں
کام یہ بیحد تھا مشکل، وقت چاہتا تھا بہت — کر لیا پورا وہ جب از فضلِ ربّ العالمین

(نوٹ ۱) جنرل اعظم الدین خاں ۱۹ اپریل ۱۸۹۱ء کی ایک رات کو کسی تقریب سے تنہا گھر پر واپس آ رہے تھے کہ چند آدمیوں نے تفنگچوں سے ایک ساتھ اُن پر فیر کئے۔ گولیاں ٹھیک نشانہ پر بیٹھیں مگر اس پر بھی آپ میں اتنا دم خم تھا کہ ایک دوست کے دروازے تک چلے گئے۔ اور وہاں پہنچکر گرے اور ٹھنڈے ہو گئے۔ اس واقعہ کا اثر سارے ملک پر پڑا۔ آپکے مردانہ اوصاف اور لیاقتوں کی وجہ سے سب کو نہایت قلق ہوا اور بہت مرثیئے آپ کی شان میں لکھے گئے۔ چنانچہ علامہ شبلی نعمانی نے جو مرثیہ لکھا تھا وہ ۲۸ اپریل ۱۸۹۱ء کے انسٹی ٹیوٹ گزٹ علیگڈھ میں چھپا تھا، جس کے پہلے دو شعر یہ ہیں۔

تا کے زغم نہاں نہ گوییم — گویند مگو چنان نگوییم
در ماتم خان اعظم الدین — جز قصۂ خونچکان نگوییم

سلسلہ میں رہ گئے تھے حال جن اسلاف کے   از برائے اطلاع شامل کئے وہ بھی وہیں
تیرہ سو چھ ہجری میں تکمیل کر کے وہ کتاب
ذات سے کی شائع پر کا اجرت کی کچھ کی نہیں
وہ جو الطاف و کرم سے یہ ذخیرہ دے گئے   قوم اس احسان سے سر کو اٹھا سکتی نہیں
جس قبیلہ کا بھی چاہو مانگو دیکھو سلسلہ
بے یقین ایسا کسی کے پاس پاؤ گے نہیں

شیخ گدائی کے خاندان کے حال کے زمانے کے چند بزرگ افراد کی ملکی قومی مذہبی خدمتیں

(۱) ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد جب شاہجہاں کے لال قلعہ دہلی پر بھی انگریزوں کا تسلط ہو گیا اور بہادر شاہ قید کر کے رنگون ملک برما میں بھیج دیئے گئے، اس وقت مسلمانانِ ہندوستان ایسی معاشی اور ذہنی پستی میں مبتلا تھے جن کے پھر ابھرنے کی کسی طرح بھی توقع نہیں تھی۔ ایسے زمانے میں جبکہ نفسی نفسی کا عالم تھا برباد اور زوال پذیر مسلمانوں کی قومی تعمیر و تشکیل کا عزم جن تین بزرگوں نے سر سید احمد خاں (۲) مولوی سید مہدی علی (بعد محسن الدولہ محسن الملک نواب منیر نواز جنگ بہادر) اور (۳) مولوی مشتاق حسین (بعد وقار الدولہ وقار الملک نواب انتصار جنگ بہادر) نے کیا۔ ان میں آخر الذکر نواب وقار الملک بر۔ ورۂ شیخ گدائی کے خاندان سے تھے۔

مولوی محمد امین صاحب سابق مہتمم تاریخ ریاست بھوپال حال وظیفہ یاب نے اپنی مؤلفہ کتاب تذکرہ وقار کے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے کہ زمانہ کتنا ہی ترقی کر جائے کتنے ہی قائد آسمانِ شہرت و عزت پر تارے بنکر چمکیں کیسے ہی سخت و صعب معرکے پیش آئیں اور سر کئے جائیں مگر قومی مطلع پر ان بزرگوں کے خلوص ایثار اور ہمت عمل کی روشنی سب پر غالب رہے گی اور انہیں کے شاندار کارناموں سے قومی اصلاح و ارتقاء کی تاریخ کا آغاز ہوگا کیونکہ یہ ہی اصحاب ہیں جو تقریباً ساٹھ سال تک متحداً اور منفرداً اس مقصد کی تکمیل میں نوبت بہ نوبت سرگرم عمل رہے اور آنیوالی نسلوں کی ترقی کی ایک پائدار عمارت تیار کر گئے۔

معمولی ملازمت کے فرش سے حکومت نظام کے اعلیٰ مناصب کی کرسی تک ایک وسیع ملک کے نظم و نسق اور اصلاح میں پھر ریزیڈنسی اور ریاستی پالیٹکس کے خارزار میں کامیابی کی مسرت و سرشاری اور ناکامیوں کی تلخی و افسردگی میں عروج و اقتدار اور زوال و معزولی کی بہار و خزاں میں قوم کی مردانہ خدمت سے محرومیت و قیادت کے مرتبہ میں تعلیمی و سیاسی مراحل اور باہمی کشمکشوں اور فرقہ بندیوں میں دوست دشمن عزیز و غیر کے ساتھ تعلقات اور عوام و خواص و غربا و امراء کے ساتھ برتاؤ میں گھر کے صحن و دالان اور پبلک مجامع میں غرض ان کی زندگی کے ہر ایک حال و قال میں اور حرکت و سکون میں اسلامی سیرت و اخلاق کا ہی جلوہ نظر آتا ہے انھوں نے قدرت کے فیاضانہ عطیات کی پوری قدر کی اور دیانت و بیدار مغزی دقیقہ سنجی دور اندیشی اور عزم و حوصلہ کا جو جوہر پایا تھا اس کو پورے طور پر چمکایا وہ زمانہ حاضرہ کی ڈپلومیسی (یعنی خود مطلبی کی پردہ پوشی یا تاویل) سے قطعی طور سے متنفر اور ہر بات کو دیانتداری کے معیار پر پرکھتے تھے آپ کی تمام تر زندگی اپنے تمام متوقعات کے ساتھ محاسن و فضائل اخلاق کا نہایت نمایاں مظہر رہی ہے۔

۱۔ جس زمانے میں آپ مسٹر کالون کلکٹر کی پیشی میں کام کرتے تھے تو اوقات دفتر میں نماز کے لئے اٹھ جایا کرتے تھے کلکٹر مذکور کو یہ بات ناگوار ہوئی اس نے آپ کو روکنا چاہا آپ کسی طرح راضی نہ ہوئے۔ اور جب اس کا اصرار حد سے بڑھا تو آپ نے رخصت کی درخواست پیش کر کے اس میں یہ بھی لکھدیا کہ اگر رخصت نامنظور کی گئی تو اسی درخواست کو ملازمت سے استعفا سمجھ لیا جائے۔

، سائنٹیفک سوسائٹی جو ۱۸۶۶ء میں قائم ہوئی۔ آپ اس کے سرگرم ممبر اور معاون تھے۔

، محمڈن اینگلو اورئینٹل کالج فنڈ کمیٹی جو ۱۸۷۲ء میں قائم ہوئی اور جا بجا سب کمیٹیاں قائم کی گئیں آپ نے وصولی چندہ کے

متعلق بڑی سرگرمی سے کام کیا۔ کمیٹی کے دفتر کی نگرانی اور بجٹ کی تیاری بھی آپ ہی کرتے تھے۔

آپ تہذیب الاخلاق میں مسلمانوں کو ترقی پر گامزن کرنے کے لئے مضامین بھی لکھا کرتے تھے۔ مسلمانوں کی حالت کیونکہ اس زمانے میں نہایت متبتزل تھی اور اُن میں اپنی بھلائی و بُرائی کے سوچنے کی اہلیت نہ رہی تھی۔ اس لئے وہ اِن باتوں کو نہ سمجھکر طرح طرح کی باتیں کرتے تھے۔ اُن کے اِس طریقہ سے متاثر ہو کر سر سید احمد خاں نے ۱۲۹۰ھ ہجری مطابق ۱۸۷۳ء میں تہذیب الاخلاق میں لکھا تھا کہ منشی مشتاق حسین کی (نواب وقار الملک کی) ذاتی نیکی۔ اور نہایت سخت دینداری۔ بے ریا عبادت۔ سچی خدا پرستی۔ نہایت شدت سے نماز روزہ اور احکام شریعت کی پابندی۔ جو درحقیقت بے مثل ہے۔ اِس لائق تھی کہ اگر ہماری قوم پر خدائی خفگی نہ ہوتی تو اس سے مسلمانی کو فخر سمجھتے۔

۱۸۷۵ء میں آپ مملکت آصفیہ کی ملازمت میں داخل ہوئے۔ آپ نے اِس اسلامی مملکت کی بہبودی کے جو کام کئے۔ اور اس میں جو اصلاحات کیں اُن کی فہرست بہت طویل ہے۔ اور آپ کی خودداری اور صداقت کے جلوؤں سے بھری ہوئی ہے۔ خدا کی رحمت پر آپ کو ایسا توکل تھا کہ کوئی موقع ابتلا بھی آپ کو اپنے جادہ سے نہیں ہٹا سکا۔ غیرت و حمیت اور اسلام کی پاسداری ہمیشہ آپکے پیش نظر رہی۔ اور حتی کہ اپنے قتل تک کی سازش کی آپ نے ذرہ برابر پرواہ نہیں کی۔ ہمیشہ ایثار سے کام لیتے رہے اور بڑی بڑی ذمہ داریوں کی مصروفیت میں بھی آپ قومی سود و بہبود کے کاموں سے غافل نہیں رہے۔ بیرون مملکت میں جو کام مسلمانوں کی ترقی کے ہو رہے تھے۔ جن میں آپ کا بڑا حصہ تھا۔ اُن کو اپنے ذاتی بیش قرار رقمی چندوں اور اپنے اعلیٰ مرتبہ کے اثر سے برابر تقویت پہنچاتے رہے۔

مسٹر ڈنلاپ سی۔ آئی۔ ای۔ جو عرصہ تک آپ کے ماتحت رہے اور بعد کو معتمد مالگذاری کے عہدے پر سرفراز ہوئے۔ اپنے خط مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۲۰ء موسومہ ہمارے محترم جناب محمد امین صاحب وظیفہ یاب مہتمم تاریخ بھوپال میں نواب وقار الملک بہادر کے کیریکٹر کو اِن الفاظ میں دکھایا ہے کہ جس زمانے میں نواب وقار الملک ریونیو سیکرٹری (معتمد مالگذاری) تھے۔ اُس وقت وزیر اعظم سر آسمان جاہ بہادر اُن کی بہت عزت کرتے تھے۔ اور فی الحقیقت وہ ریاست کے تمام معاملات میں وزیر اعظم کے مشیر خاص تھے۔ اور اسی وجہ سے ان کے ذمہ مختلف اقسام کے کام کا اس قدر بار تھا۔ جو ایک عہدہ دار نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ نہایت جفاکش۔ اعلیٰ اصول کے بیحد پابند۔ ایماندار۔ پبلک کے ہمدرد۔ اور ریاست کے قابل قدر ملازم تھے۔

نواب سر فریدون الملک بہادر سی۔ آئی۔ ای۔ جنہوں نے ایک بڑے عہدہ دار کی حیثیت سے عرصہ تک نواب وقار الملک کے ساتھ کام کیا ہے۔ اور بعد کو قائم مقام وزیر اعظم ہوئے۔ اپنے خط مورخہ ۲۹ اپریل ۱۹۲۰ء میں لکھا ہے کہ وہ جفاکش۔ ضمیر کے پابند۔ اور نہایت ایماندار عہدہ دار تھے۔ اُن میں قوت عمل اعلیٰ درجہ کی تھی۔ وہ پندرہ سولہ گھنٹے روزانہ کام کرنے کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔

مولوی بشیر الدین احمد دہلوی تعلقہ دار (کلکٹر) وظیفہ یاب مملکت آصفیہ خلف ڈپٹی ڈاکٹر مولوی حافظ نذیر احمد صاحب مرحوم نے نواب صاحب کی وفات کے بعد اخبارات میں شائع کیا تھا کہ مولوی مشتاق حسین (نواب وقار الملک) کی کچھ بات ہی اور تھی۔ اِس جامعیت کا آدمی دیکھنے میں نہیں آیا۔ باوجودیکہ وہ فقیر منش۔ نہایت منکسر المزاج۔ متواضع۔ درجے انتہا خلیق۔ نیز ہمدرد تھے پھر بھی اُن کی خودداری۔ اُن کا رعب۔ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ جس نے وہ آن بان۔ اور وہ شان و شوکت دیکھی ہے۔ وہ اس کا کچھ اندازہ کر سکتا ہے۔ ان کا دربار ہر چھوٹے بڑے کے واسطے ہر وقت کھلا ہوا تھا۔ کسی وقت کی روک ٹوک نہ تھی۔ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ ملازم کے واسطے بھی نہ تھی۔ ہر شخص اُن تک بہ آسانی پہنچکر اپنا درد دکھ کہہ سکتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ اُن کی کوٹھی کا وسیع احاطہ صبح سے رات کے گیارہ بجے تک۔ گاڑیوں۔ اور اہل غرض کے ہجوم سے بھرا رہتا تھا۔ لیکن وہ فرداً فرداً سب ہی سے ملتے تھے۔ اور کبھی اُن کا دل نہ گھبراتا تھا۔ اکثر ملنے والوں کو وہ کمرے کے دروازے سے لیتے اور وہیں تک پہنچاتے تھے۔ سب کی بات نہایت غور سے سنتے تھے۔ اور فوراً دو ٹوک جواب دیتے۔

یا نیست کا دیدیتے تھے " وہ کبھی کسی کو بھی جھوٹی اُمید نہ دلاتے تھے "

سر سیّد نے جب اپنے صاحبزادے " جسٹس سیّد محمود " کو اپنی زندگی میں اپنا جانشین بنانا چاہا " تو آپ نے اُن کو نامناسب جان کر " اُن کے ایسے ذمہ داری کے کام پر مقرر کیے جانے کی مخالفت کی اور سر سیّد کو اس عمل سے روکنے کی انتہائی کوشش کی " لیکن جب سر سیّد کی مروت سے لوگوں نے ووٹ دیکر " سیّد محمود " کو اُن کا جانشین قرار دیا تو آپ نے چند دوسروں کی طرح " علیگڈھ کالج " کی امداد سے ہاتھ نہیں کھینچ لیا " بلکہ اس کی امداد اُسی نہج سے کرتے رہے جیسی کہ کیا کرتے تھے " نہ انہوں نے " سر سیّد " سے اپنے تعلقات منقطع کیے جیسا کہ چند بزرگوں نے کر لیے تھے " بلکہ آپ نے " سر سیّد و سیّد محمود " مرحومین سے نہایت سنجیدہ اور محبت آمیز سلوک کیا "

اکتوبر ۱۹۰۷ء میں " شملہ " میں " نواب محسن الملک " کا انتقال ہو گیا " تو آپ کا انتخاب " کالج کے سیکرٹری کے عہدہ پر ہوا " اُس وقت کے اخباروں نے متفقہ طور سے لکھا تھا کہ " حضرت عمرؓ " کے بعد تیرہ سو برس میں یہ پہلا انتخاب ہے " جو متفقہ ہے۔ اور جس کے خلاف کہیں ایک آواز بھی سنائی نہیں دی ہے " اُس زمانے میں علیگڈھ کالج کا سیکرٹری تمام ہندوستان کے مسلمانوں کا لیڈر مانا جاتا تھا "

سر سیّد " نواب محسن الملک " اور " نواب وقار الملک " کا مع اپنے رفقاء کے شروع ہی سے ایک یونیورسٹی بنانے کا ارادہ تھا " عرصہ تک ایم۔ اے۔ او کالج پر قناعت کرنی پڑی " آخر کار نواب وقار الملک " کے سیکرٹری شپ کے زمانے میں اس کام کے لیے " ہز ہائی نس سر آغا خاں " کے ذریعہ سے چندہ کی ایک منظم کوشش کی گئی۔ چندے کے لیے اپیلوں کی تیاری " اخبارات کے لئے مضامین اور عام خطوط کے جوابات " ڈپوٹیشنوں میں شرکت۔ اور دورے " ہر جگہ مقامی حضرات سے تبادلہ خیالات " متعدد کمیٹیوں کی شرکت " حکام تعلیم سے ملاقاتیں اور گفتگوئیں " یہ اہم اور عظیم الشان کام " کالج کے روزمرہ کے کاموں کے علاوہ " بلا تاخیر و نقص کے اپنی اس پیرانہ سالی " اور عوارض لاحقہ کی حالت میں کرنے کی نواب صاحب ہی کی طاقت اور ہمت تھی " کیونکہ تمام قوم کو آپ پر " اعتماد تھا " اور ہر طبقہ کے آپ معتمد علیہ تھے " اُس کی وجہ سے جنوری ۱۹۱۱ء تا آخر ۱۹۱۲ء اکتالیس لاکھ تریسٹھ ہزار تین سو چھپتر روپے سات آنے ساڑھے سات پائی کے وعدے ہوئے " ان میں سے اسی مدت میں چھبیس لاکھ سینتیس ہزار چار سو آٹھ روپیہ دو آنے دو پائی نقد وصول ہوئے " ان کے علاوہ تین لاکھ چھہتر ہزار روپیہ پبلک سرمایہ دوامی حاصل ہوا "

اپنی پیرانہ سالی " اور بیماریوں کے حملوں سے کمزوری اور معذوری کی وجہ سے گو آپ نے علیگڈھ کالج کی سیکرٹری شپ سے علیحدگی اختیار کر لی تھی لیکن جب تک دَم میں دَم رہا " آپ ہی مسلمانانِ ہندوستان کے ملجا و ماویٰ رہے اور اپنے قیمتی مشوروں سے مسلمانوں کو مستفید فرماتے رہے " نیز ہر قسم کی امداد دیتے رہے "

۱۹۱۱ء میں " مولوی عبید اللہ سندھی " نے " نظارۃ المعارف القرآنیہ " کے نام سے " مسلمان گریجویٹوں کی عربی تعلیم " اور قرآن مجید حدیث کی تدریس کے لئے " دہلی میں " ایک مدرسہ قائم کر کے نواب صاحب سے اُس کی سرپرستی کی درخواست کی آپ نے بخوشی قبول کی اور باوجود معذوریوں کے اُس کے لئے چندے کی کوششیں کیں "

۱۹۱۲ء میں آپ نے ترکوں کے لئے قرضہ دینے اور ہلال احمر میں چندہ دینے کی مسلمانوں سے اپیل کی اور اپنی اس اپیل کو اُس وقت پریس میں بھیجا۔ جبکہ آپ دو ہزار کی اپنی حقیقت فروخت کر کے یہ رقم اپنی طرف سے پہلے بھیج چکے تھے "

دسمبر ۱۹۱۱ء میں تقسیم بنگال کی منسوخی " اور ۱۹۱۳ء میں " مچھلی بازار کانپور " کی مسجد کے ایک حصّہ کے گورنمنٹ کی طرف سے منہدم کئے جانے پر جب مسلمانوں نے مزاحمت کی تو وہاں کے کلکٹر و مجسٹریٹ مسٹر ٹائلر نے اُن پر بندوقوں سے فیر کرا دئے " تلافِ جان بھی ہوا اور بہت سے لوگوں پر مقدمات فوجداری چلائے گئے " نواب صاحب اِن دونوں کارروائیوں سے بیحد متاثر ہوئے " اور انھوں نے مسلمانوں کو صاف طور سے مشورہ دیا کہ اگر وہ اپنی بہتری چاہتے ہیں تو محض گورنمنٹ کے انصاف اور رحم و کرم پر بھروسہ رکھنا چھوڑ دیں " اور اپنی قوّتِ عمل کو بروئے کار لائیں " اب ہمارے ہاتھوں میں ہے کہ اپنی آزادی و عزّت کو برقرار رکھیں یا پیروں کے تلے پامال ہو جائیں "

مسلمانوں کی جائدادوں کے " ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد سے کروڑوں کی تعداد میں " ہر سال ہندوؤں کے ہاتھوں میں چلے جانے کا سلسلہ

جاری تھا"۔ اس لئے آپ "وقف علی الاولاد" کے قانون کا ہندوستان میں نفاذ چاہتے تھے"۔ جب یہ کوشش تمام یہ قانون منظور ہو گیا"۔ تو سب سے پہلے آپ نے اپنی جائداد کو جو تین چار سو روپیہ ماہانہ آمدنی کی تھی "اپنے صاحبزادے اور صاحبزادی پر وقف کر دیا۔ اور اس قانون کی پانچسو کاپیاں اپنے خرچ سے چھپوا کر ہندوستان کے صاحب جائداد حضرات کے پاس بھجدیں اور انہیں بھی ترغیب دلائی"۔

غرضکہ "ندوۃ العلماء لکھنؤ" "مدرسہ عربیہ دیوبند" "دار المصنفین اعظم گڈھ" "انجمن ترقی اردو" "جامعہ ملیہ دہلی" "آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس" "علیگڈھ کالج یونیورسٹی" "سرکاری مدرسوں میں مذہبی تعلیم کی ترویج" وغیرہ وغیرہ کے جو کام بھی مسلمانوں کی دینی و دنیاوی ترقی کے ہندوستان میں دیکھے جاتے ہیں۔ ان سب میں آپ کی کوشش اور امداد شامل ہے" اور اکثر کے تو خود آپ ہی بانی ہیں"۔

آپ نے علیگڈھ کالج کے لئے ہزار ہا روپیہ اپنی جیب خاص سے دینے کے علاوہ اپنے اثر سے لاکھوں روپیہ کا چندہ ہی نہیں کرایا۔ بلکہ مملکت آصفیہ سے بھی بیش قرار سالانہ رقم ہمیشہ کے لئے مقرر کرائی"۔ ۱۹۰۶ء میں آپ نے مسلم لیگ قائم کی اور تین برس تک اس کے خود سیکریٹری رہے"۔

جس طرح "میاں شاہ گلشن زبیری" نے اپنے مرید "ولی دکھنی" کو ہدایت فرما کر "ہندوستان" میں "اردو شاعری" کا رواج دیا۔ یعنی آپ ہی کے ارشاد سے وہ "اردو میں شاعری شروع کر کے" "اردو شاعری کے بابا آدم کہلائے" اسی طرح "نواب وقار الملک مولوی مشتاق حسین صاحب پہلے شخص ہیں"۔ جنہوں نے "علامہ جمال الدین افغانی" سے بھی دس برس پہلے "کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان" کے ۲۶ دسمبر ۱۸۷۲ء کے اعلان پر ایک رسالہ "ترقی تعلیم مسلمانان ہندوستان" کے نام سے لکھ کر ۱۵ اگست ۱۸۷۲ء کو کمیٹی مذکور میں پیش کیا تھا"۔ جس پر کمیٹی نے آپ کو تین سو روپیہ انعام دیا تھا"۔ نواب صاحب نے اس رسالہ میں جن تجاویز و تخیلات تعلیمی کو پیش کیا تھا ان میں سے ان کا ایک تخیل تھا کہ "حیدر آباد" میں اعلیٰ تعلیم کی درسگاہ کا قیام "اور اس کا ذریعہ "قومی زبان اردو" قرار دیا جائے"۔ اور لکھا تھا کہ "یہ مدرسہ مدرسہ اعظم کے نام سے موسوم ہو" اس کے واسطے "بمبئی" یا "کلکتہ" یا "حیدر آباد" میں کوئی مقام پسند ہونا چاہئے"۔ اور اس مدرسہ میں تمام علوم و فنون کی تعلیم نہایت سے نہایت اعلیٰ درجہ تک ہونی چاہئے"۔ یہ تاریخی شہادت "مولوی مشتاق حسین صاحب کی دستخطی" غیر مطبوعہ رسالہ سے ہمدست ہوئی ہے جو راقم الحروف کے کتب خانہ میں موجود ہے"۔ (مضمون میر رونق علی صاحب در رہبر دکن حیدر آباد ۱۷ جنوری ۱۹۳۶ء عنوان کا رنامہ شرف یار جنگ نواب صدر یار جنگ بہادر)

آپ کا انتقال ۱۹۱۷ء میں ہوا تو تمام ملک میں ماتم برپا ہو گیا"۔ قومی انجمنوں اور انجمنوں نے اظہار افسوس کیا۔ اور آپ کی وفات کو ناقابل تلافی نقصان قرار دیا"۔ مولانا شوکت علی اور مولانا محمد علی نے "چھندواڑہ" سے جہاں اس وقت وہ نظر بند تھے لکھا کہ "ہندوستان" اپنے فرزند بزرگ" اور ہم اپنے باپ سے جدا ہو گئے" خدا ہماری مدد کرے"۔ آپ کے حالات میں دو کتابیں "حیات وقار" اور "وقار حیات" ہیں۔

(۲) مولوی بشیر الدین صاحب میرٹھی ہیڈ ماسٹر ایڈیٹر اخبار البشیر اور بانی و ہتمم اسلامیہ انٹر کالج اٹاوہ "علاوہ دیگر قومی" مذہبی اور ملکی ترقی کی تحریکوں کے "ندوۃ العلماء" علیگڈھ کالج و مسلم یونیورسٹی بنانے میں بھی آپ کی کوششوں کو دخل حاصل رہا ہے)

(۳) لفٹننٹ کرنل سر ڈاکٹر ضیاء الدین احمد میرٹھی" ڈی۔ ایس۔ سی۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ و ممبر کونسل آف اسٹیٹ۔ آپ کے سیاسی اور تعلیمی ترقی کے کارنامے اظہر من الشمس ہیں"۔

(۴) مولوی سعید احمد صاحب مارہروی" بانی و ہتمم شبیبہ ہائی اسکول آگرہ و انجمن احمدیہ و مصنف کتب متعددہ آثار اکبری و حیات امیر خسرو وغیرہ)

(۵) حاجی حافظ مفتی مولوی اعزاز علی صاحب امروہوی" مفتی اعلیٰ و نائب ناظم مدرسہ دیوبند"

(۶) مولوی حاجی حافظ عاشق الٰہی صاحب میرٹھی" مترجم کلام مجید" جو چھ ماہ دمشق کے قریب ایک گاؤں میں رہ کر حدیث کی ایک نایاب کتاب کی نقل کر کے ہندوستان لائے اور اس سے ہندوستان کو روشناس کرایا"۔ چنانچہ اس پر معاصرین نے خوب لکھا تھا کہ مولوی صاحب صرف عاشق الٰہی ہی نہیں ہیں بلکہ عاشق رسول بھی ہیں"۔

(۷) منشی حاجی انوار احمد صاحب مارہروی مرحوم پسر کلاں صاحب لسان المشاہیر" نے جو کام بحیثیت سب ایڈیٹر اخبار البشیر اٹاوہ اور بعد ازاں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس یعنی مسلمانان ہند کی تعلیمی کانفرنس سے متعلق مسلمانوں کی تعلیمی ترقی اور کالج و مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے قیام اور فروغ کیلئے کئے۔

اُن سے بھی ہر شخص واقف ہے۔" آپ کے اِنتقال فرما جانے پر "ایڈیٹران اخبار اور لیڈرانِ بزرگانِ قوم نے آپ کی خدمات قومی کی تحسین کی۔ اور آپ کی وفات کو قوم کا بہت بڑا نقصان بتایا تھا اور سالانہ اجلاس کانفرنس مذکورۂ بالا میں آپ کی خدمتوں کا اعتراف اور تعزیتی رزولیوشن پاس کیا گیا۔" مولوی محمد امین صاحب زبیری "مہتمم تاریخ ریاست بھوپال نے آپ کے حالات اور کارنامے "کتاب یادگار انوار" میں تحریر کئے ہیں اور مرثیہ بھی لکھا ہے" جس کے چند شعر یہ ہیں۔

گیا رنگون" برما" بمبئی" مدراس" کلکتہ" — تمامی صوبجات ہند میں ہر ایک ریاست میں
امیروں سے ملا۔ پہنچا غریبوں کے مکانوں پر — رئیسانِ جلیل القدر کے قصرِ امارت میں
گرانٹ اِن ایڈ کے۔ اَسنادِ شاہی لے کے وہ پلٹا — ملی جس سے مدد تعلیم ملّت کی اشاعت میں
وظیفوں کے لئے ہر سال وہ لایا ہزاروں ہی — غریبوں کے لئے کچھ بھی کسر رکھی نہ محنت میں
مخالف کو وہ باتوں میں ہمیشہ موہ لیتا تھا — جو سچ پوچھو۔ اثر جادو کا تھا اُس کی خطابت میں
بنا کر دوست پہلے۔ پھر مدد اُس سے وہ حاصل کی — کہ جس سے ہو گئے اپنے پرائے غرقِ حیرت میں
زمین شور تک کو۔ سبز حاصل کر کے دکھلایا — کہ برکت اِس طرح شامل ہوا کرتی ہے محنت میں
سلیقہ اس کا جلسوں میں تحیّر خیز رہتا تھا — کہ رکھا تھا خدا نے یہ بھی ایک جوہر طبیعت میں
گذاری عمر ساری۔ مجلسِ تعلیم میں اپنی — رہا جب تک کہ دم میں دم۔ رہا مصروفِ خدمت میں
یہ یونیورسٹی جو مطلعِ انوارِ علمی ہے — پسینہ اُس کی محنت کا ہے شامل اِس عمارت میں
اگرچہ مضمحل تھے اب قوٰی۔ تھا مقتضا سن کا — مگر کچھ بھی کمی آئی نہ تھی جوشِ طبیعت میں
اچانک دیکھتا کیا ہوں کہ ایک دن چھوڑ کر سب کو — بڑے آرام و راحت سے ہے محوِ خواب تربت میں

طفیلِ رحمۃ اللعالمین۔ شانِ شہی سے
خدا نے رُوح کو اُس کے لیا دامانِ رحمت میں

دوسرا مرثیہ جو مولوی محمد راضی صاحب مارہروی" سابق مختار عدالت اِٹاوہ نے لکھا ہے۔ وہ یہ ہے"

اے مسافر آہ۔ اے انوار احمد آہ آہ — تھی تعاقب میں علی گڈھ ہی سے مرگِ جان ستان
غازی آباد" آہ جب پہنچا ہوا ایسا علیل — کر گئی تیرے جسد سے رُوح پرواز جہان
جان کے ساتھ اب رہے گی یاد تیری جانِ جان — ہم ہیں اب اور عمر بھر تیرے لئے شور و فغان
یاد ہے ہم کو اِٹاوہ اور وہ برسوں کا ساتھ — یاد ہیں وہ سب، جو تیرے دم سے تھیں دلچسپیاں
یاد ہے تیری ظرافت اور عِلم مجلسی — یاد ہے رطب اللسان اور وہ شیریں بیان
یاد ہے جو تھا وہ بیعت دل میں تیرے دردِ قوم — یاد ہیں وہ مخلصانہ تیری سب ہمدردیاں
یہ کہانی تیری ایک دن کی نہیں جو ختم ہو — ایک مدت چاہئے کہنے کو تیری داستاں
مختصر یہ ہے تجھے جب خدمتِ کالج ملی — شہروں شہروں تو پھرا دل میں لئے دردِ نہاں
جاں فشانی کا تھا یا سکہ تھا جب قوم پہ — ہیں تیری وہ کوششیں ہر انجمن میں بر زباں
تو اُٹھا دنیا میں اپنا نام زندہ چھوڑ کر — نام جب زندہ رہا پھر موت کی تلخی کہاں
کر لیا حج بھی کیا کعبہ کا بھی تو نے طواف — روضۂ حضرت بھی دیکھا با ہزاراں شوقِ جاں
تیری دنیا میں بھی گذری عیش سے آرام سے — دین میں بھی تو ہوا مقبولِ ربّ المستعان
اب دعا ہے تو جوارِ رحمتِ حق میں رہے — بخش دے تجھ کو خدا، جنّت میں ہو تیرا مکان

LIBRARY ... MUSLIM UNIVERSITY

ہو مرض مہلک تو مسلم اُس سے ہوتا ہے شہید — ہے یہ ارشادِ حضورِ سرورِ پیغمبراں
چھپ گئے آنکھوں سے کیسے کیسے احباب و عزیز — رو رہیں کس کس کو، سوانح ہم کریں کیا کیا بیاں

سالِ رحلت کے لئے اے راقمِ مغموم و زار
ہجر کے دل سے عنسیم انوار احمدؒ ہے عیاں

تیسرا مرثیہ مولوی حاجی سیّد علی احسن[۲] صاحب احسن شاگرد[۳] حضرت[۱۳] داغؒ۔ دسینیر لیکچرار شعبۂ اُردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا ہے جس کے چند اشعار یہ ہیں۔

یہ کل کی بات ہے "انوار احمدؒ" ہم میں شامل تھے — مگر آج اُن سے ہے آباد۔ محفل اہلِ مرقد کی
یہ تھا معلوم کس کو، یوں قضا اُن کو جھپٹ لے گی — نہ اِس اُفتاد کا ڈر تھا نہ تھی اُمید اِس زد کی
ہنسا دیتے تھے روتوں کو، یہ حال تھا کمال اُن کو — پھر اس کے ساتھ ہی سنجیدگی بھی ان میں بیحد تھی
وہ کرتے تھے جو کام انجام اُس کا دیکھ لیتے تھے — کبھی عادت نہ ڈالی بے نتیجہ کاوش و کد کی
بڑا حصّہ گذارا عمر کا۔ خدماتِ قومی میں — کسی حالت میں بھی بھولے نہ وہ یادِ اپنے مقصد کی
لحاظ و پاس رکھا، خاطرِ احباب کا اکثر — نہ دل توڑا رفیقوں کا نہ فرمائش کوئی رد کی
شرف حاصل کیا با صدق دل حج و زیارت کا — لگی لَو اُن کو حبِّ خدا یا محمدؐ کی
الٰہی نعمتِ بخشش سے مالا مال فرما کر — عطا ہو خلد میں لذّت انہیں عیشِ خلد کی
گئی ہے رُوح اُن کی جسمِ خاکی سے جُدا ہو کر — ضیا پاشی رہے اُن پہ تیرے نورِ محمدؐ کی

کہی تاریخِ رحلت اُن کی احسنؔ نے یہ الہامی
فدا کہ ہے جنّتِ فردوس میں انوار احمدؒ کی

حاجی انوار احمد صاحب کی دو ضخیم کتابیں یادگار ہیں (۱) "خطباتِ عالیہ" (جس کی کئی جلدیں ہیں۔ اور جن میں کانفرنس مذکور کے سالانہ اجلاس کے ہر صدر کے حالات اور خطباتِ صدارت مع تصاویر کے جمع کئے ہیں) (۲) مرقع کانفرنس ہے۔ (جس میں شروع سے کانفرنس کی تمام کارروائیاں تحریر ہیں)

شیخ گدائیؒ زبیری کنبوہؒ کے اہلِ خاندان مقیم ہندوستان کی چند مصنفہ کتابیں

مصنف	کتابیں
حضرت مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہٗ تولد ۸۰۰ھ ہجری۔ وفات ۹۰۱ھ ہجری	(۱) "مفتاح الاسرار الحقائق" (۲) "حواشی بر لمعات شیخ فخر الدین عراقی" (۳) "المشاہیر" (۳) "تذکرہ حضرت مخدوم شمس العارفین صدر الدین محمد ترک بیابانی خلف شیخ الشیوخ مخدوم عالم شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہٗ۔ (مطبوعہ مطبع نظامی ترکمان دروازہ دہلی)"
شیخ عبد الغفور المشتہر بہ میاں لادن تولد ۸۵۶ھ ہجری وفات ۹۲۵ھ ہجری	(۱) حاشیہ بر کتاب حل وقایہ (شجرۂ سہروردیہ قلمی ۹۹ھ) (۲) "مؤید الفضلا" کے نام سے سلطان ابراہیم لودی کے زمانے میں فارسی لغت مدون کیا۔ (کتاب تاریخ و تنقید مطبوعہ برقی پریس آگرہ)
شیخ عبد الصمد پسر کلاں میاں ظفر خاں برادر میاں لادن المتوفی ۹۹۵ھ ہجری۔ بعمر ۸۰ سال	(۱) "کنز الرموز" (۲) "اکبر شاہی" (شجرۂ سہروردیہ ۵۲) تاریخ داؤد شاہی میں کئی جگہ کتاب اکبر شاہی کے حوالے ہیں۔
شیخ بدھ جمال الدین المشتہر بہ مفتی جمال خاں برادر میاں لادن نبیرہ حضرت مخدوم شیخ سماؤ الدین قدس سرہٗ المتوفی ۲۰ صفر ۹۸۶ھ ہجری	شجرۂ سہروردیہ کے ص ۱۶ پر تحریر ہے کہ "کتابے چند جامع معقول و منقول تصنیف فرمود۔ چنانچہ چگونگی فضیلت و بلاغت و معقولیت ازاں کتابے ہا ظاہر است و" چند کتابیں جامع معقول و منقول تصنیف فرمائیں۔ چنانچہ ہر طرح کی فضیلت اور بلاغت اور معقولیت ان کتابوں سے ظاہر ہے اور اہلِ فراست

(۶) سلسلۂ عالیہ" تصنیف حکیم عنایت حسین صاحب مارہروی بزمانۂ شاہ عالم" (۷) اخبار المارہرہ" تصنیف چودھری بہاء الدین در ۱۳۲۱ھ ہجری (۸) رسالۂ مبارک" تصنیف نواب مبارک علی خاں صاحب میرٹھی در ۱۲۶۵ ہجری مطابق ۱۸۴۹ء (۹) سلسلۂ نظامیہ" تصنیف نظام الدین حسین صاحب مارہروی بعد ختم ہنگامہ ۱۸۵۷ء (۱۰) شمس التواریخ" تصنیف خان صاحب حکیم نواب علی خاں صاحب امروہوی در ۱۸۹۶ء (۱۱) المشاہیر" تصنیف حکیم منشی فیض احمد صاحب مارہروی در ۱۹۱۰ء (۱۲) تلخیص التواریخ" تصنیف مولوی سبط نبی صاحب امروہوی"

علاوہ ان کتابوں کے اور بہت سی کتابیں بھی اس خاندان کے بزرگوں کی مختلف زبانوں کی لکھی ہوئی مشہور ہیں" مثلاً" بہار دانش" اور" اشرف الصحایف" مصنفہ شیخ عنایت اللہ میر منشی شہنشاہ شاہجہاں" اور" خیر التجارت" مصنفہ نواب خیر اللہ خاں اولیٰ فوجدار شہنشاہ عالمگیر" اور مولوی بزرگ علی صاحب کی مشہور و معروف کتابیں جو رد مذہب عیسوی میں ہیں" مگر جن کے متعلق علماء کا یہ خیال ہے کہ سوائے بہار دانش کے اب وہ مفقود ہو چکی ہیں" مگر سوائے خیر التجارت کے یہ سب کتابیں ہمارے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہیں" جن میں بہار دانش تو مطبوعہ ہے اور باقی غیر مطبوعہ ہیں" اب سنا گیا ہے کہ خیر التجارت لاہور کے کسی مطبع والے نے چھاپ دی ہے" ہم اس موقع پر اگر ان تمام کتابوں کو چھوڑ کر جن کے نام معلوم نہیں ہیں صرف اُن کتابوں کو لکھیں جن کے نام معلوم ہیں جو اس خاندان کے افراد نے شروع سے آج تک اس ملک میں لکھی ہیں تو اچھی ضخامت کی کتاب ہو جائے گی" مگر یہاں گنجائش نہیں ہے" اس لئے ہم صرف حافظ محمد نصر اللہ صاحب اور ان کی اولاد کی چند مستند کتابوں کو اور دکھانے پر اکتفا کرتے ہیں" جس سے ہمارے اس بیان کی تصدیق ہو جائے گی" اور ایک اندازہ مل جائے گا کہ جب چند افراد کی تصنیفات کی یہ تعداد ہے تو صدیوں سے کثیر افراد قوم کی لکھی ہوئی تصنیفیں کس قدر ہوں گی"

(۱) حافظ محمد نصر اللہ صاحب ابن شیخ ہدایت اللہ ابن محمد زمان ابن محمد سعید خاں شہید" اولاد شیخ اسحٰق قدس سرہٗ کے چچا شیخ محمد سعدی نے ایک کتاب" مبدا و معاد" لکھی تھی مگر یہ کتاب اب موجود نہیں ہے" اور خود حافظ محمد نصر اللہ صاحب نے تین سو کتابیں لکھ کر مارہرہ کی خانقاہ میں لوگوں کے استفادہ کے لئے رکھدی تھیں وہ کتب خانہ میں آگ لگنے سے تباہ ہو گیا" اب ہم اُن کتابوں کے ناموں سے بھی ناواقف ہیں" (المشاہیر)

(۱) حافظ صاحب موصوف کے پوتے حکیم عنایت حسین صاحب نے (الف) فن طب میں" طب نظری و عملی پر ایک کتاب" ریاض احمدی" نہایت جامع اور مبسوط لکھی ہے" امراض" اسباب و علامات" تدبیر و علاج" قرابادین" مفردات" افعال و خواص ادویہ" اوزان و اعمال و صناعات و لغات طبیہ غرض کوئی بات اٹھا نہیں رکھی" اس کے ہوتے ہوئے طبیب کو دوسری کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہتی" اس کتاب کی ضخامت دو ہزار اسی صفحہ ہے" ہر صفحہ میں اکیس سطریں اور ہر سطر طول میں پانچ انچ ہے"

(ب) دوسری کتاب فن تاریخ میں" کاشف الاخبار" لکھی ہے" اس میں ابتدائے آفرینش عالم و آدم سے بحث کی ہے" آثار انبیاء" اقوال اصفیا و حکماء" اذکار و اشغال اولیاء" اصول اقسام علوم و فنون و حالات طبقات سلاطین اسلامیہ مدون ہیں" نہایت خوش اسلوب طریقہ سے لکھی ہے" یہ کتاب کم و بیش چار سو اسی صفحات پر ہے" ہر صفحہ میں اکیس سطریں اور ہر سطر طول میں سات انچ ہے"

(ج) تیسری کتاب فن تاریخ میں" تاریخ احمدی" لکھی ہے" یہ کتاب خاندان برکاتیہ مارہرہ" کے بزرگوں کی نادر تاریخ ہے" جن کے انوار و برکات کا غلغلہ ملک سے ملکوت تک پہنچا ہوا ہے" اس کتاب میں خاندان مذکور کے بزرگوں کے حالات۔ ان کے مریدوں کے جذبات آغاز حال سے فرجام کار تک بڑا دلپذیر تحریر کئے گئے ہیں"

(د) چوتھی جلد" سلسلۂ عالیہ" لکھی۔ یہ بھی فن تاریخ میں ہے" اس کتاب میں اُن شیوخ قریشی زبیری کا مطبوعہ سلسلۂ نسب مذکور کیا گیا ہے جو بلقب کنبوہی یا کنبوہ مشہور ہو کر پانچ سو برس سے قصبہ مارہرہ میں سکونت پذیر ہیں" اور یہی وہ سلسلۂ عالیہ ہے جس کو مؤلف صاحب امروہوی نے" المشاہیر" میں دیکھا ہے اور ہمارے برادر بزرگ مرحوم و مغفور حاجی انوار احمد صاحب سے لیکر حرفاً حرفاً پڑھا ہے" مگر یہ التزام رکھا ہے کہ اپنی کتاب میں اس خاندان پر بحث کی ہے کہیں بھی سلسلۂ عالیہ کے نوشتوں کا حوالہ تو درکنار رہا۔ اس کا نام تک نہیں آنے دیا ہے"

(۲) حکیم امداد حسین صاحب فرزند حکیم عنایت حسین صاحب نے (الف) ایک میلاد شریف رسول کریم صلعم موسوم بہ" تلخیص الکلام" اور

(ب) ایک رسالہ منظوم "توضیح القرآن" جس میں آیات، رکوع، حروف، زیر و زبر و پیش وغیرہ اعراب قرآنی کی شمار بتائی گئی ہے۔

(ج) اور ایک رسالہ "رد و بدل و ظائف" جس میں اعمال و اشغال خاندانی جمع ہیں لکھا۔

(د) اور فن طب میں کتاب "ریاض احمدی" تالیف پدری، بوجہ مرگ ناگہانی اُن کے نا تمام رہ گئی تھی اس کو پورا کیا۔

(۳) حکیم دلدار احمد صاحب خلف دوم حکیم امداد حسین صاحب نے فن طب میں (الف) "گلزار احمدی" اور (ب) "گلشن احمدی" لکھیں۔ اور ضخیم کتاب (ج) "ریاض احمدی" کا خلاصہ اپنے چھوٹے بھائی کے لئے کیا۔

(۴) حکیم منشی فیض احمد صاحب پسر کلاں حکیم دلدار احمد صاحب نے (الف) "سلسلۂ عالیہ" میں تین پشتوں تک کے سلسلے چھوڑے گئے مزید چند بزرگوں کے حالات کا اس میں اضافہ کیا۔ اور (ب) "المشاہیر" لکھی جس میں زبیری کنبوی خاندان کے مشاہیر یعنی "مشائخ طریقت" "علمائے شریعت" امراء "شعراء" اور "حکماء" کے حالات تحریر ہیں۔

(۵) حاجی منشی انوار احمد صاحب خلف اکبر منشی فیض احمد صاحب "المشاہیر" نے (الف) "خطبات عالیہ" اور (ب) "مرقع کا نفرنس" ضخیم کتابیں لکھیں جن کا تذکرہ اُن کے حال میں آچکا ہے۔

(۶) مؤلف کتاب ہذا معین احمد پسر دوم صاحب المشاہیر کی لکھی ہوئی کتابیں:

(الف) "خاندان حضرت زبیرؓ" اس میں حضرت زبیرؓ کی دادھیال اور ننھیال کے تمام بزرگوں کے حالات نہایت تفصیل سے اور قریش کے تمام خاندانوں کے سلسلے اور شجرے اور افراد و صحابۂ کرام رضی کے حالات کے علاوہ لقب قریش کی وجہ تسمیہ لکھکر عدنان تک تمام مورثوں کے سلسلہ بہ سلسلہ مکمل حالات اور پھر حضرت اسمٰعیلؑ و حضرت ابراہیمؑ کے حالات ذرا تفصیل سے اور حضرت نوحؑ تک سلسلہ بتایا ہے۔ یہ کتاب قریباً سات سو صفحات پر فلسکیپ کے پھیلی ہوئی ہے۔ "تاریخ اسلام میں قریش کے جس قدر افراد و اصحاب رسول اللہ صلعم کے نام آتے ہیں" اس کتاب سے اُن کے حالات اور رشتے وغیرہ خوب طرح معلوم ہو جاتے ہیں۔ اور قریش کے اجداد کے حالات پر عبور حاصل ہو جاتا ہے۔

(ب) "حیات مبارک سیدنا حضرت زبیرؓ حواری رسول اللہ صلعم" جو قریباً پانچ سو صفحات پر فلسکیپ کے پھیلی ہوئی ہے۔ یہ کتاب آپ کی سیرت اور کارناموں نیز ۳۶ ہجری کے تمام اسلامی واقعات پر محیط ہے۔

(ج) "حیات مبارک سیدنا امیر المؤمنین حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ" یہ بھی قریباً پانچ سو صفحات پر فلسکیپ کے ہے۔ آپ کی سیرت اور کارناموں کے علاوہ ۷۳ ہجری تک کے تمام اسلامی واقعات پر اس سے تفصیلی واقفیت حاصل ہو جاتی ہے۔

(د) "حیات مبارک سیدنا حضرت مصعب بن زبیرؓ" اس سے آپ کی سیرت و کارنامے اور اسلامی واقعات مفصل طور سے معلوم ہوتے ہیں۔ یہ کتاب قریباً تین سو صفحات پر فلسکیپ کے تحریر ہے۔

(ہ) "حیات مبارک سیدنا حضرت عروہ بن الزبیرؓ" آپ نے سیاسی معاملات سے الگ رہکر تصنیفات اور ترویج و اشاعت حدیث نبوی صلعم میں اپنی زندگی بسر فرمائی۔ آپ کی سیرت و کارنامے اسلامی تاریخ میں خاص درجہ رکھتے ہیں۔ یہ کتاب قریباً دو سو صفحات پر فلسکیپ کاغذ کے لکھی ہے۔

(و) "اسنادی و زبیری سندھ میں" اس کتاب سے سال ہجرت رسول مقبول صلعم سے دو پشت پہلے سے چوتھی صدی ہجری تک کے مختلف زمانوں کے سندھ کے حدود، شہر و قصبے اور اُن کے فاصلے اور واقعات جو اس دوران میں وہاں گذرے اور سلطنتیں جو قائم ہوئیں اُن کے حالات کے علاوہ یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ جو شہر و قصبات پہلے تھے اور اب نہیں ہیں وہ کہاں کہاں تھے۔ نیز جن شہروں اور قصبوں کے نام بدل گئے ہیں تو وہ اب کن ناموں سے مشہور ہیں۔ یہ کتاب فلسکیپ کے چھ سو صفحات پر ہے۔

(ز) "شجرے" زبیری کنبوی خاندان کا ایسا سلسلہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فلاں بزرگ کی فلاں کی صاحبزادی سے شادی ہوئی اور اس سے اتنی اولاد اناث ہوئی؛ وہ فلاں ناموں کی اولاد ذکور اتنی ہوئی۔ اور اس ساری اولاد کی شادیاں کہاں کہاں ہوئیں اور اُن سے کس قدر اولادیں ہوئیں اور اُن کی کیا پوزیشن یا حیثیت تھی۔ غرضکہ قریباً چھ سو برس سے ہمارے زمانہ تک کا حال اسی طرح تحریر ہے۔

(ع) (زبیری ہند میں) اِس کتاب میں اُن اولیاء، علماء، وزراء، اُمراء، کے حالات جمع کئے گئے ہیں، جو سلطان شہاب الدین غوری انار اللہ برہانہ کے زمانے سے، ترکوں، خلجیوں، تغلقوں اور سیدوں کے زمانوں میں تھے۔ یہ کتاب بھی اچھی ضخیم ہے۔

(ف) (زبیری ہند میں، جلد دوم و سوم و چہارم) اِن جلدوں میں، لودھیوں، سوریوں، اور مغلوں نیز انگریزوں تک کے زمانوں کے۔ اولیاء، علماء، وزراء، اُمراء، شعرا اور حکماء وغیرہ وغیرہ کے حالات تحریر ہیں اور یہ کتابیں بھی اچھی ضخیم ہیں۔

(ق) (حالات حضرت مخدوم شیخ سماءُ الدین قدس سرہٗ و حضرت مخدوم شیخ اسحٰق قدس سرہٗ) اِس کتاب میں دونوں مخدوموں کے اور اُن کی اولاد کے حالات تحریر ہیں۔ قریباً دو سو صفحات فلسکیپ کے ہیں۔

(گ) (حالات حضرت مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ) اِس کتاب میں آپ کے حالات و تصنیفات کے علاوہ آپ کی اولاد کے حالات بھی ہیں۔ قریباً دو سو صفحات فلسکیپ کے ہیں۔

(ل) (اودھ کے بادشاہ گر زبیری کنبوی بزرگ) اِس کتاب میں نواب سبحان علی خاں اور تاج الدین حسین خاں اور اُن کے والد و دادا نیز پردادا اور اولاد کے حالات تحریر ہیں۔ خاصی ضخامت ہے۔

(م) (نواب شہباز خاں شہر اللہ المخاطب بہ موتمن الدولہ نواب نظام الدین شہباز خاں گورنر و سپہ سالار و اتالیق شہزادگان وغیرہ کے سوانح حیات و کارنامے درج ہیں۔ ضخیم کتاب ہے۔

(ن) (خاندان زبیری کنبوی اور اقوام کمبوج و کمبو جلد اوّل) اِس کتاب میں مسٹر محمود احمد امروہوی کی کتاب تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کی زبیری کنبوی خاندان کے نسب سے متعلق تحقیقات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اور اُن کی غلط بیانیوں کا پول تاریخی شواہد سے اچھی طرح کھولا ہے۔ یہ جلد آپ کے سامنے ہے۔

(و) (خاندان زبیری کنبوی اور اقوام کمبوج و کمبو جلد دوم) اِس کتاب میں چودھری وہاب الدین امرتسری کی کتاب تاریخ کمبوہاں کی نسبی تحقیقات کا تجزیہ کیا گیا ہے اور اُن کی غلط بیانیوں کا پول تاریخی شواہد سے اچھی طرح کھولا ہے۔ یہ کتاب بھی جلد اوّل کی ضخامت ہی کی ہے۔

(۷) عزیزی میاں امداد احمد خاں زبیری پسر خورد و چہارم صاحب المشاہیر کی کتاب کا نام ہے۔ اصول صدقات و خیرات اسلام؛ جب یہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ایف۔ اے۔ کلاس میں پڑھتے تھے تو انجمن اسلامیہ سکندر آباد دکن نے تمام ہندوستان کو مضمون لکھنے کی دعوت دی تھی اور اعلان کیا تھا کہ جس کا مضمون اوّل آئے گا اُسے تین تولے سونے کا تمغہ دیا جائے گا اور اُس مضمون کو انجمن اپنے خرچ سے کتابی شکل میں چھاپ کر مضمون نویس صاحب کو اُس کی ایک جلد بھی روانہ کرے گی۔ علماء، فضلاء اور چند وزراء کی کمیٹی کو حَکَم قرار دیا تھا۔ چنانچہ اطراف ملک سے آئے ہوئے تمام مضامین کو جب کمیٹی نے جانچا تو عزیزی امداد احمد سلمہٗ کا مضمون اوّل قرار دیا گیا اور انجمن نے حسب وعدہ تمغہ اور کتاب چھپوا کر اُن کے پاس بھیجدی۔

(۸) عزیزی حسن احمد زبیری سلمہٗ پسر سوم صاحب المشاہیر، اعلیٰ پایہ کے مضمون نگار اور بہترین مترجم ہیں۔ انہوں نے ضخیم کتاب دی اینگلو افغانی اسٹرگل یعنی انگریزی افغانی جھڑپ ۱۸۸۱ء مصنفہ میجر جنرل ایل این سوبالیف ممبر روسی جنرل اسٹاف۔ جس کو میجر ڈبلو ای گوون جنرل لسٹ بنگال انفنٹری نے روسی زبان سے انگریزی میں ترجمہ کیا جسے گورنمنٹ پریس کلکتہ نے ۱۸۸۱ء میں طبع کرایا تھا اِس کتاب کا اردو میں سلیس ترجمہ کیا ہے۔

(۹) صاحب المشاہیر کے برادر خورد حکیم ابو سعید احمد صاحب عارف چشتی و قادری نے بھی ایک کتاب (مصباح الحق) تصوف میں لکھی ہے جو طبع ہو گئی ہے۔

(۱۰) حکیم ابو سعید احمد صاحب کے فرزند دوم شمس الدین محمود المعروف بہ حکیم محمود میاں نے بھی تصوّف میں ایک کتاب (کشف الحقیقت) لکھی ہے جو چھاپہ ہو گئی ہے۔

(۱۱) صاحب المشاہیر کے پھوپھی زاد بھائی حکیم منشی انوار حسین صاحب کے والد بزرگوار مغفور صادق حسین صاحب المعروف بہ محمد صادق صاحب نے ایک کتاب (مخصوص امراض مردان) فن طب میں

(۱۲) صاحب المشاہیر کے چچازاد بھائی حکیم ابو صالح صاحب مرحوم کے فرزند حکیم محمد اصلح صاحب مرحوم عزیزی محمد زبیر سلمہٗ اسسٹنٹ لائبریرین لٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی کے والد نے ایک رسالہ چیچک لکھا تھا۔ جب وہ چھاپہ ہو کر ملک کے سامنے آیا تو اُس کی بڑی قدر ہوئی۔ اور ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ ملک کی ضرورت اور اپنی منفعت جانکر لاہور کے ایک پریس نے اُسے چند سال ہوئے پھر چھاپ دیا ہے۔

زبیری کنبوی خاندان کے ایک گھرانے کی صرف چار پانچ پشتوں کے افراد کی تالیفات و تصنیفات کو جو ہم نے یہاں دکھایا ہے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جبکہ یہ خاندان ہمیشہ سے علم و فضل کا معدن رہتا چلا آیا ہے اُس کے افراد نے شروع سے آج تک کس قدر کتابیں لکھی ہوں گی۔

مؤلف امروہوی کی طرح اِس خاندان کے نسب کی تحقیق کے لئے خاندانی روایتوں اور طبع زاد یامن گھڑت کہانیوں پر انحصار نہیں ہے" جب تک ابوالفضل و فیضی دینِ الٰہی اکبر شاہی کے وحی پہنچانے والے ان فرشتوں نے اِس خاندان کے سکنی لقب کنبوہی کو کنبو ظاہر کرکے اور قوم کمبوکے کمبو نام میں التباس ڈالنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کے بزرگوں کو کبھی اِس طرف خیال بھی نہیں آیا تھا کہ اپنے نسب کو اپنی کتابوں میں فخر و مباحات کے لئے ظاہر کردیں "جاننے والے جانتے تھے اور یہ کافی تھا" مگر جب سے ابوالفضل و فیضی نے یہ شاخسانہ کھڑا کیا تو کسی کسی کتاب میں اِس خاندان کے بزرگوں نے اپنے نسب کا بھی اظہار کردیا ہے"

شیخ گدائی کے اہلِ خاندان کے آثار

(۱) حضرت مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہٗ کی نہایت وسیع اور سنگ و گچ سے بنی ہوئی خانقاہ موسوم بہ "سوہن برس" اس سڑک پر جو مہرولی کے بازار میں سے ہوتی ہوئی جنوب کی طرف چلی گئی ہے۔ مہرولی سے چند فرلانگ کے فاصلہ پر سڑک کے قریب بائیں طرف موجود ہے"

(۲) اسی سڑک کے داہنی طرف "سوہن برس" کے مقابل جہاں "حوض شمسی" ختم ہوا ہے" حضرت مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہٗ کے خاندان و اولاد کا وسیع قبرستان ہے جس میں ایک سنگ بستہ مسجد اور حضرت مخدوم صاحب کا مقبرہ ہے" اس قبرستان کے قریب اور بھی مقبرے اسی خاندان کے بزرگوں کے ہیں"

(۳) پرانی دہلی یا مہرولی میں قریب لاڈو سرائے "حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی قدس سرہٗ العزیز کے روضہ کے متصل جہاں پہلے دہلی کی گھمسان آبادی تھی اور آج میدان ہے لیکن عجیب دلچسپ جگہ ہے" حضرت مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ کا مقبرہ ہے" یہ مقبرہ دہلی کی قدیم و نفیس عمارتوں میں شمار اور ہنوز اپنے زمانے کی عمدہ بیش بہا یادگار ہے" پتھر اور چونے کی عمارت ہے۔ اس پر کاشانی چینی اور مینت کاری کا بہت خوبصورت اور خوشنما کام کیا گیا ہے" بیل بوٹے ایسے نظر فریب و دل نشین بنائے ہیں کہ نگاہ اُس سے جدا ہونا نہیں چاہتی" سینکڑوں برس گذر گئے مگر یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ ابھی کاریگر اٹھکر گئے ہیں" اِس مقبرے میں حضرت مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ کے فرزند کلاں "شیخ گدائی بھی مدفون ہیں" اِس مقبرے کے اطراف وسیع احاطہ ہے جس کا فرش بھی چونہ اور پتھر کا مضبوط اور اچھی حالت میں ہے" اس احاطہ میں حضرت مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ کے خاندان اور اہل و عیال کی قبریں ہیں"

(۴) حضرت مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ کے مقبرے کے متذکرہ بیرونی احاطہ کے باہر مگر اُس سے ملی ہوئی ایک عالی شان سنگین مسجد ہے" جس کی محرابوں پر اُبھرے ہوئے حرفوں میں آیاتِ قرآنی کندہ ہیں۔ یہ مسجد حضرت مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ کے فرزند رشید "شیخ گدائی کی بنائی ہوئی ہے"

(۵) قصبہ سوہنہ نزد دہلی میں زبیری کنبوہی خاندان کا بنوایا ہوا ایک قلعہ اور وسیع و عریض سنگین باؤلی ہے۔ مگر اب یہ دونوں شکستہ حالت میں ہیں" عرصہ سے اِس خاندان کو سوہنہ سے تعلق باقی نہیں رہا ہے"

(۶) سنبھل میں "میاں چمن" کا آباد کردہ ایک محلہ موسوم بہ "چمن سرائے" موجود ہے"

(۷) سنبھل میں "نواب اعتمادالملک وزیراعظم شیرشاہ بادشاہ سوری کا عالی شان مقبرہ اینٹ اور چونے سے بنا ہوا ہے"

(۸) محلہ ڈوونگر سرائے باغیچی میں مقبرہ "شاہ شہباز رحمتہ اللہ علیہ کا ہے"

(۹) قاضی عجائب سنبھلی اور دیوان عبدالمومن خاں سنبھلی دیوانِ شہنشاہ شاہجہاں کے قلعہ سنبھل اور بیرون میں آثار ہیں مگر اب شکستہ اور برباد حالت میں ہیں"

(۱۰) قصبہ [illegible] ضلع بلند شہر میں نزد [illegible] ایک مسجد نواب [illegible] خاں میر بخشی از امرائے شہنشاہ جہانگیر کی بنوائی ہوئی اچھی حالت میں ہے" اور اس خاندان کے محلات شکستہ حالت میں موجود ہیں۔ اب وہاں سے کبھی اس خاندان کا کوئی تعلق باقی نہیں رہا ہے"

(۱۱) [illegible] میں شیخ رکن الدین عرف شیخ یوسف ابن شیخ یحییٰ عبدالسلام المعروف بہ شیخ [illegible] پسر کلاں حضرت مخدوم شیخ [illegible] قدس سرہٗ

برادر حقیقی حضرت مخدوم شیخ عماد الدین قدس سرہ گورنر ہو گئے تھے وہاں کی حکومت انکی تین پشتوں تک متوارث رہی اور محمد سعید خاں شہید ابن محمود خاں بن شیخ جنید المعروف بہ عمر خاں کے معہ اپنے پسر کلاں محمد علی شہید کے شہنشاہ شاہجہاں کی ہمراہی میں لکھی جنگل سرکار دیپالپور متعلق صوبہ ملتان میں درجۂ شہادت پر فائز ہو جانے اور پسر خورد محمد خاں کے خورد سال ہونے کی وجہ سے یہ حکومت اس گھرانے سے جاتی رہی بسلسلۂ عالیہ میں لکھا ہے کہ اب تک اُن کے آثار ریاست وہاں موجود ہیں۔" مگر ایک بہت آباد محلہ کنٹرہ محمد سعید خاں علیگڑھ میں اُن کا بنایا ہوا اب بھی موجود ہے۔"

(۱۲) قصبہ مارہرہ ضلع ایٹہ کمشنری آگرہ میں "عمر خاں شہید پسر دوم خواجہ حسن ملتانی نے" شہنشاہ اکبر کی عطا کردہ زمین پر ایک جداگانہ محلہ آباد کیا جو محلہ کمبوہان کے نام سے موسوم ہے۔" اسی محلہ کے قریب بازار بنایا اور سرائے بنائی اور محلہ میں مسجد تعمیر کرائی۔ یہ سب آثار اب تک اچھی حالت میں ہیں۔"

(۱۳) قصبہ مارہرہ میں "محمد افضل پسر محمد شریف خاں اور نواسہ محمد سعید خاں شہید کوئی (علی گڑھ) نے وسیع جامع مسجد تعمیر کرائی۔ جو اُن کے آثار خیر و صلاح کی نشانی ہے۔" ۱۱۴۵ ہجری اس کی بنا کی تاریخ ہے۔"

(۱۴) آگرہ میں "شیخ مجاہد خاں شہید از اُمرائے اکبری کا مقبرہ ہے جس پر بڑا پُر درد کتبہ نظم میں کندہ ہے اور یہ سنگ سرخ کا عالی شان مقبرہ ہے آپ کوتلمیر کی لڑائی میں نوجوان شہید ہوئے تھے۔ آپ کے والد مصاحب خاں تھے اور دادا محب علی خاں امرائے اکبری میں سے تھے۔ (المشاہیر ص ۱۰۴ و ۱۰۵ و طبقات اکبری)

(۱۵) شہر میرٹھ میں نواب ابو محمد خاں از اُمرائے شہنشاہ جہانگیر و شاہجہاں کے چچا شیخ عماد الدین صاحب کا بنوایا ہوا کوٹلا تھا اب اس کا عالیشان دروازہ اپنے

(۱۶) نواب ابو محمد خاں کالی ندی سے ایک چشمہ کاٹ کر لائے جو اب ابو محمد کا نالہ کہلاتا ہے۔

(۱۷) میرٹھ کی عیدگاہ پختہ بھی آپ کے نشانات خیر کی آج تک خبر دے رہی ہے۔"

(۱۸) ایک قلعہ تعمیر کردہ ان کا میرٹھ میں تھا۔ اس کی دیواریں اور برج سب مسمار ہو گئے ہیں لیکن اس کی جگہ ایک بڑا محلہ ہے کوٹلہ ابو محمد خاں کے نام سے مشہور ہے۔" اس میں بہت آباد بازار اور عالی شان سرائے بھی ہے۔"

(۱۹) ایک نہایت ہی عالی شان مقبرہ سنگ سرخ سے بنایا ہوا ان کا یادگار ہے۔" مقبرہ کی محراب شمالی پر متعدد اشعار تو دیکھ کندہ ہیں۔ یہ مقبرہ آپ نے اپنے والد بزرگوار شیخ عماد الدین کا بنوایا تھا۔ بعد میں خود بھی اسی میں مدفون ہوئے۔" مقبرہ کے اندر چند قبروں کے تعویذ و چھوٹے سنگ مرمر کے ہیں۔ اُن پر خط نسخ میں کلمۂ توحید اُبھرے ہوئے حرفوں میں کندہ ہے۔ مقبرہ ابو محمد خاں کے نام سے مشہور ہے۔ تاریخ بنا ۱۰۳۹ ہجری ہے۔" مقبرہ متعلق صدہا بیگہ زمین تھی جس کا زیادہ حصہ اب آباد ہو گیا ہے۔ اور پورہ ابو محمد خاں کہلاتا ہے۔" باقی ماندہ میں کاشت ہوتی ہے۔" یہ کل زمین اسی خاندان کے مالکانہ قبضہ میں تھی۔ اب کچھ حصہ اس کا عدم توجہی کی وجہ سے نکل گیا ہے۔ نواب اسد اللہ خاں نبیرۂ نواب مبارک علی خاں صاحب مصنف کتاب رسالہ مبارکہ "وکمالات عزیزی" و "تحفۃ المسلمین" نے محکمۂ آثار قدیمہ کے انتظام میں اس مقبرہ کو دیدیا تھا۔" مگر نواب صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد کچھ حصہ داروں نے اپنے موہوم فائدہ کے مد نظر اسے آثار قدیمہ کے محکمہ سے واگذاشت کرا لیا جو اچھا نہیں ہوا۔

(۲۰) ضلع میرٹھ میں متصل قصبہ مرادنگر موضع ابو محمد پور بھی "نواب ابو محمد خاں کا آباد کیا ہوا ہے۔"

(۲۱) شہر میرٹھ میں بہت سی چھوٹی چھوٹی صندوقی مسجدیں نواب بہادر خاں از اُمرائے شہنشاہ جہانگیر و شاہجہاں فوجدار اجمیر و فاتح بند سنگی کی بنوائی ہوئی ہیں۔"

(۲۲) شہر میرٹھ میں "شیخ لالہ جیو ابن شیخ رکن الدین ابن شیخ یحییٰ عبد السلام الملقب بہ شیخ اچھن رح ابن حضرت مخدوم شیخ اسحٰق قدس سرہٗ العزیز کا ایک بازار بنایا ہوا ہے جو بہت آباد ہے اور لالہ کا بازار کہلاتا ہے۔"

(۲۳) شیخ لالہ نے اپنے بنا کردہ لالہ کے بازار کے سرے پر ایک مسجد بھی تعمیر کرائی تھی وہ بھی اچھی حالت میں ہے۔"

(۲۴) شہر میرٹھ میں محمد خاں المخاطب نواب خیر اندیش . . . لی از اُمرائے شہنشاہ عالمگیر و فوجدار سے قلعہ ..."

(۲۵) معہ مسجد عمدہ" اور نہایت وسیع و شاندار" اور

(۲۶) بازار تعمیر کرایا" قلعہ کی فصیل ٹوٹ گئی ہے" مگر قلعہ کا عالی شان دروازہ اپنے نیک نہاد بانی کی عظمت و شان کی نشانی ہے اور بازار و مسجد خوب آباد ہے۔ اور اب یہ محلّہ خیر نگر کہلاتا ہے"

(۲۷) اس میں ایک وسیع اور عالی شان دو منزلہ پختہ سرائے بھی ہے" مرکز الخیر قلعہ کی اور خیر المساجد المعابد مسجد کی تعمیر کی تاریخ ہے"

(۲۸) قلعہ خیر نگر شہر میرٹھ میں محمد مسیح المخاطب بہ نواب خیر اندیش خاں ثانی (نبیرہ نواب خیر اندیش خاں اوّل) نے شیش محل معہ صحن باغ و پائیں باغ و حوض و فوارہ تیار کیا تھا۔ کئی حصّہ دار ہو جانے کی وجہ سے "نواب احمد اللہ خاں (مؤلف کتب حکایات اُمراء وغیرہ) ابن نواب مبارک علی خاں (مؤلف رسالہ مبارک وغیرہ) از نسل نواب خیر اندیش خاں ثانی نے شیش محل کو چھوڑ کر قریب ہی ایک کوٹھی موسوم بہ جنّت نشان بنوا کر سکونت اختیار کر لی۔ پھر رفتہ رفتہ اور حصّہ داروں کے بھی حصّے انہوں نے خرید لئے۔ اور شیش محل کے صحن کے کمروں میں رعایا آباد کر دی" نواب صاحب اور اہل خاندان میں سے کسی نے پھر اُس میں سکونت نہ رکھی اور عدم توجہی کی وجہ سے یہ عالی شان محل اب بہت خراب حالت میں ہے"

(۲۹) نواب احمد اللہ خاں کی کوٹھی کے وسیع احاطہ میں ایک بہت اُونچی کرسی کے چبوترے پر بسمت مغرب نواب خیر اندیش اوّل کا مقبرہ ہے۔ جو اچھی حالت میں ہے مگر تھوڑی مرمت کی ضرورت ہے"

(۳۰) اسی کوٹھی کے احاطہ میں بسمت مشرق دوسری طرف "محمد محیّ (بھانجے نواب اعتماد الملک سنبھلی وزیر اعظم شیر شاہ سُوری) کا عالی شان مقبرہ اینٹوں اور گچ سے بنا ہوا مضبوط ہے مگر اب اُس میں کچھ مرمت کی ضرورت ہو گئی ہے" اس مقبرہ پر کلس نہیں ہے اس لئے مُنڈا مقبرہ کہلاتا ہے" کلس نہ لگانے کی یہ وجہ ہوئی کہ "محمد محیّ مرحوم کی برات سنبھل سے میرٹھ ہاتھیوں پر آ رہی تھی۔ میرٹھ کے قریب پہنچ کر محمد محیّ صاحب کا درد قولنج سے آناً فاناً میں انتقال ہو گیا" کیونکہ اُن کی شادی نہیں ہو پائی تھی اس لئے مقبرہ کو مُنڈا رکھا گیا" زبیری کنبوہ قبیلہ پر اتحاد قومی کی وجہ سے اس حادثہ کا ایسا اثر ہوا کہ پھر کوئی دولھا ہاتھی پر نہیں سوار کیا گیا۔ یہ مقبرہ اندر سے اتنا وسیع ہے کہ قوم کے ایک صاحب نے قبر کے تین طرف قدِ آدم سے اُونچی دیواریں بنا کر باقی ماندہ جگہ میں تین کمرے نکال لئے ہیں۔ اور دروازے کے سامنے وراندہ بنوا کر تنہا سکونت اُس میں اختیار کر لی ہے" مٹی کا اُونچا چبوترہ جس پر مقبرہ ہے وہ وراندے اور اطراف کا صحن ہے" اسی چبوترے پر انہوں نے ایک اچھا فراخ چبوترہ بھی نماز کے لئے بنا لیا ہے"

(۳۱) اسی احاطہ کے ختم پر سمت شمال کو ایک نواب خیر اندیش خاں کا جیسا گنبد دار مقبرہ اور ہے جو نواب صاحب موصوف کے بھتیجے اور داماد شمس الدین محمد خاں عرف بینڈھو کا ہے" یہ مقبرہ بھی اچھی حالت میں ہے" مگر عیسائیوں کے گرجا کے احاطہ میں ہے جنہیں کسی وقت اس خاندان والوں نے زمین دی تھی" کچھ توجہ نہ کرنے کی وجہ سے یہ مقبرہ عیسائیوں کے قبضہ میں رہ گیا" گرجا والوں نے اپنی وسیع زمین کے بڑے حصّہ کو پنجاب کے ایک ہندو سیٹھ کے پاس فروخت کر دیا ہے۔ جس نے اپنے نام پر اُس میں ایک محلّہ نتھا پر نگر آباد کر دیا ہے" اُسی کی طرف یہ مقبرہ بھی چلا گیا ہے"

(۳۲) شہر میرٹھ کے سب سے زیادہ آباد بازار میں "منصب علی خاں صاحب از اولاد نواب ابو محمد خاں کا بنوایا ہوا ایک عظیم الشان امام باڑہ ہے۔ بازار کی طرف اس کی متعلقہ وسیع دوکانیں ہیں۔ اور بہت اچھی حالت میں ہیں"

(۳۳) اس امام باڑہ کے بالمقابل سڑک کے دوسری سمت ایک وسیع مسجد بھی منصب علی خاں صاحب کی بنوائی ہوئی ہے۔ جس کے نیچے متعدد دوکانیں ہیں"

(۳۴) منصب علی صاحب کی تیس چالیس ہزار سالانہ وقف شدہ سکنی اور دیہاتی جائداد سے اسٹیشن روڈ پہ ایک شیعہ کالج اور بورڈنگ بنایا گیا ہے"

(۳۵) اس کالج کے احاطہ میں ایک پرانا اور بڑا گنبد دار مقبرہ اسی خاندان کے کسی بزرگ کا بنا ہوا موجود ہے۔

(۳۶) اور کالج کے احاطہ کے کنارے پر لب سڑک ایک مسجد بھی منصب علی خاں صاحب کی بنوائی ہوئی ہے" سوائے مقبرے کے کہ اب اُس کی کچھ مرمت کی ضرورت ہے" کالج "بورڈنگ" امام باڑہ "اور مسجدوں کا انتظام اچھا ہے" منصب علی صاحب سے اُن کا سفرنامہ حجاز جو چھپا یا ہو چکا

ہے یادگار ہے۔ یہ بزرگ غدر ۱۸۵۷ء کے زمانے میں لکھنؤ کے قریبی علاقہ میں پولیس افسر تھے اور شہید ہوگئے تھے"

(۳۷) خیر نگر بازار شہر میرٹھ کے ایک سرے پر لب سڑک ایک چھوٹی مسجد اور ہے" صادق حسین صاحب عرف چاند میاں اس کے متولی ہیں۔

(۳۸) شاہ ولایت صاحب میرٹھ کے احاطہ میں نواب خیر اندیش اوّلی کے والد بزرگوار نواب محبّت خاں کا مقبرہ ہے" جس میں اور بھی کئی قبریں پرانی اور حال کی ہیں ان میں مولوی محمد احمد صاحب پوسٹ ماسٹر جنرل مملکت نظام دکن وظیفہ یاب اور اتالیق شہزادہ بسالت جاہ بہادر برادر خورد اعلیٰ حضرت نظام دکن کے والد بزرگوار اور والدہ ماجدہ اور منجھلی پھوپھی (والدہ ماجدہ اسلام مصطفےٰ خاں ممبر میونسپل بورڈ) و نبیرہ نواب احمد اللہ خاں کی بھی قبریں ہیں" اس مقبرہ میں تھوڑی مرمّت کی ضرورت ہوگئی ہے"

(۳۹) نواب محبت خاں کے مقبرہ کے مشرق سمت ایک سنگِ سرخ کا پرانا مقبرہ بھی اسی زبیری کنبوہی خاندان کے کسی بزرگ کا ہے" اس میں مؤلف کتاب ہذا کی والدہ ماجدہ حبیب فاطمہ (بنت مولوی امداد حسین صاحب مارہروی) بھی مدفون ہیں۔ اور اس مقبرے کے سامنے چبوترہ پر مؤلف کتاب ہذا کی نانی صاحبہ محترمہ خورشید فاطمہ (نواب مبارک علیخاں کی نواسی اور نواب احمد اللہ خاں کی بھانجی) کی قبر ہے۔ یہ مقبرہ بہت کمزور ہوگیا تھا مؤلف کتاب نے

(۴۰) نواب محبّت خاں کے مقبرے کے مغرب رویہ بھی سنگِ سرخ کا مقبرہ اسی خاندان کے ایک بزرگ کا ہے"

(۴۱) میرٹھ میں اس خاندان کی بنوائی ہوئی اور بھی متعدد چھوٹی چھوٹی مسجدیں ہیں نیز آباد کردہ پورے ہیں" جنہیں طوالت کے خیال سے چھوڑتے ہیں"

(۴۲) شیخ حبیب الدین (نواب ابو محمد خاں کے چچا) کا مقبرہ سنگِ سرخ کا بنا ہوا" احاطہ مقبرہ شیخ عماد الدین مشہور بہ مقبرہ ابو محمد خاں کے احاطہ میں ہے" محراب بالین پر لفظ "روضہ حبیب" ۱۰۳۳ھ جس سے تاریخ وفات نکلتی ہے اور لوحِ تربت پر کلمۂ طیبہ بہترین کندہ ہے"

(۴۳) بانس بریلی میں محمد مسیح المخاطب نواب خیر اندیش خاں ثانی کا بنوایا ہوا ایک قلعہ تھا اب اس کا نام نو محلہ مشہور ہے" نواب رحمت خاں جب بریلی پر مسلّط ہوئے تو انہوں نے وہ قلعہ اپنے پیر میر معصوم کو دیدیا تھا"

(۴۴) بریلی کی عیدگاہ" اور

(۴۵) قلعہ قدیم میں مبارک محل بھی نواب صاحب موصوف کے بنوائے ہوئے ہیں"

(۴۶) اٹاوہ میں ایک کٹرہ یا محلّہ نواب خیر اندیش خاں اوّلی کی کنیز سیو اکلی کے نام سے مشہور ہے" آپ نے وہاں ایک دارالشفا بھی بنوایا تھا اور اس میں نامی طبیب مقرر کر کے مفت دوا اور کھانا دینے کا غریب مریضوں کے لئے انتظام کر دیا تھا" اور موضع خیر نگر آپ کا آباد کردہ ضلع اٹاوہ میں موجود ہے"

(۴۷) مکن پور میں حضرت شاہ بدیع الدین زندہ شاہ مدار کا مقبرہ اور دیگر مکانات بھی نواب صاحب کی معمارِ ہمت کے تعمیر کردہ ہیں"

(۴۸) جھنجھانہ ضلع مظفر نگر میں" بازار و چوپارہ و مساجد و مسافر خانہ و تالاب پختہ اور باغ و بساطیں وغیرہ نواب ابو محمد خاں میر بخشی کے بنوائے ہوئے ہیں"

(۴۹) قصبہ بڈھانہ ضلع مظفر نگر میں" مساجد و مہمان سرائے و چاہ و باولی بھی نواب ابو محمد خاں کی بنوائی ہوئی ہیں"

(۵۰) پانی پت ضلع کرنال میں عبد الرحیم صاحب نے مسجد بنوائی جو اچھی حالت میں موجود ہے"

(۵۱) لاہور میں شیخ عنایت اللہ میر منشی شاہجہاں اور مصنّف بہار دانش وغیرہ کے چھوٹے بھائی شیخ محمد صالح" مشہور مصنّف بادشاہ نامہ شاہجہاں المعروف بہ "عمل صالح" کا مقبرہ اور آپ کی بنوائی ہوئی مسجد ہے"

ان کے علاوہ اور بہت گاؤں" محلّے اور پورے" آباد کئے ہوئے اور مسجدیں و عمارتیں و سرائیں اور ریاسات وغیرہ وغیرہ اس خاندان والوں کے بنوائے ہوئے مختلف مقامات پر موجود ہیں مگر اختصار کے مدّنظر صرف انہیں کو دکھانا کافی خیال کر کے باقی کو چھوڑتے ہیں"

شیخ گدائی کے اہلِ خاندان کے چند اوقاف

(۱) شہر میرٹھ کے نہایت آباد و مشہور بازار خیر نگر کی چھ دکانیں اور ایک بالاخانہ "معظمہ شمشاد النساء صاحب بنت نواب مبارک علیخاں، زوجہ نواب برکت اللہ صاحب نے اپنی حیات میں وقف فرمائیں۔ جن کی آمدنی کارِ خیر یعنی امداد غرباء و طلباء وغیرہ میں صرف کی جاتی ہے" آج کل اس کے متولی عزیزی محمد احمد صاحب ابن رشید احمد خاں صاحب ابن حاجی انعام اللہ خاں صاحب (جن کی خوش خوئی و خندہ روئی و خلق و مدارات اور امور خیر و صلاح میں امداد دینا اور ہر شخص کے رنج و راحت میں شریک و معین ہو جانا زبان زد خواص و عوام ہے) اس کے متولی ہیں" وقف کا انتظام حسب منشاء وقف کنندہ صاحبہ کے ٹھیک طور سے ہوتا ہے"

(۲) شہر میرٹھ کی خیر المساجد جو بنوائی ہوئی نواب خیر اندیش آدلی کی ہے اس کے متعلق بھی قریب کی چند دکانیں اخراجات مسجد کے لئے وقف ہیں جن کی آمدنی منشاء واقف کے مطابق خرچ ہوتی ہے" وقف اور مسجد کا انتظام نواب صاحب موصوف کی اولاد کے پاس ہے"

(۳) لالا کے بازار کے سرے پر جو اونچی مسجد شیخ لالہ کی بنوائی ہوئی ہے اس کے نیچے کی دو دکانیں مسجد کے اخراجات کے لئے وقف ہیں" آمدنی واقف کے منشاء کے مطابق خرچ ہوتی ہے۔ انتظام اچھا ہے۔ اس کے متولی عزیزی مصطفیٰ احمد صاحب ابن محمد علی صاحب مرحوم ہیں"

(۴) شہر میرٹھ کے گدڑی بازار کے سرے پر ایک مسجد اسی خاندان کے کسی بزرگ کی بنوائی ہوئی ہے" اس کے اطراف کی دو دکانیں مسجد کے اخراجات کے لئے وقف ہیں" صادق حسین صاحب عرف چاند میاں ابن حافظ حامد حسین صاحب اس کے متولی ہیں۔ انتظام وقف کا قابلِ اطمینان ہے"

(۵) حاجی محمد ممتاز علی خاں صاحب (جن کی جود و سخا" مہر و وفا" اور مہمان نوازی" و فراخ حوصلگی زبان زد خلایق ہے) کے فرزند دوم خان بہادر حاجی حافظ محمد روح اللہ خاں نے ۱۲۹۲ھ ہجری مطابق ۱۸۷۵ء میں واسطے تعلیم و تربیت اطفال قوم" درس قرآن مجید" علوم مذہبی و دیگر فنون فارسی و ریاضی و انگریزی" میرٹھ میں چندہ سے مدرسہ قائم کیا" جب چندہ سے کام چلتا نہ دیکھا تو ان کے والد بزرگوار نے ایک معقول شہری سکنی جائداد مصارف مدرسہ کے واسطے وقف کر کے ۱۳ رمضان ۱۳۰۱ھ ہجری مطابق ۷ جون ۱۸۸۴ء کو وقف نامہ لکھ کر رجسٹری کرادی اور اپنے فرزند حافظ صاحب موصوف کو اس کا متولی و منتظم قرار دیا" بعدہٗ اپنے انتقال سے کچھ پہلے حافظ صاحب نے ان سولہ سہام کے علاوہ جنہیں ان کے والد بزرگوار نے وقف کیا تھا" باقی ماندہ" چار سہام کو بھی اثاثہ کے جس میں پورا وہ آباد ہے" اور جو ان کے حصہ میں آگئے تھے۔ ان کے متعلق وصیت فرمائی کہ وہ بھی اس وقف میں شامل کر دیئے جائیں"

حافظ صاحب مرحوم و مغفور کی زندگی میں اور ان کے بعد نواب اسد اللہ خاں مرحوم پسر کلاں نواب احمد اللہ خاں کے زمانوں میں یہ مدرسہ قومی بڑے عروج پر رہا" مقامی طلباء کے علاوہ" بنگال و مدراس تک کے طلباء نے مدرسے سے اسناد حاصل کیں" اور قوم کے نامور اشخاص مثلاً لفٹنٹ کرنل میجر ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ نے بھی ابتدائی تعلیم اسی مدرسہ میں حاصل کی تھی" لیکن نواب صاحب مرحوم کے انتقال کے بعد سے اس مدرسہ کو زوال شروع ہوا اور اب تو یہ حالت ہے کہ اس کے خیال سے بھی دکھ ہوتا ہے" سب پوری خیر صلا ہے" کبھی کبھی نوجوانوں نے اس کی اصلاح و انتظام کے لئے شور مچایا مگر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا" حافظ صاحب مرحوم و مغفور کے کوئی اولاد نہ تھی یہی مدرسہ انہوں نے یادگار چھوڑا ان کے بھائی اور بہن کی اولاد اچھی خوش حال اور تعلیم جدید سے بہرہ ور ہے" لیکن کسی کو حافظ صاحب کی اس معنوی اولاد کی طرف توجہ مطلق نہیں ہے" اور اس وقت وادارہ کی بربادی کا کچھ بھی خیال نہیں ہے" قوم نے بہ سہارے اپنے بچوں کو قومی مدرسہ میں تعلیم دلانا موقوف کر دیا تو قوم نام ہی نام رہ گیا۔

(۶) وقف منصبیہ" جسے منصب علی صاحب وقف فرما گئے ہیں اور جس میں کئی گاؤں اور مکانات و دوکانیں وقف ہیں" جن کی آمدنی معقول ہے" اس وقف کے ماتحت امام باڑہ کا" مسجدوں کا اور شیعہ کالج کا بھی اسی وقف کی آمدنی سے بنایا گیا ہے" اور محرم الحرام کے رسومات

(۷) میرٹھ میں چند اور چھوٹے چھوٹے وقف ہیں جن کی آمدنیوں کو اُن کے منتظم حسب منشاء کاموں میں صرف کرتے ہیں۔

(۸) قصبہ مارہرہ ضلع ایٹہ کمشنری آگرہ میں صاحب المشاہیر کے والد بزرگوار حکیم امداد احمد صاحب نے ایک پختہ کنواں اپنے حظیرے میں بنواکر اپنے ماں باپ و بیوی کے نام پر وقف کر دیا ہے۔ وہاں اور بھی وقف ہیں۔ اس خاندان کے بزرگوں نے وہاں ایک لڑکوں اور لڑکیوں کا اسکول عرصے سے قایم کر رکھا ہے۔ جس سے قوم کے بچوں کی تعلیم میں خوب مدد ملی ہے۔ آج کل ان دونوں مدرسوں کے منتظم چودھری محمد طہٰ صاحب ہیں۔ انتظام معقول ہے۔ لڑکیوں کا اسکول اویس احمد صاحب مرحوم نے قایم کیا تھا۔

(۹) امروہہ میں بھی چند وقف ہیں جن کی آمدنیوں کو واقفوں کی منشا کے مطابق خرچ کیا جاتا ہے۔

(۱۰) اسی طرح دوسرے مقامات پر بھی وقف ہیں۔ طوالت کے مدِ نظر انہیں نظر انداز کرتے ہیں کیونکہ اس کتاب میں تو ہم صرف ایک جھلک ہی دکھا سکتے ہیں۔

سید طفیل احمد صاحب کا وہ بیان جو انہوں نے میرٹھ میں دسمبر ۱۹۳۳ء کے ایک اجتماع میں شیخ گدائی کے اہل خاندان کے موجودہ اوصاف پر دیا

مولوی سید طفیل احمد صاحب، آنریری اسسٹنٹ سیکرٹری آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، جن سے ملک کے تمام تعلیم یافتہ اشخاص بخوبی واقف ہیں۔ اس خاندان کے ایک اجتماع میں جو شہر میرٹھ میں ماہ دسمبر ۱۹۳۳ء میں ہوا تھا۔ اپنی تقریر میں فرمایا تھا۔ کہ میرے لئے یہ نہایت فخر کا مقام ہے کہ مجھے اس صوبہ میں مسلمانوں کی سب سے زیادہ تعلیم یافتہ برادری کو خطاب کرنے کا موقع دیا گیا ہے۔

سر سید احمد خاں مرحوم کی تعلیمی اسکیم کو اگر کسی جماعت نے کامیاب کر کے دکھایا ہے تو وہ آپ کی جماعت ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے آپ کی برادری میں سب سے زیادہ گریجویٹ، اور بیرسٹر اصحاب ہیں۔ آپ میں بڑی خوبی یہ ہے کہ باوجود تعلیم یافتہ ہونے کے آپ نے اپنی برادری کو نہیں چھوڑا۔ اس وقت جو اصحاب اعلیٰ مراتب پر پہنچے ہیں وہ اپنے ہم مرتبہ لوگوں کے ہاں مناکحت کرتے ہیں۔ اس طریقے سے تعلیم یافتہ اصحاب کی ایک برادری جداگانہ ہوتی جاتی ہے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ آپ اپنے طریقہ پر قایم ہیں۔

موجودہ زمانے میں اعلیٰ مرتبہ کے اصحاب کی نئی برادریاں اس وجہ سے بن رہی ہیں کہ اعلیٰ عہدوں کی تنخواہیں غیر معمولی طور پر زیادہ ہیں۔ مگر جس نسبت سے ہندوستانیوں کے اختیارات میں توسیع ہو رہی ہے یہ تنخواہیں گھٹ رہی ہیں۔ اور خیال یہ ہے کہ آیندہ زمانے میں یہ ملک کی عام سطح کے قریب اتر آئیں۔ غالباً اُس وقت ان پرانی برادریوں کے ٹوٹنے اور پرانے کلچر کے برباد ہونے اور قدیم خاندانی روایات کے مٹ جانے کا اثر دردمند مسلمانوں کو محسوس ہوگا۔ غنیمت ہے کہ آپ نے اس بارے میں ایک نمونہ قایم کیا ہے۔ اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ آپ کی برادری مسلمانوں کی پرانی روایات کی محافظ ہے۔

اس کے علاوہ آپ صاحبوں میں سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ آپ اپنے کارکنوں کے بڑے قدردان ہیں۔ آپ کے جلسے میں میں نے دیکھا کہ آپ نے اپنے صدر مولوی بشیر الدین صاحب، ایڈیٹر البشیر اور منیجر اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ، جو اب انٹرمیڈیٹ کالج ہے۔ کی اپنی تقریروں اور نظموں میں حد درجہ قدر کی ہے۔

مولوی بشیر الدین صاحب کی قومی خدمات کی تفصیل کرنا میرے امکان سے باہر ہے۔ اس وقت دیسی کپڑا پہننے کا چرچا ملک میں ہے۔ صاحب موصوف اس پر پچاس سال سے عامل ہیں۔ ان کی تعلیمی خدمات کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ اس ضعیفی کے زمانے میں جو ارزاں بورڈنگ ہاؤس آپ نے قایم کر کے خاص طریقہ سے طلباء کی تربیت کا انتظام کیا ہے۔ اس کی نظیر ہماری قوم میں یعنی تمام ہندوستان کے مسلمانوں میں نہیں ہے۔ افسوس ہے کہ وہ امرا میں نہیں ہیں اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اس لئے ہماری قوم میں ان کی کافی قدر نہیں۔ یہ آپ کی بڑی خوبی ہے کہ خالص قومی خدمات کی بنا پر آپ نے انہیں اپنا سرتاج بنا رکھا ہے۔

حضرات! آپ کے لئے یہ قابل فخر امر ہے کہ آپ کے پاس ایسے بے ریا اور خاموش کام کرنے والوں کے بہترین نمونے ہیں۔

مولوی سعید احمد صاحب "بانی و منیجر شعیبیہ ہائی اسکول آگرہ" اور متعدد اسکول ذکور و اناث نیز انجمنوں برائے ترقی مسلمانانِ ہند" کے بانی و منتظم اور مصنف کتب متعددہ نے جس بے نفسی کے ساتھ کام کیا ہے" اُس کی نظیر مشکل سے ملے گی" اُن کی گوشہ نشینی کی تو یہ حالت ہے کہ" وہ پبلک جلسوں میں بھی شریک نہیں ہوتے" اور نہایت خاموشی کے ساتھ قوم کی تعلیمی خدمت انجام دے رہے ہیں"

آپ کی برادری میں "ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب" "ڈاکٹر لفٹنٹ کرنل سر ضیاء الدین احمد سی آئی ای - ڈی - ایس - سی لندن" "پی - ایچ ڈی جرمن" "وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی واقع علیگڈھ اور ممبر اسمبلی وغیرہ) وسیع پیمانہ پر" ملک کی "سیاسی و تعلیمی" خدمات انجام دے رہے ہیں" جن سے تمام ملک واقف ہے" (رسالہ زبیری دہلی بابت ماہ اپریل ۱۹۳۴ء صفحہ ۲ تا ۲۳)

عربی قومی خیال مناکحت کے بارے میں

کیونکہ دوسرے خاندانوں کا صحیح حال معلوم ہونا مشکل ہوتا ہے" اس لئے زبیری کنبوی خاندانوں نے اپنے عربی قومی خصائص کے مطابق شروع سے اب تک یہ التزام رکھا ہے کہ "دوسرے خاندانوں میں سلسلہ مناکحت قائم کرنے سے پرہیز کیا ہے" جیسا کہ قدیم کتاب بحر الابرار کے نوشتہ سے باب سوم میں صفحہ ۹ پر اوپر ظاہر ہو چکا ہے" اور شجرۂ سہروردو سلسلہ عالیہ وغیرہ کتابوں سے بھی ظاہر ہے" عربوں خصوصاً قریشیوں کو اپنے پاکیزگی نسل کا جیسا خیال تھا" اور حالت اسلام میں بھی رہا ہے۔ اُس کا حال بیانات ذیل سے ظاہر ہے"

ترجمہ صحیح مسلم جلد اوّل کتاب المساجد کے صفحہ ۱۶۱ پر حدیثیں صفحہ ۱۱۰۹ و ۱۱۱۰ تحریر ہیں کہ" ابن ابی عتیق بن محمد بن عبد الرحمن بن حضرت صدیق اکبر رض کہتے ہیں کہ میں اور قاسم (بن محمد بن حضرت صدیق اکبر رض) حضرت عائشہ رض کے پاس کچھ باتیں کر رہے تھے۔ قاسم بڑا بد گو اور باندی زادہ تھا۔ اُم المومنین رض نے اُس سے فرمایا۔ تو ایسی باتیں کیوں نہیں کرتا۔ جیسی میرا یہ بھتیجا کرتا ہے میں سمجھ گئی رنج ہیں اور اس میں) یہ بات کہاں سے آئی۔ اس کو اس کی ماں نے آداب و اخلاق سکھا ئے اور تجھے تیری ماں نے" قاسم یہ سنکر غصہ ہو گیا اور بہت تلملایا تھوڑی دیر میں اُم المومنین رض کا دستر خوان لایا گیا۔ قاسم دستر خوان دیکھکر اٹھنے لگا" اُم المومنین رض نے پوچھا کہاں کو۔ کہنے لگا نماز پڑھوں گا" فرمایا بیٹھ جا" اس نے دوبارہ کہا کہ میں نماز پڑھوں گا" فرمایا دھوکے باز بیٹھ جا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ کھانے کی موجودگی میں نماز نہ ہوگی" حدیث صفحہ ۱۱۰۹ میں بھی یہی منقول ہے مگر قاسم کا نام نہیں ہے مگر مضمون یہی ہے"

الفاروق جلد دوم کے صفحہ ۱۷۵ پر علامہ شبلی نے تحریر فرمایا ہے کہ "مدینہ منورہ میں لوگ کنیزوں اور کنیز زادوں کو حقیر سمجھتے تھے لیکن جب "قاسم" حضرت ابوبکر رض کے پوتے اور "سالم" حضرت عمر رض کے پوتے اور "زین العابدین" سن رشد کو پہنچے اور علم و فضل میں مدینہ والوں سے بڑھ گئے تو خیالات بدل گئے"

عیون الاخبار ۲ : ۱۱ میں ہے کہ "عرب مولدین یعنی غیر عرب عورت کی اولاد کو بھی حقیر سمجھتے تھے" اور اُس اولاد کو جو باندی سے پیدا ہوتی تھی "ہجین" کہتے تھے"

لسان العرب میں ہے کہ "ہجین" معیوب کلام کو کہتے ہیں اور اُس اولاد کو بھی جو باندی سے ہوئی ہو" کیونکہ وہ بھی معیوب ہے" ابن عبد ربہ کہتے ہیں کہ "خلفائے بنی اُمیہ" باندی کی اولاد کو اپنا ولیعہد نہیں بناتے تھے۔ اور سمجھتے تھے کہ عربوں پر اُن کی حکومت مناسب نہیں ہے" جمعی اس کی توضیح میں یہ کہتے ہیں کہ لوگ اِس انتاج سے سمجھتے ہیں کہ باندیوں سے جو شہزادے پیدا ہوتے تھے وہ حقیر سمجھے جاتے تھے" "بنی اُمیہ" جب کسی والی کا تقرر کرتے تھے تو اس کا لحاظ رکھتے تھے کہ وہ عرب ہو" یہاں تک کہ قاضی اور مسجد میں نماز پڑھانے والے امام کے انتخاب میں بھی اس بات کا لحاظ رکھتے تھے" خالد بن عبد اللہ قسری" کو عراق کا والی بنا کر "بنو اُمیہ" بڑی مصیبت میں پڑ گئے تھے۔ خود بے چارے خالد" کو بہت سے شعراء کی ہجو سننی پڑی اور یہ محض اِس لئے کہ اُس کی ماں ایک رومی باندی تھی" البتہ دولت آموریہ کے اخیر عہد میں۔ [illegible] مقامات کے گورنر بنائے گئے تھے ان میں

مروان بن محمد "خاتم خلافت بنی امیہ ہوا"

ایک دیہاتی "قاضی سوار" کے پاس آیا اور کہا کہ میرے باپ کا انتقال ہو گیا ہے - اور ہم دو بھائی ہیں" یہ کہکر اُس نے ایک طرف دو لکیریں کھینچ دیں - پھر کہا اور ایک ہمارا "ہجین" بھی ہے" اور بہت دُور دوسرے کنارے پر ایک اور لکیر کھینچ دی" پھر کہنے لگا - مال کی کس طرح تقسیم ہوگی"

قاضی صاحب نے کہا - اگر تمہارے علاوہ کوئی اور وارث نہیں ہے تو ایک تہائی مال تمہارے حصہ میں آئے گا" اعرابی نے کہا میرا خیال ہے آپ سمجھے نہیں" وارثوں میں ہم دو بھائی اور ایک "ہجین" ہے" قاضی صاحب نے کہا میں بھی تو یہی کہہ رہا ہوں کہ مال تم تینوں میں برابر تقسیم ہوگا" اعرابی کہنے لگا - تو کیا "ہجین" بھی اتنا ہی پائے گا جتنا میرا بھائی اور میں لوں گا" قاضی صاحب نے کہا "ہاں" یہ سنکر اعرابی کا چہرہ غصہ سے سُرخ ہو گیا - وہ کہنے لگا - انك قليل الخالات بالدهنا" یعنی دہنا میں تمہاری کوئی خالہ نہیں ہے - (عیون الاخبار - ۲ : ۱۱)

کہا جاتا ہے کہ دھنا میں کوئی باندی نہیں تھی - اس مثال سے یہ مراد ہے کہ "تمہاری ماں شاید باندی ہے"

جاحظ کہتے ہیں کہ میں نے اثنائے گفتگو میں "عبید کلابی" سے جو ایک بہت فصیح و بلیغ لیکن غریب شخص تھا کہا "کیا تم اس کو پسند کرو گے کہ تم "ہجین" ہو اور تمہارے پاس ہزار جریب زمین ہو" وہ کہنے لگا ہرگز نہیں - میں اس عار کو کسی چیز کے مقابلہ میں پسند نہیں کر سکتا"

میں نے کہا "امیر المومنین (خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی") بھی تو "باندی" کے بیٹے سے ہیں" اس نے کہا خدا اُس کی اطاعت کرنے والے کو ذلیل کرے" "ریاشی کہتے ہیں کہ"

رب ادخلني بلادا لا ارى فيها هجينا   ان اولاد السراري كثروا يا رب فينا

اے اللہ مجھے ایسے ملک میں پہنچا دے جہاں مجھے کوئی "ہجین" نظر نہ آئے"   یا رب باندیوں کی اولاد ہم میں بہت ہو گئی ہے"

"ابو جعفر منصور خلیفہ دوم عباسی" کو اُن کے بربری لونڈی کے بطن سے ہونے کی وجہ سے "محمد نفس ذکیہ بن عبد اللہ بن حسن مثنیٰ بن حسنؓ بن حضرت علی رضہ نے ان الفاظ میں اپنے ایک خط میں ۱۴۵ھ ہجری میں طعنہ دیا اور شرم دلائی تھی" تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں نہ تو مطلقہ عورت کی اولاد ہوں - نہ لعان کردہ عورت کی - میری رگوں میں نہ تو باندی کا خون ہے - اور نہ اُمّ ولد نے مجھے دُودھ پلایا ہے"

تاریخ طبری میں "محمد نفس ذکیہ کا یہ خط جس میں ابو جعفر منصور کو انہوں نے لونڈی زادہ ہونے کا طعنہ دیا ہے تحریر ہے" اور اس خط کا جو جلا کٹا جواب ابو جعفر نے محمد نفس ذکیہ کو دیا ہے وہ بھی لکھا ہے" (ان دونوں خطوں کو مؤلف امروہوی نے بھی اپنی کتاب میں ابو جعفر کے حال میں لکھا ہے"

خلفائے عباسیہ کی اکثریت لونڈیوں کے بطن سے تھی لیکن نسب کی حفاظت کے متعلق عربی قومی خیال کو اُن کے ایک فرد ابن معتز نے بھی جو (مستثنیٰ قسم کا شخص ان میں ہوا ہے) اپنے اشعار میں اس طرح ظاہر کیا ہے ؎

وَقُلْتُ لِبِنْتِي مُوْتِي قَبْلَ بَعْلٍ   وَاِنْ اَثْرٰى وَمُلِّيَ مِنَ النَّعِيْمِ
اَاَمْزِجُ بِاللِّئَامِ دَمِي وَلَحْمِي   فَمَا عُذْرِي اِلَى النَّسَبِ الْكَرِيْمِ

ترجمہ:- میں نے اپنی دختر دوشیزہ سے کہا کہ اپنے شوہر کے وصال تک پہنچنے سے پہلے جو بڑا باثروت و اقتدار ہی کیوں نہ ہو مگر کم ظرف و کم نسب ہو تم اس جہان سے رخصت ہو جانا - کیا میں اپنا خون اور گوشت ناکسوں سے مخلوط کروں گا - تو میرا عذر نسب کریم کے جاتے رہنے کی نسبت کیا ہوگا"

ابن معتز نے جب اپنے یہ اشعار پڑھے تو مجمع پر جیسا اُن کا اثر ہوا وہ روایت ذیل سے ظاہر ہوتا ہے"

ابن معتز کی عمر بیس سال کی بھی نہ تھی کہ ایک روز "ابو عیسیٰ بن متوکل کے یہاں" قاضی علی بن محمد بن ابی الشوارب آئے - اور اپنے ترددات اور خاندان کی ایک لڑکی کے ساتھ اُس کے شوہر کی بیوفائی و بے مہری اور بیدردی و جفاکاری کا شکوہ کرکے دستگیری کے خواہاں ہوئے" اعانت کا وعدہ اور ہمدردی کا جواب پاکر رخصت ہو گئے"

ابو عیسیٰ نے حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر کہا "کتنے بڑے تعجب کی بات ہے کہ - ایسا بزرگ شخص ایسے فضل و شرافت والا کس درجہ میں پھنسا

ہوا ہے۔ خوشحال اُس شخص کا جس کے لڑکی نہ ہو" ابن معتز[1] بولا کہ اس نادان نے اس بارے میں کچھ عرض کیا ہے" پھر لوگوں کے اصرار سے یہ دو شعر پڑھے" ہر طرف سے تحسین و آفرین ہونے لگی" (حیات علامہ میر عبدالجلیل حصہ اول صفحہ ۹۷ و ۹۸) تالیف مقبول احمد صمدنی مطبوعہ الہ آباد ۱۹۲۹ء)

اب ہم تاریخ سادات امروہہ کا وہ بیان پیش کرتے ہیں جو انہوں نے اپنے خاندان کے متعلق دیا ہے اور جس میں شیخ گدائی زبیری کنبوہی کے اہلِ خاندان میں پردے کی پابندی اور دوسرے خاندانوں میں رشتہ ناطے نہ کرنے پر بھی خوب طرح روشنی ڈالی ہے"

شیخ گدائی کے اہلِ خاندان کے غیر کفو میں رشتے نہ کرنے اور پردہ نسواں پر عامل رہنے کا بیان صاحب تاریخ سادات امروہہ کے قلم سے

تاریخ سادات امروہہ جلد اول مؤلفہ و مرتبہ جمال احمد نقوی عرف خصال احمد ایم۔ اے مطبوعہ اعظم سٹیم پریس ایجوکیشنل پرنٹرز حیدرآباد دکن کے صفحہ ۴۶ تا ۴۹ پر تحریر ہے کہ:

"یہ بستی (امروہہ ضلع مرادآباد صوبہ متحدہ) سادات عظام کی نہایت قدیم و مشہور رہی ہے" ہر مذہب اور ہر قبیلے کے اہلِ اسلام یہاں کم و بیش موجود ہیں" لڑکی کا لین دین" باہم حسب رسم و رواج برادری" ہر ایک گروہ میں اپنے طریقہ سے ہوتا آیا ہے" سادات میں لڑکی کا لین دین باہم ہوتا ہے" غیر گروہ میں تعلقات مصاہرت کا قائم کرنا معیوب خیال کیا جاتا ہے" عام طور پر اس رواج کی پابندی" ہر فرد خاندان پر لازم سمجھی جاتی ہے" اور بفضلہ تعالیٰ اب تک کفو کریم سے سلسلہ مناکحت کے اصول پر نہایت سختی سے پابندی جاری ہے" اس میں شک نہیں کہ بعض اصحاب نے سادات میں بھی مختلف وجوہ کی بنا پر" اس عام طریقہ و آئین کی خلاف ورزی کا ارتکاب کہیں کہیں خال خال ضرور کیا ہے۔ اور غیر مقامات پر مناکحت کا رشتہ قائم کیا ہے" مگر ان کی تعداد نہایت قلیل ہے" اور ان کی اولاد بھی اپنے خاندان میں ہمیشہ ایک خاص نظر سے دیکھی گئی ہے" عام قاعدہ اور طریقہ ہمیشہ سے یہی چلا آرہا ہے کہ غیر خاندان میں نکاح نہیں کیا جاتا ہے۔ اور دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس اصول کی پابندی جس سختی سے سادات امروہہ میں کی گئی ہے" شاید ہی کسی دوسرے مقام پر اس کی نظیر مل سکے" ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ دیگر بلادِ اسلامیہ میں بھی شاید کوئی خاندان اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا ہے" کہ سلف سے آج تک کسی جگہ اور کبھی کسی غیر خاندان میں اہل خاندان کے رشتے قائم نہیں ہوئے" ہندوستان میں جن جن مقاما پر سادات صحیح النسب آباد ہیں۔ اور بیرونِ ہند میں بھی سادات میں جابجا غیر خاندانوں کی رشتہ داریاں قائم ہونے کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں" جہاں تک اصالت و نجابت کا تعلق ہے" دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ سادات امروہہ کا نسب بفضلہ تعالیٰ سراسر مقبول عام اور دنیا کے صحیح ترین انساب سادات میں سے ہے"

(نوٹ [1]) ابن المعتز ابوالعباس عبداللہ بن المعتز بن المتوکل بن المعتصم عباسی" بیس کو کسب کمالات ظاہری و حصول فوائد معنوی نے اور بھی زیب و زینت دیا تھی" فن لغت" صرف" اشتقاق" نحو و معانی" بیان" عروض و قافیہ" ترسیل خطوط و رسائل اور تقریظ اشعار" فہم تاریخ" اور علم موسیقی میں یکتا ئے روزگار تھا" ابوالفرج اصفہانی لکھتا ہے کہ اس کے زمانے میں بہ لحاظ فضل و ادب و شعر اور حسب و شرافت و دیگر ادبیات کے لحاظ سے اہل عرب میں کوئی اس سے تفوق و تقدم نہیں رکھتا تھا" سید صدرالدین شیرازی المعروف بہ سید علی خان نے انوار الربیع میں لکھتے ہیں کہ علم بدیع کو ابو عبداللہ بن معتز نے اختراع کیا تھا۔ اور اس علم کا نام بدیع بھی اسی نے رکھا تھا" ابن معتز [illegible] میں پیدا ہوا [illegible] اور امام ابو حنیفہ کا پیرو تھا" مکتفی باللہ کے بعد ربیع الاول ۲۹۶ ہجری میں مقتدر کو جدا کر کے خلیفہ بنایا گیا" [illegible] نے قوت پاکر اسے قتل کر دیا" اس کا دیوان چھپ گیا" اس کی بہت سی تالیف و تصنیفات شہرت رکھتی ہیں" کتاب الزہرۃ الریاض" کتاب البدیع" کتاب مکاتبات الاخوان بالشعر" کتاب الجوارح والصید" کتاب السرقات" کتاب اشعار الملوک" کتاب الآداب" کتاب [illegible] کتاب طبقات الشعراء" کتاب الجامع فی الغناء" کتاب [illegible]

زمانۂ حال میں اہلِ مغرب کی تقلید میں، جو پردہ شکن ہوائیں ہندوستان میں چلی ہے، ہندوستان کے بڑے بڑے نجیب و شریف خاندان اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ یوماً فیوماً بجائے پردہ داری کے بے پردہ دَری کے عصمت شکن طریقوں کی ترقی ہوتی جاتی ہے۔ ہم نے بچشم خود دیکھ لیا کہ بڑے بڑے ہندوستان کے خاندانی لوگوں نے پردۂ نسواں کے قید و بند سے جو قدیم سے نہایت ضروری خیال کیا جاتا تھا، اغیار کی تقلید میں آزادی حاصل کر لی۔ اور وہ بہت خوش ہیں کہ گویا اُن کے آباؤ اجداد جو خدا اور رسول صلعم کے احکام کی پابندی کرتے تھے۔ وحشی تھے۔ اور اب اس وحشت سے انہیں پردۂ نسواں شکست کر کے آزادی ملی ہے۔ جا بجا ملک میں ترقی و تہذیبِ نسواں کے دعاوی کے ساتھ مدارس کھولے جا رہے ہیں۔ روز بروز پردہ کی رسم اٹھتی جاتی ہے۔ اہلِ مغرب نے اس نام نہاد آزادیِ نسواں کا جو تلخ تجربہ کیا ہے اس کے تفصیلی اظہار کا یہ محل نہیں۔ مختصر یہ کہ عصمت و پارسائی کا اکثر ممالکِ مغرب میں دیوالہ نکل چکا ہے۔ برہنگی بلکہ بہیمیت کے مناظر جا بجا موجود ہیں۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ سادات امروہہ نے اب تک اِس مسموم ہوا اور نام نہاد ترقی و تعلیمِ نسواں کا کوئی اثر قبول نہیں کیا ہے۔ بفضلہ تعالےٰ یہاں ابھی تک قرارنی البیوت کے حکمِ ربّانی پر نہایت سختی سے مستورات پابند ہیں۔ اور ان مستورات پر مکشوفات کا اطلاق کسی ایک مقام پر بھی نہیں ہوا ہے۔ عصمت و عفت کی ضرب المثل جیتی جاگتی تصویریں سادات کی حویلیوں میں موجود ہیں۔ اور اگرچہ قدیم طریقے اور رسمیں بہت کچھ مٹ چکی ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ ابھی تک مستورات کی پارسائی و پاکدامنی ضرب المثل چلی آتی ہے۔

ہندوستان کے بعض مستند خاندانوں پر حیرت ہے کہ انھوں نے باوجودیکہ بے پردگی کے شجرِ ممنوعہ کے ثمراتِ خبیثہ کا بچشم خود اثر بد دیکھا اور دیکھتے جاتے ہیں لیکن تقلید اور محض کورانہ تقلید نے ان نتائج کی طرف سے بے پرواہ اور ان کی حسِّ شرافت کو باطل کر دیا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ خداوندِ عالم اِن مخدراتِ عصمت کی پارسائی کو تا بقیامِ قیامت باقی رکھے۔ اور دورِ حاضرہ کی وحشت اور بربریت سے انہیں دور رکھے۔ اور یہ "النساء قوامات علی الرجال" کے سودا کے خام سے باز رہ کر حدودِ فطرۃ کو پامال نہ کریں۔

امروہہ میں علاوہ خاندانِ سادات کے، دیگر شرفائے کرام کے خاندانوں میں بھی یہی آئین و قوانین پردۂ نسواں کے متعلق ہمیشہ سے چلے آتے ہیں۔ اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ زمانے کی اِس مسموم ہوا کا اثر ابھی تک ان میں بھی نہیں ہوا ہے۔ امروہہ میں کثیر التعداد شرفاء کے خاندان اب تک بھی اپنے قدیم طریقوں کی پابندی اور وضعداری میں خاص طور سے نیک نام ہیں۔ اور ہمیشہ سے ذی منصب اور عالی مرتبت اشخاص ان میں ہوتے آئے ہیں۔ بعض خاندانوں میں ارشاد و ہدایت و مشیخت کا سلسلہ بھی مدتوں جاری رہا ہے۔

غرض ہر قسم کی شرافتوں سے یہ خاندان مشرف رہے ہیں۔ مثلاً خاندان شاہ عبدالہادی صاحب قریشیوں میں۔ خاندان نواب وقار الملک بہادر، بادشاہی چبوترہ پر۔ خاندان حکیم امجد علی خاں صاحب محلہ سدو میں۔ وغیرہ وغیرہ۔

دورِ آخر میں نواب وقار الملک وقار الدولہ انتصار جنگ نواب مشتاق حسین صاحب (المتوفی جنوری ۱۹۱۷ء) کی ہستی امروہہ میں نہ صرف اہلِ امروہہ کے لئے باعثِ فخر تھی۔ بلکہ تمام اہلِ ہند کو ان کی ذاتِ گرامی پر ناز ہے۔ آپ کی ایک مستقل مبسوط سوانح عمری "وقارِ حیات" نامی طبع ہو چکی ہے۔ (تذکرۂ وقار کے نام سے ایک اور بھی سوانح عمری آپ کی طبع ہوئی ہے۔)

(الف) علاوہ ملکی اور سیاسی خدمات کے جو ملکتِ آصفیہ میں آپ نے انجام دیں۔ آپ کی ملکی اور قومی خدمات نے مسلمانانِ ہند کی سیاسی رہنمائی و قیادت کے منصبِ عزیز و جلیل پر آپ کو پہنچا یا۔ اور اقصائے ہند۔ بلکہ بیرونِ ہند تک بھی آپ کا، اور آپ کے تمام خاندان کا نام، اور اس کے ساتھ ہی ساتھ امروہہ کا نام بھی روشن ہوا۔

اس بیان میں نواب وقار الملک بہادر اور حکیم امجد علی خاں صاحب دونوں بزرگوں کے نام آگئے ہیں یہ شیخ گدائی زبیری کمبوہ کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسا کہ صاحب تاریخ سادات امروہہ نے بتایا ہے۔ اس بحر الانساب کے ہمارے پیش کردہ نوشتہ سے یا کم سے کم مشہور ہو چکا ہے۔ اور مولوی سید طفیل احمد آنریری سیکریٹری آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس علیگڈھ کی مندرجہ بالا اس تقریر سے بھی جو مولوی صاحب موصوف نے دسمبر ۱۹۳۳ء شہر میرٹھ کے ایک اجتماع میں شیخ گدائی کے زبیری کمبوہ خاندان کی خصوصیات پر فرمائی

تھی اور جسے ہم نے اِسی کتاب کے صـ۱۶۷ پر تحریر کیا ہے ''ظاہر ہے'' کہ اِس زبیری دودمان میں ''غیر خاندانوں کے رشتے ناطے نہ کرنے اور پردہ نشینوں کی سختی سے پابندی ہمیشہ سے چلی آرہی ہے۔ اور بفضلہ تعالیٰ اب بھی ہے''

مؤلف امروہوی اور اُن کے راست گو مؤرخ ملّائے بدایونی کی غلط بیانی کا اِنکشاف

شیخ گدائی کے خاندان کے علوئے مرتبت'' شان و شوکت'' اور نسب کا حال بخوبی معلوم ہو چکا ہے۔ اب ہمیں یہ بھی دکھا دینا ہے کہ آپ کا تقرر جو ''بیرام خاں'' کے زمانے میں صدارت کل کے عہدے پر کیا گیا تھا'' اُس سے آپ کی قدر و منزلت کچھ بڑھ نہیں گئی تھی بلکہ آپ کی وجہ سے اس عہدہ کو عزت حاصل ہوئی تھی'' آپ اس سے پہلے بھی اِسی عہدہ پر متعدد بادشاہوں کے زمانوں میں اُن کی خواہش کی بناپر متمکن رہ چکے تھے'' اور آپ سے پہلے آپ کے چھوٹے ماموں حضرت شیخ نصیر الدین قدس سرہ ''سلطان سکندر لودہی'' اور ''سلطان ابراہیم لودھی کے زمانوں میں'' شیخ الاسلامی یا صدر الصدور کے عہدے کو اعزاز بخش چکے تھے'' جب شیخ گدائی رح کے بزرگوار ماموں صاحب نے اپنے مشاغل رُوحانی کی وجہ سے ''ابراہیم لودہی'' کے زمانے میں اِس عہدے سے دستکشی اختیار کر لی۔ تو اُن کی جگہ پُر کرنے کے لئے ''شیخ گدائی'' سے خواہش کی گئی''

شیخ گدائی رح کے ماموں سُلطان سکندر و ابراہیم لودھی کے شیخ الاسلام

کلمات الصادقین میں ہے کہ ''شیخ نصیر الدین دہلوی (شیخ گدائی کے چھوٹے ماموں) سکندر اور ابراہیم لودہی کے عہد میں شیخ الاسلامی کے عہدے پر سرفراز تھے'' اور آپ شریعت و طریقت کے دونوں میدانوں کے شہسوار اور سنت نبوی صلعم کے پورے طور سے عامل تھے''

شیخ گدائی صدر الصدور بزمانہ سُلطان ابراہیم لودھی و بابر و ہمایوں

خان آرزو نے اپنی کتاب ''مجمع النفائس'' میں لکھا ہے کہ ''شیخ گدائی'' ابراہیم لودہی کے صدر الصدور تھے'' بابر'' اور ہمایوں'' کے عہدِ حکومت میں بھی آپ اِسی عہدہ پر متعین رہے'' (مجمع النفائس قلمی مملوکہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری صـ۱۳۱)

شیخ گدائی کے ماموں زاد بھائی کو تمام ''بنی ہاشم'' اور ساداتِ بنی فاطمہ پر برتری

پٹھانوں کے بادشاہوں کے حال میں مشہور و معتبر تاریخ داؤدی کے اوراق صـ۵۱ و ۵۲ پر تحریر ہے کہ ''شیخ عبد الغفور المعروف بہ میاں لادن (شیخ گدائی کے منجھلے ماموں) جب کبھی سلطان سکندر لودہی کے پاس آگرہ تشریف لے جاتے تھے تو باوجود بڑے بڑے دوسرے بزرگوں کی موجودگی کے وہ آپ ہی کو اِمامت نماز کی تکلیف دیتا تھا'' یعنی جب تک آپ کا قیام سلطان کے پاس رہتا۔ وہ آپ ہی کے پیچھے نماز پڑھنے کو اپنی سعادت سمجھتا تھا''

یہ ہم پہلے دکھا آئے ہیں کہ ''میاں لادن'' سلطان سکندر کے مشیر مذہبی بھی تھے'' یعنی جب اُسے کسی مذہبی معاملہ میں مشورہ کی ضرورت ہوتی تھی تو وہ کسی سیّد اور بنی ہاشم سے نہیں بلکہ میاں لادن سے جو حضرت زبیر رض حواری رسول اللہ صلعم کی اولاد تھے مشورہ لیکر تسکین حاصل کیا کرتا تھا'' اور یہ سلطان وہ تھا جو نسب کے معاملہ میں بہت غلو رکھتا تھا''

سُلطان سکندر کا نسب کے بارے میں غُلو

سکندر لودھی کی اِسلام دوستی کا خود مؤلف صاحب امروہوی نے بھی اپنی کتاب تحقیق الانساب تاریخ امروہہ میں خاص طور سے اعتراف کیا ہے'' علاوہ بریں ''تاریخ فرشتہ'' جلد دوم مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن کے صـ۱۶۰ پر تحریر ہے کہ ''جس شخص کو سکندر

لودھی عہدہ دینا چاہتے تھے۔ پہلے اُس کا نسب دریافت کرلیتے تھے۔ اور اُس کے مطابق اُسے عہدہ دیا کرتے تھے۔"

"سلطان سکندر" "ابراہیم لودھی" "شہنشاہ بابر اور ہمایوں" "ان چار بادشاہوں کے زمانوں میں" "شیخ گدائی رح کے ہم جد اور ماموں" "نیز خود شیخ گدائی کے عہدہ صدارت پر مسلسل مقرر رہتے چلے آئے اور سلطان سکندر کے شیخ گدائی کے منجھلے ماموں زاد بھائی کو تمام "قریشیوں" "ہاشمیوں اور سادات بنی فاطمہ" پر ترجیح دینے کے جو یہ شواہد تاریخی ہم نے پیش کئے ہیں۔ ان سے مؤلف امروہوی اور اُن کے خاص الخاص راست گو مورخ ملّائے بدایونی کی اس صریح غلط بیانی کا جو انہوں نے اکبر کے ایک نقرہ کو لے کر شیخ گدائی کو ہندی الاصل ثابت کرنے اور اکبر کے زمانے میں صدر الصدوری کے عہدے پر مقرر کئے جانے پر ائمہ و اکابر کے وادیلا مچانے کے متعلق اپنی کتاب میں کی ہے خوب طرح پول کھل گئی ہے" لیکن یہ معاملہ یہیں پر ختم نہیں ہوگیا ہے بلکہ شاہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر رح کی سلطنت کے صدر الصدور یا شیخ الاسلام" شیخ گدائی رح کے خاندان کے ایک اور بزرگ خواجہ شاہ مخاطب بہ محمد شریف خاں بھی تھے جن کا ذکر اسی کتاب میں مآثر الکرام کے ص۱۳۱ سے لے کر پہلے لکھ آئے ہیں جن کا ذکر مآثر عالمگیری مصنفہ محمد ساقی مستعد خاں کے ص۱۵۸ پہ بھی تحریر ہے۔"

ان شواہد کی روشنی میں اور مؤلف امروہوی کی تحقیقات اور الیقان کے مطابق بھی اب اس امر میں ذرا سا بھی شک و شبہ باقی نہیں رہ گیا ہے کہ "شیخ گدائی" "عربی النسل اور زبیری قریشی تھے" چاہے کوئی اور ہو یا نہ ہو وہ بالضرور تھے" اور اکبر کے زمانے میں جو فرمان خان خاناں بیرام خاں کے نام شہنشاہ اکبر کی طرف سے جاری کیا گیا تھا اور جس میں خان خاناں بیرام خاں اور شیخ گدائی رح کے اقتدار کا رونا رویا گیا ہے۔ اس کی حیثیت ان دونوں بزرگوں کے حاسدوں کے حسد اور کینہ توزیوں کے مظاہرے سے کچھ بھی زیادہ نہیں ہے۔"

شیخ گدائی کے متعلق ملّائے بدایونی کا اپنے پہلے بیان سے بالکل مختلف دوسرا بیان

منتخب التواریخ کی جلد دوم میں ملّا عبد القادر بدایونی نے "شیخ گدائی" کے متعلق جو کچھ لکھا ہے" اسے ہم اوپر بتا کر اس کی حقیقت بھی دکھا چکے ہیں۔"

اب ہم ان ہی ملّا صاحب کی اسی کتاب منتخب التواریخ کی تیسری جلد سے جس میں اس نے عہد اکبری کے منتخب "امراء" "علماء" "شعراء" وغیرہ کے حالات لکھے ہیں۔ "شیخ گدائی" کے حالات لیکر اس لئے لکھتے ہیں کہ "شیخ گدائی کے متعلق جو ہرزہ سرائیاں" "اُن کے حاسدوں نے" فرمان" مندرجہ اکبر نامہ ابو الفضل میں" اور "اس مقدس ملّا نے" اپنی کتاب کی جلد دوم میں کی ہیں" اُن کی تردید خود ملّا صاحب کے بیان سے ہی بخوبی ہو رہی ہے۔"

منتخب التواریخ جلد سوم کے ص۷۶ و ص۷۷ پر ہے کہ۔

"شیخ گدائی دہلوی کنبوہ خلف شیخ جمالی شاعر مشہور است" "کسب کمالات صوری نمودہ" "و صحبت افاضل روزگار دریافتہ" "و برکات آں ابرار روزگار آمدہ" "عابد شدہ" "و بوسیلہ حق صحبت و صداقت" "کہ با بیرام خاں داشتہ" "منصب صدارت ہندوستان" "بہ او مفوض شدہ" "و چند سال مرجع اکابر و افاضل ہندوستان و خراسان و ماوراء النہر و عراق بود۔"

"شیخ گدائی دہلوی کنبوہ صاحبزادے شیخ جمالی مشہور شاعر کے ہیں۔" "انہوں نے کمالات صوری حاصل کئے اور فاضلان روزگار کی صحبت پائی" "اور اُن کی برکتوں سے اپنے زمانہ کے عابد لوگوں میں سے ہوئے" "اور حق صحبت و صداقت کے وسیلہ سے جو باہم بیرم خاں اور اُن میں تھا" "منصب صدارت ہند انہیں سپرد ہوا" "اور چند برس مرجع اکابر و فاضلان ہندوستان خراسان اور ماوراء النہر اور عراق کے تھے۔"

"و طبع نظم داشتہ" "و نقش و صوت ہندی مے بست و مے گفت" "و بہ آں وادی مشغوف و مالوف" "و چوں از صحبت خان خاناں بیرام خاں" "از نواحی بیکانیر" "جدا شدہ" "بدہلی آمد" "آنرا ہم معززو

"شعر گوئی سے انہیں مناسبت تھی" "ہندی زبان میں خوب لکھتے اور پڑھتے بھی اچھا تھے" "اور اس وادی میں بھی مشغول و مالوف رہتے تھے" "اور جب نواحی بیکانیر" میں "خان خاناں بیرام خاں

مکرم بود۔

کی صحبت سے جدا ہوکر دہلی آئے تو وہاں بھی معزز اور مکرم رہے۔

در مزارات مشائخ دہلی قدس اللہ ارواحہم در ایام عرس حاضر میشد و مجالس عالی را با حشمت و کر و فر تمام ترتیب میداد۔ در سنہ نہصد و ہفتاد و شش (۹۷۶ ہجری) بادیعالم آخرت شتافت۔

مزارات مشائخ دہلی قدس اللہ ارواحہم پر عرس کے دنوں میں حاضر ہوتے اور مجلسوں عالی کو بہت حشمت اور کر و فر سے ترتیب دیتے تھے۔ ۹۷۶ھ ہجری میں انہوں نے سفر عالم آخرت کا اختیار کیا۔

اس بیان سے آپ کی فضیلت علمی اور صداقت و روحانیت کا حال معلوم ہونے کے سوائے یہ بات بھی صاف طور سے ظاہر ہوگئی ہے کہ آپ کے متعلق جو کچھ بھی سب و شتم کیا گیا، ہلائے واویلا مچایا گیا، اور ماتم برپا کیا گیا، وہ آپ کے اقتدار، اور خان خانان بیرام خاں کی دوستی کی وجہ سے حاسدوں کی طرف سے کیا گیا تھا، ورنہ بیرام خان خاناں کی شہادت کے بعد راجپوتانہ سے دہلی کی واپسی پر آپ کسی طرح ایسے معزز اور مکرم نہیں رہ سکتے تھے نہ یہ حشمت و کر و فر اختیار کر سکتے تھے، جس کا بیان ملا صاحب نے کیا ہے۔ ملا عبدالقادر کے اس بیان کو بھی دکھا دینے کے بعد اب ہم شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور دوسرے مورخین کے بیانات کو شیخ گدائی کے متعلق دکھاتے ہیں۔ شیخ عبدالحق صاحب نے بھی اپنی کتاب اخبار الاخیار میں شیخ گدائی کے متعلق یہی تحریر فرمایا ہے کہ "ز بہ تقریب بعضے حساد و اعادی از ینجا برآمدہ بجانب کوہ جیسلمیر افتادہ" (بعض حاسدوں اور دشمنوں کی وجہ سے یہاں سے روانہ ہوکر جیسلمیر میں جاکر مقیم ہوگئے تھے)، باقی دوسرے مورخ بھی محدث صاحب موصوف ہی کے ہم زبان ہیں ان کے بیان ملاحظہ ہوں۔

شیخ گدائی پسر کلاں مخدوم شیخ جمالیؒ کا حال شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے قلم سے

آپ کا نام نامی اور اسم گرامی "شیخ عبدالصمد" اور لقب یا عرف "شیخ گدائی" تھا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب اخبار الاخیار میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"شیخ گدائی" پسر کلاں "شیخ جمالی" است۔ وے در بزرگی و جاہ پہلو بہ پدر میزد۔ در اول و آخر ہمت بر کسب معانی و مفاخر داشت۔ در رعایت اطوار بزرگی و عزت و ملاحظہ اوضاع جاہ و دولت مے بود۔

"شیخ گدائی" بڑے صاحبزادے شیخ جمالی کے ہیں۔ وہ بزرگی اور جاہ میں اپنے والد بزرگوار کی برابری کرتے تھے۔ اول اور آخر انہوں نے معانی اور ہنر حاصل کرنے پر اپنی ہمت مبذول رکھی۔ ان کے اطوار بزرگی و عزت اور ملاحظہ اوضاع سے ان کو جاہ و دولت حاصل ہوئی۔

در ابتدائے حال در سلک مقربان و خواص ملازمان "نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ انار اللہ برہانہ" منتظم بود۔ و بعد از انکہ "شیر شاہ" غلبہ کرد و بر سریر سلطنت پا نہاد بجہت اختصاصے کہ بسلسلہ ہمایونیہ داشت سلوک طریقہ سفر برائے اقامت اختیار نمودہ بدیار گجرات بدر رفت و از انجا عزیمت زیارت حرمین شریفین کرد۔ و بدان سعادت عظمیٰ با اہل و عیال مشرف شدہ۔ در عہد دولت شاہنشاہ وقت جلال الدین محمد اکبر بادشاہ بدیار مالوف عود نمود۔ و بواسطہ ارتباط و اتحاد کہ با "خان خاناں محمد بیرم خاں" داشت بنہایت درجات اعتبار رسید۔ و بعد از ان بسبب وقوع بعضے امور کہ از لطائف خفایائے جذبات الٰہی بود باعث بر ترک دنیا و توجہ "خان خاناں" بحرمین شریفین شد۔ ہم در راہ حج در سنہ ثمان و ستین و تسعمایۃ بشہادت رسید۔

شروع میں سلک مقربان اور خواص ملازمان نصیر الدین محمد ہمایوں بادشاہ انار اللہ برہانہ میں منتظم تھے۔ اور اس کے بعد جب شیر شاہ نے غلبہ حاصل کیا اور وہ تخت سلطنت پر بیٹھا، تو اس خصوصیت کی وجہ سے جو انہیں سلسلہ ہمایونیہ سے تھی، تو انہوں نے شیر شاہ کی حکومت میں رہنا گوارا نہ کرکے سفر اختیار کیا اور گجرات چلے گئے اور وہاں سے زیارت حرمین شریفین کا ارادہ کیا، اور اس سعادت عظمیٰ سے مع اپنے اہل و عیال سے مشرف ہوئے۔ شاہنشاہ جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے زمانہ میں اپنے وطن کو واپس تشریف لائے۔ اور خان خاناں بیرام خاں سے ارتباط و اتحاد کے واسطے سے نہایت درجہ مرتبہ کو پہنچے اور اس کے بعد بعضے واقعات کے سبب جو لطائف خفایائے جذبات الٰہی سے تھے، اور جو خان خاناں کے ترک دنیا اور حرمین شریفین کی طرف توجہ کا باعث ہوئے اور حج کے راستہ میں ۹۶۸ ہجری میں خان خاناں شہادت کے درجہ کو پہنچے

آں بہ تقریب بعضے حسّاد و اعادی، ازاں جا برآمدہ بجانب کوہ جیسلمیر افتاد۔ مدتہا دراں دیار گذرانیدہ باز آمد۔ و بوجہے از مدد معاش قناعت فرمود۔

از جناب سلطنت سکونت شہر نمود۔ چندگاہ در گوشۂ فراغت و آسایش باوجود کبر سن در بساتین بہشت آئین با ماہرویان نازنین گذرانید۔ و چوں نوبت مرگ رسید ہمہ را گذاشتہ بعالم دیگر رسید۔ وکان ذلک فی سنہ ست و سبعین و تسعمائۃ۔ (اخبار الاخیار صفحہ ۲۲۲ و ۲۲۳)

وہ (شیخ گدائی) بعض حاسدوں اور دشمنوں کی وجہ سے اس جگہ سے روانہ ہو کر جیسلمیر کے پہاڑ میں چلے گئے اور عرصہ تک اس ملک میں رہ کر پھر واپس آ گئے اور سلطنت کی طرف سے جو مدد معاش مقرر کی گئی اس پر قناعت کر کے شہر میں ہو گئے۔

تھوڑے عرصہ گوشۂ فراغت و آسائش میں باوجود بڑھاپے کے باغوں بہشت آئین میں ماہرویان نازنین کے ساتھ بسر کی۔ جب مرنے کا وقت آیا تو سب کو چھوڑ کر دوسرے عالم میں پہنچ گئے۔ سال وفات آپ کا ۹۷۶ھ ہجری ہے۔

صاحب حیات لودی اور صاحب صبح گلشن کے بیانات شیخ گدائی کے حالات میں

حیات لودی معروف بہ شوکت افغانی مؤلفہ محمد عبد الحکیم خاں لودھی مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ کے صفحہ ۲۴۶ و ۲۶۸ پر ہے کہ:

اس کے بعد شیر شاہ نے اُجین سے سفر کیا تو بیرم خاں اور محمد قاسم گجرات کو بھاگے۔ محمد قاسم تو راستہ میں مارا گیا اور بیرم خاں بہ امداد شیخ گدائی (فرزند شیخ جمالی کنبوہ شاعر باکمال و مصاحب سلطان سکندر) بادشاہ ہمایوں کی خدمت میں حاضر ہوا۔

صبح گلشن مؤلفہ سید علی حسن خاں فرزند دوم نواب صدیق حسن خاں کے صفحہ ۲۲۶ مطبوعہ مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۵ھ ہجری پر ہے کہ۔

شیخ گدائی فرزند شیخ جمالی کنبوہ دہلوی است۔ در کلامش حلاوت و ملاحت و در افکارش تازگی و لذت۔ بتحصیل فضائل و کمالات صوری و معنوی از والد ماجد خود و دیگر افاضل عہد خود کردہ۔ و بہ حمایت و رعایت بیرم خان خانان بہ صدارت ہند سربرآوردہ مرجع خواص و عوام ہندوستان و خراسان و ماوراء النہر و عراق بودہ۔ بہ طریقہ مشائخ کرام و صوفیہ عظام پا از حد افزودہ و با کمال استغنا گدائی بر درہائے واصلان حق و ستانہ فخر و مباہات می شمرد۔ و در اعراس پیران طریقت خود ترتیب مجالس وجد و حال اہتمام بلیغ می نمود۔ و بہ موسیقی و نغمہ پیرائی و مقام شناسی بخوبی ماہر بود۔

شیخ گدائی بیٹے شیخ جمالی کنبوہ دہلوی کے ہیں۔ ان کے کلام میں حلاوت و ملاحت ہے اور افکار میں تازگی تھی۔ فضائل و کمالات صوری و معنوی اپنے والد ماجد اور دوسرے اہل علم سے حاصل کئے۔ بیرم خاں خان خاناں کی حمایت و رعایت سے صدارت ہند پر فائز ہوئے اور مرجع خواص و عوام ہندوستان و خراسان و ماوراء النہر و عراق ہوئے۔ مشائخ کرام اور صوفیائے عظام کے طریقہ کے قدم بقدم تھے۔ اور کمال استغنا سے واصلان حق کے دروازوں کی گدائی اپنے لئے باعث فخر و مباہات سمجھتے تھے۔ اپنے پیران طریقت کے عرسوں میں ترتیب مجالس وجد و حال میں اہتمام بلیغ کرتے اور موسیقی اور نغمہ پیرائی اور مقام شناسی میں بخوبی ماہر تھے۔

در ہنگامہ شورش و بغی خان خاناں از بیکانیر ترک رفاقت گفتہ در دہلی بخانۂ خود انزوا گزیدہ و پائے طلب شکستہ بقیہ عمر بکمال عزت و توقیر گذرانید۔ در ۹۷۶ھ ہجری ست و سبعین و تسعمائۃ بعہد اکبر بادشاہ بغازی رحلت نمود۔

خان خاناں کی شورش اور بغاوت کے زمانہ میں بیکانیر سے اس سے جدا ہو کر دہلی میں اپنے گھر آ کر خانہ نشین ہو گئے اور اپنی بقیہ عمر کو کمال عزت و توقیر سے بسر کیا۔ ۹۷۶ھ ہجری میں اکبر بادشاہ کے زمانے میں آپ کی وفات ہو گئی۔

شیخ گدائی کے حالات مسٹر یٰسین خاں نیازی ایم۔اے کے قلم سے

آپ کے تفصیلی حالات کسی ایک کتاب میں نہیں ملتے کتب سیرۃ میں۔ اور شاہان مغلیہ کے امراء وزراء نیز صوفیائے کرام کے چند تذکروں میں جستہ جستہ آپ کے حالات ملتے ہیں۔

سنِ پیدائش آپ کا کسی کتاب سے معلوم نہیں ہو سکا۔ آپ نے خداداد ذہانت کی وجہ سے تمام علوم رسمی اور معنوی حاصل کر لئے تھے۔ اور ہندوستانی زبان پر بھی قدرت حاصل کر لی تھی۔ طبع موزوں تھی ہندی اور فارسی میں اچھے شعر کہتے تھے۔ اپنے والدِ بزرگوار سے آپ نے علمِ معرفت حاصل کیا تھا۔ کیونکہ آپ کئی بادشاہوں کے زمانوں میں صدرالصدور یا صدارتِ کل کے عہدے پر فائز رہے۔ اس لئے آپ کے کمالاتِ باطنی کا ذکر کم کیا گیا ہے اور اُمرا کے واقعات میں زیادہ حال آپ کا ملتا ہے۔

"ابراہیم لودی" "بابر" اور "ہمایوں" کے عہدِ حکومت میں آپ کے عہدے | خان آرزو" آپ کے متعلق لکھتے ہیں کہ "گدائی" "ابراہیم لودھی" کے صدرالصدور" تھے۔ "بابر" اور "ہمایوں" کے عہدِ حکومت میں بھی اسی قسم کے عہدوں پر متعین رہے"۔

(مجمع النفائس قلمی صفحہ ۱۲۱ (اورینٹل کالج میگزین لاہور بابت ۱۹۳۴ء صفحہ ۹۱)

گجرات میں قیام | ہمایوں کے ساتھ خاص لگاؤ اور وابستگی رکھنے کے باعث "شیر شاہ" کے سلطنت پر قابض ہونے کے زمانے میں آپ "صوبہ گجرات" جا کر مقیم ہو گئے تھے"۔

بیرام خاں خان خاناں کو آپ کی امداد | ۹۴۷ھ ہجری میں جب "بیرام خاں" "شیر شاہ" کی فوج کی تاب نہ لا کر "قنوج" سے جان بچا کر "راجہ مترسین" کے پاس پناہ لینے پر "شیر شاہ" کے سپرد کئے جانے اور اُس کے پاس سے بھاگنے کے بعد جب "گجرات" پہنچا تو "شیخ گدائی" اُس کے ساتھ نہایت حسنِ سلوک سے پیش آئے۔ انہوں نے مہمانداری اور مروّت کے تمام لوازمات سرانجام دیئے اور بیرام خاں کو ہمایوں کے پاس پہنچا دیا۔

حج | کچھ عرصہ "گجرات" میں رہ کر آپ معہ اہل و عیال کے فریضۂ حج کی ادائیگی کے لئے حرمین شریفین چلے گئے۔

دہلی کو واپسی | ہمایوں نے جب دوبارہ "ہندوستان" کو تسخیر کیا۔ اور پھر "بیرام خاں" نے "ہمایوں" کی وفات کے بعد "اکبر" کو تخت نشین کر کے ۹۶۳ھ ہجری میں سلطنت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی تو "شیخ گدائی" نے "گجرات" کو خیرباد کہا اور "دہلی" تشریف لے آئے۔

صدارت کے عالی شان عہدے پر تقرر | دہلی پہنچتے ہی آپ کا تقرر صدارت کے عالی شان عہدے پر کر دیا گیا"۔

بیرام خاں سے تعلقات | بیرام خاں کے مزاج میں آپ کو کافی دخل تھا۔ مورخوں کا بیان ہے کہ "بیرام خاں" بہت بڑی حد تک "شیخ گدائی" کے زیرِ اثر تھا

اقتدار | چنانچہ آپ سلطنت کے تمام سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ کوئی ملکی یا مالی معاملہ آپ کے مشورے کے بغیر صورت پذیر نہیں ہوتا تھا"۔ اگرچہ آپ "صدرالصدور" کے عہدے پر فائز تھے" لیکن جب تک شاہی احکام و فرمان پر آپ کی مُہر ثبت نہیں ہوتی تھی وہ نافذ نہیں ہو سکتے تھے۔ آپ کو "رسمِ تسلیم" سے بھی معافی تھی"۔ آپ کی شان و شوکت کا یہ حال تھا کہ آپ "بادشاہِ وقت کے ساتھ بحالتِ سواری مصافحہ کرتے تھے"۔

آپ کے اقتدار سے لوگوں کا حسد | آپ کے ایسے اقتدار سے لوگوں میں آپ کی طرف سے بے حد حسد پیدا ہو گیا تھا اور وہ انگاروں پر لوٹنے لگے تھے"۔

بیرام خاں کی رفاقت میں ثابت قدمی | اربابِ نفاق نے بیرام خاں کی تباہی میں اپنی ترقی جانکر پہلے تو اُس کے خیمہ پر مست ہاتھی دوڑا دیا۔ اور دوبارہ جب وہ دریا میں کشتی پر سوار تھا۔ اُس وقت بھی اُس کی کشتی کو ایک ہاتھی سے اُلٹ دا دینے کی کوشش کی۔ جب دونوں دفعہ کے یہ کاری وار خالی گئے تو شاہنشاہ کے مزاج کو اُس سے متغیر کرا دیا۔ شیخ گدائی کے پائے ثبات کو تذلزل نہیں ہوا وہ بیرام خاں کے رفیق رہے"۔

بیرام خاں اگر چاہتے تو حاسدوں کا یہ جمِ غفیر اور بادشاہی اثر مل کر بھی اُن کا اقتدار نہیں چھین سکتا تھا" لیکن اُن کی وفاداری نے اُس باغ کی ویرانی کو جسے انہوں نے اپنے خون سے سینچا تھا۔ اور اُن لوگوں کو جن کی انہوں نے خود پرورش کی تھی" لڑ کر برباد کر دینے کو پسند نہیں کیا۔ اور اپنے حذم و حشم کے تمام لوازم نیز ہمراہی افسروں کو "بادشاہ کے پاس بھیجکر جب حرمین شریفین کے ارادے سے وہ "گجرات" روانہ ہوئے۔ تو ایسی حالت میں بھی جبکہ بیرام خاں نے اپنے لوازم حشمت و شوکت کو بادشاہ کے پاس بھیجکر اپنی طاقت کو کمزور کر لیا تھا اور اُن کا ہر رفیق "سلطنت کی نگاہوں میں قابلِ گردن زدنی ہو چکا تھا"۔ "شیخ گدائی" "بیرام خاں" کی رفاقت میں ثابت قدم رہے۔ اور انہیں رخصت کرنے کے لئے "بیکانیر" تک اُن کے ساتھ آئے۔

راجپوتانہ میں قیام | اور انہیں رخصت کر کے "آپ نے "جیسلمیر" کے پہاڑوں میں سکونت اختیار کر لی"۔

دہلی کو واپسی اور قیام | اخبار الاخیار میں "شیخ عبدالحق محدث دہلوی" نے لکھا ہے کہ ۹۶۸ھ ہجری میں "بیرام خاں" کی شہادت کے بعد "شیخ گدائی" نے "جیسلمیر" کے پہاڑوں میں سکونت اختیار کی اور مدت تک وہیں رہے۔

بادشاہ کی طرف سے وظیفہ | آخرالامر "دہلی" کو مراجعت کی۔ اور بادشاہ کی طرف سے شہر میں "جائے رہائش" اور "مخصوص رقم" برائے معاش مقرر ہوئی۔

آخری ایام بافراغت و آسایش | "شیخ گدائی" نے زندگی کے باقی ایام وہیں (دہلی میں) فراغت اور آسائش سے گذارے "اخبار الاخیار"

وفات | منتخب التواریخ میں ہے کہ "۹۷۶ھ" ہجری میں "شیخ گدائی کنبوی دہلوی کی وفات ہوئی"

وہ کتاب جس پر آپ کی مہر ثبت ہے | آپ کو شعراء اور شعرائے متقدمین کے کلام سے خاص لگاؤ تھا" چنانچہ "امیر خسرو" کے دیوان کا وہ نسخہ جس پر "شیخ گدائی" کی مہر ثبت ہے۔ پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں موجود ہے "اورینٹل کالج میگزین لاہور ص ۹۷ بابت اگست ۱۹۳۲ء مضمون شیخ خاں نیازی۔ ایم۔ اے)

"شیخ گدائی کی کرامت" ان کے مرید اور "شیخ محمد غوث گوالیاری کا واقعہ گجرات میں"

"مخزن افغانی" میں ہے کہ "مشیخت دستگاہ" "معارف آگاہ"
"شیخ راجو" ولد "شیخ محمد زمان" "خود مرجع خاص و عام بود۔ در ابتدائے
طلب۔ بملازمت معرفت پناہ "شیخ جمالی کنبوی دہلوی" مرید شد
و چند اربعین بر آورد و بمرتبہ "قطبیت" رسید۔ و بیمن توجہ پیر خود تکمیل
کمال مکمل شد"

و در حیات خود "شیخ بایزید" را کہ پسر ارشد ایشاں بود۔ بملازمت
پیر خود "شیخ جمالی کنبوہ" برد۔ تا در سلک بیعت منسلک سازد۔ و حضرت
شیخ۔ اشارت بفرزند اکمل خود "شیخ گدائی" نمودند کہ تربیت و تلقین "بایزید"
بشما حوالہ رفتہ" و از "شیخ سلیمان شروانی" کہ صاحب سجادہ و
فرزند ارشد "شیخ بایزید" بود۔ منقول است کہ۔

در ایام سلطنت "شیر شاہ" شوری عرفان دستگاہ "شیخ محمد غوث
گوالیری" از بدسلوکی و ملاحظہ "افغانان" بہ دیار "گجرات" تشریف
بردہ بودند" و دراں ایام "شیخ بایزید" نیز بعزیمت خانہ مبارک" بہ
"گجرات" رسید۔ اتفاقاً "بادشاہ" آنجا مجلس وفات آنسرور علیہ الصلوٰۃ
والسلام مہیا گردانیدہ" جمیع مشائخ را۔ از مسافر و مجاور دراں مجلس استدعا
"شیخ محمد غوث" ساعتے چند پیشتر تشریف فرمودہ بودند" و "شیخ بایزید"
بعد از ایشاں رسیدند۔ و خواستند تاہر دو بزرگ با یکدیگر مصافحہ نمایند۔ حضرت
"شیخ محمد" پیشتر شتافتند و استقبال نمودہ دست دراز کردند۔ و "شیخ بایزید"
از آں طرف متوجہ شدند"

ناگاہ "شیخ گدائی" حاضر شدہ۔ دست "شیخ بایزید" را گرفتہ
بجانب خود کشیدند۔ و از مصافحہ منع نمودہ اشارت کشش کردند"
"شیخ محمد غوث" ازیں واقعہ بے متالم شدند" "بادشاہ گجرات" و
"شیر خاں فولادی" سبب آں استفسار نمودند"
"شیخ بایزید" گفت صورت پیر خود را معائنہ کردم کہ مرا ازیں معانقہ

مخزن افغانی میں ہے کہ "مشیخت دستگاہ" "معارف آگاہ" "شیخ راجو"
ولد "شیخ محمد زمان" "خود مرجع خاص و عام تھے" شروع طلب میں معرفت
پناہ "شیخ جمالی کنبوہی دہلوی کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے اور
چند چلوں کے بعد قطبیت کے مرتبہ پر پہنچے" اور اپنے پیر کی توجہ سے ان کی
تکمیل کمال مکمل ہو گئی"

اور اپنی زندگی میں "شیخ بایزید کو جو ان کے بڑے صاحبزادے تھے"
اپنے پیر "شیخ جمالی کنبوہ کی خدمت میں لے گئے تاکہ سلک بیعت میں منسلک
کریں" اور حضرت شیخ نے اپنے فرزند اکمل "شیخ گدائی" سے فرمایا کہ تربیت و
تلقین "بایزید کی تمہارے سپرد ہے" اور "شیخ سلیمان شروانی" سے جو صاحب
سجادہ اور بڑے صاحبزادے "شیخ بایزید کے تھے" منقول ہے کہ۔

"شیر شاہ سوری کی سلطنت کے زمانہ میں عرفان دستگاہ "شیخ محمد غوث
گوالیری" افغانوں کی بدسلوکی اور ملاحظہ سے "گجرات" "تشریف لے
گئے تھے" اور انہیں دنوں میں "شیخ بایزید بھی گجرات پہنچے اتفاقاً وہاں
کے بادشاہ نے مجلس وفات آنحضرت صلعم کی منعقد کر کے سارے مشائخوں مقیم و
مسافر کو اس مجلس میں بلانے کی درخواست کی "شیخ محمد غوث" تھوڑی دیر
پہلے تشریف لائے۔ اور "شیخ بایزید" ان کے بعد پہنچے" اور ان دونوں نے چاہا
کہ ایک دوسرے سے مصافحہ کریں" حضرت "شیخ محمد غوث گوالیاری" پہلے
آگے بڑھے اور استقبال کر کے اپنا ہاتھ بڑھایا" اور "شیخ بایزید" اس طرف
متوجہ ہوئے تھے"

ناگاہ "شیخ گدائی" نے حاضر ہو کر "شیخ بایزید کا ہاتھ اپنی طرف کھینچ لیا
اور مصافحہ کرنے سے منع کر کے پیچھے ہٹ جانے کا اشارہ کیا"
"شیخ محمد غوث اس واقعہ سے بہت رنجیدہ ہوئے" "بادشاہ گجرات
اور "شیر خاں فولادی" نے اس کا سبب پوچھا
"شیخ بایزید" نے کہا کہ میں نے اپنے پیر کی صورت دیکھی ہے کہ مجھے اس

جو اپنے ناظرین کو دھوکے میں ڈالنے کی کوشش کی ہے" اور اُن کے ممدوح "ملا عبدالقادر بدایونی نے (جنہیں اِن مؤلف صاحب نے) محتاط" ناقد" اور صاف گو مورخ" نیز مشائخ و اولیاء سے نہایت درجہ عقیدت رکھنے والے خطاب اپنی غرض کے لئے" یعنی شیخ ابن امروہوی" کو شیخ سے یہ دبانے کے لئے دیئے ہیں) جو شیخ گدائی زبیری کنبوہی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق ہرزہ سرائی کی ہے" کیونکہ اُن کی تردید ہمارے پیش کردہ متعدد ملفوظات اور تواریخ سے بلکہ خود ملائے بدایونی کے دوسرے بیانات سے بھی بخوبی ہو گئی ہے" اور شیخ گدائی کے حسب نسب پر کافی سے بھی زیادہ روشنی پڑ گئی ہے" نیز ان دونوں کے رنگِ طبیعت کا حال بھی صاف طور سے معلوم ہو گیا ہے" اس لئے ہمیں اس بحث پر اب مزید کچھ لکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے"

بابِ نہم

مزید تفصیل کے لئے اس موقع پر" ایلیٹ" کی پوری عبارت کا نقل کر دینا بے محل نہ ہوگا۔ (ص ۳۳۶)

"کنبوہ" خود اپنے بیان کے مطابق "کنبوہ خطہ ماوراء دریائے سندھ" کے قدیم باشندے ہیں" اُن میں سے اکثر کو (سلطان) محمود غزنوی نے" دین اسلام میں داخل کیا تھا" کابل کا سنسکرت نام "کمبوج" ہے۔

اور یہ نام "کمبوہ" سے اس درجہ مماثل و مشابہ ہے کہ مندرجۂ بالا روایت کی رُو سے" اِسی قوم کو کابل" کا قدیم ساکن سمجھنا دشوار نہ ہوگا"

"مسلمان کنبوہ" یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم "شاہانِ ایران" کے قدیم خاندان "کئے" کی نسل سے ہیں" جب اِس خاندان کا آخری بادشاہ" تختِ سلطنت سے معزول اور ملک بدر کر دیا گیا۔ تو وہ معہ اپنے خاندان و متوسلین کے کچھ عرصہ تک" قرب و جوار کے ممالک میں پھرتا رہا" یہ جماعت جہاں گئی "کئے انبوہ" کے لقب سے ملقب ہوئی "کنبوہ" اسی کی بگڑی ہوئی شکل ہے"

"دوسری روایت یہ ہے کہ" یہ لوگ نسباً اِسی نسل سے ہیں جس سے "کھتری" ہیں۔ ابتداً پنجاب میں مسکن گزین تھے"

"مسلمان کنبوہوں کو" دوسری اقوام کے مسلمان "کشمیریوں" اور افغانوں کے مثل اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے" فارسی میں ضرب المثل ہے" ؎

اگر قحط الرجال آفتد ازیں سہ اُنس کم گیری ۔۔۔ یکے افغان" دوئم کنبوہ" سوئم بدذات "کشمیری"

(دیکھو ہسٹری ایلیٹ جلد اوّل ص ۳۰۴)

(نوٹ ملا) از مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ "ضلع حصار" کی مطبوعہ تاریخ سے بھی اِس روایت کی تائید ہوتی ہے۔ اِس ضلع کے "کنبوہ" اپنا سلسلۂ نسب کھتریوں سے ملاتے ہیں" ص ۲۳ (تحقیق الانساب تاریخ امروہہ)

قبل اس کے کہ ہم "ایلیٹ" کی اِس تحقیقات پر قلم اُٹھائیں" یورپین سیاحوں اور مورخین کی تحریریں اچھی طرح سمجھ میں آجانے کے لئے اُن کی تحریروں اور تحقیقات کی حقیقت پر تھوڑی سی روشنی ڈال دینی مناسب سمجھتے ہیں" کیونکہ ان تحریروں کی وجہ سے ہزار ہا وہ اشخاص جن کی نظریں وسیع نہیں ہیں" اور جن کو صحیح تاریخی واقعات پڑھنے کا موقع حاصل نہیں ہے غلط فہمیوں کے شکار ہو گئے اور ہوتے چلے جا رہے ہیں"

یورپین سیاحوں" پادریوں" اور مورخوں کے نوشتوں کی حقیقت

(۱) رسالہ معارف اعظم گڑھ ... جلد ۱۲ بابت ماہ اگست ۱۹۲۳ء میں پروفیسر خواجہ عبدالحمید صاحب لیکچرار گورنمنٹ کالج

ملتان نے اپنے مضمون۔ اقبال علیہ الرحمتہ کے چند جواہر ریزے "جنہیں چننے کا مجھے موقع ملا" میں لکھا ہے کہ "چنانچہ طالب علمی کے سلسلہ میں جب اقبال انگلستان گئے (یہ ۱۹۰۵ء کا زمانہ تھا۔ تو انہیں بھی اس طرز خیال کا تجربہ ہوا" ایک مجلس میں ایک لیڈی صاحبہ پوچھنے لگیں کیوں مسٹر اقبال "کیا آپ کے پلنگ کے نیچے بھی ہر روز صبح کے وقت سانپ ہوتا تھا" ڈاکٹر صاحب نہایت سنجیدگی سے بولے "نہیں بی جان" ہر روز نہیں "ہر تیسرے دن"۔

(۲) رسالہ کائنات لاہور بابت ماہ دسمبر ۱۹۳۱ء کے صفحہ ۱۵ و ۱۶ پر ان سیاحوں اور مورخین کے چند لطیفے جو جناب ابوالفتح صاحب متین نے بھیجے تھے طبع ہوئے ہیں کہ:

۱۹۲۲ء میں ایک یورپین صاحب بحیثیت سیاح ہندوستان میں آئے اور خوب سیر کر کے جب واپس جانے لگے تو "بمبئی کے بندرگاہ پر ایک مغربی سیاح سے جو کسی اخبار کا نمایندہ تھا" اُن کی ملاقات ہوگئی" جس نے کہا کہ آپ تو ملک دیکھ کر جا رہے ہیں اور میں ابھی آیا ہوں ہندوستان کا کچھ حال تو بتا دیں" سیاح صاحب نے بتایا کہ "یہاں ابھی ہندوؤں اور مسلمانوں کے دو بڑے زبردست تہوار گذرے ہیں۔ ہندوستان میں "اکتوبر کا مہینہ بہت دلچسپ ہوتا ہے۔ اِس مہینہ میں "بقر عید اور ہولی" دو تہوار بڑے زبردست آیا کرتے ہیں "بقر عید میں تو مسلمان رنگ پھینکتے ہیں" اور ہولی میں ہندو" ہزاروں گائیں ایک ہی دن میں ذبح کر ڈالتے ہیں اور آپس میں بانٹ کر کھا جاتے ہیں"۔

"جو صحیح معلومات انہوں نے اس اجنبی کو پہنچائیں وہ اُس نے بجنسہ اپنے اخبار کو بھیجدیں" جو دوسرے ہفتہ میں شائع ہوگئیں" اور اُن پر ہندوستان کے اخباروں میں بہت لے دے کی گئی"۔

(۳) ان سے پہلے ایک فرنگی صاحب بہادر "بغرض سیاحت ہندوستان تشریف لائے تھے" ہنگری واپس پہنچکر انہوں نے اپنے ایک دوست سے فرمایا کہ ہندوؤں کے ممتاز ترین لیڈر "مسٹر جینا" کو میں انڈیا کا واحد اسپیکر سمجھتا ہوں۔ اور میرا خیال ہے کہ "پارلیمنٹری طرز حکومت کے نکات کو اُن سے بہتر جاننے والا کم از کم ہندوستان میں تو کوئی بھی نہیں ہے" اور ان ہی سے مل کر میں سب سے زیادہ خوش ہوا" میں نے اُن کی ذات میں "چھوت چھات کی" کوئی لغویت نہیں دیکھی" "یہ مسلمانوں نے یوں ہی مشہور کر دیا ہے کہ "تعلیم یافتہ ہندو بھی" "چھوت چھات کے قائل ہیں"۔

(۴) انقلاب لاہور ۲۸ فروری ۱۹۳۸ء کے صفحہ ۳ کالم ۱ و ۲ پر تحریر ہے کہ "ایک انگریزی اخبار" میں ایک سیاح کے متعلق ایک مزیدار لطیفہ شائع ہوا ہے۔ ایک یورپی سیاح ہندوستان میں وارد ہوئے۔ ایک رہبر کو ساتھ لے لیا۔ اور پا پیادہ دیہات کی سیر کرنے لگے "تاکہ شہروں کی مصنوعی زندگی چھوڑ کر اصلی ہندوستان کو دیکھیں" چلتے چلتے راستہ میں ایک گاؤں نظر پڑا۔ آپ نے رہبر سے پوچھا "اس گاؤں کا کیا نام ہے" "وہ کہنے لگا کہ "نہیں جانتا صاحب"۔ صاحب بہادر نے فرمایا۔ اچھا اِس گاؤں کا نام "نہیں جانتا" یہ کہکر نوٹ بک نکالی اور اُس میں لکھ لیا کہ فلاں شہر کے پاس تین میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں "نہیں جانتا" واقع ہے۔ "یہ نہایت سرسبز اور شاداب گاؤں ہے" میل ڈیڑھ میل اور آگے گئے تو ایک اور گاؤں دکھائی دیا" رہبر سے اُس کا نام دریافت کیا" اُس نے پھر وہی جواب دیا" نہیں جانتا صاحب" صاحب بہادر اُچھل پڑے اور نوٹ بک میں لکھا کہ ہندوستان میں یہ عجیب بات نظر آئی کہ ایک دو میل کے علاقہ میں دو گاؤں ہیں اور ان دونوں کا ایک ہی نام ہے" صاحب نے اِس دوسرے گاؤں کا نام "دوسرا نہیں جانتا لکھا" اور آگے چل دیئے "ایک اور گاؤں دکھائی دیا۔ "رہبر سے دریافت کیا تو پھر وہی جواب ملا" اب تو صاحب کا پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا اور وہ جھنجھلا کر کہنے لگے "عجیب لغو ملک ہے" اس کے ہر گاؤں کا نام "نہیں جانتا" ہے۔ پھر رہبر سے پوچھنے لگے "کیا نہیں جانتا" تمہارے ملک کے کسی بادشاہ کا نام تھا" رہبر نے پھر وہی جواب دیا کہ "نہیں جانتا صاحب" صاحب کہنے لگے جب ہی وہ بادشاہ ہر گاؤں کا نام "اپنے ہی نام پر رکھ گیا ہے"۔

(۵) فاران بجنور ماہ اکتوبر ۱۹۳۶ء کے صفحہ ۳ پر ہے کہ "اورنگ زیب کے متعلق صحیح رائے قائم کرنے کے لئے معتبر تواریخ اور اصلی تاریخی مسودات کا تنقیدی مطالعہ لابدی ہے" تاریخ ہند کی معمولی کتب نصاب سے جو اسکولوں میں پڑھائی جاتی ہیں اور زیادہ پراگندگی ہوتی ہے" کیونکہ ان میں تاریخی حقائق کو تمام تر مخفی رکھا گیا ہے" اور شہنشاہ کے کردار پر سیاہ نقاب ڈالا گیا ہے۔

(۶) روزنامہ انقلاب لاہور ۱۵ مارچ ۱۹۳۶ء کے صفحہ ۵ کالم ۲ پر تحریر ہے کہ "فرقہ پرست اسکالر تحقیق و تفتیش کے لئے مشہور ہیں" کہا جاتا ہے کہ وہ برسوں تحقیق کے کوچوں کی گرد چھانتے ہیں" کے بعد کسی چیز کو دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں لیکن اسلام کے معاملہ میں باوجود ... تعصبی اور جنبہ داری ... کے

نے قیاس دوڑا کر" اس طرح سے نزول وحی کو دھوکا ثابت کرنے کی مکروہ تدبیر کی ہے "

(۱۰) انقلاب لاہور۔ ۱۰؍جولائی ۱۹۳۷ء کے ص۵ کالم ۲ پر "پنجاب اسمبلی میں نظام تعلیم اور نصاب تعلیم پر بحث غیر صحیح تاریخی واقعات کتب سے حذف کر دینے کا مطالبہ" کی سرخی کے تحت تحریر ہے کہ "سردار ہری سنگھ نے تحریک پیش کی کہ "یونیورسٹی گرانٹ میں ایک سو روپیہ کی تخفیف کی جائے" اس تحریک کے پیش کرنے سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ "تعلیمات کے سسٹم پر بحث کی جائے" نواب احمد یار خاں دولتانہ "چیف سیکرٹری یونینسٹ (اتحادی) پارٹی نے اپنی تقریر کے دوران میں بیان کیا کہ "میں تاریخ کے مطالعہ کا عادی ہوں اور مجھے سیاسی زندگی کا بھی سترہ سالہ تجربہ ہے" مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ ہمارے اسکولوں اور کالجوں کے نصاب کی غیر صحیح تاریخ ہی فرقہ وارانہ ذہنیت کے پیدا کرنے کی موجب ہے" اس پر فرقہ وار تعلیمی ادارے جلتی پر تیل کا کام دیتے ہیں "مذہبی مبلغین" خود غرض اور متعصب لیڈر۔ اس سے اور بھی اشتعال کا کام لیتے ہیں (نعرہ تحسین) میں نے ۱۹۲۷ء اور ۱۹۳۱ء میں حکومت کو تاکید کی تھی کہ تاریخ کے غیر صحیح واقعات کو "نصاب تعلیم سے نکال دیں" مجھے یہ دیکھکر حیرانی ہوئی کہ خاص افسر نے جسے حکومت نے اسی مقصد کے لئے مقرر کیا تھا "مجھ سے مشورہ کئے بغیر (میرا خیال ہے کہ اس نے اور کسی سے بھی مشورہ نہیں کیا تھا) رپورٹ کر دی کہ کسی قسم کے تغیرات کی ضرورت نہیں" مسٹر نسیم حسین نے بیان کیا کہ موجودہ سسٹم ذہن اور جسم پر بہت برا اثر ڈالتا ہے" میاں عبد الحئی وزیر تعلیم نے مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ میں اس امر کے اعتراف کے لئے آمادہ ہوں کہ سرکاری اداروں میں بھی وہ فضا طاری ہے" بیگم شاہنواز نے اس امر کے خلاف شدید احتجاج کیا کہ تعلیم اور اسپورٹ (کھیل) ہی فرقہ وارانہ ذہنیت میں رنگے جا رہے ہیں۔ اور اپیل کی کہ اس ذہنیت کا فوری استیصال ہونا چاہئے "

(۱۱) ماہنامہ دلگداز لاہور۔ ۱۵؍جون ۱۹۳۷ء کے ص۶۴ و ۶۵ پر "درسی کتب تواریخ و تعلیم کی سرخی کے تحت چودہری عبد اللطیف صاحب سلیم اسلامیہ کالج لاہور نے لکھا ہے کہ "تواریخ اٹھایئے آج سے سال ہا سال کے واقعات کو رٹ لیجئے" مثلاً حادثہ بلیک ہول (حادثہ بلیک ہول کی طرح سو منات کے اصل پھاٹک کا ہندوستان میں لانا بھی تحقیقات سے غلط ثابت ہو چکا ہے۔ دیکھو انقلاب ۵ فروری ۱۹۳۷ء علی ہذا القیاس پھر الف بے پڑھئے" انگریز یہاں کیسے آیا" ایسٹ انڈیا نے یہاں کیا کیا کارنمایاں کئے" بھلا غور کیجئے۔ ان اسباب کا درس تو انگریز بچوں کے لئے مفید اور تازگی حیات کا موجب ہو سکتا ہے نہ کہ ہندوستانیوں کے لئے" اور لیجئے مسلمان بادشاہ ایسے تھے۔ ویسے تھے" ہندو مسلم کش تھے" متعصب تھے" ہندوستانی جاہل تھے" غیر مہذب اور جنگلی تھے" رہنے سہنے کے آداب سے ناواقف تھے" کیا یہ سب ہزلیات اور دور از کار حکایات بے معنی نہیں" اس غلط سلط تاریخدانی کا آخر منشا یہی تو ہے کہ "ہندوستانی آپس میں وطنی محبت کے جذبہ کو استوار نہ کر سکیں "

(۱۲) کتاب پرشیا کے دیباچہ میں ص۸ پر مصنف نے "انگریزی میں" بو شہر کو "بو شایر" اور "مشہد کو مشید" لکھا ہے" حسن بن صباح کا عربی خطاب "شیخ الجبل" تھا" جو عیسائی محاربات صلیبی میں شریک تھے" انہوں نے اس لفظ کا ترجمہ "یورپ میں جاکر "پہاڑی بڈھا" کیا۔ چنانچہ یورپ میں "حسن بن صباح" "پہاڑی بڈھے" کے نام سے مشہور ہے "

ہر بہرٹ نے ناموں کے صحیح کرنے میں صحت کا خیال نہیں رکھا" بلکہ جو آواز اس کے کانوں کو بھلی معلوم ہوئی اس کے لحاظ سے اس نے اس کا تلفظ لکھنے میں ادا کیا" جلفہ کو اس نے "جیلفینا" بنا دیا" طہران کا "ٹائی ران" شیری جان کا "سیری جان" پادشاہ" کا "پاٹ شاہ" گذشتہ صدی میں انگریزی کارخانے کے اہلکار" شاہ طہماسپ" کو "شاہ ٹامس" لکھتے تھے" (نوٹ کتاب پرشیا ص۲۲۵ و ۲۲۶)

(۱۳) کارنامہ راجپوتان کے ص۲۵ تا ۳۸ پر ہے کہ "کرنل جیمس ٹاڈ" نے جو "راجستان" کی تاریخ لکھی ہے۔ اس میں دیسی روایتوں کے بھروسہ پر بہت باتیں خلاف واقعہ درج ہو گئی ہیں" اسی طرح اور بعض فرنگیوں نے جو اپنی زبانوں میں یہاں کی تاریخیں لکھی ہیں" انہوں نے ناواقفیت اور حقیقت حال کا پتہ نہ لگنے سے غلط واقعات کو صحیح واقعات کے ساتھ گڈ مڈ کر کے تحریر کیں" اس لئے اب کوئی محقق" اور واقعات نگار" جس کا مذاق تاریخی

(نوٹ علی) نواب احمد یار خاں دولتانہ کی یہ پوری تقریر روزنامہ انقلاب لاہور ۲۰؍جولائی ۱۹۳۷ء کے ص۲ اور ص۸ تا ۱۰ اور ص۱۵ تا ۱۸ اور ص۲۱ پر ہے" اپنی اس طویل تقریر میں نواب دولتانہ نے تاریخی درسی کتابوں کے درج شدہ اکثر واقعات پر جو ان میں غلط تحریر ہیں شرح و بسط سے روشنی ڈالی ہے" اور اس مضمون کے پڑھنے سے ان تاریخوں کی اصلی حقیقت خوب طرح عیاں ہو گئی ہے "

صحیح ہو" اُن کو یا تو تک نہیں لگاتا" وہ اس زمانہ میں بوجہ اپنے متعصبانہ رنگ" اور غلط بیانیوں سے لبریز ہونے کے" پایۂ وقعت سے ساقط ہو گئی ہیں۔ مگر اُن کے سبب سے اہلِ یورپ کے دل و دماغ میں جو غلط خیالات "نقش کالحجر" ہو گئے ہیں" وہ کسی طرح مٹائے نہیں مٹ سکتے" اگر اب کوئی محقق خواہ کیسا ہی اس ملک کی تاریخ کا عالم و فاضل ہو" وہ اُس پر کیونکر حک لگائے" تو اہلِ فرنگ درکنار" خود اپنے ملک کے نزدیک جاہل بے فرہنگ سمجھا جاتا ہے"

ہندوؤں نے بھی باوجود متعدد علوم میں دستگاہ کامل بہم پہنچانے کے" شعبۂ تاریخ نگاری پر کچھ توجہ نہ کی" یہ کام بھاٹوں کے قابل سمجھ کر اُن کی روایا پر منحصر رکھا" جس سے اُن کی مشہور و قدیم کتب مثل" وید" "پُران" "قوانین منو" "مہابھارت" اور "رامائین" وغیرہ کے سوائے" جو اُن کے مذہبی اعتقادات" "قومی رسمیات" اور "ذاتی خیالات" کا بڑا مخزن ہیں" ملکی واقعات کی یادگار مفقود ہو گئی"

(الف) ٹاڈ نے "سلطان خرم" (شاہجہاں کا شہزادگی کا نام) کی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ "غالباً وہ اصل میں کورم تھا" جس کے معنی "کچھوا" ہے کے ہیں۔ جو اس کی راجپوتنی ماں کی قوم کا نام ہے" یہ قیاس صحیح نہیں ہے" مسلمانوں میں بیٹے کے نام میں ماں کی قوم کو کچھ دخل نہیں ہوتا" باپ دادا کا نام رکھا کرتے ہیں" اصل یہ ہے کہ "خرم" فارسی کا لفظ ہے "تازہ" کے معنی میں" مجازاً "شاد و خوش" کے معنی میں استعمال پاتا ہے"

(ب) افغان "بنو اسرائیل" ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں" جن کو فلسطین سے "جرمز" (بخت نصر) نامی شخص قید کر کے "میڈیا" یا "دبابل" لے گیا تھا" لیکن اُن کو اپنے اوپر "یہود" کے لفظ کا اطلاق ناگوار گذرتا ہے" کیونکہ یہ فرقہ کفار بنی اسرائیل سمجھا جاتا ہے" ٹاڈ نے طرفگی یہ کی ہے کہ "پٹھانوں" کو "جادو راجپوتوں" میں سے نکلا ہوا بتایا ہے" اور یہ قیاس کیا ہے کہ "جادو" اور "جھودی" ایک لفظ ہو سکتا ہے جس کو بولتے ہیں" زمانہ گذرنے کے سبب سے فرق آ گیا ہے" اور یہ نہایت بعید و لغو خیال ہے"

(۱۴) رسالہ معارف اعظم گڑھ نمبر ۵ جلد ۳۲ بابتہ ماہ رجب ۱۳۵۲ ہجری مطابق ماہ نومبر ۱۹۳۳ء کے صفحہ ۳۶۶ پر خان بہادر مولوی "محمد حسین خاں صاحب" سابق ڈپٹی اکاؤنٹنٹ جنرل گورنمنٹ آف انڈیا" اور "سابق وزیر مال و خزانہ ریاست رامپور" نے "اپنے مضمون" "اسلامی ہند کی تاریخ" میں تحریر کیا ہے کہ "یہ جو فسانے" "مسلمانوں کے گذشتہ مفروضہ مظالم" اور برائیوں کے" "فخریہ طور پر نہایت بیباکی کے ساتھ" "یورپین اہلِ قلم" بہ آواز دُہل" دنیا کو سنانے کے عادی تھے" اُن پر یورپ کی گذشتہ جنگ عظیم نے پانی پھیر دیا" اور اب بہت کم ذکر "کتب خانۂ اسکندریہ کے ضائع ہونے" اور "کلکتہ کے بلیک ہول کا سننے میں آتا ہے" مگر جو گہرا اثر اس قسم کی زہر افشانی" اس ملک کے بہت بڑے حصہ آبادی پر کر چکی ہے" اُس کے زائل ہونے میں مشکلات حائل ہیں اور مدت مدید درکار ہے"

مجھ پر جو اثر نصاب تعلیم کا ہوا وہ تو یہ ہے کہ "بارہ تیرہ سال کی عمر میں جب "راجہ شیو پرشاد کی تاریخ ہندوستان" اسکول میں پڑھتا تھا" تو مجھے ہندو ہم جماعت طالب علموں کے سامنے مسلمان بادشاہوں کے حالات پڑھ کر نہایت شرم آتی۔ اور آنکھ نیچی کرنی پڑتی تھی" وہ کیفیت میں اب تک نہیں بھولا ہوں" اس کے بعد جب انٹرنس میں "سر ولیم ہنٹر" کی "مختصر تاریخ ہند" پڑھنے کی نوبت آئی۔ تو اُس کے بعض صفحے اب تک دل پر نقش فی الحجر ہیں" مثال کے طور پر ان چند فقروں کا بیان کافی ہوگا" جو اب تک مجھے بخوبی یاد ہیں" اور آئندہ اُن کے دل سے محو ہونے کی بھی امید نہیں ہے"

حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں لکھے گئے تھے۔ اور اُن کا مفہوم حسب ذیل ہے"

"اورنگ زیب ایک اچھا فرمانروا ہوتا" اگر قید کرنے کے لئے اُس کا باپ نہ ہوتا" قتل کرنے کو بھائی نہ ہوتے" اور ظلم کرنے کے واسطے" ہندو رعایا نہ ہوتی"

(۱۵) کتاب دوم تاریخ ہند مصنفہ مسٹر ہاشمی رکن دارالترجمہ جامع عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن کے صفحہ ۱۹ پر تحریر ہے کہ "انگریز مؤرخوں نے تو یہ غضب کیا ہے کہ جن ماخذوں پر اپنی کتابیں لکھی ہیں۔ اُن کو پڑھنے میں بھی غور و فکر یا صحت و تحقیقات سے کام نہیں لیا" نتیجہ یہ ہے کہ صرف واقعات سنین میں جا بجا بے شمار غلطیاں رہ گئی ہیں بلکہ یہ انگریزی تاریخیں از سرتاپا کسی اجنبی سیاح کی تحریریں معلوم ہوتی ہیں جو نہ ملک سے واقف ہیں اور نہ اہلِ ملک سے"

ایلیٹ کی تاریخ کی حقیقت

ہم نے نہایت مختصر طور سے یورپین سیاحوں اور مؤرخوں کی تحریروں کے چند نمونے پیش کئے ہیں۔ اب ہم "ایلیٹ" کی تاریخ اور تحقیقات کی حقیقت دکھاتے ہیں۔

ہم نے دوسری جگہ بتایا ہے کہ "ایلیٹ" نے کوئی خاص تحقیقات نہیں کی ہے۔ "اس نے صرف قدیم تاریخوں کے انگریزی ترجمہ پر اکتفا کیا ہے۔ مگر یہ کھلا ہوا واقعہ ہے کہ اس نے بڑی حد تک ان تراجم کے اکثر حصوں کو غلط پیش کیا ہے۔ اور ان میں جہاں جہاں اپنی آراء پیش کی ہیں۔ ان میں اس نے اپنی مصلحتوں اور سیاستِ ملکی کو پیش نظر رکھا ہے کیونکہ عبارتوں میں اسی مقصد سے تحریفیں کی ہیں۔ اور غلط رائیں پیش کی ہیں۔ اس لئے مؤرخین نے اسے ساقط الاعتبار قرار دیا ہے۔"

آج کل کے اکثر انگریزی داں حضرات کیونکہ عربی و فارسی زبانوں پر عبور بالکل نہیں رکھتے یا بہت ہی کم رکھتے ہیں۔ اور پرانی عربی فارسی تاریخوں کی جستجو بھی کچھ کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے پرانے واقعات کے لئے وہ "ایلیٹ" وغیرہ کی تاریخ پر اکتفا کر لیتے ہیں۔ اور اسی کے بیان کو آیت و حدیث سمجھ کر بلا دوسری تاریخوں سے مقابلہ کئے، جہاں ضرورت سمجھتے ہیں پیش کر دیتے ہیں۔

(۱) اورینٹیل کالج میگزین لاہور حصہ اوّل بابت ۱۵ مئی ۱۹۳۴ء کے صفحہ ۱۰۵ پر تحریر ہے کہ "تاہم با ادب گذارش کی جا سکتی ہے کہ جناب عزیز احمد صاحب ایم۔اے" کے مضمون میں "زبان کی خامیوں کے علاوہ اسلوب بیان" میں "بھی بہت سی" خامیاں ہیں۔" ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "فاضل مقالہ نگار نے" اصل کتابوں کے دیکھنے کے بجائے غالباً "ایلیٹ" وغیرہ کے ترجموں کے مطالعہ تک اپنے آپ کو محدود رکھا ہے۔" چنانچہ بعض جگہ عجیب و غریب سہو ہوا ہے۔ مثلاً "ابن بطوطہ" کو "ابن ابطوطہ" لکھا ہے۔ صفحہ ۱۰۸ پر "سلطان قطب الدین ایبک" کو "سخت دل" "بے رحم" اور ظالم قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ تمام تاریخی واقعات کے خلاف ہے۔"

(۲) سید ہاشمی صاحب فرید آبادی رکن سررشتہ تالیف و ترجمہ نے تاریخ ہند کتاب دوم برائے انٹرمیڈیٹ مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی ۱۹۲۱ء کے صفحہ ۱۰ کے نوٹ میں لکھا ہے کہ "ایلیٹ" کے انگریزی ترجمہ میں کئی نقص اور غلطیاں ہیں۔ "ملتان و منصورہ" کے متعلق اس کا یہ لکھنا کہ وہاں "فارسی" اور "سندھی" "زبان رائج تھی۔ بالکل خلاف واقعہ ہے"۔ اور

صفحہ ۲۲ پر نوٹ دیا ہے کہ "یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ عربی حکومت نے "بہت سی پنچایتیں" خود مختار اور نہایت منظم حالت میں رہنے دی تھیں" سر ہنری ایلیٹ" لکھتے ہیں "کہ ہندوؤں کے ساتھ نفرت اس کی وجہ تھی" مگر اس عجیب بدظنی کا کوئی معقول سبب انہوں نے پیش نہیں کیا۔ اسی طرح ان کے بعض اور اعتراضات بھی جن کی تاریخ سے مطلق تصدیق نہیں ہوتی۔ ان کے ذاتی تعصب پر دلالت کرتے ہیں"۔ اور

صفحہ ۲۳ پر لکھا ہے کہ "مختلف تاریخوں کو غور اور احتیاط سے پڑھنے کے بعد راقم الحروف اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ "موجودہ ریاست قلات و بلوچستان" کا مشرقی ثلث" ان دنوں "ریاست سندھ" میں داخل تھا۔ اور ابتدائی فتح کے بیس برس بعد یہ ہی مشرقی ٹکڑا مسلمانوں نے تسخیر کرکے "صوبہ مکران" میں جو پہلے فتح ہو چکا تھا شامل کر لیا۔ اور اس وقت سے یہ نیا شامل کیا ہوا حصہ بھی جو پہلے "سندھ" کہلاتا تھا "مکران" کہلانے لگا" یہ ہی وہ نکتہ ہے جس کی قدیم اسلامی مورخوں نے صراحت نہیں کی۔ اور جس کو نہ سمجھنے کی وجہ سے "ایلیٹ" کو بہت پریشانی پیش آئی۔ اور اس نے کئی جگہ غلط قیاس کیا۔"

(۳) مولانا سید طفیل احمد صاحب علیگ کا "ہندوستان کے ہندو و مسلمانوں میں پھوٹ کیسے ڈالی گئی" کی سرخی سے ایک مضمون "اخبار البشیر اٹاوہ" مورخہ ۲۰ جون ۱۹۳۹ء میں شائع ہوا تھا۔ اس میں "سر ایلیٹ" اور ان کی تاریخ کی حقیقت پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے کہ "ان اصحاب کی سب سے بڑی غرض یہ تھی کہ ہندوستانی متحد نہ ہونے پائیں۔" اور اس لئے انہوں نے ہندوستان "میں فرقہ وارانہ جذبات پیدا کئے" جن کا یہاں وجود نہ تھا۔ اس امر کی تصدیق کہ زمانہ سابق میں یہاں مذہبی اختلافات نہ تھے۔ بہ شمول اقوال سے ہوتی ہے۔ ان میں سے صرف

سر جان مینارڈ" سابق ممبر انتظامی کونسل پنجاب کا قول نقل کرنا کافی ہوگا" انہوں نے فرمایا کہ "ہندو مسلمانوں کے مابین" عام مخالفت" برطانیہ کے عہد میں شروع ہوئی "۔ اس کے بعد جو طریقہ اختیار کیا گیا" اس کا حال "سر جان میلکم" کے قول سے معلوم ہوگا جو یہ ہے "

اس قدر وسیع سلطنت میں ہماری غیر معمولی قسم کی حکومت کی حفاظت اس امر پر منحصر ہے کہ "ہماری عملداری میں جو بڑی جماعتیں ہیں" ان کی عام تقسیم ہو" اور پھر ہر ایک جماعت کے ٹکڑے" مختلف ذاتوں" اور فرقوں" اور قوموں میں ہوں" جب تک یہ لوگ اس طریقہ سے جدا رہیں گے" اس وقت تک غالباً کوئی بغاوت اٹھکر ہماری قوت کے استحکام کو متزلزل نہ کرے گی" اس اصول کے تحت میں بہت سی تدابیر اختیار کی گئیں۔ جن میں سے بعض عارضی ہوتی تھیں۔ اور بعض مستقل" ان میں سے مستقل وہ تاریخیں ہیں۔ جو کمپنی کے دورِ حکومت میں لکھی گئیں" ان میں سے مشہور تاریخ "سر ہنری ایلیٹ" کی تھی۔

جنہیں یہ بات سخت ناگوار تھی کہ لکھے پڑھے ہندو" مسلمانوں کے گذشتہ عہدِ حکومت کی تعریف کیا کرتے تھے" اور "عہد جدید" کی عیب جوئی کرتے تھے" اس زمانے میں جس قدر کتابیں اور تاریخیں" خود ہندو مصنفوں کی لکھی ہوئی تھیں" ان سب سے مسلمانوں کی عظمت اور وقعت کا اظہار ہوتا تھا۔ اور اس کو بعض انگریز برداشت نہ کر سکتے تھے" اس لئے سب سے اوّل "سر ہنری ایلیٹ" نے جو "ہندوستان" میں بڑی بڑی عہدوں پر رہے تھے" اور آخر میں "گورنمنٹ ہند کے فارن ڈیپارٹمنٹ میں سیکرٹری ہو گئے تھے" ہندوستان کی ایک تاریخ لکھی" اس کی پہلی جلد ۱۸۴۹ء میں شائع کی" (یہی) وہ سب سے پہلی تاریخ ہے" جس نے زمانہ قدیم" اور بالخصوص مسلمانوں کے عہد کے خلاف" خوب خوب زہر اگلا ہے" اور تاریخی میدان میں یہی وہ پہلی کتاب آئی" جس کے ترجمے" دیسی زبانوں میں کرا کے" ان کے ذریعہ اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے دلوں میں "مسلمانوں کی طرف سے عناد اور دشمنی کا بیج بویا گیا" اگر کسی شخص کو اس تاریخ لکھے جانے کا مقصد معلوم کرنا ہو۔ تو اس کے لئے صرف اس کا دیباچہ پڑھ لینا بالکل کافی ہوگا" جس میں مورخ نے اپنے منشار کو واضح اور صاف الفاظ میں لکھدیا ہے" مثلاً صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ "بڑا افسوس ہندو مصنفین پر آتا ہے" جن سے ہمیں توقع ہو سکتی تھی کہ اس قوم کے مخصوصات" توقعات" اور معتقدات" ہمیں معلوم ہوتے" مگر وہ تو احکام اور ہدایات کے مطابق لکھتے ہیں" ماہِ محرم کو محرم شریف" اور "قرآن کو کلام پاک کہتے ہیں" اپنی تحریرات کو بسم اللہ سے شروع کرتے ہیں"

ایلیٹ صاحب کو ہندو مصنفین کی اس بات پر سخت غصہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے مراسم" اور مذہب کی" اس قدر عظمت کیوں کرتے ہیں" ایک معمر ہندو نے" کہیں لکھدیا ہوگا کہ وہ اپنی ارتھی کے قریب۔ اور اپنی قبر کے کنارے کھڑا ہے" تو ایلیٹ صاحب" ناراض ہو کر فرماتے ہیں کہ اسے علم ہوگا کہ میری لاش جلا کر اس کی راکھ "گنگا" میں بہا دی جائے گی۔ پھر اس نے قبر کے کنارے کھڑا ہونا کیوں لکھا" درآں حالیکہ مصنف مذکور نے جو کچھ لکھا۔ وہ محض اس لئے لکھا تھا کہ ایک بات کو مختلف پیرایوں میں لکھنا لٹریچر کی ایک خوبی سمجھا جاتا ہے" سب سے زیادہ "ایلیٹ صاحب" کو غصہ اس بات پر تھا کہ"

اب جبکہ ہندو" اپنے ظالم (یعنی مسلمان) آقاؤں کے چنگل سے نکل کر آزاد ہو گئے۔ اور بغیر روک ٹوک کے اپنے دل کی باتیں ظاہر کر سکتے ہیں۔ تب بھی ان غلامانہ ذہنیت کے لوگوں میں سے ایک بھی "ملک کے مخصوصات سے مطابق نہیں" (کتنا بڑا طویل زمانہ کی مظلومیت کے خیالات" اور جذبات کا اظہار نہیں کرتا") مگر حقیقت یہ ہے کہ "ہندوؤں کو اگر مسلمانوں کے زمانہ میں تکلیف پہنچی ہوتی۔ تو وہ آزادی کے زمانہ میں ضرور اس کا اظہار کرتے" البتہ ایلیٹ صاحب کو" اس سے سخت تکلیف پہنچی تھی" کہ ہندو" مسلمانوں کے عہدِ حکومت کی کیوں تعریفیں کرتے تھے" اور انگریزوں کے عہد کی کیوں عیب جوئی کرتے تھے" اس لئے انہوں نے کوشش کی کہ تاریخوں کو چھان ڈالا جائے۔ ان میں سے ایسے واقعات نکالے جائیں" جن سے یہ نتیجہ نکالا جا سکے" کہ مسلمانوں کا عہد" ظالمانہ تھا" اور انگریزوں کا عہد۔ خدا کی رحمت ہے"

چنانچہ اس مقصد کو انہوں نے" حسب ذیل الفاظ میں واضح کیا" وہ لکھتے ہیں کہ "اگرچہ پرانی تاریخوں کی قدر و قیمت کم ہے" تاہم غور کرنے سے ان میں بہت سا مواد مل سکتا ہے" ان کے ذریعے سے جہالت کا جو پردہ" دور کیا جا سکتا ہے" جس نے ہندوستان کی معلومات کو تاریک کر رکھا ہے" اور یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ "مسلمانوں کے عہد کی تاریخ" ابھی لکھنے کو باقی ہے" اور ... رعایا کو ان بے شمار فوائد کا احساس کرایا جا سکتا ہے"

جو ہماری نرم اور منصفانہ حکومت سے حاصل ہوئے ہیں" ایک عجیب بات یہ ہے کہ "ایلیٹ" صاحب کو صرف پرانے زمانے کے "ہندو مسلمان" دونوں پر ہی غصہ نہیں" بلکہ جدید تعلیم یافتہ ہندوستانیوں پر بھی غصہ ہے" جن کے لئے وہ تحقیر کے طور پر "بابو" کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ "اب ہم ان شاندار بابوؤں کی کچھ نہ سنیں گے" جنہیں ہماری گورنمنٹ کے عہد میں" حد درجہ کی آزادی" اور بہت سے سیاسی حقوق" حاصل ہیں" جو کبھی کسی قوم کو نہیں دیئے گئے" جو ملکی ہمدردی کا دم بھرتے ہیں" اور اپنی موجودہ حالت کا رونا روتے ہیں"

اگر وہ تواریخ میں غوطہ لگائیں گے" تو انہیں معلوم ہو جائے گا" کہ جس زمانے کے واپس آنے کی وہ تمنا کرتے ہیں" اس میں وہ اگر کھلے بندوں بآواز بلند ان لغویات کو ظاہر کرتے" تو انہیں سیسہ پلا دیا جاتا" یا دار میں چنوا دیا جاتا"

اب ہم بلا لگان اراضی کے متعلق شور و غوغا سننے پر مجبور نہ ہوں گے" در آں حالیکہ ہر صفحہ سے ظاہر ہے کہ پہلے زمانے میں کوئی ملکیت ایسی نہ تھی" جو قانوناً ضبط نہ ہو سکتی" اور نہ ہوتی"

مورخ کی بڑی تعریف یہی جاتی ہے کہ" وہ نفسانیت" ذاتیات" اور خود غرضانہ جذبات سے" بالاتر ہو کر لکھے" برخلاف اس کے جو کتاب" محض دو قوموں میں منافرت" پھیلانے کی غرض سے لکھی جائے" اور لکھتے وقت صاف الفاظ میں کہا جائے" کہ قدیم تاریخوں میں کچھ نہیں" بلکہ واقعات سے حسب منشاء نتائج نکالے جاتے ہیں" جو مورخ انہوں اور غیروں پر اس بات سے ناراض ہو" کہ فلانے زمانے یا فلاں قوم کی تعریف کیوں کی جاتی ہے" ہندوؤں پر اس لئے ناراض ہو کہ مسلمانوں کی سلطنت چلے جانے پر مسلمان بادشاہوں کی برائی نہیں کرتے" اور ہمارے زمانہ کی خوبیوں کی تعریف کرنے کی جگہ" اس کی عیب جوئی کرتے ہیں" اور اپنے مقصد کو صریح الفاظ میں لکھ دیا جائے کہ اس کی غرض" بابوؤں کی تردید" اور" انگریزوں کی سلطنت کے فوائد" ذہن نشین کرنا ہے" تو سمجھ میں نہیں آتا" کہ اس کا شمار" تواریخ میں کس طرح ہو سکتا ہے" مگر ہندوستانیوں کی قسمت" اس دور میں پھوٹ گئی ہے" جب اس قسم کی کتابوں پر دیسی زبانوں میں" تاریخی تعلیم ہی گئیں" اسکولوں میں جاری کی گئیں" اور رفتہ رفتہ وہ ہی اختراع پرداز یاں" اور جھوٹ" موجودہ تاریخ کا جزو بنا دی گئیں" چنانچہ یہ ہی وہ تعلیم ہے" جس کا پھل چکھنے سے" ہندوستان میں مذہبی" افتراق" پیدا ہوا" اس کی تصدیق سر جان مینارڈ ممبر ایگزیکٹو کونسل پنجاب کے حسب ذیل قول سے ہوتی ہے" ہندوستان میں خانہ جنگی کی طرف رجحان موجود ہے" اور یہ واقعہ ہے کہ" اگر یہ رجحان نہ ہوتا تو ہماری حکومت قائم نہ ہو سکتی" نہ برقرار رہ سکتی" یہ بھی صحیح ہے کہ" ہندو مسلمانوں میں عام مخالفت" برطانیہ کے عہد میں شروع ہوئی۔ اگرچہ اس سے پہلے بھی بادشاہ گذر چکے ہیں" جنہوں نے غیر مسلموں پر کبھی جزیہ لگایا" اور کبھی ذبیحہ گاؤ پر" مجنونانہ جوشوں میں آ کر سزائیں دیں" لیکن یہ واقعات گاہے ماہے پیش آتے ہیں" شجر علم کا پھل چکھنے سے پہلے" عوام میں" مذہبی افتراق کا احساس" نہ تھا" خواہ ہندو ہوں یا مسلمان" دونوں ایک ہی معبد میں مصروف پرستش ہوتے تھے" (ماخوذ از ان ہیپی انڈیا مصنفہ لالہ لاجپت رائے صفحہ ۔)

اب سوال یہ ہے کہ" وہ کونسا پھل ہے" جس کے چکھنے سے" مذہبی افتراق پیدا ہوا" اس کا جواب صاف یہ ہے" کہ" علوم جدیدہ میں کوئی ایسا مضمون نہ تھا" جس سے" ہندو مسلم فساد ہوتے" اور نہ عام تاریخوں میں اس قسم کی حیثیت تھی" بلکہ سمیت جو کچھ ہے وہ اس قسم کی تاریخوں میں ہے" جس کی ابتداء" ایلیٹ صاحب نے کی" اور دوسرے اصحاب نے ان کی پیروی کر کے" ملک کے امن کو باہمی خلفشار میں بدل دیا" اور جو فرقہ وارانہ سیاسی جماعتوں کے قیام ہونے کا باعث ہوا" (ماخوذ از کتاب مسلمانوں کا روشن مستقبل")

(نوٹ ۱) اخبار البشیر اٹاوہ مورخہ ۲ مئی ۱۹۲۳ء مطابق ۱۷ محرم ۱۳۴۱ ہجری کے صفحہ کالم ۱ پر اپنے مضمون کے سلسلہ میں ایڈیٹر صاحب نے لکھا ہے کہ" چونکہ غدر ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں سے زیادہ ہندوؤں نے حصہ لیا تھا۔ اور ہندو بھی علانیہ بادشاہ کی جے کے نعرے بلند کر رہے تھے" اس وجہ سے گورنمنٹ کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ تعلیم کے ذریعہ سے ہندو مسلمانوں میں نااتفاقی پیدا کرائی جائے۔ اس مقصد کے لئے راجہ شیو پرشاد سے" آئینہ تاریخ نما" تصنیف کرائی گئی" جو تاریخ ہمارے صوبہ متحدہ میں پرائمری" مڈل" اور ہائی اسکولوں میں" نیچی جماعت سے لیکر اونچی جماعت" تک یہ ہی تاریخ پڑھائی جاتی تھی اور اونچی جماعتوں میں اسی کتاب کا حصہ" آئینہ تاریخ نما" الیٹ لیا ہے" تاکہ" مسلمان بادشاہ نہایت ظالم تھے" انہوں نے ہندوؤں پر بہت ظلم و ستم کئے۔ ہندوؤں کو مسلمان کیا [illegible]

[illegible]

(۴) مولوی ذکاء اللہ صاحب کی تاریخ ہندوستان جلد ششم کے صفحہ ۲۹۵ پر تحریر ہے کہ "ایچ ایم الیٹ صاحب" جن کا حال مقدمہ تاریخ میں بیان ہوا ہے۔ وہ اپنی تاریخ میں "جہانگیر کے ان دوازدہ احکام کی جو جہانگیر نے اول سنہ جلوس میں صادر کئے" بڑی دھجیاں اڑاتے ہیں" کسی قانون کو لکھدیا کہ وہ اس کے باپ اور شیر شاہ کے وقت میں جاری تھا کسی قانون کو لکھدیا کہ اس کی تعمیل نہیں ہوئی" اس کی توضیح ان بیانوں سے کی جو اس زمانے کے بعض فرنگی سیاحوں نے لکھے" صفحہ ۲۶ پر لکھا ہے کہ "ان مسافروں کے سیاحت نامے چنداں وقعت نہیں رکھتے" کسی مسافر کو جو فقط ظاہری حالات کو دیکھ سکتا ہے" اندرونی یا پولیٹیکل یا سوشل حالات کے معلوم کرنے کے بہت کم مواقع ملتے ہیں" اور جزئیات و مقدمات پر علم حاصل کر کے ان سے صحیح نتیجہ کبھی وہ نہیں نکال سکتا" خصوصاً جبکہ اس کا مذہب اور زبان غیر ہو کیونکہ مذہب اس کو ایک آنکھ کانا بنا تا ہے اور زبان اس کو کسی بات کو پورا سمجھنے نہیں دیتی"

ان چند فرنگی سیاحوں "مورخوں" اور ایلیٹ کی تاریخ کی حیثیت و حالت مختصراً دکھا دینے کے بعد ہمیں سلطان محمود غزنوی غازی رحمۃ اللہ علیہ پر "ایلیٹ" کے لگائے ہوئے اس جھوٹے یا بے سروپا الزام کو کہ غازی موصوف نے ہندوؤں کو داخل اسلام کیا تھا" مؤلف امروہوی کے بطور سند پیش کرنے سے" اس بات کا ایک اور ثبوت ہم پہنچ گیا ہے کہ "اس مؤلف کو جھوٹ اور سچ سے کوئی مطلب نہیں ہے" بلکہ وہ اپنی غرض پوری کرنے میں ایسا مدہوش ہے کہ رطب و یابس یا جھوٹ و غلط باتیں جو وہ کہیں دیکھ پاتا ہے تو محض اس خیال سے کہ لوگ انہیں دیکھکر شاید دھوکے میں آ جائیں گے اور اس طرح اس کا مقصد جو اس کے پیش نظر ہے پورا ہو جائے گا" وہ ان کو پیش کرنے میں ذرا سا بھی تامل یا دریغ نہیں کرتا"

اب ہم دکھاتے ہیں کہ مؤلف موصوف نے جو یہ ایلیٹ کی سند پیش کی ہے کہ "سلطان محمود غزنوی" نے ہندوؤں کو مسلمان بنایا ہرگز مبنی بر صحت نہیں ہے" اور قطعاً جھوٹ ہے"

(بقیہ نوٹ نمبر ۱ صفحہ ۱۴۶) زہریلی تاریخوں کا نتیجہ" ہندو مسلمانوں کی موجودہ منافرت ہے" حیات شبلی کے صفحہ ۲۲۵ پر تحریر ہے کہ "انگریزوں نے ہندوستان میں آکر اس سے (تاریخ سے) ایک اور کام لیا" یعنی یہ کہ "چونکہ انہوں نے ہندوستان کا تخت مسلمانوں سے چھینا تھا" اس لئے انہوں نے زیر درس اسلامی تاریخ کو ایسے رنگ میں لکھکر پیش کیا کہ اس سے دو نتیجے نکلیں" ایک یہ کہ مسلمان طلباء ان کے بیان کو سچ سمجھکر اپنے اسلاف اور بزرگوں کے کارناموں سے خود شرمانے لگیں" اور دوسرے یہ کہ "ہندوستان کے مختلف فرقوں اور مختلف قوموں کے طالب علموں میں تعصب اور بغض و عداوت کے جذبات پیدا ہو جائیں" چنانچہ ان کو یہ دونوں نتیجے حاصل ہوئے اور وہ سب کے سامنے ہیں"

(نوٹ نمبر ۱) (انگریزوں کی زبان دانی کے نمونے) روزنامہ انقلاب لاہور ۱۸ نومبر ۱۹۳۳ء کے صفحہ ۳ کالم ۲ تا ۵ میں انگریزوں کی زباندانی کے جو چند نمونے پیش کئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔ (۱) پچھلے دنوں اخبار میں ایک انگریز کی اردو دانی کا نمونہ پیش کیا گیا تھا" جس نے فوجی سواروں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے انہیں "سور لوگو" (بجائے "سوار لوگو") کی جگہ "سؤر لوگو" کہکر خطاب کیا تھا" (۲) ایسی زباندانی کا ایک اور واقعہ ایک ریاست میں پیش آیا" ایک انگریز صاحب بہادر اس ریاست کے مہمان خانے میں قیام فرما تھے" آپ نے بیرے کو بلایا اور حکم دیا" ویل بیرا۔ جب بولے تو پپ" ٹم بولو ہم" اب غریب بیرا پریشان ہے کہ صاحب کیا فرما رہے ہیں" اور صاحب بڑے تدرسے بار بار یہی فقرہ دہرا رہے ہیں کہ "جب بولے توپ" "ٹم بولو ہم" بیرا گھبرا کر مہمان خانے کے کلرک کے پاس گیا" کلرک نے آکر صاحب بہادر کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ بیرا آپ کا حکم سمجھ نہیں سکا۔ مجھے ارشاد فرمایئے" صاحب بہادر نے فرمایا کہ ہم اپنی گھڑی درست کرنا چاہتے ہیں" ہم نے بیرے سے یہ کہا تھا کہ جب بارہ بجے کی توپ چلے تو ہمیں اطلاع دینا" (۳) میرے پڑوس میں ایک صاحب بہادر رہتے تھے۔ جو سالہا سال سے دہلی میں کاروبار کر رہے تھے" چاہئے تو یہ تھا کہ ان کی زبان مرکز اردو میں رہ کر منجھ جاتی لیکن ایک روز میرے یہاں تشریف لائے۔ اور از راہ بے تکلفی اپنی شہ زوری کے قصے سنانے لگے" آخر یہ فقرہ ارشاد فرمایا" "ہم پہلوان" ہم پہلوان "کشتی لڑے گا" دیکھو تم کو معلوم ہم دو سیر اٹھ پیٹا" بیلس اردو میں اس ارشاد کا ترجمہ یہ تھا" تم بھی پہلوان ہو اور ہم بھی پہلوان ہیں" دونوں کی کشتی ہونی چاہئے" دیکھو تم کو معلوم ہے ہم دو سیر یخنی پیتے ہیں" یخنی کو رات بھی کہتے ہیں صاحب بہادر کا کمال تھا اور ہم نے رات کے معنی یخنی سمجھ لیا ہماری ذہانت کا ثبوت ہے" غالباً کچھ ...... اثر تھا کہ صاحب بہادر یخنی کو بھی رات فرماتے تھے" (۴) تیس ہزاری ہسپتال کی ٹری ڈاکٹر فی دا صاحب جن کو دنیا جانتی ہیں ...... ہندوستانی زبان موروثی ...... ان کو موقع ملتا تھا" ہماری بیچ ...... آنکھیں ...... آلات سے دل کا ...... کا معائنہ ہو چکا تو مریضہ نے کہا ذرا آنکھیں بھی دیکھ لیجئے" ...... ہم اسے ...... ٹھیک کا"

سُلطان محمود غزنوی پر ہندوؤں کو مُسلمان بنانے کی سرہنری ایلیٹ کے بیان کی تردید

تاریخ آئینۂ حقیقت نما میں مورخ اعظم علامہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی تحریر فرماتے ہیں کہ "

جیپال کا تیسرا حملہ "سلطان محمود ۳۸۷ ہجری میں تخت نشین ہوئے" وہ ابھی اپنے ملک کے محفوظ رکھنے کی تدبیروں سے فارغ نہ ہونے پائے تھے کہ انہیں "محرم ۳۹۱ ہجری میں عامل پشاور" کی عرضداشت سے اطلاع ملی کہ پنجاب کا راجہ جیپال ایک عظیم الشان لشکر فراہم کرکے سلطنت غزنی" پر حملہ آور ہونے والا ہے"

"محمود غزنوی" کی تمام تر توجہ اس وقت "بخارا" "آذربائی جان" اور "فارس" کی طرف منعطف تھی" وہ جانتا تھا کہ "صفاریوں" اور "دیلمیون" نے کس طرح "خلافت بغداد" پر اپنا تسلط قائم کرکے رعب داب قائم کیا۔ اس کو "ترکستان" کی طرف سے بھی خطرہ تھا۔ وہ اپنی تمام اولوالعزمی اور ہمت اس بات میں صرف کرنی چاہتا تھا کہ "دیلمیون" کو جن کا آفتاب اقبال زوال پذیر ہو چکا تھا۔ اور جو "مذہب عقیدے" کے اعتبار سے "محمود" کے مخالف تھے ہٹا کر خلیفہ "بغداد" کو جو "محمود" کا ہم عقیدہ تھا آزادی دلائے۔ اور وہاں اپنا رسوخ قائم کرکے تمام عالم اسلامی میں شہرت و عظمت حاصل کرے"

یہ کام "محمود" کے لئے کچھ بھی دشوار نہ تھا" لیکن "راجہ جیپال" نے ان کاموں کی طرف سے اس کی توجہ زبردستی اپنی جانب منعطف کی۔ مگر جب تک کہ ماہ شوال ۳۹۱ ہجری میں سلطان کے پاس یہ خبر نہ پہنچ گئی کہ "جیپال" اپنی فوجوں کو "دریائے سندھ" کے کنارے لے آیا ہے وہ اس کی تیاری کی خبر کو غلط ہی سمجھتا رہا" "جیپال" "محمود" کو "غزنی" سے باہر "بلخ" "ہرات" اور "سیستان" کے جھگڑوں میں مبتلا دیکھ کر اس کے زوال و اضمحلال کا متوقع رہا اور خوب تیاریاں کرتا رہا۔ اب جو اس نے ڈیڑھ لاکھ سوار و پیادہ اور تین سو جنگی ہاتھیوں سے دریائے سندھ کو عبور کیا تو "پشاور" کے قریب "سلطان" بھی اس کے مقابل آکر خیمہ زن ہوا۔ اس کے لشکر کی تعداد مورخین نے دس ہزار لکھی ہے" لڑائی میں جیپال کی فوج اپنے پانچ ہزار آدمی قتل اور راجہ کو معہ پندرہ سرداروں کے "سلطان" کے ہاتھ میں قید کرا کر لاہور کی جانب بھاگ کھڑی ہوئی"

سلطان نے لڑائی سے فارغ ہو کر سرحدی چوکیوں کا انتظام کیا۔ اور "غزنی" واپس آکر "جیپال" سے پوچھا کہ "تم نے ہم کو بار بار دق کرنے کا کیوں ارادہ کیا"

"جیپال" نے کہا کہ اس مرتبہ میرا قصور اور معاف کرکے مجھے چھوڑ دیا جائے اب میں تا زیست فرمانبرداری سے انحراف نہ کروں گا اور "پنجاب" کو سلطنت غزنی" کا ایک صوبہ سمجھ کر آپ کی طرف سے حکومت کروں گا۔ سالانہ خراج بلا عذر و حیلہ بھیجا کروں گا"

سلطان نے اس کی استدعا کو قبول کیا اور اسے غزنی سے لاہور کی جانب رخصت کر دیا" پشاور کے میدان میں ۸ محرم ۳۹۲ ہجری مطابق ۵ اگست ۱۰۰۱ء کو محمود نے فتح پائی تھی اور شعبان ۳۹۲ ہجری مطابق مارچ ۱۰۰۲ء میں جیپال کو غزنی سے رخصت کیا" اس طرح "راجہ جیپال" آٹھ مہینے "سلطان" کے پاس رہا۔ لاہور میں "جیپال" کا بیٹا "انند پال" جو معرکہ جنگ سے اپنی جان لیکر فرار ہو گیا تھا۔ ملک کا انتظام کرتا رہا"

اب سوچئے اور غور کیجئے کا مقام ہے کہ راجہ جیپال تیسری مرتبہ "سلطنت غزنی" پر حملہ آور ہوتا ہے۔ اس کی رعایا کو سازش کے ذریعہ باغی بنا کر اپنے ساتھ شامل کرتا ہے۔ اور [illegible] شکست [illegible] گرفتار ہوتا ہے سلطان محمود نے ابھی تک "دریائے سندھ" سے اس طرف قدم نہیں رکھا [illegible] لڑائی کو محمود کا تیسرا حملہ قرار دیا جاتا ہے۔

اور [illegible] صاحب [illegible] ایلفنسٹن صاحب [illegible] ایڈورڈ ٹامس صاحب "لین پول صاحب" اور سب سے بڑھ کر یہ کہ "سر ہنری ایلیٹ صاحب" [illegible] محمود غزنوی نے ہندوؤں کو زبردستی مسلمان [illegible] اور "ہندوؤں" کو [illegible] قتل کر [illegible] تھا۔

(۱) "اسے مارسڈن صاحب" اپنی طرف سے "محمود" کے اس فرضی حملہ کا ایک سبب یہ بھی "تصنیف" فرماتے ہیں کہ "محمود" ابھی بچہ ہی تھا کہ اُس نے اکثر اوقات گراں بہا مال و مَنال سے لدی ہوئی اونٹوں کی لمبی لمبی قطاریں اپنے باپ کے مُلک سے پار ہوتی دیکھی تھیں "وہ سوداگروں سے بات چیت کیا کرتا تھا جو بڑے بڑے شہروں اور "پرانے دولت" مندروں" کا کل حال سناتے تھے "اِس پر وہ کہتا کہ جب میں بڑا ہو کر بادشاہ بنونگا تو "ہندو" کے راجاؤں کے ساتھ لڑوں گا۔ اور اُن سے سارا سونا چاندی اور بیش قیمت مال و اسباب چھین کر "غزنی" لے آؤں گا"

(۲) دوسرے صاحب "یعنی لیتھبرج صاحب" فرماتے ہیں کہ "محمود کا ہندو" کی دولت پر تو دانت تھا ہی مگر ساتھ ہی یہ بھی آرزو تھی کہ "بڑے بڑے بانکے راجپوتوں" کو تلوار کے زور سے مسلمان کرے"

(۳) تیسرے صاحب "جیسے سی ایلیٹ صاحب" لکھتے ہیں کہ "محمود" لوگوں کو مسلمان بنانے کے لئے شہروں کو برباد کر دیتا تھا" جو مسلمان ہونے سے اِنکار کرتا اُس کو قتل کر ڈالتا تھا" اُس نے شہروں کو برباد کیا" مندروں کو "گرا دیا" متبرک برہمنوں" کو جن کی "ہندو" عزت کرتے تھے قتل کر ڈالا" گاؤں اور قصبوں" کو آگ لگا دیا" پختہ غلّہ کے کھیتوں کو جلا کر خاک کر دیا" اور خوش و خرّم گھروں کو ماتم کدہ بنا دیا"

"راجہ جیپال" والیٔ لاہور" نے اپنے ملک کو بچانے کے لئے سخت کوشش کی "سلطان محمود" ایک جرّار فوج لیکر کوہستانی علاقوں سے گذرتا ہوا "ہندوستان" کے میدانوں پر حملہ آور ہوا اور "شہر پشاور" کے نزدیک اپنے ڈیرے ڈال دیئے"

"راجہ جیپال" راجپوت سوار" پیدل" اور بہت سے ہاتھی ساتھ لیکر حملہ آور فوج کو پسپا کرنے کے لئے آگے بڑھا گھمسان کی لڑائی ہونے لگی مسلمان سواروں نے ہاتھیوں" کی سونڈیں کاٹ ڈالیں اور تیروں سے اُن کی ٹانگیں زخمی کر دیں" مسلمانوں نے مذہب کے جوش میں "ہندوؤں" پر اس زور سے حملہ کیا کہ اُن کی فوج تتر بتر ہو کر بھاگ گئی"

محمود کے سپاہی "راجہ جیپال" کو رسیوں سے باندھکر اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے اور انہوں نے بہت سے "ہندوؤں" کو قید کر لیا" کچھ قیدیوں کے ہاتھ اُن کی کمر سے باندھ دیئے" بعضوں کو اُن کے کان پکڑ کر اور بعضوں کی گردن پر تھپّڑ مارتے ہوئے لے چلے"

(۴) اب بڑے سنجیدہ مزاج مورخ "ملکم صاحب" کی مضمون آفرینی بھی ملاحظہ ہو" اُن کو اپنے مقصد کے پورا کرنے" میں اسقدر جلدی تھی کہ جو کچھ اوروں نے "محمود" کے سر تھوپا تھا" انہوں نے اُس کو "سبکتگین" کا حال لکھتے ہوئے اُس کے یعنی "محمود" کے باپ کے سر پر لاد دیا" چنانچہ وہ "سبکتگین" کی نسبت لکھتے ہیں کہ "اُس نے "ہندوستان" پر اس لئے حملہ کیا تھا کہ "ہندوستان کی دولت" کا وہ حال سُن چکا تھا اور لوٹ کی چاٹ اُس کو بیٹھ مُنہ لگی تھی۔ اور علاوہ اس کے بڑی غرض یہ تھی کہ "بُت پرستوں کے دین کو خاک میں ملا دے" اور اپنے "پیغمبر" کی عزت آجائے" چنانچہ اُس نے پہلے پہل "راجہ جیپال" کو شکست فاش دی جو اُن دنوں "شمالی ہندوستان" کا راجہ تھا اور "کابل" پر قبضہ کیا" اور "پنجاب" کو لوٹا کھسوٹا" یعنی "ہندوستان" کے راجہ پر بڑے معرکہ میں غالب آیا"

جیپال اور سبکتگین کی دو لڑائیوں اور جیپال و محمود کی لڑائی کا حال جو اوپر بیان ہو چکا ہے اُس کو پڑھو اور ان "یورپی مورخوں" کے بیانات کو پڑھو اور تحقیق کرو کہ آج تک کسی نے ان عالی جاہ مورخوں سے یہ دریافت کرنے کی بھی جرأت کی کہ "جناب آپ نے "محمود" کو اپنے باپ کی سلطنت میں "سوداگروں" سے باتیں کرتے اور ہندوستان کے راجاؤں سے لڑنے اور "ہندوستان" کی دولت "غزنی" لے جانے کا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے کہاں سنا تھا اور "جیپال" کو رسیوں سے باندھتے اور اُس کے ہمراہیوں کا کان پکڑ کر لے جاتے۔ اور دھولیں مارتے ہوئے دیکھا تھا" یا محض زیب داستان کلام کے طور پر آپ کے دماغ کا اختراع ہے" اور یہ حالات و اسباب جو آپ نے بیان کئے ہیں کس تاریخ یا کس ماخذ سے آپ کو معلوم ہوئے ہیں"

کس قدر حیرت کا مقام ہے کہ "انہیں یورپین مورخین" کی لکھی ہوئی کتابوں کے حوالوں کو "انڈیا" میں امداد کے لئے تمام "ہندوستانی مصنفین" اس طرح پیش کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں کہ "گویا انہوں نے اپنی تحقیق حدِ کمال تک پہنچا دی" اور اب اُن کے مخاطب کو "علم الیقین" اور "عین الیقین" کے مدارج سے گذر کر "حق الیقین" کے مرتبہ تک پہنچ جانا چاہیئے"

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ "ہندوستانیوں" کی نفسیات سے واقف ہو چکے ہیں۔ اُن کو موقع حاصل ہے کہ وہ بلا تکلف اُن کو احمق اور اُلو بنا کر اپنا اُلو سیدھا کریں اور اُن کی جہالت مآبیوں اور حماقت پناہیوں کا تماشہ دیکھ دیکھ کر لطف اُٹھائیں اور قہقہے لگائیں"

"مدعا یہ ہے، مطلب "محمود غزنوی" اگر واقعی لوگوں کو مسلمان بنانے اور جو انکار کرے اُس کو فوراً قتل کر ڈالنے کا شوقین تھا تو تعجب ہے کہ جیپال "آٹھ مہینہ تک اُس کے پاس رہا۔ اور مسلمان نہ ہوا بلکہ ہندو کا ہندو ہی بنا ہوا صحیح سلامت واپس آیا" "محمود" نے اُس سے خراج گذاری اور فرمانبرداری کا اقرار تو لیا مگر مسلمان ہونے کی فرمائش نہ کی" اگر فرمائش کی تھی تو اُس کے انکار پر اُسے قتل کیوں نہیں کیا"

جیپال تو اُس کے باپ سے بھی دو مرتبہ اقرار کر چکا تھا۔ اُس نے پہلی مرتبہ اقرار اطاعت۔ اور خراج گذاری کے وعدے پر رہائی پا کر دوبارہ حملہ کیا۔ اور اب سہ بارہ حملہ آور ہو کر "محمود" کے پنجہ میں گرفتار ہوا تھا"

ایسے بد عہد "دروغ گو" اور "فتنہ برپا کرنے والے کو سوائے "محمود" کے اور کون تھا۔ جس نے اِس طرح رہائی دی ہو اور عزت کے ساتھ اُس کے ملک کی طرف رخصت کیا ہو" کیا دنیا میں اِس سے بڑھ کر سفید جھوٹ ہو سکتا ہے کہ "محمود" کو "ظالم" اور "جیپال" کو مظلوم بتایا جاتا ہے" اور "جیپال" کی یورش" کو محمود کا حملہ قرار دیا گیا ہے"

"جیپال" کو "قول و قرار لیکر ہندوستان" کی طرف رخصت کرنے کے بعد کئی سال تک "محمود" کو ہندوستان" پر حملہ کرنے کا خیال بھی نہیں آیا" وہ حدود ہند" کی طرف سے بالکل مطمئن اور بےفکر تھا کیونکہ "سلطنت پنجاب" سے اُس کی صلح تھی اور برائے نام خراج جس کا وعدہ جیپال سے اُس نے لیا تھا "سالانہ غزنی پہنچ رہا تھا" (آئینہ حقیقت نما باب دوم صفحہ ۱۴۳ تا ۱۴۹)

اِسی طرح مورخ اعظم علامہ اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی" نے "آئینہ حقیقت نما" کے صفحات ۱۵۳ تا ۱۸۶ پر ریاست ملتان" "ریاست بھاطنڈہ" انند پال پسر راجہ جیپال" "تھانیسر" "کشمیر" "قنوج و متھرا" "کالنجر" "سومنات" وغیرہ میں سلطان کے خلاف سازشوں اور تیاریوں کا حال شرح و بسط سے لکھ کر" اُن کے حملوں اور پیش قدمیوں پر تفصیل سے بحث کی ہے" جسے ہم طوالت کے مدِنظر یہاں نظرانداز کرتے ہیں" اِس بحث کے سلسلہ کے ختم پر "علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ" ہر شخص خود ہی غور کرکے "سلطان محمود کے متعلق رائے قائم کر سکتا ہے کہ" اُس کی لوٹ مار اور ظلم و ستم کے افسانے کیا حقیقت رکھتے ہیں" میں اس وقت "سلطان محمود غزنوی کی علم دوستی" "علم پروری" "منصف مزاجی" "رعیت نوازی" کی شاندار روایتیں بھی نقل نہیں کرتا ہوں جو تاریخوں کے صفحات کی زینت" اور مسلم فرمانرواؤں کے لئے موجب افتخار ہیں" میں اِس وقت صرف "الفنسٹن صاحب" کا یہ قول اور درج کرنا چاہتا ہوں کہ "یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اُس نے ایک "ہندو" کو بھی مسلمان بنایا ہو" پھر یہی مورخ آگے لکھتا ہے کہ "سوائے لڑائی کے اُس نے کسی "ہندو" کو قتل نہیں کیا" (آئینہ حقیقت نما باب دوم صفحہ ۱۸۶ و ۱۸۷)

ہندوؤں کو جو طاقت اور اثر "سلطان محمود" کی حکومت کے زمانے میں حاصل ہوا" اُس کا حال آگے آتا ہے"

"سلطنت غزنی کا ہندو لشکر" اور "سلطان محمود کی اولاد"

"سوندھیرائے" "سلطان محمود غزنوی" کے زمانے سے "ہندو لشکر" کا سپہ سالار تھا" امیر مسعود ابن سلطان محمود" نے تخت سلطنت پر جلوس کرکے "ہندوؤں" کی سپہ سالاری "سوندھیرائے" کی جگہ "تلک" نامی ہندو کو عطا کی" ۴۲۳ھ ہجری میں "سلطان مسعود" کو [illegible] ہندوستان" آنا پڑا تو اُس نے "احمد نیالتگین" کو سپہ سالار بنا کر [illegible] کی باقاعدہ شہنشاہی اور سیادت قائم کر دی [illegible] [illegible] سپہ سالاروں" سے دریافت کیا کہ "احمد نیالتگین" کے [illegible] [illegible] سپرد کیا جائے"

سلطان نے اُس کو ہندوستان روانہ کیا۔ سنہ ۴۲۶ ہجری میں تلک نے ہندوستان آکر احمد ینالتگین کو قتل کیا۔ اور سلطان کی خدمت میں واپس پہنچکر موردِ تحسین و آفرین ہوا۔

ذی الحجہ سنہ ۴۲۶ ہجری میں تلک ہندوستان سے بمقام ہرات سلطان کی خدمت میں پہنچا۔ اور عرض کیا کہ ہندوستان میں ایک قلعہ ہانسی کا ایسا رہ گیا ہے۔ جہاں مسلمانوں کا قدم ابھی تک نہیں پہنچا ہے اور ہندوستان میں یہ شہرت ہے کہ مسلمان اس پر قابو نہیں پاسکیں گے۔

سلطان مسعود جانتا تھا کہ اس قسم کی شہرتوں کا کیسا مضر اثر پیدا ہو سکتا ہے۔ اور اسی مضر اثر سے محفوظ رہنے کے لئے سلطان محمود کو سومنات پر حملہ کرنا پڑا تھا۔

آخر ذی الحجہ ۴۲۸ ہجری کو سلطان نے دربار منعقد کرکے امراء سے ہانسی کے قلعہ پر حملہ کرنے کی رائے لی۔ اس وقت خراسان، ماوراء النہر اور خوارزم کا علاقہ سلطنت غزنی کے قبضہ سے نکلنے والا تھا۔ امراء نے مؤدبانہ عرض کیا کہ ہانسی کے قلعہ کو تو کوئی بھی سردار جاکر فتح کر سکتا ہے۔ لیکن سلطان کو مرو کی جانب جانے کی اس وقت سخت ضرورت ہے ورنہ اندیشہ ہے کہ ترکمانانِ سلجوقی تمام ملک پر چھا جائیں گے اور پھر تدارک محال ہوگا۔ مگر سلطان نے کسی کی رائے نہ مانی اور ہندوستان جاکر ۱۲ ربیع الاول سنہ ۴۲۹ ہجری کو ہانسی کا قلعہ بزور شمشیر فتح کر لیا۔ اور شروع جمادی الاول میں غزنی پہنچ گیا۔

سلطان کی اس غیر حاضری میں ترکمان بہت زور پکڑ گئے۔ [illegible] ۴۳۱ ہجری میں انہوں نے سلطان کو بیابان سرخس میں ایسی شکست دی کہ پھر اس نے ہمت ہار دی۔ ترکمانوں کی لڑائی میں سلطان کے ساتھ پانچ ہزار ہندو بھی تھے۔ سلطان نے اس شکست کے بعد اپنے تمام اموال و خزائن غزنی پہنچکر جمع کئے اور ان سب کو اونٹوں پر لدوا کر ہندوستان کی جانب روانہ کیا۔

سرداروں اور امیروں نے ہر چند منع کیا مگر سلطان مسعود نے تین ہزار اونٹ صرف سونے چاندی اور جواہرات کے خزانوں سے لدے ہوئے لیکر ہندوستان کی جانب اس ارادے سے چلا کہ لاہور کو دارالسلطنت قرار دیکر اور ہندوستان میں فوج مرتب کرکے سلجوقیوں سے مقابلہ کروں گا۔

دریائے جہلم کے کنارے پہنچکر ہندو لشکر نے بغاوت کرکے تمام خزانہ لوٹ لیا اور سلطان کو گرفتار کرکے اس کے بھائی محمد کو جو قید میں تھا آزاد کر دیا۔ اور اس کو زبردستی تخت نشین کرکے مسعود کو بطور مجرم اس کے سامنے پیش کیا۔ محمد نے مسعود کو قید کر دیا مگر اس کے بیٹے احمد نے باپ کی بلا اجازت اپنے چچا سلطان مسعود کو قید خانے میں قتل کر دیا۔

جو لوگ سلطان محمود غزنوی سے اس لئے ناراض ہیں کہ وہ ہندوستان سے سونا اور چاندی وغیرہ لوٹ کر غزنی لے گیا تھا۔ ان کو خوش ہونا چاہئے کہ سلطان محمود کا بیٹا سلطان مسعود سلطنت غزنی کا تمام خزانہ جس میں ہندوستان کی لوٹ کے علاوہ خراسان و ماوراء النہر وغیرہ کے صوبوں کا خراج بھی شامل تھا سب کا سب ہندوستان واپس لے آیا۔ اور دریائے جہلم کے کنارے ہندو لشکر نے وہ سب کا سب دھڑی دھڑی کرکے لوٹ لیا۔ یعنی جو سونا چاندی ہندوستان سے گیا تھا وہ مع سود ہندوستان میں واپس آگیا۔ غزنی میں کچھ نہیں رہا۔ سلطان مسعود نے یہاں تک مبالغہ کیا تھا کہ سرکاری عمارتوں کے قیمتی پردے تک اتروا کر اپنے ہمراہ لے آیا تھا۔ غزنی میں کوئی قیمتی چیز نہیں چھوڑی تھی۔ (آئینہ حقیقت نما باب دوم صفحہ ۱۹۱ تا ۱۹۳)

سلطان محمود [illegible] سلطان مسعود نے احمد علی نوشتگین کو سپہ سالار بناکر بغاوت فرو کرنے کے لئے کرمان کی جانب بھیجا [illegible] ہندو سپاہیوں کے ساتھ چار ہزار ہندو سپاہی [illegible]
جب [illegible] سلطانی لشکر کو شکست ہوئی اور احمد علی نوشتگین [illegible] سلطان کے
[illegible]

سردار "خودکشی پر آمادہ ہوگئے" اور اپنے پیٹ میں کٹار مارنے لگے "سلطان" نے یہ سنکر کہا کہ یہ کٹار "کریان" میں چلانی چاہئے تھی"

بہرحال یہ واقعہ دلیل اس بات کی ہے کہ "یہ ہندو لوگ "غزنوی سلطنت" کے لشکر میں بڑی آرزو اور خواہش کے ساتھ بھرتی ہوتے تھے" اور جب ان کو موقوف کیا جاتا تھا تو وہ غم کے مارے خودکشی پر آمادہ ہو جاتے تھے"

مندرجہ بالا واقعہ کو "ابوالفضل بیہقی" نے اپنا چشم دید ان الفاظ میں لکھا ہے "اما ہندوان" سستی کردند و پشت بہ ہزیمت بداوند" دیگران را دل بشکست"

(آئینہ حقیقت نما باب دوم صفحہ ۱۹۶)

"محمود غزنوی" ہندوؤں پر کس قدر مہربان تھا اس نے کس قدر عفو و درگزر سے کام لیا اس کی اولاد نے ہندوؤں کی کیسی قدردانی کی اور کیسے اعلیٰ مراتب انہیں دیئے اس کا ذکر بطور نمونہ اوپر کر دیا گیا ہے - یہ لکھکر مولوی اکبر شاہ خاں صاحب نے اسی کتاب "آئینہ حقیقت نما" کے باب دوم میں صفحات ۱۹۵ تا ۲۰۴ تک سلطان محمود" کی وفات سے "غزنوی خاندان" کے خاتم فرمانروا "خسرو ملک" کے اخیر زمانے ۵۸۲ ہجری تک "ہندوستان" میں "ہندوؤں" کی جو حالت رہی اور ان میں جو جو تغیرات ہوئے" ان کو دکھایا ہے"

مسٹر ہاشمی کا بیان | "انگریز مصنفوں نے "اشاعت اسلام کے بارے میں طرح طرح کی غلط فہمیوں پھیلادی ہیں اور یہ الزام لگایا ہے کہ "مسلمان فاتحین جبراً ہندوؤں کو مسلمان کرلیا کرتے تھے" حالانکہ اس قسم کا جبر نہ صرف اسلامی تعلیم کے سراسر خلاف ہے" بلکہ مذہب کے معاملے میں کہیں بھی کامیاب نہیں ہوا "ہندوستان" کے اس تاریخی مسئلہ کے متعلق اگر ہم انگریزی کی سب سے مستند کتاب "امپیریل گزیٹیر" کی ورق گردانی کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ اسے مرتب کرنے والے بھی "غالباً اپنی دلی خواہش کے باوجود" وہ قرائن و شواہد نہ پا سکے جن سے مذکورہ بالا الزام کو خاص تقویت پہنچتی"

(کتاب دوم تاریخ ہند مؤلفہ مسٹر ہاشمی رکن دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن صفحہ ۲۵۶)

سلطان محمود غزنوی کے متعلق "مشہور کانگریسی لیڈر پنڈت جواہر لال نہرو (حال وزیر اعظم ہندوستان) کا بیان

کتاب "جگ بیتی" حصہ اول" مصنفہ مشہور کانگریسی لیڈر پنڈت جواہر لال نہرو" (حال وزیر اعظم ہندوستان) مترجمہ محمود علیخاں (جامعی) مطبوعہ جید برقی پریس دہلی سنہ ۱۹۴۳ء کے صفحہ ۳۴۹ و ۳۵۰ پر تحریر ہے کہ "سنہ ۱۰۳۰ء میں "محمود" (غزنوی غازی رح) کا انتقال ہو گیا" اس وقت تمام پنجاب اور سندھ" اس کے زیر نگین تھا" لوگ اسے اسلام کا بڑا حامی سمجھتے ہیں - جو ہندوستان میں اسلام پھیلانے آیا تھا" مسلمان عموماً اس کی قدر کرتے اور ہندو اس سے نفرت کرتے ہیں" لیکن حقیقت یہ ہے کہ "وہ مذہبی آدمی نہ تھا" مسلمان تو ضرور تھا لیکن یہ اس کی شخصیت کا ایک ضمنی پہلو تھا" دراصل وہ ایک سپاہی اور بڑا لاجواب سپاہی تھا" عام سپاہیوں کی طرح وہ ہندوستان کو فتح کرنے اور لوٹنے آیا تھا" اور چاہے اس کا کسی مذہب سے تعلق ہوتا وہ یہی کرتا" اسی سلسلہ میں یہ چیز بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ "اس نے سندھ کے مسلمان فرمانرواؤں کو حملہ کی دھمکی دی تھی- چنانچہ انہوں نے خراج دینا منظور کیا- اور اطاعت قبول کی" اسی وقت اس کی جان چھوڑی" اس نے خلیفہ بغداد کو بھی قتل کی دھمکی دی تھی" اور اس سے سمرقند کا مطالبہ کیا تھا" اس لئے ہمیں اس عام غلط فہمی کا شکار نہ ہونا چاہئے کہ "محمود" ایک کامیاب سپاہی کے سوا کچھ اور بھی تھا"

اور صفحہ ۴۶۹ پر لکھا ہے کہ "یہ بات تم بڑی دلچسپی سے سنوگی" (پنڈت جواہر لال نہرو حال وزیر اعظم ہندوستان) اپنی صاحبزادی کو لکھ رہے ہیں) کہ محمود غزنوی کے پاس جس نے شمالی ہند میں سب سے زیادہ غارتگری کی اور جو بت پرستوں کے مقابلہ میں اسلام کا بڑا سورما کہا جاتا ہے "تلک" نامی" ایک ہندو سردار کی ماتحتی میں "ہندوؤں کی ایک پلٹن بھی تھی" وہ "تلک" اور اس کی پلٹن کو اپنے ساتھ غزنی لے گیا تھا" اور وہاں باغی مسلمانوں کو کچلنے کیلئے استعمال کرتا تھا" گویا یہ بات ظاہر ہے کہ "محمود کا مقصد" محض ملک گیری تھا" اگر ایک طرف ہندوستان میں اس نے مسلمان سپاہیوں کے ذریعہ سے بت پرستوں کو قتل کیا تو دوسری طرف وسط ایشیا میں ہندو سپاہیوں کی مدد سے" مسلمانوں کو بھی قتل کیا"

"ایلیٹ صاحب" اور اسی قبیل کے دوسرے حضرات کی جو غرض اپنی تاریخوں کے لکھنے میں وابستہ رہی ہے" اسکا ہم اس بحث کے شروع میں ظاہر کر چکے ہیں" اور اسما سے یہ بات صاف طور سے معلوم ہو چکی ہے کہ "انہوں نے تحقیق و تلاش کر کے اصلیت و حقیقت کو پیش کرنے سے تعلق کوئی واسطہ

تعلق نہیں رکھا ہے " بلکہ یہ امر اُن کے مدِ نظر رہا ہے کہ "ہندوستان" کی مسلمان اقوام کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں ہندو نسل سے بتا کر اُن کے ذہنوں میں یہ بات داخل کر دی جائے کہ اُن کے اجداد اسلام کی خوبیوں کی وجہ سے مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ مسلمان بادشاہوں نے اپنے جبر و تشدد سے انہیں اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ تاکہ ایک طرف تو "ہندو" مسلمانوں سے متنفر ہو جائیں۔ اور دوسری طرف مسلمانوں کے دلوں میں بھی یہ خیال پیدا ہو جائے کہ " اسلام میں سوائے ظلم و زیادتی کے اور کوئی خوبی موجود نہیں ہے "

اِن لوگوں میں "مسٹر آرنلڈ" جیسے لوگوں نے دوسرا طریقہ اختیار کیا ہے۔ انہوں نے " اکثر اقوام کے مسلمان ہونے کی یہ وجہ بتائی ہے کہ " یہ اقوام " اونچی ذات کے ہندوؤں " برہمنوں وغیرہ کے ظلم و ستم سے مجبور ہو کر مسلمان ہوئی ہیں۔ مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔ یعنی دینِ اسلام کی خوبیوں کی تضحیک۔ اور مختلف اقوام ہند میں نفاق پیدا کرنے کے لئے تخم ریزی "

مؤلف امروہوی بھی اپنے مقصد کے مدِ نظر۔ اِن مؤرخین کے اِن کوششوں میں اُن کے ہمنوا اور ساتھی بن گئے ہیں " انہوں نے اپنی مؤلفہ تاریخ امروہہ جلد اوّل کے صفحہ ۲۱۴ تا ۲۱۸ پر اِن حضرات کی تائید کی ہے۔ اور یہاں " ایلیٹ " کی تاریخ سے لے کر یہ سند پیش کرنی مناسب خیال کی ہے کہ "سلطان محمود غزنوی " غازی رحمتہ اللہ علیہ " نے ہندوؤں کو " دینِ اسلام میں داخل کیا تھا "

بقول علامہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی " اِن شواہد کے پیش کرنے سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ " اُس شرارت سے ہم وطنوں کو آگاہ کر دیا جائے جو بلا وجہ سلطان محمود غزنوی غازی رح کو مطعون کرنے کا باعث ہوئی ہے " اور جسے اپنی منشاء کے موافق پا کر مؤلف صاحب امروہوی نے اپنے اس بیان میں پیش کرنا ضروری اور مناسب خیال فرمایا ہے "

مؤلف موصوف کے پیش کردہ " ایلیٹ " کے اِس بیان کی کہ "سلطان محمود غزنوی غازی رح " نے ہندوؤں کو دینِ اسلام میں داخل کیا تھا " صاحب تاریخ " آئینہ حقیقت نما " اور " پنڈت جواہر لال نہرو " نیز " الفنسٹن وغیرہ " کے بیانات سے یہ ثابت کر چکنے کے بعد کہ " غازی رحمتہ اللہ علیہ " نے کسی ایک ہندو کو بھی مسلمان نہیں بنایا " نہ انہوں نے سوائے لڑائی کے کسی ہندو کو قتل کیا " بلکہ انہیں اپنی سلطنت میں ایسا اقتدار دیا تھا جس سے وہ بے حد طاقتور اور صاحب اثر ہو گئے تھے " یہاں تک کہ "سلطان مسعود " کو گرفتار و معزول کر کے اِن ہندوؤں ہی نے "سلطان محمد " کو قید سے آزاد کر کے تخت نشین کیا تھا "

اب ہمیں مسٹر ایلیٹ کے اس بیان کو دیکھنا ہے کہ " کمبوج " کابل کا سنسکرت نام ہے " اور یہ نام " کمبوہ " سے اس درجہ مشابہ ہے کہ " اِس قوم کو " کابل " کا قدیم ساکن سمجھنا دشوار نہ ہوگا " مگر اس میں بھی کوئی صداقت موجود نہیں ہے " قوم کمبوہ " کو محض نام کی مماثلت اور مشابہت کی وجہ سے " کمبوج " کا باشندہ قرار دینا اِس لئے کچھ حقیقت نہیں رکھتا کہ بہت اقوام ہیں جن کے ناموں میں مماثلت و مشابہت موجود ہے " لیکن اُن میں ایک کو دوسرے سے ذرا سا بھی نسلی تعلق نہیں ہے " جس طرح ۔ ماوراء النہری " نہروانی " نہروالی " نہری " نہرو " نہرا " نہرا " نارو " ناروی " خاندانوں کو جو " شیخ " سید " برہمن و راجپوت " یا " عربی و عجمی " ہندی و ترکی " وغیرہ مماثل ناموں کے خاندان ہیں۔ اور بعض اقوام و قبائل مثل افغانی قبیلہ " بھٹانی اور منگولی نسل کی بنگال و تبت کے درمیان بسنے والی قوم بھوٹانی اور ترکی قبیلہ شیبانی اور عربی قبیلہ شیبانی کے ایک ہی نام رکھتی ہیں مگر مختلف النسل ہیں۔ اِسی طرح قوم کمبوہ کا کمبوج یا کابل کا باشندہ ہونا بلا کسی ثبوت و سند قطعی کے محض ایلیٹ کے قیاس کی بنا پر صحیح نہیں سمجھا جا سکتا "

یہ بات قابلِ غور ہے کہ " اگر فی الواقعی " قوم کمبوہ " کو علاقہ کمبوج سے کوئی تعلق ہوتا تو " جس طرح قدیم شہر " قنوج " کے باشندے " نقل مقام کر جانے پر " قنوجی " اور " قنوجیہ " کے ناموں سے موسوم ہوئے اور پکارے گئے " اور قدیم الایام سے آج تک انہیں دو ناموں سے موسوم ہیں اور پکارے جاتے ہیں " (جیسا کہ ترجمہ تاریخ فرشتہ جلد دوم کے صفحہ ۱۴۹ پر "سلطان سکندر لودھی المتوفی ۷ ذیقعدہ سنہ ۹۲۳ ہجری کے حالات میں تحریر ہے کہ " بادشاہ کو علمی تذکرے سننے کا بے حد شوق تھا اُس نے نامی علماء کو ہر چہار طرف سے بلوایا اور بحث کی مجلس منعقد کی " اِن علماء کے نام یہ ہیں) " ..... سید احسن قنوجی " اور تحفہ جاوید جلد سوم مؤلفہ لالہ سری رام ایم۔ اے منصف دہلوی مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی کے صفحہ ۳۸۲ پر ہے کہ۔

۔مہاراج بینی مادھو قنوجیہ" متوطن برج راجپور" اور کتاب "معرکۂ عظیم" "احسن التواریخ سنبھل" جلد اوّل مطبوعہ برقی پریس شیش محل بازار مراد آباد کے صفحہ ۱۱ پر لکھا ہے کہ "اور "آلا اودل" یہ دونوں پہلوان جنگی جوان "قلعہ کے مشرقی دروازہ "عرف شر تھل دروازہ" کے مشرق میں نہر کے مشرقی پہلو پر آباد ہوئے" اور ایک محلہ "پلوسرائے" "اودل" کے نام پر آباد ہوا" جو آج تک کہ سنہ ۱۳۵۲ ہجری مطابق سنہ ۱۹۳۲ء ہے" کچھ کم ایک ہزار برس کی آبادی موجود ہے" اِس بستی میں "اودل" کی اولاد کے لوگ اب تک "قنوجیئے" ہی مشہور ہیں" "قنوجیوں" سے لڑنے کے بعد "راجہ پرتھی راج" کی جنگی طاقت بہت کمزور اور شکست ہوگئی تھی" اور اِس لڑائی میں اُس کے بڑے بڑے سورما اور سامنت کام آئے تھے" چنانچہ مؤرخ کے زمانہ موجودہ میں "شہر سنبھل" اور اُس کے گرد و نواح میں "آلا اودل" کی بڑی لمبی چوڑی داستانیں نہایت پُرجوش الفاظ میں معہ ذکر شجاعت "سیّد طالب علی" ہنود کے "جہلا" اور دیہاتی لوگ "جلسوں" اور ہنگاموں میں ڈھول بجا کر "برسات کے اختتام" اور موسم سرما کے آغاز پر بھادوں سے کنوار تک "بڑی دھوم دھام سے اُچھل اُچھل کر گاتے ہیں" جس میں ذکر "قنوج" کے راجہ "اور پرتھی راج" اور اُس کی بیٹی "بیلہ" اور جنگ فیمابین کا ہوتا ہے") اسی طرح "کمبوج" کے ساکن "کمبوجی" اور "کمبوجیہ" کے نام سے موسوم ہوتے اور پکارے جاتے "آخر کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ "کمبوج" کے رہنے والے تو "کمبوہ" کہلانے لگے" اور "قنوج" کے رہنے والے "قنوجی" اور "قنوجیہ" سے "قنوہ" نہ کبھی کہے گئے نہ اب کہے جاتے ہیں"

غرضکہ "ایلیٹ" کا یہ بیان بھی حقیقت پر مبنی ہرگز نہیں ہے" اور اسے تحقیق و تلاش واقعات سے کچھ نسبت یا دُور کا کوئی واسطہ نہیں ہے محض قیاس ہے" اسی بحث میں آگے چل کر ہم تواریخی شواہد سے ثابت کریں گے کہ "کمبوج" کس ملک کا نام تھا" جہاں کے لوگ کمبوج کے سوا اور کسی نام سے موسوم نہیں ہوئے"

کنٗے انبوہ سے کنبوہ بن جانے اور ان کے کھتری ہونے نیز ضلع حصار کی تاریخ کی حقیقت

اسی بیان کے سلسلہ میں "ایلیٹ" نے جو دو اور رائیں "کنٗے انبوہ" سے "کنبوہ" بن جانے اور اس قوم کے "کھتری" نسل سے ہونے کی" کسی سے سُن کر لکھدی ہیں اور اپنی طرف سے اُن پر کسی قیاس یا رائے کے ظاہر کرنے کو ضروری نہیں خیال کیا ہے" یہ بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتیں" سب جانتے ہیں کہ "خاندان کنٗے" کی نسل کے لوگ خواہ وہ کسی مسلک و مذہب کے پیرو رہے ہوں ہمیشہ کیانی کہے جاتے اور اپنے ناموں کے سامنے کیانی ہی لکھتے رہے ہیں۔ اور اب بھی "کیانی" ہی لکھتے ہیں اور لکھے جاتے ہیں" شہنشاہ ایران "کام بوزیا" کی اولاد کے افغانستان میں کبھی آنے اور "کام بوزی" یا "کمبوزی" اور "کمبوجی" کہے جانے کی بھی کوئی تاریخی شہادت موجود نہیں ہے" جب تک تواریخی شواہد پیش نہ کئے جائیں کسی کی من گھڑت کہانی اور قیاس کو کوئی وقعت نہیں دی جا سکتی اور نہ ایسے بیانات کی کچھ قدر و قیمت ہے" مگر مؤلف امروہوی کو اِن باتوں سے کچھ غرض نہیں ہے" وہ تو ایسی ہی تحریرات کیوں نہ مل جائے اگر وہ سمجھتے ہیں کہ اس سے اُن کے ناظرین کو دھوکا دیا جا سکتا ہے تو وہ اُسے بلا تامل پیش کر دیتے اور اپنی صداقت کی مُہر اُس پر ثبت کر دیتے ہیں" چنانچہ مؤلف امروہوی نے "ایلیٹ" کے اِس بیان پر یہ نوٹ دینا ضروری خیال کیا ہے کہ "ضلع حصار" کی مطبوعہ تاریخ سے بھی اِس روایت کی تائید ہوتی ہے" اِس ضلع کے "کنبوہ" اپنا سلسلۂ نسب "کھتریوں" سے ملاتے ہیں"

۔یہاں یہ بات بتا دینی ضروری ہے کہ مؤلف موصوف کی مراد "ضلع حصار" کی مطبوعہ تاریخ "ضلع حصار کا گزیٹیر ہے" اور ان انگریز نوشتگان گزیٹیروں کی تحریروں یا تحقیقاتوں کو خود مؤلف موصوف نے جہاں جہاں اپنے مطلب کے منافی پایا" یا ضرورت سمجھی ہے" اُن کو غلط بتایا ہے" چنانچہ تاریخ امروہہ جلد اوّل کے صفحہ ۱۹۱ پر انہوں نے "مسٹر آر ایچ نیول" آئی سی ایس۔ مؤلف مرادآباد ڈسٹرکٹ گزیٹیر کی تحقیقات کو اِن الفاظ میں غلط ظاہر کیا ہے کہ" مؤلف ڈسٹرکٹ گزیٹیر نے اِس بیان میں غلطی کی ہے کہ "مخدوم زادہ شمس الدین عباسی" بذات خود امروہہ میں سکونت پذیر ہوئے"

اور صفحہ ۲۵۹ پر لکھا ہے کہ "مندرجہ بالا اقتباس میں مسٹر نیول" نے جس کسی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "امروہہ کے شیعہ سادات کے واجب الاحترام مُورث و اجداد بھی۔ اپنے موجودہ اخلاف کی طرح" مذہباً اور عقیدتاً شیعہ تھے" وہ تاریخی واقعات و حالات اور شواہد و قرائن کے سراسر خلاف ہے"

اور صفحہ ۳۲ پر تحریر کیا ہے کہ "مسٹر نیول" نے جن لوگوں کا یہ مقولہ "ڈسٹرکٹ گزیٹیر کے "مندرجہ بالا اقتباس میں درج کیا ہے کہ "ابتداً امروہہ کے تمام "سید" شیعی مذہب تھے" ہر انصاف پسند تسلیم کرے گا کہ "مندرجہ بالا وجوہ سے یہ خیال ہرگز صحیح نہیں" بلکہ برخلاف اس کے واقعہ یہ ہے کہ "ابتداً امروہہ کے تمام سادات کا مذہب "اہلِ سنّت والجماعت تھا" اور یہی اُن کا قدیم اور آبائی مذہب تھا" اور ایک حصّہ کا اب تک ہے"

اور صفحہ ۳۲۹ و ۳۳۰ پر لکھا ہے کہ "مسٹر نیول مؤلف ڈسٹرکٹ گزیٹیر صفحہ ۱۷۹ پر "خاندان عبّاسی" کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ "حافظ عبداللہ" کے فرزند "ابو المکارم" (شاہنشاہ) اورنگ زیب" کی فوج میں بھرتی ہوئے" یہ مشہور و معروف لشکری جو "جان نثار خاں" کے نام سے زیادہ مشہور ہے شہ ۱۶۷۹ء میں "شہزادہ معظم" کی فوج میں منسلک رہے" دس سال بعد راجپوتانہ کی ایک مہم میں کارنمایاں کئے" اور باغی شہزادہ اکبر کی فوج کو جو تعداد میں زیادہ تھی شکست دی" وہ (ابو المکارم) جلوئے شاہی میں داخل ہوئے۔ اور اس کے بعد ۱۷۰۱ء میں "قلعہ گوالیار" کے قلعدار ہوئے" اور پھر ۱۷۰۹ء میں "خاندیس" کی گورنری کے عہدہ پر سرفراز ہوئے" چونکہ وہ مذہباً سنّی تھے" اس لئے "سادات بارہہ" سے اُن کا تنازع ہوا جس کی بنا پر انھیں ۱۷۲۱ء میں اپنے عہدہ سے دستکش ہوکر خانہ نشین ہونا پڑا" اُن کے فرزند اکبر "کامیاب خاں" اور "رمضان علی خاں" یا "داراب خاں" حملہ نادر شاہ کے بعد امروہہ میں سکونت رکھتے تھے" موخر الذکر البتہ "ملک بنگال کی ایک لڑائی میں مارے گئے"

مندرجہ بالا اقتباس میں "ابو المکارم عبّاسی" کے جو حالات اور کارنامے بیان کئے گئے وہ قطعاً غلط اور بے بنیاد ہیں" معلوم ہوتا ہے کہ "مسٹر نیول" کو کسی نے غلط معلومات بہم پہنچائیں"

جن خواجہ ابو المکارم "المخاطب بہ جان نثار خاں کا تذکرہ مستند کتب تواریخ (مآثر الامرا) میں ملتا ہے" جن کے فرزندوں کے نام "داراب خاں اور کامیاب خاں" ہیں وہ بالکل جدا شخص دہلی کے باشندے تھے" اور وہ ابو المکارم عبّاسی جن کے فرزند "علی اکبر" اور رمضان علی تھے "دوسرے شخص "امروہہ" کے باشندے اور غالباً کوئی معمولی اہلکار ہوں گے"

ایلیٹ کے ہمقوم مؤلفین ڈسٹرکٹ گزیٹیرس کی تحقیقاتوں کی جو حیثیت ہے۔ وہ مؤلف امروہوی ہی کی اِن تحریروں سے جن میں انہوں نے "مؤلف ڈسٹرکٹ گزیٹیر مرادآباد کی تحقیقات کی غلطیاں دکھائی ہیں" اس سے تاریخ یا گزیٹیر ضلع حصار کے قابلِ اعتبار ہونے کی حقیقت بھی اچھی طرح منکشف ہوگئی ہے" جس کا حوالہ مؤلف موصوف نے اُوپر دیا ہے"

اب ہمیں یہاں ناظرین کی توجہ اِس طرف مبذول کرانی ہے کہ "زبیری کنبوی" خاندان کا سکنی لقب کنبوی" جو کہیں چھاپہ اور کتابت میں "ی" کی بگڑی ہوئی شکل میں "کنبوہ" اور کہیں "ی" کے چھوٹ جانے کی وجہ سے "کنبو" لکھ گیا ہے" مؤلف امروہوی نے لفظ "کنبوی" کو چھپا کر اور "کنبو" کو بھی کہیں نون سے اور کہیں میم سے لکھکر" پھر اُس پر غلط توجیہات۔ قیاسات اور پوچ ولچر بیانات سے کام لیکر اس لئے اپنا خون پسینہ ایک کیا ہے کہ خاندان زبیری کنبوی اور قوم کمبو کو اُن کے ناظرین ایک سمجھنے کے دھوکے میں آجائیں" یعنی جس کام کو ابوالفضل جیسا علامہ نہ کرسکا یہ اُسے پورا کرکے دکھادیں" اُن کی ساری بحث کو دیکھ ڈالئے" اُس میں کہیں "لفظ کنبوی" نظر نہ آئے گا" حالانکہ اکثر اُن ہی کتابوں میں جن سے لیکر مؤلف موصوف نے اقتباسات پیش کئے ہیں "زبیری" خاندان کے بزرگوں کے ناموں کے ساتھ اُن کا یہ سکنی لقب "کنبوی" (جیسا کہ دوسرے حضرات کے ناموں کے ساتھ امروہوی۔ دہلوی۔ لکھنوی لکھا جاتا ہے) تحریر ہے" اب اِسے مؤلف امروہوی کی خباثت طبع کہہ لیجئے یا شپرہ چشمی سمجھ لیجئے۔ جن کی وجہ سے انہیں "لفظ کنبو تو تاریخوں میں لکھا ہوا نظر آگیا مگر "کنبوی" مطلق نظر نہیں آیا ہے"

اِس موقع پر ہم نے ایلیٹ کے اُن بیانات کی تنہیں مؤلف امروہوی نے سند میں پیش کیا ہے حقیقت کو اچھی طرح دکھا دیا ہے" اور خود اُن کی غرض پر سے بھی تھوڑا سا پردہ اٹھا دیا ہے" ... اب ہم مسٹر ایلیٹ کے بیانات کی تردید مسٹر آرنلڈ اور قوم کمبو کے افراد کے نوشتوں سے کرتے اور دکھاتے ہیں کہ مؤلف امروہوی اور ایلیٹ کے مقابلہ میں "مسٹر آرنلڈ کیا فرمارہے ہیں" اور خود قوم کمبو کیا کہتی ہے"

ایلیٹ کے بیان کی تردید" مسٹر آرنلڈ کے بیان سے

سرہنری ایلیٹ کے اِس بیان کے بطلان کے لئے کہ یہ نام (کمبوج نام) کمبو سے اِس درجہ مشابہ ہے کہ "اِس قوم کو کابل کا قدیم ساکن سمجھنا دشوار نہ ہوگا" اب ہم مسٹر آرنلڈ مشہور مستشرق سابق پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور اور محمڈن اینگلو اورینٹل کالج علیگڈھ و مشیر تعلیم وزیر ہند المتولد ۱۸۶۴ء المتوفی ۱۹۳۰ء کا وہ بیان پیش کرتے ہیں جسے انہوں نے اپنی کتاب پریچنگ آف اسلام میں بدیں الفاظ تحریر فرمایا ہے کہ۔

"داعیان و مبلغانِ ملّتِ اسلامیہ میں سے ایک واعظ کا نام "نور ستاگر" تھا۔ قلعہ الموت سے جہاں اسمٰعیلیوں کا سردار رہا کرتا تھا ہندوستان کو روانہ کیا گیا" یہ واعظ اوّل گجرات میں راجہ سدھ راج کے زمانے سنہ ۱۰۹۳ء تا سنہ ۱۱۴۳ء میں پہنچا۔ اُس نے اپنا نام ہندوؤں کا سا رکھا لیکن مسلمانوں کو اپنا نام "سید سعادت" بتایا۔ (۱) کمبئی" (۲) کھاروا" (۳) اور کوری" قوم کے لوگوں کو جو "گجرات" کی نیچی ذاتیں تھیں۔ اسمٰعیلیہ مذہب میں شامل کیا"

مؤلف تاریخ کمبوہان بھی جو قوم کمبو کے ایک فرد ہیں "مسٹر آرنلڈ" کے بیان کو نہیں جھٹلا سکے مگر انہوں نے اسے اپنے مقصد کے خلاف پاکر اس طرح رائے زنی کرنی مناسب خیال فرمائی ہے کہ "ہم نہیں کہہ سکتے کہ کس حد تک ہم راستی کے قریب ہیں۔ لیکن کمبئی نام کے تلفظ سے ہم کو گمان ہوتا ہے کہ شاید اس کا تعلق "کمبوؤں" سے ہو۔ جیسا کہ فاضل مصنف نے تحریر فرمایا ہے "کمبئی قوم" اس وقت گجرات میں ایک نیچی ذات تصور کی جاتی ہے لیکن کسی ذات کا اونچا یا نیچا ہونا اُس کی اصالت و نسل پر زیادہ تر منحصر نہیں ہے بلکہ اس کا حصر اس قوم کی پولیٹیکل پوزیشن طرزِ تمدن" قومی تموّل اور خوش لباسی پر موقوف ہے" ممکن ہے یہ کمبئی قوم دراصل کمبوؤں کی نسل کی باقی ماندہ یادگار ہو جو دشمن کے ملک میں مغلوب ہونے کے بعد مقیم رہی ہو۔ اور فاتح قوم نے اُسے مغلوب کر کے اُس کی حالت غلاموں کے درجہ تک اسی طرح پہنچا دی ہو جس طرح آریہ ہندوؤں نے اِس ملک کے اصلی باشندوں کی ان کو شودر بنا کر پہنچا دی ہے" اگر یہ بات صحیح ہو تو اس سے آسانی کے ساتھ یہ ثابت ہو سکتا ہے کہ "کمبوؤں" کا "کاٹھیاواڑ گجرات میں" پولیٹیکل فوقیت حاصل کرنے کا دعویٰ صرف خیالی نہیں بلکہ واقعات سے ہے۔ خصوصاً اس صورت میں جبکہ دیگر آثار و شواہد سے اور قرائن سے اِس ادّعا کی تائید ہوتی ہو")

مؤلف تاریخ کمبوہان نے گجرات میں ایک قوم "کمبئی" کا نام معلوم کر کے مسٹر آرنلڈ کے بیان پر جو رائے زنی کی ہے۔ وہ سامنے ہے مگر انہوں نے اسی پر قناعت نہیں کی ہے" بلکہ اِس قوم کمبئی کی آڑ لیکر "سوراشٹر" (کاٹھیاواڑ گجرات) میں کمبوؤں کی حکومت کا ایک اور ثبوت" کی سرخی کو بھی اپنی کتاب میں دینا مناسب خیال کیا ہے"

کسی تاریخ میں کہیں قوم کمبو کا کوئی کارنامہ تحریر نہیں ہے نہ اس کے متعلق شواہد و آثار ہیں۔ اسی لئے اِس رائے زنی میں انہوں نے آثار و شواہد سے خالی خولی ذکر کے ساتھ قرائن کی پخ بھی لگا دینی ضروری خیال فرمائی ہے" مگر خود قوم کمبو اپنی قوم کے نام کی وجہ تسمیہ میں متفق نہیں ہے"

لفظ کمبو کے بارے میں قوم کمبو کے مختلف بیانات

مؤلف تاریخ کمبوہان نے اپنی کتاب میں مختلف عنوانات کے تحت اپنی قوم کمبو کے مختلف خیالات و آراء کو تحریر کیا ہے جس میں کہیں وہ "کے انبوہ" کہیں "کم بدھ" سے "کمبو" کے لفظ کو نکلا ہوا بتاتے ہیں۔ اور کہیں راجہ کمبوج کی اولاد تھا اور کہیں سورج بنسی چھتری ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں" مگر ان مؤلف صاحب نے اپنی قوم کمبو کی اِن سب باتوں کو رد کر کے اپنی رائے زنی اور من گھڑت کہانیوں کو پیش کر کے اصرار کیا ہے کہ اُن کی پیدا کردہ اِس جدید بات کو ہی صحیح سمجھا جائے کہ قوم کمبو" شہنشاہ ایران کمبوجیا" کی اولاد ہے" یعنی اُن کی اِس ایجاد کے سوا سب باتیں غلط ہیں"

ہم اوپر بتلا آئے ہیں کہ ایران میں کیانیان "کَئے" کی نسل ہمیشہ سے کیانی کہلاتی رہی ہے۔ اور اب بھی اِس خاندان کے افراد خواہ کسی ملک

کیبھی" "کامی" "کوہاوت" "قمبرانی" "کھیانی" "کھومبو" "کمبا" "کھمبو" "کمبرین" "کموّن" اور "کمگو" "کنبوہی" یا "کنبوہ" بھی ہیں "مگر اپنے ناموں کی مماثلت کی وجہ سے یہ ایک قوم کی شاخیں نہیں ہیں۔ بلکہ مختلف النسل ہیں اور کوئی طاقت دُنیا کی ان کا ایک نسل سے ہونا ہرگز ثابت نہیں کر سکتی"

مسٹر ایلیٹ اور اُن جیسے لوگوں نے اگر تحقیق و تلاش اور کوشش و کاوش سے صَرفِ نظر کر کے "جو کمبوج قوم اور قوم کمبو کے ناموں میں مماثلت پا کر ان کو ایک بتا دیا ہے تو یہ اُن کی کوتاہ نظری ہے" اور اُن کے اِس بیان کی "تاریخی شواہد و اسناد کی موجودگی میں ذرّہ برابر بھی وقعت نیز کوئی حقیقت نہیں ہے" کسی بات کی حقیقت جاننے میں بڑی تلاش اور محنت کرنی پڑتی ہے" یہ نہیں ہوتا کہ "ایک جگہ کمبوج اور دوسری جگہ کمبو قوم کو دیکھ کر رائے زنی کر دی کہ یہ دونوں نام ایک قوم کے ہیں۔ اور پھر ایک بات سُن کر لکھ دیا کہ "کنبوہ" "کے انبوہ" کی بگڑی ہوئی شکل معلوم ہوتی ہے" اس طرح کسی بات کی تحقیقات نہیں کی جایا کرتی"

ہم نے اِس کتاب کی دوسری جلد میں جو تاریخ کمبوہان کے جواب میں ہے "مؤلف تاریخ کمبوہان اور مصنف سفینۂ البری کی تحقیقاتوں کا بھی اسی طرح سے تجزیہ کیا ہے جس طرح مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کی تحقیقات کا کیا ہے" جیسا کہ ابھی ہم دکھلا آئے ہیں بہت اقوام ہیں "جو "کمبوہ" کے مماثل نام رکھتی ہیں اور وہ سب مختلف النسل ہیں۔ اگر مصنف تاریخ کمبوہان کو یہ معلوم ہو جاتا کہ ایک بڑی قوم "کمبا" افریقہ میں ہے تو وہ اسے بھی اپنی قوم سے ظاہر کر کے اپنی قوم کمبو کا سارے افریقہ کے فتح کرنے کا دعویٰ کر بیٹھتے" اور اگر وہ جان جاتے کہ "کوہ پرنیز کے نیچے اسپین میں ایک شہر کمبو" نام کا موجود ہے تو سارے یورپ کے ہی اپنی قوم کمبو کے ہاتھوں زیر و زبر کر ڈالنے کا یقین دلانے میں ضرور کوشش فرماتے اور اس شہر کے نام کا اپنی قوم کے وہاں سکونت اختیار کر لینے سے پڑ جانے کو باور کرانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے" اور پھر جب انھیں یہ معلوم ہو جاتا کہ "کمبو" جیسے نام رکھنے والے بڑے بڑے تاریخی لوگ ہوئے ہیں جیسے کہ جاپان کے ایک بڑے جنرل کا نام "کمبو" تھا اور "رامائن کے لکھنے والے "کمبا رشی" تھے تو وہ ان کو بھی اپنی قوم سے بتانے میں اپنا پورا زور صرف فرما دیتے" ان کی تحقیقات کی حقیقت تو دوسری جلد سے ظاہر ہو گی۔ مگر یہاں تو ہمیں صرف یہ دکھانا تھا کہ قوم کمبو کیا کہہ رہی ہے اور مسٹر ایلیٹ کیا فرما رہے ہیں جن کی مصلحت آمیز قیاس آرائی کو مؤلف صاحب امروہوی نے بڑے طمطراق سے پیش کیا ہے"

آپ چونکہ ایلیٹ کے اِس بیان کی بخوبی تردید ہو گئی ہے کہ "کمبو" قوم کا کابل اور کمبوج قوم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کوئی بات اور باقی نہیں رہی ہے "مگر مؤلف صاحب امروہوی کی تسلی کے لئے ہم انہیں یہ بتائے دیتے ہیں کہ "کمبوج" کس ملک کا نام تھا۔ اور جہاں کے لوگ "کمبوج" کہلاتے تھے"

تبّت کا قدیم نام کمبوجا" ہونے کی شہادتیں

سر ہنری ایلیٹ کا یہ بیان بھی کہ "کمبوج" "کابل" کا سنسکرت نام ہے اور یہ نام "کمبو" سے اِس قدر مشابہ ہے کہ "اس قوم کو "کابل" کا قدیم ساکن سمجھنا دشوار نہ ہو گا" قطعاً غلط اور پایۂ تحقیق سے خارج ہے "کمبوج" "کابل" کا نام کبھی نہ تھا" اور مؤلف تاریخ کمبوہان کے اِس بیان میں بھی کہ شہنشاہ کامبوجیا کی اولاد کمبوجی کہلاتی تھی اُس کے افغانستان میں آ جانے کی وجہ سے اس ملک کا نام "کمبوج" پڑ گیا تھا" ذرّہ برابر بھی صداقت نہیں ہے"

"کمبوجا" اصل میں "ملک تبت" کا قدیم نام ہے" جب یمن کے بادشاہ تبّع[1] نے جس نے سب سے پہلے لڑائی میں آگ کا استعمال کیا اور جس کا ذکر قرآن شریف میں بھی ہے "ملک تبت" کو فتح کر کے اپنی حکومت وہاں قائم کی تو اس ملک کا نام "تبّع" کے نام پر "کمبوجا" سے "تبّت" ہو گیا"

(فٹ نوٹ ا) اپریل ۱۹۱۶ء کے رسالہ عبرت میں مورخ اعظم علامہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی نے صفحہ ۲۹ و ۳۰ پر تحریر فرمایا ہے کہ "عرب لوگ جن کے یہاں حرب (دوسرا) نام "نار" تھا۔ آگ کو لڑائی میں بطور آلۂ حرب استعمال کرنے کے موجد ہیں۔ دشمن پر حملہ آوری کے وقت اپنے دوستوں کو جو دوسرے مقاموں پر ہوں اطلاع دینے کے لئے بلند مقام پر آگ روشن کرنا عرب کا خاص دستور تھا۔ اور یہ دستور یا ایجاد اپنی قدامت کے مورخانہ تحقیقات سے بہت پرے تاریکی میں نظر آتا ہے۔ عرب نے آگ کو لڑائی میں بطور سامانِ جنگ سب سے اول استعمال کیا۔ اس کے ثبوت میں عربی زبان کے وہ قدیمی محاورات جن میں نار اور حرب ایک دوسرے کے ساتھ بطور جزو لازمی استعمال ہوئے ہیں پیش کئے جا سکتے ہیں" نیز یمن کے "اصحاب الایکہ" اور قوم تبع" کی تاریخ بھی شہادت دے سکتی ہے" خلاصہ کلام یہ ہے کہ "عرب سے شام و مصر و ایران و ہندوستان نے آگ کو لڑائیوں میں استعمال کرنا رفتہ رفتہ سیکھا ہے"

چین کے صوبہ ہونان سے جو ہند چینی کے درمیان واقع ہے۔ اور برما سے کشمیر و کاشغر تک "ہمالیہ پہاڑ سے متوازی ملک کمبوجا" جو اب تبت کہلاتا ہے۔ چلا گیا ہے "کوشن لوگوں کے ساتھ جن کی سلطنت میں "کاشغر" "افغانستان" اور "شمالی ہند" کا ایک حصہ رہا ہے " ان کمبوجوں کے ایک قبیلہ نے "مشرقی افغانستان" میں آکر دریائے سندھ کے کنارے "تھوڑے سے رقبہ میں یعنی صوبہ سرحد کے ایک حصہ میں سکونت اختیار کر لی تھی "ان کے قیام کی وجہ سے اُن کے اس جدید سکونتی مقام کو بھی کمبوجا کہنے لگے تھے "کمبوجوں کا ایک قبیلہ اپنے ملک "کمبوج یا تبت" سے نکل کر دوسری سمت گیا۔ اُس نے انڈوچائنا کے ایک حصہ پر جو موجودہ سیام اور انام کے نیچے قبضہ کر کے اپنی حکومت جمالی اور ایک شہر کمبوجا نام بسایا جسے انگریزی نقشوں میں کمبوڈیا لکھا جاتا ہے" اور اب یہ حصۂ ملک جسے فتح کر کے کمبوجوں نے اپنی حکومت قایم کی تھی صوبہ کمبوجا کہلاتا ہے" کمبوجوں یا تبتیوں نے ہمالیہ کو عبور کر کے بنگال اور بہار پر بھی حملے کئے ہیں جن کے حالات تاریخوں میں مذکور ہیں "

تبعّ کے فتح تبت کا بیان ابن قتیبہؒ کے قلم سے

معارف میں ابن قتیبہ (المتولد ۲۱۳ ہجری المتوفی ۲۷۶ ہجری) نے لکھا ہے کہ۔

اتاہ عن الترک ما اکرھہ فسار الیھم علی جبلی طیء ثم علی الانبار وھو الطریق الذی سلکہ الرائش فلقیھم فی حد اذربیجان فھزمھم وسبی منھم ورجع ثم غزا الصین ثم رجع وخلف بالتبت جیشاً عظیماً رابطۃ تاعقابھم بالتبت یعرفون ذلک "

شاہ تبعّ کو جب ترکوں سے تکلیف پہنچی تو وہ نبی طے کی دونوں پہاڑیوں کے راستے سے انبار کو روانہ ہوا۔ اسی راہ سے شاہ رائش نے بھی حملہ کیا تھا ترکوں سے آذربیجان کی سرحد پر مقابلہ ہوا۔ بادشاہ نے انہیں شکست دی اور بہتوں کو قید کر لیا وہاں سے آکر پھر وہ چین پر حملہ آور ہوا اور واپسی کے وقت ایک بڑا لشکر تبت میں چھوڑ آیا۔ تبت میں اُس کی نسل مشہور ہے "

(فوائد ملا) اہل عرب کا دعویٰ ہے کہ دنیا میں تمدن اور حکومت کی ابتدا عرب ہوئی عربی حکومت کا ابتدائی مرکز اسلام کے قبل یمن تھا۔ اور سلاطین یمن نے دنیا کے مختلف ممالک فتح کئے اور متعدد قوموں کو باجگذار بنایا۔ علامہ ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں جہاں قدیم سلاطین یمن کا تذکرہ کیا ہے وہاں حارث الرائش کے حالات میں لکھتے ہیں کہ۔

کان اقصی اثر الرائش فی غزوۃ الاول الھند ثم غزا بعد ذلک الترک باذربیجان وما یلیھا وسبی الذریۃ۔

شاہ رائش کی بڑی یادگار اُس کا وہ حملہ ہے جو اُس نے ہندوستان پر کیا تھا۔ اس کے بعد اُس نے آذربائیجان اور اسکے مضافات میں ترکوں پر لشکر کشی کی اور انکی نسل تاراج کر ڈالی "

شاہ افریقیس کے واقعات میں تحریر کرتے ہیں۔ غزا نحو المغرب فی ارض بربر حتی انتھی الی طنجۃ وافریقیس ھو الذی بنی افریقیۃ وبہ سمیت۔

شاہ افریقیس نے ملک مغرب میں لشکر کشی کی اور فتح کرتا ہوا سرزمین بربر کی انتہا طنجہ بندرگاہ مراکش تک پہنچ گیا افریقیہ کا بانی افریقیس ہی ہے اور اسی کے نام سے یہ موسوم ہے "

(شاہ ذوالاذغار کے تذکرہ میں اُس کا سبب تسمیہ ان الفاظ میں بتایا ہے)

سمی بذلک لانہ کان غزا بلاد النسناس (؟) فقتل منھم مقتلۃ عظیمۃ ورجع الی الیمن من سبیھم بقوم (کذا) وجوھھم فی صدورھم فذعر الناس منھم فسمی ذا الاذغار۔

یہ اس کا نام اسلئے پڑا کہ اُس نے بن مانس اور جنگلی اقوام کے ملک پر حملہ کیا اور بڑی خونریزی کر کے ان کے قیدیوں کو یمن میں لایا۔ ان لوگوں کے منہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا سینوں میں ہیں اہل یمن اُن کی عجیب خلقت دیکھکر گھبرا گئے۔ جب سے بادشاہ کا نام "ذوالاذغار" یعنی گھبرا دینے والا پڑا۔

(بادشاہ شمر کا حال لکھتے ہوئے بیان کیا ہے) خرج فی جیش عظیم حتی دخل ارض العراق ثم توجہ یرید الصین فاخذ علی طریق فارس وسجستان وخراسان: فافتتح المدائن والقلاع وقتل وسبی ودخل مدینۃ الصغد فھدمھا فسمیت "شمر کند" ای شمر اخربھا واعربھا الناس فقالوا سمرقند۔

وہ ایک بڑی فوج لیکر سرزمین عراق میں داخل ہوا اور پھر چین کا قصد کیا۔ فارس خراسان و سیستان کی راہ اختیار کی۔ شہروں اور قلعوں کو فتح اور باشندوں کو قتل کرتا ہوا شہر سغد میں پہنچا۔ اور اس کو منہدم و برباد کر دیا۔ اسی وجہ سے یہ شہر "کند" نام پڑا۔ یعنی شمر نے کھود ڈالا۔ اب لوگوں نے اسی کو معرب کر کے "سمرقند" کہنا شروع کیا ہے "

" شاہ اقرن کے واقعات میں لکھا ہے "

غزا بلاد الروم وکان اھلھا یومئذ یعبدون الاوثان ووغل فیھا حتی بلغ وادی الیاقوت (؟) فمات قبل ان یدخلہ ودفن ھناک "

شاہ اقرن نے ملک روم پر لشکر کشی کی۔ رومی اُس زمانے میں بت پرست تھے۔ بڑھتے بڑھتے وادی یاقوت (؟) تک پہنچ گیا۔ لیکن داخل ہونے سے قبل مر گیا اور وہیں دفن ہوا "

(ع) ہندوستان سے اکثر عرب کے تعلقات رہے ہیں۔ یہ ملک اہل عرب کو اتنا پیارا تھا کہ اس کے نام (ھند) کو انہوں نے عشق و عاشقی کا موضوع قرار دے رکھا تھا وہ ہند

علامہ مسعودی (المتوفی ۳۴۵ھ ہجری) کا بیان

اس واقعہ کی تائید علامہ مسعودی کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ تبت کے بیان میں باشندگان تبت کے متعلق وہ لکھتے ہیں

وقد کانوا فی قدیم الزمان یسمون ملوکھم تبعاً لاتباع اسم تبع ملک الیمن ثم ان الدھر ضرب ضرباتہ فتغیرت لغاتھم عن الحمیریۃ و حالت الی لغۃ تلک البلاد ممن جاورھم من الاممم فسموا ملوکھم بخاقان۔

قدیم زمانہ میں اہل تبت اپنے بادشاہ کو تبع کہتے تھے اور اس باب میں شاہان یمن کی جن کا لقب تبع تھا پیروی کرتے تھے۔ انقلاب زمانہ سے حالت متغیر ہوگئی اور رفتہ رفتہ قوم حمیر کی وہ عربی زبان جو ان میں رائج تھی ہمسایہ اقوام کی زبان سے بدل گئی۔ اور بجائے تبع کے ترکوں کی تقلید میں وہ بھی اپنے بادشاہ کو خاقان کہنے لگے۔

وقد تنازع الناس فی انسابھم فمنھم من الحقھم بولد یافث بن نوح ومنھم من الحقھم بالفرس الاولی فی نسل طویل وبلد التبت مملکۃ متمیزۃ من بلاد الصین والغالب علیھم حمیر وفیھم بعض التبابعۃ علی حسب ما ذکرنا من اخبار ملوک الیمن فیما یرد من ھذا الکتاب وذلک موجود فی اخبار التبابعۃ۔

اہل تبت کے سلسلۂ نسب میں اختلاف ہے بعض یافث بن نوح کی اولاد میں بتاتے ہیں اور بعض قدیم ایرانیوں کی نسل میں شامل کرتے ہیں تبت کا ملک چین سے بالکل جدا اور ممتاز ہے باشندوں میں عربی قوم حمیر کے اوضاع غالب ہیں۔ اور جیسا کہ اس کتاب میں بضمن تذکرہ سلاطین یمن ہم لکھیں گے بعض امراء و رؤسا کا لقب اب بھی تبع ہے۔ سلاطین تبع کے واقعات میں تبت کی تصریح موجود ہے۔"

(مروج الذہب مسعودی جلد ا صفحہ ۱۹۳ حاشیہ نفح الطیب مطبوعہ مصر)

محمد عثمان عمادی بی۔ ایس۔ سی ~~پروفیسر ٹیچنگ کالج~~ جامعہ عثمانیہ کا بیان

تاریخ عرب قدیم میں ہے کہ "عربوں کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلعم کے عہد مبارک سے بہت پہلے دنیا کے بیشتر ممالک پر حکومت کی اور تہذیب و تمدن سے روشناس کیا) ملک "تبت" کا نام انہیں کے ایک بادشاہ "تبع" سے موسوم ہوا۔"

(مجلہ عثمانیہ حیدرآباد دکن جلد ۱۱ شمارہ ۱ و ۲ صفحہ ۱۲۱ و ۱۲۲)

لالہ لاجپت رائے کا بیان

لالہ لاجپت رائے آنجہانی نے بھی اپنی تاریخ ہند میں تحریر فرمایا ہے کہ "تبت کا نام کامبوجا ہے اور لکھا ہے کہ "کمبوج راجے" نے اپنی قوم کی قیادت میں پہاڑوں سے اتر کر اس حکومت پر (بنگال کے پال خاندان کی حکومت پر) حملہ کر دیا اور کچھ حصہ ملک پر قبضہ کر لیا" مگر پال خاندان کے نویں بادشاہ مہی پال اول نے ۹۷۸ء (بیاست ۹۸۰ء) میں اپنی قوت کو مجتمع کرکے مقابلہ کیا اور ان کو (کمبوجوں کو) مغلوب کر کے اپنے تخت و تاج پر قبضہ حاصل کر لیا۔"

(تاریخ کمبوہان صفحہ ۱۵۲ و ۱۵۳)

(بقیہ نوٹ عہ صفحہ ۱۹۹) کے کسی خاص حصہ کی آبادی کو عربی النسل کہا کرتے تھے۔ ایک شعوبی شاعر کہتا ہے:

تقولون ان الھند اولاد خندف	وبینکم قربی وبین البرابر
تم کہتے ہو کہ ہندوستانی خندف کی (ایک عورت کا نام تھا) اولاد میں ہیں	اور تم میں اور قوم بربر میں قرابت ہے
ودیلم من نسل ابن ضبۃ باسل	وبرجان من اولاد عمرو بن عامر
اور قوم دیلم بہادر ابن ضبہ کی نسل میں ہے	اور قوم برجان عمرو بن عامر کی اولاد میں ہے

ہم یہ جانتے ہیں کہ غیر تاریخی زمانہ میں سندھ و گجرات میں عربی حکومتیں موجود تھیں۔ مسٹر ایلیٹ کی انگریزی تاریخ سندھ میں بھی اہل عرب کی سلطنت سندھ کا تذکرہ موجود ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان کی قدیم علمی زبان میں جو خالص آرین زبان تھی عربی کے آثار موجود ہیں۔ جب تک انتہا درجہ کا اختلاط نہ ہو یہ کیفیت پیدا نہیں ہو سکتی۔ عرب میں ہندوؤں کی سلطنت کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ ہندوستان کی قدیم سلطنت کے اہل عرب مدعی تھے۔"

لالہ لاجپت رائے کی تحریر کا ایک تصدیقی بیان

کمبوجا راجہ | پال خاندان (۷۳۰ء سے ۱۱۶۰ء تک) کے درمیان بنگالہ میں گوپال نامی ایک ذی اقتدار شخص کو اپنا سردار مانا گوپال بودھ دھرم کے ساتھ غلو رکھتا تھا۔ کچھ مدت بعد اُس نے مگدھ پر بھی اپنا اقتدار قایم کر لیا تھا۔ اِس کے خاندان نے ۱۱۹۷ء تک حکومت کی جبکہ محمد بختیار خلجی نے اِس خاندان کا خاتمہ کر دیا۔" اِس کی حکومت کے زمانے میں پہاڑی علاقوں کے باشندوں نے خود سَر ہو کر اپنی قوم کے ایک سردار کو راجہ بنایا جو "کمبوج راجہ" کے نام سے مشہور تھا۔ اِس کی حکومت کا پتہ دیناج پور میں پتھر کے پایہ پر ایک کتبہ سے دریافت ہوا ہے جس میں سنہ ۸۸۸ء درج ہے۔ جو ساکو سنہ ہونے کی صورت میں سنہ ۹۶۶ء کے برابر ہوتا ہے۔ پال خاندان کے نویں راجہ مہی پال نے "کمبوجہ" کی حکومت کا خاتمہ کیا۔ مہی پال اوّل جو پال خاندان کا نواں حکمران تھا بڑا مشہور راجہ ہوا ہے ۹۸۸ء تا ۱۰۳۸ء تخمیناً اس کا زمانہ حکمرانی ہے۔"

(تاریخ مگدھ یعنی صوبہ بہار کی مکمل تاریخ شائع کردہ انجمن ترقی اُردو دہلی ۱۹۴۴ء)

مُلک کمبوج یا کمبوجا کے جائے وقوع کے بارے میں سرہنری ایلیٹ کے اس بیان کی کہ کمبوج کابل کا سنسکرت نام تھا ہمارے پیشکردہ اِن مختصر شواہد تواریخی سے ہی بخوبی تردید ہو گئی ہے مگر ہم نے اِس موضوع پر تفصیلی بحث اِس کتاب کی جلد دوم تاریخ کمبوہان کے جواب میں اُس موقع پر کی ہے۔ جہاں مؤلف تاریخ کمبوہان نے اپنی من گھڑت کہانیوں سے شہنشاہ کام بوزیا کی اولاد کا نام کامبوج ہونے اور اُس کے افغانستان میں آنے اور اس کی وجہ سے افغانستان کا نام کمبوج پڑ جانے کو باور کرانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے۔ اور یہ بھی بتلا دیا ہے کہ "کمبوجوں" کا وہ قبیلہ جو دریائے سندھ کے کنارے کے کچھ حصّہ پر صوبہ سرحد میں کمبوجا یعنی تبّت سے آکر آباد ہو گیا تھا وہ اب کسی نام سے پکارا جاتا ہے اور ہندوستان کے باہر کہاں سکونت پذیر ہے۔ مگر یہاں ملک کمبوج یا کمبوجا کے جائے وقوع کے بارے میں سرہنری ایلیٹ کے اِس بیان کی کہ کمبوج کابل کا سنسکرت نام تھا تردید کے لئے اسی قدر شواہد پر اکتفا کیا گیا۔" اِن کمبوجیوں کے دریائے سندھ سے اتر کر ہندوستان میں قدم رکھنے کی بھی کوئی شہادت نہیں ہے۔"

ایلیٹ کی مسلمانوں میں نفاق ڈالنے کی خباثت اور اُس کا جواب

ایلیٹ کا یہ لکھنا کہ "مسلمان کنبوہوں کو دوسری اقوام کے مسلمان "کشمیریوں" اور "افغانیوں کی مثل اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے" کس قدر خباثت سے بھرا ہوا ہے اُس کے متعلق تو یہ ہے کہ سر ایلیٹ نے اگر ایسا لکھا تو اپنی قوم کی بھلائی کے لئے اپنی حکومت کے استحکام کے لیے بمصلحت مدِنظر لکھا ہے "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کے ماتحت لکھا ہے" لیکن مؤلف امروہوی کے متعلق کیا کہا جائے جس نے ایسی نالایق بات کو پیش کرنے میں حالانکہ اُسے مسلمانی کا دعویٰ ہے۔ ذرا بھی جھجک نہیں محسوس کی" اس کی تردید کرنی تو درکنار رہی بڑے چاؤ سے اُسے اِس نسبی بحث میں لانا ضروری سمجھا ہے" ہم اِن مؤلف صاحب سے دریافت کرتے ہیں کہ (۱) جب بقول اُس کے "کنبوہ" آرین چھتری ہیں تو ایسی شریف قوم کے مسلمان ہو جانے سے "مسلمانوں کو اُن سے محبت ہونے کے بجائے تنفر کیوں ہے اور دوسری راجپوت یا آرین چھتری یا کھتری اقوام کے مسلمان ہو جانے سے انہیں نفرت کیوں نہیں ہے" نیز افغانی و کشمیری مسلمانوں سے مسلمانوں کو کیا نقصان پہنچا جس کی وجہ سے انہیں بھی وہ اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے "یا" اور اس حرکت سے مسلمانوں نے اپنی اجتماعی طاقت کو منقسم کرنے میں کیا فائدہ سوچا ہے" (۲) کیا مسلمان تبلیغ و اشاعت دین کو برا سمجھنے لگے ہیں جس کی وجہ سے کنبوہ قوم کے مسلمان ہونے کی وجہ سے انہیں رنج اور صدمہ ہوا ہے" کیا ایلیٹ کی اِس من گھڑت کہانی کے پیش کرنے سے اور بھی آپ کی خباثت طبع کی قلعی نہیں کھل گئی ہے"

مؤلف امروہوی کی پیش کردہ "افغانی" "کنبوہی" اور "کشمیری" خاندانوں کے متعلق بیت یا رباعی کی حیثیت

اِس بیان کے آخر میں "مؤلف امروہوی" نے ایلیٹ کی تاریخ سے لیکر یہ لکھا ہے کہ "مسلمان کنبوہوں کو" دوسری اقوام کے مسلمان "کشمیریوں" اور "افغانیوں" کے مثل اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے "فارسی میں ضرب المثل ہے کہ

اگر قحط الرجال اُفتد ازیں سہ جنس کم گیری
یکے افغان دوئم کنبوہ سوم بد ذات کشمیری

ہماری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ "اِس عبارت" اور "شعر سے" "نسبی بحث کو کیا تعلق ہے" اور اگر بقول ایلیٹ اور مؤلف امروہوی "یہ مسلمان کنبوہ" جن کے متعلق اِس "عبارت" اور "شعر کا ذکر ہے" "ہندو سے مسلمان ہو گئے تھے" تو ہندوؤں کا اُن سے خفا اور ناراض ہونا تو سمجھ میں آسکتا ہے "لیکن دوسری مسلمان اقوام کا بجائے خوش ہونے کے ہندو کمبوہوں کو نہیں بلکہ مسلمان کنبوہوں کو اچھی . . نظروں سے نہ دیکھنا" یعنی اُن سے اظہارِ بیزاری کرنا" کیا معنی رکھتا ہے" یہ چیستاں بھی ہم حل نہیں کرسکے"

اگرچہ اِس عبارت اور شعر کے پیش کرنے سے "مؤلف موصوف" نے اِس "دودمان عالی شان یعنی زبیری کنبوی خاندان کی تحقیر کی کوشش کی ہے" لیکن یہ ایسی مضحکہ خیز غلطی اُن سے ہوئی ہے جس نے اُن کی تحقیق اور دلی کاوش کی قلعی بخوبی کھول دی ہے"

ہمیں یہ پتہ چلا ہے کہ "حسد اور کینہ کا بانی" "معلم الملکوت شیطان الرجیم ہے" بارگاہِ خداوندی سے تمام فرشتوں کو حکم ہوا تھا کہ وہ "حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں" یعنی اُن کی برتری اور اقتدار کا اقرار کریں" سب نے تو حکم کی تعمیل کی" مگر شیطان کو حسد ہوا اور اُس نے حکم کی تعمیل نہیں کی" نافرمانی کی وجہ سے وہ راندۂ درگاہ کر دیا گیا" تو اُس نے "حضرت آدم علیہ السلام اور اُن کی اولاد کی طرف سے اپنے دل میں قیامت تک کے لئے کینہ رکھ لیا ہے" اور اُسی دن سے برابر وہ "حضرت آدم علیہ السلام" کی اولاد میں سے جن جن پر قابو پاتا رہا۔ اُن سے "فریب" دھوکے" "حسد" اور "کینہ توزی کے" "مظاہرے کراتا رہا ہے" اور قیامت تک کراتا رہے گا" حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کو دھوکا اور فریب دیکر اُس نے جنت سے نکلوایا اور پھر "قابیل کو حسد دلاکر ہابیل کو قتل کرایا" غرضکہ ایسے لوگ جو شیطان کے اثر میں آئے ہیں اور بجا طور پر شیطان کی ذریات کہلائے جانے کے مستحق ہیں" ہر زمانے میں "طرح طرح سے حسد اور کینے کے" مظاہرے کرتے چلے آئے ہیں۔ اور آج بھی ہر جگہ اور ہر مقام پر اُن کے مظاہرے دیکھے جاتے ہیں"

پورا باعی بھی "جس کے صرف ایک ہی شعر کو" مؤلف امروہوی نے یہاں "نسب کی بحث میں پیش کرنا مناسب اور ضروری خیال کیا ہے۔ اور دوسرے کو چھوڑ دیا ہے" اِسی قبیل کے لوگوں کی طرف سے ہے" اور اُن کے حسد نیز کینہ کے مظاہرے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی"

"ملا عبدالقادر بدایونی نے "حسد اور بخل کی وجہ سے" بزرگانِ دین" "اُمراء" اور "عہدہ دارانِ شاہی پر" جن زہریلے تیروں کی بارش کی ہے" یعنی گندے اور رکیک فقرے اُن کے حق میں استعمال کئے ہیں" نیز اُن کی ہجو اور تاریخ ہائے وفات لکھکر اپنی خباثت و دنائتِ طبع کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ اُن کو ہم نے "ملا صاحب کی کتاب منتخب التواریخ سے لیکر" شیخ گدائی سے متعلق "باب ہشتم" میں لکھا ہے" یہاں اِسی قبیل کے چند نمونے اور پیش کرتے ہیں"

بعض اشعار و فقرات "جو حسد" "بغض" "خبث" یا تضحیک سے" اشخاص حسد پیشہ و اہلِ ظرافت نے" اکثر اقوام کی نسبت کہے ہیں۔ اور خاص خاص اصحاب کی نسبت جو "ہجو" "عداوتاً" یا "ظرافتاً" لکھی گئی ہیں" وہ بیشمار ہیں" جن میں سے چند یہ ہیں

(۱) بہر جا جمع می آیند ساداتفساداتٌ فساداتٌ فسادات

(۲) شیطان بہ سرِ کوہ۔ زنے را گائید زن را بچہ بماند۔ وہ ہو شتر زائید

(۳) زسگ اف اف۔ ز زاغاں غاں گرفتند حریفان نام شان افغان گرفتند

(۴) مغل را چغل دان اگر ما قلی بجو ایمن نشینی از و غافلی

(۵) ہمہ نیک بودے گر افعال میسر نبودی نام گفتی نگفتی کہ میسر

(۶) چار قاف بیمروت باشد اے والا تمیز قاضیؔ و قصابؔ و قصاب وقانونگوئی نیز

(۷) یتیم سوز اک پدرے دہ سشریر رحم مادرسے پلٹ نکلا ہے میسر

(۸) مغل چغل" (۹) کشمیری بے پیری" (۱۰) شلیشہ میں شیخ۔ اور پیڑے میں شیخ۔ گھر کے ہی گھر کے"

مؤلف امروہوی "اگر سید ہیں تو" اور "شیخ ہیں تو" سادات کے متعلق شعر" اور "شیخ کے متعلق جو فقرہ ہے" اُس کے

متعلق اب کیا فرماتے ہیں" پھر یہ بھی ہے کہ "مؤلف موصوف نے اپنی کتاب تحقیق الانساب میں فخریہ طور سے لکھا ہے کہ "اُن کے بزرگ قاضی بھی تھے" اس موقع پر ذرا وہ یہ بات بھی ضرور دیکھ لیں کہ "قاضی کے متعلق" کسی نے کیا لکھ دیا ہے"

مندرجہ ذیل اشعار کی طرف بھی ہم "مؤلف امروہوی کی توجہ مبذول کراتے ہیں" انہیں ذرا غور سے پڑھیں"

(۱) سیدِ لولاک را دیدم بخواب — گفتم اے گنج کرم - کاں سخا
سید ان ہند از آلِ تو اند — گفت لا - واللہ لا - واللہ لا (یہ رفیع یا نہیں بخدا نہیں" واللہ نہیں ہے)

(۲) یوں کہا شیخ نے شیطان سے کہ آ ہم سے مل — واسطہ رکھ نہ تو شو دائے خرابانی سے
کہا اُس نے - کہ ہے میری تو سعادت اُس میں — خوف ہے لیک مجھے - آپ کی بدذاتی سے

(۳) ہر دو قوم اندر درجہان بے پیر — سنی بلخ" و شیعہ کشمیر (یعنی بے پیر ہے یعنی بے پرہیز)

مضامین فرحت حصہ ششم مطبوعہ عہد آفرین برقی پریس حیدرآباد دکن ۱۳۶۱ھ ۱۹۴۲ء کے صفحہ ۱۸۷ پر "مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب دہلوی نے لکھا ہے کہ "یہ وہ زمانہ تھا کہ "غیر مقلدین کا" دلّی "میں زور تھا" ادھر حضرت سید احمد شہید ۱۲۴۶ھ ہجری میں "سکھوں کے خلاف جہاد پر کمر بستہ ہوئے" اور اُن کے خلیفہ حضرت شاہ اسمٰعیل (فاروقی شہید در ۱۸۳۱ء) (جن کی ولادت ۱۱۹۶ ہجری مطابق ۱۷۸۱ء میں ہوئی تھی") نے دلّی میں مقلدین کے لباس - طرز وروش" اور خیالات پر حملے شروع کئے" کچھ لوگ اِدھر ہو گئے" کچھ لوگ اُدھر" حکیم مومن خاں مومن" (دہلوی) نے جہاد کی تاریخ کہی ؎

وہ شاہ مملکتِ ایمان کہ جس کا سالِ خروج
امام برحق - مہدی نشان - علی فر ہے

اِن مجاہدین نے پشاور فتح کر لیا" پنجاب کی طرف بڑھے "سکھوں نے ان ۱۲۴۶ھ" سرحدیوں کو توڑ لیا" سید صاحب کو شکست ہوئی - اور وہیں شہید ہوئے" مخالفین تو موجود ہی تھے" انہوں نے تاریخیں کہیں" مذاق اڑایا" چنانچہ "شاہ نصیر" دہلوی کا قطعہ ہے"

کلام اللہ کی صورت ہوا دل اُن کا سیپارہ — نہ یاد آئی حدیث اُن کو نہ کوئی نص قرآنی
ہرن کی طرح میدانِ وغا میں چوکڑی بھولے — اگرچہ تھے دُمِ شملہ سے وہ شیرِ نیستانی

"عبدالرحمٰن خاں احسان" بڈھے ہو چکے تھے - انہوں نے جہاد یا شکست پر تو کچھ نہیں لکھا - ہاں اُن کو مجاہدین کی ظاہر پرستی بُری معلوم ہوئی" اُسی پر ایک چھوٹا سا حملہ کر دیا ؎

واعظا میرا تکفّر پہ تعصّب مت کر — کہ تشہّد کا بدل کرتا ہوں اقرار مدام
نخوت و جبہ عمامہ سے ہے کیا کام مجھے — مجھے اِن کاروں سے البتہ ہے اِنکار مدام

مخالفت کی اِنتہا تو اس شعر میں کر دی ہے کہ "شاہ محمد اسمٰعیل" نماز پر بہت زور دیتے تھے مسلمانوں کو پکڑ پکڑ کر مسجد میں لے جاتے" کسی کی لبیں بڑھی ہوئی ہوتیں تو زبردستی قینچی سے کتر دیتے - پاجامہ ٹخنے سے نیچا ہوا تو وہیں پھاڑ کر برابر کر دیا" ایسی حرکتوں پر "احسان نے" جل کر کہا ہے"

ہمیں تو روزہ اس شخص کا ہے ضرور — نماز پڑھتے ہیں جب ہم کہ ہے نماز ہو تم

ذرا اس قطعہ کو سنیئے "غیر مقلدوں کو کیسی کھری کھری سنائی ہے" اور حکیم مومن خاں مومن پر "کیسا ہاتھ صاف کیا ہے" ؎

جو اہلِ سنّت پر آوازے کسے ناکس — شاگرد ہے شیطان کا - ابلیس مقرر ہے
مردود ہے - ملعون ہے - مطعونِ خلائق ہے — مسلم نہیں، مشرک ہے "مومن نہیں - کافر ہے

گلزار ابراہیم کے مقدمہ میں صفحہ ۲۱ پر مولوی عبدالحق صاحب نے لکھا ہے کہ "حُسن اتفاق سے "تذکرہ" مرزا علی متخلص بہ لطف" نے ایک مثنوی کا وہ حصہ جس میں "فیض آباد" کی تعریف" اور "لکھنؤ" کی ہجو کی ہے "میر حسن (دہلوی) کے حالات میں نقل کر دیا ہے" ناظرین کو "لکھنؤ کی" ہجو میں" یہ شعر دیکھ کر بہت تعجب ہوگا"

زبس کو فہ سے یہ شہر ہم عدد ہے　　اگر شیعہ کہے نیک اِس کو بَد ہے

اِس مثنوی کا نام "گلزار ارم" تھا"

تاریخ ہندوستان جلد ششم مؤلفہ شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاء اللہ صاحب" کے ص۱۲۵ پر ہے کہ "ایک شخص نے کشمیر کی تعریف میں ہجو ملیح کی ہے ؎

کسانیکہ آفاق گردیدہ اند　　بسے سال و مہ در سفر بودہ اند
بہ تعریف کشمیر و کشمیریان　　بہشتے پُر از دوزخی دیدہ اند

کوئی ایک صاحب یہ قطعہ لکھکر اپنی یادگار چھوڑ گئے ہیں کہ ؎

مرزا صاحب کی میرزائی غایب　　سیّد صاحب کی پارسائی غایب
شیخوں نے جو جھک کے دیکھا افسر　　سُنّت جو تھی بچی بچائی غایب

"تاریخ الامت" جلد چہارم میں "محمد اسلم" صاحب جیراج پوری نے لکھا ہے کہ "طاہر ذوالیمنین کو شکست دینے کے بعد "نصر" کی جو "حلب" کے شمال میں "مقام کیسوم" کا حاکم تھا۔ بہت شوکت بڑھ گئی" اس نے جزیرے میں "حران" کا محاصرہ کیا" وہاں "علویہ" (حضرت علی رضی اللہ عنہا کی غیر فاطمی اولاد) کی ایک جماعت اُس کے شامل ہوگئی" اور اُس سے کہا کہ "کسی کے ہاتھ پر بیعت کرکے اُس کو خلیفہ بنا لیں تو ہماری جماعت و طاقت بہت بڑھ جائے گی۔ نصر نے پوچھا "کس کے ہاتھ پر" ان لوگوں نے کہا کسی "علوی کے" نصر بولا "سبحان اللہ" اگر آج علویوں میں سے کسی کا ہاتھ تھام لوں "تو کل ہی وہ کہنے لگے گا۔ کہ میں تیرا خالق" اور "رزاق ہوں" سب علویوں کے متعلق جو نصر نے اپنی رائے کا اظہار کیا" اُس کی غلطی ظاہر ہے"

مزید براں "ابو جعفر منصور عباسی خلیفہ دوم" اور "محمد نفس ذکیہ بن عبداللہ بن حسن مثنیٰ بن حضرت حسنؓ" کی وہ خط و کتابت ہے "جسے خود مؤلف امروہوی نے" اپنی کتاب تحقیق الانساب جلد چہارم کے ص۱۵۵ تا ۱۶۰ پر تحریر کیا ہے "جس میں اپنے حقوق کے اثبات کے لئے ایک نے دوسرے پر اپنا تفاخر جتایا ہے" اُدھر منصور کو تو "لونڈی بچہ لکھا گیا ہے" کیونکہ وہ ایک بربری لونڈی کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا۔ اِدھر منصور نے اور باتوں کے علاوہ یہ احسان جتایا ہے کہ "اگر حضرت عباسؓ" اپنے بھائی "حضرت ابو طالب" اور اُن کے اہل و عیال کی دستگیری نہ کرتے اور کھانے کپڑے سے اُن کی مدد نہ کرتے تو وہ "عتبہ و شیبہ" کی نکن چاٹتے۔" غرضکہ جب مخالفت ہو کر حسد اور بغض اُس کی جگہ لے لیتا ہے تو اسی طرح کی حرکتیں اکثر اشخاص کرنے لگتے ہیں" جن کے زبان سے نکالنے کی "تہذیب و شرافت ہرگز اجازت نہیں دیتی"

اسی موجودہ زمانے میں کئی سال قبل "رنجش اور مخالفت کی وجہ سے" ایک سیّد صاحب نے یہ قطعہ لکھکر مشہور کیا تھا کہ ؎

ضیاء الدین[1] و عبداللہ[2] یا ہوں آفتاب[3] احمد　　نہ ہوگا قوم کو حاصل۔ مجز ان سے ایچ و دلگیری
کسی نے سچ کہا ہے یہ۔ کہ "بد ذاتی ہیں کا رل ہیں　　یکم افغان[3]" دوم کنبوہ[1]" سوم بد ذات کشمیری[2]

(۱) لفٹننٹ کرنل ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد زبیری کنبوی" پی۔ ایچ۔ ڈی" ڈی۔ ایس۔ سی" سی۔ آئی۔ ای" وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ" ممبر کونسل وائسرائے ہند" و سابق سیکرٹری مسلم لیگ۔ پارٹی در مجلس مقننہ ہندوستان" جن کی قومی و ملی خدمات ایسی اظہر من الشمس ہیں "جن کا اعتراف" مؤلف امروہوی کو بھی ہے" چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب تحقیق الانساب امروہہ جلد چہارم کے ص۲۳۲ پر لکھا ہے کہ "ہندوستان کے بعض نامور "علماء" و مشائخ" و امراء" و اطباء" و شعراء" اِس نامور قوم میں پیدا ہوئے" زمانۂ حال میں "نواب وقار الملک مرحوم" اور ڈاکٹر ضیاء الدین احمد" جیسی بلند پایہ ہستیوں سے" اِس دودمان عالی شان" کا نام روشن ہے"

(۲) شیخ عبداللہ کشمیری" بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ وکیل ہائیکورٹ" اور بانی و منتظم مسلم گرل کالج علیگڈھ"

(۳) صاحبزادے آفتاب احمد خاں پٹھان یا افغانی" بیرسٹر ایٹ لا" سابق سیکرٹری آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس" و

وو ائس چانسلر مُسلم یونیورسٹی علیگڑھ۔ وممبر انڈیا ہاؤس لندن۔ اِن تینوں بزرگوں کی خدمات قومی وملی۔ کیونکہ سب کے سامنے ہیں۔ اِس لئے ہمیں اُن پر اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

بعض لوگوں کا قاعدہ ہے کہ خود تو وہ کچھ کرنا نہیں چاہتے۔ اور یا اُن کو قوم کے لئے اِیثار و قربانی کرنے نیز محنت و مشقت اٹھانے کا حوصلہ نہیں ہے۔ مگر جب دوسروں کی خدمتوں اور ایثار کی وجہ سے ہر دلعزیزی دیکھتے ہیں تو سوختہ ہو جاتے ہیں اور اس شعر کے مصداق بنکر کہ ؎

نیشِ عقرب نہ از پئے کین است مقتضائے طبیعتش این ست

اِس قسم کی حرکات مذبوحی کرنے لگتے ہیں۔ جیسی کہ اِس قطعہ سے ظاہر ہے۔ ابھی چند ہی دن کی بات ہے کہ قائدِ اعظم مسٹر جناح کے متعلق اس قبیل کے لوگوں نے کیا کچھ نہیں کہا تھا۔ اور کہنا تو درکنار رہا مہاتما گاندھی جی جیسی شخصیت کو جنہوں نے پریم کے بیج بوئے اور ملک و قوم کو انگریزوں کی حکومت سے آزاد کرایا صرف رائے کے اختلاف کی وجہ سے ان ہی کے ایک ہمقوم نے گولی کا نشانہ بنا کر ملک کو اُن کی جدائی کا داغ دیکر سوگوار بنا دیا۔

ظالموں اور نمک حراموں کی حرکتوں سے قطع نظر کر کے اُن کی بیجا طرفداری میں لوگوں نے جیسے گُل کھلائے ہیں۔ اور اپنے جوش سے مدہوش ہو کر صداقت سے اپنا منہ موڑ کر جس طرح کی بکواسیں انہوں نے کی ہیں۔ اُن کی ایک مثال مآثر الامراء جلد اوّل طبع کلکتہ میں اِس طرح مذکور ہے کہ:

نہم ربیع الآخر ۱۱۳۱ھ ہجری بادشاہ را مقید نمود۔ فرخ سیر را بعد سلطنت شش سال وچہار ماہ از سلطنت خلع نمودہ۔ بالائے ترپولیہ قلعہ آرک کہ جائے تنگ و تاریک است مکحول نمودہ بعد تعذیب تمام نگہ داشتند۔ گویند نورِ بصرش زایل نشدہ بود۔ از ثقہ عمدہ کہ مقرب سادات بود مسموع شدہ کہ چوں قرار یافت کہ میل بچشم او باید کشید۔ قطب الملک (سید عبداللہ خاں بارہہ) بے آنکہ بہ کسے ظاہر نماید سرمہ دانی استعمال خود را مہر دیوان بہ نجم الدین علی خاں داد کہ حکم بادشاہ است (محمد شاہ کا کہ وہ بھی سیدوں کے ہاتھوں بے بس تھا)۔ رفتہ میل بچشم فرخ سیر کشند۔ دریں وقت فرخ سیر جزع بسیار کرد و بجائے رسانید کہ ناچار بزیر کشیدند۔ پس از آں کہ دید در بصارت نقصانے نشدہ در اخفائے آں میکوشید۔ و ہرگاہ چیزے ضرور است می گفت برین بصیر ترحم نمایند۔ قطب الملک و امیر الامرا تبسم کردہ میگفتند کہ بخیالِ او گویا ما مطلع نیستم۔ بہر تقدیر از سادہ لوحی بہ مستحفظان بوعدۂ مناصب عمدہ مشورت بر آوردن خود میکرد۔ کہ نزد راجہ جے سنگھ سوائی رسانید۔ چوں این خبر بہ صاحب مداران خلافت رسید۔ بہ اقتضائے صلاح ملکی دو بار مسموم نمودند۔ از سخت جانی کارگر نیفتاد۔ آخر بہ تسمہ کشی کہ بدعت متجدد او بود۔ دیگر اسپ فنا ساختند۔ روزے کہ تابوتش بہ مقبرۂ ہمایوں بادشاہ مے بردند۔ طرفہ بلوائے عام واقع شد۔ دو سہ ہزار مرد و زن شہر خصوصی بچہ و فقیر بازاری جمع گشتہ گریہ کناں ہمراہ میرفتند۔ و سنگ ہا بمردم سادات زدہ نفرین میکردند۔

۹ ربیع الآخر ۱۱۳۱ھ ہجری کو بادشاہ کو مقید کر دیا۔ فرخ سیر کو چھ سال و چار مہینوں کی سلطنت کے بعد سلطنت سے بیدخل کر کے ترپولیہ قلعہ آرک کے اُوپر جو تنگ و تاریک جگہ ہے۔ آنکھیں پھوڑ کر اور بہت تکلیفیں دینے کے بعد زیر نگرانی رکھا۔ کہتے ہیں کہ اُس کی آنکھوں کی روشنی زایل نہ ہوئی تھی۔ ثقہ لوگوں سے جو سادات کے مقرب تھے معلوم ہوا ہے کہ جب یہ قرار پایا کہ اُس کی آنکھوں میں سلائی پھیر دینی چاہئے تو قطب الملک (سید عبداللہ خاں بارہہ) نے بلا خیال اس کے کہ کسی پر ظاہر ہو اپنے استعمال کی سرمہ دانی مہر دیوان نجم الدین علی خاں کو دی۔ کہ حکم بادشاہ (محمد شاہ کا کہ وہ بھی سیدوں کے ہاتھوں میں بے بس تھا) ہے۔ جا کر سلائی فرخ سیر کی آنکھوں میں پھیر دیں۔ اِس وقت فرخ سیر نے بہت گریہ و زاری کی نوبت یہ پہنچی کہ اُسے زبردستی نیچے گرا دیا۔ اس کے بعد جو بادشاہ نے دیکھا تو آنکھوں کی روشنی میں کچھ نقصان نہیں ہوا تھا۔ اُس نے اس بات کو چھپانے کی کوشش کی۔ جس چیز کی اسے ضرورت ہوتی تو کہتا کہ اِس اندھے پر رحم کرو۔ قطب الملک اور امیر الامراء مسکرا کر کہتے کہ اُس کے خیال میں گویا ہمیں معلوم ہی نہیں ہے۔ بہر تقدیر بادشاہ نے اپنی سادہ لوحی سے اپنے محافظوں کو بڑے عہدے دینے کے وعدے دیکر اُن سے اس امر کی خواہش کی کہ اُسے راجہ جے سنگھ سوائی کے پاس پہنچا دیں۔ جب یہ خبر صاحب مداران سلطنت کو پہنچی۔ تو مصلحت ملکی کے اقتضا سے دو بار بادشاہ کو زہر دیا۔ مگر سخت جانی کی وجہ سے اس پر زہر کا اثر نہیں ہوا۔ آخر کار تسمہ کے ذریعہ پھانسی دیکر مار ڈالا۔ جس دن اُس کا تابوت ہمایوں کے مقبرہ میں لیگئے چاروں طرف عام بلوا ہو گیا۔ شہر کے دو تین ہزار عورت مرد۔ خصوصاً بچے اور بازاری فقیر

وتا سہ روز بر قبرش مجتمع گشتہ۔ مولود خوانی نمودند "سبحان اللہ مردم دریں مقدمہ حیدری و نعمت اللّٰہی شدہ اند" یکے میگوید "

(رباعی)

دیدی کہ چہ بادشاہ گرامی کردند   صد جور و جفا از راہِ خامی کردند

تاریخ چو از خود بجستم فرمود   سادات وفا نمک حرامی کردند

(صفحہ ۳۴۲ تا ۳۴۴)

جمع ہوکر روتے پیٹتے ہمراہ گئے " اور سادات پر پتھروں کی بارش کرتے اور اُن پر نفرین کرتے تھے اور تین دن تک اُس کی قبر پر جمع ہوکر مولود پڑھتے رہے "سبحان اللہ لوگ اِس مقدمہ میں حیدری اور نعمت اللّٰہی ہوگئے "

ایک نے رباعی کہی ہے

دیدی کہ چہ بادشاہ گرامی کردند   صد جور و جفا از راہِ خامی کردند

تاریخ چو از خود بجستم فرمود   سادات وفا نمک حرامی کردند

سادات کے جور و ظلم اور نمک حرامی کا حال معلوم ہو چکا۔ اب ہم اس کے مقابلہ میں "مآثر الامراء جلد اوّل کے صفحہ ۳۳۵ و ۳۳۶ پر "امیر الامراء سید حسین علی خاں برادر قطب الملک سید عبداللہ خاں کا جو حال درج ہے اُس کا ایک ٹکڑا پیش کرتے ہیں " جس میں بجائے ظالم کے ان سیدوں کو مظلوم ظاہر کرکے "سید حسین علی خاں کے قاتل کو کہ وہ بھی ایک " سیّد ہی تھے" یزید " بنا دیا گیا ہے "

میر حیدر " کہ رُو شناس و راہِ حُرمت داشت۔ احوال خود نوشتہ بدست " امیر الامراء " (سید حسین علی خاں) داد۔ . .

چوں دید کہ او مشغول خواندن است " آں چناں بہ چستی و چالاکی خنجر آبدار بہ پہلوئے آں بہادر نامدار رسانید " کارش با آخر انجامید میر عبدالجلیل حسینی واسطی بلگرامی مرثیہ نوشتہ است " ے

میر حیدر نے جو رُو شناس اور گفتگو کرنے والوں میں تھا۔ اپنا احوال لکھ کر "امیر الامراء (سید حسین علی خاں) کو دیا۔ . .

. . جب دیکھا کہ وہ پڑھنے میں مشغول ہے تو اس قدر چستی اور چالاکی سے خنجر آبدار اُس بہادر نامدار کے پہلو میں مارا کہ وہ فوراً مر گیا " میر عبدالجلیل حسینی واسطی بلگرامی نے مرثیہ لکھا ہے ے

آثار کربلاست عیاں از جبینِ ہند   زد جوشِ خونِ آلِ نبی از زمینِ ہند

شد ماتمِ حسین علی تازہ در جہاں   سادات گشتہ اند مصیبت نشینِ ہند

اے دوستان آل و محبّان اہلِ بیت غمگین شوید بہر حسین حزین ہند تا حقِ اہلِ بیت رسالت ادا شود " بزعم ایں جماعت منصوبہ بین ہند " سال شہادتش قلم واسطی نوشت ے ع

اے دوستانِ آل اور محبّانِ اہل بیت غمگین ہو جاؤ حسین حزین ہند کے واسطے " تاکہ حق اہل بیت رسالت کا ادا ہو " اس گروہ منصوبہ بین ہند کے زعم پر اُس کی شہادت کا سال واسطی کے قلم نے لکھا ہے ع

" قتل حسین کرد " یزید لعین ہند "

(۱۱۳۲ھ)

سید خواجہ لطف علی مودودی افغانی کا بیان " بیت متذکرہ کے متعلق

حاسدین و مخالفین کے اس قسم کے تبرّوں یا ہزلیات کی جنہیں ہم نے ابھی دکھایا ہے تعداد بیشمار ہے " مگر یہاں اِن چند کو بطور مثال دکھا دینے پر اکتفا کرکے۔ اب ہم اس قطعہ پر جس کا ایک شعر " نسبی بحث " میں " مؤلف امروہوی نے پیش کرنا ضروری خیال کیا ہے " سید خواجہ لطف علی صاحب مودودی افغانی " کا بیان " اُن کی مؤلفہ کتاب " ارمغان ہند " مطبوعہ تا ہیک احاطہ بمبئی سنہ ۱۳۱۱ ہجری سے لیکر نذر ناظرین کرتے ہیں کہ اس سے

(نوٹ ملا) سادات بارہہ کے متعلق جو وصیت شہنشاہ عالمگیر نے شاہزادہ عالی جاہ محمد معظم بہادر شاہ کو تحریر کی تھی وہ یہ ہے کہ۔

لیکن با سادات بارہہ کمال احتیاط باید نمود " در محبت ظاہرو باطنی تقصیر نباید کرد۔ و حسب ظاہر مرتبہ اینہا را نباید افزود کہ شریک غالب بلکہ شریک ظالم " بلکہ اندک استرخائے عنان شود ندامت فائدہ ندارد " ع دریغ سود ندارد چو رفت کار از دست "

لیکن سادات بارہہ کے ساتھ نہایت احتیاط کرنی چاہئے اور ظاہری و باطنی محبت میں کمی کرنی چاہئے " البتہ ان کا ظاہری مرتبہ نہ بڑھانا چاہئے کیونکہ یہ لوگ شریک غالب بلکہ شریک غالم بنتے ہیں " اور اگر ان کی باگ ذرا بھی ڈھیلی کر دی تو پھر پشیمانی سے کچھ فائدہ نہ ہوگا "

(صفحہ) سادات بارہہ کا شجرہ ابو یعلیٰ ابوالفرح واسطی زیدی سے ملتا ہے جو سید محمد صغریٰ بلگرامی کے بھی مورث تھے " ضلع ہردوئی کے گزیٹیر میں ہے " بلگرام اور شاہ آباد میں زیدی زیادہ ہیں " زیدی سادات اضلاع مظفر نگر و میرٹھ و بجنور میں زیادہ تعداد میں پائے جاتے ہیں " ضلع ہردوئی میں سو گاؤں اور بہ گز رہات پنڈروہ و بلگرام میں ان کے پاس زمینداری بھی بہت ہے "

(حیات میر جلیل حصہ دوم صفحہ ۱۱۱ تا ۱۱۹ مؤلفہ مقبول احمد صمدانی۔ مطبوعہ الہ آباد سنہ ۱۹۲۹ء)

ہندوستان نشستہ بنائے سلطنت اسلامیہ در کفرستان ہند انداخت

سپس غلامش قطب الدین ایبک و بختیار خلجی و شمس الدین التمش و رضیہ بیگم دخترش و نصیر الدین محمود پسرش و غیاث الدین بلبن دامادش و جلال خلجی و علاؤ الدین خلجی و پسرش قطب الدین مبارک و غلامش دولت خان افغان و سید خضر خان و پسرش سید مبارک شاہ و بہلول خان لودی و پسرش سکندر خان لودی و ابراہیم خان لودی تا کہ امیر ظہیر الدین بابر کابلی کہ از اولاد امیر تیمور چغتائی تاتاری بود بر ہند مسلّط شدہ سلطنت ہند بر اولادت مقرر گشت مثل ہمایوں بادشاہ و اکبر بادشاہ و جہانگیر و شاہجہان و اورنگ زیب معروف بہ عالمگیر تا ابو الظفر بہادر شاہ غازی

چوں مرزبانانِ و فرمانروایان جمیع اکناف و قطعات ہند چہ لکھنؤ و چہ بہار و چہ بنگالہ و چہ دکن و چہ گجرات و چہ میسور و چہ مدراس و چہ ملیبار تابع الامر و منقاد بادشاہانِ دہلی بودند و در بارگاہ سلاطین دہلی آمد و رفت داشتند

آئینِ اختلاط و حسنِ اخلاق و حسنِ کلام و طرزِ معاشرت و آئینِ معاش ملوکِ اسلام و امرایانِ سلطنت و حاشیہ نشینانِ بساطِ شاہی دیدہ و طریقۂ صحبت شان پسندیدہ قول و فعل شرف اندوزانِ بساطِ سلطنت را دستور العمل گردانیدہ و از ذکاوت و جودتِ طبع قوانینِ نو و آئینِ جدید بر ان افزودہ در ہر زمان و ایشان در آں اختراع و ابداع تازہ بکار بردند تا کہ مردم ہمہ اکنافِ ہند از مرزبانان و فرمانروایانِ ملک خویش ہمہ طریقِ اختلاط و تہذیب و ضوابط و خصائل و فضائل و قواعد نشستن و برخاستن را کہ آنہا از شاہانِ دہلی استنباط کردہ بودند اختیار کردند

تا کہ تمام عادات و اوضاع و شمایل و خصایل و فضایل و طریقِ حسنِ معاش مردمِ خراسان و ترکستان در ہمہ آفاق و اکناف و اطرافِ ہند شائع و منتشر گشت چنانچہ ایدون عادات و شمایل و طریقِ اختلاط و وضع سلام و کلام و لباس و تقریر و تحریر انگریزی و آئینِ معاشرت انگریزان در مردمِ ہند و در رؤسائے ہند و از آنہا در مردمِ ریاستہائے ہند منتشر گشتہ و ہنوز یوماً فیوماً در ترقی

پر تھیکر بنا و سلطنت اسلامیہ کی کفرستانِ ہند میں ڈالی

بعد ازاں اُن کے غلام قطب الدین ایبک اور بختیار خلجی اور شمس الدین التمش اور اُن کی بیٹی رضیہ بیگم اور اُن کا لڑکا نصیر الدین محمود اور غیاث الدین بلبن اُن کا داماد اور جلال خلجی اور علاؤ الدین خلجی اور اُس کا لڑکا قطب الدین مبارک اور غلام اُس کا دولت خاں افغان اور سید خضر خاں اور اُس کا لڑکا سید مبارک شاہ اور بہلول خاں لودی اور اُس کا لڑکا سکندر خاں لودی اور ابراہیم خاں لودی امیر ظہیر الدین بابر کابلی تک جو امیر تیمور چغتائی تاتاری کی اولاد سے تھا ہند پر مسلّط ہوا سلطنت ہند اُس کی اولاد پر مقرر ہوئی مثل ہمایوں بادشاہ اور اکبر بادشاہ اور جہانگیر اور شاہجہاں اور اورنگ زیب المعروف بہ عالمگیر ابو المظفر بہادر شاہ غازی تک

کیونکہ حاکم و فرمانروا تمام اکناف و قطعات ہندوستان کے کیا لکھنؤ کیا بہار کیا بنگالہ کیا دکن کیا گجرات کیا میسور کیا مدراس اور کیا ملیبار بادشاہانِ دہلی کے حکموں کے تابع ہوئے ہیں اور وہ آمد و رفت شہنشاہانِ دہلی کے درباروں میں رکھتے تھے

اُنہوں نے ملنے جلنے کے طریقوں اور حسنِ اخلاق اور حسنِ کلام اور طرزِ معاشرت اور آئینِ معاش ملوک اسلام اور اُمرائے سلطنت اور حاشیہ نشینانِ بساطِ شاہی کو دیکھ کر اور اُن کے طریقۂ صحبت کو پسند کر کے قول و فعل اُن بساطِ سلطنت سے شرف اندوز ہو کر اپنا دستور العمل بنایا اور اپنی ذکاوت اور جودتِ طبع سے نئے نئے قوانین و آئین اُن میں بڑھا کر اور ہر زمانہ میں نئی نئی ایجادیں کر کے کام میں لاتے رہے یہاں تک کہ سارے ہندوستان کے لوگوں نے اپنے ملک کے حکمرانوں اور فرمانرواؤں کے سارے طریقے اختلاط و تہذیب کے اور قاعدے تعظیم و تکریم کے اور ضابطے خصائل و فضائل کے جو انہوں نے شاہانِ دہلی سے سیکھے تھے اختیار کر لئے

یہاں تک کہ تمام عادات و اوضاع و شمایل و خصایل و فضایل اور طریقے حسنِ معاش خراسان و ترکستان کے لوگوں کے تمام اکناف و اطراف ہندوستان میں شائع ہو گئے اور پھیل گئے جس طرح اس زمانہ میں عادات و شمایل اور طریقے اختلاط اور وضع سلام و کلام اور لباس و تقریر و تحریر انگریزی اور آئینِ معاشرت انگریزی ہندوستان کے لوگوں میں اور ہندوستان کے رئیسوں میں اور ہندوستان کی ریاستوں کے لوگوں

وتزاید است۔ تا آنکہ مدت تسلط حکام فرنگ بر تمامی اکناف و آفاق ہندوستان از شصت سال یا ہفتاد سال است۔

چہ دلیل بیّن است کہ کلام قدیم مردم ہند بنگالی و سنسکرت و کنشری و اڑدی و تلنگی و گجراتی و مرہٹی و شاستری و پنجابی و کشمیری و سندھی و دیگر زبان یا بود۔ مذہب شان بت پرستی۔

و طریق معاش شان دہقانی۔ ایں قدر علم و فضل و ہنر و انسانیت و اسلام از کہ آموختند و مایۂ لیاقت علمی و استعداد فارسی و علوم عربی از کجا اندوختند۔ بجز آں کہ اقرار کنند کہ از مردم خراسان و ترکستان و ایران۔ چارہ دیگر نیست۔ چہ تمام علماء و فضلاء و صلحاء و اولیاء و اہل ہنر و فضل کہ در ہند رفتہ اند۔ یا آنکہ پادشاہان خراسان و ترکستان در ہندوستان رفتہ اند۔ باعین حکومت و تسلط آنہا۔ و یا اولاد آنہا۔ وارد ہند گردیدہ۔ و متوقف آنجا گشتہ۔ انتشار علم و فضل و عرفان و ہنر فرمودہ اند۔

و ہیچ یکے از صحابہ رضی حضرت سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام و تابعین و تبع تابعین در ہند رفتہ ساکن نشدہ۔ اگرچہ نخست ابوالعاص عامل یمن در عہد امیر المومنین حضرت عمر رضی در ۱۵ ہجری بر نواح بمبئی قریب مقام تھانہ۔ پس تر امیر مہلب بر ملتان۔ پس تر محمد بن قاسم برادر زادہ حجاج در عہد خلافت ولید بر ملک سندھ رسید۔

و حجۃ الراسخین امام المحققین سلطان الکاملین ہند الولی خواجہ معین الدین حسن سجزی چشتی اجمیری کہ جمیع اولیائے ہند از ان ذات شریفش فیضیاب اند۔ اگرچہ پیشتر از تسلط شاہان خراسان و ترکستان رفتہ در ہندوستان اقامت فرمودہ۔ اکناف ہند را بہ انوار برکات منور ساختہ ہم از ملک سیستان کہ از توابعات ایران است بودند۔ مدار علم و فضل و ہنر و لیاقت و مردمیت و عرفان برائے اہالی ہند مردم خراسان و ترکستان و ایران اند۔

الحمد للہ والمنۃ کہ ایں دو زمان ضوابط تہذیب خصایل و قواعد فضائل و فواضل و اخلاق جمیلہ و فنون جلیلہ و علم و فضل و ہنر و شایستگی مقال و محامد افعال و نرم گوئی و دل جوئی و نغز پوشی و انسانیت فتوت و مروت و شوکت و حشمت و مہمان نوازی و وفا و حیا

میں پھیل گئے ہیں۔ اور دن بدن اُن میں ترقی ہو رہی ہے۔ حالانکہ حکام فرنگ کے تسلط کی مدت سارے ہندوستان پر ساٹھ یا ستر سال ہے۔

کیسی بیّن دلیل ہے کہ پرانی زبانیں ہندوستان کے لوگوں کی بنگالی و سنسکرت اور کنشری و اڑدی اور تلنگی و گجراتی اور مرہٹی و شاستری اور پنجابی و کشمیری و سندھی اور دوسری زبانیں تھیں اور مذہب ان کا بت پرستی۔

اور طریق معاش اُن کا دہقانی تھا۔ اس قدر علم و فضل اور ہنر و انسانیت اور اسلام سے جو سیکھا ہے اور دستگاہ لیاقت علمی اور استعداد فارسی اور علوم عربی کہاں سے حاصل کئے ہیں۔ سوا اس بات کے اقرار کرنے کے کہ خراسان و ترکستان و ایران کے لوگوں سے سیکھا ہے۔ دوسرا چارہ نہیں ہے۔ تمام علماء و فضلاء اور صلحاء اور اولیاء اور اہل ہنر و فضل دوسرے جو ہند میں گئے ہیں۔ اُن کی حکومت و تسلط کے وقت اور یا اُن کی اولاد نے ہندوستان میں آکر قیام پذیر ہو کر علم و فضل اور عرفان و ہنر پھیلایا ہے۔

اور صحابہ رضی حضرت سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام اور تابعین اور تبع تابعین میں سے کسی نے ہندوستان میں آکر سکونت نہیں اختیار کی۔ اگرچہ اوّل ابوالعاص عامل یمن امیر المومنین حضرت عمر رضی کے عہد میں ۱۵ ہجری میں بمبئی کے نواح میں مقام تھانہ کے قریب آئے۔ اُن کے بعد امیر مہلب ملتان پر۔ پھر حجاج کا بھتیجا محمد بن قاسم۔ ولید کے عہد خلافت میں ملک سندھ پہنچے۔

و حجۃ الراسخین امام المحققین سلطان الکاملین ہند الولی خواجہ معین الدین حسن سجزی چشتی اجمیری۔ جن کی ذات شریف سے ہندوستان کے سارے اولیاء مستفیض ہیں۔ اگرچہ انہوں نے شاہان خراسان و ترکستان کے تسلط سے پہلے جاکر ہندوستان میں اقامت فرمائی اور اکناف ہند کو انوار برکات سے منور بنایا وہ بھی ملک سیستان کے تھے جو توابعات ایران سے ہے۔ مدار علم و فضل اور ہنر و لیاقت اور مردمیت و عرفان ہندوستان کے رہنے والوں کے لئے خراسان و ترکستان اور ایران کے لوگ ہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ اس زمانہ میں بھی وہی ضابطے تہذیب خصائل کے اور قاعدے فضائل و فواضل اور اخلاق جمیلہ اور فنون جلیلہ اور علم و فضل اور ہنر و شایستگی مقال۔

اور حمیدہ افعال اور نرم گوئی اور دل جوئی اور خوش پوشی۔ اور انسانیت اور جوانمردی اور مروت اور شوکت و حشمت اور مہمان نوازی

وتحمّل وتجمّل در خواص وعاید مردم کابل وقندھار وہرات وبلخ وبخارا
ودیگر بلاد خراسان وترکستان بنوعے کہ بود موجود است

ہنوز آں ابر رحمت دُر فشان است — خم وخمخانہ با مہر ونشان ست
حریفان بادہا خوردند ورفتند — تہی خم خانہ ہا کردند ورفتند

اگرچہ مردم خونریز وسفاک وشریران وفتان وغارتگران
نیز دریں جا موجود اند چہ ہر جا گل است خار است و با خمر
خمار است وبر سر گنج مار است آنجا کہ دُر شاہوار است نہنگ
مردم خوار است

اگرچہ برتقدیر تسلیم در ہند مطابق دعوی مردم ہند علم وفضل
وہنر وآدمیت وحسن خلق شائع است وعلماء وفضلاء موجود اند
اما بدمعاشی وکج طبعی ودرشت خلقی وشرارت ودروغ و
افتراء نیز جاری است وشریران وسفاک اشاق وفجار و
مردم بدکار نیز در ہند موجود اند چہ در ہر ملک و ہر بلاد مردم
نیک وبد وخواص وعوام وادنی واعالی ہمہ باشند ایں چند
کلمہ برائے تفہیم وتعلیم مردم ہموطن خود نبشتہ ام کہ تا ازیں حال
متنبہ بودہ حین ورود ہندوستان بجواب شافی پرداز ند تا
از طعنہ ہندیان نجات واز مزاح شان فلاح یابند

اور وفا اور حیا اور تحمل وتجمل کے صفات کابل وقندھار اور ہرات وبلخ وبخارا
اور دوسرے خراسان وترکستان کے علاقوں کے خواص وعاید لوگوں میں جس
طرح تھے موجود ہیں ؎

ہنوز آں ابر رحمت دُر فشان است — خم وخمخانہ با مہر ونشان ست
حریفان بادہا خوردند ورفتند — تہی خم خانہ ہا کردند ورفتند

اگرچہ خونریز وسفاک اور شریر وفتنہ انگیز اور غارتگر لوگ اس
جگہ بھی موجود ہیں جہاں پھول ہے وہاں کانٹا بھی ہے اور خمرہے
خمار ہے اور خزانہ کے اوپر سانپ ہے جہاں کہ موتی آبدار ہے۔
نہنگ مردم خوار بھی ہے

بہر تقدیر اگر یہ مان لیا جائے کہ ہندوستان میں ہندوستانیوں کے
دعوے کے مطابق علم وفضل اور ہنر وآدمیت اور حسن خلق شائع ہے
اور علماء وفضلاء موجود ہیں لیکن بدمعاشی اور کج طبعی اور درشت خلقی اور
شرارت اور جھوٹ اور افترا بھی جاری ہے اور شریر اور سفاک اور فاسق
اور بدکار اور بدافعال لوگ ہندوستان میں موجود ہیں اس لئے کہ ہر ملک
اور ہر علاقہ میں اچھے اور برے لوگ اور خواص اور عوام اور شریف ورذیل
لوگ ہوتے ہیں یہ چند باتیں میں نے اپنے ہموطنوں کی تفہیم اور تعلیم کے واسطے
لکھدی ہیں کہ وہ ان حالات سے واقف رہکر ہندوستان میں داخل ہونے کے
وقت جواب شافی دیں تاکہ ہندوستانیوں کے طعنہ سے نجات اور ان کی
بیہودہ گوئی سے فلاح پاویں

صاحب المشاہیر زبیری کنبوی کا بیان اس بیعت کے بارے میں

سید خواجہ لطف علی خودودی افغانی کے بیان یا جواب کے بعد اب ہم جناب منشی فیض احمد صاحب زبیری کنبوی
مرحوم ومغفور کی اس تحریر کو پیش کرتے ہیں جو آں جناب نے سلسلۂ عالیہ مؤلفہ حکیم عنایت حسین صاحب زبیری کنبوی مارہروی رحمۃ اللہ علیہ
(المتوفی ۱۲۶۵ھ ہجری) مطبوعہ فیض منبع ہاشمی واقع شہر میرٹھ ۱۳۰۱ ہجری کے صفحہ ۱۸۹ پر اس قطعہ کے بارے میں ارقام فرمائی ہے

مخفی نماند کہ پیش گاہ ایں بادشاہ خجستہ بنیاد سلطان سکندر
ودیگر سلاطین ماضیہ نیاکان ایں طائفہ کرام چقدر تقرب ومنزلت
داشتند اما بقول آنکہ ؎

نوائم آنکہ بنیاد ازم اندرون کے — سبو راچہ کم کوز خود برنج دراست

بعض کم نگہان بہ طبیعت وطینت کہ داشتند از شرف ما تقدم ایں
گروہ کہ منجانب اللہ بود ملول آمدہ زبان بہ تکوہش کشادہ اند و
[illegible]

یہ بات چھپی ہوئی نہیں ہے کہ بادشاہ خجستہ بنیاد سلطان سکندر
لودی اور دوسرے پہلے بادشاہوں کے پاس اس قبیلہ کے بزرگوں کو کس قدر
تقرب اور منزلت حاصل تھی لیکن بقول آنکہ ؎

نوائم آنکہ بنیاد ازم اندرون کے — سبو راچہ کم کوز خود برنج دراست

بعض کوتاہ نظروں نے اپنی طبیعت اور خصلت کی وجہ سے اس جماعت کے
شرف اور امتیاز سے جو خداداد تھا غمگین ہو کر اس کی برائی میں زبان کھولی ہے
[illegible]

اگر قحط الرجال افتد ازیں سہ انس کم گیری
ز افغان کینہ می آید۔ ز کنبو حیلہ می آید

ہر چند سلسلۂ سخن دراز است ٭ و میدان بیان وسیع ٭ اما
از آنجا کہ سفیہا نہ با کسے سر جنگ نداریم ٭ بر ہمیں بسندہ می نمایم ٭ کہ کوتاہ
بینان ٭ ناصواب اندیش ٭ باندک خلافے ٭ در ہجو ٭ داستان ہائے
طویل گفتہ ٭ مجموعہ ہا فراہم آوردہ اند ٭ و ہیچ طبقہ را از طبقات
سلاطین ٭ و نوئینان سعادت قرین ٭ و بزرگان دین ٭ و ہادیان
راہ یقین ٭ از سب و شتم نگذاشتہ اند ٭ تا بدیگران چہ رسد ٭
بدیں دو بیت کہ ہاجی بیان سرا ٭ دو قوم دیگر را باں مشترک کردہ۔
بر آشفتن۔ و در پے انتقام بودن ضرورت ندارد ٭ رباعی

دشنام اگر دہد خسیسے — چارہ نبود بجز شنیدن
گر پائے کسے سگے گزیدہ — با سگ نتواں بعوض گزیدن

دانا داند کہ بر خود ابتیاعے از کسے آزردن۔ و قلم بر تقدح قومی بر داشتن
محاسن مقبلی زائل نہ بیتوا اند کرد ٭ و بر ہجو ٭ ہجا گویان ٭ استناد و
احتجاج نتواں گرفت ٭ و تمامی قوم را بر آں نا سزا نتواں انگاشت

شعر

اگر مدبری مشک را گندہ گفت

و اگر مسلم دارند۔ قومی اند عالی و ادنی ٭ از ایں چنیں زخارف
و زقائی و خلال ٭ معصوم نخواہد ماند ٭ زیرا کہ ایں حملہ۔ نہ مخصوص بریں
قوم بودہ است ٭ بل پست فطرات بخصومتے کہ داشتہ باشند ٭
نسبت دیگر اقوام ہم چنیں ابیات بر زبان آوردہ اند ٭ چنانکہ
کسے گفتہ

ہر جا جمع می آیند سادات — فسادات فسادات فسادات
شیطان تیسرکوہ۔ زنے را کا یند — زن را چکلے جاندود ہو تمر زائید

٭ لاحول و لا قوۃ الا باللہ ٭ و ہمیں سان بحق دیگر اقوام ہنود و
مسلمانان ٭ اشعار و فقرات بے پراستہ و افواہ مشہور و معروف است ٭
کہ بخوف اطناب گذاشتہ آمد۔ و بیش ازیں دراز دستی ٭ اینکہ تا آنکہ آستینتا
بجا باشد ٭ کہ خدا و رسول را ہم از زبان خود خلاص نکردہ اند

قیل ان للہ ذو ولد — قیل ان الرسول قد کہنا
ما نجا اللہ و الرسول معاً — من لسان الوریٰ فکیف انا

پس مخافت قول قائلین ظاہر است ٭ تا بہم و تعلقہ۔

یکے افغان ٭ دوم کنبوہ ٭ سوم بد ذات کشمیری
ز کشمیری نمی آید بجز اندوہ و دلگیری

اگرچہ باتیں بہت سی ہیں۔ اور بیان کا میدان وسیع ہے ٭ لیکن اسلئے کہ سفیہانہ
کسی سے لڑائی منظور نہیں ہے ٭ بس اتنا ہی بتلا دینا کافی ہے کہ ٭ کوتاہ نظر
نادانوں نے تھوڑے سے اختلاف پر ہجو میں بہت سی کہانیاں گھڑ کر اُن کے
ڈھیر فراہم کر دیئے ہیں اور طبقات سلاطین اور امرائے سعادت قرین اور
بزرگان دین اور ہادیان راہ یقین میں سے کسی طبقہ کو گالی گلوج سے نہیں
چھوڑا ہے ٭ دوسروں کا تو کہنا ہی کیا ہے ٭ ہجو کرنے والے بیہودہ گو نے
دو دوسری قوموں کو بھی اِس میں شامل کر لیا ہے ٭ خفا ہونے اور بدلہ لینے
کے درپے ہونے کی ضرورت نہیں ہے ٭ (ترجمہ رباعی)
اگر کوئی نالایق گالیاں دے ٭ تو شریف آدمی کو اُنکے سُننے بغیر چارہ نہیں ہے
اگر کسی کے پاؤں کو کتّا کاٹ لے ٭ تو اُسکے بدلے میں کتّے کو نہیں کاٹ سکتے
عقلمند جانتے ہیں کہ کسی شخص کی ذات سے رنجیدہ ہو کر اُس کی قوم کی بُرائی
کرنے پر قلم اٹھانے سے مدار جہانِ اقبال مندی کے اُس قوم کی زائل نہیں
کئے جا سکتے ٭ اور ہجو کہنے والوں کی ہجو پر استناد اور احتجاج کرنا بیفائدہ
ہے ٭ اور اس سے تمام قوم کو بے شعور نہیں بنایا جا سکتا

تو مجموع باش او پراگندہ گفت

اور اگر غور کریں تو اعلیٰ اور ادنیٰ قوموں میں سے کوئی بھی اور
بانی صاف و شیریں اور شیر و شکر بھی اِس قسم کی ملمع سازیوں سے
محفوظ نہیں پائی جائے گی ٭ اس لئے کہ یہ حملہ مخصوص اِسی قوم پر نہیں
ہوا ہے بلکہ پست فطرتوں نے اپنی دشمنی کی وجہ سے دوسری قوموں کی نسبت
بھی ایسی ہی بیتیں کہی ہیں ٭ چنانچہ کسی نے کہا ہے

ہر جا جمع می آیند سادات — فسادات فسادات فسادات
شیطان تیسرکوہ زنے را کا یند — زن را چکلے جاندود ہو شتر زائید

٭ لاحول و لا قوۃ الا باللہ ٭ اور اسی طرح دوسری ہنود و مسلمان اقوام کے حق میں
اشعار و فقرے زبانوں پر جاری اور مشہور و معروف ہیں جنکو طوالت کی وجہ سے چھوڑ دیا
اور ان کم ظرفوں کی دراز دستی اِس سے زیادہ کیا ہو گی کہ خدا اور رسول کو بھی
نے اپنی زبان سے خلاص نہیں کیا ہے

قیل ان للہ ذو ولد — قیل ان الرسول قد کہنا
ما نجا اللہ و الرسول معاً — [illegible]
[illegible]

مولانا احمد حسن صاحب شوکت ایڈیٹر و منیجر اخبار شحنہ ہند و طوطی ہند شہر میرٹھ کا بیان "اس بیت پر"

آج سے تقریباً چالیس سال پیشتر اپنے اخبار شحنہ ہند و طوطی ہند شہر میرٹھ میں مولانا شوکت مرحوم نے لکھا تھا کہ ع

اگر قحط الرجال افتد ازیں سہ انس کم گیری ...... الخ

ان اشعار کی تصنیف سے "حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ" کو متہم کیا گیا ہے "کوئی ان سے پوچھے کہ یہ شعر "کلیات سعدی" سے انتخاب فرمائے گئے ہیں" یا کسی تاریخ و تذکرہ میں دیکھے "یا حضرت شیخ علیہ الرحمۃ کی اولاد سے" عالم رؤیا میں سنے ہیں "کلیات سعدی" اور اکثر تاریخ و تذکرہ کی کتابیں تو ہماری نظر سے بھی گذری ہیں "ہم نے کہیں "شیخ علیہ الرحمۃ" کے مقولہ یا اس غیر موزوں نظم کو نہ دیکھا" نہ سنا "اس قسم کے بیہودہ اشعار" یا خوش طبعی و ظرافت میں تصنیف ہوتے ہیں "یا محض حسد و عناد کے "نتیجے ہوتے ہیں" اس واسطے شاعرانہ قدح و مدح کی نظموں کا اثر "کسی کے حسب و نسب و قوم پر" اعتباری نہیں ہوتا" چنانچہ اسی طرح اکثر "نظم" مشہور ہیں "جن میں سے دو تین اشعار مجھے بھی یاد ہیں" مثلاً عرض کرتا ہوں "کسی نے "نفسانیت کے رنج میں تصنیف کر دیا ہے" ۔ے

ہر جا جمع می آیند سادات ۔۔۔ ضادات فسادات فساداتست

یا کسی نے خوش طبعی و ظرافت میں لکھ دیا "ے اگر یک بود سے فعالات میر + بزی نام گفتی نہ گفتی کہ میر

ان تصنیفات کے اعتبار سے معاذ اللہ "سادات کی شان میں کچھ فرق سمجھا جائے گا" یا کسی حاسد نے تصنیف کر دیا کہ ے

زسگ آمد اگت بزاغان غال گرفتند ۔۔۔ حریفان نام ازو "افغان گرفتند

تو کیا "افغانیوں کی" یہی کیفیت قرار پائے گی"

تاریخی علم جاننے والے ہر شخص کو علم ہے کہ "ہزار یا نو سو برس سے" جو قبائل مسلمانوں کے "ولایت سے آ کر یہ ہندوستان میں آباد ہیں" اُن ہی میں "کنبوہ" بھی شامل ہیں" اور اُسی زمانہ سے اس وقت تک "ہر عہد سلطنت میں" علمی فضل و کمال "اور دیگر صفات انسانی سے "خدمات مناصب علیا شاہی پر معزز و موقر" اور "حاسدان زمانہ کے محسود" رہے اور ہیں"

سلاطین ماضیہ کے عہد سلطنت و حکومت میں "خدمات جلیلہ سے "خطابات نوابی" وغیرہ پاتے رہے" اور اب بھی "حکومت انگلشیہ میں" بقیام آن اپنے خطابات آبائی کے "دیگر معزز خطابات انگلش زبان سے "ممتاز" اور خدمات مناصب رفیعہ پر سرفراز ہیں"

علامہ گرامی "میر غلام علی آزاد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی سنہ ۱۲۰۰ ہجری) جو علم تاریخ میں محقق "مسلم الثبوت ہیں" انہوں نے اپنے تذکرہ خزانہ عامرہ "میں لکھا ہے کہ "ہندوستان میں ابتدائے عملداری مسلمانان سے "حضرات کنبوہ" ہی خاص خدمات احکام شرعیہ پر مامور رہے" اور اب بھی ہیں"

شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب مرحوم مصنف تاریخ ہندوستان کا بیان اس بیت کے زمانے اور لکھنے والے کی حیثیت پر

اپنی تاریخ ہندوستان جلد پنجم "اقبال نامہ اکبری" مطبوعہ مطبع انسٹیٹیوٹ علیگڑھ کے صفحہ ۹۱۵ پر "خان بہادر" شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی نے "نواب شہباز خان کنبوی" کے حال میں تحریر فرمایا ہے کہ "قوم کنبوہ" کی شان میں یہ ایک شعر زبان زد خاص و عام ہے "ے

اگر قحط الرجال افتد ازیں سہ انس کم گیری
یکے افغان "دوم کنبوہ" سوم بد ذات کشمیری

پنجاب، بلوچستان اور افغانستان زمانۂ قریب کے نام ہیں

شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب کا بیان دیکھ چکنے کے بعد یہ بات بھی یاد رکھنی ضروری ہے کہ زمانۂ ماقبل میں "پنجاب" "بلوچستان" اور "افغانستان" کسی ملک یا حصۂ ملک کے نام نہ تھے بلکہ ان حصص کے یہ نام بہت بعد میں اختیار کئے گئے ہیں۔

(۱) تاریخ سندھ حصۂ اول مؤلفہ مولوی عبدالحلیم صاحب شرر کے صفحہ ۲۲ پر ہے کہ "رائچ نے اپنی سلطنت مضبوط کی اور ایک چشمے کے کنارے جو "پنجاب" کہلاتا تھا، اپنی قلمرو اور مملکت کشمیر کے درمیان میں سرحد قائم کرنے کے لئے دو بڑے درخت نصب کرائے۔۔۔ "پنجاب سے مراد دریائے جہلم کا سرچشمہ ہے جہاں پانچ سوتے جدا جدا نکل کر ایک میں مل گئے ہیں۔"

(۲) قاضی تطہیر حسین صاحب فاروقی نے "القریش" امرتسر بابت ماہ اپریل ۱۹۳۰ء کے صفحہ ۱۶ تا ۱۸ پر اپنے مضمون "میری سرگذشت تاریخی رنگ میں" کے صفحہ ۲ میں لکھا ہے کہ "ان دنوں سارا بلوچستان "سندھ" میں شمار کیا جاتا تھا اور راجگان سندھ کے قبضہ میں تھا۔ اس وقت جغرافیہ میں کوئی ملک "بلوچستان" کے نام سے مشہور نہ تھا۔" پھر رسالہ القریش امرتسر بابت ماہ اگست کے صفحہ ۲۸ و ۲۹ میں اسی مضمون کے صفحہ ۷ میں لکھا ہے کہ "اب مکران، سراوان، جھالاوان (قدیم طوران) لسبیلہ، کچھی اور کچھ حصہ افغانستان (قدیم خراسان) کا حصہ کے مجموعہ کو "بلوچستان" کہتے ہیں۔ جو قبل ازیں ملک سندھ کے حدود میں شامل تھے۔ اور بلوچستان کے نام سے اس سے قبل کوئی ملک نہ تھا۔ سنہ ۱۵ صدی عیسوی میں "شہک بلوچ" نے معیت اپنے فرزند "چاکر خان" کے "قلات" کو "اقوام بروہی" سے فتح کیا۔ اور پھر تھوڑے ہی عرصہ میں "گنداوا" "سبی" اور علاقہ "کچھی" کو اپنا مطیع کر لیا۔ یعنی بلوچ قوم کی حکومت کے بعد سے اس کا نام "بلوچستان" پڑ گیا۔"

(۳) اپنے مضمون "میری سرگذشت تاریخی رنگ میں" کے صفحہ ا میں قاضی صاحب موصوف نے "القریش" امرتسر جلد ۱۶ نمبر ۳ کے صفحہ ۱۲ تا ۱۴ میں لکھا ہے کہ "اتفاقات زمانہ سے "توران" (طوران) ہی کا نام تبدیل نہیں ہوا بلکہ وہ متقابلہ سرزمین بھی۔ جو اب "افغانستان" کے نام سے موسوم ہے۔ اسی خراد پر چڑھ چکی ہے۔"

(۱) ہندوؤں کی پرانی کتابوں میں اس کا نام "پاپک" مندرج ہے۔

(۲) جب اس پر ایرانی قابض ہوئے تو دو حصوں میں منقسم کر کے اس کا نام "زابلستان" اور "کابلستان" رکھا گیا۔

(۳) جب سکندر اعظم اس پر متصرف ہوا تو یونانی زبان میں اس کا نام "بکٹیریا" پڑا۔

(۴) جب مسلمانوں نے اسے فتح کیا تو "کابل و قندھار سے لیکر ایران تک کا ملک "خراسان" کے نام سے مشہور ہوا۔

(۵) پھر نادر شاہ کی وفات کے بعد جب اکتوبر ۱۷۴۷ء میں "احمد شاہ ابدالی" تخت قندھار پر متمکن ہوا۔ تو اس وقت سے اس ملک کا نام "افغانستان" ہوا لیکن مغربی حصہ کو اب بھی لوگ "خراسان" ہی کہتے ہیں۔"

فتوح البلدان جزو دوم میں "زابلستان" اور "غزنی" کے درمیان "دریائے ہلمند کے نیچے کے علاقہ کو "سجستان" اور اوپر کے علاقہ کو بلخ تک "طخارستان" لکھا ہے۔ غرضیکہ ہر طرح ثابت ہے کہ "افغانستان" بالکل جدید نام ہے۔

افغانستان میں جو قومیں بستی ہیں اور جو زبانیں وہاں بولی جاتی ہیں

افغانستان میں جو قومیں آباد ہیں ان کی تفصیل "جغرافیائے افغانستان" مطبوعہ مطبع مفید عام لاہور ۱۳۰۰ ہجری میں جو بہ تحریر محمد حسین خان رئیس تدریسات و تصویبات جناب فیض محمد خان وزیر معارف (تعلیمات) افغانی طلبا کو افغانستان میں پڑھایا جاتا ہے کے صفحہ ۱۹ تا ۳۲ [illegible]

اگرچہ با علاوہ بر باشندگانے کہ دریں ملکِ مقدّس از ابتدا سکونت داشتہ اند، مجموعہ مختلفہ ایم کہ از مصر و شام و عرب و ایران و تاتار و یونان و ہندوستان در ازمنۂ متفرقہ آمدہ دریں جا ساکن شدہ اند۔
امّا باوجود اختلافِ انساب ہمہ مایک ملّت واحد افغان شمردہ مے شویم۔ و آں قبائل جداگانہ منقسم است۔

درّانی | ایں قبیلہ جلیلہ تا عہدِ احمد شاہ بنامِ ابدالی مشہور بود۔ زیرا منسوب بہ ابدال شدہ۔

قوم شیخ بٹنی | در ہندوستان ہم بسیار آباد شدہ است۔

غلزئی | قبیلۂ عظیم غلزئی از دخترِ بٹنی گفتہ میشود کہ در طوائف زیاد منقسم است۔

قریش | در تعداد از سیّدان کمتر اند۔ و مثلِ شان در ہر علاقہ چند خانہ دارند۔

دولت شاہی | بقریش منسوب مے شوند۔ و قاضی و مفتی از ایں ہا مقرر مے شوند۔

عرب | در جلال آباد و کابل و ترکستان وغیرہ سکونت دارند۔ زراعت و تجارت و دوکانداری وغیرہ میکنند۔

اولادِ سیّد محمّد گیسو دراز | اگرچہ استرانی و مشوانی و وردک و ہنی را بسیادت منسوب میکنند۔ امّا باوصف آں ایں ہمہ طوائف افغانان خالص میباشند۔ و حصّۂ ملّتِ افغان گفتہ میشوند۔

سادات | بعض سادات در کابل و کڑ و کوہستان و پشین و در قریہ افغانستان سکونت دارند۔ و دیگر طوائف افاغنہ مترادف نگشتہ اند۔ باوجود آں جزوِ ملّتِ افغان مے باشند۔
اکثر شان ملکداری میکنند۔ و تجارت نیز مے پردازند۔ چنانچہ سیّدانِ پشین خیلے تجارِ متموّل اند۔

اگرچہ ہم علاوہ اُن باشندوں کے جو اس ملکِ مقدس میں شروع سے سکونت رکھتے ہیں۔ مختلف مجموعہ ہیں جو مصر و شام و عرب اور ایران و تاتار اور یونان و ہندوستان سے مختلف زمانوں میں آکر اس جگہ ساکن ہوئے ہیں۔
لیکن باوجود نسبوں میں مختلف ہونے کے ہم سب ایک قوم واحد افغان اپنے آپ کو سمجھتے ہیں۔ اور وہ الگ الگ قبائل میں منقسم ہیں۔

دُرّانی | یہ قبیلہ جلیلہ احمد شاہ کے عہد تک ابدالی کے نام سے مشہور تھا۔ اس لیے منسوب بہ ابدال ہوا۔

قوم شیخ بٹنی | ہندوستان میں بھی بہت آباد ہو گئی ہے۔

غلزئی | قبیلہ عظیم غلزئی کے متعلق کہتے ہیں کہ بٹنی کی بیٹی کی اولاد ہے جو بہت سے قبائل میں منقسم ہے۔

قریش | تعداد میں سیّدوں سے تھوڑے ہیں۔ اور اُن کی طرح ہر علاقہ میں چند گھر رکھتے ہیں۔

دولت شاہی | قریش سے منسوب ہوتے ہیں۔ اور قاضی و مفتی ان ہی میں سے مقرر ہوتے ہیں۔

عرب | جلال آباد اور کابل اور ترکستان وغیرہ میں سکونت رکھتے ہیں۔ اور زراعت۔ تجارت۔ دوکانداری وغیرہ کرتے ہیں۔

اولادِ سیّد محمّد گیسو دراز | اگرچہ استرانی اور مشوانی اور وردک اور ہنی کو سیادت سے منسوب کرتے ہیں۔ لیکن باوصف اس کے یہ سب قبائل خالص افغان ہو کر حصّۂ ملّتِ افغان کہے جاتے ہیں۔

سادات | بعض سادات کابل اور کڑ اور کوہستان اور پشین اور افغانستان کے ہر گاؤں میں سکونت رکھتے ہیں۔ اور دوسرے طوائف افاغنہ کے شریک نہیں ہوئے ہیں۔ باوجود اس کے جزوِ ملّتِ افغان کا ہیں۔
اکثر اُن میں سے ملکداری کرتے ہیں اور تجارت بھی کرتے ہیں۔ چنانچہ پشین کے سیّد بہت متموّل تاجر ہیں۔

اس کے بعد جو اور قومیں یا قبائل جغرافیہ میں بتائے ہیں۔ طوالت سے بچنے کے لئے اب ہم صرف اُن کے نام لکھتے ہیں۔

(۱) غر عشت (۲) غوندی (۳) افاغنہ لودی (۴) لوحانی حصّۂ طائفہ شوری (۵) شوری از طائفہ لوحانی (۶) اولاد کرڑان مثلاً (۷) والازکی (۸) اورک زئی (۹) منگل مقبل (۱۰) خوگیانی (۱۱) آفریدی (۱۲) خٹک (۱۳) وزیری (۱۴) شیتک (۱۵) جدران (۱۶) اتمان خیل وغیرہ (۱۷) آزمحمّد (۱۸) کاسی (۱۹) سپین زئی (۲۰) تاجیک (۲۱) ہزارہ از نسل مغل (۲۲) ایماق (۲۳) کیانی از اولاد کیقباد و رستم (۲۴) مغل (۲۵) قزلباش ترکی النسل (۲۶) ازبک (۲۷) ریگان۔ (۲۸) ہندکی۔

(۲۹) ایں طائفہ مشتمل است بر چند قبائلیکہ از ہندوستان آمدہ در افغانستان آباد شدند۔

(۲۹) یہ طائفہ چند قبائل پر مشتمل ہے جو ہندوستان سے آکر افغانستان میں آباد ہوئے ہیں۔

(۳۰) ہنود۔ این ہا باشندگانِ قدیم نیستند، بلکہ در عہدِ شاہانِ دہلی، چوں افغانستان بہ ہندوستان ملحق بود۔ دریں جا آمدہ شدند۔

(۳۱) قومِ سکھ۔ نیز در بعض دیہات سکونت دارند۔

(۳۲) تیراہی (۳۳) کشمیری در سوات و باجور و پغمان و شمالی افغانستان تا کابل و قندھار۔ یافتہ میشوند۔

(۳۴) کُرد۔ اکثر در کابل و نواحِ آں۔ و غزنی سکونت دارند۔ و بعض شان۔ زبانِ کُردی۔ میدانند۔

(۳۵) لیبرکی۔ نادر شاہ از قفقاز آوردہ درآنجا آباد کردہ بود۔

(۳۶) قلماق۔ از نسلِ تاتار اند۔

(۳۷) حبشی۔ اوّل بطورِ غلامان آوردہ شوند۔

(۳۸) یہودی۔ در ہرات و بلخ مساکن۔ شاکنت۔ و بلوچ۔

(۳۰) ہندو یہاں کے قدیم باشندے نہیں ہیں۔ بلکہ دہلی کے بادشاہوں کے عہد میں کیونکہ افغانستان ہندوستان سے ملحق تھا۔ اِس جگہ آ گئے ہیں۔

(۳۱) سکھ بھی بعض گاؤں میں سکونت رکھتے ہیں۔

(۳۲) تیراہی۔ (۳۳) کشمیری۔ سوات میں۔ اور باجور اور پغمان میں شمالی افغانستان سے کابل و قندھار تک پائے جاتے ہیں۔

(۳۴) کُرد۔ اکثر کابل اور اس کے نواح میں۔ اور غزنی میں سکونت رکھتے ہیں۔ اور بعض اُن میں سے کُردی زبان جانتے ہیں۔

(۳۵) لیبرکی۔ کو نادر شاہ نے کوہ قاف سے لا کر اس جگہ آباد کیا تھا۔

(۳۶) قلماق۔ از نسلِ تاتار ہیں۔

(۳۷) حبشی۔ پہلے بطور غلاموں کے لائے گئے تھے۔

(۳۸) یہودی۔ ہرات و بلخ میں رہتے ہیں۔ شاکنت اور بلوچ بھی ہیں۔

اِن قبائل میں سے بہت سوں کی شاخوں کے ناموں کو ہم نے اختصار کے مدِنظر چھوڑ دیا ہے۔

طوائف متفرقہ | علاوہ بر قبایل مذکور الصدر۔ بسے دیگر الاکس در ملک متوطن اند۔ و ہمہ متفقاً۔ ملتِ افغان۔ نامیدہ میشوند۔

اکثر شان۔ بنام اَوطانِ سابقہ و حاضرہ۔ یاد میشوند۔ مثلاً (۱) سیستانی۔ (۲) کیرمانی۔ (۳) برجندی۔ (۴) قائنی۔ (۵) مشہدی (۶) سلغری۔ (۷) کاشغری۔ (۸) اندرابی۔ (۹) بدخشی۔ (۱۰) شغنی۔ وغیرہ کہ در ہر علاقۂ افغانستان۔ جمع فارسی دانان شمار میشوند۔

ادیان | این تقسیم مافوق قبایل معلوم شد۔ کہ بجز بعض ہنود۔ و یہود۔ ہمہ نفوس مسلمان اند۔ بجز بعضے از اہالی شیعہ۔ باقی ماندہ سنی حنفی المذہب اند۔ در ہنود۔ قومِ سکھ۔ ہم شمردہ میشود۔ این پیروانِ مذاہبِ مختلفہ بصمیمیت وابستہ بہ ملتِ افغان۔ ہمگنان متحد و در تقدم وطن ہم عنان اند۔

طوائف متفرقہ | مذکور الصدر قبایل کے علاوہ اور دوسرے گروہ ہمارے ملک میں متوطن ہیں۔ اور یہ سب ملتِ افغان کہلاتے ہیں۔

اِن میں سے اکثر اپنے پہلے اور موجودہ وطنوں کے ناموں سے موسوم ہو گئے ہیں۔ مثلاً۔ (۱) سیستانی۔ (۲) کرمانی۔ (۳) برجندی۔ (۴) قائنی۔ (۵) مشہدی (۶) سلغری۔ (۷) کاشغری۔ (۸) اندرابی۔ (۹) بدخشی۔ (۱۰) شغنی۔ وغیرہ افغانستان کے ہر علاقہ میں سارے فارسی جاننے والے شمار ہوتے ہیں۔

ادیان | معلوم ہو کہ متذکرۂ بالا تمام قبایل سوائے بعض ہنود اور یہود کے سب لوگ مسلمان ہیں۔ کچھ اُن میں سے شیعہ باقی ماندہ سنی حنفی المذہب ہیں۔ ہنود میں سکھ قوم بھی شمار ہوتی ہے۔ یہ مختلف مذہبوں کے پیرو تہ دل سے ملتِ افغان سے وابستہ اور اِس قدر متحد ہیں کہ تقدم وطن میں ہم عنان ہیں۔

قومیں | تزکِ بابری اُردو مترجمہ شاہزادہ میرزا نصیر الدین حیدر گورگانی المتخلص فانی۔ مطبوعہ مطبع محمدن پرنٹنگ ورکس دہلی ۱۹۲۴ء کے صفحہ ۱۳۳ پر لکھا ہے کہ۔ کابل کے علاقہ میں مختلف قومیں بہت ہیں۔ میدانوں اور گھاٹیوں میں۔ اتراک۔ اعراب۔ وغیرہ قومیں بستی ہیں۔ شہر میں اور بعض دیہات میں۔ تاجیک۔ ہیں۔ بعض دیہات اور مقامات میں۔ پشتوی۔ پراچہ۔ تاجیک۔ ترک۔ اور۔ افغان۔ ہیں۔ غزنی۔ کے پہاڑوں میں۔ ہزارہ۔ اور۔ نوکدری۔ ہیں۔ ہزارہ میں بعض قومیں۔ مغلی۔ بولی بولتی ہیں۔ جو کوہستان شرقی و شمالی ہے۔ وہ۔ ملک کافرستان۔ ہے جیسے۔ کتور۔ اور۔ گیرک۔ جنوب میں۔ افغانستان ہے۔

زبانیں | اِس ملک میں۔ عربی۔ فارسی۔ ترکی۔ مغلی۔ ہندی۔ افغانی۔ پشتوی۔ پراچی۔ گیری۔ کتوری۔ اور۔ لمغانی۔ وغیرہم گیارہ بارہ زبانیں بولی جاتی ہیں۔ اور شاید ہی کسی ملک میں اس قدر مختلف قومیں آباد ہوں۔ اور اتنی متغایر زبانیں بولی جاتی ہوں۔

جس طرح افغانستان میں۔ عرب۔ قریشی۔ سید۔ ترک۔ مغل۔ اسرائیلی۔ مصری۔ ایرانی۔ اور دیگر مسلمان اقوام کے علاوہ۔ یہود و ہنود اور سکھ وغیرہ سبھی قومیں رہتی اور بستی ہیں۔ اور وہ سب اپنے ملک سے تعلق رکھتے۔ افغان کہلاتی اور سمجھے جاتے ہیں۔ یہی

حال کشمیر وغیرہ دوسرے علاقوں کے سب باشندوں کا ہے۔ جو اُن سے منسوب ہیں۔"

آپ یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ "ما بہ البحث قطعہ "اگر تحفظ الرجال آفتد"..... الخ" میں "کسی خاص شخص یا قوم و قبیلہ کو مخصوص نہ کر کے اِن ملکوں یا علاقوں سے منسوب سبھی قوموں پر چوٹ کی گئی ہے" اور اُن پر طنز مارا گیا ہے" اِس لئے اِس قطعہ کے مضمون کی زد میں خود اس کے موجد اور پیش کرنے والے حضرات بھی یقینی طور سے آگئے ہیں" یہ حضرات کسی طرح بھی انکار نہیں کر سکتے کہ وہاں ان کے کفو اور نسب والے موجود نہیں رہے یا موجود نہیں ہیں" بلکہ اِن علاقوں میں ایشیا کی تقریباً تمام قومیں موجود ہیں" اور سینکڑوں ہزاروں برس سے بستی ہوئی ہیں" اگر اس قطعہ کے پیش کنندہ اپنے آپ کو اِن ادصاف سے متصف ہونا قبول کرتے ہیں اور انہیں اس کے مضمون سے خوشی محسوس ہوتی ہے" تو ہمیں اُن سے اختلاف کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے" وہ جو چاہیں اپنے آپ کو سمجھ لیں "چشم ما روشن دل ما شاد"

ایک یوروپین لیڈی اپنے سفرنامہ میں لکھتی ہے کہ "وسط ایشیا میں بہت سے ایسے قبائل پائے جاتے ہیں" جن کے لب و لہجہ اور معاشرتی خصوصیات وغیرہ کے اعتبار سے معلوم ہوتا ہے کہ" وہ خالص عربی قبائل ہیں" اِن قبائل کے افراد کی تعداد ستائیس[۲۷] ہزار ہے" یہ لوگ اِن عرب فاتحین کی نسل ہیں" جنہوں نے وسطِ ایشیا پر حملے کئے تھے" اور پھر وہیں بود و باش اختیار کر لی تھی"

عربوں کی آبادی زیادہ تر "بخارا" اور "قشقادریہ" کے نخلستانوں میں ہے" یہ لوگ مختلف زمانوں میں "تھوڑی تھوڑی تعداد میں یہاں آکر آباد ہوگئے ہیں" اُن کا سلسلہ نسب "قریش" سے ملتا ہے" لیکن اُن کے لہجوں کے تفاوت سے پتہ چلتا ہے کہ" وہ مختلف قبائل سے تعلق رکھتے ہیں" "ازبکی" اور "ترکمانی" عورتوں کے ساتھ شادیاں کرنے کی وجہ سے اُن کے اصلی چہرے بشرے میں فرق آگیا ہے" لیکن وہ اب تک اپنی لڑکیوں کی شادی کسی غیر عرب کے ساتھ نہیں کرتے" اپنی اصلی زبان بھول گئے ہیں"..... قبائل یہاں جیسا میں کہہ چکی ہوں۔ مختلف اوقات میں آئے ہیں" یہ لوگ اب عام طور سے "ازبکی اور تاجیک" زبانیں بولتے ہیں"

"قشقادریہ کے عرب" امیر تیمور کے زمانے میں" اُس کے ظلم و ستم سے گھبرا کر اپنے گلوں کے ساتھ حدود افغانستان سے گذرتے ہوئے "ازبکستان" چلے آئے ہیں"

"نخلستان بخارا کے عرب" جیسا خود اُن کا بیان ہے" دو سو[۲۰۰] سال پہلے "اندخوئی" سے یہاں پہنچے ہیں" اُن کا سلسلۂ نسب چار شخصوں تک پہنچتا ہے۔ جو افغانستان چھوڑ کر قشقادریہ میں آباد ہوگئے تھے" اور یہیں شادیاں کرلی تھیں"

یہ لوگ ہجری مہینوں سے بالکل ناواقف ہیں۔ اور اُن کے بجائے اپنے حساب و کتاب میں "کلدانی" یا "سامی" مہینے استعمال کرتے ہیں" اِن کے مہینوں کے نام یہ ہیں "حوت" "حمل" "ثور" "جوزا" "سرطان" "اسد" "سنبلہ" "میزان" "عقرب" "قوس" "دلو" ..... "زحل" معلوم نہیں یہ لوگ مہینوں کے نام "افغانستان" سے لیکر آئے ہیں" یا عرب میں کچھ قبائل ایسے بھی ہیں" جن میں یہ مہینے رائج ہیں"

(سفرنامہ ایک یوروپین لیڈی۔ از رسالہ فاران بجنور۔ فروری ۱۹۳۷ء صفحہ ۵۷ تا ۵۹)

ترکی ٹوپی پہننے والوں کی تضحیک کیلئے ایک شعر جو عرصہ تک رائج رہا"

ہمارے بچپن میں جبکہ "سلطان روم عبدالحمید خاں مرحوم و مغفور" ترکی کے تخت خلافت پر تھے" اکثر مولوی اپنے زیر اثر طلبا اور عوام کے یہ بات ذہن نشین کیا کرتے تھے کہ جب بھی "سلطان المعظم جہاد" کا اعلان کریں" اور کسی مسلمان کو اس اعلان کی خبر اس وقت پہنچے جس وقت وہ کھانا کھا رہا ہو اور اُس کے منہ میں قریب بہ حلق نوالہ پہنچ چکا ہو" تو اس نوالہ کو چبانے نگلنے کے فوراً تھوک کر اور تلوار ہاتھ میں لیکر جہاد کے لئے نکل کھڑا ہونا چاہئے۔ ورنہ تھوڑے تامّل سے بھی وہ کافر ہو جائے گا"

اِن مولویوں کی طرف سے دوسری بات یہ بھی کہی جاتی تھی کہ "انگریزی علوم و زبان کا پڑھنا کفر ہے۔ اور اس کی ترویج میں کوشش کرنے والا قطعی کافر ہے" "علیگڈھ کالج قائم کرنے کی وجہ سے اِس فرقہ نے سرسید علیہ الرحمتہ پر کفر کا فتویٰ لگا دیا تھا" اور اس وقت تک اُن

کی مخالفت کا بہت کچھ زور باقی تھا" کیونکہ سرسید رح نے "اس کالج کے طلباء کے لباس میں ترکی ٹوپی کے پہننے کو لازمی قرار دیا تھا" اس لئے انہوں نے اس کے پہننے والوں کی تحقیر کے لئے یہ شعر گھڑا تھا جسے وہ ہر مجلس وعظ میں مزے لے لے کر پڑھا کرتے تھے کہ" ؎

لال ٹوپی کالا پھندنا چاہیئے　　　آگے بندر پیچھے بکرا چاہیئے

"یعنی ترکی ٹوپی پہننے والوں کی وہ حیثیت ہے جو اُن مداریوں کی ہے" جو بندر اور بکرے کو نچا کر اور اُن کی دیگر نت نئی حرکتوں کا تماشا دکھلا کر اپنی پیٹ پوجا کا سامان فراہم کیا کرتے ہیں" ان مولویوں یعنی ہادیان و رہنمائے دینِ متین کو اتنی تمیز نہ تھی کہ وہ اپنے حسد اور تعصب کی عینک ہٹا کر یہ دیکھ سکتے کہ "حق سلطان المعظم خلیفتہ المسلمین کے ایک لفظ پر وہ مسلمانوں کو کٹ مرنے کی تلقین کر رہے تھے" سب سے پہلے اس شعر کی زد میں انہیں کی ذات بابرکات آگئی تھی" کیونکہ اس ٹوپی کو سلطان المعظم کے زیبِ سَر فرمانے کی وجہ سے ہی "حضرت سید" نے اُن کی تقلید میں "کالج کے لڑکوں کے لئے ترکی ٹوپی کا پہننا لازمی قرار دیا تھا"

مؤلف امروہوی سے جو خود بھی ترکی ٹوپی استعمال کرتے ہیں" ہم دریافت کرتے ہیں کہ اِس شعر کے مضمون سے جس کی زد دوسری ترکی ٹوپی پہننے والوں کی طرح اُن پر بھی ہے کیا وہ کسی طرح بھی اتفاق کر سکتے ہیں"

"افغانی" "کشمیری" اور "کنبوہی" "خاندانوں کے چند مشہور نامور بزرگ"

"افغانوں" "کشمیریوں" اور "کنبوہی" "خاندان میں جو بلند پایہ ہستیاں مسلسل ہر زمانے میں پیدا ہوتی رہیں" اُن سے "تذکروں" اور "تاریخوں" کی کتابیں بھری پڑی ہیں" اور آج بھی ہمارے زمانے میں اِن خاندانوں کے ایسے اوصاف رکھنے والے بزرگ موجود ہیں" جو اپنی آپ نظیر ہیں" اور جن کی شہرت اکناف عالم میں پھیلی ہوئی ہے" عدم گنجائش کی وجہ سے اِس موقع پر ہم صرف چند نام پیش کرتے ہیں"

افغانی

(الف) ارمغانِ ہند سے لیکر "سید لطف علی شاہ" "مَودُودی افغانی کا" جو بیان ہم نے ابھی اُوپر تحریر کیا ہے اُس سے ملّتِ افغان کی چند ہستیوں پر روشنی پڑ گئی ہے" اُن کے ماسوا سے (۱) شیخ علی مخدوم ہجویری الغزنوی بھی افغانستان کے باشندے تھے" ہجویر" غزنی کے ایک مضافاتی محلہ کا نام تھا" خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رح نے آپ کے مزار پر چلہ کھینچکر فیض حاصل کیا تھا" اور آپ ہی نے خواجہ صاحب کو "خلعت قطبیت ہند" عطا فرمایا تھا" صـ۲۲۳ تا ۲۲۴ آپ کا مزار شریف لاہور میں ہے اور خطاب "داتا گنج بخش" ہے۔

(۲) سید سالار مسعود غازی رح" المعروف بہ "بالے میاں"

(۳) سلطان محمود غزنوی" کے بھانجے اور مشہور مجاہد تھے" صـ۲۱۷ تا ۲۲۴

(۴) خواجہ بزرگ احمد بن حسن میمندی" وزیر اعظم سلطان محمود غزنوی"

(۵) عبد الرزاق بن خواجہ بزرگ احمد بن حسن میمندی" وزیر اعظم پسران و نبیرگان سلطان محمود غزنوی"

(۶) سید احمد المشہور بہ سخی سرور سلطان قدس سرہٗ قلندر صاری" صـ۲۲۵ (خزینۃ الاصفیا جلد دوم)

(۷) شیخ احمد مجدد الف ثانی فاروقی کابلی سرہندی (صـ۵۸۵) خزینۃ الاصفیا جلد اوّل)

(۸) حضرت باقی باللہ قدس سرہٗ" حضرت مجدد رح کے مرشد گرامی بھی نواح غزنی کے رہنے والے یعنی افغان تھے"

(۹) حضرت مولانا محمد نصر اللہ صاحب خورجوی افغان" دیباض جانفزا خاتمہ بیاض دلکشا مطبوعہ مطبع مصطفائی اکبر آباد"

کشمیری

(ب) (۱) شیخ نور الدین کشمیری قدس سرہٗ المتوفی ۸۹۵ھ ہجری) (صـ۲۵۱)

(۲) حضرت سید الدین بلبل شاہ کشمیری قدس سرہٗ المتوفی ۷۲۷ھ ہجری۔ (خزینۃ الاصفیا جلد دوم)

(۳) شاہ ہمدان" سلطان شہاب الدین نے آپ ہی کی فرمائش پر "مدرستہ القرآن کی بنیاد کشمیر میں رکھی تھی"

(۴) پیر حاجی محمد قاری" جو "سلطان قطب الدین کی عظیم الشان درسگاہ کے "کشمیر میں صدر المدرس تھے" "جہانگیر کے عہد میں تھا"

(۵) "ملا عبدالستار" اور

(۶) "ملا محسن فانی" (جو اپنے وقت کے ایک نہایت زبردست شاعر اور فاضل فلسفی تھے) اپنے تلامذہ کو اسی جگہ درس دیا کرتے تھے۔

(۷) "شیخ رحمت اللہ طہرانی"   (۸) "ملا طاہر غنی کاشمیری"

(۹) "محمد زماں نافع کشمیری" (جو ملا غنی کے بھائی اور اپنے وقت کے ایک مشہور مورخ تھے) اسی مدرسہ کے فارغ التحصیل طلبا ہیں۔

(۱۰) سلطان زین العابدین نے کہ انہوں نے اپنے وقت میں "نوشہرہ میں دارالعلوم قایم کیا تھا۔"

(۱۱) سلطان سکندر (۱۳۹۴-۱۴۱۶ء) جن کی فیاضی اور جوہر شناسی کی اس قدر دھوم مچی ہوئی تھی کہ "عراق و خراسان اور ماوراءالنہر کے بہت سے باکمال فضلا آپ کے دربار میں کھنچ آئے تھے۔" ان کے قایم کردہ مدرستہ العلوم کے صدر مدرس۔

(۱۲) "قاضی میر محمد علی تھے" جو اپنے علم و فضل کی وجہ سے اس وقت وحید العصر کا حکم رکھتے تھے "چنگیز خاں" کی اولاد سے تھے۔ اس مدرسہ کے اور اساتذہ۔

(۱۳) ملا محمد افضل بخاری (حدیث)   (۱۴) ملا محمد یوسف (فلسفہ)

(۱۵) ملا صدرالدین کاشغی (ریاضیات)   (۱۶) سید حسین منطقی (علم الموجودات اور علم منطق) وغیرہ تھے۔

(۱۷) سلطان زین العابدین (۱۴۲۰-۱۴۷۰ء) کے متذکرہ صدر دارالعلوم کے صدر مدرس اپنے وقت کے جید عالم "شیخ الاسلام" "ملا کبیر نحوی" تھے۔ شیخ موصوف اپنے تقدس۔ اور مشہور تفسیر "شرح ملا" کی وجہ سے خاص شہرت رکھتے ہیں۔

(۱۸) "ملا احمد کاشمیری" جو افضل کے شاگرد تھے۔ اور اپنی مشہور کتاب "تاریخ کشمیر" اور "ترجمہ مہابھارت" کی وجہ سے خاص شہرت رکھتے ہیں "ملا کبیر" کے ماتحت مدرسہ کے اساتذہ میں سے ایک تھے۔ علاوہ ان کے اس مدرسہ کے اور اساتذہ یہ تھے۔

(۱۹) ملا حافظ بغدادی۔   (۲۰) ملا پارسا بخاری۔

(۲۱) ملا قاضی جمال الدین خوارزمی (جو بعد میں قاضی القضاۃ کے جلیل القدر منصب پر سرفراز ہوئے۔)

(۲۲) مولانا قاضی میر علی بخاری۔   (۲۳) سید حسین قمی رضوی۔   (۲۴) اور ملا یوسف رشیدی۔

اس دارالعلوم کے زیر اہتمام ایک شعبہ ترجمہ بھی تھا جس میں عربی اور "سنسکرت" کی کتابوں کا "فارسی" اور "کشمیری" زبانوں میں ترجمہ کیا جاتا تھا۔ اور سلطان کے حکم سے "مہابھارت" کا فارسی ترجمہ کیا گیا۔ "جوتراج" کے ذریعہ "راج ترنگنی" مکمل کرائی گئی۔ اور کشمیر کی ایک مستند تاریخ فارسی زبان میں مرتب کرائی گئی۔

(۲۵) سلطان حسین شاہ نے بھی اپنے عہد میں اپنے مرشد (۲۶) بابا اسمٰعیل شاہ کی خواہش پر جو ابوالمشائخ (۲۷) شیخ سلیمان کشمیری کے پوتے تھے۔ ایک درس گاہ جاری کی تھی یہ مدرسہ "شیخ فتح اللہ حقانی" کی سرکردگی میں اور (۲۹) اخوند ملا درویش کی معاونت میں چلتا تھا۔

(۳۰) کشمیر کے مشہور پیر طریقت "شیخ حمزہ مخدومی" اسی مدرسہ کے تعلیم یافتہ تھے۔

(۳۱) درس گاہ ملا حیدر "عہد جہانگیر کی یادگار ہے" اس مدرسہ سے بھی فضلا کی ایک کثیر جماعت پیدا ہوئی۔

(۳۲) ۱۱۲۵ ہجری مطابق ۱۷۱۳ء میں "نواب عنایت خاں ناظم کشمیر نے" مدرسہ منصوریہ جاری کیا۔ (۳۳) احمد ملا سلیمان کو اس مدرسہ کے سردار تھے۔ (۳۴) مدرسہ ملا کمال" اور (۳۵) ملا جمال" نے (۳۶) شیخ اسمٰعیل چشتی" (۳۷) بابا نصیب الدین غازی" اور (۳۸) قاضی ابوالقاسم" جیسے فاضل پیدا کئے۔

کشمیریوں کے علمی ذوق کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ۔ باوجود اس کے کہ "کشمیر" کی بہت سی عجیب و غریب کتابیں "یورپ اور امریکہ" کی لائبریریوں کی زینت بڑھا رہی ہیں "مگر آج بھی بہت سے خاندان ایسے ہیں" جن کے کتب خانے علم کے نادر و روزگار جواہر پاروں اور نایاب قلمی کتابوں سے مالا مال ہیں "یہ کشمیر ہی تھا جس میں" (۳۹) مرزا حیدر دوغلات نے "اپنی مشہور عالم کتاب "تاریخ رشیدی" تصنیف کی" اور یہ "دوسری نگر" ہی تھا جس میں

(۴) جمال الدین حسین انجو نے "فارسی زبان کی لغت مرتب کی تھی" جو ۱۰۱۷ھ ہجری میں تکمیل کو پہنچی" اور فرہنگ جہانگیری کے نام سے مشہور ہوئی"

"مرزا ابو طالب کلیم" ملک الشعراء دربار شاہجہانی کو بادشاہ نامہ منظوم کرنے کا حکم "کشمیر ہی میں ملا تھا" جہاں وہ "۱۵ ذی الحجہ ۱۰۶۱ھ" میں فوت ہو کر "محمد قلی سلیم (المتوفی ۱۰۵۷ھ ہجری) کے پاس "مزار الشعراء" میں دفن ہوا تھا" ملا غنی کشمیری" نے اس کی تاریخ وفات "اس مصرع سے نکالی ہے" ع "طور معنی بود روشن از کلیم"

زیب النساء کی طرف سے فکر معاش سے آزاد ہو کر "صفی الدین اردبیلی نے" اپنی زندگی "کشمیر ہی کی" فضائے علم میں بسر کی" اور عربی کی ضخیم کتاب "تفسیر کبیر" کا ترجمہ فارسی زبان میں کیا" "زیب التفاسیر" کے نام سے مشہور ہے"

(شباب کشمیر" اسلامی مدارس کی اجمالی تاریخ" از جناب مولوی محمد عبد اللہ صاحب قریشی" رسالہ عالمگیر لاہور ماہ ستمبر ۱۹۲۹ء)

اس اقتباس سے "کشمیر کے چند" مشائخ طریقت" اور علماء فضلاء مصنفین کا کچھ حال معلوم کرنے کے علاوہ" اس امر پر بھی ضروری روشنی پڑ گئی ہے کہ" افغانستان کی طرح "کشمیر" میں بھی ایشیا کی قریباً ہر قوم کے لوگ عرصہ دراز سے آباد ہیں" اور وہ سب کشمیری ہی کہلاتے ہیں"

(ج) زبیری کینبوی یا کنبو" خاندان کے بزرگوں کے حالات تمام تاریخوں میں مذکور ہیں" کیونکہ اس خاندان میں "مشائخ طریقت" "علمائے شریعت" صدر الصدور یا شیخ الاسلام" قاضی" مفتی" وزراء" امراء" سپہ سالار" گورنر" شعراء" حکماء" اور مصنفین" ہر زمانے میں ملتے رہے ہیں" باب ہفتم میں اس خاندان کے کچھ بزرگوں کے ناموں۔ اور کچھ کے مجمل حالات سے ہم روشناس کرا چکے ہیں" سوائے اس کے جو فقرات مؤلف امروہوی نے اس دودمان عالی شان کی گذشتہ اور موجودہ پوزیشن پر خود اپنے قلم سے اپنی کتاب میں لکھے ہیں اُن کو ہم اسی بحث میں اوپر پیش کر چکے ہیں" یہاں مکرر ان حالات کو لکھنا ضروری خیال نہیں کرتے" لہذا اس خاندان کے بزرگوں کی حیثیت اور اخلاق و عادات جاننے کے لئے "باب ہشتم میں پیش کردہ ناموں اور حالات پر نیز اسی بحث میں تحریر شدہ مؤلف موصوف کے فقرات کی یاد کو تازہ کرنے کے لئے" ایک نظر پھر ڈال لینی چاہیئے" (اور اس کتاب کی دوسری جلد یعنی "جواب تاریخ کمبوہان مؤلفہ چودھری وہاب الدین کمبو امرتسری" میں اس خاندان کے مزید بزرگوں کے حالات دیکھنے چاہئیں") جو انہوں نے المشاہیر سے لے کر اپنی کتاب میں لکھے ہیں"

اسی حالیہ زمانہ میں" ان تینوں طبقات میں جو اعلیٰ پایہ اور اپنی آپ نظیر ہستیاں رہیں اور اب بھی ہیں" اُن کی تعداد کثیر ہے" جن میں سے چند نام مشتے نمونہ از خروارے" ہم یہاں پیش کرتے ہیں"

(۱) حضرت سید جمال الدین افغانی" جن کی تحریک و تعلیم نے دنیائے اسلام میں زندگی کی لہر دوڑا دی"

(۲) نادر شاہ افغان" اور اُن کے برادران عالی قدر"

(۳) صاحبزادے آفتاب احمد خاں" از خاندان افغان کنجپورہ"

(۴) مصلح اعظم سر سید احمد خاں" کشمیری دہلوی" (۵) حکیم محمد اجمل خاں" کشمیری دہلوی"

(۶) نواب سر سلیم اللہ خاں" کشمیری نواب ڈھاکہ" (۷) پنڈت موتی لال نہرو کشمیری"

(۸) پنڈت جواہر لال نہرو "بعد مہاتما گاندھی" پسر پنڈت موتی لال نہرو کشمیری"

(۹) رائٹ آنریبل سر تیج بہادر سپرو کشمیری" (۱۰) پنڈت تیج نرائن ملا کشمیری"

(۱۱) ڈاکٹر سر محمد اقبال فلسفی و شاعر۔

(۱۲) نواب وقار الدولہ وقار الملک مولوی مشتاق حسین زبیری کنبوی یا کنبو" سیکرٹری علیگڑھ کالج" آپ کے حالات میں دیکھو کتاب "حیات وقار" و "تذکرہ حیات"

(۱۳) مولوی محمد بشیر الدین زبیری کنبوی" ایڈیٹر البشیر و منیجر اسلامیہ انٹر کالج اٹاوہ"

(۱۴) لفٹننٹ کرنل ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد زبیری کنبوی" وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڈھ"

(۱۵) مولوی سعید احمد صاحب کنبوی مارہروی" منیجر شیعہ ہائی اسکول" و مدرسہ اثنا عشریہ و انجمن تحفظ ... مؤلف کتب متعددہ"

یہ چند نام جو ہم نے "مشتے نمونہ از خروارے" ان تینوں طبقات کے لوگوں کے لکھے ہیں "یہ وہ ہیں جن کے کاموں" عادات "اطوار" اور طینت و خصلت سے ملک کا بچہ بچہ واقف ہے "اور اُن لوگوں کے نام نظر انداز کر دیئے ہیں "جن کو کسی محدود علاقہ ہی کے لوگ جانتے ہیں"

اب ہم "مؤلف امروہوی سے دریافت کرتے ہیں" کہ جن حضرات کے نام ہم نے یہاں لکھے ہیں "کیا کسی طریقہ سے بھی وہ اپنے پیشکردہ شعر کے مضمون کو ان حضرات میں سے کسی پر منطبق کرنے کی جرأت کر سکتے ہیں "جب ہم دیکھ رہے ہیں کہ لاکھوں کروڑوں آدمیوں کے دلوں میں ان حضرات کی ایسی عظمت اور قدر ہے کہ ان کی محبت میں وہ ہر وقت قید و بند کی مصیبتیں جھیلنے اور اپنی جانیں فدا کرنے پر تیار ہیں" تو اس شعر کے موجد کی ہرزہ سرائی کی کنہ کو معلوم کر لینے اور اس کے پیش کرنے والوں کے خبث کو پہچاننے کے لئے "کسی اور ثبوت کے تلاش کرنے کی مطلق ضرورت باقی نہیں رہی ہے"

"افغانی" "کنبوی" اور "کشمیری" خاندانوں کے متعلق "اس بیت میں لکھے خصایص کا "عبّاسیوں کی طینت و خصلت سے مقابلہ"

اِس قطعہ میں جس کا صرف ایک ہی شعر مؤلف امروہوی نے پیش کرنا ضروری خیال کیا ہے "افغانیوں کو "کینہ ور" بتلایا گیا ہے" مگر کیا کوئی مثال اِس کینہ کی پیش کی جاسکتی ہے جس کا مظاہرہ "عبّاسی خلیفہ" عبد اللہ السّفاح "اور اس کے اعزّا نے "بنی اُمیّہ کے ساتھ" اور "ابو جعفر منصور عبّاسی نے" بنی فاطمہ کے ساتھ "کر کے دُنیا کو دکھایا ہے" کشمیریوں کو بُزدل "اور" کنبوؤں کو بھی محض حسد و کینہ کی وجہ سے "جبلاً بتایا گیا ہے" جس کا بطلان ہم بخوبی کر چکے ہیں لیکن تاریخ نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ "عبّاسی خلفاء" بُزدل "حیلہ یا فریب کرنے" چالاکی برتنے اور غدّاری و بدعہدی کرنے میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتے تھے"

(۱) آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس "اجلاس شانزدہم
(منعقدہ دہلی سنہ ۱۹۰۲ء)
"کے خطبۂ صدارت میں ہز ہائی نس "سر سلطان محمد شاہ آغا خاں[1] "نے فرمایا تھا کہ"

"میرا یہ خیال ہے کہ جو بیماری مسلمانوں کو لاحق ہے وہ کسی ایک سبب سے نہیں ہے بلکہ میں آپ کی اجازت سے چار مختلف اسباب ایسے بیان کروں گا کہ جن کی وجہ سے یہ اخلاقی تغافل مسلمانوں میں پیدا ہوا ہے اور آپ دیکھیں گے کہ جملہ اسباب جن کا میں ذکر کروں گا زمانہ دراز سے اپنا فعل کر رہے ہیں"

مگر مزید براں خاندانِ عبّاسیہ نے نفسانیت کی ایک ایسی مثال قائم کی جس کا تواریخ اسلام پر بہت بُرا اثر پڑا ہے۔ پیغمبر خدا کے یہ ناقابل رشتہ دار۔ خاندان بنی اُمیّہ سے جن کی اطاعت وہ قبول کر چکے تھے۔ اور جن سے بارہا انہوں نے لڑائی میں زک اٹھائی تھی بوجہ بنی اُمیّہ کے اعلیٰ قابلیتوں کے حسد رکھتے تھے۔ اور اسی وجہ سے انہوں نے خراسانیوں سے جو اسلام کی فتوحات کے دائرہ میں تازہ داخل ہوئے تھے میل کر لیا۔ اور اپنے خاندان کی تعریف میں ہزار ہا روایات اور احادیث اختراع کر کے اُن لوگوں کو جو اسلام کی آزاد ڈیماکریٹیک اسپرٹ سے ناواقف تھے بہکا دیا ہے۔ اور ان ساتھیوں کی مدد سے خاندان بنی اُمیّہ کو زیر کیا۔ یہ دغابازی ذاتی افزائش کی غرض سے کی گئی۔ اور چونکہ اِس کا اظہار ایک ایسے خاندان سے ہوا جس کو پیغمبر خدا سے قرابت تھی" لہٰذا اس سے پایا جاتا ہے کہ اپنے ذاتی یا خاندانی مقاصد کے

(نوٹ[1]) یہ وہ ہز ہائی نس آغا خاں ہیں کہ جن کی تعریف و توصیف اور منقبت میں محمود احمد صاحب مؤلف امروہوی کی زبان خشک ہو گئی ہے۔ لہٰذا اب ایسے مورخ البیان نے جو رائے دربارہ عبّاسیان کھلے بندوں مسلمانوں کے سب سے زیادہ تعلیم یافتہ اجتماع کے سامنے آج بالکل نہیں بلکہ پورے (۶۰) برس قبل ظاہر کی تھی اس کے متعلق محمود احمد صاحب مؤلف امروہوی کیا فرماتے ہیں "چونکہ ہز ہائی نس نے ایک امر واقعہ کا اظہار کیا تھا۔ لہٰذا اس طویل عرصہ میں ایک آواز بھی اس کے خلاف نہ اٹھ سکی" خاندان عبّاسیہ نے دغابازی نفسانیت اور خود غرضی کا جو بیج مسلمانوں میں بویا تھا۔ اس کے خراب اور مسموم اثر سے اس وقت تک مسلمانوں کو مفر حاصل نہیں ہو سکا ہے اور یہ بنیادی اثرات مسلمانوں کی تباہی کا سبب بنے ہوئے ہیں"

حصول کے لئے مسلمانوں نے اکثر اوقات اپنی سلطنت۔ قوم یا بادشاہ کو قربان کر دیا ہے۔ کیونکہ جو لوگ بالطبع پرہیزگار نہیں ہوتے اُن کے واسطے یہ آسان بات ہے کہ اپنے نفع کے مقابلہ میں قوم کے نفع کو بھول بیٹھیں۔

یہ رواج ہو گیا ہے کہ اسلام کی تباہی چنگیز اور حملہ تاتاریوں سے منسوب کیا جائے۔ مگر میری عاجزرائے میں پہلا سبب عباسیوں کی خراب مثال خود غرضی کی ہے"

"خطبات عالیہ" مرتبہ مولوی انوار احمد صاحب۔ زبیری مارہروی"
(۱۳۴۶ ہجری مطابق ۱۹۲۷ء۔ ص ۲۱۵-۲۱۴-۲۱۱)
مسلم یونیورسٹی پریس علیگڑھ

(۳) تاریخ اسلام مولفہ علامہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی میں ہے کہ "ان متذکرہ خلفائے عباسیہ" عبداللہ السفاح" ابو جعفر منصور" المهدی" ہادی" ہارون الرشید" الامین" مامون" معتصم باللہ" اور" واثق" کے زمانے کو" عباسی حکومت کے انتہائی عروج" اور دبدبہ و شوکت کا زمانہ سمجھا جاتا ہے" لیکن اس تمام زمانے میں" بغاوتوں سے ایک دن بھی فرصت نہیں ملی۔ اور کسی تدبر کا اظہار نہیں ہوا جو امن قایم ہو جاتا" عرب زمانہ جاہلیت تک میں" وفائے عہد کے لئے" ممتاز تھے۔ اور اسلام نے تو خاص طور پر اس کی تاکید کی ہے لیکن بنی عباس نے" اپنی سیاست میں اس صفت کو بھی نظر انداز کر دیا" جو لوگ اُن کا ساتھ دیتے اور اُن پر بھروسہ کرتے تھے" بنی عباس" اپنی ضروریات کے موقع پر بھی" غداری" کرنے میں دریغ نہیں کرتے تھے" چنانچہ" بد عہدی" اور" بیوفائی" خلفائے عباسیہ میں" سلسلہ بہ سلسلہ چلی آئی ہے" اسی لئے" محمد بن علی طبا طبائی" کو اپنی کتاب" الفخری" میں کہنا پڑا ہے کہ دولت عباسیہ" کا شیوہ" چالاکی" اور" غداری" تھا۔ اور قوت و طاقت کی بہ نسبت" اُن کی سیاسیات میں" بد عہدی و فریب کا" جزو غالب رہا"

انہوں نے" شجاعت و بہادری کا کبھی کوئی عمدہ نمونہ نہیں پیش کیا" ۱۳۷ ہجری میں" عبداللہ بن علی (بن عبداللہ بن حضرت عباس رضی) ابو مسلم خراسانی کے سامنے سے بھاگا" اس کے امرا نے اس کو ہر چند روکا کہ سپاہی کا کام بھاگنا نہیں ہے" اس سے پہلے تم مروان کو" گالیاں دیتے تھے۔ کہ وہ موت سے ڈر کر بھاگ گیا" آج اس ننگ کو کیوں گوارا کرتے ہو" لیکن وہ نہیں رکا۔ اور بصرے پہنچکر اپنے بھائی کے یہاں چھپ رہا" (تاریخ الامت جلد چہارم)

" ابراہیم بن مہدی بن ابو جعفر منصور" کا حال" خلیفہ المامون" کے تذکرہ میں ہے کہ" وہ روپوشی کے بعد عورتوں کے لباس میں پکڑا گیا۔ اور اسی حالت میں" مامون" اپنے بھتیجے کے دربار میں پیش کیا گیا"

امین الرشید اس حالت میں گرفتار ہوا کہ بدن سے ننگا تھا صرف ایک پائجامہ پہنے تھا سر پر ایک عمامہ اور کاندھوں پر چادر تھی" اس کو قید خانے میں قاتل نظر آئے" تو بجائے اس کے کہ استقلال دکھاتا" انا للہ" پڑھتا جاتا اور کہتا جاتا تھا" کہ ہائے میری جان مفت جاتی ہے۔ کیا کوئی شخص یاور نہیں" کیا کوئی فریاد رس نہیں"

اس خاندان کی بزدلی کی وجہ سے" ابو جعفر" کے زمانے میں" اسپین" ہارون رشید" کے زمانے میں" مراکش و تونس و الجیریا" کے علاقے" مامون" کے زمانہ میں" خراسان و فارس و یمن" کے علاقے صرف پچھتر برس میں نکل کر پانچ حکومتیں اور قایم ہو گئی تھیں" پھر یہ خلفاء دیلمیون کے اثر میں آگئے۔ انہوں نے جسے چاہا تخت پر قایم رکھا اور جسے چاہا اندھا کر دیا" قید کر دیا" قتل کر دیا" بزدلی کی وجہ سے خواری اور ذلت سے ان کے دن گذرتے رہے" سرحدیں سمٹ کر دجلہ و فرات کے کناروں سے آلگیں۔ اور بالآخر" ہلاکو خاں نے" اس حکومت کا نام ہی مٹا دیا"

ایسے خاندان سے اپنے آپ کو منسوب کرنے والا کوئی شخص اگر اپنے موضوع سے ہٹ کر یعنی نسبی بحث میں" افغان" کمبوہ یا کنبوہ" اور" کشمیری" خانوادوں کی تحقیر کے لئے کسی جاہل اور حاسد و کینہ ور" نیز بزدل شخص کے جسے اپنا نام ظاہر کرنے کی بھی جرأت نہیں ہوتی" ایسے لچر اور خباثت سے بھرے ہوئے قطعہ کو پیش کرتا ہے" تو یہ بھی دنیا کے عجائبات سے ایک بات سمجھنی چاہیئے"

زبیری "کنبوی" خاندان کے خصائص کی مزید جھلک

ہم اوپر بحث ۹ میں بتا چکے ہیں کہ "اپنی سیاحت کے زمانے میں "مخدوم شیخ جمالی قدس سرہ زبیری کنبوی ـــ "مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے گھر ہرات میں جا کر "گرد میں اٹے ہوئے اور صرف ایک لنگی پہنے ہوئے ـ بلا واقفیت سابقہ کے بے تکلف اُن کے پاس بیٹھ گئے تھے "جس پر مولانا موصوف نے چیں بجبیں ہو کر کہا تھا "کہ خر و تو چند فرق است" (گدھے میں اور تجھ میں کیا فرق ہے، تو مخدوم صاحب قدس سرہ" نے اپنے اور اُن کے درمیان بالشت رکھدی تھی "دونوں میں فاصلہ بھی اسی قدر تھا"

اسی بحث میں ہم یہ بھی بتا آئے ہیں "کہ جب شاہنشاہ اکبر نے ـ نواب شہباز خاں کنبوی" کو دینِ الٰہی کی ترغیب دی تھی تو انہوں نے شاہنشاہ سے تیز و تند کلام کئے تھے "اسی دوران میں راجہ بیربر" کچھ بول اُٹھا تو آپ نے اُسے ایسی ڈانٹ بتائی تھی کہ صحبت بدمزہ ہو گئی تھی"

نواب وقار الملک وقار الدولہ مولوی مشتاق حسین صاحب انتصار جنگ زبیری کنبوی (جن کے متعلق خود مؤلف امروہوی نے اپنی کتاب تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے صلا۲۳ پر اس طرح اظہار خیال کیا ہے کہ "زمانہ حال میں "نواب وقار الملک مرحوم" اور... جیسی بلند پایہ ہستیوں سے اِس دُودمان عالی شان کا نام روشن ہے") جب سرشتہ دار کلکٹری تھے "تو ایک کلکٹر نے "ظہر کی نماز پڑھنے کے لئے" احاطہ کچہری کی مسجد میں چلے جانے سے کام میں حرج ہونے کا آپ سے اظہار کر کے اصرار کیا تھا کہ "آپ قضا نماز پڑھ لیا کریں" تو آپ نے رخصت کی درخواست پیش کر کے اُس میں یہ بھی لکھدیا تھا کہ "درخواست کی نامنظوری کی صورت میں اسی کو میرا ملازمت سے استعفا سمجھ لیا جائے"

آپ جب مملکت آصفیہ دکن میں اعلیٰ عہدہ پر متمکن تھے تو آپ نے نہایت آزادی سے "وزیر اعظم سر آسمان جاہ کو اُن کی اِس کمزوری پر متوجہ کیا تھا کہ "جن کو چور اور دشمن سمجھتے ہیں ان کو بھی خدمتوں پر رکھا جاتا ہے" یہ اعلیٰ درجہ کی کریم النفسی ہے" یا یہ کہ خوشامد پر خیال کیا جاتا ہے" یا یہ کہ طبیعت کی کمزوری ہے" لیکن اس کا نتیجہ یہ ہے کہ "قوت اور انتظام میں ضعف پیدا ہوتا ہے" سازشیں بڑھتی ہیں" دوسرے عہدہ داروں پر بُرا اثر پڑتا ہے" یہ ایک غلط طرز حکومت ہے اور انصاف کے خلاف ہے")

سر سیّد احمد خاں" جن سے آپ کے ایسے تعلقات تھے" جیسے پیر و مرید میں ہوتے ہیں" مگر سر سیّد کی خواہش اور کوشش پر بھی آپ نے سیّد محمود کی حالت کے مدنظر انہیں علی گڈھ کالج کے سیکرٹری کے عہدہ کے ناقابل سمجھ کر" اُن سے اختلاف کرنے میں ذرا سا بھی پس و پیش نہیں کیا" اور نہایت جرأت و آزادی سے اپنی رائے لکھکر اور طبع کرا کر ممبروں کے پاس بھیجدی اُس میں اختلاف کی وجہ کو بھی خوب طرح کھول کر بیان کر دیا تھا"

سر سیّد کی مرضی کے خلاف ۱۸۹۰ء میں جب نواب صاحب نے "مملکت آصفیہ کے عہدے سے علیحدہ ہونے کے لئے پنشن کی درخواست دی اور وہ نامنظور ہوئی مگر آپ کا اصرار قایم رہا" تو سر سیّد نے لکھا تھا کہ "نواب انتصار جنگ کو اپنی رائے پر "تریا ہٹ" سے بھی زیادہ ہٹ ہوتی ہے" (صد ـــ تذکرہ وقار)

برٹش گورنمنٹ اور اُس کے حکام یعنی "وائسرائے" اور گورنروں" کی طرف سے بھی جب کوئی اختلاف کی صورت پیش آئی" آپ نے اُن پر تنقید کرنے میں کبھی کوئی پس و پیش نہیں کیا" اور کسی اثر سے متاثر ہو کر کسی وقت کوئی رائے نہیں دی" جس بات کو حق جانتے بلا کسی تامل کے اُس کا اظہار کر دیتے تھے" آپ کی دینداری" قومی خدمات" اور حق گوئی کا قوم پر اتنا اثر تھا کہ آپ اُس کے ملجا و ماویٰ اور بے تاج کے بادشاہ تھے" جب آپ کا "علیگڈھ کالج کے سیکرٹری کے عہدے پر قوم کی طرف سے انتخاب ہوا ہے" تو اُس وقت کے اخباروں نے لکھا تھا کہ "حضرت عمر فاروق رضؓ" کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ دس کروڑ مسلمانانِ ہند کی طرف سے آپ کا انتخاب بالاتفاق ہوا ہے") اُس زمانہ میں "علیگڈھ کالج کا سیکرٹری ہی ہندوستان کے مسلمانوں کا واحد امیر یا لیڈر ہوتا تھا"

ان تین بزرگوں کے کیریکٹر دکھا چکنے کے بعد "اب ہم یہ بھی بتا دینا چاہتے ہیں کہ اِس دُودمان عالی شان زبیری کنبوی کا مزاج ہر زمانے میں یکساں رہا ہے" اِس کا حال جاننے کے لئے اگر تاریخوں کی ورق گردانی کرنے میں زحمت سمجھی جائے تو اس خاندان کے کسی فرد کو یا متعدد افراد

کو جانچ لیا جائے "انشاء اللہ اُن میں "اسلام دوستی" "غیرت و شان" "حمیت و آن" "صاف گوئی" و "بیباکی" اور "دنیا کی کسی بڑی سے بڑی ہستی سے بھی مرعوب نہ ہونے کی صفات ضرور پائی جائیں گی" اپنی انہیں صفات کی وجہ سے یہ خاندان ہمیشہ محسودِ نالایق رہا۔ اور اب بھی ہے" اور اپنے حسد کا ایک نمونہ تو خود مؤلف امروہوی نے ہی اسی بحث میں اس شعر کو پیش کرکے دکھایا ہے"

جو خاندان صفات مندرجۂ بالا سے متصف ہو" اور جس کے افراد کی وہ حالت ہو جو ابھی ہم نے "مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ" "نواب شہباز خاں" اور "نواب وقار الملک" کے حالات میں بتائی ہے۔ اُس کے متعلق اور افغانوں "کشمیریوں" کے بارے میں بقول "شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب" کے کسی "بدتمیز شاعر کا" شعر پیش کرنا مؤلف امروہوی کی دلی خباثت کی دلیل نہیں ہے تو اور کیا ہے"

ہمیں مؤلف موصوف کے پیش کردہ شعر اور پورے قطعہ کی حیثیت دکھلا چکنے کے بعد یہ بات اور بتانی ہے کہ "مملکت آصفیہ میں جن علاقوں کے لوگوں کے لئے یہ شعر رائج ہے" وہ "بیدر" "میدک" اور "کوہیر" ہیں" اوّل الذکر دو مقام دو ضلعوں کے صدر مقام ہیں" جن میں سے پہلا "علاقہ مرہٹواڑی کا ضلع ہے۔ اور دوسرا ضلع "علاقہ تلنگانہ کا ہے" "کوہیر" بیدر ضلع کی ایک تحصیل کا صدر مقام ہے" اور وہاں یہ شعر اس طرح پڑھا جاتا ہے

اگر قحط الرجال افتد ازیں سہ آنس کم گیری
یکے میدکی" دوم بیدری" سوم بدذات کوہیری

کیونکہ یہ تینوں مقامات سادات" و مشائخ عظام کے مسکن" اور ذی علم و صاحبِ ثروت و بااثر لوگوں کے وطن تھے" اس لئے اُن کے کسی حاسد نے "اس شعر کو اس طرح ترتیب دیدیا جس طرح ہم نے اوپر لکھا ہے"

بیت: "اگر قحط الرجال افتد ازیں سہ انس کم گیری" ... الخ جس زمانے میں جس وجہ سے تصنیف کی گئی"

یہ قطعہ جس پر ابھی ہم نے بحث کی ہے" کس زمانے میں عالم وجود میں آیا" اس پر شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب" نے یہ لکھ کر "کہ متاخرین میں سے کسی بدتمیز شاعر نے یہ شعر کہا ہے") روشنی ضرور ڈال دی ہے" لیکن اُن کے بیان سے ٹھیک زمانے کا تعیّن نہیں ہوا" اور نہ یہ بات معلوم ہو سکی ہے کہ "وہ کیا حالات تھے جن سے متاثر ہو کر یہ قطعہ کہا گیا تھا" اس جگہ ہم اِن باتوں پر بھی روشنی ڈال دینا مناسب سمجھتے ہیں"

محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں اُن کی عدم توجہی اور عیش پرستی کی وجہ سے سلطنت کی چولیں ڈھیلی ہو گئی تھیں" نادر شاہ کے حملے "غارتگری" اور "قتلِ عام نے" اس دولتِ قاہرہ پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ رہی سہی ساکھ بھی جاتی رہی" تو خوانین کنبوہ" (جو ہندوستان میں ابتدائے عملداری مسلمانان سے" سلطنت کے کاروبار میں دخیل اور مہمات میں کفیل تھے" حکومت کی اس بدتر حالت کو دیکھکر اور اپنی حالت کو محفوظ نہ جانکر "دہلی سے نقل سکونت کرکے "مراد آباد" "امروہہ" بانس بریلی جا بسے" اور "ہمت خاں (اتالیق شہنشاہ فرخ سیر و از امرائے کنبوہ ... محمد شاہ بادشاہ") و عبد الوہاب خاں (از امرائے محمد شاہ بادشاہ) بنگال چلے گئے" اور وہاں بڑی عزت و حرمت سے لئے گئے" "عبد الوہاب خاں کنبوہ" "شاہ عالم کی حکومت بنگال میں پھر قایم کردینے کی کوشش کی وجہ سے" وہیں "میرن" پسر و ولیعہد و سپہ سالار میر جعفر کے ہاتھ سے شہید ہوئے" جس وقت میرن پر بجلی گری ہے" "ہمت خاں کنبوہ" اس واقعہ سے تھوڑی دیر قبل "میرن" کے پاس سے اُٹھکر اپنے مقام پر چلے آئے تھے"

غلام حسین خاں ابن ہمت خاں" "راجہ چیت سنگھ" والئی بنارس کے مدار المہام ہو گئے تھے۔ راجہ کو آپ سے بڑی خصوصیت تھی" جب راجہ کو تخت سے علیحدہ ہونا پڑا" اس وقت "غلام حسین خاں نے لکھنؤ میں لارڈ کارنوالس سے ملکر "راجہ کی معافی کی کوشش کی لیکن جب انہیں اس میں ناکامی ہوئی" تو وہ دہلی چلے آئے" "سبحان علی خاں ابن غلام حسین خاں" اور اُن کے عزیز "تاج الدین حسین خاں کنبوہ" جو سرکار انگریزی میں تحصیلداری کے عہدہ پر فایز تھے" وہاں سے قطع تعلق کرکے "نواب سعادت علی خاں" کے زمانے میں لکھنؤ چلے آئے" جہاں اُن کی بڑی قدر ہوئی" تھوڑی ہی مدت میں اِن دونوں نے اپنے زورِ قلم" "حسنِ تدبیر" اور کشور کشائی" کی وجہ سے وہ ناموری حاصل کی کہ "نواب غازی الدین حیدر" کے اُمرائے کبار میں شامل ہو گئے" اور یہ دونوں "فارسی کے بڑے ادیب اور منشی مانے جاتے تھے" صاحب تاریخ اودھ جلد سوم کے صفحہ ۹۰ و ۹۱ پر مولوی حکیم نجم الغنی صاحب رامپوری نے لکھا ہے کہ "سبحان علی خاں کنبوہ" "علامۂ عصر" "ہمہ صفت موصوف" "نثار بے نظیر" عالی فکر" اور

نوش نذیر تھے " معتمد الدولہ (آغا میر وزیر اعظم) ان کے بغیر مشورہ کوئی کام نہیں کرتے تھے "

اور " تاج الدین حسین خاں " ذی عقل " ارسطوئے عہد " تھے یہ کنبوہوں میں ایسا آدمی کم گذرا ہے " سوانح سلاطین اودھ جلد اوّل صـ۲۱۳ پر کمال الدین حیدر حسنی الحسینی " نے لکھا ہے کہ " نوابان اودھ " کی جانشینی کے مسئلہ پر ان دونوں کی رائے کو بڑا دخل تھا۔ اور اسی وجہ سے یہ لوگ " بادشاہ گر " کے لقب سے آج تک لکھنؤ میں یاد کئے جاتے ہیں "

علاوہ ان بزرگوں کے ان کے سب صاحبزادے بھی بہت نامور اور صاحب اثر تھے " بادشاہ نصیر الدین حیدر کے انتقال کے بعد " فریدوں بخت " تخت پر بیٹھ گئے تھے " مگر وفعتاً " احسان حسین خاں ابن سبحان علی خاں کنبوی " کی آمد سنکر کمرے میں چھپ گئے اور ان کے خوف سے اُن کے سامنے آنے کی جرأت نہیں کی " احسان حسین خاں " محمد علی شاہ کو سلطنت کی مبارکباد اور نذر دیکر رخصت ہو گئے " (سوانح سلاطین اودھ)

احسان حسین خاں اپنے جلسہ میں علانیہ یہ بات کہا کرتے تھے کہ بڑے مشکل کاموں کو ہم ہی حل کرتے ہیں " روشن الدولہ " (وزیر اعظم) میں اس قدر قابلیت کہاں تھی کہ وہ سلطنت کے کاموں کا بوجھ سنبھال سکتے " اس لئے کل بڑے کاموں میں " سبحان علی خاں کا مشورہ کام کرتا تھا۔ اور چھوٹے کاموں میں " احسان حسین خاں " کو دخلت تھی " (تاریخ اودھ صـ۱۹۵ و ۱۹۶)

امجد علی شاہ کے انتقال کے بعد " واجد علی شاہ بادشاہ تخت نشین ہوئے تو ان کے اکتالیس[۱] درباریوں میں " نواب مظفر حسین خاں ابن نواب سبحان علی خاں " بھی تھے " (فہرست درباریان جلد دوم صـ۳۱)

غرضکہ " خوانین کنبوی " ہی کی رائے پر کاروبار حکومت چل رہے تھے۔ اور اُن ہی کے اشاروں پر وزراء کا عزل و نصب ہوتا تھا " انہیں کا گھر معین خاص و عام تھا " جب ان خوانین سے " منتظم الدولہ حکیم مہدی علی خاں " وزیر اعظم کی اَن بَن ہو گئی تو اس کے نتیجہ میں " منتظم الدولہ " معزول کئے گئے "

ان کنبوی خوانین کے علاوہ " اس سلطنت میں " افغان[۱] " اور " کشمیری " خوانین بھی اچھے نامور اور اعلیٰ عہدوں پر ممتاز تھے " اور یہ تینوں گروہ گویا اپنی برتری کے لئے رسہ کشی کیا کرتے تھے " مگر دوسرے فریق اُن کے اثر و اقتدار کو دیکھکر دم بخود تھے اور حسد کی آگ میں جلتے رہتے تھے " چنانچہ انہیں حاسدوں میں سے کسی " مجہول النسب شخص نے (کہ جس کو اپنا نام ظاہر کرنے کی جرأت نہیں ہوئی ") یہ قطعہ جس کا ایک شعر " مؤلف امروہوی نے نسب کی بحث میں پیش کیا ہے " لکھکر اپنے حسد کے پھپھولوں کو پھوڑنے کی کوشش کی ہے " اس زمانے میں جس جس طرح سے دلوں کے بخار نکالے جا رہے تھے " ان کی چند مثالیں ذیل میں ملاحظہ ہوں "

اعتماد الدولہ سید فضل علی خاں دہلوی کی وزارت اودھ کی ہجو یہ تاریخ " کتاب مضامین فرحت حصہ ششم کے صـ۱۹۰ و ۱۹۱ پر تحریر ہے کہ " جب اعتماد الدولہ " وزیر لکھنؤ " کر دیئے گئے تو حضرت ناسخ (المتوفی ۱۲۵۴ ہجری مطابق ۱۸۳۸ء) نے " اُن کی وزارت کی تاریخ " دہت دہت بری تری " نکالی۔ دہا تھی کو چلانے کے لئے مہاوت " دہت دہت " اور " رو کنے کو " بری تری " کہتے ہیں " اس میں یہ چیز مضمر ہے کہ " اعتماد الدولہ کے بزرگ " شاہی مہاوت " ہوا کرتے تھے " اسی جانب " ناسخ " نے اشارہ کیا ہے " (معتمد الدولہ کی جگہ نصیر الدین حیدر نے انہیں وزیر مقرر کیا تھا یہ شیعہ تھے)

سات اُمرائے سلطنت کی ہجو یہ مشترکہ تاریخ اور اس کی توجیہ تاریخ اودھ جلد دوم مؤلفہ مولوی حکیم نجم الغنی صاحب رامپوری کے صـ۲۸۶ پر تحریر ہے کہ " یہ تحقیق ہو گیا ہے کہ " وزیر علی " کی ماں " ایک امیر کے گھر میں ماما تھی " تین لڑکے اُس کے تھے " اُس کے بڑے بیٹے کو " آصف الدولہ "

(نوٹ ۱) ادبی خطوط غالب مرتبہ مرزا محمد عسکری بی۔ اے لکھنوی مطبوعہ انوار المطابع لکھنؤ ۱۹۳۸ء کے صـ۶۸ پر ہے کہ " قتیل کے علم فارسی کا ماخذان لوگوں کی تقریر ہے جو " نواب سعادت علی خاں کے وقت میں " ممالک مغربی کی طرف سے لکھنؤ میں آئے " اور منگا مرآرا ہوئے بیشتر سادات دکشمیری " یا " کابلی " و قندھاری " و " ہراتی " اچیانا گدائی عامہ اہل ایران میں سے بھی کوئی ہو " مانا کہ نمائے ایران سے بھی کوئی ہو گا "

(المتوفی ۱۲۱۳ ہجری) نے پانسو روپیہ کو مول لیا تھا۔ اور اُس کا نام امیر محمد رکھا تھا۔" دوسرا بیٹا اپنی ذلیل حالت میں نوکری چاکری کرتا تھا۔" تیسرا بیٹا وزیر علی تھا۔" نواب کی عادت تھی کہ وہ حاملہ عورتوں کو مول لے لیتے تھے اور اُن کے یہاں جو بچے پیدا ہوتے تھے۔ تو اُن کو اپنا بتایا کرتے اور اپنے بچوں کی طرح ان کی پرورش کیا کرتے تھے۔" وزیر علی خاں کو بھی نواب نے پانسو روپیہ کو مول لیا تھا۔" غرضکہ یہ کیفیت تھی وزیر علی خاں کی۔ مگر جب وہ نواب آصف الدولہ کے بعد تخت نشین ہو گیا تو انگریزی گورنمنٹ نے اُس کا کوئی استحقاق نہ ہونے کی وجہ سے اُسے معزول کر کے "نواب سعادت علی خاں" کو گدّی نشین کر دیا۔"

اسی تاریخ اودھ کے صفحہ ۲۸۶ تا ۲۸۷ پر ہے کہ "گورنر جنرل نے (جو اسی کام کے لئے لکھنؤ آئے تھے) وزیر علی خاں کو طلب کر کے اپنی کوٹھی پر بٹھا لیا۔"... صبح کو آفرین علی خاں اور اشرف علی خاں "گورنر جنرل کے حکم سے" وزیر علی خاں کے پاس رہے۔" اور رائے تلسی رام نے وہ اشتہار جو نواب سعادت علی خاں کے استحقاق، ریاست" اور وزیر علی خاں کی معزولی کی نسبت "خان علّامہ تفضل حسین خاں (وزیر سلطنت اودھ) کا لکھا ہوا تھا۔ گورنر سے لیکر جاری کیا۔ اور نئی حکومت کا اعلان کیا۔ بعد اس کے گورنر جنرل نے وزیر علی خاں کو بنارس بھجوا دیا۔ لاکھوں روپیہ کا سامان اُس کے ساتھ کیا۔"... وزیر علی کی حکومت لکھنؤ میں چار مہینہ اور کئی روز رہی۔"... شعراء نے وزیر علی کی معزولی کی تاریخیں موزوں کیں۔ تو اُن میں اُن آدمیوں کی بہت مذمّت کی جو اُس کی معزولی کے بانی مبانی ہوئے۔"

تاریخ

از سر نام ہفت کور نمک — سال تاریخ مدعیان بیشک

اوّل آں قاتلِ حسن "الماس" — سرگروہ ہمہ حرام نمک .... الماس علی خاں

بانہ تحسین "کہ باد نفرینش — از سماوات ہم ز جن ملک .... تحسین علی خاں

فتنہ پردازِ — [illegible] کشمیر — کہ شیاطین پدرش اُو طفلک .... تفضل حسین خاں علّامہ مدار المہام سلطنت آصف الدولہ۔

آں خرد دشمن جسیم وحکیم — جہلِ بسیار و دانش اندک .... حسن رضا خاں سرفراز الدولہ مدار المہام سلطنت آصف الدولہ سجاد علی خاں

ناقص العقل زنکہ ناداں — دست بردار شد ازاں کودک .... بہو بیگم مادر آصف الدولہ

راجہ ہم داخل لئیماں شد — کرد پاسِ نمک نہ خاطرِ حک .... ٹیکیت رائے راجہ

دادن دختر و دغا کردن — شرف خود شناخت آں مَردَک .... اشرف علی خاں خسر وزیر علی خاں

قہر کردند بہر عزلِ وزیر .... وزیر علی خاں

خود سیاہ رُو شدند زیرِ فلک (۱۲۱۲ ہجری)

دیگر

اوّل بد نایب پشیمان — دوم بر آنکہ گشت دیوان

سوم الماس پُر خناس — دیگر مردک شرفت علی خاں

تحسین کہ بر وہزار نفرین — از وحش و طیور جن و انسان

پیدا شدہ ایں یزید ثانی — یعنی مرزا حسن رضا خاں

کردند اسیر امیر خود را — از مکر و فریب و کید شیطان

تاریخ اسیریش بر آمد

لعنت بر ہمہ نمک حراماں

(فٹ نوٹ ۲) تاریخ اودھ جلد سوم کے صفحہ ۳۰۸ و ۳۰۹ پر ہے کہ "سرفراز الدولہ حسن رضا خاں سلطنت اودھ کے قدیمی افسر خزانہ تھے۔" نواب شجاع الدولہ کے عہد سے وہ اس کام پر مامور تھے۔" نواب آصف الدولہ کے عہد میں بیس برس سے زیادہ عرصہ تک انہوں نے نیابت و مدار المہامی، کا کام کیا۔" علمی لیاقت سے محروم تھے مگر عقل کے پتلے تھے۔ ذہن رسا تھا اور فارسی خوب سمجھتے تھے۔" وہ جب تک دربار میں نہیں آتے تھے اور کسی کو مجرے کی نوبت نہیں پہنچتی تھی۔" سعادت علی خاں کے زمانہ میں دن رات کی حاضر باشی اور محنت سے نہایت تنگ آ کر خواب و آرام کے وقت کام کا وقت مقرر ہونے سے بیمار ہو کر ۱۲۱۶ھ میں وفات پا گئے۔"

(فٹ نوٹ ۱) جلد سوم کے صفحہ ۱۴۴ پر ہے کہ "الماس علی خاں کی دولتمندی اور عالی ہمتی تمام اہل لکھنؤ سے بڑھی ہوئی تھی۔" اُس نے سپاہ موقوف کر کے عیش و عشرت میں کر و فر سے زندگی بسر کی۔" اُسکی دولتمندی اور عالی ہمتی مشہور زمانہ تھی۔" مرتے وقت کروڑوں روپیہ اُس کے خزانہ میں تھا۔" ارباب شہر نجیب شریف جو اس کے قرضدار تھے۔" ان کے قرضہ کی دستاویزیں مرنے سے پہلے اپنی مسجد کی حوض میں ڈالکر اُس نے اعلان کر دیا تھا کہ اب کوئی شخص اپنے آپ کو میرا قرضدار ظاہر نہ کرے۔" میں نے سب کا قرض معاف کر دیا۔" کلکتہ، بمبئی، حیدر آباد" اور راجپوتانہ میں اس کی کوٹھیاں جاری تھیں۔" الماس علی خاں کی املاک "مسجد اور چھاؤنی و باغات" و عمارات" خانقاہیں وغیرہ اُس کے مرنے کے بعد نواب کی سرکار میں ضبط ہو گئے۔"

اُن کی بات قبول نہ کی "تو بالراست لڑکیوں سے بات چیت کر کے اُنہیں رضامند کر لیا" اور وہ باپ کی غیبت میں ان کے گھر آگئیں "باپ نے گھر پہنچ کر لڑکیوں کو نہ دیکھا تو پوچھ گچھ شروع کی" آخر کار اُسے معلوم ہو گیا کہ ایک لڑکی "افغان کے پاس ہے" دوسری اور تیسری "کنبوہ اور کشمیری" کے مکانوں میں ہیں" پہلے وہ افغان کے گھر گیا" اُس نے اُسے دیکھ کر چھرا نکالا تو یہ ڈر کر وہاں سے چلا آیا اور کنبوہ کے گھر پہنچا" تو ان حضرت نے کچھ ایسی حکمت عملی سے کام لیا کہ وہاں سے بھی اُسے ناکام لوٹنا پڑا" اب وہ کشمیری کے یہاں گیا اُس نے یہ ترکیب کی کہ اپنا سر ایک پتھر سے پھوڑ کر غل مچا دیا کہ "اس شخص نے مجھے مارا ہے" دوڑو میری مدد کو پہنچو اور پولیس کو بلاؤ" یہ آفت جو لڑکیوں کے پدر بزرگوار نے دیکھی تو وہاں سے بھی بھاگ کھڑے ہوئے" اور ہانپتے کانپتے بمشکل اپنے گھر پہنچ گئے" دوسرے دن انہیں یہ اطلاع ملی کہ لڑکیوں نے بخوشی خود ان تینوں دوستوں سے اپنے نکاح پڑھوا لیے ہیں" آخر کار کوئی چارہ نہ دیکھ کر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے اُن لڑکیوں کے والد بزرگوار نے یہ بیت تصنیف فرمائی" جس کا ایک شعر مؤلف امروہوی نے اِس بحث میں پیش کیا ہے اور جس کے متعلق ہم اُوپر کچھ لکھ آئے ہیں" اِس روایت میں یہ بھی ہے کہ "اِس شخص اور اِس کے اعزا اور اقربا نے اِن لڑکیوں کے واقعہ کا بہت اثر لیا اور اُن کی اولاد نے بھی اُسے اپنے دل سے فراموش نہیں ہونے دیا چنانچہ ابھی تک اکثر موقعوں پر وہ اِن تینوں دوستوں کی کارروائی پر اِس قطعہ کو پیش کر کے صدائے احتجاج بلند کرتے رہتے ہیں" اگر مؤلف امروہوی کو اِس روایت کے صحیح ہونے میں شک ہو تو تاریخی شواہد و اسناد یا کوئی خاندانی روایت کو پیش کر کے انکار کر سکتے ہیں"

"زبیری کنبوہی خاندان کے متعلق" حاسدین کی گھڑی ہوئی ایک کہانی اور اُسکی حقیقت"

"نواب سبحان علی خاں" اور "نواب تاج الدین حسین خاں" جن کے متعلق "سوانح سلاطین اودھ جلد اوّل مؤلفہ کمال الدین حیدر حسینی الحسینی کے صفحہ ۲۱۲ پر لکھا ہے کہ "فرمانروایان اودھ کی جانشینی کے مسئلہ پر ان دونوں کی رائے کو بڑا دخل تھا۔ اور اسی وجہ سے یہ لوگ "بادشاہ گر" کے لقب سے آج تک "لکھنؤ" میں یاد کیے جاتے ہیں"

اِن میں سے "نواب تاج الدین حسین خاں" کے گھر میں "اگرچہ اولادیں پیدا ہو کر ضائع ہو گئی تھیں" کیونکہ اُن کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی" اِس لیے جب اُن کی بڑی صاحبزادی "کنیز فاطمہ" پیدا ہوئیں "تو جیسا آج کل بھی اکثر ہندو مسلمانوں میں کیا جاتا ہے" کہ جب کسی کے کئی اولادیں ہو کر ضائع ہو جاتی ہیں تو وہ بطور "ٹوٹکا" اپنے نومولود بچے کو "کسی غریب کے ہاتھ اِس خیال سے ایک ٹکے میں فروخت کر دیتا ہے کہ ہماری اولاد تو زندہ رہتی نہیں "اللہ کرے گا تو اِس ہی کے نام سے یہ بچہ بھی جائے گا" یہ گھر کی مہترانی یا بھنگن کے ہاتھ اِسی خیال سے ایک ٹکے میں فروخت کر دی گئیں خدا کا فضل شامل حال ہوا "کنیز فاطمہ" زندہ رہیں" اور اُن کی شادی "نواب سبحان علی خاں کے صاحبزادے "نواب مظفر حسین خاں" سے ہو گئی"

اِس تقریب سعید پر "کنیز فاطمہ" کی اِس دوسری ماں بھنگن نے بھی اپنی بیٹی کو جہیز میں بہت کچھ بیش قیمت چیزیں دی تھیں جن میں "ایک تھال جو چاندی کا تھا" اور "ایک پنجہ اور ایک ٹوکرا چاندی کا شامل تھا" بھنگن کی دی ہوئی یہ چیزیں "بڑی عزت اور محبت سے لی گئیں" اور دلہن کے جہیز کے دوسرے سامان کے ساتھ وہ بھی لوگوں کو دکھائی گئیں" اور اِس پر حاضرین نے خوشی و مسرت کا اظہار کیا" اور اِس بھنگن ماں کو "کیجئے" شادی کی مبارکباد دی" اُس زمانے کے بادشاہوں اور اُمرا کے قدیمی اشخاص اور مہترانیوں یا بھنگنوں کو آج کی بھنگنوں پر قیاس کرنا چاہیے" بلکہ یہ بہت تمول اور مختلف مراسم و تقریبات پر اُن کو اِس قدر انعامات ملا کرتے تھے کہ وہ اُن سے مکانات اور جائیدادیں ہمارے زمانے کے اکثر امراء کو بھی نصیب نہیں ہیں" مگر مخالفین و حاسدین کو ایک موقع ہاتھ آ گیا" انہوں نے اِس پر یہ حاشیہ چڑھا دیا کہ "ان خوانین کنبوہی" کے یہاں یہ رسم ہے کہ "دولہا کے گھر دلہن کے آنے کے بعد پہلا کام اُس سے پاخانہ اُٹھوانے کا لیا جاتا ہے" اِن حاسدین و مخالفین کی ذریات آج بھی موجود ہے" اور اپنے حسد کا کبھی کبھی اِس حاشیہ آرائی کے بیان سے بھی مظاہرہ کر لیا کرتی ہے" جس کی حقیقت وہ ہے جسے ہم نے اوپر ظاہر کیا ہے"

موجودہ زمانے میں "عزیزی میاں محمد زبیری کنبوہی سلمہ اللہ تعالیٰ اسسٹنٹ لائبریرین مسلم یونیورسٹی علیگڑھ" جب بعد اللہ آمین کے بعد پیدا ہوئے" تو اُن کے محترم دادا "شیخ الرئیس ثانی حکیم ابو صالح صاحب مرحوم و مغفور نے" اپنے پہنچتے پوتے کو اِسی خیال کے تحت جس کا ذکر آ چکا ہے ایک بھنگی کے

ہاتھ فروخت کیا تھا" یہ عورت اپنے اس بچہ کو قریباً روزانہ دیکھنے کو آیا کرتی اور دروازہ پر کھڑی ہو کر کہا کرتی تھی "کہ اے داتا میرے" کونسا دن ہوگا جب میرا بچہ اس قابل ہوگا کہ کوٹھے میں بیٹھکر تبلے پہ ہاتھ مارے گا"

خاندانِ برکاتیہ مارہرہ کے "سید آلِ نبی" کو بھی اسی کنجنی نے جس کا نام "محمدی" تھا خرید ا تھا" جس نے "محمد زبیر" عرف فرحت میاں سلمٰہ کو خرید لیا تھا"

رسالہ صوفی پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات پنجاب " جلد ۴ نمبر ۲ بابت ماہ جولائی واگست ۱۹۳۲ء کے صفحہ ۶۵ پر" منشی پریم چند صاحب بی۔اے۔ کے قصے "ماں کا دل" میں تحریر ہے کہ"

بیوی۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ خدا اسے ہمارے ہاتھ سے چھین نہ لے" سچ کہتی ہوں مجھے اسے گود میں لیتے ڈر لگتا ہے" اسے تم آج سے اپنا بچہ سمجھو" تمہارا ہو کر شاید بچ جائے" ہم تو بد قسمت ہیں" ہمارا ہو کر اس پر ہمیشہ مصیبت آتی رہے گی" آج تم اس کی ماں ہو جاؤ" تم اسے اپنے گھر لے جاؤ" جہاں جی چاہے لے جاؤ" تمہاری گود میں دیکر مجھے کوئی فکر نہ رہے گی" اصلیت میں تم ہی اس کی ماں ہو" میں تو راکھشی ہوں"

مادھوی۔ بہو جی "خدا سب اچھا کرے گا" کیوں جی اتنا چھوٹا کرتی ہو"

مسٹر باگچی۔ نہیں نہیں بوڑھی ماں" اس میں کوئی حرج نہیں" میں اپنے خیال سے تو ان باتوں کو ڈھکو سلا ہی سمجھتا ہوں" مگر دل سے دور نہیں کر سکتا" مجھے خود میری والدہ نے" ایک دھوبی کے ہاتھ بیچ دیا تھا" میرے تین بھائی مر چکے تھے" میں جو بچ گیا تو ماں باپ نے سمجھا کہ بیچنے ہی سے اس کی جان بچ گئی" تم اس بچے کی پرورش کرو" اسے اپنا لڑکا سمجھو" خرچہ ہم برابر دیتے رہیں گے" اس کی کوئی فکر مت کرو" جب ہمارا جی چاہے گا آکر دیکھ لیا کریں گے"

غرضکہ اسی طرح کنیز فاطمہ" بھی اپنے گھر کی مہترانی کے ہاتھ فروخت کردی گئی تھی" اور اس خیال سے انہیں اس مہترانی کی بیٹی بنادیا گیا تھا کہ "شاید وہ اُسی کے نام سے جی جائیں"

باب دہم

"کنبوہ حضرات کے "ہندی الاصل" ہونے کے متعلق" مسٹر اٹکنسن بی۔اے۔ (بنگال سول سروس) گزیٹیئر صوبجات متحدہ" جلد سوم (حصہ دوم مطبوعہ ۱۸۷۶ء) میں صفحہ ۲۹۲ پر لکھتے ہیں کہ "کمبوہ" اب تک اس ضلع" (یعنی میرٹھ) میں "ہندو کمبوہ" موجود ہیں۔ اور عام روایت یہ ہے کہ "مسلمان کمبوہ" اصلاً ان ہی میں سے ہیں" "خود کمبوہ" یہ بیان کرتے ہیں کہ "قدیم الایام میں ہمارا خاندان "شہر غزنین کا ایک ممتاز خاندان تھا جو "کم از گو" سے جو فارسی کے مصدر "گفتن سے مشتق ہے" موسوم تھا" اس خیالی اشتقاق کے متعلق اُن کا یہ ادعا ہے کہ "اس زمانہ میں یہ خاندان "گفتار کا کم" اور "کردار کا زیادہ تھا" جب محمود غزنوی" ہندوستان پر فوج کشی کی غرض سے روانہ ہوا تو اس خاندان کے لوگ بھی اُس کے ساتھ ہو لئے" میرٹھ کے" راجہ مالی کا قلعہ فتح کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ اور یہ لوگ یہیں متوطن ہوگئے۔ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ "حسن محمودی (ہمندی) نام" ایک کنبوہ" غزنوی کا وزیر تھا" شہر کی جامع مسجد" اسی کی معمرہ ہے" یہ مسجد اس وقت تک موجود ہے" ان کا بیان ہے کہ اس مسجد کے اطراف میں "وہ غازیانِ قوم کنبوہ" مدفون ہیں جو "میرٹھ" کے معرکۂ جدال وقتال میں مقتول ہوئے" اس کے بعد سوائے "خواجہ صدر الدین" اور خواجہ جھتا" کے اور سب "کمبوہ" "میرٹھ" سے چلے گئے" موجودہ کنبوہ" ان ہی دو شخصوں کی اولاد سے اپنے آپ کو بیان کرتے ہیں"

لیکن زیادہ قرینِ قیاس یہ روایت ہے کہ "کنبوہ قوم کے لوگ" ابتدائے (عہد اسلامی) میں ہندو قوم سے مسلمان ہوئے" ضلع میرٹھ میں" مسلمان کنبوہوں کے علاوہ "ہندو کنبوہ" بھی موجود ہیں"

UNIVERSITY

"صاحب گزیٹیر میرٹھ" مطبوعہ ۱۸۷۶ء لکھتے ہیں کہ "چوہر کے ہندو کنبوؤں کے قبضہ میں" تحصیل میرٹھ میں ۲۲
دو موضع ہیں "اور مسلمان کنبوہوں کی ملکیت میں گیارہ (۲۹)" صفحہ ۳۳۶ و ۳۳۸

صاحب تحقیق الانساب کی پیش کردہ "مسٹر اٹکنسن بی۔اے" کی اِس قیاس آرائی کے متعلق "یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ "ہم نے باب نہم میں جہاں "سر ہنری ایلیٹ" کی غلط بیانیوں کا انکشاف کیا ہے" اور یہ بھی ثابت کیا ہے کہ "سلطان محمود غزنوی غازی رحمتہ اللہ علیہ پر" ہندوؤں کو مسلمان بنانے کا الزام قطعاً بے بنیاد ہے اور اس کی ذرہ برابر اصلیت نہیں ہے" وہاں مؤلف امروہوی کی "کتاب تحقیق الانساب تاریخ امروہہ" جلد چہارم سے لے کر اُن کے وہ بیانات بھی پیش کئے ہیں "جن میں انہوں نے "صاحب گزیٹیر مرادآباد کے نوشتوں کا غلط ہونا ظاہر کیا ہے" اور جن سے یہ بات بخوبی ثابت ہوگئی ہے کہ "خود مؤلف موصوف" انگریز ول صاحبان گزیٹیرس کی تحقیقاتوں کو خود بھی قابلِ اعتبار و استفادہ نہیں مانتے ہیں"

لیکن اِس جگہ جو انہوں نے اِسی طبقہ کے "ایک ایسے شخص کا بیان پیش کیا ہے جس کی تحقیقات کا مدار محض اُس کے قیاس پر مبنی ہے" تو کیا اس سے یہ بات صاف طور سے ظاہر نہیں ہوگئی ہے کہ "انہیں اپنے حصول مقصد کے لئے ایسے بیان پیش کرنے میں کوئی باک نہیں ہے جن کی قیمت اُن کے نزدیک بھی کچھ نہیں ہے"

انہوں نے "اپنے خاندان کے متعلق کسی تاریخ و تذکرہ میں حالات نہ ملنے سے مجبور اور لاچار ہوکر" اپنے نسب اور شجرے کے صحیح ہونے کا مدار صرف اپنے خاندانی یا گھریلو روایات پر رکھ کر اصرار کیا ہے کہ "اُن کی اِن روائتوں کو آیت و حدیث سمجھ کر سب لوگ قبول کر لیں" مگر جب وہ اپنی کتاب تحقیق الانساب جلد چہارم کے صفحہ ۳۳۳ میں "دوسروں سے اِس بارے میں "تاریخی و جغرافیائی شہادتیں طلب کرتے ہیں" اور اُن میں سے کسی کی روائتوں کو ہرگز یقین نہیں کرنا چاہتے" تو ہم اُن سے دریافت کرتے ہیں کہ اُن کے پیش کردہ "مسٹر اٹکنسن" کے اِن بیانات میں کون سی تاریخی شہادت موجود ہے" اور یہ کیسی تحقیق ہے کہ انہوں نے ایک ناواقف شخص کے قیاس ہی پر یہاں اپنی تحقیقات کا مدار رکھنا ضروری خیال کر لیا ہے۔

اقوام ہند کے حالات سے مسٹر اٹکنسن کی ناواقفیت اور اُن کے قیاس آرا کی حقیقت

مسٹر اٹکنسن نے تحقیق و تلاش۔ یا تاریخوں کی بہم رسانی اور ورق گردانی کی ذرا سی محنت بھی گوارا نہیں کی ہے" اور "زبیری" "کنبوی" حضرات کے اپنے خاندان کے متعلق بیانات کو بھی نظر انداز کر کے صرف اپنے قیاس کا اظہار کیا ہے" ایک غیر ملک کا باشندہ ہونے کی وجہ سے" اجنبی زبان کے "قریب المخرج" یا "ایک تلفظ رکھنے والے" "مختلف المعنی الفاظ میں وہ کوئی تمیز نہیں کر سکتے تھے" اس لئے انہوں نے "زبیری خاندان کے نسبتی لقب کنبوی" کو جو کہیں کہیں کتابت کی غلطی سے "کنبو" لکھ گیا۔ اور بعد میں بولا بھی جانے لگا" اور "قوم کمبوہ کو" ایک سمجھ لیا" اور وہ یہ بات بالکل نہیں جان سکے کہ اردو زبان میں "بہت الفاظ ایسے ہیں" جن کا تلفظ ایک ہی ہے" مگر ان کے معانی و مطالب میں بُعد المشرقین ہے" مثلاً دو لفظ "صحیح" اور "سہی" ہیں جن کا تلفظ ایک ہے" مگر اُن کے مطالب و معنی" الگ الگ ہیں" جن میں کوئی تعلق کسی طرح کا نہیں ہے" البتہ اُن کے املے میں فرق ہے۔ اور یہ فرق اِس وجہ سے رکھا گیا ہے" اگر اُن کو ایک ہی طرح سے لکھا جائے تو اُن عبارتوں کے پڑھنے میں جن میں اپنے اپنے مواقع پر یہ الفاظ لکھے جاتے ہیں اُن کے سمجھنے میں بڑی اُلجھن پیدا ہو جائے گی" ہندوستان ہی میں مختلف قبائل و

(نوٹ ۱)

مجھ سے غالب یہ علائی نے لکھوائی ۔۔۔ ایک بیداد گرِ رنج فزا اور سہی (غالب)
رہن رکھوا کر تیرا عمامہ دلوا دوں شراب ۔۔۔ زاہدا تجھ کو کروں منّتِ احسان تو سہی (ناسخ)
چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسد ۔۔۔ گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی (غالب)
گر ناز نیں کہے کا بُرا مانتے ہیں آپ ۔۔۔ میری طرف تو دیکھئے میں نازنیں سہی (انشا)
جھڑکی سہی۔ ادا سہی" چین جبیں سہی ۔۔۔ سب کچھ سہی پر ایک نہیں کی نہیں سہی (انشا)

"خاندان" "بیشی" "بھٹ" "بھٹہ" "بھٹی" "بھٹانی" "بھاٹی" "بھٹاچارجی" "بھوٹانی" "بھوٹی" "بھٹیری" اور "بھٹانی" اور "بہروٹ" "بہروانی" بھی ہیں مگر ناموں کی یکسانی کی وجہ سے یہ ایک نہیں ہیں۔ یہ مختلف النسل ہیں اور ان کا کوئی تعلق ان کو ایک خاندان کی مختلف شاخیں ثابت کر سکتا ہے۔

اسی طرح لفظ "کنبو" "کنبوہ" "کنبوی" کی "ی" کے کتابت "یا چھوٹ جانے سے بنا ہے۔ لفظ کنبو سے "جو" "کم" اور "بو" سے مرکب ہے کسی طرح کا کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ ان میں سے لفظ "کنبوی" اور "کنبوہ" "زبیری قریشی" خاندان کے لئے "ان کے قدیم سکونت کے مقام "کنباہ" سے تعلق کی وجہ سے بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی کتاب منتخب التواریخ جلد اوّل کے صفحہ ۳۲۱ پر ۹۵۹ ہجری کے حالات میں تحریر کیا ہے کہ "شیخ عبدالحیٔ ولد شیخ جمالی کنبوی دہلوی"۔ اور "مخزن افغانی" کے ورق ۸۔ پر لکھا ہے کہ "شیخ سماءالدین کم کوئی المشہور کنبوی دہلوی"۔ اور شمس العلماء مولوی محمد حسین صاحب آزاد دہلوی نے "دربار اکبری" میں بعض حالات "شیخ گدائی" لکھا ہے کہ "ان کے والد "شیخ جمالی" سکندر لودی کے عہد میں شعراء با کمال میں شمار ہوتے تھے"۔ اور "شیخ جمالی" "کنبوی" "دہلوی" کہلاتے تھے۔

اور "قوم کمبوہ" ہندوستان کی ایک قدیم قوم ہے جو "دریائے جمنا" سے دریائے سندھ تک مختلف اضلاع میں کم و بیش بسی ہوئی ہے۔ جس میں "ہندو" "مسلمان" اور "سکھ" تینوں مذاہب کے لوگ شامل ہیں۔ اور جس کے متعلق مسٹر ازلاڈ اور عبداللہ بابری کے بیانات ہم باب پنجم میں لکھ آئے ہیں۔ اگر "مسٹر ایٹکسن" کو "زبیری کنبوی خاندان" اور "قوم کمبوہ" دونوں کے ناموں میں التباس پیدا ہو گیا تھا تو مؤلف امروہوی کا فرض تھا کہ وہ اس التباس کو اپنی تحقیقات سے رفع کرتے۔ لیکن وہ ایسا کرتے تو ان کا مقصد فوت ہو جاتا۔ انہوں نے تواریخی شواہد سے منہ پھیر کر اور ان سے بالکل قطع نظر کر کے حسب معمول مسٹر ایٹکسن کی ناواقفیت سے بھی فائدہ اٹھانا اور ان کی اس مبنی بر قیاس رائے کو پیش کرنا ضروری جانا ہے۔ وہ اپنے ناظرین کو اسی دھوکے میں رکھنا چاہتے ہیں جس میں "مسٹر ایٹکسن" نے اپنے بیان سے اپنی قومی غرض کے مدنظر لوگوں کو دھوکے میں ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی ایسے بیانات سے جو غرض ہے اسے ہم دیگر یورپین لوگوں اور سر ہنری ایلیٹ کے ان مقاصد و اغراض کو جس کو پیش نظر رکھ کر انہوں نے اپنی کتابیں لکھی ہیں۔ پچھلے باب میں وضاحت سے ظاہر کر آئے ہیں۔

مسٹر ایٹکسن اور ایلیٹ وغیرہ کی تحریروں پر مولانا حسین احمد صاحب مدنی کا تبصرہ

اس موقع پر مولانا حسین احمد صاحب مدنی پرنسپل مدرسۃ العلوم دیوبند کے خطبۂ صدارت کا جو جمعیۃ العلماء لکھنؤ میں دیا گیا کہ وہ حصہ جو سر ایلیٹ اور مسٹر ایٹکسن دونوں کے متعلق ہے لکھ دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا کہ "سابق مصنفین کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جس زبان میں وہ کتاب لکھتے ہیں اس کا آغاز بھی انداز سے کرتے تھے جو اس زبان کی کتابوں کا عام طریقہ ہوتا تھا۔ مسلمان اگر ہندی میں کتاب لکھتے تھے تو اس کے مناسب الفاظ شروع میں لاتے تھے۔ ہندو مصنفین اگر فارسی زبان میں کتاب لکھتے تھے تو اس کو بسم اللہ سے شروع کرتے اور فارسی زبان کے محاورات کے مطابق تعظیمی الفاظ لاتے تھے۔ مثلاً وہ قرآن کو قرآن شریف لکھتے تھے۔ لیکن یہی سر ایلیٹ جس کی تاریخ کی پہلی جلد آج سے پورے سو سال پہلے یعنی ۱۸۴۹ء میں شائع ہوئی۔ اس پر ناراض ہیں کہ ایسا کیوں کیا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ اپنی کتاب کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "افسوس ہے ہندو مصنفین پر آتا ہے جن سے ہمیں توقع ہوتی تھی کہ اس قوم کے مخصوص تعقبات اور معتقدات ہمیں معلوم ہوں گے مگر یہ لوگ احکام اور ہدایات کے مطابق لکھتے ہیں۔ ماہ محرم کو محرم شریف اور قرآن کو کلام پاک لکھتے ہیں۔ اپنی تحریرات کو بسم اللہ سے شروع کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔ دوسری جگہ اس بات پر ناراضی کا اظہار کرتے ہیں کہ ہندو مؤرخین پہلے بادشاہوں کی تعریف اور انگریزی حکومت پر تنقید کیوں کرتے ہیں۔ آگے چل کر مولانا نے اپنے خطبۂ صدارت میں مسٹر ایٹکسن وغیرہ کے متعلق جو بیان فرمایا ہے کہ وہ یہ ہے کہ "برطانیہ کی پالیسی تقسیم..... ایک وہ طومار ہے جس کو ہندوستان کی تاریخ بیان کیا جاتا ہے اور عرصہ سے اسکولوں کے اندر ہیں داخل ہے۔ یہ تاریخ ہندوستان کی تاریخ نہیں بلکہ سر ہنری ایلیٹ یا مسٹر ایٹکسن ڈاکٹر مرشد تعلیم جیسے مخصوص برطانوی دماغوں کا اختراع ہے۔ تاریخ میں گذشتہ واقعات نقل کئے جاتے ہیں بنائے نہیں جاتے۔ لیکن اس تاریخ میں "تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو" کی پالیسی کو کامیاب کرنے کے لئے واقعات بنائے گئے ہیں نقل نہیں کئے گئے۔ اسی دور کا جس کا ذکر اوپر ہو "لارڈ میکالے" نے "انگریزی زبان میں تعلیم کی موافقت کرتے ہوئے یہ وجہ بیان کی کہ ہمیں ایسے ہندوستانی چاہئیں جو رائے اور فکر کے لحاظ سے انگریز ہوں۔" اسی لئے رائے اور فکر کو انگریزی سانچے میں ڈھالنے کے لئے پہلا کام یہ کیا گیا کہ ہندوستان کی تاریخ کو اس قدر مسخ کیا گیا جس سے نوجوانوں

میں اپنے بزرگوں کی طرف سے نفرت اور آپس میں ایک دوسرے سے عداوت پیدا ہو" بہرحال آج ہمارے مدرسوں میں ایسے مصنفین کی کتابیں یا اُن کے ترجمے پڑھائے جاتے ہیں"
(روزنامہ الجمعیتہ ۱۰ اپریل ۱۹۴۹ء صفحہ ۵ کالم ۲)

ایسے تاریخی شواہد کثرت سے موجود ہیں "جو قطعی اور یقینی طور سے "زبیری کنبوہی خاندان" اور "قوم کمبوہ" کے مختلف النسل "یعنی اوّل الذکر کے عربی النسل" اور "ثانی الذکر کو ہندوستان کی قدیم قوم ہونے کو" ظاہر کرتے ہیں" اُن میں سے کچھ تو مؤلف موصوف کے پیش کردہ بیانات کے جوابوں میں ہم اوپر پیش کر چکے ہیں "اور بہت سوں کو اُن کے مواقع پر آگے پیش کریں گے"

اِس جگہ اِس بات کا ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ "مسٹر اٹکنسن" نے جن کنبوہ حضرات کے یہ بیانات لکھے ہیں کہ:-

(۱) ہمارا خاندان "غزنی" کا ایک ممتاز خاندان تھا"

(۲) اور "لکھو" کے نام سے موسوم تھا"

(۳) سلطان محمود غزنوی" کی ہمراہی میں ہمارے بزرگوں نے راجہ مائی سے "میرٹھ" کا قلعہ فتح کیا تھا"

(۴) احمد بن حسن (میمندی) وزیر اعظم سلطان محمود غزنوی بھی ہمارے ہی خاندان کے ایک فرد تھے" اِن بیانات کے پیش کرنے والے "زبیری کنبوہی" خاندان کے اصحاب تھے" قوم کمبوہ" کے کسی فرد کا اِن بیان سے کوئی تعلق نہیں ہے"

خواجہ بزرگ احمد بن حسن" وزیر اعظم سلطان محمود غزنوی" کی ہستی کوئی معمولی ہستی نہیں ہے" اُن کے حالات تاریخوں اور تذکروں میں وضاحت سے تحریر ہیں۔ وہ سلطان محمود غزنوی کے دودھ شریک بھائی بھی تھے" اُن کے والد بزرگوار سلطان سبکتگین کے زمانے میں "بُست" کے گورنر تھے" کیونکہ احمد بن حسن" بہت بڑا اثر اور اقتدار رکھنے کے علاوہ اپنے اچھے خصائل" علم و فضل" اور نیک اوصاف کی وجہ سے بہت ہر دلعزیز تھے اسلئے کتب تواریخ میں اُنہیں "خواجہ بزرگ" کے لقب سے لکھا گیا ہے"

مؤلف امروہوی نے جب "زبیری کنبوہی" خاندان کی نئی تحقیقات پر قلم اٹھایا تو اُن کا فرض تھا کہ وہ تاریخوں کی دکھائی ہوئی روشنی میں "اِن بیانات کی جانچ پڑتال کرتے اور اُن سے جو نتیجہ برآمد ہوتا اُسے سامنے رکھتے" لیکن انہوں نے جب خواجہ بزرگ کی قومیت دکھانے کی تکلیف گوارا نہیں کی" اور محض مسٹر اٹکنسن کے قیاس پر اکتفا کر لیا ہے" تو اُن کے اِس طرز عمل اور تحقیقات تاریخی میں کوئی مناسبت کس طرح ہو سکتی ہے"

ہم سمجھتے ہیں کہ "خواجہ بزرگ" کی قومیت کو اگر وہ دکھا دیتے۔ تو یقیناً اُس عمارت کو جو انہوں نے "سر جیمز الیٹ" کے اِس بیان پر کہ "ان میں سے اکثر کو" سلطان محمود غزنوی نے دین اسلام میں داخل کیا تھا۔ کھڑی کی تھی" اور جس کو باب نہم میں ہم زمین کے برابر کر آئے ہیں۔ کسی طرح بھی قائم نہیں کر سکتے تھے"

مسٹر اٹکنسن کی مبنی بر قیاس رائے کی غلطی" اور مؤلف موصوف کی تاریخی حالات کو عرض خفا میں رکھنے کا حال دکھا چکنے کے بعد اب ہم "زبیری کنبوہی خاندان" کے لقب "لکھو" کے بارے میں بتاتے ہیں کہ تاریخوں اور تذکروں میں یہ لفظ دو طرح سے تحریر ہے یعنی

(الف) تاریخ مخزن افغانی تالیف ۱۰۲۱ ہجری مؤلفہ خواجہ نعمت اللہ ہروی میں یہ بجائے "لکھو" کے "لکھو" لکھا ہے چنانچہ اس تاریخ کے ورق ۷۳ پر تحریر ہے کہ:

گویند چوں سلطان بہلول درگذشت" و سلطان سکندر را بجہت سلطنت طلب داشتند" در ملازمت حضرت قطب الاقطاب "شیخ سماءُالدین ملکو کی المشتہر بکنبوی دہلوی" رفت و گفت "میخواہم کہ متن کتاب "میزان صرف" پیش شما بخوانم" و نسخہ را فی الحال از بغل برآوردہ" و پیش شیخ نہاد" . . . . .

"کہتے ہیں کہ جب "سلطان بہلول گذر گیا" اور سلطان سکندر کو سلطنت کے واسطے طلب کیا تو وہ قطب الاقطاب شیخ سماءُالدین ملکو کی المشتہر بکنبوہ دہلوی کی خدمت میں گیا اور عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ سے کتاب میزان صرف پڑھوں اور نسخہ کو فوراً بغل سے نکال کر حضرت شیخ کے آگے رکھا" . . . . .

زبیری خاندان پر صفاتی لقب "لکھو" کی دوسری صورت "ملکو" کی نفظ کیا گیا کہ "ملکو" مخفف یا محرف ہے" جس طرح ایک اور ترکی لفظ "کوتا ہی" ۔۔۔ مجلس

جمہوریہ کے ہیں" مخفف یا محرف ہو کر "کموتے" لکھا اور بولا جاتا ہے" (دیکھو مدینہ بجنور ۲ مارچ ۱۹۴۹ء) کیا کم یا کمکو" کے معنی "مدبر و متصرف" یا "وزیر" حاکم صوبہ کے ہیں" دیکھو کتاب "تھسلی کا میدان جنگ" مصنفہ سر اسٹیڈ بارٹلیٹ ممبر پارلیمنٹ انگلستان مترجمہ مولوی محبوب عالم صاحب مرحوم ایڈیٹر پیسہ اخبار لاہور صفحہ ۲۴۲)

مؤلف امروہوی کی بہم پہنچائی ہوئی مندرجہ ذیل مثالوں کی روشنی میں اگر دیکھا جائے تو "اس زبیری کمبوہی خاندان کا" جس میں ہر زمانے میں "سا اور تترکی سلطنت غزنویہ" نیز ترکوں کی سلطنت اسلامیہ دہلی کے قیام سے مغلیہ سلطنت کی ابتری کے وقت تک مسلسل "وزراء" امراء" سپہ سالار و گورنر" دبیر و مشرف" شیخ الاسلام" قاضی و مفتی" وغیرہ وغیرہ ہوتے رہے ہیں" کسی ترکی خانوادے کی سلطنت میں "کمکو" (یعنی خاندان وزراء) کے لقب سے ملقب ہو جانا کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے"

خاندان و اقوام" جو اپنے "صفاتی اور سکنی" یا پیشوں کے ناموں سے شہرت پذیر ہیں"

ہندوستان میں بہت سے سادات و شیوخ" مغل و ترک" اور پٹھانوں کے خاندان اپنے بزرگوں کے سکنی مقامات" شاہی خطابات" عہدوں اور پیشوں وغیرہ کے ناموں سے موسوم ہیں" مؤلف امروہوی کی "تاریخ امروہہ جلد اول کے صفحہ ۱۸۲ پر ہے کہ "صاحب آئینہ عباسی لکھتے ہیں کہ۔

(۱) ایک گروہ ملقب "بہ قاضی زادہ" ان کے بزرگ "حضرت شاہ ولایت کے ہمراہ یہاں آئے"

(۲) خاندان ملقب بہ نوگیان "حضرت شاہ نصیر الدین چشتی قدس سرہ کی نسل سے ہے جس کا سلسلۂ نسب سید عمر اشرف ابن امام زین العابدین تک منتہی ہوتا ہے" امروہہ میں ان کی تعداد بہت مختصر ہے" اور زیادہ تر "محلہ نوگیان" میں ساکن ہیں" شاہ صاحب کے عم محترم سید عزیز الدین کی نسل سے ایک بڑا خاندان "موضع نوگانوہ" میں ساکن ہے"

(۳) حضرات نخشبی کا خاندان "بھی امروہہ میں قدیم اور معزز خاندان ہے۔ نخشب کو عرب کے جغرافیہ نویس "نسف" بھی لکھتے ہیں" یہ مقام "بخارا" اور "سمرقند" کے درمیان واقع ہے" موجودہ زمانہ میں اسی مقام پر "شہر قرشی" بسا ہوا ہے" اور صفحہ ۱۸۳ و ۱۸۴ پر ہے کہ"

(۴) خاندان دانشمندان" اس خاندان کے جد القبیلہ" مولانا سید اشرف صاحب دانشمند" عہد جہانگیری میں "امروہہ آئے" ابتدائے عہد مغلیہ میں نیز اس سے پیشتر سے ان علماء و فضلاء کو جنہیں کوئی تبحر علمی حاصل ہو" دانشمند" سے ملقب کرتے تھے" اسے زمانۂ حال کے "ایم۔اے" کی ڈگری کے مساوی سمجھئے۔ مولانائے موصوف کی اولاد اسی لقب کی بناء پر "خاندان دانشمندان" سے مشہور ہوئی" اور ان کا اقامت گاہ بھی اسی نام سے موسوم ہوا"

(۵) سادات بارہہ ملقب بہ جڑودیہ" ان کے مورث مقام جڑودہ (ضلع مظفر) سے آئے اس لئے "جڑودیہ" مشہور ہوئے" اور صفحہ ۱۸۵ پر ہے کہ

(۶) خاندان حضرات دستار کلاں (بڑی پگ) اپنا سلسلہ حضرت سید جلال اعظم گل سرخ بخاری تک پہنچاتے ہیں" اور صفحہ ۱۸۶ و ۱۸۷ پر ہے کہ۔

(۷) ایک گروہ ملقب بہ سنگرہ" علوی حنفی ہے" صاحب آئینۂ عباسی نے لکھا ہے کہ عرف عام میں "سنگرے" مشہور ہے" صاحب تاریخ اصغری" سنگرے کی وجہ تسمیہ کے متعلق لکھتے ہیں "مورث اعلیٰ ان کے "شاہ خداوند غازی" مقام سنگرہ" علاقہ پنجاب سے آکر یہاں سکونت پذیر ہوئے" لہٰذا سنگرے کہلائے" اور صفحہ ۱۸۸ پر ہے کہ۔

(۸) خاندان چودہری صاحبان "آخر عہد اکبری میں" قصبہ سکیٹ سے آکر "امروہہ میں آباد ہوئے" اس لئے سکیٹی مشہور ہیں" مگر جعفری ہیں"

(۹) صفحہ ۱۹۱ پر ہے کہ "ایک گروہ ملقب چڑیا" عباسی کہتے ہیں" (بعض حضرات چڑیا کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ ان کے مورث چڑیا کوٹ ضلع اعظم گڈھ سے جہاں عباسیوں کا ایک مشہور خاندان آباد ہے" امروہہ آئے" اس لئے "چڑیا کوٹی عباسی کہلائے" کثرت استعمال سے "چڑیا کوٹی کا" صرف چڑیا رہ گیا" واللہ اعلم" لیکن چڑیا کوٹ کے خاندان عباسیہ کے شجرہ میں اس شاخ کا کوئی ذکر نہیں ہے"

(۱۰) صفحہ ۱۹۳ پر ہے کہ "کچھ شیوخ محلہ ملانہ میں" ملقب بہ ڈیکوری" شیخ صدیقی ہیں"

(نوٹ ۱) مؤلف امروہوی نے "چڑیا کوٹ" کو "دوٹہ" لکھا ہے" جو غلط ہے" (ح الف)

خویش گردانند، بیشک نیک نامی دینا و نجات عقبیٰ یابند؛ امّا این خلعت دینداری و جامہ جوانمردی بر قد شہباز خان دوختہ اند و بر قامت دیگر دولتمندان راست نیاید۔

زیراکہ از شہباز خان دیگرے را قدرت و یارائے این معنی نیست کہ بحضور پادشاہ با جاہ و جلال کلمات دین با کمال نصائح بر زبان حال نتواند گفت۔ مگر آنکہ ترس جان و تلف خانمان بخاطر نداشتہ باشد؛ و خان مذکور در جان باختن و دولت انداختن ہیچ ملاحظہ در دل ندارد؛ و دینداری برین مرد بزرگ مسلّم؛ و مورخان را وجہ تسمیہ قوم او تحقیق نمودن و ثبوت رسانیدن لازم است زیرا کہ بعد قرنہا ایں چنیں سعادتمند و دولتمند دیندار بہم میرسد؛ و جلوہ گر مے آید؛ کہ حکم پادشاہ جہاں پناہ دریں مذکور جاہلان و دنبال صفت و فاسقان صلاح صورت دریں محل حاضر نیایند؛ زیرا کہ بسیار فضلاء دنیا پرست و دولتمندان ہوا پرست را از راہ برند؛ و بکلمات غرض آمیز و سخنان ہنر انگیز فریفتہ از مطلب اصلی میدارند؛ کہ ظاہرے مثل اولیائے ماند و در باطن شان بوئے مسلمانی نیست؛ بنابران دولتمندان خداترس و دینداران حق پرست با عارفان و مستحقان مطلق اختلاط دارند؛ و مجالست با فقرائے عالی نام و زاہدان نیکو سرانجام و عابدان و صفہائے صافی میکشند؛ و صحبت ایشان غنیمت میدارند؛ چراکہ برائے حق رفتہ و از خمخانہ وحدت بادۂ قبولیت نوشیدہ و بندگان حق را نصائح ہوش افزائے فرمودہ و مسائل مشکل کشائے تلقین نمودہ و بہ شاہراہ طریقت کہ متابعت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم است رہنمون میگشتند؛ امالی ناسعادتمندان کوتہ اندیشی و گمراہان بدکیش از بخت واژون و از طالع زبون گوش نصیحت ناصحان حاجت دین ندارند؛ بل مسایل دینی و سخنان یقینی را افسانہ مے انگارند؛ و عمر را مطالب و ضلالت شہرت بیفزایند، در دولت فانی محظوظ و مسرور ماندند؛

و بعض مقربان درگاہ کہ دریں مذاکرہ حاضر بودند بسمع عالی رسانیدہ اند؛ پادشاہ با انصاف داد با آواز بلند ایں ندا در داد کہ شہباز خان شیر بیشۂ حقیقت است کہ قدم ہمت بر بساط شریعت استوار نہادہ بدیں داری و دنیاداری رفتہ، از اں بر کاملان خرد پیشہ و عاقلان ثواب اندیشی ترجیح دارد؛ آوازہ اطاعت و غلغلہ عبادت؛ شہباز خان بسامع جامہ ملکوت والا قدر آشنا عالم بالا رسید عجب آمیز در بیشی آو بدرگاہ داہب العطایا و ذکر اخلاق او بر زبان اہل زمان بیشتر جاری گشتہ؛ طنطنۂ جود و کرم او اطراف و جوانب

ظاہری و باطنی کو اپنا دستور العمل بنا کر؛ بیشک دینا و عقبیٰ کی نیک نامی حاصل کریں؛ لیکن یہ دینداری کا خلعت؛ اور جوانمردی کا جامہ تو؛ شہباز خاں ہی کے قد کے واسطے تیار ہوا ہے؛ اور دوسرے دولتمندوں کے قد پر ٹھیک نہیں آتا؛

کیونکہ سوائے شہباز خاں؛ کے کسی کو اتنی قدرت اور جرات نہیں ہے کہ بادشاہ جلیل القدر کے سامنے؛ دین کی باتیں نصیحت آمیز الفاظ میں بیان کرتے یہ تو وہی شخص کر سکتا ہے؛ کہ جس کو نہ تو جان کا خوف ہو؛ اور نہ گھر بار کے برباد ہونے کی پرواہ ہو؛ اور خان موصوف جان پر کھیلنے؛ اور دولت چھوڑ دینے کی بھی پرواہ نہیں کرتا؛ اور دینداری اس بزرگ شخص کی مسلّمہ ہے؛ مؤرخوں کو اس کی قوم کی وجہ تسمیہ تحقیق کرنی اور ثبوت کو پہنچانا لازم ہے؛ کیونکہ قرنوں کے بعد ایسا سعادتمند؛ اور دولتمند دیندار بہم پہنچا اور جلوہ دکھاتا ہے بادشاہ جہاں پناہ کے حکم سے اِس تحقیقات میں اِس موقع پر جاہل حیوان خصلت اور فاسقوں؛ متبرک صورت؛ کا گذر نہ ہو؛ کیونکہ وہ بہت سے دینا پرست؛ فضلا کو؛ اور ہوا پرست؛ دولتمندوں کو ورغلا دیتے ہیں اور غرض آمیز خوشامد باتوں پر فریفتہ کر کے؛ اصلی راہ سے بھٹکا دیتے ہیں؛ کہ اُن کی ظاہری حالت؛ مثل اولیاء کے ہے؛ لیکن اُن کے باطن میں بوئے مسلمانی نہیں ہے؛ اِس وجہ سے خداترس دولتمند؛ اور حق پرست دیندار عارفوں سے ملتے ہیں؛ اور فقرا عالی مقام اور زاہدان نیک سرانجام اور عابدوں دینک اوصاف سے دوستی رکھتے ہیں؛ اور اُن کی صحبت کو غنیمت شمار کرتے ہیں؛ کیونکہ حق کے راستہ پر چلکر اور خمخانہ وحدت و قبولیت کا جام پی کر؛ خدا کے سچے بندوں کو نصیحتیں ہوش افزا کر کے اور مسائل مشکل کشا تلقین کر کے شریعت کے راستہ پر جو متابعت رسول اللہ صلعم ہے رہنما بنتے ہیں؛ لیکن بدبخت کوتہ اندیش؛ اور گمراہان بدکیش اپنی بدبختی کی وجہ سے؛ دینی ناصحوں کی نصیحتوں کی دین کے متعلق ضرورت نہیں سمجھتے؛ بلکہ مسائل دینی اور یقینی باتوں کو افسانہ تصور کرتے ہیں؛ اور اپنی عمر کو مطالب و ضلالت سے شہرت دیکر دولت فانی سے محظوظ و خوش رہتے

بعضے مقربانِ درگاہ نے جو اس موقع پر حاضر تھے یہ باتیں بادشاہ کے گوش گذار کیں تو بادشاہ نے داد انصاف دیکر ندا کی کہ شہباز خاں حقیقت کے جنگل کا شیر ہے کہ جس نے شریعت کے فرش پر ہمت کا قدم مضبوط جما رکھا ہے؛ دینداروں میں دینداری کو پا لیا ہے؛ کاملوں اور عاقلوں پر ترجیح رکھتا ہے؛ اُس کی اطاعت و عبادت کی شہرت عالم ملکوت تک پہنچ گئی ہے یہ عجب آمیز باتیں شہباز خاں کی خدا کی عطا کردہ ہیں۔ اور اُس کے اخلاق کا ذکر لوگوں کی زبانوں پر جاری ہے۔ اور اُس کی سخاوت و بخشش ہندوستان؛ اور تمام اطراف میں مشہور ہے؛ اور اُس کا دعویٰ دینداری مسلّمہ ہے؛

ہندوستان اشتہار یافتہ و دعوئی دینداری بر و مسلم است

اما اکثر دولتمندان دارالملک ہند بعداوت شہباز خاں کمر کین بستہ در امتحان سخاوت و آزمائش دینداری او ہستند ہر چند سخاوت و شجاعت او را بمحک اعتبار آزمودہ اند بصورت دعوائے دینداری او بمکیال امتحان نمودہ اند اما بعیان مفصل نیستند

دریں میان شیخ ابوالفضل علامی بحضور بادشاہ جہاں التماس نمودہ کہ ہمہ سادات و شیخ و مغل و افغان و سائر قوم ہندوسند و عراق و عجم بدین بادشاہ آخر کردہ اند کہ الناس علی دین ملوکہم اما ایں گروہ کہ نصف قوم او اہل ہنود قلم زن و عیال او مسلم اند در امر بادشاہ مخالفت دارد و بحث جاہل درمیان آرد و بر جادہ شرع محمد عربی مستقل است اگر حکم عالی بدیں معنی صادر شود با تفاق جمیع امرایان اشتہار دہم و جمیع سادات عظام و مورخان عالی نام و افغان نیکو سیر و مغلان ذوی الاحترام بل سائر قوم بنی آدم علیہ السلام حاضر آوردہ بودند وجہ تسمیہ قوم شہباز خاں تحقیق نمایم

بادشاہ با عدل و داد بنا ایں معنی دردادکہ فردا روز پنجشنبہ بتاریخ یازدہم ماہ شعبان المعظم ۹۸۱ ہجری نہصد و ہشتاد و یک ہمہ دولتمندان اہل فضل حاضر آیند و مباحثہ وجہ تسمیہ قوم شہباز خاں درمیان آرند

القصہ شیخ ابوالفضل و شیخ فیضی ممد ایں معنی شدند و ہمہ امرایان عالی شان را حکم عام کردند

شہباز خاں گفت کہ حضرت عبداللہ را پنج فرزند بودند پسر کلاں را با سوار و پیادہ بسیار بجانب ولایت تعین فرمودند و ہاں سرزمین دریائے عظیم حائل بود بر لب دریا سکونت گرفتہ ساکنان آں سرزمین را بشرف اسلام مشرف گردانیدند اما مردمان آں ولایت زبان اہل عرب نفہمیدند محتاج ترجمان بودند در یافت کلام ہدایت انجام او شان عاجز بودند بنا بران بندگان اہل عرب با مردمان اہل عجم تکلم نمی کردند چوں از اں مجلس عالی برخاستند با خود افسوس کنان می گفتند کہ ما از نسبت و الفت ایں نا گویان بہرہ نداریم اگر ترجمانے ہم رسد فائدہ برداریم کسے از میان آں دریا ... دریافتند کہ ترجمانے خود را سمت روم فرستادہ خود

لیکن ہندوستان کے اکثر دولتمندوں نے شہباز خاں کی عداوت پر کمر باندھی ہے اور اس کی سخاوت و دینداری کا امتحان لینا چاہتے ہیں ہر چند کہ اسکی سخاوت دینداری کو آزما چکے ہیں اور اس کی دینداری کا امتحان لے چکے ہیں لیکن مدعی شرمندہ نہیں ہیں

اسی اثنا میں شیخ ابوالفضل نے حضور میں التماس کیا کہ تمام سادات و شیوخ و مغل و افغان اور ہر قوم ہندوسندھ و عراق و عجم بادشاہ کے دین کی پیروی کرتے جاتے ہیں کہ الناس علی دین ملوکہم لیکن یہ گروہ کہ نصف قوم اس کی اہل ہنود ہیں اور بیوی بچے اُن کے تو مسلم ہیں بادشاہ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں اور جاہلانہ بحث کرتا ہے اور شرع محمدی صلعم پر قائم ہے اگر حکم عالی صادر ہو تو تمام امراء اور سادات عظام و مورخان عالی نام و افغان نیکو سیرت و مغلان ذوی الاحترام بلکہ تمام اقوام بنی آدم حاضر کر کے وجہ تسمیہ قوم شہباز خاں کی تحقیق کروں

بادشاہ نے انصاف کو کام میں لا کر اجازت دی کہ کل بروز جمعرات تاریخ گیارہ شعبان المعظم ۹۸۱ ہجری[1] صحیح ۹۹۱ ہجری، تمام دولتمند اہل فضل حاضر ہوں اور شہباز خاں کی قوم کی وجہ تسمیہ پر مباحثہ کریں

القصہ شیخ ابوالفضل (ولادت ۹۵۸ ہجری) اور فیضی (ولادت ۹۵۴ ہجری) اس بات کے باعث ہوئے۔ اور تمام امراء کو حکم عام دیا گیا

شہباز خاں نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ کے پانچ بیٹے تھے انہوں نے اپنے بڑے صاحبزادے کو مع سوار و پیادوں کے ولایت کی جانب مقرر فرمایا اُس دریا کے کنارے انہوں نے مع فوج کے قیام کیا۔ اور اس سرزمین کے باشندوں کو مشرف بہ اسلام کیا لیکن وہاں کے لوگ عربی زبان نہ جاننے کی وجہ سے ترجمان کے محتاج تھے اس لئے اُن کے کلام ہدایت کے سمجھنے سے عاجز تھے اور اہل عجم اہل عرب کے ساتھ بات نہ کر سکنے کی وجہ سے جب اس مجلس عالی سے اٹھتے تھے تو افسوس کر کے کہتے تھے کہ ہم ان گفتگو یا اُن سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے اگر کوئی ترجمان ملے تو فائدہ اٹھائیں آخر انہوں نے ایک شخص ترجمان کے تلاش کرنے کو روم کی طرف بھیجا اور ہم پہنچایا جو روم ہی تھا اور خود بہ نفس خدمت

(نوٹ ۱) فیضی ۹۵۴ ہجری میں اکبر کے دربار میں پہلی دفعہ حاضر ہوئے اور ابوالفضل ۹۸۱ ہجری میں فیضی کے توسط سے حاضر ہو کر ملازمت شاہی میں آیا۔ رسالہ شہباز خاں میں کاتب کی غلطی سے ۹۸۱ ہجری لکھا ہے صحیح ۹۹۱ ہجری ہے کیونکہ شہنشاہ سے دین الٰہی کی تلقین پر شہباز خاں نے ۹۸۶ ہجری میں تیز و تند کلام کئے تھے جس کا بدلہ لینے کے لئے ۹۹۱ ہجری میں جب شہباز خاں افسر گورنری بنگال پر کیا جا رہا تھا اس کی ترقی کو روکنے کے لئے یہ شاخسانہ کھڑا کیا گیا

(۱۱) اور بعض ملقب بہ "داڑھی رنگے" یہ بھی صدیقی کہتے ہیں ۔"

(۱۲) اور صفحہ ۱۹۲ پر ہے کہ "ان قدیم خاندانوں کے علاوہ "صدیقیوں کا ایک خاندان "مناف پوتوں کا ہے ۔"

(۱۳) دوسرا خاندان اولاد شیخ برہان الدین شہید ساکن محلہ صدو کا ہے "جو مرزا کے لقب سے مشہور ہیں" اور صفحہ ۱۹۶ تا ۱۹۷ پر ہے کہ۔

(۱۴) قزلباش "نسباً ترک ہیں "شاہ اسمٰعیل صفوی نے ان کی مدد سے سلطنت حاصل کر کے انہیں سرخ ٹوپی پہنا کر قزلباش کے نام سے ملقب کیا ہے "قزل ترکی میں سرخ کو اور باش سر کو کہتے ہیں "یعنی سرخ سر والی قوم") تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے صفحہ ۲۰ پر ہے کہ

(۱۵) خاندان حفاظ "مورث اس خاندان کے "شیخ احمد بن شاہ محمد تھے" اور صفحہ ۲۰ پر ہے کہ۔

(۱۶) خاندان بزہ "خاندان شیخ محمد شاکر "اس خاندان کے مورث "افغان پور سے امروہہ آئے "یہ لوگ شریف النسب ہیں "عرف عام میں "بزے" مشہور ہیں "بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے بزرگوں میں سے کسی کا لقب "بزہ" پڑ گیا تھا" جس کی بنا پر "خاندان والے "بزے" مشہور ہو گئے "ان کی قرابتیں صحیح النسب شرفا اور سادات "بالخصوص "خاندان متولیان "اولاد حضرت شاہ ولایت" سے ہوتی ہیں"

(۱۷) صفحہ ۲۹ پر ہے کہ "خاندان شیوخ ملقب بہ وکیلان "(فاروقی ہیں "شیخ کرم اللہ بن شیخ فتح اللہ محمد مذکور" جاگیرداران امروہہ کی وکالت کی خدمت انجام دیتے تھے "اس لئے یہ خاندان وکیلوں کا خاندان "مشہور ہوا")

(۱۸) صفحہ ۳۰۹ پر ہے کہ "امروہہ میں "ترکمانوں کا ایک قدیم خاندان ہے "جو عرف عام میں "بڑ پگہ" مشہور ہے" (بڑی بڑی پگڑیوں کا استعمال، دستار کلاں کا) قوم ترکمان کی خصوصیت لباس میں رہا ہے "اسی خصوصیت کی بنا پر ان کی اقامت گاہ "یعنی محلہ" دستار کلاں" بہ شہرہ روسہ وقت تھا" دستار کلاں کا ہندی ترجمہ "بڑ پگہ" ہوا ہندی میں دستار خورد کو "پگیا" کہتے ہیں "دستار کلاں استعمال کرنے والوں کو "بڑ پگہ" کہنے لگے "یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم لوگ محلہ دستار کلانی واقع بخارا سے آئے ہیں۔ لہٰذا "بڑ پگے" کہلاتے ہیں "لیکن یہ توجیح قابل قیاس نہیں "بخارا سے آئے تھے تو "بخاری" کہلاتے "نہ کہ اس کے کسی محلہ سے منسوب ہو کر "دستار کلاں" جو لوگ دلی سے کسی دوسری جگہ جا کر بسے وہ "دلی والے کہلائے" نہ اس کے محلہ "پھاٹک حبش خاں" سے منسوب ہو کر "حبش خانی") غرضکہ ایسی اور بہت سی مثالیں ہیں جنہیں ہم طوالت کے خیال سے چھوڑے دیتے ہیں "

زبیری کنبوی خاندان کے صفاتی لقب "گنگوہ" کی وجہ تسمیہ" اور ابوالفضل و فیضی کی سازش گرنا گوں

"رسالہ نواب شہباز خاں" جو فارسی زبان میں لکھا ہوا ہمارے کتب خانہ میں موجود ہے اور قریباً چار سو برس کی تصنیف ہے "اس میں تحریر ہے کہ

صفہ ... کبار از این ذرہ خاکسار وجہ تسمیہ فرقہ کنگویان کامکار بہ سبیل استفسار پرسید کہ دینداری شہباز خان بیک سرانجام اور خان عالی نام درمیان خواص و عام اشتہار داشت او نیز با خان علیہ الرحمۃ قرابت قریب داری "اچہ از بزرگان خود استماع نمودہ" از مورخان شنیدہ معلوم گردانیدہ باشی "باید کہ بہ تفصیلی اظہار این معنی سازی" کہ ایں قوم را چہ وجہ بایں خطاب مستطاب ممتاز گردانیدہ "و اصل ایشان از کجا است" اگرچہ مردم اہل دانش و بینش بداشتند کہ

خورد و کلاں نے اس مجہ ذرہ خاکسار سے مختصر طور پر "فرقہ کنگویان" کی وجہ تسمیہ مختصراً دریافت کی کہ "شہباز خاں نیک سرانجام اور خان عالی نام کی دینداری "خاص و عام میں مشہور ہے" اور تو بھی "خان علیہ الرحمۃ سے رشتہ داری قریب کی رکھتا ہے" لہٰذا جو کچھ تو نے اس بارے میں اپنے بزرگوں سے سنا ہو" یا مورخوں سے معلوم کیا ہو "چاہئے کہ تمام و کمال بیان کرے "کہ اس قوم کو کس وجہ سے اس خطاب سے ممتاز کیا گیا" اور اس کی اصلیت کہاں سے ہے" اگرچہ دانشمندوں

نوٹ ۱ ؎ مؤلف امروہوی کا یہ اعتراض غلط ہے "کیونکہ داتا گنج بخش حضرت علی ہجویری لاہوری" کبھی غزنوی نہیں کہلاتے اور غزنی کے ... ہجویر ... باشندہ ... کی نسبت سے "ہجویری" کہے جاتے ہیں" اور شہر بغداد کے محلہ کرخ کے رہنے والے بغدادی نہیں بلکہ ہمیشہ "کرخی" کہے اور لکھے گئے ہیں"

اصل ایں قوم از ہند نیست زیرا کہ الفاظ فارسی بزبان مردم ہند مناسبتے ندارد ... واز اصل و فراع ہر قوم روشنی پذیر ر ر دانشمندان را قریشہ مزید آگاہی حاصل آید۔

اگرچہ بر مرات بظاہر دیدہ در آں دوربین درا ز درآں برآمد یقین مخفی و سیمے نیست کہ ہر کیفیت نسبت ہر فردے از افراد ایشاں سوائے علام الغیوب و سایر الغیوب دیگرے اطلاع ندارد۔ مگر از نسبت آں مردم آگاہی داشتہ باشد کہ از خاندان علیہ مشہور و معروف شدہ باشد۔ و از علو ہمت و نہایت مرتبت اشتہار یافتہ۔ مگر حاسدان بدطینت کہ از تعصب و خباثت سخنان ناشایستہ در ہر قومے میگویند۔ و از روئے بغض و بغاوت و خاصمت بر یکے میگرداشتند۔

چنانچہ لقب کملگویان را کمبویان منسوب گردانیدہ اند۔ و بعضے دانایان روزگار و پیران کار لقب کمبو اشتہار دادہ۔

چنانچہ در عصر اکبر بادشاہ عظیم القدر از روئے عصبیت و دیندار ی شہباز خاں شیخ علامی و فہامی ابوالفضل برآشفت۔ و در نسبت خان مذکور پیچیدہ بادشاہ عصر را بر ایں معنی مقید گردانید کہ جمیع مؤرخان ہندوستان و عرب و عجم را بحضور طلبیدہ۔ وجہ تسمیہ کمبو را تحقیق نمایند تا کہ شہباز خاں مستقل نباشد۔ زیرا کہ فرزندان محمد عربی صلعم سر اطاعت برایں درگاہ عالی نہادہ فرمانبردار اند۔ و تا اینکہ اوست واصل در ہند و سند و عراق و عرب اشتہار تمام دارند کہ حلقہ بگوش امیر و بادشاہ اند۔ مگر شہباز خاں کمبو کہ بتقویت و پندار تعلیمندی حکم اولوالامر بجان قبول ندارد۔

ایں کمبو را درمیان خواص و عوام منفعل باید گردانید۔ تا ہیچ احدے بحضور بادشاہ بر اصالت و نجابت و دینداری خود مغرور نباشد و تفاخر نکند۔ و سعادت دارین در اطاعت بادشاہ داند و سرکشی نکند۔ کہ دولت دریں سرا و کشایش بریں در است۔

بگفتہ شیخ ابوالفضل علامی۔ بادشاہ جہاں پناہ امر فرمود کہ مؤرخان و تذکرہ نویسان را در حضور حاضر سازند۔ کہ وجہ تسمیہ قوم شہباز خاں را تحقیق نمایند کہ اصل و فراع ایں قوم از کجاست۔

مؤرخان با تواریخ حاضر آمدند و با خود تحقیقات وجہ تسمیہ ایں قوم کردند۔ و مکارم اخلاق و محاسن صفات شہباز خاں شناختند و با خود گفتند۔ اکثر دولتمندان حال و استقبال عمل ظاہری و باطنی شہباز خاں را دستور العمل

ہیں اس قوم کی اصلیت ہندوستان سے نہیں ہے۔ کیونکہ فارسی زبان کے الفاظ کو ہندوستان کے باشندوں کی زبان سے کچھ مناسبت نہیں ہے۔ اور ہر قوم کے اصل و فرع سے ایک روشنی ظاہر ہوتی ہے اور دانشمند حضرات کو مزید معلومات بہم پہنچاتی ہیں۔

اگرچہ دوربین حضرات کی آنکھوں کی نظروں اور دلوں کے آئینوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ ہر شخص کی حالت ان افراد میں سے سوائے عالم الغیب کے کوئی شخص نہیں جانتا۔ لیکن ایسے شخص کی نسبت لوگوں کو آگاہی ضرور ہوگی۔ جو اس خاندان عالیہ میں مشہور و معروف ہوا ہو۔ اور دنیا میں اپنی بلند ہمتی اور عالی مرتبہ کی وجہ سے مشہور ہو گیا ہو۔ لیکن حاسدان بدطینت بغض کی وجہ سے ہر قوم کی نسبت ناشایستہ الفاظ استعمال کیا کرتے ہیں۔ اور بغض و دشمنی کی وجہ سے ہر قوم کا لقب پلٹ دیا کرتے ہیں۔

چنانچہ لقب کملگویان کو منسوب بہ کمبویان کر دیا ہے۔ اور بعض چالاک حضرات نے لقب کمبو مشہور کر دیا۔

چنانچہ شاہنشاہ اکبر کے زمانے میں شہباز خاں کی دینداری کی وجہ سے شیخ ابوالفضل بہت پریشان ہوئے۔ اور خان مذکور کی نسبت بادشاہ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ تمام مورخ ہندوستان و عرب و عجم کو طلب کر کے کمبو کی وجہ تسمیہ کی تحقیق کی جائے تاکہ شہباز خاں مستقل نہ ہو سکے۔

کیونکہ اولاد رسول اللہ صلعم نے سر اطاعت اس درگاہ عالی پہ رکھ کر فرمانبردار ہیں۔ یہاں تک کہ تمام ہند و سند و عراق و عرب میں مشہور ہے کہ بادشاہ کے حلقہ بگوش ہیں۔ لیکن شہباز خاں طاقت اور غرور کی وجہ سے حکم اولوالامر کی پیروی نہیں کرتا۔

لہذا اس کمبو کو خواص و عوام میں شرمندہ کرنا چاہئے۔ تاکہ بادشاہ کے حضور میں اپنی نجابت اور دینداری پہ مغرور نہ ہو۔ اور فخر نہ کرے۔ اور سعادت دارین بادشاہ کی اطاعت میں جانے۔ اور سرکشی نہ کرے۔ کہ دولت اس سر میں ہے اور روزی اسی در پہ ہے۔

شیخ ابوالفضل کے کہنے پر بادشاہ نے حکم دیا۔ کہ مورخوں اور واقفوں کو حضور میں حاضر کیا جائے۔ تاکہ شہباز خاں کی قوم کی وجہ تسمیہ تحقیق کریں۔ کہ اصلیت اس قوم کی کہاں سے ہے۔

مورخ مع تواریخ حاضر ہوئے۔ اور اس قوم کی وجہ تسمیہ کی تحقیقات کی۔ انہوں نے شہباز خاں کے اخلاق عالیہ اور صفات پسندیدہ کو دیکھا۔ اور آپس میں چرچا کیا۔ کہ اکثر دولتمند حال و استقبال کے شہباز خاں کے عمل

بر ایں نمود ثبوت رسیده تحریر نماید که بر صفحهٔ لیل و نهار یادگار بماند" و در میان خاص و عام اختلاف نماند" بحکم قضا جریان "نقیب خاں" با مؤرخانِ دیگر" بنوشتن ایں ماجرا مقید گردانید" از صد یکے" و از ہزار اندکے" تحریر نموده بنظر بادشاه جہاں پناه" در آوردند" و بسمع عالی رسانیدند" که نسب نامهٔ شہباز خاں دیندار بدیں تفصیل تحریر نموده باشد که۔

شہباز خاں بن شیخ صدر الدین بن بہاؤ الدین بن ریاح بن فوطہ بن حضرت عبد اللہ بن حضرت زبیرؓ

سے کہ اس کا ثبوت بہم پہنچا ہے" اسی طرح اکبر نامہ میں تحریر ہو" تاکہ بر صفحۂ لیل و نہار یادگار رہے" اور خاص و عوام کے درمیان اختلاف نہ رہے" بادشاہ کے حکم سے "نقیب خاں دوسرے مؤرخوں کے ساتھ اس کام پر مقرر ہوئے" وہ سو میں سے ایک اور ہزار میں سے تھوڑے تحریر کر کے بادشاہ کی خدمت میں لائے۔ اور پڑھ کر سنایا کہ "نسب نامہ شہباز خاں دیندار کا اس طرح پر لکھا گیا ہے کہ۔

شہباز خاں بن شیخ صدر الدین بن بہاؤ الدین بن ریاح بن فوطہ بن حضرت عبد اللہ بن حضرت زبیرؓ

اکبر نامے میں شہباز خاں کے متعلق شاخسانے کا پورا حال نہ لکھ سکنے کی وجہ اور صرف اشارہ کر دینے پر اکتفا

اس بیان سے "کمگو" کی وجہ تسمیہ معلوم ہونے کے علاوہ" اس بات پر بھی بخوبی روشنی پڑ گئی ہے کہ" نواب شہباز خاں" کے خلاف یہ شاخسانہ کھڑا کرنے والے" دو بھائی ابو الفضل و فیضی تھے" جنہوں نے اکبر کی جہالت سے فائدہ اٹھا کر اور اسے سبز باغ دکھلا کر" اس سے "دین الٰہی اکبر شاہی" یعنی دہریت کو جاری کرایا تھا" بقول مؤرخین یہی وہ دو فرشتے تھے جو" اکبر کو "وحی" پہنچایا کرتے تھے" لالچ یا خوف سے" یا انکار کی ہمت نہ ہونے سے "امراء" سادات" مشائخ" اور علماء نے" دین الٰہی کے آگے سر تسلیم خم کر دیا تھا" اور ان میں سے کسی کو مجال دم زدن نہ تھی"

صرف ایک ذات "**نواب شہباز خاں زبیری**" کی ایسی تھی" جنہوں نے کوئی دباؤ نہ مانا" اور اپنی جان" مال" عزت و آبرو کے چلے جانے کی پروانہ کر کے" دین الٰہی کی تلقین کرنے پر "شاہنشاہ اکبر سے" تیز و تند کلام کئے" اور راجہ بیربر کو اکبر کے بھرے دربار میں بیچ میں بول اٹھنے پر سختی سے ڈانٹا تھا" شعبان ۹۸۶ھ ہجری میں اس دین کا کلمہ لا الہ الا اللہ" اکبر خلیفۃ اللہ" جاری کیا گیا تھا" یہ واقعہ اس کے بعد ہوا"

"منتخب التواریخ جلد دوم کے صفحہ ۲۷۳ و ۲۷۴ پر تحریر ہے کہ "شہباز خاں" تیز و تند دریں وادی در آمده" بیربر سگ جہنمی که طعن صریح در دین میکرد" دشنام صریح داده گفت" که اے کافر ملعون" حالا تو ہم ایں چنیں سخنان میگوئی" ما از عہدهٔ تو میتوانیم برآمد" و کار بے مزگی شد"

دین الٰہی کی تلقین پر "نواب شہباز خاں کے شاہنشاہ سے سخت کلامی کرنے سے جو دھچکا اس دین کو پہنچا اور اس کی جیسی تذلیل ہوئی۔ اسے "ابو الفضل و فیضی" جو اس دین کے بانی تھے" کسی طرح بھی اپنے دلوں سے بھلا نہیں سکتے تھے" شاہنشاہ اکبر بھی پیچ و تاب میں تھا۔ اسی لئے شہباز خاں سے ان کی جسارت کا بدلہ لینے کے لئے" اس شاخسانے کے کھڑا کرنے کی تجویز جب ان فرشتوں نے "بادشاہ کے سامنے پیش کی" تو اس نے بلا کسی پس و پیش کے اسے مان لیا" مگر کیونکہ یہ پارٹی اپنے حملہ میں بری طرح ناکامیاب ہو گئی اور اسے شکست کا منہ دیکھنا پڑا" تو شاہنشاہ نے اپنا وقار قائم رکھنے کے لئے" اپنی خفت پر اس طرح پردہ ڈالا کہ فرمایا" یہ تمام واقعہ "معہ کمگو" کی وجہ تسمیہ اور شہباز خاں کے نسب نامے کے" اکبر نامہ میں تحریر ہو" اس وقت یہ بات کیونکہ دفع الوقتی کے خیال سے کہی گئی تھی" اس لئے جب "نقیب خاں نے یہ تحریر شاہنشاہ کے ملاحظہ میں پیش کی تو اس نے صرف اس کے سن لینے پر اکتفا کر لیا" اور پھر کوئی حکم نہ دیکر بات آئی گئی کر دی" کیونکہ اس واقعہ میں "شاہنشاہ" اور اس کے جاری کردہ دین کی سبکی اور توہین موجود ہے" نہ ابو الفضل ہی اسے لکھ سکتا تھا" جن حضرات نے "اکبر نامہ کو پڑھا ہے" انہوں نے دیکھا ہے کہ "اکبر نامہ" میں "بیرام خاں ہی پر کیسے کیسے الزام لگا کر اس کی خدمتوں کو چھپایا گیا اور کس کس طرح سے بادشاہ کی ناانصافی پر پردہ ڈالا گیا ہے"

ان شواہد کی موجودگی میں جو نافہم حضرات "اکبر نامہ" میں "متذکرہ بالا واقعہ اور اس کے نتیجہ کی تلاش کرتے ہیں" ہمیں ان کے ساتھ ہمدردی ہے" اگر وہ نظر تعمق سے "اکبر نامہ" جلد سوم کے صفحہ ۲۸۵ پر نظر ڈال لیتے تو "نواب شہباز خاں" کے متعلق "ابو الفضل" کی تحریر میں اس واقعہ کی جھلک کو ضرور دیکھ لیتے کہ"

عبدالرحیم خاں بحضور بادشاہ عالی جاہ التماس نمودن کہ اے شہباز خاں عسکر این خطبہ بجا آرند۔ کہ وجہ تسمیہ قوم من بحضور بادشاہ سلیمان جاہ بہ ثبوت رسیدہ بر صفحۂ روزگار یادگار خواہد ماند۔ کہ حقیقت آباؤ اجداد خود اکنوں بعرض عالی رسانی۔ کہ بچہ طریق در ہندوستان آمدہ شوونما یافتند۔ و کدام سرزمین وطن داشتند و بچہ حرفت مشغول بودند

شہباز خاں دیندار بہ آں امرایان نامدار گفت۔ کہ حقیقت آباؤ اجداد بندہ در ہندوستان نیست کہ جدّ من (جدّ ششم دیکھو مآثرالامرا)

حاجی جمال الدین بن کمال الدین نام بشرف حج مشرف شدہ و بہ سند احادیث از میر حسین محدث حاصل کردند و مشعر میر علی ہجری سیر ایران و توران کردہ چوں بقعبۂ جال کہ در سمت کوہ جودی واقع است آنجا رسیدہ مشتاق ماندہ کہ ناگہاں بہ ہندوستان رسیدن

چوں بدارالسرور ملتان رسیدن بہ شرف ملازمت حضرت مخدوم بہاؤالدین ذکریا رح مشرف شدند بہ ارادت صادق و مطلب واثق بدرجۂ خرقۂ خلافت ممتاز گشت حضرت شیخ میر علی بہ طرف لاہور متوجہ شدہ متوطن گشتہ

القصہ جمال الدین بحکم بہاؤالدین ذکریا رح ملتان را وطن ساختہ عیال و اطفال ہم رسانیدند و اوقات شریف بہ درس احادیث متصرف مے نمود و انساب کسب و کمالات با مردم مشغول بودند تا بدرجۂ شیخی رسیدہ اشتہار یافت

دریں اثنائے جناب از برج عبادت ثُرا اُوجِ سعادت نقل فرمودن سجادگی حضرت شیخ صدرالدین علیہ الرحمتہ قرار یافت ایشاں ہر یکے خلفائے نامدار بہ ہر جانبے تعیّن کردند حضرت مخدوم سید جلال الدین بخاری را بہ طرف کعبۂ معظمہ رخصت فرمودن شد حاجی جمال الدین را جہتے معیّن کردند (حاجی جمال قدس سرہٗ کا مزار مبارک بدایوں میں ہے) اکثر اعیان آں دیار با ارادت آوردن و سرداران اطراف و جوانب آں ملک معتقد شدند و فرزندانش تحصیل کسب جمیع علوم معتبر شدند و در سایۂ پدر خود تربیت یافتند

عمر شریفش حاجی تا یک صد و سیزدہ سال رسیدہ بود اگر حقیقت حال ہر یکے از آباؤ اجداد خود بعرض قبلہ دوستان نمودہ آید حالے دراز نفسے است بادشاہ جم جاہ شیخ ابوالفضل علامی و نقیب خاں مؤرخ فرمود کہ کتب نامہ شہباز خاں در اکبر نامہ کہ وجہ تسمیہ قوم شہباز خاں

عبدالرحیم خاں نے بادشاہ کے سامنے التماس کیا کہ اے شہباز خاں اس کا شکریہ ادا کرو کہ میری قوم کی وجہ تسمیہ بادشاہ سلیمان جاہ کے حضور میں ثابت ہوگئی۔ اور صفحۂ روزگار پہ یادگار رہے گی اب حقیقت اپنے آباؤ اجداد کی بادشاہ کی خدمت میں عرض کرو کہ کس طرح ہندوستان آکر انہوں نے نشوونما پائی اور کونسی سرزمین کو وطن بنایا اور کن پیشوں میں مشغول رہے

شہباز خاں دیندار نے اُن امیروں نامدار سے کہا کہ میرے باپ دادوں کی حقیقت ہندوستان میں یہ ہے کہ میرے دادا (جدّ ششم سے مراد ہے)

حاجی جمال الدین بن کمال الدین نامی نے حج سے مشرف ہو کر سند احادیث میر حسین محدث سے حاصل کی اور میر علی ہجری کے ساتھ ایران توران کی سیر کی جب قبعۂ جال میں جو کوہ جودی کی سمت میں واقع ہے پہنچے مشتاق ہو کر ہندوستان جانے کا ارادہ کر دیا

جب ملتان پہنچے شرف ملازمت سے حضرت مخدوم بہاؤالدین ذکریا رح کے مشرف ہو کر ارادت صادق اور مطلب واثق سے خرقۂ خلافت سے ممتاز ہوئے حضرت شیخ میر علی نے لاہور کی طرف جا کر توطن اختیار کر لیا

القصہ جمال الدین نے بہاؤالدین ذکریا رح کے فرمانے سے ملتان کی سکونت اختیار کی اور عیال و اطفال بہم پہنچائے

آپ اپنے اوقات شریف کو درس حدیث میں مصروف فرمانے لگے اور کسب کمال حاصل کرنے میں مشغول رہے یہاں تک کہ درجۂ شیخی کو پہنچ کر مشہور ہو گئے

اسی اثناء میں حضرت مخدوم بہاؤالدین ذکریا قدس سرہٗ نے وفات پائی اُن کے سجادہ پر حضرت شیخ صدرالدین جا بیٹھے انہوں نے خلفائے نامدار کو مختلف جگہوں پر تعین کیا حضرت مخدوم سید جلال الدین بخاری کو (آپ کا مزار اُچہ میں ہے) کعبۂ معظمہ کی طرف رخصت فرما کر حاجی جمال الدین کو ایک جگہ متعین کیا (حاجی صاحب کا مزار بدایوں میں ہے جہاں آپ پہنچ گئے تھے) اُس دیار کے امراء کو اُن سے ارادت ہو گئی اور اُس ملک کے اطراف و جوانب کے سردار اُن کے معتقد ہو گئے اُن کے صاحبزادوں نے اپنے پدر بزرگوار کے سایہ میں تربیت پائی اور جمیع علوم کی تحصیل کی

حاجی صاحب کی عمر شریف ایک سو تیرہ برس کو پہنچ گئی تھی اگر اپنے آباؤ اجداد میں سے ہر ایک کی حقیقت حال بادشاہ کو سناؤں تو وہ بہت طویل ہیں بادشاہ جم جاہ نے شیخ ابوالفضل علامی اور نقیب خاں مؤرخ سے فرمایا کہ نسب نامہ شہباز خاں اور وجہ تسمیہ قوم شہباز خاں کو جس طرح

پوچھتا تو وہ کہتے کہ ہمارا گو نہیں "لنگو" ہے یعنی ننھا سا بچہ ہے "جسے ابھی پورے طور سے بولنا نہیں آتا"۔

حضرت مصعب بن زبیرؓ کی اولاد ایران میں | صاحب تاریخ گزیدہ نے جلد اول کے صفحہ ۵۰۳ پر اپنے وطن "قزوین" کے مشہور و معروف "صلحاء اور علماء کے خاندانوں کے ذکر میں لکھا ہے کہ "زبیریان" "از نسل "مصعب بن زبیرؓ بن العوام" اند "در ایشان" علماء و صلحاء" بودہ اند"۔

زبیری خاندان کے صفاتی لقب "لنگو" ہونے کی ایک اور شہادت

اس خاندان کے لقب "لنگو" کے متعلق "رسالہ شہباز خاں" کے بیان کی تصدیق "صاحب شجرۂ سہروردیہ کے بیان سے بھی ہوتی ہے" جو "فصاحت شعار" بلاغت آثار" "نتیجۃ المشائخ" و سلاسۃ الاولیائے کرام" "میاں احمد خاں اکبرشاہی" صاحب تاریخ معدن اخبار احمدی" المتوفی اوائل زمانہ سلطنت شاہنشاہ جہانگیر" کی دوسری تصنیف ہے اور کتب خانہ ریاست رامپور میں موجود ہے"۔ اس کے صفحہ ۱۳۱ پر تحریر ہے کہ:

"چوں بے شائبۂ ریا "مراسم سوابق اعتقاد" و لوازم اتحاد خدمت صحیح" "و کم گویان" کہ بغلط عام "لمبو" شہرت یافتہ" بدیں خاندان عالیشان "استحکام پذیر است" واز غایت کرم "در ہمہ اوان" و از انواع رعایت و افاضات تربیت "مخصوص و ممتاز بودہ اند" علی الخصوص آباؤ اجداد بندہ" کہ از مریدان حق شناس" واز خلفائے اہل اعتبار" با فنون علم و عمل" و رسوخ اعتقاد" و آداب صوفیہ بے ہمتا" و مظہر آیات" ایں خاندان بہرہ ور بودہ اند" بنا بر ضوابط حق گذاری کلمہ چند بشرح و بسط مرقوم مے گردد"۔

"اس میں کسی ریا کاری یا رسم کا شائبہ نہیں ہے کہ تمام "کمگویان" کے ساتھ جو عوام میں غلطی سے "کمبو" کے نام سے شہرت پکڑ گئے ہیں عقیدت مندی اور اتحاد رشتہ اور لزوم کی ضرورت کا جذبہ اس خاندان عالیشان سے استحکام پذیر ہے" اور خدا کا انتہائی کرم ہے کہ یہ ہر زمانے میں اور آج بھی انواع رعایت اور ہر قسم کی تربیت سے مخصوص اور ممتاز رہے ہیں۔ خاص کر میرے آباؤ اجداد جو حق شناس مرید اور با اعتبار خلفائے ہر قسم کے علم و عمل اور پختہ اعتقاد اور بے نظیر صوفیوں کے آداب اور مظہر آیات اس خاندان بہرہ ور رہے ہیں لہٰذا حق گوئی کی خاطر چند فقرے شرح و بسط سے لکھے جاتے ہیں"۔

تاریخی شواہد کے خلاف مسٹر اٹکنسن کے غلط اور پوچ بیان و قیاس کو پیش کرنے پر مؤلف امروہوی سے ہمارا خطاب

ان بیانات سے صاف طور پر معلوم ہو گیا ہے کہ "اس خاندان کے بزرگوں کے ناموں کے ساتھ "لنگو" اور "کمگو" کے لقب" جو ان کے خاندان کے علوئے مرتبت" اور اوصاف کی وجہ سے اُن کے لئے مخصوص ہو گئے تھے" لکھے اور بولے جاتے تھے" نیز "کنباہ" کی سکونت کی وجہ سے "مشہدی" "بخاری" "ترمذی" "نسائی" "امروہوی" اور "لکھنوی" "دہلوی" وغیرہ وغیرہ کی طرح "جو نسبتی لقب "کنبوی" ان کا تھا وہ بھی" لکھا اور بولا جاتا تھا" اور جو بیان "مسٹر اٹکنسن" کو اپنے خاندانی خطاب "کمگو" کے متعلق "زبیری کنبوی" بزرگوں نے دیا تھا" وہ بالکل صحیح ہے"۔

سر ہنری ایلیٹ اور مسٹر اٹکنسن کی اختراعات کی کیفیت اور ایسی تحریروں کی غرض کو ہم اوپر وضاحت سے بتا آئے ہیں۔ اس لئے اُن کی مبنی بر قیاس تحریروں کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہی۔ جیسا کہ ہم نے تاریخی شواہد پیش کر کے اچھی طرح ثابت کر دیا ہے"۔

امروہہ کے مؤلف "امروہوی" سے صرف یہ کہنا ہے کہ "ایسے پوچ بیانات کے پیش کرنے سے" اگر وہ اپنے آپ کو محقق ثابت کرنا چاہتے ہیں تو یہ اُن کے فہم کی غلطی ہے" جس طرح ایک صاحب نے اپنے لڑکے کا نام "شہنشاہ" رکھ لیا تھا اور وہ اس نام کی وجہ سے "شہنشاہ" یا "جہانگیر" نہیں ہو گیا تھا۔ اسی طرح ناواقف اور غرض مند لوگوں کی رایوں اور قیاسات کو پیش کرنے سے "جن میں حقیقت کا کوئی شائبہ تک موجود نہیں ہے" آپ کو کوئی محقق نہیں مان سکتا۔ اس خطاب کے حاصل کرنے کے لئے "بڑے بڑے مجاہدوں" یعنی راتوں کی نیند کو اپنی آنکھوں سے غائب کر دینا پڑتا ہے۔ روپیہ صرف کرنا پڑتا ہے اور تلاش و تحقیق کیلئے جگہ جگہ کے سفر کی تکلیفیں اٹھانی پڑتی ہیں" اور حق و صداقت کو مشعل راہ بنانا پڑتا ہے"۔

باب یازدہم

"اِس خیال کی تائید کہ "کنبوہ خاندان کے مُورث "ابتداً ہندو تھے" بعد میں مُشرف بہ اِسلام ہوئے" دیگر تحریرات سے بھی ہوتی ہے" مثلاً "صاحب مخزن الغرایب" شیخ جمالی دہلوی کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ "اصلش از کنبوہ است" آباش مُسلمان شدہ بودند"
(مخزن الغرایب قلمی کتب خانہ حبیب گنج) ص۳۳۸

صاحب مخزن الغرایب کے اِس بیان کی "جسے مؤلف امرد ہوی" نے "**سر ہنری ایلیٹ**" اور "**مسٹر اٹیکسن**" کے بیانات کی تائید میں پیش کیا ہے" اور جن کے بیانات کو "قوی دلایل یعنی تواریخی شواہد سے ابھی ابھی بحث باب نہم اور دہم میں ہم قطعی غلط اور پایۂ تحقیق و صداقت سے گرا ہوا ثابت کر آئے ہیں" بخوبی تردید ہو چکی ہے" نیز باب ہشتم میں ہم "شیخ جمالی رح" کی عالی نسبی کے ثبوت بہم پہنچا چکے ہیں" اس لئے اب مکرّر اِس بیان کے تردیدی شواہد کو یہاں لکھنا ضروری نہیں سمجھتے"

البتہ اِس موقع پر یہ بتانا ضروری ہے کہ "صاحب مخزن الغرایب" احمد علی[1] سندیلوی کوئی قدیم شخص نہیں ہیں" اُن کا زمانہ "**مخدوم شیخ جمالی کنبوہی رح**" سے تین سو برس بعد یعنی تیرہویں صدی ہجری کا زمانہ ہے"

دستور الفصاحت مصنفہ حکیم سید احمد علی خاں یکتا لکھنوی جو بہ تصحیح مولوی امتیاز علی خاں عرشی ناظم کتب خانہ رامپور" ہندوستان پریس رامپور میں ۱۳۶۲ھ میں طبع ہوئی ہے" اُس کے ص۸۹ و ۹۰ پر تحریر ہے کہ "مخزن الغرایب قلمی" فارسی گو شاعروں کا تذکرہ ہے" "شیخ احمد علی خادم سندیلوی کو ۱۲۱۸ھ مطابق ۱۸۰۳ء میں اس کی تالیف و ترتیب سے فراغت ہوئی" وہ شیعہ مسلک کے پَیرو تھے") انہوں نے اپنی کتاب شعراء کے حالات میں لکھی ہے" تاریخی واقعات و حالات سے اُسے کوئی واسطہ نہیں ہے اُن میں یہ اہلیت نہ تھی کہ وہ ہر شاعر کے نسب کی تحقیق کر کے لکھتے" اگر اُن میں تحقیق کا مادہ ہوتا تو وہ کبھی ایسی تحریرات نہ لکھتے جسے حقیقت سے دُور کا واسطہ بھی نہیں ہے" "مخدوم **شیخ جمالی**" کی وفات کا زمانہ ۹۴۲ھ ہجری ہے" اور منتخب التواریخ وغیرہ میں آپ کو کنبوہ نہیں بلکہ "**کنبوی دہلوی**" بروزن لکھنوی" لکھا ہے" اور یہ کنبوی اُن کا سکنی لقب ہے" جس طرح دہلوی ہے" جسے اُن کی نسل و قومیت سے کوئی تعلق نہیں ہے"

(فٹ نوٹ ۱) احمد علی سندیلوی صاحب مخزن الغرایب کا حال" رسالہ معارف نمبر ۶ جلد ۱۳ بابتہ ماہ ذیقعدہ ۱۳۴۲ھ ہجری جون ۱۹۲۴ء میں "تذکرہ مخزن الغرایب پر ایک نظر" کی سرخی کے تحت "مولوی محمد محفوظ الحق ایم۔ اے لکچرار عربی و فارسی پریسیڈینسی کالج کلکتہ نے ص۴۴۱ پر اس طرح لکھا ہے کہ "مؤلف کا نام" احمد علی ہاشمی ہے" تذکرہ میں اپنے باپ دادا کا نام اس طرح لکھتا ہے" شیخ غلام محمد بن فضیلت مآب مولوی محمد حاجی طاب مضجعہ" ولادت ۱۱۶۴ھ ہجری میں ہوئی "سندیلہ" وطن تھا" لیکن گردش روزگار نے وہاں چین سے نہیں بیٹھنے دیا" عرصہ تک خاک چھاننے کے بعد" نواب عزت الدولہ مرزا حسن سہراب جنگ خلف الصدق مرزا محمد حسن برادر اکبر نواب صفدر جنگ) کے یہاں ملازمت اختیار کرلی" کچھ عرصہ بعد اپنے آقا کی اجازت سے "شاہ عالم بادشاہ کے فوجی رسالہ میں جو" ذوالفقار الدولہ مرزا نجف خاں کی ماتحتی میں تھا۔ داخل ہوگئے۔ میرزا نجف خاں نے ۱۱۹۶ھ ہجری میں قضا کی" اس وقت مؤلف تذکرہ کا سن بتیس ۳۲ سال تھا" وہ لکھتا ہے کہ میرزا نجف خاں کی وفات کے بعد اُسے "خراساں" "عراق" "و فارس" کے لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ اُن کے فیض صحبت سے اُس نے بہت سے شعراء کے حالات اور اُن کے کلام کے اجزا فراہم کئے" مولانا شروانی (نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی) فرماتے ہیں۔ نواب ذوالفقار الدولہ نجف خاں کے سرکاری ملازم تھے" وہاں اہل کمال کا مجمع تھا۔ اُن کو بھی استفادہ کا موقع ملا اسی فیض صحبت کا نتیجہ یہ تذکرہ ہے" لیکن میرا یہ خیال ہے کہ "مرزا نجف خاں کی سرکار کا یہ فیض خاص نہیں" کیونکہ مرزا نجف خاں نے ۱۱۹۶ھ ہجری میں قضا کی اور یہ تذکرہ اُن کی وفات کے بائیس ۲۲ سال بعد ۱۲۱۸ھ ہجری میں لکھا گیا ہے" علاوہ بریں مؤلف خود کہتا ہے کہ "نجف خاں کی وفات کے بعد اُس نے یہ حالات فراہم کئے" اور اپنے استاد مرزا قتیل نو مسلم تھے یعنی ہندو سے مسلمان ہوئے تھے۔ غالب نے ان کی لیاقت علمی پر بہت اعتراض کئے ہیں) کی فرمائش پر اُن کو تذکرہ کی صورت میں ترتیب دیا" اس لئے واقعتاً مؤلف کا ذوق۔ اور مرزا محمد حسین قتیل کی تحریر اس تذکرہ کی تالیف کا باعث ہے"

باب دوازدہم

"مسلمان کنبوؤں کا "ہندی الاصل ہونا عام طور پر مُسلّم تھا" قدیم تحریرات میں اِس فرقہ کو "سادات" اور "شیوخ" سے بالکل جداگانہ قوم ظاہر کیا جاتا تھا" صاحب سیر المتاخرین" ایک افسوسناک واقعہ کا جو ۱۱۶۳ھ ہجری میں "قصبۂ مارہرہ میں" پیش آیا تھا" تذکرہ کرتے ہوئے "حضرت کمبوہ کو "سادات" اور "شیوخ" کے زمرے سے علیحدہ گروہ سمجھکر یہ الفاظ تحریر کرتے ہیں"

"ناموس اکثرے "سادات وشیوخ وکنبو"...... وغیرہ شرفائے آنجا بہ بلائے اسیری مبتلا گردید" (سیر المتاخرین جلد سوم۔) ص۳۳۸

"صاحب خزانۂ عامرہ" نے بھی تقریباً ان ہی الفاظ میں اس سانحہ کا تذکرہ کیا ہے۔ اور "قوم کنبوہ کا دیگر اقوام "سادات وشیوخ سے جداگانہ ذکر کیا ہے"

"مغلانِ سنگدل۔ خون ہفتاد کس از مردم شہر ناحق ریختہ" ومستورات "سادات" و شیوخ" و "قوم کنبو" و "شرفا محلہ قتناۃ را" بہ بلائے اسیری مبتلا ساختہ"

"مفتی عبدالقادر" اپنے روزنامچہ میں "امروہہ کی" مختلف اقوام کا تذکرہ اِن الفاظ میں کرتے ہیں "در شہر امروہہ" سادات وکنبوہ وکاہتہ وکلال وکھتری وتنکا وشیخ زادہ وغیرہ اِلی آخرہ۔ (روزنامچہ مفتی عبدالقادر کتب خانہ حبیب گنج)

"مفتی صاحب" مراد آباد کے ساکن" ابتدائے عہد برطانیہ کے ذی علم بزرگ، کچھ عرصہ "امروہہ" میں بہ تعلق ملازمت سرکاری مقیم رہے۔ اور یہاں کے حالات سے بخوبی واقف تھے" وہ بھی اِس قوم کا تذکرہ جداگانہ قوم کی حیثیت سے کرتے ہیں" ص۳۳۹

سیر المتاخرین اور خزانۂ عامرہ تو مشہور ومعروف کتابیں ہیں" رہا روزنامچہ تو اس کے متعلق یہ ہے کہ "مولوی عبدالقادر خاں غمگین رامپوری (المتوفی رجب ۱۲۶۵ھ ہجری مطابق مئی ۱۸۴۹ء) کی خود نوشت سوانح عمری ہے" چونکہ اس کی ترتیب واقعات تاریخوار ہے اِس لئے اسے روزنامچہ کہا گیا ہے" اس کا ایک نسخہ کتب خانہ شاہی ریاست رامپور میں بھی ہے" (دیکھو دستور الفصاحت مصنفہ حکیم سید احمد علی خاں یکتا" بہ تصحیح مولوی امتیاز علی خاں عرشی ناظم کتب خانہ رامپور) ص۹۳۔ (مطبوعہ ہندوستان پریس رامپور ۱۹۴۳ء)

زبیری خاندان کا اپنے سکنی لقب سے بھی شہرت پذیر ہونا کوئی عجیب بات نہیں ہے

کتابوں سے تعارف کرلینے کے بعد یہاں ہمیں صرف اِس قدر کہنا ہے کہ "اِس بیان کا جواب باب دہم میں آچکا ہے" جہاں ہم نے بتایا ہے کہ ہندوستان میں "سادات وشیوخ" اور "ترک وترکان" وغیرہ کے بہت خاندان ہیں جو "اپنے بزرگوں کے "سکنی مقامات" شاہی خطابات" عہدوں" پیشوں" اور "مختلف اوصاف سے شہرت پذیر ہوکر انہیں القاب وخطابات سے موسوم ہیں" اور "مؤلف امروہوی کی کتابوں" تاریخ امروہہ جلد اوّل" اور "تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کی جلد چہارم سے لیکر دکھا چکے ہیں کہ "صرف قصبۂ امروہہ میں" سادات کے چند خاندان" مندرجۂ ذیل ناموں سے موسوم ہیں"

(۱) خاندان قاضی زادگان (۲) خاندان ملقب بہ نوگیان (۳) خاندان دانشمندان

باتیں بھی مطلق یاد نہیں ہیں۔ "ڈہونڈ" "جاموٹ" "کلہوڑہ" اور "داؤد پوترہ" میں سے "اوّل دسوم کی وجہ تسمیہ تک معلوم نہیں ہے" یعنی خود مؤلف موصوف نہیں جان سکے کہ یہ خاندان اِن ناموں سے کیوں موسوم و مشہور ہوئے اور ہیں "لیکن اِس پر بھی بقول اُن کے وہ عباسی ہیں" یعنی اُن کے نزدیک جس طرح مثل دوسرے مندرجۂ بالا خاندانوں کے جو مختلف القاب و خطابات وغیرہ سے موسوم ہیں مگر "سید، شیخ و ترکمان وغیرہ ہیں" اِسی طرح اِن خانوادوں کا "ڈھونڈ" "جاموٹ" "کلہوڑہ" "داؤد پوترہ" کے القاب سے ملقب ہونا یا ان ناموں سے موسوم و مشہور ہونا "قادح عباسیت نہیں ہے"

مؤلف امروہوی کے مندرجۂ بالا بیانات یا انکشافات ہی سے "اِس امر پر خوب طرح روشنی پڑ گئی ہے کہ "اُن کی پیش کردہ تحریروں میں "زبیریوں" کو اُن کی اُس امتیازی حیثیت کی وجہ سے جو جاگیرداری "زمینداری" شاہی خدمات "مناصب" اور علوم و فنون و اثر و اقتدار کے سبب سے انہیں مارہرہ اور امروہہ وغیرہ میں "زمانۂ دراز سے حاصل تھی۔ اور اب بھی بفضلہ تعالیٰ حاصل ہے" اُن کے مشہور شدہ "سکنی لقب سے" اور سادات و دیگر شیوخ کو الگ ظاہر کیا ہے "بالکل اِسی طرح جیسے کہ "صاحب خزانۂ عامرہ" مولوی غلام علی آزاد بلگرامی المتوفی سنہ ۱۲۰۰ ہجری نے اپنی نوشتہ میں "محلّہ قضاۃ" والوں کو۔ اُن کی قضاۃ کی خصوصیت کی وجہ سے سادات و شیوخ سے الگ دکھایا ہے "کیا مؤلف موصوف اس کی وجہ ظاہر کرسکتے ہیں کہ "محلّہ قضاۃ والوں کو جو شیخ تھے "شیخوں سے علیحدہ کرکے کیوں لکھا ہے" اور "کنبوہ" خاندان کی طرح "یہ قاضی خاندان بھی" سادات و شیوخ سے الگ ظاہر کئے جانے کی وجہ سے "شیخ" رہا یا کوئی دوسری قوم بن گیا ہے" مزید برآں صرف محلّہ قضاۃ والوں کو "شرفاء محلّہ قضاۃ لکھا ہے" اور سادات و شیوخ و کنبوہ کے سامنے شرفا کا لفظ نہیں لکھا ہے "تو کیا اس سے یہ سمجھ لیا جا سکتا ہے کہ "یہ لوگ" شرفا میں داخل نہیں ہیں" اب ہمیں اِس سے زیادہ کچھ کہنا نہیں ہے کہ "مؤلف امروہوی نے "زبیری کنبوہی یا کنبوہ خاندان کو سادات و شیوخ سے جداگانہ قوم ظاہر کرنے کے شوق میں "اُن حقایق کو قطعاً نظر انداز کر دیا ہے" جنہیں ہم اُن کی کتابوں اور تحریروں سے اُوپر دکھا آئے ہیں" اور اُن کی دھوکا دہی کی اِس کوشش کی بھی قلعی بخوبی کھل گئی ہے "نیز اچھی طرح معلوم ہو گیا ہے کہ "اُن کی دلی کیفیت کیا ہے" مؤلف امروہوی "شہنشاہ اکبر" کے فرمان موسومہ خان خاناں بیرام خاں کی طرح "ذرا ذرا سے ٹکڑے لے کر ناظرین کو دھوکے میں ڈالتے ہیں" اب ہم فرمان مذکور کی طرح مارہرہ پر حملہ کے متعلق تین مؤرخین کے پورے بیانات تحریر کرتے ہیں "جن سے تمام حالات کی بخوبی وضاحت ہو جاتی ہے"

"مارہرہ پر "ابوالمنصور صفدر جنگ کی فوج کے یورش کرنے کا حال "بمطلب سیر المتاخرین" کے قلم سے"

مؤلف امروہوی کے اِس بیان کا جواب دے چکنے کے بعد "اب ہم اُس واقعہ کو بھی لکھے دیتے ہیں جس کی طرف مؤلف موصوف نے اِشارہ کیا ہے" "سیّد غلام حسین طباطبائی نے "سیر المتاخرین جلد سوم" تالیف سنہ ۱۱۹۳ ہجری میں لکھا ہے کہ:"

ہیجدہم رمضان سنہ ۱۱۶۳ ہجری "ساربانے از نوکران مغلیہ درخت درِ خانۂ عنایت خاں "متوطن مارہرہ" ملازم وزیر "ابو المنصور صفدر جنگ کہ اِسی کی فوج "نواب احمد خاں بنگش" والئے فرخ آباد سے لڑنے کے لئے جاتی ہوئی "مارہرہ میں مقیم تھی" بُرید "اُو با اعتماد آنکہ ملازم وزیر است "ساربان را تا دیب دگر شمالی نواختی فرمود "ساربان دیگر نزد آقائے خود فریاد نمود کہ از جماعہ مغلیہ بود" گفت فرو دتا عنایت خاں را بیارند "جماعہ سواران و پیادہ ہمراہی او "بخانہ عنایت خاں دویدند" و دیگر جماعہ مغلیہ پنداشتند آنکہ "برائے غارت مارہرہ "حکم وزیر بودہ" تمامی فوج "وقت عصر" مارہرہ "تاختند۔ وطرفۃ العین با خاک برابر ساختند" و عنایت خاں"

اٹھارہ رمضان سنہ ۱۱۶۳ ہجری کو مغل کے نوکروں میں سے ایک ساربان نے عنایت خاں متوطن مارہرہ ملازم وزیر ابو المنصور صفدر جنگ جس کی فوج نواب احمد خاں بنگش والئے فرخ آباد سے لڑنے کے لئے جاتی ہوئی مارہرہ میں مقیم تھی، کے دروازہ کے درخت کو کاٹا "اُس نے اِس اعتماد پر کہ وزیر کا ملازم ہے۔ ساربان کی خوب گوشمالی اور تادیب کی "دوسرے ساربان نے اپنے آقا کے پاس جو مغلیہ فوج میں جمعدار تھا جاکر فریاد کی "اس نے عنایت خاں کو جلد لانے بھیجا" اس کے ہمراہی سوار اور پیدلوں کی جماعت عنایت خاں کے گھر کو دوڑی "مغلوں کے دوسرے گروہوں نے یہ سمجھا کہ وزیر کا مارہرہ کو غارت کر دینے کا حکم ہوا ہے" تمام فوج عصر کے وقت مارہرہ پر جا پڑی اور پلک جھپکتے اُس کو خاک برابر کر دیا۔ عنایت خاں اور اُس کے

و پسر نوزدہ سالہ اش را بجان کشتند

وزیر (ابو المنصور صفدر جنگ) بمجرد استماع نصیر الدین حیدر را ہم لعت و سپہ سالار افواج وزیر) را فرمود تا زود خبر گیرد و نقیجیان را متعین نمود کہ غارت گران را باز دارند اما تا رسیدن از کار گذشتہ عالمی برباد رفتہ ناموس اکثرے از سادات و شیوخ و کنبوہ وغیرہ شرفا بہ بلائے اسیری مبتلا گردید و اسباب خانہا بتاراج رفت

نصیر الدین حیدر خاں تمام شب محنت کشیدہ جمیع توابعین شرفا وغربا را برآوردہ در خیمہ علیحدہ کہ وزیر برائے آنہا برپا کردہ بود فراہم نمود و تمام شب وزیر بریں ماجرا ملول و اکثر زار زار گریاں بود و طعام نخوردہ

از اول طلوع صبح تا اشراق مستورات بہ خانہائے خود رسیدند و اطفال کہ مغلیہ با در بارہ بنہ خود و گودہا کندہ دراں افگندہ از بالا بہ خار و خس پوشیدہ پنہاں کردہ بودند ہم رسانیدہ بہ پدر و مادر آنہا باز گردانیدند

دراں روز در قصبہ مذکور ہنگامہ عاشورہ برپا بود وزیر مبلغ کثیر بمردم شہر فرستاد اما اموال لاتحصی غارت رفت و گذشت آنچہ گذشت مردم از ہماں زبان میگفتند کہ فتح وزیر نخواہد شد وہم چنیں شد

وزیر بعد اطمینان از جمعیت فوج و اسباب از مارہرہ کوچیدہ پیشتر رفت و شب دوم شوال بعد نماز با مداد ہر دو لشکر بہم آویختند وزیر با وجود وفور فوج و سامان ہزیمت خورد نجم الدولہ و نصیر الدین حیدر ہمزلف و خالہ زاد وزیر مقتول شدند

وزیر را زخم تفنگ بر گلو آمد و غشے عارض گشت شام با دل شکستہ از میدان برگشتہ بمارہرہ رسید بہ سید نور الحسن خاں جماعدار بلگرامی فرمود تا اسباب تکمید زخم آوردند و دانش کارے بعمل آمد

اکثر آدمے وزیر را مغلیہ تاراج نمودند آنچہ باقی ماندہ از دست پائین راہ بغارت رفت و از مارہرہ کوچ بکوچ ۲۹ شوال بدہلی رسید

انیس سالہ لڑکے کو جان سے مار دیا

وزیر (ابو المنصور صفدر جنگ) نے سنتے کے ساتھ ہی فوراً نصیر الدین حیدر (اپنے ہم زلف و سپہ سالار فوج وزیر) سے فرمایا کہ جلد خبر لے اور نقیجیوں کو متعین کیا کہ غارت گروں کو غارت گری سے باز رکھیں لیکن جب تک پہنچیں اور روکیں عالم برباد ہو گیا ناموس اکثر سادات اور شیوخ اور کنبو کے گرفتاری مصیبت میں مبتلا ہو گئے اور گھروں کا اسباب لٹ گیا

نصیر الدین حیدر خاں نے تمام رات محنت اٹھا کر تمام مصیبت زدوں شرفا وغربا کو تلاش کر کے علیحدہ ڈیرے میں جسے وزیر نے ان کیلئے کھڑا کیا تھا جمع کیا

اور ساری رات اس واقعہ سے غمگین اور اکثر زار زار روتا رہا اور اس نے کھانا بھی نہیں کھایا

صبح ہونے سے پہلے سے اشراق تک عورتیں اپنے گھروں میں پہنچ گئیں اور لڑکوں کو جنہیں مغلوں نے اپنے جلانے کی لکڑیوں کے بوجھ میں اور کمبلوں میں باندھ کر ڈال دیا تھا اور اوپر سے گھاس و کوڑے سے چھپا دیا تھا حاصل کر کے ان کے ماں باپ کے پاس واپس بھیج دیا

اس روز قصبہ مذکور میں ہنگامہ محرم کا برپا تھا وزیر نے بہت روپیہ شہر کے لوگوں کے پاس بھیجا لیکن مال بیشمار غارت گیا اور گذر گیا جو گذر گیا وہاں کے لوگوں نے بد دعا دی کہ وزیر کی فتح نہ ہو اور ایسا ہی ہوا

وزیر اطمینان کے بعد مارہرہ سے اپنی فوج اور سامان کے ساتھ کوچ کر کے آگے روانہ ہوا اور دو شوال کی رات کو بعد نماز دونوں لشکروں میں لڑائی ہوئی وزیر نے باوجود زیادتی فوج و سامان کے شکست کھائی نجم الدولہ اور نصیر الدین حیدر ہمزلف اور خالہ زاد وزیر مقتول ہوئے

وزیر کے گلے میں بندوق سے زخم آیا جس سے وہ بیہوش ہو گیا اور شام کو دل شکستہ میدان سے واپس ہو کر مارہرہ پہنچا اور نور الحسن خاں جمعدار بلگرامی سے زخم کے علاج کے سامان کے لئے فرمایا اچھی طرح علاج عمل میں آیا

وزیر کے لشکر کے اکثر مغل تاراج ہو گئے اور ان میں سے جو باقی بچے دیہاتیوں کے ہاتھوں راستہ میں غارت ہو گئے اور وہ مارہرہ سے منزل بمنزل ۲۹ شوال کو دہلی پہنچ گیا

اس کے آگے لکھا ہے کہ وزیر ابو المنصور صفدر جنگ جب دہلی پہنچا تو وہاں کے علما نے اس کے خلاف فتویٰ دیا چنانچہ شہر دہلی کے دروازے بند کر کے اسے شہر میں نہیں گھسنے دیا اور دہلی والوں کے وزیر سے لڑنے کا حال لکھا ہے جسے ہم چھوڑتے ہیں

(نوٹ) ۱؎ اصلی نام مرزا مقیم۔ ابو المنصور خاں کینت ولقب وزیر الممالک نواب منصور علی خاں صفدر جنگ خطاب تھا سعادت خاں کا بیٹا برہان الملک سعادت خاں کا بھانجا اور داماد تھا ماموں کے مرنے کے بعد شروع سال ۱۱۵۲ ہجری مطابق اپریل ۱۷۳۹ء میں دو کروڑ روپیہ بطریق پیش کش نادر شاہی خزانہ میں داخل کر کے محمد شاہ کے حضور سے صوبہ اودھ کا خلعت حاصل کیا ۱۱۶۱ ہجری مطابق ۱۷۴۸ء میں احمد شاہ بادشاہ کے تخت نشین ہونے پر عہدۂ وزارت اعلیٰ پر سرفراز ہوا سات سال تک تمام انتظام سلطنت اور اختیارات

"مارہرہ پر ابو المنصور کی فوج کی یورش کا حال۔ صاحب خزانۂ عامرہ کے قلم سے"

خزانۂ عامرہ مؤلفہ علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کے صفحہ ۹۱ پر تحریر ہے کہ۔

"دریں عرصہ قضیہ عجیب رو داد۔ کہ ہیجدہم رمضان سال مذکور (۱۱۶۳ھ) ساربانے از نوکران مغلے درخت در دروازہ عنایت خاں (ساکن مارہرہ از نوکران سرکار نواب وزیر ابو المنصور خاں صفدر جنگ) بود۔ عنایت خاں باعتماد آنکہ نوکر سرکار است جرأت نمودہ ساربان را تنبیہ بواقعی کرد۔ ساربان دیگر پیش مغل فریاد برد۔ مغل کسان برادرے خود را فرستاد۔ کہ عنایت خاں را دستگیر کردہ بیارند۔ جماعت سوارہ و پیادہ بر خانۂ عنایت خاں دویدند۔ افواج مغل دانستند کہ برائے غارت کردن شہر مارہرہ حکم نواب صادر شدہ است۔ تمامی افواج مغل از سوار و پیادہ بر سر شہر یورش کردہ۔ وقت عصر بود۔ کہ شہر را در طرفۃ العینے با خاک برابر کردند۔ عنایت خاں و پسرش نوزدہ سالہ را بجان کشتند۔ نواب وزیر بمجرد اطلاع نصیر الدین حیدر خاں برادر زادۂ خود را حکم کرد۔ کہ زود رفتہ خبر بگیرد۔ و نقیبان را تعین فرمود کہ غارت گران را از دست درازی باز دارد۔ و جمع از سادات بلگرام کہ در سلک رفقائے نواب انتظام داشتند۔ مسلح شدہ بسرعت ہر چہ تمامتر خود را بحویلی شاہ برکت اللہ مرحوم بلگرامی متوطن مارہرہ رسانیدند۔ بعون الٰہی حویلی و ناموس و اثاث البیت اولاد شاہ برکت اللہ مرحوم محفوظ ماند۔ لیکن اکثر قوم صاحب غیرت جوہر کردند۔ و مغلان

اس عرصہ میں عجیب قضیہ نے منہ دکھایا کہ اٹھارہ رمضان سال مذکور ۱۱۶۳ ہجری میں مغل کے نوکروں میں سے ایک ساربان نے عنایت خاں کے دروازے کا درخت کاٹا۔ یہ عنایت خاں ساکن مارہرہ سرکار نواب وزیر اودھ (ابو المنصور صفدر جنگ) کے نوکروں میں سے تھا۔ عنایت خاں نے اس بھروسہ پر کہ وہ سرکار کا نوکر ہے جرأت کر کے ساربان کی خوب تنبیہ کی۔ دوسرے ساربان نے مغل کے پاس جا کر فریاد کی۔ مغل نے کسی اپنے بھائی کو بھیجا کہ عنایت خاں کو گرفتار کر کے لے آئے۔ سواروں اور پیدلوں کی جماعت عنایت خاں کے گھر پر دوڑی۔ افواج مغل نے سمجھا کہ شہر مارہرہ کو غارت کرنے کے واسطے نواب کا حکم صادر ہوا ہے۔ سوار و پیدل تمام افواج مغل نے شہر پر چڑھائی کر دی۔ عصر کا وقت تھا انہوں نے ذرا سی دیر میں شہر کو خاک برابر کر دیا۔ عنایت خاں اور اس کے انیس (۱۹) سالہ لڑکے کو مار ڈالا۔ نواب وزیر نے اطلاع کے ملتے ہی نصیر الدین حیدر خاں اپنے بھتیجے کو حکم دیا کہ جلد جا کر خبر لے اور چوبداروں کو متعین کرو کہ غارت گروں کو دست درازی سے باز رکھیں۔ اور سارے بلگرام کے سیدوں نے جو سلک رفقائے نواب میں انتظام رکھتے تھے مسلح ہو کر جس قدر جلد ہو سکا اپنے آپ کو شاہ برکت اللہ مرحوم بلگرامی متوطن مارہرہ کی حویلی پر پہنچایا۔ خدا کے فضل سے حویلی اور ناموس اور مکان کا سامان اولاد شاہ برکت اللہ مرحوم کا محفوظ رہا۔ لیکن اکثر صاحب غیرت مردوں نے جوہر (لڑ کر مر جانا) کیا۔ اور سنگدل مغلوں نے شہر کے ستر مردوں کا ناحق

(بقیہ نوٹ ۱ صفحہ ۲۴۶) شاہی اپنے ہاتھ میں رکھے۔ ۱۱۶۵ ہجری مطابق ۱۷۵۲ء میں وزارت سے معزول ہوا۔ پائے سریر سلطنت سے رخصت ہو کر اپنے مستقر حکومت صوبہ اودھ کو جا رہا تھا کہ لکھنؤ سے تین منزل اس طرف پاپڑگھاٹ میں ۱۷ ذی الحجہ (۱۳ اکتوبر ۱۷۵۴ء) کو وفات پا گیا۔ برہان الملک کی طرح اس کا خاتمہ بھی ایک بڑے دانہ کے نکلنے سے ہوا۔ اس کی لاش پہلے چند سے گلاب باڑی فیض آباد (پہلے دار الحکومت) میں امانتاً سپرد زمین رہی۔ بعد ازاں شاہجہاں آباد بھیجی گئی۔ شاہ مردان کی درگاہ کے متصل اس کا رفیع الشان مقبرہ معہ ایک وسیع اور پُرفضا باغ کے اب بھی اچھی حالت میں موجود ہے۔ تین لاکھ روپیہ اس کی تعمیر میں صرف ہوا تھا۔ اس کے بجائے اس کا بیٹا نواب شجاع الدولہ صوبہ داری اودھ پر مامور ہوا۔ صفدر جنگ کے زمانہ وزارت میں بہت سے تنازعات برپا ہو گئے تھے۔ وزارت سے ہٹایا گیا تو مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گیا۔ چند امرائے باقتدار سے سازشیں کر کے اپنے مخالفین سے جنگ و پیکار شروع کر دی۔ اس کے رفیق اور مدار المہام سورج مل جاٹ نے کشتوں کے پشتے لگا دیئے۔ یہ محشر خیز سانحہ جاٹ گردی کے نام سے مشہور ہے۔ ہر چند اس کی جاگیر کا محصّل اور مہتمم اور راج اندر گو شاہ گسائیں ملتزم خدمت و نگراں تھا۔ اس کی فرد جرم کی ایک دفعہ یہ بھی ہے کہ بہ حیلۂ ضیافت اس نے نواب بہادر جاوید خاں کو بلوا کر مروا ڈالا تھا اور دغا کی تھی۔

(حیات میر عبدالجلیل بلگرامی مطبوعہ الہ آباد ۱۹۲۹ء صفحہ ۱۴۸) مصنفہ سید مقبول احمد صمدانی)

سنگدلاں خون ہفتاد کس از مردم شہر ناحق ریختند۔ و مستورات سادات و شیوخ و قوم کنبوہ و شرفا محلہ قضات را بہ بلائے اسیری مبتلا ساختند۔ نصیر الدین حیدر خاں تمام شب محنت کشیدہ جملہ ناموس شرفا و غربا را از خیمہ ہائے مغلاں برآوردہ۔ نواب وزیر آں شب طعام نخوردہ و زار زار گریست۔ تا طلوع صبح تمامی ناموس شرفا از بند خلاص شدہ بعضے بخانہ ہائے خود رفتند۔ و بعضے کہ نتوانستند رفت در لشکر خیمہ ہائے علیحدہ برائے آنہا برپا شد۔ و طعام از سرکار آمد۔ تا وقت اشراق جملہ ناموس شرفا و غربا بخانہ ہائے خود رسیدند۔ و اطفال کہ دستگیر شدہ بودند و مغلاں در بار و بچہ پنہان کردند۔ و کوہا کندہ اطفال را انداختہ خس پوش کردند۔ بہم رسانیدہ بدست آوردہ نزد مادر و پدر آنہا رسانیدند۔ معاذ اللہ آں روز ہنگامہ عاشورا و آشوب طامہ کبریٰ بود۔ نواب وزیر دو سہ ہزار روپیہ بمردم شہر فرستادہ۔ اما اموال واقعہ لاتحصی بغارت رفت۔

خون بہایا۔ اور عورتیں سادات و شیوخ و قوم کنبوہ اور شریفوں محلہ قضات کی قید کی مصیبت میں مبتلا ہو گئیں۔ نصیر الدین حیدر خاں نے تمام رات محنت اٹھا کر تمام ناموس شرفا اور غرباء کو مغلوں کے خیموں سے نکالا۔ اور نواب وزیر نے اس رات کھانا نہیں کھایا اور زار زار روتا رہا۔ صبح ہونے تک تمام ناموس شرفا کے قید سے چھوٹ کر بعضے اپنے گھروں کو چلے گئے اور بعضے جو نہیں جا سکتے تھے لشکر میں ان کے لئے علیحدہ خیمہ کھڑا کیا گیا۔ اور کھانا سرکار سے آیا۔ اشراق کے وقت تک تمام ناموس شریفوں اور غریبوں کے اپنے گھروں پر پہنچ گئے۔ اور لڑکے جو گرفتار ہو گئے تھے۔ اور مغلوں نے انہیں بوجھ اور بچوں میں چھپا دیا تھا اور ان کو باندھ کر ڈال دیا اور خس پوش کر دیا تھا سب کو ڈھونڈھ کر ان کے ماں باپ کے پاس پہنچا دیا۔ خدا کی پناہ اس روز ہنگامہ محرم اور آشوب قیامت تھا۔ نواب وزیر نے دو تین ہزار روپیہ شہر کے آدمیوں کو بھیجا لیکن مال و متاع بیشمار غارت ہو گیا۔

یہ کو ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ علامہ غلام علی آزاد نے شرفائے محلہ قضات کو سادات و شیوخ و کنبو سے علیحدہ کر کے لکھا ہے۔ اگر یہاں یہ بتاتے ہیں کہ سوائے شاہ برکت اللہ کے خاندان کے اور کوئی خاندان سادات کا مارہرہ میں مسکن گزیں نہیں تھا۔ نہ اب ہے۔ شاہ برکت اللہ کے دادا شاہ عبد الجلیل (المتولد ۲ رجب [illegible] ہجری المتوفی ۸ صفر [illegible] ہجری) کو چودھری وزیر محمد خاں زبیری کنبوہی نے مارہرہ میں لا کر آباد کیا تھا۔ اور ان کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کرا دی تھی۔ اسی خانقاہ میں شاہ عبد الجلیل صاحب مدفون ہیں۔ اور اسی زمانے سے ان کا خاندان جو سادات بلگرام سے تعلق رکھتا ہے مارہرہ میں رہتا ہے۔ نیز مارہرہ میں سادات و شیوخ کے تین محلے ہیں۔ جو محلہ سادات، محلہ قاضیان، اور محلہ کنبویان کے ناموں سے موسوم ہیں۔ اور عنایت خاں باشندہ مارہرہ جن کی وجہ سے مارہرہ میں یہ ہنگامہ ہوا سادات و شیوخ میں سے نہیں ہے۔ اور ان محلوں میں سے کسی کے باشندہ نہیں تھے۔ محلہ کنبویان جس میں سوائے کنبوہی زبیری خاندان کے دوسرے کسی قبیلہ کی آبادی نہیں ہے۔ اس طرح آباد ہے کہ اگر اس کے کناروں پر چند آدمی کھڑے ہو جائیں تو جمعیت کثیر کو آسانی کے ساتھ محلہ میں داخل ہونے سے روک سکتے ہیں۔ لشکر اسی ہزار فوج کے دس بارہ ہزار آبادی کے قصبہ پر آ گرنے اور صرف ستر یا ستر آدمیوں کے قتل و زخمی ہونے سے ہی اس بات پر کافی روشنی پڑ گئی ہے کہ یہ ہنگامہ جس طرح دفعتاً اٹھا تھا اس سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ چشم زدن میں دبا دیا گیا۔ اور غارت گروں کو کسی بے عنوانی کی ذرا سی مہلت بھی نہیں مل سکی۔ ہم نے اوپر چند مثالیں اس امر کی دی ہیں کہ مختلف مناسبتوں سے قومیں اور قبائل شہرت پذیر ہو کر مختلف ناموں سے موسوم ہو گئے ہیں۔ یہاں ایسی تھوڑی مثالیں اور دے دیتے ہیں۔

(۱) قوم قدوائی: میاں بشارت اللہ عرف محمد ذکریا ذاکر تخلص ولد شیخ ہدایت اللہ قوم قدوائی ساکن لکھنؤ۔ (ریاض الفصحا تذکرہ ہندی گویان صفحہ ۹۶، تالیف غلام ہمدانی مصحفی مطبوعہ جامع برقی پریس دہلی ۱۹۳۴ء)

(۲) مرزا علی الدین محمد صفائی تخلص از اکابر سادات حسینی خلف الصدق مرزا اشرف علی خاں وفا۔ (عقد ثریا صفحہ ۳۲)

(۳) وے دختر زادہ میرزا عبد اللہ براقت بود و میرزا علی رضا خاں خلف میر محمد کاظم خویش شد۔ قبیلہ بزرگ از عرب بودند و بزرگان کرام موضع است از نواح مشہد مقدس۔ استقامت داشتند۔ میر عبد الصمد جد ایشان در عہد اورنگ زیب عالمگیر وارد ہندوستان شدہ بجاگیر سرفرازی

(۳) راقم: وہ میرزا عبد اللہ براقت کے نواسہ اور میرزا علی رضا خاں خلف میر محمد کاظم ان کے بزرگ خزیمہ سے جو عرب کا بزرگ قبیلہ ہے ہوئے ہیں۔ اور موضع ... من مضافات مشہد مقدس میں استقامت رکھتے تھے۔ ان کے دادا میر عبد الصمد نے اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں ہندوستان آ کر

داشت " خود ش در لکھنؤ تولد یافتہ وتوطن اختیار کردہ " (عقد ثریا صـ۲۹)

(۴) فروغ " میرزا محمد علی فروغ " مولدش صفاہان است " والد ماجدش مرزا محمد رضا از اکابر سادات اصفہان بود " (عقد ثریا صـ۴۴ و ۴۵)

(۵) قتیل " مرزا محمد حسن قتیل " در اصل بزرگانش " قوم کھتری " بھنڈاری پٹیالی بودہ اند " پدرش درگاہی مل نام داشت (عقد ثریا صـ۴۶)

(۶) قوم مغل " محمد اسمٰعیل طپش تخلص " عرف مرزا جان کہ مولد والدش بخارا است " " قوم مغل " ہندوستان زا " از اولاد " سید جلال الدین بخاری "

جاگیر سے سرفراز ہوئے " خود انہوں نے لکھنؤ پیدا ہو کر وطن اختیار کیا "

(۴) فروغ " میرزا محمد علی فروغ " جائے پیدائش ان کی اصفہان ہے " اُن کے والد ماجد اصفہان کے اکابر سادات سے تھے "

(۵) قتیل " مرزا محمد حسن قتیل " اصل میں اُن کے بزرگ قوم کھتری بھنڈاری پٹیالی ہوئے ہیں " باپ کا نام درگاہی مل تھا "

(۶) قوم مغل " محمد اسمٰعیل طپش تخلص عرف مرزا جان اُن کے والد کی پیدائش بخارا کی ہے " قوم مغل ہندوستان کی سید جلال بخاری کی اولاد سے ہے "

(تذکرہ ہندی غلام ہمدانی مصحفی، جامع برقی پریس دہلی ۱۹۳۳ء)

اَب ہم مؤلف امروہوی سے پوچھتے ہیں کہ " یہ قوم قدوائی " کیا ہے " اور یہ کھتری اور سید " وغیرہ " قوم مغل " کیوں کہے جاتے ہیں " درگاہی مل کا بیٹا مرزا کیسے ہو گیا "

" مارہرہ پر ابو المنصور کی فوج کے یورش کرنے کا حال " صاحب آثار احمدی کے قلم سے "

آثار احمدی قلمی " تصنیف جالینوس زماں حکیم عنایت حسین صاحب زبیری کنبوی مارہروی (المتوفی ۱۲۶۵ھ ہجری کے ورق ۳۶ تا ۳۸ پر یہ تحریر ہے کہ "

نواب وزیر " خروج افغانان " شنیدہ " برائے مدد " نول رائے " (افسر وزیر جس نے وزیر کے حکم سے " ملک متعلقہ نواب قایم خاں پر تسلط کر لیا تھا) از دہلی " بکوچ متواتر " بمارہرہ رسید " وخبر کشتہ شدن " نول رائے " شنیدہ ہمیں جا دائرہ کرد " و بہ جمع فوج پرداخت "

بعد چند روز " در ماہ رمضان بوقت عصر قزلباشان و دیگر لشکریان باہم بستیزہ درآمدہ ناگاہ بر شہر مارہرہ ریختند " چنانچہ شہر بیغارفت و قریب صد کس زخمی وکشتہ شدند "

نواب سید نورالحسن خاں بلگرامی " (عزیز قریبی حضرت سید شاہ حمزہ صاحب مارہروی) بہ نواب وزیر ایں قضیہ گذرانیدہ - خود معہ برادران مسلح شدہ برائے محافظت " ہمراہئ حضرت (شاہ حمزہ صاحبؒ) رسیدند " ونواب وزیر " بعد مطالعہ عرضی مذکور بجلدی بیشتر سواران ونقیبان را رخصت کرد " آنہا رسیدہ ندائے امان [illegible] قزلباشان از شہر خارج شدند "

صبح آن نواب بمعذرت ایں قصہ " از عہدہ لشکر نواب عنایت اللہ خاں " و برہان الاسلام خاں " و راجہ جہانراین " را جدا جدا " و پس از اقربائے خود " نصیر الدین حیدر خاں " را فرستاد " و ایشاں و نصیر الدین حیدر بعذرہا پیش آمدند " و سر خود را برپائے آنجناب (شاہ حمزہ صاحب رحؒ) رساندند کہ نواب وزیر را ہرگز ایں قصہ خبر نبود " آں جناب را بحرکت آورد بخطاب

نواب وزیر افغانوں کے خروج کا حال سنکر نول رائے (افسر وزیر جس نے وزیر کے حکم سے نواب قایم خاں والئے فرخ آباد کے ملک پر تسلط کر لیا تھا ") کی مدد کے واسطے دہلی سے کوچ متواتر کر کے مارہرہ پہنچا " اور نول رائے کے قتل ہو جانے کی خبر سنکر اسی جگہ قیام کیا " اور فوج کے جمع کرنے میں مشغول رہا "

تھوڑے دنوں کے بعد رمضان کے مہینہ میں عصر کے وقت قزلباش اور دوسرے لشکری آپس میں لڑ کر ناگاہ شہر مارہرہ پر آفت لائے " چنانچہ شہر تاراج ہو گیا اور قریب سو آدمیوں کے زخمی ہوئے اور مارے گئے "

نواب سید نورالحسن خاں بلگرامی (عزیز قریبی حضرت سید شاہ حمزہ صاحبؒ مارہروی ") یہ قضیہ نواب وزیر کے پاس گذرانکر " خود معہ بھائیوں کے مسلح ہو کر ہمراہئ حضرت (شاہ حمزہ رحؒ) کی حفاظت کے لئے پہنچ گئے " اور نواب وزیر نے بعد مطالعہ عرضی مذکور جلد تر بیشتر سواروں اور چوبداروں کو روانہ کیا کہ وہاں پہنچکر امان کی آوازیں دیں - قزلباش شہر سے خارج ہو گئے "

صبح کو اس قصّہ کی معذرت کے لئے اپنے لشکر کے عمائد " نواب عنایت اللہ خاں " و برہان الاسلام خاں اور راجہ جہانراین کو اور اُن کے پیچھے اپنے اقربا میں نصیر الدین حیدر خاں کو بھیجا " اور ان سبھوں اور نصیر الدین حیدر نے بہت معذرت کی اور اپنے سر کو آنجناب (شاہ حمزہ صاحب رحؒ) کے پاؤں پر رکھا " اور کہا کہ نواب وزیر کو اس قصّہ کی ہرگز خبر نہ تھی [illegible]

عتاب ہمیں فرمودند، کہ اینچہ تو با شہر با کردی جزائے ایں ظلم و ستم کہ بر شہریاں رفت "زود از خدا خواہی یافت۔ و اوشاں را رخصت نمود" پس نواب وزیر برائے تدارک غارت شدن شرفائے شہر" سہ ہزار روپیہ نقد" بدست نواب نصیر الدین حیدر" بحضور اقدس فرستاد" و آں جناب بدست "سید نور الحسن خاں" بر کاغذ نام شہریان نوشتہ" موافق حال ہر یک تقسیم کرانیدہ داد"

و بعد ازیں نواب وزیر" از مصاحبان خود" میر داراب را" کہ عزیز کسے بود" بحضور معلیٰ فرستاد" و عرض داشت کہ صلح ما بین مسلمین" کار طاہر و سادات است" خواہم کہ بذریعہ آں جناب با ما و احمد خاں" کہ از ارادت مندان شما است" صلح بمیان آید" چنانچہ ایں قصہ دور و دراز است" آخر کار آں جناب" بعد مبالغہ عرض نواب وزیر کہ فی الواقع از امیرے والاشان و مردے مہذب۔ آداب دان" و از وزرائے سلطنت بود" و خلوص محبت و بندگی او بر آں جناب صادق بود"

"محمد اصغر کنبوہ" یکے از مریدان خود را" کہ سلیقہ سفارت و عقل درست و چست داشت" با خریطہ ہا مہری وزیر" بنام احمد خاں" و رستم خاں" روانہ لشکر افغانان فرمودند" او بہ آنجا رفتہ ملاقی شدہ خریطہ ہا مذکور رسانید" و استدعا نواب وزیر ظاہر ساخت" کہ بالفعل از قصبہ پٹیالی" (مقام پیدائش حضرت امیر خسرو رح") آں طرف ملک خود بگیرند" و محالات ایں طرف بما تعلق داشتہ" بعد شش ماہ" باز پٹیالی وغیرہ ہم" سہ اتادہ" بشما خواہم داد" و دریں مقدمہ" وزیر قرآن و شمشیر مرتضیٰ علی" درمیان داد"

رستم خاں کہ سر دفتر لشکر بود" و آنچہ بود او بود" ایجاب ہیچ مقدمہ نکرد" لیکن جواب خریطہ ہا بہ لیت و لعل نوشتہ داد" و نواب احمد خاں" عذر معذوری خود۔ و مختاری رستم خاں" نوشت"

اما فوج افغانان" کہ دہ دوازدہ ہزار بودند" در ہراس بودند" و ایں طرف فوج وزیر" ہشتاد ہزار سوار بود"

محمد اصغر مذکور" بعد طے سوال و جواب خریطہ ہا" وقت شب" نزد احمد خاں رفتہ" عنایت نامہ حضور معلیٰ" بہ وے داد" و بزبانی ظاہر ساخت کہ حالا بتوکل بخدا کردہ" و ہیچ اندیشہ از مقابلہ و مقاتلہ بہ دل نیارید" باذن و بحکم خدا فاتح و فتحیاب خواہی شد کہ وقت اجابت دعا رسیدہ"

کچھ میرے شہر کے ساتھ کیا ہے اس ظلم و ستم کی سزا جو شہریوں پر ہوا ہے" جلد تر خدا سے پائے گا" اور ان کو رخصت کر دیا" پس نواب وزیر نے شرفائے شہر کے لٹ جانے کے معاوضہ کے لئے نواب نصیر الدین حیدر کے ہاتھ تین ہزار روپیہ نقد" حضور اقدس کے پاس بھیجا" اور آں جناب نے سید نور الحسن خاں کے ہاتھ سے شہر والوں کے نام کاغذ پر لکھوا کر موافق حال ہر ایک کے تقسیم کرا دیا"

اس کے بعد نواب وزیر نے مصاحبوں میں سے میر داراب کو جو ان کا عزیز تھا حضور معلیٰ کے پاس بھیجا" اور عرض کرایا کہ مسلمانوں کے درمیان صلح کرا دینا طاہر اور سادات کا کام ہے" میں چاہتا ہوں کہ میں اور احمد خاں جو آپ کے ارادتمند ہیں آپ کے ذریعہ سے دونوں میں صلح ہو جائے" چنانچہ یہ قصہ بہت طویل ہے" آخر کار آں جناب نے بعد مبالغہ عرض نواب وزیر کہ فی الواقع وہ امیرے والاشان اور مرد مہذب آداب دان اور وزرائے سلطنت سے تھا اور خلوص و بندگی اس کی آں جناب سے سچی تھی"

اپنے مریدوں میں سے ایک "محمد اصغر کنبوہ" کو جو سلیقہ سفارت کا اور عقل درست و چست رکھتے تھے" خریطہ مہری وزیر بنام احمد خاں اور رستم خاں کے افغانوں کے لشکر میں روانہ فرمایا" انہوں نے وہاں جا کر ملاقات کی اور خریطہ مذکور کو پہنچا دیا اور نواب وزیر کی استدعا ظاہر کی کہ بالفعل "قصبہ پٹیالی" (مولد حضرت امیر خسرو رح) سے اس طرف کا ملک خود لے لیں" اور اس طرف کے محال ہمارے لئے چھوڑ دیں" چھ مہینوں کے بعد پھر پٹیالی وغیرہ بھی مع اتاوہ کے تم کو دے دیئے جائیں گے" اور اس مقدمہ میں وزیر نے "قرآن و شمشیر مرتضیٰ علی" درمیان میں دی"

رستم خاں جو سر دفتر لشکر تھا اور جو کچھ تھا وہ تھا" اس نے کوئی بات قبول نہیں کی" لیکن جواب خریطہ کا ٹال مٹول کا لکھ دیا" اور نواب احمد خاں نے اپنی معذوری اور رستم خاں کی مختاری کا عذر لکھ دیا"

لیکن افغانوں کی فوج جو دس بارہ ہزار تھی۔ خوفزدہ تھی" اور اس طرف وزیر کی فوج اسی ہزار سوار تھی"

محمد اصغر مذکور نے خریطوں کے سوال جواب طے ہو جانے کے بعد رات کے وقت احمد خاں کے پاس جا کر عنایت نامہ حضور معلیٰ (شاہ محمد حمزہ رح) اس کو دیا" اور زبانی اسے بتایا کہ اب توکل بخدا کر کے اور کوئی اندیشہ دل میں نہ لا کر مقابلہ اور مقاتلہ کرو خدا کے حکم سے فتحیاب ہو گے" کیونکہ وقت دعا کے قبول کا پہنچ گیا ہے"

پس دریں جا "محمد اصغر" رسیدہ "سخنانِ دل آویز" نوابِ وزیر را خوش دل ساخت "وزیر کوچ کردہ بیشتر رفت" آخر الامر بست و دوم شوال سنہ ۱۱۶۳ ہزار و صد و شصت و سہ ہجری مابین قصبہ ذر دارہ "و سہاور" جنگ عظیم بمیان آمد" نصیر الدین حیدر خاں "و محمد اسحاق خاں" از امرائے عظیم الشان "و اقربائے نواب وزیر" در میدانِ جنگ آرمیدند" و وزیر زخم تفنگ بر گلو خوردہ راہ فرار اختیار کردند . . . . و نواب وزیر" با فوج خود" از انجا بر آمدہ بعد طے دو کروہ از میدان رزم استادہ "نیرنگی قدرت را تماشا کردہ" کہ نہ فیلان "نہ اشتران" و نہ طویلہ اسپان "نہ خیمہ" نہ توپ خانہ" دیگر آں سر انجام امارت ہیچ نہ دیدہ" آہے سرد از دلِ پُر درد بر آوردہ" و از آنجا نزدیک مارہرہ "در باغات حضرت رسیدہ توقف کردہ" سید احمد سعید خاں را طلبیدہ "برائے آوردن اسباب تکمید زخم تفنگ کہ خوردہ بود" بحضور معلی فرستادند" و ایں سید موصوف" از سادات بارہہ و جاگیرش" در مارہرہ بود" اگرچہ منصب قلیل داشت اما چوں جوہر ذاتی در نہادش از شجاعت و تمکین وغیرہ بود و عمدہا در توقیر و بہ تجلیل او میکوشیدند" و جناب اقدس ہم بسیار بوئے ملتفت بودند" مفر موند" اسباب تکمید از حضور گرفتہ اسپ تازہ" بہ نواب وزیر رسانیدہ" زخم را آتش طاری نمودہ روانہ بیشتر شدند"

پس اس جگہ محمد اصغر نے دل آویز باتوں سے نواب وزیر کو خوش دل کیا" وزیر کوچ کرکے آگے روانہ ہوا" آخر کار بائیس شوال سنہ ۱۱۶۳ ہجری کو قصبہ ذر دارہ اور سہاور کے درمیان جنگ عظیم واقع ہوئی" نصیر الدین حیدر خاں" اور محمد اسحاق خاں امرائے عظیم الشان اور اقربائے نواب وزیر سے میدانِ جنگ میں کام آئے اور وزیر گلے پر بندوق کا زخم کھا کر بھاگ کھڑا ہوا" اور نواب وزیر نے اپنی فوج کے ساتھ وہاں سے نکل کر اور لڑائی کے میدان سے دو کوس کا فاصلہ طے کرکے کھڑے ہو کر نیرنگی قدرت کا تماشا کیا کہ نہ ہاتھی ہیں نہ اونٹ ہیں نہ گھوڑوں کا طویلہ ہے نہ خیمہ ہے نہ توپ خانہ ہے اور ان کے سوائے سر انجام امارت میں سے کچھ نظر نہیں آیا" ٹھنڈی آہیں دلِ پُر درد سے نکالتا ہوا وہاں سے مارہرہ کے پاس حضرت کے باغات میں پہنچ کر اور ٹھہر کر اور سید احمد سعید خاں کو بلا کر بندوق کے زخم کے علاج کے سامان لانے کے واسطے جو اس نے کھایا تھا اُن کو حضور معلی کے پاس بھیجا" یہ سید صاحب موصوف سادات بارہہ سے تھے اور ان کی جاگیر مارہرہ میں تھی" اگرچہ منصب قلیل رکھتے تھے لیکن کیونکہ اُن میں جوہر ذاتی شجاعت و تمکین سے تھا عمدہ لوگ اُن کی نہایت توقیر کرتے تھے" اور جناب اقدس بھی اُن پر بہت لطف و مہربانی فرماتے تھے" علاج کا سامان حضور سے لیکر اسپ تازہ نواب وزیر کو پہنچایا اور وہ زخم کے اچھے ہونے پر آگے روانہ ہوا"

"زنگیوں کے ہاتھوں" کثیر التعداد عباسی عورتوں کی بے حرمتی"

ایسے بہت حادثات دُنیا کی قوموں اور خاندانوں کو پیش آ چکے ہیں" جن میں اُن کی آبرو خاک میں مل گئی اور ناموس کی بربادی ہوئی ہے" تذکرہ بہادرانِ اسلام حصہ اوّل موسوم اصلاحِ اُمت" مؤلفہ کرم الٰہی صوفی ڈنگوی مطبوعہ صوفی پریس پنڈی بہاؤ الدین ضلع گجرات کے صفحہ ایک پر ہے کہ ۔

"آخر کار یہ صاحب الزنج" زنگیوں کا سردار) مارا گیا" جس کے ہاتھ سے دس یا پندرہ لاکھ مسلمان قتل ہوئے تھے" سنہ ۲۷۰ ہجری میں اس فرقہ کا خاتمہ ہوا" یہ چودہ سال چار ماہ تک بغداد کے خلیفہ کا مقابلہ کرتا رہا" خلیج فارس کے دونوں ساحلوں پر قابض رہا" شرفائے عرب کی ہزار ہا عورتوں کی عصمت کو خراب کیا"

بقول مسعودی" ایک ایک ہاشمی" اور عباسی عورت" دو یا تین درہم تک فروخت ہوئیں" اور ایک ایک زنگی کے پاس دس دس بیس بیس تیس تیس تک ایسی شریف عورتیں موجود تھیں" جن کی عصمت میں خلل ڈالتا" اور زنگی عورتوں کی خدمت کا کام اُن سے لیا جاتا" تفصیلی حالات ... تاریخوں میں دیکھنے چاہئیں"

ترجمہ تاریخ طبری جلد سوم حصہ سوم و چہارم کے صفحہ ۹۸۳ اور ۹۸۴ پر ہے کہ شقرمطی عورتوں کی آبرو ریزی میں بھی ایسے بیباک تھے" کہ وہ کئی کئی مل کر ایک عورت کو مشترکہ طور سے اپنے تصرف کے لئے رکھ لیا کرتے تھے" طبری میں ایک عورت کا بیان لکھا ہے کہ" جس نے دوسری عورت سے

جو بہت حسین تھی کہا کہ "میں چاہتی ہوں" "تیرا حال معلوم کروں" اُس نے بیان کیا کہ میں ایک ہاشمی عورت ہوں "اُس زمانے میں عباسی اپنے آپ کو تو ہاشمی اور حضرت علی رضہ کی اَولاد کو "طالبی" کہا کرتے تھے" (ح الف) یہ قوم ہمارے پاس آئی "اس نے میرے ماں باپ بھائی اور شوہر کو قتل کر دیا" اُن کے رئیس نے مجھے گرفتار کر لیا "میں پانچ روز اُس کے پاس رہی پھر اُس نے مجھے نکالکر اپنے ساتھیوں کے حوالے کر کے کہا" کہ اسے پاک کر دو "انہوں نے میرے قتل کا اِرادہ کیا" میں رونے لگی "اُس کے سرداروں میں سے ایک شخص نے مجھے مانگا اُس نے اِجازت دیدی" اُس پر اُس کے تین ساتھیوں نے اپنی تلواریں میان سے نکال کر کہا کہ ہم اسے تیرے سپرد نہیں کریں گے "یا تو اسے ہمیں دیدے" ورنہ ہم اِسے قتل کر دیں گے "اُن کے شور کو سُنکر" رئیس قرامطہ نے اُنہیں بلاکر واقعہ دریافت کیا۔ اور جھگڑے کی وجہ معلوم کر کے کہا کہ یہ تم چاروں کے لئے ہے "اِن چاروں نے مجھے لے لیا" اور اب میں اُن کے ساتھ مقیم ہوں "بخدا میں نہیں جانتی کہ یہ لڑکا ان میں سے کس کا ہے" شام کے بعد ایک شخص آیا "تو اُس نے مجھ سے کہا کہ اُسے مبارکباد دے" میں نے مبارکباد دیدی "اُس نے مجھے چاندی کا ایک سکّہ دیا" دوسرا اور تیسرا آیا "میں اُن میں سے ہر ایک کو مبارکباد دیتی رہی" اور ہر ایک اُن میں کا مجھے چاندی کا سکّہ دیتا رہا"

"باغیوں کے ہاتھوں" متقی باللہ خلیفہ عبّاسی کے محل میں "حرم شاہی کی ناموس ریزی"

ترجمہ تنبیہ و اشراف تالیف علامہ مسعودی میں ہے کہ "ابو الحسین بریدی" افواج لیکر براہ خشکی و دریا "۲۱ رجادی الآخر روز سہ شنبہ ۳۳۲ھ میں مدینۃ السلام" (بغداد) میں داخل ہوا "متقی" (عباسی خلیفہ) اور اُس کے ہمراہ "محمد بن رابق" نے پایۂ تخت سے بھاگ کر "موصل" کی راہ لی "خاص دار الخلافہ "بغداد" اور امراء کے مکانات تاخت و تاراج کئے گئے" اور "حرم شاہی کی ناموس ریزی کی گئی"

اہل مارہرہ کے ناموس پر آنچ نہ آنا

مارہرہ کو جو حادثہ پیش آیا "اور اُس پر ایک ناگہانی بلا نازل ہوئی" خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ "اُس میں کسی کی بھی ناموس ریزی نہیں ہونے پائی" اور یہ بلا جیسی ناگہاں طور سے آئی تھی "اُس سے بھی زیادہ تیزی سے رفع ہو گئی" جیسا کہ مندرجہ بالا واقعہ سے جس کی تفصیل ہم اوپر ابھی دے آئے ہیں "بخوبی ظاہر اور ہویدا ہے"

باب سیزدہم

"غیروں کے اقوال سے قطع نظر کر کے دیکھا جائے تو خود اس قوم کے افراد عام طور سے اپنی تحریرات و دستاویزات میں اظہار نسب کے لئے ہمیشہ "قوم کنبوہ" لکھتے رہے ہیں۔ اُن میں سے کسی نے کبھی "زبیری" نہیں لکھا" یہاں بطور نمونہ چند دستاویزات کی نقول درج کرنا بے محل نہ ہوگا"

"نقل دستاویز صورت حال مرقومہ ۱۱۷۹ ہجری نوشتہ "محمد اشرف ولد محمد عادل کنبو ساکن مارہرہ"

"لا تکتموا الشھادۃ ومن یکتمھا فانہ اثم قلبہ ......"

...... اظہار شہادت موجب سعادت و کتمان آں باعث شقاوت است۔ بنا بر اں سوال میکند۔ دا استشہاد می طلبد احقر العباد ...... (کاتب دستاویز) محمد اشرف ولد محمد عادل "قوم کنبوہ" از سادات عظام "و مشائخ کرام" و از جمہور انام "و کافۂ اہل اسلام" سکنہ قصبہ مارہرہ "سرکار کول" مضافات بصوبہ مستقر الخلافت "اکبرآباد" بدیں معنی۔ کہ ایں سائل را عموی مرحوم "مسمی فتح محمد ولد رحمت خاں کنبوہ" از عرصہ ۳ سالگی" بطوع رغبت خود۔ در فرزندی خود گرفتہ "ازیں ممرکہ فرزندے صلبی نداشت۔ متبنائے خود ساختہ۔ و در حویلی حصۂ خود سکونت بندہ کنانیدہ۔ و بر ترکہ و ورثۂ خود "اہلیہ فتح محمد مرحوم مرقوم۔ قابض و متصرف ساختہ"

چنانچہ تا الیوم ایں سائل بر قریہ و ترکہ و حویلی وغیرہ " قابض و متصرف است " بنا بریں ایں چند کلمہ بطریق صورت حال بقلم آمدہ " ہر کسے بر وقوع ایں حال۔ و صدق ایں مقال۔ اطلاع داشتہ باشد۔ گواہی خود بریں کاغذ ثبت نماید۔ و یا نوشتن آں اجازت فرماید کہ عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور گردد۔ تحریر فی التاریخ یازدہم شہر رجب ۱۱۶۹ھ ہجری "

مارہرہ کے علاوہ " امروہہ و سنبھل " اور دوسرے مقامات کے " کنبوہ حضرات " اپنے نسب و قومیت کے اظہار میں ہمیشہ " قوم کنبوہ " کے الفاظ تحریر کرتے تھے " مثلاً " دستاویز بیعنامہ اقراری " شیخ محمد رفعت ساکن قصبہ سنبھل " مرقومہ ۲۲ر شعبان ۱۱۸۶ھ ہجری (نزد مؤلف) میں تحریر ہے کہ۔

اقرار معتبر صحیح شرعی نمود۔ مخبر باسم و نسب خود " مسمی شیخ محمد رفعت ولد شیخ محمد جہانگیر " ابن دیوان عبد المومن " قوم کنبوہ " ساکن اندرون قلعہ بلدہ سنبھل " الی آخرہ "

اسی طرح " امروہہ کے " حضرات کنبوہ " کی بہت سی دستاویزات و تحریرات موجود ہیں " جن کا نقل کرنا موجب طوالت ہوگا " یہ حضرات کچھ عرصہ پیشتر تک بلا کسی استثناء کے اپنی قومیت کا اظہار " قوم کنبوہ " یا صرف " کمبو " کے لفظ سے ظاہر کرتے تھے۔ اور بعض اب تک بھی کرتے ہیں " اور " زبیریت کی روایت کے قایل نہیں ہیں " صفحہ ۳۳۹ و ۳۴۰)

مؤلف صاحب نے اپنے بیان میں اس خاندان کے دو بزرگوں کی تحریریں پیش کرکے جن بہت سی دستاویزات و تحریرات کی خود کے پاس موجودگی ظاہر کی ہے ہم مانے لیتے ہیں کہ وہ اُن کے پاس ضرور ہوں گی۔ مگر اسی کے ساتھ ہمیں یقین ہے کہ اُن کے پاس کوئی تحریر ۱۱۶۹ھ ہجری سے پہلے کی ہرگز موجود نہیں ہے " ورنہ وہ آسے ضرور درج کتاب کرتے "

لیکن اُن کا یہ بیان کہ " یہ حضرات " اپنے نسب و قومیت کے اظہار میں " ہمیشہ " قوم کنبوہ " کے الفاظ تحریر کرتے تھے " اور کچھ عرصہ پیشتر تک " بلا کسی استثناء کے " اپنی قومیت کا اظہار " قوم کنبوہ " یا صرف کمبو " کے لفظ سے ظاہر کرتے تھے " قطعاً غلط ہے " اور پایۂ ثبوت کو کسی طرح نہیں پہنچتا "

قوموں کے کسی مناسبت یا محل وقوع۔ اور صفت سے مشہور ہو جانے کی چند شہادتیں

اہل علم خوب واقف ہیں کہ کسی مناسبت سے کسی افراد انسانی کا نام رکھ دیا جاتا ہے " کبھی اس کو قبولیت عام ہو جاتی ہے کہ تمام قبیلہ اور گروہ اُسی نام سے شہرت پذیر ہو کر ایک قوم بن جاتی ہے " کوئی قوم اپنے بزرگ کے نام سے " کوئی باسم محل " اور کوئی باسم صفت موسوم ہو گئی ہے "

اگر یہ خاندان بہ اسم محل مشہور ہوا اور ایک زمانہ گذرنے کے بعد اُس کی مسخ شدہ صورت سے دیکھیے کہ اکثر ناموں اور مقامات کی صورتیں مرور ایام سے بدل جایا کرتی ہیں " مثلاً " خاندیس کا " قلعہ آسا اہیر " اب " قلعہ آسیر " کہلاتا ہے " اور " دہلی " کی " سلطان فیروز شاہ " کی بنائی ہوئی ایک عالی شان عمارت " بدیع منزل " کو اب اہل ہند کے کثرت تلفظ سے " بیجے منڈل " جس میں اسلامی نام کا شائبہ بھی نہیں رہا " بولتے ہیں ") موسوم ہو گیا " اور اُس کے افراد نے بھی اس خطاب کو اپنے ناموں کے ساتھ لگا لیا اور لکھا تو یہ کوئی نئی یا اچنبے کی بات نہیں ہے۔ ہمیشہ سے ایسا ہوتا آیا ہے اور آج بھی اُس کی مثالیں کثرت سے موجود ہیں "

روزنامہ انقلاب لاہور مورخہ ۲۰ر ستمبر ۱۹۳۸ء کے صفحہ ۱۲ کالم ۲ و ۳ پر تحریر ہے کہ " باجلاس جناب شیخ محمد یوسف صاحب نائب تحصیلدار و بندوبست و اسسٹنٹ کلکٹر درجہ دوم چکوال " بنام فتح خاں ولد جہان خاں " قوم کھوکھر راجپوت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ غلام حسین پسر امام دین " قوم چشتی "

اور ۴ر جنوری ۱۹۳۹ء کے صفحہ کالم ۳ پر لکھا ہے کہ۔

اشتہار عدالت مسٹر ایم برج صاحب بہادر سب جج درجہ چہارم ایبٹ آباد "ہزارہ" غلام احمد نابالغ ولد نامعلوم "قوم سواتی"
ساکن ہرہو تہر ملنگڑی صابر شاہ تحصیل مانسہرہ "برفاقت یعقوب ولد عباس خان" قوم سواتی "ساکن مذکور مدعی" بنام عبدالرحمن خان
ولد امیر خان..... میر باز گل "قوم سواتی"

اور ۲۴ جولائی ۱۹۳۹ء کے صـ کالم ۳ پر درج ہے کہ"

بعدالت جناب مکھن لال صاحب بی۔ اے "ایل۔ ایل۔ بی" پی۔ سی۔ ایس" سینیر سب جج بہادر گوجرانوالہ "باختیارات مطالبہ خفیفہ
(نمبر مقدمہ ۲۱۵ بابت ۱۹۳۹ء)...... ایشر داس ولد لالہ سوہن لال" قوم اروڑہ "ساکن گوجرانوالہ مدعی" بنام محمد امیر ولد مولوی دین محمد"
قوم زمیندار "ساکن گوجرانوالہ "حال اسسٹنٹ بلاک انسپکٹر سانگلہ ہل تحصیل شیخوپورہ"

اس قسم کی مثالوں کے لئے کتب خانوں کے چکر لگانے اور کتابوں کی ورق گردانی کرنے کی مطلق ضرورت نہیں ہے" وہ روزمرہ ہماری نگاہوں سے خود بخود گذرتی رہتی ہیں" ایسی بہت مثالیں ہم پیش کر سکتے ہیں۔ مگر طوالت کے خیال سے ان تین ہی پر اکتفا کر کے۔ کیا مؤلف صاحب سے دریافت کر سکتے ہیں کہ "جن لوگوں نے اپنے آپ کو عدالت کے کاغذات میں "قوم چشتی" (چشت "ایک قصبہ کا نام ہے" اور بزرگان طریقت کے سلسلوں میں سے ایک سلسلہ کا نام بھی "چشتی" ہے) "قوم سواتی" (سوات۔ یاغستان "میں ایک خان یا رئیس کا گدی نشین شہر ہے") اور قوم زمیندار" (زمیندار "اُس کو کہتے ہیں جسے زمین پر مالکانہ حقوق حاصل ہوں) لکھوایا ہے" اُن کا نسب بجائے "چشتی" "سواتی" اور "زمیندار" ہے" یا کسی طرح بھی کھینچ تان کر ثابت کیا جا سکتا ہے" اگر اس خاندان کے ان افراد نے اپنے ناموں کے ساتھ اپنی دستاویزات و تحریرات میں "لاپرواہی سے "قوم کنبوہ قریشی" یا "قوم کنبوہ" یا "قوم کنبوہ زبیری" یا صرف "کنبوہ" اور "قوم کنبوہ" لکھدیا ہے" تب بھی ایک مؤلف کے لئے اُن کی اصلیت یا نسب کا معلوم کر لینا کچھ زیادہ دشوار نہیں تھا" مگر جب" اُس کی نیت ہی نیک نہ ہو۔ اور اُس نے اِس خاندان کی اظہر من الشمس باتوں کے اخفا ہی کو مدنظر رکھکر قلم اُٹھایا ہو تو اُس سے یہ توقع رکھنی کہ وہ حقیقت کو ظاہر کرے گا" تحصیل حاصل ہے"

آئین اکبری جلد اول حصہ دوم مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے صـ۱۰۳ پر لکھا ہے کہ "۲۳ چری "چینیا" رجوری چیپ" ذات گوالیری" اور صـ۱۰۳ میں نمبر ۳۵ پر لکھا ہے کہ "نوکو میرال کھڑ" ذات اکبرآباد" گوالیار" اور "اکبرآباد" (یہ ہم مؤلف امروہوی سے ہی دریافت کرتے ہیں کہ "ذات گوالیری" اور "ذات اکبرآباد" سے مطلب کیا ہے" کیا یہ خاندان جن کی ذاتیں "گوالیری" اور "اکبرآباد" لکھی گئی ہے" دو شخصوں کی اولاد یا نسل سے ہیں" یا یہ دونوں اپنے اُن مقامات کے ناموں سے مشہور ہوئی ہیں" جہاں سے اُن کے بزرگوں نے نقل مقام کیا تھا" عام طور سے "قوم راجپوت" لکھی جاتی ہے" مگر طالب علم تک جانتے ہیں کہ راجپوت کوئی نسل یا لقب نہیں ہے" اور راجپوتوں میں اعلیٰ و ادنیٰ بہت نسلیں داخل ہیں۔ مؤلف امروہوی ذرا یہ بھی بتادیں کہ عباسی خاندان سندھ میں عباسی کے بجائے جاموٹ کیوں کہلاتے ہیں"

زبیری خاندان کے بزرگوں کا چار پانچ سو برس" حالیہ زمانے تک کی کتابوں میں مسلسل اپنے قریشی زبیری نسب کا اظہار کرتے آنے کی شہادتیں

یہاں ہم پھر بتاتے ہیں کہ "اِس دودمان عالی شان کا حال" مؤلف موصوف کے "غیر معروف خاندان کا سا نہیں ہے" جس کے نسب اور بزرگوں کا ذکر انہیں کی تحریر کے مطابق "ستر اسی برس سے پہلے کی کسی بھی کتاب میں نہیں لکھا گیا" بخلاف اُن کے خاندان کے "زبیری کنبوہی خاندان کے بزرگوں کے حالات اتنے عرصہ سے کتابوں میں مسلسل درج ہوتے چلے آئے ہیں کہ ۸۰۰ھ ہجری کو اُن کے حالات میں پیش کرنا کچھ بھی اہمیت نہیں رکھتا" صرف اسی قدر نہیں ہے کہ ان بزرگوں کے صرف حالات ہی لکھے ہیں بلکہ اُن میں اُن کے نسب پر بھی کہیں وضاحت سے اور کہیں سرسری طور سے روشنی ڈالی گئی ہے" مگر مؤلف صاحب نے اُن کتابوں کے بیانات کی طرف اشارہ تک کرنا گوارا نہیں کیا" اور نہایت دیدہ دلیری کے ساتھ لکھدیا ہے کہ "یہ ہمیشہ قوم کنبوہ کے الفاظ تحریر کرتے تھے" ذرا لفظ ہمیشہ کی وسعت پر خیال کیجئے کہ اس کا سلسلہ کہاں جا کر ختم ہو سکتا ہے" اور پھر اُن کا اپنے بیان کے ثبوت میں ۱۱۷۹ھ ہجری کو پیش کرنا ملاحظہ فرمائیے" جہاں اُن کے ہمیشہ کی حد ختم ہوتی ہے" ہمیں تو یہ بتایا گیا ہے کہ "خدا ہمیشہ سے ہے اور

ہمیشہ رہے گا۔" لیکن ہمارے اِن مؤلف صاحب نے یہاں ہمیشہ کی جو حد قائم کی ہے "وہ سامنے ہے اُس پر ہمیں کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے۔" آگے چلکر انہوں نے ایک قدم اور بڑھایا ہے "جہاں لکھا ہے کہ "بلا کسی استتار کے اپنی قومیت کا اظہار "قوم کنبوہ" یا "صرف کمبوہ" کے لفظ سے ظاہر کرتے تھے۔" لفظ بلا استتار یہاں خاص طور سے قابلِ غور ہے "ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ سب سے پہلے اِس دودمان کے نسب میں کسی التباس کا شبہہ نہ تھا اپنے تو جانتے ہی تھے غیر تک بھی ناواقف نہ تھے "جب التباس پیدا ہونے کا خطرہ پیدا ہوا تو "حضرت مخدوم شیخ جمالی رح" کے پوتے "احمد خاں اکبر شاہی دہلوی نے اپنی کتاب "شجرۂ سہروردیہ" میں آپنے یہ لکھکر دُور کر دیا کہ "بغلط عام کنبوہ" شہرت یافتہ "نواب شہباز خاں" سے جب اُن کا شجرہ دریافت کیا گیا تو انہوں نے اُسے "حضرت زبیر رضہ" تک فر فر سنا دیا تھا" یہ شجرہ رسالہ نواب شہباز خاں میں۔ جو شہنشاہ اکبر کے ہی زمانہ میں تصنیف ہوا ہے درج ہے۔" "عملِ صالح" جو شاہ جہاں کے حالات میں مشہور و معروف کتاب ہے۔ اور مطبوعہ ہے "اِسی دودمان" کے ایک بزرگ "محمد صالح لاہوری کنبوی" کی لکھی ہوئی ہے" اپنی کتاب میں اِن بزرگ نے بھی اپنے نسب کی طرف اِشارہ کیا ہے" اور اپنے آپ کو "آلِ محمدؐ" یعنی آنحضرت صلعم کے خاندان سے ہونا لکھا ہے "سلسلۂ عالیہ" مصنف حکیم عنایت حسین صاحب مارہروی "جو شاہ عالم کے آخری زمانے میں یا کچھ ہی بعد لکھی گئی ہے" اُس کے اِس فقرہ کو بھی ہم درج کر آئے ہیں "کہ این گروہ از قبیلۂ خاص رؤسائے قریش است" ؛ "چالیس" "پچاس" اور قریباً سو برس پہلے کی اِسی خاندان کے بزرگوں کی لکھی ہوئی "جو تین کتابوں "المشاہیر" تصنیف منشی فیض احمد صاحب مارہروی" "شمس التواریخ" تصنیف حکیم نواب علی صاحب امروہوی" اور "رسالہ مبارک" تصنیف نواب مبارک علی خاں میرٹھی) کے نام مؤلف صاحب نے اپنی اِس بحث میں ظاہر کئے ہیں" اُن میں بھی "تینوں نے" اپنے خاندان کو "زبیری قریشی" ہی لکھا ہے" ہم اِس موقع پر تفصیل میں نہیں جا رہے ہیں" ہم نے یہاں صرف اُن کتابوں کو لیا ہے جو اِسی خاندان کے بزرگوں کی لکھی ہوئی ہیں اور اُن کتابوں کو بالکل چھوڑ دیا ہے۔ جو دوسروں نے لکھی ہیں" اور جن میں اِس خاندان کے نسب پر بخوبی روشنی ڈالی گئی ہے" کیونکہ ہمیں تو یہاں محض یہ دکھانا ہے کہ "زبیری کنبوی" خاندان کے بزرگ قدیم سے اپنی کتابوں میں اپنے نسب کے متعلق کیا لکھتے آئے ہیں" اور مؤلف صاحب کا یہ لکھ دینا کہ "ہمیشہ سے "بلا کسی استتار کے" یہ خاندان اپنی قومیت کا اظہار "قوم کنبوہ" یا "صرف کمبوہ" کے لفظ سے ظاہر کرتا رہا ہے" کتنی حقیقت رکھتا ہے" آخر یہ کیا بات ہے کہ مؤلف موصوف کو جہاں نظر آیا ہے "کنبہ" اور "کمبوہ" ہی نظر آیا ہے اور "کنبوی" ایک جگہ بھی نظر نہیں آیا۔"

مؤلف صاحب کی اِس غلط بیانی کا بھی پردہ فاش کر کے یہ اور بتانا ہے کہ "اِس سلسلہ میں مؤلف امروہوی نے "کنبوہ" کو جو ایک جگہ "کمبوہ" لکھا ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے" اور پھر یہ بھی ہے کہ "شہنشاہ اکبر کے زمانے سے لے کر ہر دَور میں جو تاریخیں ہمارے زمانے تک لکھی گئی ہیں اُن میں مسلسل خاندان زبیری کے بزرگوں کے ناموں کے سامنے لفظ "کنبوی" لکھا گیا ہے "کمبوہ" کسی میں بھی نہیں لکھا ہے" کسی جگہ اگر "کنبوہ" لکھ گیا ہے تو اُس کی وجہ کاتب کی غلطی سے کنبوی کی "ی" کا چھوٹ جانا ہے" اور "کنبوہ" کی "ہ" "کنبوی" کی "ی" کی بگڑی ہوئی شکل ہے" کاتبوں اور ناقلوں نے جیسے بے جانے بوجھے لکھ دیا ہے"

اِس بحث کو ختم کرتے ہوئے" اب ہم اِس "دودمان عالی شان" زیر بحث کے ایک اور بزرگ کی مصنفہ کتاب "شرح قصائدِ عرفی" کا دیباچہ یہاں لکھتے ہیں" یہ بزرگ "سنبھل ضلع مراد آباد" کے رہنے والے تھے" انہوں نے یہ کتاب "شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر غازی رح" کے زمانے میں دوستوں کی فرمایش سے سنہ ۱۰۸۱ ہجری میں لکھی ہے" اور دیباچہ میں اپنے آپ کو صاف "زبیری" لکھا ہے" جو اُن کا نسب تھا" ملاحظہ ہو"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تصنیف فقیر حقیر ہیچمدان کج مج زبان "محمد شفیع بن شیخ شاہ محمد بن"   تصنیف فقیر حقیر ہیچمدان کج مج زبان "محمد شفیع بن شیخ شاہ محمد بن

(نوٹ ما) "محمد شفیع" مصنف شرح قصائد عرفی کا سلسلۂ نسب "حضرت مخدوم شیخ اسحٰق قدس سرہ العزیز برادر حقیقی حضرت مخدوم شیخ سماءُ الدین قدس سرہ العزیز تک اِس طرح ہے کہ "محمد شفیع" ابن شیخ شاہ محمد" ابن شیخ راجح الدین عرف شیخ راجو سنبھلی زبیری" ابن شیخ رکن الدین" عرف شیخ بڈھ ابن شیخ یحییٰ عبد السلام الملقب بہ شیخ اجھن رح ابن حضرت مخدوم شیخ اسحٰق قدس سرہ العزیز" اور حضرت مخدوم شیخ اسحٰق قدس سرہ العزیز کا سلسلۂ نسب "حضرت زبیر رضہ تک اِس طرح ہے کہ "حضرت مخدوم شیخ اسحٰق" ابن مولانا شیخ فخر الدین" ابن شیخ فتح اللہ ابن جمال الدین" ابن اسمٰعیل" ابن ابراہیم" ابن شیخ حسن" ابن شیخ کمال الدین" ابن شیخ حسن" ابن عیسیٰ" ابن نوح" ابن

بن شیخ راجح الدین عرف شیخ راجو سنبھلی زبیری" قطع مدعا قلم
برمیدارد" که چون اکثر یاران فقیر را اعتقاد خود که ظن المومنین خیراً
واثق است" سخن سنج و نکته فہم تصور نمودہ بمقابلہ دیگر از کتب متداولہ
عربی و فارسی تشریف مے آوردند۔ و سرفراز میفرمودند" چنانچہ قصاید
چہرہ آرائے عروس تازہ طرازی شیرازی طاب اللہ ثراہ۔ درمیان نیز
مے آمدہ۔ اگرچہ ظہیر لاہوری" و قطب الدین بنی اسرائیل دہلوی غفر اللہ لہ
در شرح خود ہا" و تحقیقات و امضات آں قصاید سر مو فرو گذاشت نکردہ
اند" بلکہ بناخن اعتراض رخسارۂ شاہدان را خراشیدہ۔ و در مرہم
اصلاح کوشیدہ" لیکن بحکم آنکہ" المعنی فی بطن الشاعر" در اکثر
مواقع بانگشت ادراک ایشاں بہ گرہ کشائی" عقدۂ عرفی بست"
کہ عقدہ کشایانِ طرازی" و گرہ بازانِ شیرازی بہ ہرش چرخ میزنند
نرسیدہ بود" و یارانِ اہل طبع بوضیح آں ایستادگی میکردند" ضرورت
وقت دانستہ آنچہ کہ ایں واقفیت از محاورۂ ایں فن۔ و پایۂ ناشناس
سخن از خدمت" شیخ محمد رستم سلمہ اللہ تعالے" کہ رستم معرکۂ نکتہ سنجی است"
و ایشاں از خدمت" مرزا محمد بقا" و ایشاں از خدمت" شیخ دوست محمد"
و ایشاں از خدمت مصنف (یعنی عرفی شیرازی) اُو ہم اللہ تعالی ایماناً
کاملاً و جنتہ و فردوساً" سابقاً سبقاً خواندہ۔ و طلقاً طلقاً بوادی معنی
رسیدہ سینہ بسینہ گوش بگوش حاصل کردہ بود۔ تقریر میکرد" یکمرتبہ
آوازۂ تحسین و آفرین بلند ساختہ تکلیف و تحریر شرح میکردند" بموجب
حکم محکم و ابا مسایل و بہ تسوید آں۔ در زمان عدالت بنیان" حامی دین
شاہ عالمگیر

نیست چو داغ و نیکش بر تر — حامی دین شاہ عالمگیر
آنکہ از نام اوست رونق ملک — و آنکہ در کام اوست تاج و سریر
ہست سلطان و لے فقیر مزاج — ہست درویش لیک سلطان گیر
ہادی دین و مہدی کامل — در طریقہ محمد است بشیر
راست گویم در اعتقاد درست — زہ پیر است شاہ عالمگیر

و بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ"... پرداخت" و آنرا وسیلہ جزیلہ

بن شیخ راجح الدین عرف شیخ راجو سنبھلی زبیری" لکھنے کی وجہ یہ
ہوئی کہ کیونکہ فقیر کو اکثر دوست اپنے اعتقاد سے بموجب ظن المومنین خیراً
سخن سنج اور نکتہ فہم تصور کرکے دوسروں کے مقابلہ میں کتب متداولہ عربی و
فارسی لیکر تشریف لاتے اور سرفراز فرماتے ہیں" چنانچہ قصاید چہرہ آرائے
عروسی تازہ طرازی شیرازی طاب اللہ ثراہ بھی درمیان میں آئے" اگرچہ ظہیر
لاہوری اور قطب الدین بنی اسرائیل دہلوی غفر اللہ لہ نے اپنی شرحوں میں اور
تحقیقات و باریکیوں میں قصاید کی بال برابر بھی فروگذاشت نہیں کی ہے"
بلکہ ناخن اعتراض سے دیکھنے والوں کے گال کھرچے اور مرہم اصلاح میں کوشش
کی ہے" لیکن المعنی فی بطن الشاعر کے حکم کے بموجب اکثر موقعوں میں اپنی سمجھ
کی انگلی سے عقدۂ عرفی کی گرہ کھولی ہے" جس سے عقدہ کشایانِ طرازی اور
گرہ بازانِ شیرازی اُن کے سروں پر منڈلاتے ہوئے نہیں پہنچے تھے" اور یارانِ
اہلِ طبع ان کی وضاحت میں اعتراض کرتے ہیں" ضرورت وقت جان کر جو
کچھ بھی اس فن کے محاوروں کی واقفیت اور پایۂ ناشناس سخن "شیخ محمد رستم
سلمہ اللہ تعالی کی خدمت سے جو رستم معرکۂ نکتہ سنجی ہے اور انہوں نے خدمت
سے مرزا محمد بقا کی" اور انہوں نے خدمت سے شیخ دوست محمد کی" اور
انہوں نے خدمت سے مصنف (یعنی عرفی شیرازی) رحمہم اللہ تعالی ایماناً
کاملاً و جنتہ و فردوساً" سے سبقاً سبقاً پڑھا اور جو باریکیاں اُن سے معلوم
ہوئیں۔ اور جنہیں سینہ بہ سینہ اور گوش بگوش حاصل کیا تھا میں نے
سنایا" تو ایک مرتبہ ہی تحسین و آفرین کی آوازیں بلند کرکے اس کی شرح
لکھنے پر مجھ سے اصرار کیا" لیکن بموجب حکم محکم ان مسائل کا لکھنا عدالت
بنیان حامی دین شاہ عالمگیر

نیست چو داغ و نیکش بر تر — حامی دین شاہ عالمگیر
آنکہ از نام اوست رونق ملک — و آنکہ در کام اوست تاج و سریر
ہست سلطان و لے فقیر مزاج — ہست درویش لیک سلطان گیر
ہادی دین و مہدی کامل — در طریقہ محمد است بشیر
راست گویم در اعتقاد درست — زہ پیر است شاہ عالمگیر

بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ" کے زمانہ میں ہوئی" اور اس کو وسیلہ

(بقیہ نوٹ ۱ صفحہ ۳۵۵) ابن محمد" ابن سلیمان" ابن داؤد" ابن یعقوب" ابن ایوب" ابن ہادی" ابن مصعب" ابن حضرت زبیر رض" ابن العوام" ابن خویلد"
بن اسد بن عبد العزی بن قصی" (المشاہیر و شجرہ سہروردیہ) ہمارے ان شواہد کی موجودگی میں کیونکہ مؤلف امروہوی کے اس بیان کی بھی کہ اس خاندان عالی شان کے بزرگ اپنے
آپ کو بلکہ صدیقی ہی لکھا کرتے تھے اور زبیری قریشی نہیں لکھتے تھے" بخوبی تردید ہو گئی ہے" اسلئے ہم دیکھتے ہیں کہ آگے وہ اور کیا گل افشانی کرتے ہیں"

بجہت خیر باد جود ساخت " چوں برائے تاریخ اختتامش کہ مسمّی " بکار نامۂ فیض " دکار فیض میگوئی" گشتہ بہ شناخت اسمش را تاریخش یافت ؎
(۱۲۵۲ھ)

سال ختم کتاب مے جستم
بود تو اش کار فیض میگوئی

خاتمہ کتاب | تمت تمام شد کار من نظام شد۔ ایں کتاب شرح قصائد عرفی تحریر یافت " در دار الخلافہ " شاہجہاں آباد " تمام شد "

حاشیہ اختتام | بتاریخ ہشتم جمادی الثانی ۱۲۵۲ ہجری از مقابلہ یک نظر " شرح قصاید عرفی " از مصنف شفیع سنبھلی " فراغ یافت " چوں مقابل عنہ بس غلط بود " بنا بریں شکوک یافت " اگر زمانہ فرصت میدہد " نسخہ صحیحی بدست آوردہ شکوکش رفع میکند " والّا مرضیٔ خدا " فقط دہرم چند تھا "

جز نیہ اپنے خیر باد وجود کا بنایا " کیونکہ اس کے اختتام کی تاریخ کے واسطے بکار نامۂ فیض " تاریخ ہوئی ہے۔ اس کے نام کی پہچان کی یہ تاریخ نکلی ہے ؎

گفت ہاتف بہ پردۂ تعبیر
صورتِ نقش خود بخود شد تصویر

خاتمہ کتاب | تمت تمام ہوئی " کام میرا ختم ہوا " یہ کتاب شرح قصاید عرفی دار الخلافہ شاہجہاں آباد میں لکھی گئی اور تمام ہوئی "

حاشیہ اختتام | ۸ رجمادی الثانی ۱۲۵۲ ہجری کو مقابلہ سے ایک نظر میں " شرح قصاید عرفی " مصنفہ شفیع سنبھلی " سے فراغت پائی " کیونکہ مقابل عنہ بہت غلط تھی اس لئے شکوک پائے " اگر زمانے نے فرصت دی تو نسخہ صحیح حاصل کرکے اس کے شکوک رفع کروں گا " ورنہ خدا کی مرضی " فقط دہرم چند تھا "

باب چہاردہم

" باقی رہا " شیخ سماء الدین رح " اور " نواب شہباز خاں " کا سلسلۂ نسب جو " صاحب المشاہیر " نے " مصعب بن زبیرؓ بن العوام " تک درج کیا ہے " اول تو اس کے متعلق کوئی تاریخی حوالہ نہیں پیش کیا گیا " مخدوم شیخ سماء الدین رح " کے نسب نامہ کے متعلق صرف " شیخ ادہن دہلوی " کی ایک تصنیف " مصباح العارفین " نام کا حوالہ دیا گیا ہے " لیکن اس کتاب کا کہیں وجود نہیں پایا جاتا "

" ہم نے ہندوستان کے " مختلف کتب خانوں میں تلاش و جستجو کی " جن حضرات کو مشائخ و اولیاء کے تذکروں سے شغف و دلچسپی ہے۔ اور ان کے یہاں اس کا ۔۔ کافی ذخیرہ موجود ہے۔ معلوم کیا " خود مصنفین کے اہلِ خاندان سے دریافت کیا۔ لیکن اس کتاب کا کہیں وجود نہ ملا " پھر معلوم نہیں کہ۔ صاحب شمس التواریخ " اور " المشاہیر " نے اس کتاب کا جو حوالہ دیا ہے۔ وہ کہاں سے " اور یہ حوالہ کہاں تک صحیح ہے " سیرۃ المشائخ میں " مصباح العارفین " نام کی کوئی کتاب، اگر " شیخ ادہن دہلوی " کی تصنیف تھی تو " حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی " نے جو ان کے حقیقی نواسہ تھے اپنی مشہور تصنیف " اخبار الاخیار " کی تالیف کے وقت اس سے ضرور استفادہ کیا ہوگا " اور وہ ان کے پیشِ نظر رہی ہوگی " پس اگر اس کتاب میں جیسا کہ کہا جاتا ہے " مخدوم شیخ سماء الدین رح " کا سلسلۂ نسب منقول ہوتا تو " حضرت محدث دہلوی " اخبار الاخیار " میں اس کے حوالہ سے " مخدوم صاحب کا نسب نامہ " ضرور نقل فرماتے۔ پورا نقل نہ کرتے تو ان کے " قریشی و زبیری " ہونے کا تذکرہ تو ضرور کیا کرتے " جس طرح کہ انہوں نے اکثر مشائخ کرام کے حالات میں ان کے نسب کا ذکر کیا ہے " باوجودیکہ " مصباح العارفین " محدث دہلوی کے " حقیقی نانا کی تالیف بیان کی جاتی ہے ۔ اور کہا جاتا ہے کہ اس میں " مخدوم شیخ سماء الدین رح " کا پورا سلسلۂ نسب " حضرت زبیر بن العوام رضؓ " تک منقول ہے " لیکن حضرت محدث دہلوی کا " اپنی تصنیف اخبار الاخیار میں " مخدوم صاحب کے تفصیلی حالات لکھنے کے باوجود " ان کے نسب کے متعلق ایک حرف بھی نہ لکھنا۔ کیا معنی رکھتا ہے " یہ ہی نہیں بلکہ اپنے

نانا "شیخ اوحد" کے حالات میں "مصباح العارفین" نام کی۔ اُن کی کسی تالیف کا کوئی تذکرہ نہیں کرتے" کیا یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ "حضرت محدّث دہلوی" مشائخ کا تذکرہ لکھتے ہوئے۔ جب اپنے نانا کے حالات تحریر فرماتے ہیں۔ تو اُس میں اُن کی اِس تالیف کا ذکر نہ کرتے۔ جو مشائخ کے حالات میں تھی" حالانکہ دیگر مشائخ کے تذکرہ میں وہ برابر اُن کی تصنیف کا ذکر تعریف کے ساتھ کرتے ہیں" پس اِن حالات کو دیکھتے ہوئے یہ امر درجہ یقین کو پہنچ جاتا ہے کہ "صاحبان شمس التواریخ والمشاہیر" نے "زبیریت" کے ثبوت میں، جس کتاب "مصباح العارفین" کا حوالہ دیا ہے وہ "صاحب رسالہ مبارک" کے حوالہ "اکبر نامہ" سے" جو انہوں نے "نواب شہباز خاں" کے ثبوت نسب کے متعلق تحریر یہ ہے" زیادہ وقعت نہیں رکھتا" نہ "مصباح العارفین" نام کوئی کتاب "شیخ اوحد دہلوی" کی تصنیف سے تھی۔ اور نہ اس میں کسی "کنبوہ بزرگ کا" "نسباً زبیری" ہونا ظاہر کیا گیا تھا" یہ سب زمانہ مابعد کی موضوعات ہیں" صفحہ ۳۴۱ تا ۳۴۲

مؤلف امروہوی کی غلط بیانیاں

مؤلف صاحب سے اِس بیان میں "بسم اللہ ہی غلط ہوگئی ہے" یعنی اُن کا یہ لکھنا کہ "باقی رہا شیخ بہاؤ الدین رح" اور "نواب شہباز خاں" کا سلسلہ نسب، جو صاحب المشاہیر نے "مصعب بن زبیر بن العوام" تک درج کیا ہے" صحیح نہیں ہے" "المشاہیر" کے نوشتہ کے بموجب یہ دونوں بزرگ، "حضرت زبیر رض" کے دو صاحبزادوں "حضرت مصعب رض" اور "حضرت عبد اللہ" کی اولاد ہیں" نہ "حضرت مصعب" کی" مگر ہم سمجھتے ہیں کہ "نواب شہباز خاں" کا نام اس موقع پر غلطی سے لکھا گیا ہے کیونکہ وہ یہاں محض "مخدوم صاحب" کے نسب کے حوالہ پر بحث کر رہے ہیں"

مؤلف صاحب کا یہ لکھنا بھی کہ "مخدوم صاحب" کے سلسلہ نسب کے متعلق کوئی تاریخی حوالہ نہیں پیش کیا گیا۔ صداقت سے خالی ہے" جب آگے وہ خود ہی "مصباح العارفین" کے حوالہ کا ذکر کر رہے ہیں تو ہمیں اُن کی اِس غلط بیانی پر اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے"

اب رہی یہ بات کہ پہلے تو انہوں نے اِس کتاب کو بلا کسی دلیل کے صرف اپنی رائے ہی سے مشتبہ قرار دیدیا تھا" مگر یہاں جن دلیلوں سے اُس کے وجود سے انکار کیا ہے" اُن کو بھی جانچ لیا جائے تاکہ اُن کی اِس تحقیقات کی حقیقت بھی معلوم ہوجائے" کسی شخص کا یہ دعویٰ کرنا کہ اُس نے "برّ اعظم ہند کے کل "سرکاری" "پبلک" "اور خانگی کتب خانے" دیکھ لئے ہیں یا صرف "صوبجات متحدہ" اور "پنجاب" یا کسی ایک ہی شہر کے" تمام لوگوں سے جو "مشائخ کرام" اور "اولیائے عظام" کے حالات سے دلچسپی رکھتے ہیں" کتاب "مصباح العارفین" کو دریافت کرلیا ہے" ہرگز مبنی برصحت نہیں ہو سکتا"

اگر چند کتب خانوں اور چند اشخاص کے پاس یہ کتاب نہیں ملی" تو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ "وہ وہاں ہو" جہاں آپ نہیں جاسکے اور تلاش کرنے کی نوبت نہ آسکی ہو" سب جانتے ہیں کہ "تقریباً سو برس پہلے تک "ہندوستان" میں چھاپے کا رواج نہ تھا" کتابیں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں اِس لیے ان کی تعداد بہت ہی محدود ہوتی تھی"

لاتعداد کتابیں جس طرح معدوم ہوئیں

ہم کہیں اوپر اشارہ کر آئے ہیں کہ "کتابوں کی کثیر تعداد اب دنیا میں باقی نہیں رہی" مگر اُن میں سے بعض کتابوں کے حوالے اور بعض کے صرف نام دوسری کتابوں میں لکھے ہیں۔ اگر اُن کے حوالے اور نام اِن کتابوں میں نہ آجاتے تو کون جان سکتا تھا کہ کبھی یہ کتابیں عالم وجود میں آئی ہوں گی"

بہت سی تو لڑائیوں کے ہنگاموں میں تلف ہوگئیں" بہت آگ اور زلزلوں کے نذر ہوئیں" بہت سی بارش و سیلاب سے خراب و برباد ہوئیں" بہت سی دیمک کے بھینٹ چڑھیں" اور بہت دوکانداروں کی پڑیاں بنکر غائب ہوگئیں" "علامہ شبلی" نے "الفاروق" میں لکھا ہے کہ "عروہ بن حضرت زبیر"

"المتوفی ۹۴ھ ہجری نے "آنحضرت صلعم" کے حالات میں ایک کتاب لکھی جو اسلام کی پہلی کتاب ہے" صاحب کشف الظنون" اور "حاجی خلیفہ نے بھی یہی لکھا ہے" طبقات ابن سعد جز خامس" میں "حضرت عروہ رضؓ" کے حالات میں "ہشام بن حضرت عروہ رضؓ" کی یہ روایت لکھی ہے کہ "میرے والد "عروہ رضؓ" نے "جنگ حرہ" ۶۳ھ ہجری کے دن تمام فقہ کی کتابیں جو اُن کے پاس تھیں جلا دیں" اس کے بعد وہ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ اِن کتابوں کا میرے پاس اس وقت ہونا میری اولاد اور مال سے میرے نزدیک محبوب تر ہوتا" "زبیر ابن ابو بکر بکار بن عبد اللہ بن مصعبؓ بن ثابت بن امیر المومنین حضرت عبد اللہ بن حضرت زبیرؓ" کی مشہور کتاب "انساب القریش" کا جس کے کچھ حوالے دوسری کتابوں میں آئے ہیں اور مورخین اُس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں" آج باوجود تلاش بسیار کے کہیں کھوج نہیں ملتا" حضرت امام بخاریؒ" اور دوسرے بزرگوں کی بھی بہت کتابیں جن کے نام معلوم ہیں نہیں ملتیں" مسعودی نے جو اسلام کے ہیروڈوٹس کہلاتے ہیں" سو ڈیڑھ سو کتابیں لکھیں تھیں۔ اب اُن کی دو تین کتابوں "مروج الذہب و معدن الجواہر" اور "تنبیہ والاشراف" کے سوا دوسری سب مفقود ہیں" اپنی اِن کتابوں میں اکثر موقعوں پر وہ بات کو تشنہ چھوڑ کر لکھ دیتے ہیں کہ "ہم نے اِس بات کو اپنی "کتاب الاوسط" یا فلاں کتاب میں تفصیل سے لکھا ہے" مگر وہ کتابیں کہاں ہیں"

"طبقات ابن سعد" کے متعلق "علامہ شبلی" مرحوم و مغفور نے "سیرۃ النبی" حصہ اوّل مطبوعہ مطبع معارف اعظم گڈھ کے صفحہ ۲۴ و صفحہ ۲۵ پر لکھا ہے کہ "یہ کتاب قریباً ناپید ہو چکی تھی یعنی دُنیا کے کسی کتب خانہ میں اس کا پورا نسخہ موجود نہ تھا" ــــ "شاہنشاہ جرمن (قیصر ولیم) کو اُس کی طبع و اشاعت کا خیال ہوا چنانچہ ایک لاکھ روپیہ جیب خاص سے دیئے اور "پروفیسر ساخو" کو اس کام پر مامور کیا کہ ہر جگہ سے اُس کے اجزاء فراہم کرکے لائیں "پروفیسر صاحب نے "قسطنطنیہ" "مصر" اور "یورپ" جاکر جابجا سے تمام جلدیں بہم پہنچائیں" یورپ کے بارہ پروفیسروں نے الگ الگ جلدوں کی تصحیح اپنے ذمہ لی" چنانچہ نہایت اہتمام سے اور صحت کے ساتھ یہ نسخہ "لیدن" (ہالینڈ) میں چھپکر شائع ہوا" مگر ہمیں اِس کتاب کی بارہ جلدوں میں سے نو مل سکیں اور تین اب تک نہیں ملی ہیں) ح الف

تاریخ طبری کا بھی وہی حال تھا جو "علامہ شبلی" نے "طبقات ابن سعد" کا لکھا ہے "یہ کتاب بھی جس کے متفرق اجزا گوشہ گمنامی میں پڑے ہوئے تھے "یورپ" والوں نے کثیر صرفہ اور کوشش بسیار کے بعد تلاش کرکے ۱۸۷۹ء میں چھپوائی" مگر "طبقات ابن سعد" اور "تاریخ طبری" "یورپ والوں کی وجہ سے نہ مل جاتیں تو ہم" اِن مولف صاحب کے کئی جوابات کے دینے میں یقیناً قاصر رہ جاتے"

مختصراً اتنا بتا دینے کے بعد" طوالت کے خیال سے "فرڈیننڈ" کے ہاتھوں "اسپین" [۲] اور "چنگیز و ہلاکو" [۳] کے ہاتھوں مسلمانوں کے

(نوٹ نمبر ۱) حیات شبلی کے صفحہ ۲۶۶ پر ہے کہ "یورپ میں اِس قسم کی متعدد انجمنیں قایم ہیں جن کا مقصد عمدہ کتابوں کا بہم پہنچانا۔ اور اُن کا چھاپ کر شائع کرنا ہے" اِن ہی انجمنوں کی بدولت "عربی زبان کی وہ قدیم اور نادر الوجود کتابیں ہم کو میسر آئی ہیں" جس کے دستیاب ہونے کا خیال بھی نہیں آتا تھا" یہ "ان" انجمنیں ہیں جنھوں نے "تاریخ کبیر ابو جعفر محمد بن طبری" کا کامل نسخہ بہم پہنچایا" اور اُس کی بہت سی جلدیں، چھاپ کر شائع کیں" حالانکہ مصر و روم کے علماء" اِس نایاب تاریخی خزانہ سے بالکل ناامید ہو چکے تھے" اور شاہ عبد العزیز صاحبؒ تو یقین دلا دیا تھا کہ وہ دُنیا سے ناپید ہو گئی" بے شبہ یورپ کا یہ بہت بڑا احسان ہے اور ہم کو اس کا علانیہ اقرار کرنا چاہیئے"

(نوٹ نمبر ۲) سالنامہ کائنات لاہور ۱۹۳۸ء کے صفحہ ۵ پر حضرت یگانہ لکھنوی نے لکھا ہے کہ "اسپین کا آخری اسلامی کتب خانہ جو اکتوبر ۱۴۹۲ء میں نہایت وحشیانہ طریقہ سے جلایا گیا ہے" وہ غرناطہ کا شاہی کتب خانہ تھا" مورخ "تاریخ کبیر" نے اس کی بربادی پر آنسو بہاتے ہوئے لکھا ہے کہ "کتابوں کی فہرست" نوا ایسا سائز کی آٹھ جلدوں میں مندرج تھی" یہ بربریت اور تعصب یہیں تک ختم نہ ہوا بلکہ کتب خانہ شاہی جلا دینے کے بعد بھی "کونٹ سیرن" اور "فرڈیننڈ" نے یہ قانون نافذ کر دیا کہ کتب عہد اسلامیہ چونکہ تعلیم انجیل کے منافی ہیں اِس لئے جہاں سے اور جس قدر کُتب ملیں" جلا کر خاک کر دی جائیں" چنانچہ اِس حکم کی تعمیل ہوئی" مسلمانوں کی خانہ تلاشیوں سے جس قدر کتب اسلامی ہاتھ لگیں وہ سب چھین کر برباد کر دی گئیں" تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ کامل دس روز تک "غرناطہ" میں کتابوں کے انبار سلگتے رہے" اسپین کے تمدن اسلامی کا کوئی ایسا علمی

افغانستان"، خراسان "، توران و بغداد" وغیرہ کی اسلامی آبادیوں اور کتب خانوں کی تباہی اور بربادی کے حالات کو چھوڑ کر اب ہم ہندوستان ہی کے حالات کو لئے لیتے ہیں۔ اور اُس میں صرف "دہلی" اور اُس کے قرب و جوار کے حالات پر اکتفا کرتے ہیں۔

"مصباح العارفین" تقریباً پانچسو برس کی تصنیف ہے۔ اُس زمانے سے "دہلی" پر جو انقلاب آئے، بھر "نادر شاہ" "مرہٹوں" "جاٹوں" اور سنہ ۱۸۵۷ء کے قتل عام اور خونریزیوں کے ساتھ وہاں جو لوٹ مار اور غارت گری ہوئی۔ اُس سے سب واقف ہیں۔ ہم دور نہیں جانا چاہتے۔ اس موقع پر صرف ایک ۱۸۵۷ء کی خونریزی اور افراتفری میں "دہلی" کے کتب خانوں کی جیسی بربادی ہوئی اُس کی ایک جھلک دکھانے پر اکتفا کرتے ہیں۔

تاریخ عروج سلطنت عہد انگلشیہ ہند مؤلفہ شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی "جس میں غدر ۱۸۵۷ء کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔ اُس کے صفحہ ۲۲۶ پر تحریر ہے کہ . . . بارہ بجے کالج کے کتب خانے لٹنے شروع ہوئے جو لٹیرے عربی، فارسی، اُردو وغیرہ کتابوں کے گٹھڑ باندھ کر کتب فروشوں، مولویوں اور طالب علموں کو بیچنے کے لئے لے گئے۔ بعض طلباء بھی کتابوں کے شوقین خود شریک ہو کر اچھی اچھی کتابیں لے گئے۔ لوگوں نے انگریزی کتابوں کے اچھے اچھے پٹھے اتار لئے کہ جلد سازوں کے ہاتھ بیچیں گے۔ باقی کو پھاڑ کر پھینک دیا۔ اور احاطہ میں کئی اینچ موٹا فرش ردی کا بچھا دیا۔ پرنسپل اور ہیڈ ماسٹر کے گھر کا سب سامان لوٹ لیا۔ غرض کالج میں سوائے ردی اور چودہ پندرہ برس کی لڑکیوں کی دو نیم برہنہ لاشوں کے کچھ نہ تھا۔

روزنامہ انقلاب لاہور ۲۸ فروری سنہ ۱۹۳۶ء کے صفحہ ۳ کالم ایک تا تین پر تحریر ہے کہ "آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس رامپور۔ اعلیٰ حضرت تاجدار رامپور کا خطبۂ صدارت۔ ۲۱ فروری کو رامپور میں "آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس کا سینتالیسواں سالانہ اجلاس اعلیٰ حضرت نواب سر سید رضا علی خاں بہادر" والیٔ ریاست رامپور کے زیر صدارت منعقد ہوا۔ جس میں ہز ہائی نس سر آغا خاں بھی شامل ہوئے۔ اعلیٰ حضرت نے اس کانفرنس میں حسب ذیل خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا۔

. . . . . آپ میں سے بہت سے اکابر قوم کے دلوں میں اس اجلاس کی یاد تازہ ہوگی جو میرے والد مرحوم نواب جنت مکان کی دعوت پر

(بقیہ نوٹ ۲ صفحہ ۲۵۹) خزانہ باقی نہ رہا۔ جو متاخرین تک وراثتاً پہنچ سکتا۔ . . اسی زمانے میں اتفاقاً ہسپینی جنگی جہازوں کو جو بحر روم میں برسر پیکار تھے "مراکش" کے دو جہاز مل گئے جو مولائے مراکش کے لئے "عربی کتب" کا ذخیرہ ممالک مصر و فلسطین سے لئے جا رہے تھے۔ اُن کو گرفتار کر کے اسپین لایا گیا۔ . . . حوادث روزگار نے اس کو بھی محفوظ نہ رہنے دیا۔ یعنی کچھ عرصہ کے بعد اس ذخیرہ میں آگ لگ گئی۔ "تہذیب نو کا ایک خونیں ورق" کی سرخی کے تحت "ہمدم" لکھنؤ یکم جولائی سنہ ۱۹۳۶ء کے صفحہ ۲ کالم ۳ پر لکھا ہے کہ "جرمنوں نے ہسپانوی جرنلوں کے تحت "جنگ عظیم کا انتقام" اہل باسک" سے جنہوں نے برطانیہ اور فرانس کی مدد کی تھی، لیا۔ بڑی مشہور قدیم عمارتیں "کتب خانے" اور آرٹ کے نایاب نمونے جلا کر خاکستر کر دیئے۔ "گورنیکا" کی تباہی اور قتل عام میں دشمنوں کی قابلیت جنگ اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔

انقلاب لاہور ۱۸ اگست سنہ ۱۹۳۷ء کے صفحہ ۸ کالم ایک پر ہے کہ "اخبار ٹائمز" نے "جگرٹ مرے" کا ایک مکتوب شائع کیا ہے . . . جاپانی فوج نے ہزاروں چینیوں کا قتل عام کیا اور دانستہ طور پر تیانسن یونیورسٹی کی عمارتوں پر آتش خیز بم گرا کر لائبریری اور لیبارٹری کو تباہ و برباد کر دیا۔ اور انقلاب ۹ نومبر سنہ ۱۹۳۷ء کے صفحہ ۱۱ کالم ۳ پر ہے کہ "جاپانی طیاروں نے ۲۳ یونیورسٹیاں اور کالج اور بے شمار اسکول تباہ کر دیئے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ چینی تعلیم کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اور ۱۷ نومبر سنہ ۱۹۳۷ء کے انقلاب کے صفحہ ۱ کالم چار پر ہے کہ "کتب خانے میں آگ لگ گئی"۔ احمد آباد ۱۵ نومبر کل رات گاندھی روڈ پر ایک ایسی عمارت میں آگ لگ گئی جس کے ایک حصہ میں "نوجیون" اخبار کا دفتر ہے . . . آتشزدگی کی وجہ سے کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ خاکستر ہو گیا۔

(نوٹ ۳ صفحہ ۲۵۹) ہلاکو نے جب سنہ ۶۵۶ ہجری میں بغداد کو فتح کیا تو وہاں کے کتب خانوں کی کتابوں کو دریائے دجلہ میں ڈلوا دیا تھا۔ اس قدر کثیر تعداد میں تھیں کہ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ اُن کی وجہ سے دریا میں ایسا بند لگ گیا تھا کہ دریا کے پانی نے رک کر اور دونوں کناروں سے اُبل کر اطراف میں بربادی پھیلا دی تھی۔ اور عرصہ تک کتابوں کی روشنائی کی وجہ سے دریا کا پانی سیاہ ہو گیا تھا۔

۱۹۱۰ء میں "نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی" کے زیرِ صدارت اسی خاص باغ میں منعقد ہوا تھا" رامپور کی تاریخ میں وہ مبارک دن تھا جب یہاں "عماد الملک" "محسن الملک" "وقار الملک" "نواب وقار الدولہ وقار الملک مولوی مشتاق حسین صاحب انتصار جنگ بہادر زبیری کنبوہی امروہوی" "نذیر احمد" اور "اجمل خاں" جیسے روشن ستارے جمع ہوئے تھے"۔ . . . . اس سلسلہ کی دوسری کڑی رامپور کا مشرقی کتب خانہ ہے۔ جو قلمی نسخوں کی تعداد اور اہمیت کے لحاظ سے "ہندوستان کا سب سے بڑا مشرقی کتب خانہ مانا جاتا ہے" ریاست نے مختلف علمی اداروں۔ اور ہندوستان و بیرونِ ہند کے علماء کو نادر کتابوں کی نقلیں مہیا کر کے اشاعتِ علم میں مفید حصہ لیا ہے" اگر رامپور اس معاملہ میں فراخ حوصلگی سے کام نہ لیتا۔ تو آج بہت سی کتابیں شائع ہی نہ ہوتیں" اور بہت سی صحیح شکل میں دستیاب نہ ہو سکتیں" اس کتب خانہ نے "اردو ادب کی" جو اہم خدمات انجام دی ہیں اُن میں پہلی "میرزا غالب" کے "اردو دیوان" کی اشاعت ہے" اگر کتب خانہ میں "میرزا صاحب" کا دیوان محفوظ نہ ہوتا" تو ایامِ غدر (۱۸۵۷ء) میں میرزا صاحب کے شاگرد "نواب ضیاء الدین خاں" کے مال و اسباب کے ساتھ "دیوان کے مسودات" لُٹ جانے کے بعد "ہندوستان کو" موجودہ دیوان غالب کا "دستیاب ہونا ناممکن ہو جاتا"

میرزا غالب جو ۱۸۵۷ء کے بعد بھی کافی عرصہ تک زندہ رہے اور جن کے دیکھنے والے اب بھی چند لوگ بقیدِ حیات ہوں گے" اس ہنگامہ میں اُن کی کتابوں پر جو گذری اور پھر جہاں سے وہ حاصل ہوئی اُس کا حال تو اعلیٰ حضرت نواب صاحب رامپور" کے خطبۂ صدارت سے بخوبی معلوم ہو گیا" مگر کتنی کتابیں جدید و قدیم ہوں گی جو اس موقع پر بالکل تلف ہو گئی ہوں گی" ایسی مصیبت کے زمانوں میں بہت لوگ تو فکر کھب جاتے ہیں اور جنہیں موقع ملتا ہے" صرف جانیں بچا کر ادھر اُدھر بھاگ کھڑے ہوتے اور اپنے مال و اسباب کو لٹیروں نیز حملہ آوروں کے لئے چھوڑ جاتے ہیں۔ اب چاہے وہ اُسے جلا کر خاکستر کر دیں یا اس پر خود قبضہ کر لیں" ایسے لوگوں کی اور پھر ایسے موقع پر کتابوں کی فکر و قدر کوئی ظاہر ہے"

۱۸۵۷ء میں دہلی پر حملہ آور فوج کیونکہ پنجابیوں پر مشتمل تھی "لوٹ کا کثیر حصہ" یہ لوگ پٹیالہ اور پنجاب کے دیگر اضلاع میں لے گئے" کتابیں جو بربادی سے بچ گئی تھیں اُن کا کچھ حصہ بعد میں تاجدارانِ رامپور کے شوقِ علم اور فیاضی کی بدولت وہاں پہنچ گیا" جو بسا غنیمت ہے"

اس جگہ ہم نہایت شکر گذاری کے ساتھ ان تاجدارانِ رامپور کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں جنہوں نے اس ذخیرۂ علم کے بہم پہنچانے میں اپنی کوششوں اور دولت کے صرف سے آیندہ نسلوں کے لئے ایسا بے بہا علمی خزانہ محفوظ کر دیا ہے جس کی نظیر ہندوستان میں نہیں ہے"

مگر افسوس ہے ان مولف صاحب پر جنہوں نے "خاندانِ زیرِ بحث" پر قلم اٹھاتے وقت اس کتب خانہ سے جو اُن کے زادبوم امروہہ" کی بغل ہی میں ہے استفادہ کرنا ضروری نہیں خیال کیا" اگر وہ "مصباح العارفین" کی تلاش کے لئے ہی "رامپور" چلے جاتے" تو اُن کا یہ سفر خالی از فائدہ نہ ہوتا۔ وہاں وہ "کتاب شجرۂ سہروردیہ" مصنفہ احمد خاں اکبر شاہی نبیرہ مخدوم شیخ جمالی رح" کو دیکھ لیتے جس میں انہیں اس خاندان کے چند نئے بزرگانِ سلف کے حالات و حیثیت سے واقفیت ہونے کے علاوہ اُن کے نسب کے بارے میں بھی تھوڑی بہت روشنی مل جاتی" اور وہ مطلق اندھیرے میں نہ بھٹکتے پھرتے"

سر سید احمد خاں المتوفی ۱۸۹۸ء بانی مدرسۃ العلوم علیگڈھ حال مسلم یونیورسٹی کے ایک ایک لفظ کی حفاظت کا جو اہتمام کیا گیا ہے اُس سے سب واقف ہیں" اب ذرا اُن کی ایک تصنیف کا حال سنئے "کتاب خطوطِ سر سید مرتبہ سید راس مسعود صاحب مطبوعہ نظامی پریس بدایوں ۱۹۳۱ء کے دیباچہ میں سر سید کے خاص دوست "محمد اللہ خاں" وکیل سہارنپور نے صفحہ ۲ پر لکھا ہے کہ" بالآخر اس سعی جمیلہ کی رسالہ اسباب بغاوت ہند لکھنے کی "سرکار نے بہت قدر و منزلت کی" اسی زمانہ میں انھوں نے "سرکشی بجنور" کی بھی ایک تاریخ لکھی" مگر اُس کا کچھ پتہ نہیں چلتا"

اب میرزا غالب کی اور دوسری کتابوں کی عدمِ دستیابی کا حال سنئے" روزنامہ صحیفہ حیدرآباد دکن ۲۲ فروری ۱۹۳۶ء کے کالم ۲ پر تحریر ہے کہ "تقریر محمد عبد الرزاق صاحب راشد" ایم۔ سی۔ ایس" مددگار معتمد فنانس سرکار عالی" جو ۱۴ فروری ۱۳۴۵ فصلی مطابق ۱۰ فروری ۱۹۳۶ء کی شام کو "لاسلکی سرکار عالی" (یعنی گورنمنٹ اعلیٰ حضرت حضور نظام دکن) سے نشر کی گئی"

"غالب" کی تمام تصنیفات جن کے نام "آزاد" (شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد دہلوی) نے "آبِ حیات" میں "درج کئے ہیں۔ اس وقت

دستیاب نہیں ہوتی ہیں۔ "مرزا حاتم علی مہر" "دیوانِ غالب" "ہاتھوں میں" ارکانِ انجمن ترقی اُردو کا فرض ہے کہ ان سب تصنیفات کو فراہم کریں۔

ایک اور کتاب کا حال کہ وہ بھی زیادہ قدیم نہیں ہے "پڑھیئے" "روزنامہ انقلاب لاہور مورخہ ۸ فروری ۱۹۳۶ء کے صفحہ ۲ کالم ۳ پر لکھا ہے کہ "مفتاح التواریخ" کی ضرورت ہے" مجھے مفتاح التواریخ کی ضرورت ہے۔ کوئی صاحب اس کتاب کا نسخہ فروخت کرنا چاہیں۔ یا کسی ایسے کتب فروش کا پتہ دے سکیں جس کے پاس یہ کتاب موجود ہو تو باعث شکرگزاری ہوگا" "المشتہر" "سید حبیب" "مدیر سیاست، لاہور"

اس کا جواب "انقلاب لاہور مورخہ ۹ فروری ۱۹۳۶ء کے صفحہ ۲ کالم ایک پر اس طرح دیا گیا ہے کہ "مفتاح التواریخ" "فخر ملت جناب مولانا سید حبیب صاحب کے استفسار کے جواب میں گذارش ہے کہ "مفتاح التواریخ" "مصنفہ" "ٹامس بیل" "بالکل نایاب ہے" "کسی کتب فروش کے یہاں سے دستیاب نہیں ہوسکتی" "میرے کتب خانہ میں اُس کا ایک نسخہ موجود ہے۔ اگر سید صاحب" "پسند فرمائیں تو عاریتاً لے سکتے ہیں" "میں مستقل طور پر اسے کسی قیمت میں علیحدہ کرنا نہیں چاہتا" (سید عبدالقادر اسلامیہ کالج لاہور)

ایک عالی شان کتب خانہ کی بربادی کا حال روزنامہ انقلاب لاہور کے ہفتہ واری ایڈیشن مورخہ ۱۰ فروری ۱۹۳۶ء کے صفحہ ۳ کالم ایک پر بایں الفاظ تحریر ہے کہ "لالہ ہرکشن لال" "سابق وزیر پنجاب، کی موت ہمارے لئے انتہائی رنج و قلق کا باعث ہوئی" "وہ پنجاب کے بہت بڑے آدمی تھے۔ اس صوبہ کی سیاسی اور اقتصادی زندگی میں انہوں نے بہت نمایاں حصہ لیا تھا۔۔۔۔ عرصہ دراز تک لاکھوں میں کھیلتے رہے۔۔۔۔۔ دوسری جائدادوں کی طرح اُن کی عالی شان کوٹھی بھی سازوسامان سمیت" "قرضہ میں چلی گئی" "اس میں اُن کی" "عالی شان لائبریری" "بھی تھی" "جس کی کتابیں" "لاہور" کے کباڑیوں کے یہاں بکتی رہیں" "اور شاید اب بھی بک رہی ہیں"

کیڑوں اور پانی سے جو خرابی اور بربادی کتابوں کی ہوتی رہتی ہے۔ اس کی بھی ایک مثال یہاں دیدینی غالباً نامناسب نہ ہوگی" "رسالہ زمانہ کانپور بابت ماہ مئی ۱۹۳۲ء کے صفحہ ۳۸۵ پر" "خان بہادر مرزا جعفر علی خاں اثر لکھنوی" "بی۔ اے۔ ڈپٹی کلکٹر و مجسٹریٹ صوبہ متحدہ نے تحریر فرمایا ہے کہ" "میرے چچا اور خسر" "حکیم مرزا عابد حسین خاں مرحوم کا" "کتب خانہ" "اُردو" "فارسی" "اور" "عربی" "کے" "قلمی نسخوں" "کا نادر ذخیرہ تھا" "چند وجوہ سے جن کے بیان کرنے کی یہاں ضرورت نہیں" "بیشتر کتابیں" "اُن کے انتقال کے بعد" "برُی طرح تلف ہوئیں" "میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ" "برسات کے بعد" "ایک بڑا صندوق" "ایسی کتابوں سے بھرا ہوا جو" "پانی میں بھیگ بھیگ کر گوندا ہوگئیں تھیں" "یا جن کو دیمک چاٹ گئی تھی" "محلہ کے اندا رے کوڑا ڈالنے کے گڑھے" "میں خالی کیا گیا"

قصبہ مارہرہ ضلع ایٹہ کمشنری آگرہ" "کے مشہور کتب خانے کے آگ سے جل کر تلف ہوجانے کے واقعہ سے" "مؤلف صاحب بھی خود اچھی طرح واقف ہیں"

اب ہم "نواب مُبارک علی خاں مرحوم و مغفور" "جن کے رسالۂ مُبارک" "کا" "مؤلف صاحب نے اپنی اس بحث میں ذکر کیا ہے" "کے کتب خانے" "اور اُن کے صاحبزادے" "نواب احمد اللہ خاں مرحوم" "کی تالیف و تصنیف کردہ کتابوں کی بربادی کی داستان سناتے ہیں" "جب تک نواب مُبارک علی خاں" "کے بیرے کلاں" "نواب اسد اللہ خاں" "خان بہادر زندہ وسلامت رہے۔ وہ الماری جس میں" "نواب خیر اندیش خاں" "کی ایک بیاض تھی۔ جس میں ہر مرض کے تیر بہدف نسخے ایسے درج تھے کسی کی قیمت" "دو تین پیسوں سے زیادہ نہ تھی" "دوسری کتاب فن طب میں جو انہوں نے "خیر التجارت" "لکھی تھی۔ اس کا قلمی نسخہ انہیں کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا" "اور" "نواب مُبارک علی خاں" "کی متعدد" "مذہبی" "تاریخی اور طبی تصنیفیں تھیں نیز نواب احمد اللہ خاں" "کی تالیف کردہ اخلاق و تاریخ و تذکرے کی قلمی کتابوں کے علاوہ اور بہت قدیم و نایاب کتابیں تھیں" "اس کی حفاظت اور دیکھ بھال بخوبی ہوتی رہی" "مگر نواب صاحب کے انتقال کے بعد پھر کسی نے اس الماری کی طرف توجہ نہ کی۔ کم و بیش دس پندرہ برس گذر جانے کے بعد نواب اسد اللہ خاں کے ایک بھتیجے نے گھر کی صفائی کراتے وقت اس الماری میں کچھ دیمک لگی ہوئی پائی تو بلا سوچے سمجھے اور کسی سے دریافت نہ کرکے اس قیمتی خزانہ کو کوٹھی کے ایک ورانڈے میں ڈلوا دیا" "مہینہ دو مہینہ جب وہ اسی طرح پڑی رہیں تو اس لڑکے کے ملازم نے یہ کہکر کہ میاں ردّی جو ورانڈے میں بیکار پڑی ہے اسے مجھے دیدیجئے" "میں اس کی ٹوکریاں بنالوں گا" "ان کتابوں کے نادر ذخیرہ کو لے جانے کی اجازت حاصل کرلی" "مگر خدا

کا لاکھ لاکھ شکر ہے احسان ہے کہ اُس نوکرنے بجائے ٹوکریاں بنانے کے اِس ذخیرے کو ایک دوکاندار کے ہاتھ ردّی کے بھاؤ فروخت کر دیا۔ ورنہ اُس میں کے ایک کاغذ کا بھی نام ونشان باقی نہ رہتا۔ دوکاندار نے بھی اپنی دوکان کی کوٹھری میں اِس ذخیرہ کو ڈال دیا اور ورق پھاڑ پھاڑ کر اُن میں سودا رکھکر فروخت کرنے لگا۔ ایک روز جو ایک عزیز نے اُسی دوکان پر سودا خریدا۔ تو جس کاغذ میں انہیں سودا ملا تھا۔ اُس کے مضمون پر اُن کی نظر پڑ گئی۔ انہوں نے اُسے پڑھکر دوکاندار سے دریافت کیا کہ تیرے پاس اور بھی ایسے کاغذ ہیں یا نہیں۔ دوکاندار مسلمان اور مذہبی خیال کا آدمی تھا۔ اُس نے کہا کہ میاں میرے پاس ایسے بہت ہیں۔ اگر ان میں خدا و رسولؐ کا نام لکھا ہے۔ یا اولیاء اللہ کے حالات ہیں۔ تو آپ انہیں لے جایئے۔ میں گنہگار نہیں ہونا چاہتا۔ چھتے میں ٹکے سے لئے ہیں اتنے ہی میں آپ کو دیدوں گا۔ غرضکہ اُن عزیز نے اُس ذخیرہ کے باقی ماندہ حصّہ کو دوکاندار سے خرید لیا۔ اور اِس طرح یہ معدودے چند کتابیں بچ گئیں۔ لیکن نواب مبارک علی خاں کے گھر میں اب اُن کے کتب خانے کا ذراسا حصّہ بھی موجود نہیں ہے۔ بلکہ ستم پر ستم یہ ہے کہ اُن کے پروتے۔ نگڑوتے۔ جو بی۔اے۔ایم۔اے۔ڈپٹی کلکٹر۔ کلکٹر۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس۔ تحصیلدار۔ اور کونسلوں کے رکن وغیرہ وغیرہ ہیں۔ اپنے اجداد کی مصنفہ کتابوں کے ناموں تک سے ناواقف ہیں۔ شاید ہی کسی کو ایک آدھ کتاب کا نام معلوم ہو تو ہو۔

کتاب دوم تاریخ ہند مؤلفہ مسٹر ہاشمی رکن دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ سرکارعالی حیدرآباد دکن کے صـ۱۹۶ پر تحریر ہے کہ واضح رہے کہ سنو دو سو برس پہلے جبکہ چھاپے کا رواج نہیں تھا۔ کسی کتاب کے نسخہ کا محفوظ رہنا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ چنانچہ صدہا کتابیں جن کے نام اور حوالے موجود ہیں۔ اب بے نشان ہو گئیں۔ اور اسے بھی محض اپنے اسلاف کے علمی شوق کی دلیل سمجھنا چاہئے کہ ہزاروں آج تک محفوظ ہیں۔ اور صـ۱۹۷ پر ہے کہ.....
اِن مشہور تاریخوں کے علاوہ اِس موضوع پر اور کتابیں بھی اُس زمانے میں لکھی گئی ہوں گی۔ جو مفقود و بے نشان ہو گئیں۔ اور بعض کے صرف نام دوسری کتابوں کے ذریعہ ہم تک پہنچ سکے ہیں۔ اور اسی کتاب کے صـ۲۴۹ پر ایک نوٹ میں مؤلف موصوف نے لکھا ہے کہ اِس جگہ یہ تصریح کر دینی مناسب ہوگی کہ ابن بطوطہ کے سفرنامے اور برنی کی تاریخ کے سوا۔ اِس عہد کے (سلطان محمد تغلق کے عہد کے) حالات کو فرشتہ۔ طبقات اکبری۔ اور منتخب التواریخ میں ایسی کئی قدیم تواریخ کو سامنے رکھکر جمع کیا ہے۔ جو اب ناپید ہیں۔ رسالہ معارف علیگڑھ مطبوعہ مسلم یونیورسٹی پریس علیگڑھ بابتہ ۱۹۲۵ء کے صـ۲۹ پر تاریخ سلاطین گجرات کے عربی ماخذ کی سرخی کے تحت قاضی احمد میاں صاحب اختر جوناگڈھی نے لکھا ہے کہ تاریخ بہادر شاہی۔ اِس کا کوئی نسخہ مخطوطہ نہیں ملا۔ مابعد کی تاریخوں میں اس کے حوالے ملتے ہیں۔ (۳) تحفۃ السادات۔ از اعظم کشمیری۔ کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہوا۔

ہم نے یہ چند مثالیں۔ صرف اِس خیال سے لکھدی ہیں کہ ناواقف بھی اچھی طرح معلوم کر لیں کہ کتب خانوں اور کتابوں کی بربادی کے کیا اسباب ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں۔ اور یہ بھی جان لیں کہ بہت سی قدیم کتابیں تو الگ رہیں۔ اکثر قریبی زمانے تک کی کتابیں اب کیسی لاپتہ اور کمیاب ہیں۔ مگر حیف ہے۔ مؤلف صاحب پر کہ انہوں نے سب کچھ جانتے ہوئے بھی۔ مصباح العارفین۔ کے بارے میں مندرجہ بالا حالات پر مطلق دھیان نہیں دیا۔ اور ناظرین کو یہ دھوکا دیکر کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ نے اپنی کتاب۔ اخبار الاخیار۔ میں جن بزرگوں کے حالات لکھے ہیں اُن کی سب تصنیفات بھی ان کے حالات میں لکھی ہیں لیکن وہ اپنے نانا کے حالات میں۔ مصباح العارفین۔ نام کی اُن کی کسی تالیف کا تذکرہ نہیں کرتے۔ اِس کتاب کے کبھی تصنیف ہونے سے ہی قطعی انکار کر دیا ہے۔ اُن کا یہ بیان بھی اُن کے دوسرے بیانات کی طرح صداقت سے بہت دور ہے۔ اور حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں رکھتا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے قلم سے آپکے نانا کے حالات۔ مگر اُن میں اپنے نانا کی تصنیف اور آپکے نسب اولاد کے ذکر سے محدث جی کی لاپروائی

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب۔ اخبار الاخیار۔ میں جن بزرگوں کے حالات تحریر کئے ہیں۔ تفصیلی حالات کسی کے بھی نہیں لکھے۔

(نوٹ صـ۱) کاغذ سے ٹوکریاں اِس طرح بنائی جاتی ہیں کہ کاغذ کو ایک پانی کے مٹکے یا گھڑے میں ڈالکر سڑنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اور جب کاغذ مہینہ دو مہینہ میں بالکل گل جاتا ہے تو اُن کو نکال کر اوکھلی میں کوٹ لیا جاتا ہے اور پھر اُس گوندھے سے ٹوکریاں بنالی جاتی ہیں۔

اُن کے تھوڑے تھوڑے حالات لکھکر صرف رُوشناس کرادیا ہے۔ بعضوں کے حالات تو چار پانچ سطروں ہی میں ختم کر دیئے ہیں۔ اگر اُن میں سے کسی کے نسب پر بھی کچھ روشنی پڑگئی ہے تو وہ اِس طرح پڑی ہے۔ جیسے "شیخ عبدالوہاب بخاری" کی سُرخی کے تحت اُن کے حال میں لکھا ہے کہ "از اولاد سید جلال الدین بخاری بزرگ است" کوئی خاص اہتمام "محدّث صاحب" نے "اپنی کتاب میں" ہر ایک کے نسب پر روشنی ڈالنے کا ہرگز نہیں کیا۔ "انہوں نے ہر بزرگ کی تصنیفات" کے بتلانے کا کوئی خاص خیال نہیں رکھا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی بزرگ کے مختصر حالات میں اُن کی کسی تصنیف کا بھی نام آگیا ہے۔ "شیخ ادہن رح" جو اُن کے حقیقی نانا ہیں "اُن کی تصنیف مصباح العارفین" کا ذکر تو در کنار رہا "محدّث صاحب نے" اُن کے نسب تک پر روشنی نہیں ڈالی "اور اولاد کا بھی کوئی ذکر نہیں کیا" صرف چند سطروں میں اُن کے حال کو ختم کر دیا ہے "وہ لکھتے ہیں کہ۔

"شیخ ادہن" جدِّ مادری کاتب حروف "نام اصل ایشاں زین العابدین" است "عرف شیخ ادہن" "دانشمند کابل بود" متورع و متعبد۔ و در غایت خشوع و انکسار و تادب و وقار بود الہ میفرمودند کہ ہیچ کس را ندیدیم کہ در بیرون و درون یکساں باشد۔ اِلّا ایشاں بہماں آداب و اوضاع کہ درمیان مردم مے بودند در درون خانہ نیز بودند۔ و زبان ایشاں دایم بذکر اللہ مے گشت۔ و حلیہ در غایت جمال و نورانیت داشتند۔ چنانکہ انوار علم و تقویٰ از جبین ایشاں لائح بود۔ اکثر احوال صائم بودے۔ و در لقمہ احتیاط تمام داشتے "سلطان ابراہیم بن سلطان سکندر لودی" ایشاں را بحجابت خویش خواند قبول نکردند۔ مرید "مولانا سماء الدین" و شاگرد "میاں عبداللہ طلنبی" است "وفات او در سنہ اربع وثلاثین وتسعماتہ" (۹۳۴ھ ہجری) مقبرہ او جانب غربی حوض شمسی است "(اخبار الاخیار فی اسرار الابرار ص۲۱۸ و ۲۱۹، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۹ھ ہجری)

کاتبِ حروف کے نانا کا اصلی نام "زین العابدین" ہے "اور عرف "شیخ ادہن" "دانشمند اور کابل تھے" متورع اور متعبد تھے اور بہت خشوع و انکسار و تادب اور وقار والے تھے "والد فرماتے تھے کہ کسی آدمی کو ایسا نہیں دیکھا جس کا ظاہر و باطن یکساں ہو" لیکن اُن کے تمام اوضاع و آداب جو آدمیوں کے درمیان رہتے ویسے ہی مکان کے اندر رہتے تھے "اور اُن کی زبان پر ہمیشہ اللہ کا ذکر رہتا تھا" اور صورت بہت با جمال اور نورانی تھی "انوار علم و تقویٰ اُن کی پیشانی سے ظاہر تھے" اکثر روزے سے رہتے اور کھانے میں نہایت احتیاط رکھتے "سلطان ابراہیم بن سلطان سکندر لودی" نے انہیں اپنی حجابت کا عہدہ دینا چاہا، قبول نہیں کیا "مولانا سماء الدین رح" کے مرید اور "میاں عبداللہ طلنبی" کے شاگرد تھے "اُن کی وفات ۹۳۴ھ ہجری میں ہوئی" حوض شمسی کے مغربی جانب اُن کا مقبرہ ہے "(اخبار الاخیار فی اسرار الابرار ص۲۱۸ و ۲۱۹، مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۹ھ ہجری)

"شیخ ادہن رح" کے اِن حالات کی روشنی میں "مؤلف صاحب کا یہ بیان بھی کہ "یا وجودیکہ" مصباح العارفین" محدّث دہلوی کے حقیقی نانا کی تالیف بیان کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ اُس میں "مخدوم شیخ سماء الدین رح" کا پورا سلسلۂ نسب "حضرت زبیر بن العوّام" تک منقول ہے لیکن حضرت محدّث دہلوی "کا اپنی تصنیف اخبار الاخیار میں "مخدوم صاحب" کے تفصیلی حالات لکھنے کے باوجود اُن کے نسب کے بارے میں ایک حرف بھی نہ لکھنا کیا معنی رکھتا ہے "شبہ برابر بھی حقیقت نہیں رکھتا" اخبار الاخیار "میں مخدوم شیخ سماء الدین" کے حالات تفصیل سے ہرگز نہیں لکھے جیسا کہ مؤلف موصوف نے بیان کیا ہے "بلکہ اُن کے حالات کو بھی مختصر طور سے ہی تحریر کیا گیا ہے۔ محدّث صاحب نے "شیخ ادہن" جیسے بزرگ کا حال جو اُن کے حقیقی نانا بھی تھے۔ جب اس قدر اختصار کے ساتھ لکھا ہے جس سے اُن کے نسب "اولاد" اور دیگر بہت سے حالات پر قطعی کوئی روشنی نہیں پڑسکی ہے۔ تو دوسروں کے حالات انہوں نے جس تفصیل سے لکھے ہوں گے "ظاہر ہے"

محدّث صاحب نے "شیخ ادہن رح" کے نسب اور اولاد وغیرہ کی طرح اُن کے مختصر حال میں اگر اُن کی مؤلفہ کتاب "مصباح العارفین" کا بھی تذکرہ نہیں کیا "تو اِس بات کو اس کتاب کے "شیخ ادہن رح" کی تصنیف سے نہ ہونے کی سند نہیں قرار دیا جا سکتا"

اُوپر لکھا جا چکا ہے کہ "شیخ ادہن رح" کی وفات ۹۳۴ھ ہجری "میں "مخدوم شیخ جمالی رح" کی وفات سے بھی آٹھ سال قبل ہوئی ہے "اور "محدّث صاحب" کے والد بزرگوار کی عمر و تاریخ وفات "اخبار الاخیار" کے اِس بیان سے جو ص۲۹۹ و ۳۰۰ پر درج ہے" معلوم ہوتا رہے"

میگفتند کہ ہفتاد سال گذشت کہ دریں سرائے دنیایم۔ اگر کسے درسرائے دو روز میباشد دیگر میشود۔ ما خود ہفتاد سال زیادہ در ین محنت سرا بودیم چرا ملول نشویم "چند بار زور نمودند و بلند تر ذکر لا الہ الا اللہ فرمودند و ساکت شدند و بپاس انفاس مشغول شدند۔ بعد از چند ساعت برحمت حق پیوستند۔ وکان ذلک فی السابع والعشرین شہر شعبان سنہ تسعین و تسعمائۃ " (۹۹۰ھ ہجری)

فرمایا کہ ستر سال گذرے کہ اس سرائے دنیا میں ہوں اگر کوئی دو دن سرائے میں رہتا ہے دوسرا ہو جاتا ہے میں جو ستر سال سے زیادہ سرا میں رہا ہوں کیوں غمگین نہ ہوں "چند بار زور کیا اور بلند آواز سے ذکر لا الہ الا اللہ فرمایا اور خاموش ہوگئے۔ اور پاس انفاس میں مشغول ہوئے " تھوڑے عرصے کے بعد اُن کا انتقال ہوگیا "

(۹۹۰ھ ہجری) رحلت کا سال ہے "

اب جبکہ ہمیں یہ معلوم ہوگیا کہ "محدث صاحب" کے والد بزرگوار نے ستر برس کی عمر میں، ۲۷ شعبان ۹۹۰ھ ہجری کو انتقال فرمایا" اور "شیخ اودہنؒ" کے انتقال کے وقت اُن کی عمر چودہ پندرہ سال سے زیادہ نہ تھی "اس کم عمری میں اُن کی شادی نہیں ہوئی تھی " ہم یہ بات وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ "مصباح العارفین" کی تالیف کے وقت محدث صاحب جن کی پیدائش ۹۵۸ھ ہجری میں اور وفات ۱۰۵۲ھ ہجری میں ہوئی ہے " پیدا بھی نہیں ہوئے تھے "کیونکہ "مخدوم شیخ سماء الدین قدس سرہٗ العزیز" کی وفات ۹۰۱ھ ہجری میں ہوئی ہے " اس لئے اگر "مصباح العارفین" مخدوم صاحب کی زندگی میں نہیں لکھی گئی تو جیسا قاعدہ رہا ہے کہ "مریدین و خلفا میں سے کچھ اصحاب اپنے پیران طریقت کے حالات اُن کی وفات ہونے پر جمع کر گئے ہیں " یہ کتاب بھی "مخدوم صاحب" کے وصال کے فوراً بعد تصنیف ہوئی ہے " مخدوم صاحب کے وصال اور "شیخ عبد الحق محدث دہلوی رح" کے والد بزرگوار کی پیدائش کے زمانے میں انیس یا بیس سال کا فرق ہے "

ہم نے یہ حالات صرف اس لئے لکھدیئے ہیں کہ سب لوگ "مصباح العارفین" کی قدامت " زمانۂ تالیف اور وجہ تالیف کو بخوبی جان لیں " اور اس بات پر بحث کرنے کی کہ جس طرح اکثر اشخاص اپنے بزرگوں کی بیاضوں اور کتابوں سے ناواقف رہ جاتے ہیں "محدث صاحب" بھی اپنے نانا کی اُس کتاب سے جو اُن کے والد بزرگوار کی پیدائش سے کم از کم اٹھارہ یا بیس برس قبل تصنیف ہوئی ہے " باخبر یا بےخبر تھے۔ ہمیں مطلق ضرورت نہیں ہے " ممکن ہے کہ وہ اُس سے باخبر ہوں " اپنی واقفیت کے بعد بھی اگر انہوں نے اپنے نانا کے حال میں اُس کا نام نہیں لیا " تب بھی یہ کوئی ایسی چیز کی بات نہیں ہے جس کو پکڑ کر مصباح العارفین کے شیخ اودہنؒ کی تصنیف ہونے سے انکار کی دلیل قرار دیا جاسکے "

ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ "محدث صاحب رح" نے "اخبار الاخیار" میں بزرگوں کے نہایت ہی مختصر حالات لکھے ہیں۔ انہوں نے اُن کی تصنیفات کے ذکر کرنے کا کوئی خاص خیال نہیں رکھا " محدث صاحب رح " نے جس طرح اپنے نانا کی کتاب کا اُن کے حال میں ذکر نہیں کیا " اسی طرح انہوں نے " اپنی کتاب میں اپنے حقیقی چچا اور والد بزرگوار کی بھی مندرجہ ذیل کتابوں کا مطلق کوئی تذکرہ نہیں کیا ہے "

شیخ عبد الحق محدث دہلوی کا اپنے والد و چچا کے حالات میں اُنکی کتابوں سے روشناس کرنے کی شہادتیں

اخبار الاخیار کے صفحہ ۱۶۹ تا ۱۷۰ پر اُن کے چچا "شیخ رزق اللہ المتوفی ۹۸۶ھ ہجری" کا حال درج ہے " اس میں اُن کی گراں پایہ اور مشہور کتابوں "واقعات مشتاقی" اور "تاریخ سکندر لودی" کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے " صاحب طبقات اکبری "نظام الدین احمد بخشی" نے "واقعات مشتاقی" سے استفادہ کرنا ضروری خیال کیا ہے " جن کتابوں سے "طبقات اکبری" ماخوذ ہے اُن کی فہرست میں "واقعات مشتاقی" کا نام دیکھا جاسکتا ہے " زبدۃ التواریخ " قلمی مصنفہ " شیخ نور الحق المتوفی ۱۰۷۳ھ ہجری) فرزند شیخ عبد الحق [illegible] محمد شاہ دہلوی [illegible] پر "سلطان سکندر لودی" کے حالات میں تحریر ہے کہ۔

جد محرر "شیخ رزق اللہ المتخلص بہ مشتاقی" تاریخ نامہ از ابتدائے عہد سلطنت "سلطان بہلول لودی" تا تاریخ جلوس سلطان عہد خود۔ نوشتہ است "واقعات مشتاقی" نام کردہ " دراں کتاب

راقم کے دادا "شیخ رزق اللہ المتخلص بہ مشتاقی" نے تاریخ نامہ شروع عہد سلطنت سلطان بہلول لودی سے اپنے عہد کے سلطان کی تاریخ جلوس تک لکھا اور اُس کا نام "واقعات مشتاقی" رکھا " اُس کتاب

عمدہ بیان احوال و اوصاف "سکندر سلطان" است "کہ نشوونمائے مرحومی جناب موی الیہ دراں عہد بود"

میں سلطان سکندر لودی کے احوال و اوصاف کا عمدہ بیان ہے" کیونکہ نشوونما مرحومی جناب موی الیہ کا اسی عہد میں تھا"

"صبح گلشن" مولفہ "سید علی حسن خاں" فرزند دوم "نواب صدیق حسن خاں" مطبوعہ مطبع شاہجہانی بھوپال" کے ص ۴۱۳ پر لکھا ہے کہ:

"مشتاقی" شیخ رزق اللہ دہلوی" عم شیخ المحدثین شیخ عبدالحق دہلوی است" واقعات مشتاقی" و تاریخ سکندر لودی" از وے یادگار است"

"مشتاقی" شیخ رزق اللہ دہلوی" چچا شیخ المحدثین شیخ عبدالحق دہلوی" کے ہیں "واقعات مشتاقی" اور تاریخ سکندر لودی" ان سے یادگار ہیں"

"محدث صاحب" نے "اخبار الاخیار" کے ص ۲۳۵ تا ۲۴۱ پر اپنے والد بزرگوار "شیخ سیف الدین المتوفی ۹۹۰ھ ہجری کا تفصیل سے حال لکھا ہے" لیکن اس میں ان کی کتاب "روح الساوی" کا کہیں کوئی ذکر یا نام نہیں ہے" ان کا بیان ہے کہ:

والدم را اشعار بسیار بود" و از غزل و قصیدہ و رباعی" ولیکن اکثر آنہا بہ بیاض نارسیدہ فوت شد" یکے از اوباشان" تمام کتب و رسائل تصوف وغیرہ" کہ در مدت عمر بدست آوردہ بودند" پوشیدہ پیمال کرد کہ آں اسباب دیگر است" اگرچہ از اں مطلع شد کہ ایں نہ آں اسباب است کہ بکار وے آید" بتوہم آنکہ مبادا ازیں ظاہر شود ہمہ را بسوختہ است"

میرے والد کے اشعار بہت تھے" غزل و قصیدہ و رباعی" لیکن ان میں اکثر بیاض میں نہیں داخل کئے تھے کہ ان کی وفات ہوگئی" اوباشوں میں سے ایک نے تمام کتب و رسائل تصوف وغیرہ جو انہوں نے مدت عمر میں جمع کئے تھے دوسرا سامان سمجھ کر چرا لئے" اگرچہ اسے یہ بات معلوم ہوگئی کہ یہ وہ اسباب نہیں ہے جو کام آئے لیکن چوری کے ظاہر ہو جانے کے ڈر سے سب کو جلا دیا"

"محدث صاحب" کی اس تحریر سے معلوم ہوا کہ وہ "روح الساوی" سے ناواقف رہ گئے اور یہ کتاب انہیں نہیں مل سکی" حالانکہ وہ اب تک موجود ہے اور دیکھی جا سکتی ہے"

"مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کی "سبحان اللہ خاں لائبریری" میں "حالات خلفائے اربعہ" کے ضمن میں ہے" اس کا نمبر چالیس ہے "روح الساوی" نام ہے" جس کے مصنف "سیف الدین بخاری" پدر شاہ عبدالحق محدث دہلوی" المتوفی ۹۹۰ ہجری ہیں کاتب کتاب مولانا غلام علی" آزاد بلگرامی ہیں" اس کتاب میں "واقعات شہادت امام حسین رض" اور دست برداری امام حسن رض" و ذکر مرض اور وفات حضرت رسالتمآب صلعم" درج ہے"

اس بات کو بخوبی ثابت کر چکنے کے بعد کہ "محدث صاحب" کو "اخبار الاخیار" میں بزرگوں کے مختصر حالات میں ان کے نسب اور تصنیفات کے بتلانے کا کوئی خاص خیال نہ تھا" اور اسی وجہ سے انہوں نے اپنے نانا "شیخ ادھن" کے حالات میں نہ [illegible] طرح ان کی کتاب مصباح العارفین کا اظہار نہیں کیا" اسی طرح اپنے چچا "شیخ رزق اللہ" کے حال میں ان کی مشہور و معروف کتابوں "واقعات مشتاقی" اور "تاریخ سکندر لودی" کا" اور اپنے والد بزرگوار کی کتاب "روح الساوی" کا بھی مطلق ذکر نہیں کیا ہے"

مصباح العارفین کے وجود کی شہادتیں

اب ہم "مصباح العارفین" کے "شیخ ادھن" کی تصنیف ہونے" اور "دہلی" کے [illegible] "بابر" "شیر شاہ" "ہمایوں" اور "بہلول" کے [illegible] باقی رہنے کے ثبوت پیش کرتے ہیں"

(۱) "حکیم نواب علی خاں صاحب" [illegible] مولف کتاب "شمس التواریخ" مطبوعہ ۱۹۰۸ء" کا ایک خط جو انہوں نے ۱۹۱۱ء میں "صاحب المشاہیر" کو لکھا تھا [illegible] پاس موجود ہے" اور اس کی عبارت یہ ہے" "جناب نے "المشاہیر" کے صفحہ ۲۸ پر جو [illegible] نامہ"

کے خاندان سے تھے۔ آج کل دہلی میں اُن کے نواسے شیخ قمر الدین حیدر ساکن کوچہ تاراچند دہلی حضرت مخدوم شیخ حیدرؒ کے مزار کے سجادہ نشین ہیں۔ اُن کے بزرگ اور وہ خود جامع مسجد میرٹھ کی منتظمہ کمیٹی کے رکن نیز بالے میاں (سید سالار مسعود غازی) کے مزار اور عیدگاہ کے متولی بھی تھے۔ اُن کے لڑکے کاروباری سلسلہ کی وجہ سے زیادہ تر بمبئی میں رہتے تھے (اب معلوم ہوا ہے کہ اُن کا انتقال ہو گیا ہے) میرٹھ میں اُن کا ایک پوتا دندان سازی کرتا ہے۔ شیخ نبی بخش صاحب کے پاس پرانی اور بزرگوں کے حالات کی کتابوں کا نادر اور کثیر ذخیرہ تھا اور وہ اُس کو بڑی حفاظت کے ساتھ رکھتے تھے۔ لیکن اُن کے انتقال کے بعد اُن کی اولاد کی نااہلی اور لاپروائی کی وجہ سے یہ کتب خانہ برباد ہو گیا۔ کچھ کتابیں تو شیخ نبی بخش کا داماد جو رڑکی میں چونہ کا کاروبار کرتا ہے لے گیا۔ تھوڑی ڈپٹی محمد حسین صاحب شوق مرحوم جو وقت منصبیہ میرٹھ کے متولی تھے لے گئے۔ اسی طرح اور لوگ بھی کتابیں لے گئے۔ غرضکہ یہ کتب خانہ بھی مثل اور بہت سے کتب خانوں کے تلف ہو گیا۔ شیخ نبی بخش صاحب نے اپنے خاندان کے حالات میں خود بھی ایک کتاب تصنیف کی تھی جو صاحب المشاہیر کے کتب خانے میں موجود ہے۔

ہمارے چچا میاں حکیم ابوسعید صاحب عارف چشتی صابری صوفی محمد حسین صاحب مرادآبادی کے مرید و خلیفہ تھے۔ انہوں نے ثروت پر لات مار کر اچھی ملازمت سے بخوشی خود استعفا دے دیا اور دنیا کے دھندوں سے منہ موڑ کر عبادت، ریاضت اور توکل کی زندگی اختیار کر لی تھی۔ وہ جیسے مقدس بزرگ تھے۔ اُس سے مؤلف صاحب امروہوی بھی خوب واقف ہیں اور اُن سے متعدد بار مل چکے ہیں۔

مؤلف امروہوی سے چند سوالات

اِن شواہد کے پیش کرنے کے بعد اب ہم مؤلف صاحب ہی سے پوچھتے ہیں کہ انہوں نے جو تحریر کیا ہے کہ ہم نے مصباح العارفین کو مختلف کتب خانوں میں بھی دریافت کیا اور جن کو مشائخ و اولیاء کے تذکروں سے شغف و دلچسپی ہے اور اُن کے پاس ایسی کتابوں کا کافی ذخیرہ موجود ہے اور خود مصنفین کے اہلِ خاندان سے دریافت کیا لیکن اِس کتاب کا وجود نہ ملا۔ اُن کا یہ بیان کس طرح مبنی بر صداقت قرار دیا جا سکتا ہے۔ صاحب المشاہیرؒ اگرچہ اُن کی کتاب تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے شائع ہونے سے بہت عرصہ پہلے انتقال فرما چکے تھے اور اُن سے دریافت کرنے کا کوئی موقع نہ رہا تھا۔ تو اُن کو کونسا امر مانع ہوا جو انہوں نے صاحب المشاہیرؒ کے برادرِ خورد سے مصباح العارفین کے بارے میں کوئی واقفیت حاصل نہیں کی۔ جبکہ وہ علیگڈھ ہی میں تشریف رکھتے تھے جہاں مؤلف صاحب کا بھی قیام تھا اور اُن سے انہیں اِس دریافت کے لئے دور و نزدیک سفر کرنے کی تکلیف بھی نہیں اُٹھانا پڑتی تھی۔ علاوہ بریں انہوں نے میاں اِمداد احمد سلمہ اللہ تعالیٰ سے بھی کیوں دریافت نہیں کیا۔ حالانکہ وہ بھی وہیں اُن کے سامنے ہی موجود تھے اور اکثر مؤلف صاحب سے ہم کلامی کا شرف حاصل کرتے رہتے تھے۔ اب رہے حکیم نواب علی خاں صاحب رئیس امروہہ مؤلف شمس التواریخ کہ انہوں نے بھی مصباح العارفین کے حوالہ سے اپنے دادا حکیم ابو علی خاں کے ذریعہ سے پہنچا ہوا حضرت مصعب بن حضرت زبیرؓ تک شجرہ اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے اور جو مؤلف صاحب کے ہم وطن اور ان کی کتاب تحقیق الانساب کے شائع ہونے کے بعد بفضلہٖ اب تک زندہ و سلامت موجود ہیں۔ اگر وہ اُن ہی سے دریافت کر لیتے تو انہیں بلا کسی دقت کے شہر میرٹھ میں مصباح العارفین کا پتہ مل جاتا۔ آخر کیا وجہ تھی جو انہوں نے مؤلف صاحب شمس التواریخ سے مصباح العارفین کو دریافت نہیں کیا۔ وہ اگر اُن سے دریافت کرتے تو یہ دعویٰ کرنے سے کبھی نہ چوکتے کہ ہم نے صاحب شمس التواریخ سے بھی دریافت کیا مگر وہ ہمارے سوال کا کوئی مناسب جواب نہ دے سکے۔ جب خود مؤلف زندہ و سلامت موجود ہو تو کیا معترض کا یہ فرض نہیں ہے کہ اُس سے دریافت کرے کہ آپ نے جو یہ بات لکھی ہے کس سند پر لکھی ہے۔ اور وہ سند کہاں ہے۔ پھر جو جواب اُس سے ملے اُسے لکھ دے۔ مؤلف صاحب نے صاحب شمس التواریخ سے اور صاحب المشاہیرؒ کے بھائی اور بیٹوں سے دریافت کرنے کا کوئی ذکر نہیں کیا اور ان مصنفین کے اہلِ خاندان میں سے کسی کے نام لکھنے کی انہیں ہمت نہیں پڑی ہے اور جن سے پوچھنا تھا جب انہیں سے کچھ نہ پوچھا تو مختلف کتب خانوں کی خاک چھاننے اور بزرگوں کے حالات سے شغف رکھنے والوں سے دریافت کرنے کو جا بجا پھرنے کی اُن کے بیان کی حقیقت بخوبی عیاں ہو جاتی ہے۔ کسی خاص تحقیقات یا

مبحث کے مصنف کے گھر میں جو مواد ان کے متعلق مل سکتا ہے. ظاہر ہے کہ دوسری جگہ اُس کا بہم دست ہونا کس قدر دقت طلب ہے ''

مؤلف صاحب کو اچھی طرح معلوم تھا کہ ''صاحب المشاہیر'' کا کتب خانہ ''میرٹھ'' میں محفوظ ہے'' اگر وہ وہاں جا کر اُسے دیکھنا چاہتے تو بربنائے تعلقات نہایت خاطر و مدارات کے ساتھ ٹھہرائے جاتے اور اس کتب خانہ کا ایک ایک ورق نہایت اطمینان اور آسانی کے ساتھ دیکھ سکتے تھے'' انہیں اُس میں چند ایسی کتابوں کے علاوہ جو نادر الوجود ہیں'' اور جن کی کوئی ایک نقل بھی دنیا کے کسی دوسرے کتب خانہ میں مَوجود نہیں ہے'' اور ''حکیم نواب علی خاں صاحب مؤلف شمس التواریخ'' کا اصلی خط'' اور ''صاحب المشاہیر'' کی مندرجہ بالا تحریر بھی مل جاتی'' جن کو دیکھکر اُن کا راستہ کھل جاتا۔ وہ اندھیرے میں سے روشنی میں آجاتے اور پھر ''میرٹھ'' ہی میں رہکر ''مصباح العارفین'' کا تلاش کرلینا اُن کے لئے آسان ہو جاتا'' ہمیں نہایت افسوس کرنا پڑتا ہے اُن کے حال پر کہ اُنہوں نے اپنے مقصد کے مدِ نظر کبھی ''میرٹھ'' جاکر اُس کتب خانہ کے دیکھنے کا خیال بھی نہیں کیا'' جیسا کہ ہم اُوپر کہیں لکھ آئے ہیں'' اُنہوں نے ''ریاست رامپور کا'' کتب خانہ بھی جو اُن کی بغل ہی میں ہے ''نہیں دیکھا'' اگر وہ اُسے دیکھتے تو ''شجرۂ سہروردیہ'' اور ''سیر محمدی'' تو ضرور اُس میں پالیتے'' جس سے خاندانِ زیرِ بحث کے متعلق اُن کی معلومات میں کافی اِضافہ ہو جاتا'' اور کئی جگہوں پر بھٹکنے سے بچ جاتے''

مصباح العارفین کے وجود کی چند مزید شہادتیں

''مصباح العارفین'' کی تلاش و جستجو میں ''مؤلف صاحب کی کوششوں یا شرگردانیوں کی اچھی طرح پول کھولنے کے بعد اب ہم اِس کتاب کے وجود کی سند میں ''مولوی غلام یزدانی صاحب'' ناظم آثار قدیمہ مملکت اعلیٰ حضرت حضور نظام دکن خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ'' کے اُس خط کی نقل پیش کرتے ہیں جو صاحب موصوف نے ''میاں اِمداد احمد سلّمہٗ اللہ تعالیٰ کو تحریر فرمایا تھا''

انہوں نے مولوی غلام یزدانی صاحب کو اپنے خط لکھنے کی یہ وجہ بتائی ہے کہ ''صاحب موصوف نے ''عمل صالح'' مصنفہ ''محمد صالح کنبوہ'' کی تصحیح ''ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال'' کی جانب سے کی ہے اور اُس پر ایک مقدمہ بھی تحریر فرمایا ہے'' جس میں لفظ کنبوہ پر بحث کرتے ہوئے انہوں نے ''مصباح العارفین'' کا حوالہ دیا ہے'' علاوہ اس کے وہ ''حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی'' کی اولاد بھی ہیں'' اور ہندوستان میں اپنے تبحرِ علمی کی وجہ سے خاص شہرت کے حامل ہیں''

مولوی غلام یزدانی صاحب کا خط

(مونوگرام)

OFFICE OF THE DIRECTER OF ARCHAEOLOGY (1)

HYDERABAD DECCAN

D.O.NO ١٣٦٦ DATED ١١ر آبان ١٣٤٤ف

کرم فرمائے بندہ!

آپ کا عنایت نامہ ملا۔ جواب میں اِس وجہ سے تاخیر ہوئی کہ۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی'' مصباح العارفین کا حوالہ۔ مولوی محمد شعیب صاحب مرحوم پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور نے لکھکر بھیجا تھا۔ اُن کا مطالعہ وسیع تھا۔ اور کتاب ضرور اُن کی نظر سے گذری ہو گی'' بہر حال مَیں خود کتب خانوں کی فہرست میں پھر اِس کتاب کی تلاش کروں گا۔ اور پتہ لگنے کے بعد آپ کو اطلاع دوں گا''

غلام یزدانی۔ ناظم آثار قدیمہ سرکار عالی

خدمت مولوی امداد احمد زبیری
عثمانیہ کالج گلبرگہ شریف

نواب حاجی خادم حسین صاحب کا خط

(٢) نواب حاجی محمد خادم حسن صاحب زبیری" عثمانی" معینی" گدڑی شاہی" اجمیری" نہایت ذی علم۔ اور مراد آباد کے رئیس ہیں" مگر آپ نے فقیری اختیار کر لی ہے" اس وجہ سے زیادہ تر اپنا قیام" اجمیر شریف میں رکھتے ہیں" وہیں سے ایک خط آپ نے ہمارے نام بھیجا تھا۔ جس میں تحریر فرمایا ہے کہ" مصباح العارفین" میرے بھائی" شوکت حسین صاحب (رئیس اعظم مراد آباد) نے" دہلی میں" بچشم خود دیکھی تھی"

(٣) مولوی غلام یزدانی صاحب نے" مشہور کتاب عمل صالح کے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے کہ۔

مولانا شیخ زین العابدین" جدِ مادری مولانا شیخ عبد الحق محدث دہلوی۔ کہ بازجدِ مادری راقم الحروف می باشد" در کتاب خود" مصباح العارفین" حے نویسد کہ در لفظ کنبو۔ واؤ نسبت است منسوب بہ کنباہ چوں واؤ ہندو" و کنبہ شہریست قریب غزنین" باشندگان ایں شہر اعم از اینکہ مسلمان باشند یا بت پرست" بایں لقب ملقب شدند" در بعض کتب تواریخ نوشتہ شدہ کہ" کنباہ" بالضم نام دریائے ست در شمال سمرقند۔ وآبادی ہاکہ بر کنارۂ آں دریا واقع شدہ" بہمیں اسم موسوم شدہ" چنانکہ جہلم نام دریائے است" ہمنام شہرے کہ بر لب آں دریا واقع است" در زمانے" سادات و شیوخ از عرب و بغداد آمدہ آنجا سکونت اختیار نمودند۔ وبعد مرورِ قرون وقتیکہ ازاں جا بہ ہندوستان آمدند" ایں لقب را ہمراہ خود شاں آوردند" علاوہ ازیں اقوال از قرینہ ایں شعر۔ بیت

اگر قحط الرجال افتد ازیں سہ آنس کم گیری
یکے افغان" دوم کنبوہ" سوم بدذات کشمیری

ایں امر واضح میگردد کہ" کنبوہ" مثل کشمیری وافغان" لقب مقامی است" نہ کہ ذاتی وصفاتی"

مولانا شیخ زین العابدین نانا مولانا شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے جو پھر جدِ مادری راقم الحروف کے ہوئے" اپنی کتاب مصباح العارفین میں لکھا ہے کہ" لفظ کنبو" میں واؤ نسبت ہے" منسوب کنبہ سے" مثل واؤ ہندو" کے اور کنبہ" شہر ہے قریب غزنین" اس شہر کے رہنے والے خواہ مسلمان ہوں" یا بت پرست" اس لقب سے ملقب ہوئے" اور بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ" شمال میں سمرقند کے ایک دریا کنباہ نام کا ہے" اور آبادی جو اس کے کنارے پر واقعہ ہے" ایک زمانے میں" سادات و شیوخ نے" عرب اور بغداد سے آکر وہاں سکونت اختیار کی" اور عرصہ گذرنے کے بعد جب وہاں سے ہندوستان آئے تو اس لقب کو اپنے ساتھ لائے" اس کے علاوہ اس بیت کے اقوال سے بھی کہ۔ بیت

بیت

اگر قحط الرجال افتد ازیں سہ آنس کم گیری
یکے افغان" دوم کنبوہ" سوم بدذات کشمیری

ثابت ہے کہ یہ لقب مقامی ہے نہ کہ ذاتی اور صفاتی"

مؤلف مہوی کے مصباح العارفین وجود سے انکار کرنے اور قدسی نفس حضرات کی بابت حملہ کرنے کے معمہ کا حل اور اُن کے ہوکولے نیز اخفا کا حال

مؤلف صاحب کے اس بیان میں جس قدر شبہے تھے" ان سب کا بطلان ثابت کر دینے اور اُن کی تحقیقات کی حقیقت کو بخوبی عُریاں کر چکنے کے بعد" اب ہماری مختصر آ اس معمہ کو حل کرنا ہے کہ" آنہیں اس کتاب کے وجود سے انکار کرنا بھی کس مقصد کے مدِنظر کیوں ضروری تھا" اور انہوں نے" مصباح العارفین" کے حوالے دیئے ہوئے شجرہ کو مابعد کی موضوعات بتا کر" قدسی نفس حضرات کی دیانت پر جو حملہ کیا ہے اس کی وجہ کیا ہے ظاہر ہے کہ" کوئی شخص جس کی نیت نیک نہ ہو۔ اسے صرف اپنے مطلب سے غرض ہو۔ یا اُس گدڑی بڑھیا کی طرح ہو جس کی خواہش تھی

کہ تمام دنیا کے اشخاص اُسی کی طرح کیڑے ہو جائیں" یا کسی انتقام کے دَر پے ہو۔ یا اُس کے سینہ میں خواہ مخواہ حسد کی بھٹی سُلگ رہی ہو تو ایسا شخص جس قدر بھی دھوکے دے اور ناروا باتیں کر گذرے وہ اُس سے بعید نہیں ہیں۔ نہ ایسے شخص سے صداقت و انصاف کی توقع رکھی جا سکتی ہے"

ہمارے مؤلف صاحب "کیونکہ "مصباح العارفین" کا نام کسی طرح بھی چھپا نہیں سکتے تھے" اس لئے اُن کے لئے مشکل یہ آن پڑی کہ اگر وہ اُس کے وجود کو مان لیتے تو پھر اُس عمارت کو جو وہ بنا رہے تھے کسی صورت سے قائم نہیں رکھ سکتے تھے" اس لئے انہوں نے پہلے تو اس کتاب کو مشتبہ قرار دیا مگر بعد میں جب غور کیا کہ "لفظ مشتبہ سے" کام نہیں چلے گا۔ تب اُس کے تصنیف کئے جانے ہی سے انکار کر دینا مناسب خیال کیا" اور اب جو اِس کتاب کے وجود کو اپنے مقصد کے منافی قرار دے لیا۔ تو اُن کے لئے "دھوکے سے" "جھوٹ سے" "قیاس سے" کام لیکر اور مقدس بزرگوں کی دیانت پر حملہ کرنے سے غرضکہ جس طرح بھی بن پڑ سکے اپنی غرض کو حاصل کرنا ضروری ہو گیا" اگر وہ اِن چالوں اور حربوں کو کام میں نہ لاتے تو اُس قلعہ کو جسے ہم زمین کے برابر کر آئے ہیں۔ کیسے تعمیر کر سکتے تھے "ماشاء اللہ کس سادگی سے لکھا ہے کہ "ہم نے ہندوستان کے مختلف کتب خانوں میں تلاش و جستجو کی" جن حضرات کو مشائخ و اولیاء کے تذکروں سے شغف و دلچسپی ہے اور اُن کے یہاں اُس کا کافی ذخیرہ موجود ہے معلوم کیا۔ خود مصنفین کے اہلِ خاندان سے دریافت کیا لیکن "اِس کتاب کا وجود نہ ملا" کیا اُن کے اِس جریدہ بیان کو صحیح سمجھا جا سکتا ہے" کم از کم "مصباح العارفین" کے لئے وہ کسی اخبار میں اشتہار دے سکتے تھے" اور اُس اشتہار کے کسی ایک جواب ہی کو اپنی کتاب میں اپنے اِس بیان کی شہادت میں پیش کر سکتے تھے یا کسی ایسے شخص کو جسے مشائخ و اولیاء کے حالات سے دلچسپی رکھنے والا سمجھتے تھے" یا مؤلف صاحب "شمس التواریخ" اور صاحب المشاہیر" کے بھائی اور صاحبزادے سے دریافت کر کے اُن کے جواب درج کر سکتے تھے" مگر انہوں نے اپنے اِس بیان کی ایک شہادت بھی پیش نہیں کی" اِس کے جو معنی ہو سکتے ہیں ظاہر ہیں" ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ انہوں نے متذکرہ بالا اصحاب سے ہرگز دریافت نہیں کیا اور جب اُن سے نہیں دریافت کیا تو دوسروں سے معلومات بہم پہنچانے کی حقیقت اچھی طرح روشنی میں آ جاتی ہے" صاحب المشاہیر" کا کتب خانہ دیکھنے کی بھی انہوں نے کبھی کوئی خواہش نہیں کی" حالانکہ وہ قطعی طور سے اُن کی دسترس میں تھا۔ نہ انہوں نے ریاست رامپور کا کتب خانہ دیکھا جو اُن کی بغل ہی میں موجود ہے"

لیکن اِس پر بھی ہم مانے لیتے ہیں کہ مؤلف صاحب" نے "مختلف کتب خانے" دیکھے ہوں گے اور کچھ لوگوں سے دریافت بھی کیا ہوگا اور اُنہیں "مصباح العارفین" دستیاب نہیں ہوئی ہو گی" تاہم ہمیں اِس موقع پر بتانا یہ ہے کہ "اِس کتاب کے ماسوا بھی جو کمیاب ہے اور جس میں خاندان زیرِ بحث کا شجرۂ نسب "حضرت مصعب بن حضرت زبیرؓ تک درج ہے۔ اور بھی بڑا ابھی قدامت رکھنے والی ایسی کتابیں موجود ہیں جن کے مطالعہ سے اِس خاندان کی نسبی کیفیت شرح و بسط کے ساتھ معلوم ہوتی ہے" اور وہ آسانی کے ساتھ دستیاب ہو جاتی ہیں"

اِن مؤلف صاحب نے اپنی بحث میں اُن کا کہیں بھی کوئی ذکر نہیں کیا ہے" اُن میں "سلسلۃ عالیہ" تو "میر محمد ... [illegible] ... مراد آباد علیگڈھ و بریلی" ہی میں نہیں بلکہ "مؤلف صاحب کے وطن" امروہہ" کے اکثر گھروں میں موجود ہے" مگر اُن کی ساری بحث کو دیکھ جائیے اُس میں کہیں "سلسلۂ عالیہ" کی کوئی عبارت تو درکنار رہی" اُس کا نام تک نہیں نظر آئے گا" اِسی طرح "شجرۂ سہروردیہ" جو رامپور کے کتب خانہ میں موجود ہے" اور "عمل صالح" کے نام بھی اُن کی کتاب میں نہیں ملیں گے" اِن کے علاوہ اور بھی کتابیں ہیں جن کو ہم طوالت کے خیال سے چھوڑتے ہیں" اور مؤلف صاحب سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا "مصباح العارفین" کی طرح یہ کتابیں بھی انہیں کسی کتب خانے میں نہیں دکھائی دیں" اور انہیں کوئی شخص ایسا نہیں ملا جو اِن کتابوں کا انہیں پتہ بتا سکتا تھا نیز المشاہیر ... [illegible] ... انہیں ... [illegible] ... کی کوششوں پر خوب خوب تحسین کی ہیں "سلسلۂ عالیہ" کو سمجھا سکتا تھا"

مؤلف صاحب کے "مصباح العارفین" کی تلاش و جستجو کرنے کی حقیقت کو اچھی طرح دکھا چکنے کے بعد اب ہمیں صرف اِتنا اور بتانا ہے کہ "جو کتابیں اُن کی خواہش اور مقصد میں حائل ہیں۔ خواہ وہ اُن کے گھر ہی میں کیوں نہ ہوں انہیں مطلق نظر نہیں آتیں۔ اور تلاش و جستجو ... [illegible]

تو اُسی کتاب میں کنبو یا کنبوہ" کے نسب کے متعلق جو عبارت تحریر ہوتی ہے" وہ اُن کی نظروں سے قطعاً اوجھل رہ جاتی ہے۔ اور لفظ کنبوہی بھی کسی کتاب بلکہ منتخب التواریخ تک میں انہیں نظر نہیں آیا ہے" ان کی ساری کتاب دیکھ ڈالئے لفظ کنبوہی کہیں نہ ملے گا بلکہ وہ یہ ہی یقین دلاتے ہوئے پائے جائیں گے" کہ جہاں لکھا ہے" اِس خاندان کے بزرگوں کے ناموں کے سامنے کنبو یا کمبو کے سوا اور کچھ بھی لکھا ہوا نہیں ہے"

باب پانزدہم

"قطع نظر اِس کے" اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے" کہ مخدوم شیخ سماء الدین رح" اور" نواب شہباز خان" اِن دونوں بزرگوں کے نسب نامے" کسی کتاب میں منقول ہیں" تو دیکھنا یہ ہے کہ" آیا یہ سلسلے جس طرح بیان کئے گئے ہیں" حضرت زبیر رض" تک پہنچتے بھی ہیں یا نہیں" مخدوم صاحب کا سلسلہ" بذریعہ ہادی بن عیسےٰ بن مصعب بن حضرت زبیر رض" تک پہنچایا گیا ہے" مصعب بن زبیر رض" کی شخصیت کوئی معمولی شخصیت نہ تھی۔ کہ اُن کی اور اُن کی اولاد کا تذکرہ" کتب تواریخ و سیر" میں نہ ملتا" اُن کے فرزند عیسیٰ" کو جن سے یہ سلسلہ ملایا جاتا ہے۔ ہر کتاب میں" غیر معقب" بتایا گیا ہے" اور" تمام مورخین" کا اِس پر اتفاق ہے کہ۔ اُن سے نسل نہیں چلی"

"ابن قتیبہ نے" معارف میں" اِس کی تصریح کر دی ہے۔ اور صاف لکھا ہے کہ۔

" فاما عیسیٰ (بن مصعب) فقتل مع ابیہ ولا عقب لہ" (عیسیٰ" اپنے باپ کے ساتھ قتل ہو گئے۔ اور اُن کے کوئی عقب نہ تھا") نہ" مصعب بن زبیر رض" کے کسی پوتے کا نام یا لقب" ہادی" بیان کیا گیا ہے" جس کے ذریعہ یہ سلسلہ متصل ہوتا ہو" (ص۳۴۲)

اِس بیان کا فقرہ اوّل" ہمارے اُس جملہ کی بخوبی تصدیق کر رہا ہے۔ جسے لکھکر ہم نے پچھلی بحث کو ابھی ختم کیا ہے" ورنہ وہ یہاں" اگر کے ساتھ بھی" مخدوم صاحب اور نواب شہباز خاں" کے نسب ناموں کے کسی کتاب میں منقول ہونے کو ہرگز تسلیم نہ کرتے" جو مؤلف اِس سے پہلے کسی" کنبو بزرگ" کے" نسباً زبیری ہونے سے" انکار مطلق کر چکا ہو" اور اُن کے شجرہ کو جو" حضرت مصعب بن حضرت زبیر رض پر منتہی ہوتا ہے مابعد کی موضوعات بتا چکا ہو" اور جسے اپنی تحقیقات کی سچائی پر پورا پورا وثوق ہو۔ تو ہم نہیں سمجھ سکتے کہ اُسے اپنے رَدکردہ شجرہ پر بحث کرنے کی ضرورت کیوں پیش آ سکتی ہے" مگر جب انہوں نے اِس شجرے پر بحث کرنے کو ضروری خیال کیا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ جو کچھ" مصباح العارفین" کے وجود کے بارے میں وہ اوپر لکھ چکے ہیں" اُس سے خود بھی کسی طرح مطمئن نہیں ہیں" اور اُن کے دل میں" اس کی طرف سے ڈر موجود ہے"

فقرہ دوم" میں مؤلف صاحب نے" اپنے ترکش کا سب سے زہریلا یعنی سمّ قاتل میں بجھا ہوا تیر چلایا ہے۔ اور یہ سمجھکر کہ" نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری" اپنے زعم ناقص میں گویا اِس خاندان کی جڑ ہی کاٹ دی ہے"

ہم اُنہیں بتاتے ہیں کہ یہ تیر بھی نشانہ پر نہیں بیٹھا" اُن کا یہ بیان کہ" اُن کے فرزند" عیسیٰ" (بن مصعب رض) کو جن سے یہ سلسلہ ملایا جاتا ہے" ہر کتاب میں" غیر معقب" بتایا گیا ہے" اور" تمام مورخین کا" اِس پر اتفاق ہے کہ" اُن سے نسل نہیں چلی" قطعاً غلط اور حقیقت سے کوسوں دور ہے"

حضرت مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہٗ کے خاندان عالی شان کے ہر زمانہ میں ممتاز رہتے چلے آنے کے متعلق ایک بیان

انہوں نے اپنے اُس جوش میں جو اِس خاندان کی طرف سے اُن کے دل میں موجزن ہے۔ یہ نہیں سوچا کہ تقدس و علم و فضل جس خاندان کا ورثہ رہا ہو اور ذہانت جس کی گھٹی میں پڑی ہو۔ جس کے اِن اوصاف کے تذکروں اور قصوں سے قدیم و جدید تاریخیں بھری پڑی ہوں۔ اُس پر یہ تیر کارگر نہیں ہو سکتے۔ احمد خاں اکبر شاہی صاحب "شجرہ سہروردیہ" نے لکھا ہے کہ:

"اِیں خاندان عالی شان در ہمہ اوان و از بانواع رعایت و اصطفا تربیت مخصوص و ممتاز بودہ اند۔"

یہ خاندان عالی شان ہر زمانے میں ہر طرح کی رعایت و اصطفا تربیت سے ممتاز رہا ہے۔

صاحب خزانہ عامرہ اور صاحب مآثر الامراء کے بیانات حضرت مخدوم صاحب قدس سرہٗ کے خاندان کی علمی فضیلت اور حدت ذہن کے بارے میں

اور علامہ غلام علی آزاد بلگرامی" نے "تذکرہ خزانہ عامرہ" میں تحریر فرمایا ہے کہ "ہندوستان میں (ابتدائے عملداری مسلمانان سے) اِس خاندان کے حضرات خدمات شرعیہ پر مامور رہے اور اب بھی ہیں"۔ نیز "شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب" نے اپنی "تاریخ ہندوستان کی جلد پنجم میں" اِس خاندان کے ایک بزرگ کی ذہانت کا وہ قصہ بیان کر کے جو "مآثر الامراء" میں بھی ہے "اِن الفاظ میں رائے ظاہر کی ہے کہ "(چنانچہ اکثر اِس فرقہ کے آدمی ہندمیں "حدت ذہن میں" مشہور رہیں")

حضرت مخدوم صاحب قدس سرہٗ کے افراد خاندان کی طرف سے کسی غلط اور قابل گرفت بات کے پیش کئے جانے کا ناممکن ہونا

ماسوائے ان مؤرخین کے جب خود مؤلف صاحب نے بھی اُسے "نامور قوم" اور "دودمان عالی شان" لکھا ہو تو ایک ایسا علم و فضل اور ذہانت رکھنے والا خاندان" کوئی ایسی بات کیسے بیان کر سکتا ہے" جو ان مؤلف صاحب جیسے حضرات کی گرفت میں آسانی کے ساتھ آسکتی ہو" اور اُن کے تقدس و بزرگی نیز علم و فضل پر بھی۔ حرف لاتی ہو" یہ شجرہ جو انہوں نے "شیخ ادہن" کو بتلایا اور اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ اپنی صداقت کا خود ایک بیّن ثبوت ہے "اگر یہ بزرگ زبیری نہ ہوتے تو ایک ایسے بزرگ سے جسے مؤلف صاحب لاعقب بتا رہے ہیں" اپنا سلسلہ ہرگز نہ ملاتے ہندی النسل ہوتے اور عرب سے رشتہ ملانا ہی اُن کا مقصد ہوتا تو اُن کے لئے "سیّد" بن جانے میں کون امر مانع تھا" صدیقی بننا یقیناً اُن کے لئے زبیری بننے سے زیادہ آسان تھا"

ابنِ قتیبہ کی غلط بیانی کی عریانی اور تردید خود مؤلف امروہوی کے قلم سے

مؤلف صاحب نے "صرف ایک کتاب "معارف ابن قتیبہ" کا اقتباس دیکر" ہر کتاب میں" اور "تمام مؤرخین کا اِس پر اتفاق ہے کہ"، جو الفاظ لکھے ہیں۔ اُن میں ذرہ برابر اصلیت نہیں ہے" وہ سراسر دھوکا ہیں" جسے ہم ثابت کریں گے"

اب رہا "مسلم ابن قتیبہ" کا بیان" تو اُس کے متعلق یہ ایک حقیقت ہے کہ وہ کوئی مؤرخ یا نسّاب نہیں ہے" اُس کے ذرائع معلومات محدود ہیں۔ اور اُسے واقعات و حالات پر پورا عبور ہرگز حاصل نہیں ہے" اُس کی شان بس اِسی قدر ہے کہ آدھی تہائی بات کہتا ہے اور جس کی اولاد کا حال اُسے نہیں معلوم ہوتا۔ بے تامل اُسے غیر معقب لکھ دیتا ہے۔ ہم چاہیں تو ایسی بہت سی مثالیں پیش کر سکتے ہیں کہ جن کو اُس نے غیر معقب بتایا ہے" وہ صاحب اولاد تھے اور اُن سے نسلیں چلی ہیں" اُس کی واقفیت کی حقیقت دکھانے کے لئے پہلے ہم "اِن مؤلف صاحب" ہی کا وہ بیان جو معارف میں مندرج ایک واقعہ کی تردید میں ہے پیش کرتے ہیں" صاحب موصوف نے اپنی کتاب "تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کی جلد چہارم" صفحہ ۲۰۱۹ کے حاشیہ پر جو نوٹ "ابن قتیبہ کی کتاب "معارف" پر" اپنی طرف سے دیا ہے وہ یہ ہے کہ"

"ابن قتیبہ" نے "معارف" میں "آپ کے (حضرت بی بی فاطمہؓ کے) ایک صاحبزادے "محسن" کا بہ ایں الفاظ ذکر کیا ہے کہ "ھلک وھو صغیرا" بعض روایتوں میں یہ الفاظ ہیں کہ "سقط جنیناً" لیکن یہ سب موضوعات ہیں" ولادت محسن سے قطع نظر" کسی روایت سے "محسن" کا "حمل میں ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا"

ابن قتیبہ کی زندیقیت اور غلط بیانیوں" اور مؤلف امروہوی کے خاندان کے شجرہ خوان میراثیوں کی حیثیت پر" شیخ علی احمد صاحب صدیقی کا تبصرہ

دوسرا بیان "شیخ علی احمد صاحب صدیقی" کا ہے "صاحب موصوف کا "عرض حال کی تشریح کے تحت ایک مضمون ہمارے مؤلف صاحب کے عزیز قریبی "عبید اللہ صاحب فرحتی امروہوی" کی کسی تحقیق کے جواب میں "رسالہ القریش امرتسر" جلد ۳ نمبر ۶ بابتہ ماہ جون ۱۹۷۱ء میں صفحہ ۵-۶ پر درج ہے" اپنے مضمون میں صفحہ ۵ پر "مسلم ابن قتیبہ" اور اس کی کتاب معارف کے متعلق "صدیقی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے وہ یہ ہے"

"سید المؤرخین" جناب مسلم بن قتیبہ" جن کو "فرحتی" "طبری" وغیرہم سے قدیم شخص تسلیم فرماتے ہیں۔ بلکہ "طبری" وغیرہم کیلئے انہیں تاریخ کا ماخذ جانتے ہیں۔ اگر یہی درست ہے تو بہ ادب مولانا ممدوح کی خدمت میں عرض کرنا خلاف تہذیب نہ ہوگا۔ کہ ان کی (ابن قتیبہ کی) تاریخ یا تحقیق "ایسی مکمل نہیں کہ اس پر کسی کو حرف گیری کا حق نہ ہو" نہ ان کی (ابن قتیبہ کی) صداقت ایسی ہے۔ کہ اس کو نعوذ باللہ "آیہ کریمہ" کے مساوی سمجھا جائے۔ یا ان کی (ابن قتیبہ کی) صداقت و تحقیق سے انحراف "ایمان بالغیب" سے انحراف سمجھا جا سکتا ہے" جب ان کی (ابن قتیبہ کی) تحقیق و تدقیق کا یہ عالم ہے۔ کہ وہ دونوں کے مقلدین "حضرت رسول خدا صلعم" کی ذات بابرکات سے "غرانیق" ایسی بے بنیاد حدیث منسوب کرنے میں۔ ذرا تامل نہیں فرماتے" اور اس دافع شرک (رسول مقبول صلعم) کی زبان توحید سے "عزیٰ" "لات" اور "منات" کی عزت کو جائز قرار دیتے ہیں "(فاعتبروا یا اولی الابصار") ایک فرضی قصہ کو بلا صحت اپنی تصنیف میں داخل کر لینا کچھ گناہ نہیں سمجھتے۔ اور "رسول پاک صلعم" کی بے لوث ذات پر۔ ناپاک حملے کرنے سے نہیں ہچکچاتے" تو مولانا فرحتی" جن کی مسلمہ قابلیت کا ہمیں اعتراف ہے۔ اور وسیع واقفیت کا احترام ہے" غور فرمائیں۔ کہ ان کا یہ لکھنا کہ "قاسم" "محمد" کا بیٹا تھا" اور وہ عرب میں عالم و فاضل تھا" کیونکر بلا چون و چرا ثابت کر سکتا ہے کہ "حضرت محمد شہید علیہ الرحمتہ" بجز "قاسم" کوئی اولاد نرینہ نہ رکھتے تھے" . . . . ہمیں اپنے محفوظ شجرے کی صحت پر" مؤرخوں کی ایسی فاحش غلطیوں کو دیکھتے ہوئے" جو ایک زمانے کو زندیق بنانے کا کافی سامان ہے ہرگز کلام نہیں" . . . . صفحہ ۱۶" کس طرح ایک مؤرخ کے مجمل فقرے پر اس کی صحت کو قربان کر دیا جائے" . . . . . اگر "مولانا فرحتی" مؤلف امروہوی کے ایک بزرگ) کے خاندان کی طرح۔ ہمارے ہاں بھی "میراثیوں کا" کچھ عمل دخل ہوتا تو ہم بھی خم ٹھونک کر" مولانا کے پاس۔ اس کا پیکٹ ارسال کر دیتے۔ تاکہ وہ "مولانا" یا ان کے میراثی کی "تشفی کر دیتا" لیکن کیا کریں ع "زمین و آسماں دیگر است" . . . . . "صدیقی" "فاروقی" اور "ہاشمی" "قریشیوں" اور "سیدوں کا آج تک شجرہ خواں کوئی میراثی نہیں" اور نہ ان کے بیاہ شادی کے موقعوں پر" کوئی میراثی" شجرے کشی کی خدمت انجام دیتا ہے" بلکہ اسے چلم بھری کے انہماک ہی سے فرصت نہیں ہوتی۔ جس کو وہ بصد ناز غنیمت جانتا ہے" لہٰذا یہ عرض کر دینا داخل گستاخی نہ ہوگا کہ مولانا فرحتی کے شجرہ مصدقہ میراثی سے "آل عدنان" کا مستفید ہونا ممکن ہے"

صدیقی صاحب کے مضمون میں سے ہم صرف اسی ٹکڑے کو لینا چاہتے تھے" جس سے "مسلم ابن قتیبہ" کی حقیقت معلوم ہوتی ہے" لیکن اس میں دو باتیں اور نکل آئیں" پہلی تو یہ کہ "ہمارے مؤلف صاحب کے علاوہ ان کے دیگر اعزا نے بھی "معارف" کو سند بنا کر اکثر "قریشی خاندانوں کے نسب پر خوب خوب خامہ فرسائی کی ہے" دوسری یہ کہ ان کے خاندان یا گھرانے کے شجروں کی خواندگی" "درستگی" اور حفاظت میراثی کیا کرتے ہیں" لہٰذا ضیافت طبع کے لئے ہم نے ان باتوں پر روشنی ڈالنے والے فقروں کو بھی اس مضمون سے لیکر لکھ دیا ہے" ۔

عبدِ قصیؓ کی نسل چلنے کی شہادتیں جسے ابنِ قتیبہ نے منقطع بتایا ہے

اب ہم چند ایسی مثالیں پیش کرتے ہیں جن سے یہ حقیقت ظاہر ہوگی کہ جو اشخاص صاحبِ اولاد تھے اور ان سے نسل چلی ہے" مگر مسلم ابنِ قتیبہ نے" اپنی کتاب معارف میں" انہیں غیر معقب یعنی لاولد لکھا ہے"۔

(۱) تاریخ امروہہ جلد اوّل کے صفحہ ۲۲۹ پر مؤلف صاحب نے لکھا ہے کہ" اِس مشہور سردار قریش" یعنی جناب زید الملقب بہ قصیؓ" کے چار" اور بروایت دیگر چھ فرزند ہوئے" یعنی "عبد مناف" "عبد العزیٰ" "عبد الدار" اور "عبد قصیؓ" یہ چاروں سردار اپنے زمانے کے نامور زعمائے قریش سے ہوئے" ان میں ایک کی نسل منقطع ہے" یعنی آخر الذکر (عبد قصیؓ) کے دو بیٹے "منہب" اور "وہب" ہوئے" لیکن ان سے نسل نہیں چلی" ابنِ قتیبہ کی سند سے مؤلف صاحب کا بیان ختم ہوا" اب ہم "عبد قصیؓ" کی پوری اولاد اور اُن سے جو نسل چلی اُسے بتاتے ہیں" ملاحظہ ہو"۔
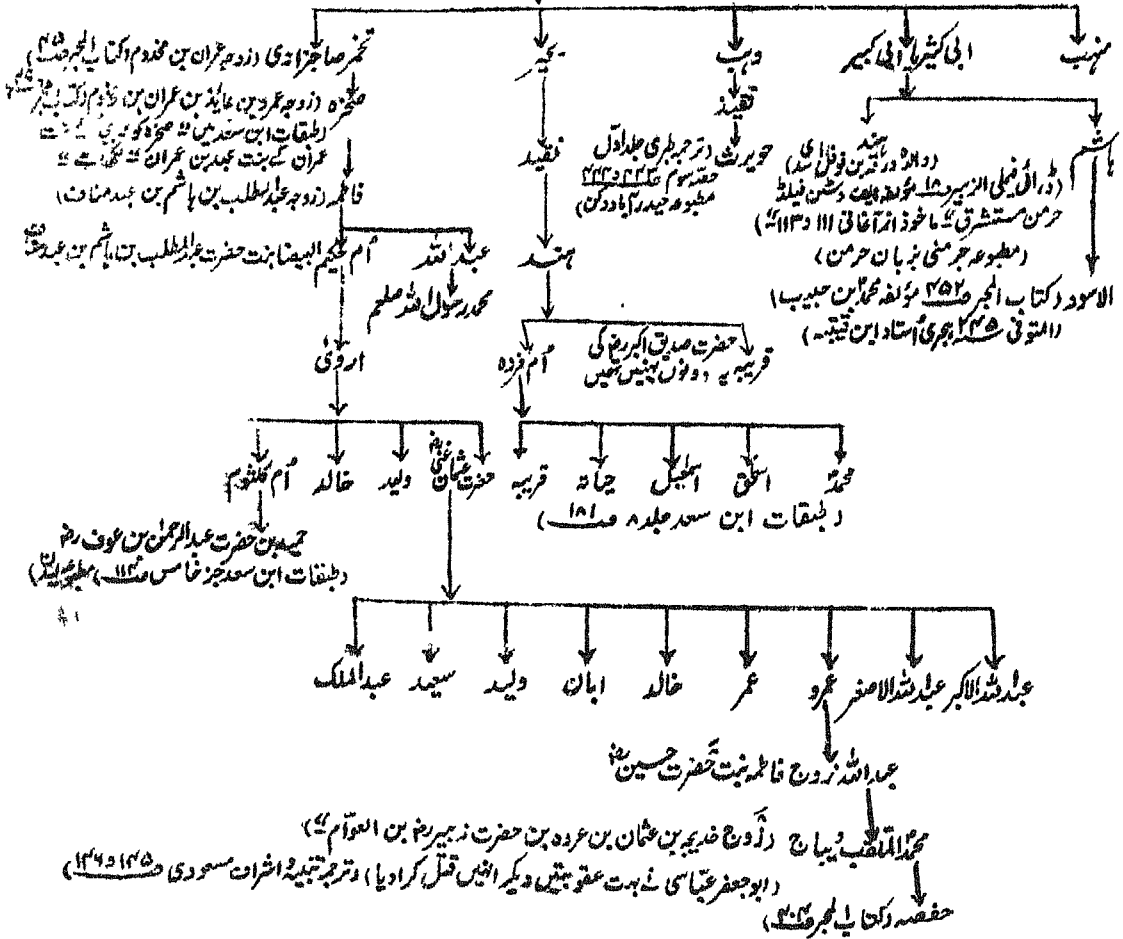
وہ متعدد بزرگ اصحابِ رسول صلعم جن کی اولاد ابنِ قتیبہ نے آدھی تہائی بتائی ہے

(۲) ابنِ قتیبہ" نے "حضرت زبیر رضؓ" کے دادا "جناب خویلد" کے کل ایک صاحبزادی" اور تین صاحبزادے بتلائے ہیں" حالانکہ اُن کے "چار صاحبزادیاں" اور "چار صاحبزادے تھے" اُس کی عبارت یہ ہے کہ "فاطمہ بنت زائدہ بن اصم" آپ کی بیوی "ازن بن منصور" کے قبیلہ سے تھیں" اُم المومنین بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضؓ" اور "عوّام بن خویلد" کے علاوہ "نوفل خویلد" اور "حزام بن خویلد" آپ کی اولاد تھے" (ترجمہ معارف ابن قتیبہ ص۱۳۵)

اب ہم ابنِ قتیبہ کے مقابلے میں "جناب خویلد" کی پوری اولاد کا نقشہ پیش کرتے ہیں"

خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصیٰ

اُم المومنین حضرت خدیجہؓ — ہالہ آنحضرت صلعم کی سمدھن حضرت زینبؓ کی ساس — رقیقہ (← امیمہ) — خالدہ — نوفل — اسد — حزام (حضرت حکیمؓ کے والد، حضرت حکیمؓ آنحضرت صلعم کے لڑکپن کے تین دوستوں میں سے ایک تھے) — العوام (حضرت زبیرؓ کے والد)
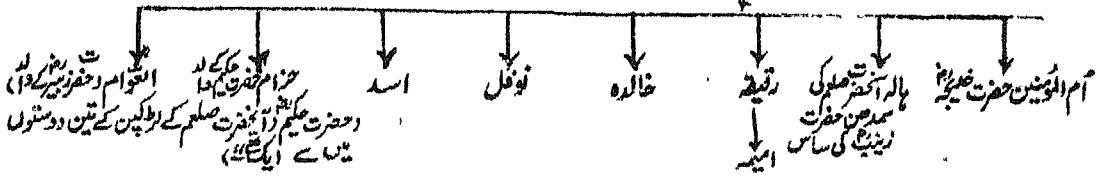
ڈائی فیملی الزبیر رضؓ کے شجرے میں سوائے "رقیقہ" کے یہ سب نام موجود ہیں" اور "طبقات ابن سعد جزء ا بع کے ص۱۸ پر "امیمہ بنت رقیقہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ" کا حال تحریر ہے" نیز اکمال فی اسماء الرجال" کے ص۱۲ مطبوعہ کرزن پریس دہلی میں "حضرت امیمہ بنت رقیقہ بنت خویلد" کا حال اس طرح تحریر ہے کہ "آپ "بی بی خدیجہ رضؓ" کی بہن ہیں اور "اہلِ مدینہ میں آپ کا شمار ہے" اور کتاب المجبر کے ص۱۰ پر ہے کہ "خالدہ بنت خویلد" کے واسطے سے جو "بی بی خدیجہ رضؓ" کی بہن ہیں" علاج بن ابی سلمہ بن عبد العزیٰ بن عنبرہ" کے "آنحضرت صلعم" ساڑھو بنے"

(۳) ابنِ قتیبہ" نے "حضرت حکیم بن حزام بن خویلد" کے صرف تین بیٹے بتائے ہیں" حالانکہ آپ کے چھ صاحبزادوں کا حال ہمیں معلوم ہوا ہے" ترجمہ معارف ابن قتیبہ کے ص۱۰۹ پر تو آپ کے ایک صاحبزادے کا نام "عمر" لکھا ہے" اور ص۱۳۵ پر یہ عبارت لکھی ہے کہ "آپ کے صرف دو صاحبزادے "عبد اللہ" اور "ہشام" تھے"

اب ہم "حضرت حکیم بن حزام رضؓ" کی پوری اولاد کا نقشہ پیش کرتے ہیں"

ڈائی فیملی الزبیر رضؓ کے ص۲۳ پر تحریر ہے کہ "آپ کی بیوی "زینب" العوّام بن خویلد" کی صاحبزادی (حضرت زبیرؓ کی بہن تھیں" اور ان بیوی سے آپ کے چار لڑکے "خالد" ہشام "یحییٰ" اور "عبد اللہ" ہوئے" جو اپنے والد بزرگوار ہی کی طرح "فتح مکہ" پر مسلمان ہوئے" اور اسی کتاب کے دیئے ہوئے شجرہ میں آپ کے دو صاحبزادوں "عمر" اور "حزام" کے نام بھی لکھے ہیں" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں بھائی دوسری بیوی کے بطن سے تھے" حزام بن حضرت حکیم" کا حال "نوَوِی" کے ص۲۱۶ اور "ابن حجر" جلد ا کے ص۳۱۱ پر بھی موجود ہے"

(۴) ابنِ قتیبہ" نے "حضرت زبیر رضؓ" کے والد العوّام بن خویلد" کی صرف چھ اولادیں لکھی ہیں" حالانکہ اُن کے

نو اولادیں تھیں۔ ترجمہ معارف ابن قتیبہ جلد اوّل کے ص۱۳۵ و ۱۳۶ پر تحریر ہے کہ "آپ کی (العوام کی) والدہ "مازن بن منصور" کے قبیلہ سے تھیں" "آپ جنگ فجار میں کام آئے" "آپ کی اولاد" "زبیر رض" اور "سایب رض" "اُمّ سایب صفیہ رض بنت عبدالمطلب" کے بطن سے اور دیگر "عبدالرحمٰن" "اسود" "اصرم" اور "یعلی" تھی "ان میں "زبیر رض" کے سوا کسی سے نسل نہیں چلی" ابن قتیبہ کے بیان میں العوام کا ایک بیٹا کم ہے" اور بیٹیوں کا ذکر تو مطلق نہیں ہے"

ابن قتیبہ نے اپنے بیان میں العوام کی اولاد میں تین نام کم بتانے کے علاوہ یہ بھی غلط لکھا ہے کہ "حضرت صفیہ رض" کے بطن سے اُن کے صرف دو صاحبزادے "حضرت زبیر رض" اور "حضرت سایب رض" تھے" صحیح یہ ہے کہ "حضرت صفیہ رض" کے بطن سے العوام کے تین صاحبزادے تھے"

طبقات میں ہے کہ "جاہلیت میں حضرت صفیہ رض" کی شادی - الحارث بن حرب بن اُمیّہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصیؒ" سے ہوئی تھی جن سے "حضرت صفیہ رض" کے ایک لڑکا پیدا ہوا تھا" پہلے شوہر کے انتقال کے بعد آپ کی شادی "العوام بن خویلد بن اسد بن عبد العزّیٰ بن قصیؒ سے ہوئی۔ جن سے "الزبیر رض" "السایب رض" اور "عبد الکعبہ" آپ کے تین فرزند پیدا ہوئے"

(طبقات ابن سعد جلد ۶ - ص۲۷)

ابن اثیر نے لکھا ہے کہ "عبدالرحمٰن رض" کا اصلی نام "عبد الکعبہ" تھا" اسلام لانے پر "رسول اللہ صلعم" نے نام بدل دیا"

(تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۳ - ص۱۳۱) و ڈائی فیملی الزبیر رض ص۲۷)

اب ہم "ابن قتیبہ" کے مقابلہ میں "جناب العوام" کی پوری اولاد کا نقشہ پیش کرتے ہیں" جس سے اُس کی غلط بیانی پورے طور سے ظاہر ہو جاتی ہے"

العوام بن خویلد بن اسد

بجیر یا بُغیر — اسود — اُصرم — یُعلی — سایب رض — عبد الکعبہ (عبدالرحمٰن رض) — زبیر رض — زینب رض زوجہ حکیم بن حزام — اُم حبیبہ رض زوجہ خالد بن حزام رض

عبد الکعبہ (عبدالرحمٰن رض) ← عبداللہ (تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۳ ص۱۳۱)

زینب رض زوجہ حکیم بن حزام ← عبداللہ — خالد — ہشام — یحییٰ

اُم حبیبہ رض زوجہ خالد بن حزام ← اُم الحسن (ابن حجر جلد ۴ ص۸۵ و ۵۳ ۸)

ڈائی فیملی الزبیر رض کے ص۲۶ پر تحریر ہے کہ "ان کی (العوام کی) دو بیٹیاں "زینب" اور "اُمّ حبیبہ" تھیں" اور سات بیٹے "بجیر یا بُغیر (BUGAIR)" "عبدالرحمٰن" "اسود" "اُصرم" "یُعلی" "السایب" اور "الزبیر رض" تھے"

(۵) ابن قتیبہ نے "حضرت زبیر رض" کی بیٹیوں کی کوئی تفصیل نہیں دی" صرف اُن کی ایک بی بی کا نام بتا کر اُن کی اولاد کو ان الفاظ میں لکھا ہے کہ "عبداللہ" "عاصم" "عروہ" "منذر" "اُم الحسن" "(حضرت) اسماء رض بنت حضرت ابو بکر صدیق رض" کے بطن سے "مصعب" "حمزہ" "رملہ" "خالد" "عمرو" "عبیدہ" "جعفر" "خدیجہ" اور "عائشہ" وغیرہ نو صاحبزادیاں تھیں"

(ترجمہ المعارف ابن قتیبہ ص۱۳۵ و ۱۳۶ مترجمہ محمد عبدالواحد "آسی پریس لکھنؤ)

ابن قتیبہ کے بیان میں دو غلطیاں ہیں" اوّل یہ کہ "حضرت اسماء رض" کے بطن سے جو صرف پانچ اولادیں اُس نے بتائی ہیں" یہ تعداد صحیح نہیں ہے" "حضرت اسماء رض" سے آپ کے آٹھ اولادیں بتفصیل ذیل تھیں"

"عبداللہ" "عروہ" "منذر" "عاصم" "مہاجر" "رجاء" "خدیجۃ الکبریٰ" "اُم الحسن"

دوم یہ کہ "ابن قتیبہ" نے "حضرت زبیر رضؓ" کے جو دس صاحبزادے اور نو صاحبزادیاں بتائی ہیں۔ اس تعداد میں دو کی کمی ہے حضرت زبیر رضؓ کے بارہ صاحبزادے اور نو صاحبزادیاں تھیں "ابن سعد" نے سب کے نام بالتفصیل اس طرح لکھے ہیں کہ جن بی بی سے جو اولاد ہوئی ہے "اس کے نسب کو اور اس کی اولاد کو الگ الگ بتا دیا ہے" (دیکھو طبقات ابن سعد جلد دوم صفحہ مطبوعہ لیدن)

اب ہم "ابن قتیبہ" کی تحریر کے مقابلہ میں "حضرت زبیر رضؓ" کی پوری اولاد کا نقشہ پیش کرتے ہیں۔
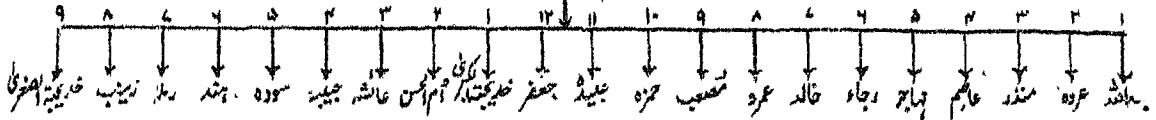
(۶) ابن قتیبہ نے "عمر بن حضرت زبیر رضؓ" کی اولاد کے متعلق "المعارف کے صفحہ ۱۳۷ پر صرف یہ عبارت لکھی ہے کہ "عمرو بن حضرت زبیر" کا بیٹا "عمرو بن عمرو" ہے" ان کی اور اولاد کے متعلق ہمیں کچھ معلوم نہیں ہے"

اب ہم ابن قتیبہ کی تحریر کے مقابلہ میں "عمرو بن حضرت زبیر رضؓ" کی پوری اولاد کا نقشہ پیش کرتے ہیں۔
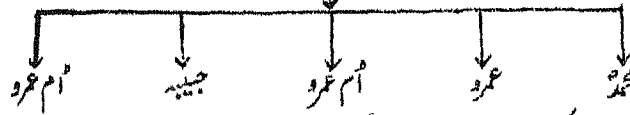
(دیکھو طبقات ابن سعد جزء خامس صفحہ ۱۳۷)

(۷) ابن قتیبہ نے "عبیدہ بن حضرت زبیر رضؓ" کی کسی اولاد ذکور و اناث کا نام نہیں بتایا" صرف اتنا لکھنے پر اکتفا کیا ہے کہ "عبیدہ" کی نسل باقی ہے" "طبقات ابن سعد" جزء خامس کے صفحہ ۱۳۸ پر لکھا ہے کہ آپ کے ایک صاحبزادے "منذر" اور ایک صاحبزادی "زینب" تھیں۔

(۸) ابن قتیبہ نے "ترجمہ المعارف جلد اول کے صفحہ ۱۳۸ پر "منذر بن حضرت زبیر رضؓ" اور آپ کی اولاد کے متعلق صرف یہ لکھا ہے کہ "منذر رضؓ" اپنی کنیت "ابو عثمان" کیا کرتے تھے" ان کا ایک لڑکا "محمد بن منذر" ہے" جو "ابو زید" اپنی کنیت کیا کرتے تھے"

اب ہم ابن قتیبہ کے بیان کے مقابلہ میں "منذر بن حضرت زبیر رضؓ" کی پوری اولاد کا نقشہ پیش کرتے ہیں جو طبقات ابن سعد جزء خامس کے صفحہ ۱۳۵ پر درج ہے۔
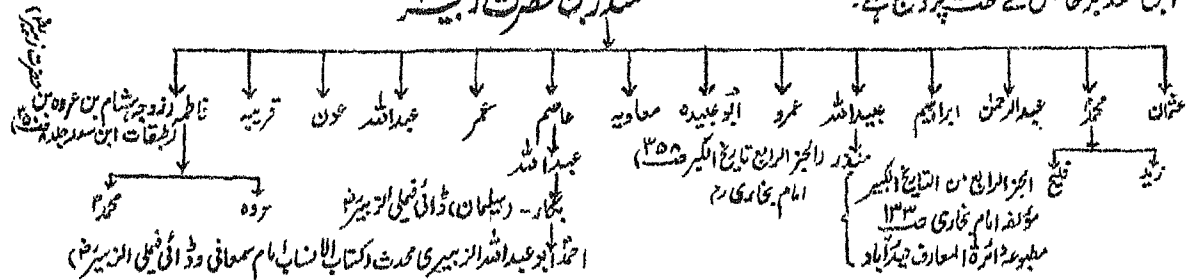
(۹) ابنِ قتیبہ نے "خالد بن حضرت زبیرؓ" کی اولاد کا تذکرہ "ان الفاظ میں لکھا ہے کہ "خالد بن حضرت زبیرؓ" کو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" نے "یمن" کا حاکم بنایا تھا۔ اُن کی نسل باقی ہے" منجملہ اُن کے "خالد بن عثمان بن خالد بن حضرت زبیرؓ" تھے۔ انہوں نے "محمد حسنی (نفس ذکیہ) کے ساتھ خروج کیا تھا" (ترجمہ المعارف ابن قتیبہ جلد اوّل صفحہ ۱۳۵)

ابنِ قتیبہ نے "خالد بن حضرت زبیرؓ" کے صاحبزادے کا نام "عثمان" اور پوتے کا نام "خالد" جو لکھا ہے" یہ صحیح نہیں ہے" محمد الحسنی یا محمد نفس ذکیہ" کے ساتھ ۱۴۵ھ ہجری میں "ابو جعفر منصور عباسی" پر خروج کرنے والے "عثمان بن محمد الاصغر بن خالد بن حضرت زبیرؓ" اور "عثمان کے صاحبزادے محمد تھے" عثمان۔ خالد بن حضرت زبیرؓ" کے کسی بیٹے کا نام نہیں تھا" ابن قتیبہ "خالد بن حضرت زبیرؓ" کی بارہ اولادوں میں سے کسی ایک کا بھی نام نہیں بتا سکا ہے"

اب ہم "طبقات ابنِ سعد جزء خامس کے صفحہ ۱۳۳ سے لیکر آپ کی اولاد کا نقشہ پیش کرتے ہیں"
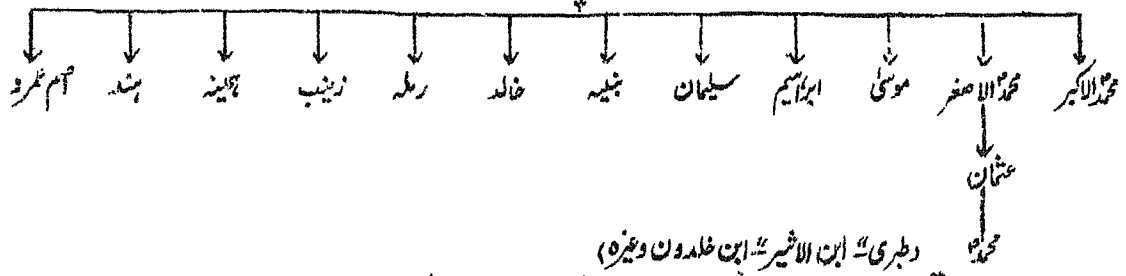
(۱۰) ابنِ قتیبہ نے "جعفر بن حضرت زبیرؓ" کی ازواج و اولاد کا کچھ حال بیان نہیں کیا ہے" اور ترجمہ المعارف جلد اوّل کے صفحہ ۱۳۷ پر صرف اسی قدر لکھنے پر اکتفا کر لیا ہے کہ" ان کی نسل، مدینہ میں ہے" اس لئے ہم "طبقات ابن سعد جزء خامس کے صفحہ ۱۳۶ و ۱۳۷ سے لے کر اُن کی پوری اولاد کا نقشہ دیتے ہیں"

عروہ
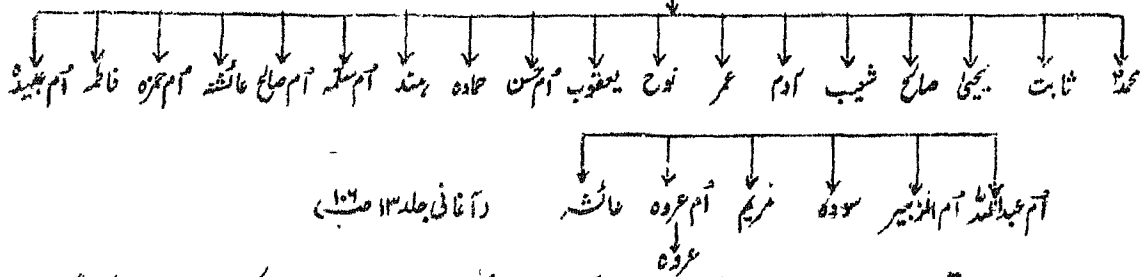
(۱۱) ابنِ قتیبہ نے "المعارف کے جلد اوّل کے صفحہ ۱۳۷ پر لکھا ہے کہ" عاصم بن حضرت زبیرؓ" لڑکپن ہی میں انتقال کر گئے تھے" اُن کی نسل باقی نہیں"

(۱۲) ابنِ قتیبہ نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۳۷ پر "حمزہ بن حضرت زبیرؓ" کے متعلق لکھا ہے کہ "حمزہ بن الزبیرؓ" حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" کے ساتھ "مکہ" میں مقتول ہوئے" اُن کے کوئی اولاد نہیں"

طبقات ابن سعد جزء خامس کے صفحہ ۱۳۸ و ۱۳۹ پر تحریر ہے کہ "حمزہ" کے صرف ایک لڑکا "عمارہ" پیدا ہوا تھا۔ جس نے اُن کے عین حیات ہی میں وفات پائی"

(۱۳) ابن قتیبہ نے "المعارف" جلد اوّل کے صفحہ ۱۳۷ و ۱۳۸ پر "حضرت عروہ بن حضرت زبیرؓ" کی اولاد کے متعلق صرف یہ لکھا ہے کہ "اُن کی اولاد۔ محمدؒ" "یحییٰ" "عثمان" "عمرو" "عبداللہ" "مصعب" "عبیداللہ" اور "ہشام" تھے" یعنی دس بیٹوں میں سے کل آٹھ بتلائے ہیں۔ اور اُن کی اولاد میں کسی ایک بھی لڑکی کا ہونا بیان نہیں کیا ہے۔ حالانکہ حضرت عروہؓ کے چھ صاحبزادیاں بھی تھیں"

اَب ہم ابن قتیبہ کے بیان کے مقابلہ میں "طبقات ابن سعد جزء خامس کے صفحہ ۱۳۵ سے لیکر" حضرت عروہؓ" کی پوری اولاد کا نقشہ پیش کرتے ہیں"

عروہ بن حضرت زبیرؓ

عبداللہ — عمر — اسود — یحییٰ — محمدؒ — عثمان — ابوبکر — ہشامؒ — عبیداللہ — مصعب — اُمِّ کلثوم — عائشہ — اُمِّ عمر — عائشہ — خدیجہ — صفیہ

عبداللہ ← صالح ← عامر (طبقات ابن سعد جزء ۵) و آغانی جلد ۱ صفحہ ۱۴) ← حارث (طبقات ابن سعد جزء ۵ صفحہ ۳۲۲)

عثمان ← مصعب، محمد یحیٰ (ابن قتیبہ صفحہ ۱۱۵ و ۱۱۱) در ڈائی فیملی الزبیرؓ صفحہ ۳۲۲

مصعب ← عماد ← مصعب (آغانی جلد ۱ صفحہ ۶)

ہشام ← عروہ، محمد، منذر۔ (بکر) (کتاب الانساب) امام سمعانی) (طبقات ابن سعد جلد ۵ صفحہ ۳۵)

ابن قتیبہ کی بدنیتی اور نااہلی و ناواقفیت کا مقابلہ "محمدؒ ابن سعد کی حیثیت و واقفیت اور شان و مرتبہ سے"

علّامہ مسعودی نے لکھا ہے کہ "ہم نے "اپنی کتاب اوسط" میں "حضرت مصعبؓ" کے حالات اور اُن کی بیویوں میں سے "سکینہ بنت حسینؓ" "عائشہ بنت طلحہؓ" اور "لیلےٰ" وغیرہ کے حالات و واقعات بیان کئے ہیں" (مروج الذہب و معدن الجواہر مسعودی جلد دوم صفحہ ۹۵ مطبوعہ مصر) (مترجم مروج الذہب صفحہ ۳۵ مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

"کتاب اوسط" کے مفقود ہونے کی وجہ سے ہم اُس سے استفادہ نہیں کرسکے "تاریخ طبری" کی طرح شاید اُس میں بھی کوئی بات نکل آتی" مگر جو کچھ اب تک معلوم ہوچکا ہے اُس سے زاید کی ہمیں کیونکہ کوئی ضرورت باقی نہیں رہی ہے" اِس لئے "یہ دکھا چکنے کے بعد کہ "ابن قتیبہ کی بعض روایتوں سے ہمارے مؤلف صاحب بھی مطمئن نہیں ہیں"

(۱) انہوں نے "محسنؒ" کے متعلق اُس کی روایت کو موضوعات سے بتاکر اُس کے تسلیم کرنے سے قطعاً اِنکار کردیا ہے"

(۲) اور اُسے اپنی کتاب المعارف میں "غرانیق" جیسی بے بنیاد حدیث کو "جس میں "عزیٰ" "لات و منات بتوں کی عزت کو۔ دافع شرک رسولِ مقبول صلعم کی زبان توحید سے جائز قرار دیا ہے۔ بلاصحت۔ داخل کرلینے میں کچھ بھی پس و پیش نہیں ہوا"

(۳) نیز اُس نے جو بھی غلط سلط اور آدھی تہائی باتیں کسی کی زبان سے سُنی ہیں اُنہیں کو من و عن اپنی کتاب میں لکھدیا ہے "تحقیق و تلاش واقعات میں کوئی کوشش نہیں کی" اُس کی معلومات کا یہ حال ہے کہ "کسی کی بیویوں اور اولاد کے نام تو درکنار رہے۔ وہ اُن کی تعداد تک سے ناواقف ہے" ایک ہی خاندان کے صرف چند بزرگوں کی ازدواج و اولاد کو اُس کی کتاب سے لیکر بطور مثال ہم اوپر لکھ آئے ہیں" اُس کے مقابلہ میں "ابن سعد" کا بیان "ابن قتیبہ" کی عدم واقفیت پر خود شاہد عادل ہے"

(۴) پھر اُس نے اسی قدر اکتفا نہیں کیا ہے" بلکہ جو لوگ صاحب اولاد تھے اور اُن کی نسلیں آج تک موجود ہیں اپنی حماقت سے بلا تحقیق کئے ہوئے اُن کو مقطوع النسل بتاکر لکھدیا ہے کہ اُن سے نسل نہیں چلی" بہت سی مثالوں میں سے دو کافی سمجھکر "عبد قصیؒ" اور حضرت زبیرؓ کے بھائی "عبدالرحمٰن" نیز اُن کی بہنوں کی نسلیں ہم نے اوپر دکھادی ہیں جس سے "ابن قتیبہ" کے اِن بیانات

کا بطلان بھی بخوبی ہو گیا" اور ہمارا یہ بیان بھی پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ "ابن قتیبہ دینوری" معتبر یعنی حالات سے واقف مورخ و نسّاب ہرگز نہیں ہے" نیز اُسے جھوٹ و سچ میں امتیاز کرنے کی بھی مطلق اہلیت نہیں ہے"

لہٰذا اُس کی حالت دکھا کر اب ہم "ابن سعد" کی حیثیت کی طرف توجہ کرتے ہیں "ابن قتیبہ" کے مقابلہ میں جو بیانات "ابن سعد" کے ہم نے اوپر دیئے ہیں" اُن کو دیکھنے سے ہی اُن کی علوئے مرتبت و شان میں کسی چون و چرا کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ مگر ہم مزید معلومات کے لئے لکھتے ہیں کہ "آپ کا زمانہ ابن قتیبہ" سے نصف صدی قبل کا ہے" "ابن قتیبہ ۲۱۳ھ ہجری میں پیدا ہوا اور اُس کی وفات ۲۷۶ھ ہجری میں ہوئی ہے "محمد ابن سعد" ۱۶۵ھ ہجری میں عالم وجود میں آئے۔ اور آپ کا انتقال ۲۳۰ھ ہجری میں ہوا۔ آپ "محمد ابن عمر الواقدی" کے شاگرد ہیں" جن کی ولادت کا زمانہ ۱۳۰ھ ہجری۔ اور زمانۂ وفات ۲۰۷ھ ہجری ہے" "الواقدی" "مدینہ منورہ" کے رہنے والے تھے" انہوں نے وہ لڑائی دیکھی تھی جو ۱۴۵ھ ہجری میں "منصور عباسی" کی چالیس ہزار فوج سے "محمد نفس ذکیہ" کی حمایت میں "زبیری اَسَدِی" قبیلہ نے لڑی تھی" اور اپنی کل تعداد تین سو ہونے پر بھی "ایسی شجاعت کا اظہار کیا تھا" جس کی وجہ سے "منصور" کی اِس کثیر فوج کے چھکے چھوٹ گئے تھے اور خود اُس پر خواب و خور حرام ہو گیا تھا" اِس لڑائی میں "سیدنا مصعب بن حضرت زبیر رضؓ" کے پوتوں نے بہادری کے جو کام کئے" چشمِ فلک نے کبھی نہ دیکھے ہوں گے۔ وہ اپنی نظیر آپ ہیں "عیسیٰ بن مصعب بن حضرت مصعبؓ بن حضرت زبیرؓ" اور "ابراہیم بن جعفر بن حضرت مصعب بن حضرت زبیرؓ" شہید ہوئے" اور بھی اکثر شہید و زخمی ہوئے "محمد النفس ذکیہ" بھی جب شہید ہو گئے۔ تو باقی ماندہ میں سے کچھ وہیں رُوپوش ہو گئے اور کچھ نے سرحدی مقامات پر جا کر پناہ لی "ابو جعفر منصور عباسی" پر اُن کی شجاعت اور بہادری کا جیسا اثر پڑا تھا۔ اُس کے متعلق "طبری" نے لکھا ہے کہ "ابو جعفر (منصور) کہا کرتے تھے کہ اگر "آلِ زبیر رضؓ" کے ہزار آدمی مجھے ایسے ملیں جو سب کے سب نیک اور متقی ہوں۔ اور اُن میں صرف ایک بد ہو تو میں سب کو قتل کر دوں" (ترجمہ طبری جلد سوم حصہ اوّل صفحہ ۲۴۴ مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد دکن) و (طبری نسخہ عربی مطبوعہ یورپ صفحہ ۲۶)

مگر ہم یہاں نہ تو اِس جنگ کی تفصیل میں جا سکتے ہیں نہ یہ بتا سکتے ہیں کہ "زبیری و اسدی" جو باہر چلے گئے وہ کن کن ممالک میں جا کر مقیم ہوئے" اور وہیں رُوپوش ہو جانے والوں نے پھر کس طرح اقتدار حاصل کیا" مگر ہم یہاں واقدی کا ذکر کر رہے ہیں"

غرضکہ "جناب واقدی" نے اِس خاندان کا انتشار ہی نہیں دیکھا تھا بلکہ ——— اِس خاندان والوں سے بوجہ ہم وطنی ان کے تعلقات بھی تھے "طبقات ابن سعد" جزء خامس کے صفحہ ۳۱۴ تا ۳۱۹ پر "واقدی رح" کا خود کا بیان تحریر ہے کہ "سیدنا ابو بکر بکار بن عبداللہ بن مصعب بن ثابت بن امیر المومنین حضرت عبداللہ بن حضرت زبیر رضؓ" گورنر و قاضی مدینہ" المتوفی ۱۹۵ھ ہجری نے "ہارون رشید" کے وزیر "یحییٰ" کے پاس اُن کی سفارش کی تھی" جس پر اُس نے انہیں اور رقموں کے علاوہ ایک دفعہ تیس ہزار درہم دلوائے اور بعد میں "بغداد" کے ایک حصہ کا قاضی بنا دیا"

یہاں ہمیں یہ بتا دینا بھی ضرور ہے کہ "جناب واقدی رح" بہت بڑے مؤرخ اور نسّاب ہونے کے علاوہ محدث بھی اعلیٰ پایہ کے ہیں" جن چند لوگوں نے اُن پر اعتراض وارد کئے ہیں" شاید وہ آپ کی کتاب "فتوح الشام و مصر و ایران" میں ہر ہر قبیلہ کے سرداروں اور افسروں کے ماسوائے اکثر سپاہیوں تک کے طولانی رَجز" اُن کی مافوق بہادریوں اور غیر معمولی جوش کی اس قدر تفصیلی حالات دیکھ کر گھبرا گئے ہیں۔ اور اپنے اِس زمانہ کے ماحول میں آنکھ کھولنے نیز پرورش پانے کی وجہ سے یہ باتیں اُن کی سمجھ میں نہیں آ سکیں" مگر بہت علماء اُن کی واقفیت اور علوئے شانِ علم کے دل سے معترف اور قائل ہیں" لیکن یہاں اُن کی احادیث اور فتوح الشام و مصر و ایران پر بحث ہمارے مقصد سے قطعاً خارج ہے" ہم کو صرف اُن کا زمانہ" وطن" اور "خاندان حضرت زبیرؓ" سے اُن کی واقفیت و تعلقات کو دکھانا مقصود تھا جسے ہم نے مجمل طور سے دکھا دیا ہے"

"ابوبکر بکار زبیری" جن کا ذکر ابھی آچکا ہے۔ اُن کے فرزند "زبیر بن ابوبکر بکار" قاضی مکہ معظمہ" جن کی ولادت سنہ ۱۷۲ ہجری میں اور وفات سنہ ۲۵۶ ہجری میں ہوئی" وہ بزرگ ہیں جنہوں نے ایسی مشہور اور معتبر کتاب "انساب القریش" لکھی" جو آپ کے زمانہ والوں کیلئے خود اور بعد والوں کے لئے شمع ہدایت تھی۔ علم الانساب کی اکثر کتابوں میں اس کا حوالہ موجود ہے۔ مگر افسوس ہے کہ اب وہ نہیں ملتی" علامہ محمود الحسن صاحب ٹونکی" مصنف "معجم المصنفین" نے ہم سے فرمایا کہ "مصر و شام" جاکر میں نے "انساب القریش" کی تلاش کی تھی۔ بہت تلاش کرنے پر گیا کہیں اس کا پتہ نہیں چلا" جس وقت "جناب واقدی" کا انتقال ہوا ہے "زبیر بن ابو بکار رح" کی عمر پینتیس سال کی تھی اور "محمد ابن سعد" صاحب طبقات بیالیس برس کے تھے" تعلقات مندرجہ بالا کی وجہ سے "واقدی رح" نے "ابوبکر بکار" سے اور "محمد ابن سعد" نے اپنے اُستاد کے علاوہ "زبیر بن ابوبکر بکار" اور اُن کی کتاب "انساب القریش" سے بھی استفادہ کیا تھا"

علامہ شبلی نے اپنی کتاب "سیرۃ النبی" جلد اوّل کے صفحہ ۲۴ پر تحریر فرمایا ہے کہ "ابن سعد" نے "آنحضرت صلعم" اور صحابہ و تابعین" کے حالات میں ایسی جامع اور مفصل کتاب لکھی ہے کہ آج تک اُس کا جواب نہ ہو سکا"

"ابن سعد" مشہور محدث بھی ہیں" بلاذری" جو مشہور مؤرخ ہیں۔ وہ انہیں کے شاگرد ہیں" ابن سعد کی کتاب کا نام طبقات ہے جو بارہ جلدوں میں ہے" یہ کتاب تقریباً ناپید ہو چکی تھی" یہ کتاب جس طرح ملی اُس کا حال ہم اُوپر لکھ چکے ہیں" اس لئے یہاں پر اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

صاحب المعارف "مسلم ابن قتیبہ" کی حالت اور "محمد ابن سعد صاحب طبقات" کی حیثیت بتا دینے کے بعد" اب ہمیں یہ دکھانا ہے کہ "سیدنا حضرت مصعب بن حضرت زبیر رض" کی ازواج و اولاد کے متعلق اِن دونوں کی واقفیت میں کیا فرق ہے" نیز یہ کہ "عیسیٰ بن حضرت مصعب رض" کے بے اولاد شہید ہو جانے اور اُن کی نسل نہ چلنے کی "ابن قتیبہ" کے بیان کی کیا حقیقت ہے" اور اُس میں سچائی یا جھوٹ کا کس قدر دخل ہے"

"سیدنا مصعب رض بن حضرت زبیر رض کی ازواج و اولاد کے متعلق "ابن قتیبہ" کا بیان"

"المعارف ابن قتیبہ" میں لکھا ہے کہ "حضرت مصعب رض" اپنی کنیت "ابو عبداللہ" کیا کرتے تھے" حضرت مصعب رض" کی اولاد "عیسیٰ" "عکاشہ" "عمرو" "جعفر" "حمزہ" "سعد" "مصعب الملقب بہ جبین" اور "محمد" تھے۔

(الف) "عیسیٰ" اپنے باپ کے ساتھ قتل ہوئے۔ اور اُنہوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی"

(ب) "عکاشہ" کی نسل "مدینہ" میں ہے" اُن کے صاحبزادے "مصعب بن عکاشہ" قدید کے واقعہ میں شہید ہوئے۔ قدید اُس واقعہ کا نام ہے جس میں "ابو حمزہ خارجی" مقتول ہوا۔ اُس نے "یمن" سے خروج کیا تھا۔ اور "مکہ و مدینہ" پر قابض ہوگیا تھا۔ پھر وہ "شام" کی طرف متوجہ" اور مارا گیا" (سنہ ۱۳۰ ہجری میں اُس نے مدینہ پر قبضہ کیا تھا)

(ج) "جعفر" نے "ملیکہ بنت حسن بن حسین بن حضرت علی رض بن ابی طالب" سے عقد کیا تھا۔ اور اُن سے چند لڑکیاں ہوئیں اُن کی اولاد دوسری بی بی سے بھی ہے"

(د) "حمزہ" معہ اپنے صاحبزادے "عمارہ" کے "قدید" کے واقعہ میں شہید ہوئے۔ اُن کی نسل "اصل بنیلہ" میں ہے۔

(ترجمہ کتاب المعارف ابن قتیبہ" جلد اوّل صفحہ ۱۳۸ و ۱۳۹)

نقشہ اولاد "سیدنا مصعب بن حضرت زبیر رض" مطابق بیان "ابن قتیبہ"
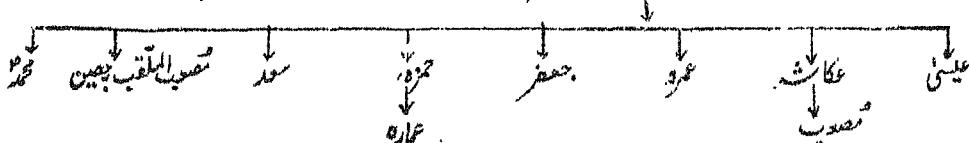
"سیدنا حضرت مصعب بن حضرت زبیرؓ کی" ازواج و اولاد کے متعلق "ابن سعد" کا بیان"

"طبقات ابن سعد" میں تحریر ہے کہ۔

(۱) "عکاشہ" "عیسیٰ الاکبر" جو اپنے والد کے ساتھ مقتول ہوئے " اور "سکینہ" ان تینوں کی ماں "فاطمہ بنت عبداللہ بن السائب بن ابی جیش بن مطلب بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصیٰ" تھیں۔

(۲) "عبداللہ بن مصعب" اور "محمد" ان دونوں کی والدہ "حضرت عائشہ بنت طلحہؓ بن عبیداللہ" تھیں " اور "عائشہ" کی ماں "اُمّ کلثوم بنت حضرت ابوبکر صدیقؓ" تھیں۔

(۳) "حمزہ" "عاصم" اور "عمر" یہ تینوں "اُمّ ولد" کے بطن سے تھے "

(۴) "جعفر" یہ بھی "ایک لونڈی" کے بطن سے تھے "

(۵) "مصعب بن مصعب" یہ بھی "ایک اُمّ ولد" کے بطن سے تھے " اور اُن کا لقب "خُنْضیہ" تھا "

(۶) "سعد" ایک اُمّ ولد" کے بطن سے تھے "

(۷) "منذر" ایک اُمّ ولد" کے بطن سے تھے "

(۸) "عیسیٰ الاصغر" ایک اُمّ ولد" کے بطن سے تھے "

(۹) "رباب بنت مصعبؓ" ان صاحبزادی کی والدہ "سکینہ بنت حسینؓ" تھیں۔

(۱۰) "سکینہ بنت مصعبؓ" ان کی ماں "ایک اُمّ ولد لونڈی" تھیں۔

کہا راوی نے "بیان کیا مجھ سے" مصعب بن عبداللہ الزبیری (بن ثابت بن عبداللہ بن حضرت زبیرؓ بن العوام ") نے کہا کہ "مصعب بن حضرت زبیرؓ" کی کنیت " ابو عبداللہ " تھی۔ مگر اُن کا کوئی لڑکا "عبداللہ" نام کا نہ تھا "

(طبقات ابن سعد جزء خامس صـ۱۳۵)

تاریخ طبری میں سنہ ۶۸ ہجری کے حالات میں لکھا ہے کہ " اصفہان " اس زمانہ میں "اسمٰعیل بن طلحہ بن مصعب بن حضرت زبیرؓ" کی جاگیر میں تھا۔ اور "عتاب" (عتاب بن ورقا) " اُس کے حاکم تھے "

(مترجمہ تاریخ طبری جلد دوم حصہ دوم صـ۱۴۲) مترجمہ سید محمد ابراہیم ندوی ایم۔اے)
(مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

٢٨٧
نقشہ اولاد سیدنا مصعب بن حضرت زبیرؓ مطابق بیان ابن سعدؒ
عکاشہ
عیسیٰ الاکبر
عبداللہ
محمد
حمزہ
عاصم
عمر
جعفر
مصعب الملقب بہ تخفیر
سعد
منذر
عیسیٰ الاصغر
طلحہ
سکینہ
رباب (فاطمہ)
سکینہ
زوجہ عثمان بن عروہ بن حضرت زبیرؓ
اسمٰعیل
(تاریخ طبری)
ابراہیم
امتہ الجبار دختر
(ڈاکٹر نیلی الزبیریؓ)
مصعب
(ابن قتیبہ)
ہادی
ایوب
یعقوب
عمارہ
(ابن قتیبہ)
حمزہ
ابو اسحٰق ابراہیم محدث
(طبقات ابن سعدؒ و کتاب الانساب
امام سمعانی
داؤد
سلیمان
محمد
عیسیٰ
عثمان
کثیر
امینہ
(تاریخ طبریؒ و تاریخ کامل ابن الاثیرؒ)
نوح
عیسیٰ
شیخ حسن
شیخ کمال الدین
شیخ حسین
ابراہیم
اسمٰعیل
جمال الدین
خواجہ فتح اللہؒ
رئیس ملتان
(شجرہ سہروردی)
خواجہ فخر الدین عرف بڈھؒ (رئیس ملتان)
فضل اللہ
رئیس ملتان
(سیرۃ العارفین)
حضرت مخدوم شیخ اسحٰق قدس سرہٗ العزیز
حضرت مخدوم شیخ سماءُ الدین قدس سرہٗ العزیز سہروردی کنبوہی ملتانی دہلوی (المتولد ۸۰۰ھ ہجری المتوفی ۹۰۱ھ ہجری)

حکیم عنایت حسین مارہروی صاحب سلسلۂ عالیہ (بن محمد طائع ابن خیر اللہ) زوج دختر ممتاز علی
حکیم امداد حسین زوج دختر خورد اکرم علی بن محمد امیر دکھنی بن محمد معین دہلوی دکھنی
دختر زوجہ شیخ فضل امام بن برکات بخش
عنایت فاطمہ زوجہ حکیم دلدار احمد
بی بی جان زوجہ عباد علی
علی حسین زوج بنت غلام کمال
سلطان حسین زوج احسان فاطمہ بنت غلام علی
حکیم احمد سعید زوج سعادت فاطمہ بنت اشرف علی
حکیم دلدار احمد زوج عنایت فاطمہ بنت شیخ فضل امام
حکیم الطاف احمد زوج دختر خورد مولوی غلام عباس
اولاد حسن حبیبی درگذشت
انوار فاطمہ
انوار حسین
دختر زوجہ امیر حمزہ
صاحب المشاہیر
عفور فاطمہ
معشوق فاطمہ زوجہ انوار احمد
حکیم الہ صالح زوج محبوب فاطمہ
انوار احمد
اعجاز فاطمہ
رونق فاطمہ
محمد حمزہ
زوجہ نصیر الدین
زوج بیگم جان لاولد
شبیر فاطمہ
اقبال احمد
عارف احمد
مطلوب فاطمہ زوجہ شان الہی
حکیم محمد صالح
تسنیم الہی زوج زینب النساء
ارمان فاطمہ زوجہ رشید الدین
رحمان فاطمہ
شوکت بانو
فصیح الدین
ولی الدین
ممتاز فاطمہ
امتیاز فاطمہ
نعیم الدین
نعیم فاطمہ
نصیر فاطمہ عرف فاطمہ جان
فیروز جہاں
امان اللہ
اسد اللہ
محمد فاطمہ
پسر
شمیم احمد
بشیر فاطمہ
محمد عوید
زاہد زبیر
خالد زبیر
شاہد زبیر
طارق زبیر
آصف زبیر
شاہدہ زبیر
آمنہ زبیر
طلعت زبیر
عائشہ زبیر
محمد صادق حسین زوج زبیدہ خاتون بنت صاحب علی خاں میرٹھی
سعید فاطمہ زوجہ چودھری نصیر الدین۔ لاولد
حبیب فاطمہ زوجہ فیض احمد صاحب المشاہیر
جواہر فاطمہ زوجہ نواب جان سنبھلی
بشیر فاطمہ زوجہ محمد علیم
امداد احمد
حسن بانو
حسن احمد
حسین احمد مؤلف کتاب ہذا
یسین فاطمہ عرف نواب بیگم زوجہ دلدار حسین سنبھلی
محمد عاقل عرف نواب احمد
اشرف جہاں
مشرف جہاں
ممتاز حسین
افتخار حسین
انوار بانو عرف روشن آرا بیگم زوجہ ظہور حیدر
وقار احمد
الطاف احمد عرف خورشید احمد
الطاف بانو عرف سعید بانو
سعید احمد
خورشید بانو زوجہ امداد احمد
فیضیہ تاج بانو
انعام احمد زوج تبارک فاطمہ
مشکور فاطمہ
مسرور فاطمہ
حنیف احمد
زبیر احمد
سعید النساء عرف گڑیا رعنا
عرف فرزانہ بیگم

٢٨٧
حکیم دلدار احمد ابن حکیم امداد حسین ابن حکیم عنایت حسین
منشی فیض احمد صاحب المشاہیر
حکیم ابو سعید احمد
حمیدہ جان زوجہ ظہور الحسن
حسینہ جان زوجہ عبد الرحمن
شکیلہ جان زوجہ احمد جان
معشوق فاطمہ
محی الدین محمد
شمس الدین محمود
شمس النساء بیگم
سرور الحسن
منظور الحسن
محمودہ جان زوجہ عبد الصمد
کنیز بتول
فضل فاطمہ
محمد زبیر
حسن بانو
شبیر احمد
افتخار احمد
خلیل احمد
جمال احمد
حمیدہ بانو
یسین فاطمہ
فضل اللہ
فضل الرحمن
خلیل الرحمن
ضیاء الدین
بشیر الدین
صالحہ خاتون
رضیہ خاتون
زاہدہ خاتون
ظہور حیدر
محمد یوسف
محمد ابراہیم
سعید عظمت
رشید عظمت
وحید عظمت
حمید عظمت
راشدہ عظمت
ناصرہ عظمت
انوار احمد
اعجاز فاطمہ
حسین احمد
حسن احمد
حسن بانو
امداد احمد
اسمٰعیل حسن
مصطفیٰ حسن
نور الزماں
احمد فاطمہ
دختر
انوار مصطفیٰ
مصطفیٰ بانو
انوار خاتون
اقبال احمد
عارف احمد زوج مستجاب بانو
شبیر فاطمہ زوجہ مصطفیٰ حسن
انوار مصطفیٰ
مصطفیٰ بانو
انوار خاتون

سیّدنا مُصعب بن حضرت زبیرؓ کی ازواج واولاد کے متعلق ابن قتیبہ اور ابن سعد کے بیانات کے فرق

"سیّدنا مُصعب بن حضرت زبیرؓ" کی ازواج واولاد کے متعلق "ابنِ قتیبہ" اور "ابنِ سعد" کے بیانات جو ہم نے پیش کئے ہیں۔ اُن میں جو کمی بیشی اور اختلاف ہے۔ آسے اب یہاں بالمقابل لکھکر دکھاتے ہیں"

ابنِ قتیبہ کا بیان	ابنِ سعد کا بیان
(۱) ابنِ قتیبہ" نے حضرت مصعبؓ کی اولاد میں صرف آٹھ صاحبزادوں کا ہونا بیان کیا ہے۔	(۱) ابنِ سعد نے" بارہ صاحبزادوں" اور" تین صاحبزادیوں کے نام لکھے ہیں۔
(۲) ابنِ قتیبہ" نے حضرت مُصعبؓ" کی کسی بیوی کا نام نہیں بتایا۔	(۲) ابنِ سعد" نے ہر بیوی کا نام اور نسب بتانے کے علاوہ یہ بھی لکھا ہے کہ" کون اولاد کس بیوی کے بطن سے تھی۔
(۳) ابنِ قتیبہ" نے حضرت مُصعبؓ کے صاحبزادے" مصعب" کا لقب" الحصین" لکھا ہے۔	(۳) ابنِ سعد نے" مُصعب بن حضرت مُصعب" کا لقب" خُضیر" بتایا ہے" اور طبری و کامل ابن الاثیر" وغیرہ وغیرہ تاریخوں میں بھی" جہاں جہاں" مُصعب بن حضرت مصعبؓ" کے صاحبزادے" عیسیٰ" کا ذکر آیا ہے" وہاں اُن کو" ابنِ خُضیر" یا" عیسیٰ بن خُضیر" ہی لکھا ہے۔
(۴) ابنِ قتیبہ" نے" عیسیٰ" نام کا صرف ایک بیٹا بتایا ہے"	(۴) ابنِ سعد" نے دو بیٹوں کے نام" عیسیٰ الاکبر" اور" عیسیٰ الاصغر" لکھے ہیں"
(۵) ابنِ قتیبہ" نے لکھا ہے کہ" عیسیٰ" اپنے باپ کے ساتھ قتل ہوئے" اور انہوں نے کوئی اَولاد نہیں چھوڑی	(۵) ابنِ سعد" نے" عیسیٰ الاکبر" کے اپنے والد کے ساتھ مقتول ہو جانے کو تو بتایا ہے" لیکن یہ کہیں بھی نہیں لکھا ہے کہ" انہوں نے اَولاد نہیں چھوڑی"

نسل رکھنے والے کو مقطوع النسل بتانے کی" ابنِ قتیبہ کی غلط بیانی کی ایک اور مثال

ابنِ قتیبہ کی واقفیت کیونکہ نہایت محدود ہے" اور وہ مؤلف امروہوی کی طرح اندھیرے میں ٹامک ٹوئیے مارنے کا عادی ہے" اس لئے جب اسے کچھ نہیں سوجھتا تو وہ کسی بھی صاحبِ اَولاد کو بے اولاد بتاکر نچنت ہو جاتا ہے" اس کی ناواقفیت کی کئی مثالیں تو ہم اوپر لکھ چکے ہیں" یہاں ایک اور مثال پیش کرتے ہیں" ملاحظہ ہو"

اس نے لکھا ہے کہ" نوفل بن خویلد بن اسد" (بن عبد العزیٰ بن قصی) یہ قریش کے شیر کہلاتے تھے" جنگ بدر" میں" نوفل بن خویلد" بھی اور اُمرائے قریش کے ساتھ مکہ۔" جنگ کرنے کے واسطے گئے تھے" اور وہیں" حضرت علی رضؓ" کے ہاتھ سے مقتول ہوئے" اُن کی نسل باقی نہیں رہی"

(ترجمہ المعارف ابن قتیبہ جلد اوّل ص۱۳۵)

"نوفل بن خویلد بن اسد"
ام نوفل — عبد اللہ، عبد الرحمٰن
الاسود ← نوفل ← عبد الرحمٰن ← محمد ← الاسود

ابن قتیبہ کے اس بیان کو دیکھ لینے کے بعد اب" ابنِ سعد" کا بیان" نوفل بن خویلد" کی اولاد کے متعلق ملاحظہ فرمائیے" نوفل" کے" اُمِ نوفل" ایک بیٹی" اور ایک بیٹے" اَلاسوَد" تھے اور" الاسود" کی نسل میں" ابو الاسود محمد" بن عبد الرحمٰن" بن نوفل" بن اسود" بن نوفل بن خویلد بن اسد" تھے"

"الاسود" نے ابتداہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور "حبشہ" کی ہجرت ثانیہ کی تھی "ابو الاسود محمد" عالم اور راوی تھے "اُن کا کوئی پسماندہ نہ رہا" (طبقات ابن سعد جلد سوم صفحہ ۔۔)

نوفل بن خویلد" کی بیٹی "اُم نوفل" کے "ہبیب بن لیث بن بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ" سے دو لڑکے "عبداللہ" اور "عبدالرحمٰن" تھے" (طبقات ابن سعد جز رابع صفحہ ۱۸۰)

اِن دونوں بیانات میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے "اور ابن سعد کا بیان "ابن قتیبہ" کے "صریح جھوٹ پر شاہد عادل ہے" "نوفل بن خویلد" کی پانچویں پشت میں ایک صاحب کی نسل منقطع ہوئی ہے" مگر "ابن قتیبہ" نے خود "نوفل" ہی کو "بے اولاد بتا کر اُن کی نسل کو منقطع کر دیا ہے" "نوفل بن خویلد کے بیٹے "الاسود" کے کئی بیٹے ہوں گے "پھر اُن کے پوتوں" پڑپوتوں" "نگڑ پوتوں کی بھی کئی اولادیں ہوں گی" کیا یہ بات قابل تسلیم ہے کہ "پانچ پشتوں تک نوفل کی اولاد میں سب کے ایک ہی ایک بیٹا ہوتا رہا" اور پانچویں نسل والے کے بے اولاد رہ جانے کی وجہ سے ان کی نسل باقی نہیں رہی" کیونکہ علاوہ نوفل کی اولاد ذکور کے ان کی بیٹی کی نسل کا اظہار بھی "ابن سعد" نے دیدیا ہے" اس لئے ابن قتیبہ کے اس بیان پر ہمیں قطعاً کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے"

ابن سعد کا مرتبہ اور اُن کے لکھنے کا طریقہ

"ابن سعد" کیونکہ اعلیٰ پایہ کے محدث بھی ہیں۔ اس لئے وہ ہر بات کو سند کے ساتھ لکھتے ہیں۔ اُن کا طریقہ یہ ہے کہ "کسی کی اولاد گناتے ہوئے اگر اُن میں کوئی بے اولاد ہوتا ہے تو وہ اسی جگہ اُسے ظاہر کر دیتے ہیں" اور جو بیٹے اُس کے صاحب اولاد ہوتے ہیں" وہ اُن کے صرف نام لکھتے ہوئے چلے جاتے ہیں" اُن کی تمام کتاب کو پڑھ جائیے۔ اس قاعدے میں اُن کے کہیں سرمو فرق نہیں پڑے گا۔

مثلاً "علی بن عبداللہ بن حضرت عباس" "جو کثیر الاولاد تھے" "ابن سعد" نے طبقات جز خامس کے صفحہ ۲۲۹ پر اُن کی اولاد کے نام گناتے ہوئے "اُن کے جن بیٹوں کی اولاد باقی نہیں رہی" اُسی سلسلہ میں اُس کو اس طرح ظاہر کر دیا ہے کہ "....... احمد" "بشرہ" "بیشرہ" کہ ان میں سے کسی کا پسماندہ نہ رہا"....... "اسمٰعیل" اور "عبدالصمد" یہ سب بھی ایک اُم ولد لونڈی کے بطن سے تھے" اور "عبداللہ الاکبر کہ ان کا بھی کوئی پسماندہ نہ رہا۔ ان کی ماں "اُم ابیہا بنت عبداللہ بن حضرت جعفر بن ابو طالب" تھیں" "یحییٰ" "اسحٰق" "یعقوب" "عبدالعزیز" "اسمٰعیل الاصغر" اور "عبدالاوسط" "کہ اُن کا بھی کوئی پسماندہ نہ رہا۔ یہ سب اُم ولد لونڈیوں کے بطن سے تھے"

مؤلف امروہوی کا اخفا طبقات ابن سعد کے نوشتوں کا اور ہمارا اُن سے خطاب!

اِن حقائق کی روشنی میں "اب ہمیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہو گئی ہے کہ "عیسیٰ الاکبر بن حضرت مصعب" "جو اپنے والد بزرگوار کے ساتھ شہید ہوئے تھے" ضرور صاحب اولاد تھے اور اُن کی نسل ہرگز منقطع نہیں ہوئی" اور اُن کے بے اولاد ہونے کے متعلق "ابن قتیبہ" کا نوشتہ قطعاً کسی توجہ کے قابل نہیں ہے" اور مؤلف صاحب امروہوی کا یہ لکھنا بھی کہ "ہر کتاب میں" اور "ہر مورخ" نے "عیسیٰ بن حضرت مصعب" کو جو اپنے باپ کے ساتھ مقتول ہوئے "غیر معقب بتایا ہے" "دروغ بے فروغ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا" وہ بتائیں کہ "طبقات ابن سعد" میں کہاں اور کس جگہ اُن کو غیر معقب لکھا ہے۔ اور دوسری وہ کونسی کتابیں ہیں جن سے "ابن قتیبہ" نے یہ بیان لیا ہے۔ یا اُن سے "ابن قتیبہ کے بیان کی تائید ہوتی ہے" اور اس بات کا بھی جواب دیں کہ "یہ جانتے ہوئے کہ "حضرت مصعب رضی" کبار تابعین میں سے ہیں۔ سیرۃ النبی جلد اول کے اس بیان کو دیکھ کر بھی کہ "طبقات ابن سعد" میں کم از کم ایک لاکھ صحابہ رض اور تابعین کے حالات مذکور ہیں۔ اور اُس کا پایہ ایسا بلند ہے کہ آج تک اُس کا جواب نہ ہو سکا۔ اُس کتاب سے حضرت مصعب رض کی اولاد کا حال دیکھنا انہوں نے کیوں ضروری خیال نہیں کیا"

اگر وہ "مصادر ج العارفین" کی طرح "سیرۃ النبی" سے بھی اپنی ناواقفیت یا اُس کے مطالعہ نہ کر سکنے کا بہانہ پیش کریں تب بھی

یقین کے ساتھ ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ "طبقات" سے اپنی کتاب لکھنے کے وقت ضرور واقف تھے" کیونکہ اُن کے قریبی عزیز "جناب عبیداللہ صاحب فرحتی امروہوی نے بھی" جو ایسے حملوں کے مُرلانِ موصوف کے خاندان میں اس زمانہ میں جہاں تک ہماری واقفیت ہے اوّلین علم بردار ہیں۔ اور جن کے ہمارے مؤلف صاحب شاگردِ رشید ثابت ہوئے ہیں" اپنے مضمون "مذاکرہ و مناظرہ" جرات و صداقت پر ایک نظر" مندرجہ القریش امرتسر جلد ۱ نمبر ۱۲ بابت ماہ دسمبر ۱۹۲۴ء میں صلا پر اپنے بیان کے ثبوت میں انہوں نے "طبقات ابن سعد" کے حوالے سے ایک حدیث لکھی ہے" جس بات کی دلیل ہے کہ "یہ کتاب اُن کے دسترس میں تھی۔ اور مؤلف صاحب یقیناً اُس سے بخوبی آگاہ تھے" پھر اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ خود مؤلف صاحب نے بھی اپنی کتاب "تحقیق الانساب" تاریخ امروہہ جلد چہارم کے صفحہ ۸۴ پر "حضرت عمر فاروق رضؓ" کی نسل کے ذکر میں "طبقات ابن سعد" سے حوالہ لینے کا حوالہ دیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ "آپ کے جن صاحبزادوں سے نسل باقی رہی اُن کا "شجرۂ اولاد" قدیم کتب انساب و رجال "طبقات ابن سعد" وغیرہ کے مطابق حسب ذیل ہے"

مؤلف امروہوی اور عبیداللہ فرحتی کی دوسرے خاندانوں کو مقطوع النسل ثابت کرنے کی کوشش کی جہاد عبیداللہ فرحتی کے حضرت مصعبؓ حضرت حمزہؓ اور عبداللہ عون کے متعلق بیانات کی چاک دامانی

کیونکہ مؤلف امروہوی کا سلسلۂ نسب "موسیٰ بن امین" کے قریباً چودہ سال کی عمر میں بے اولاد مرجانے کی وجہ سے صحیح اور مستقل نہیں ہے اس لئے اُن کا خاندان صحیح النسب نہیں مانا گیا ہے" اس لئے اُن کی اور اُن کے عبیداللہ صاحب کی یہ کوشش رہی ہے کہ دوسرے خاندانوں کے بزرگوں کو بھی جس طرح سے بن پڑے "غیر معقب" ثابت کریں" چنانچہ مؤلف صاحب کی کتاب اور عبیداللہ صاحب کے مضامین ہمارے اس بیان پر گواہ ہیں" مؤلف موصوف کی کتاب کی" اس کوشش کو تو ہم دکھاتے ہی رہے ہیں" اس موقع پر مناسب سمجھتے ہیں کہ عبیداللہ صاحب کی کوشش کا بھی کم از کم ایک نظارہ ضرور دکھا دیں" انہوں نے اپنے مضمون "ایک غلط فہمی" "آوان اور کوکھر" قریشی نہیں" مندرجہ القریش امرتسر جلد ۹ نمبر ۲ بابت ماہ جون ۱۹۲۳ء کے صفحہ پر لکھا ہے کہ:

(الف) "عجیب تر اَمر یہ ہے کہ "تحقیقات" قوی پر کامل دخل نہ ہونے سے ایسے بزرگانِ دین تک "نسب نامے" پہنچائے جاتے ہیں جو ازروئے تحقیق "لاعقب" اور "مقطوع النسل" ہیں چنانچہ ہمارے صوبے میں ایک آسودہ گروہ "بذریعہ "عیسیٰ بن مصعب بن الزبیر" تک اپنا نسب" جو نوجوان "بلا اولاد" جنگ میں قتل ہوا" پہنچاتے ہیں"

(ب) ملک پنجاب کی "ایک حکمران ریاست والے "حضرت حمزہ" "عم رسول مقبولؐ" سے اپنی اصلیت کا پتہ بتلاتے ہیں" حالانکہ حضرت حمزہ "لاولد" "محاربۂ اُحد" میں شہید ہوئے"

(ج) "علیٰ ہذا القیاس "ذوق آوان" بھی اپنی نسل ایک شخص "عبداللہ عون" سے بتلاتے ہیں جو جنگ میں بغیر اولاد قتل ہوئے" "خیالات لاطائل ہیں" خداوند تعالیٰ فرماتا ہے" "ولا تزکوا انفسکم ان اللہ یزکی من یشاء" "تم اپنی ذاتی پاکیزگی کا دعویٰ نہ کرو" دراصل خدا جس کو چاہتا ہے۔ پاکیزہ بناتا ہے" یعنی بمطابقت انسان کے اعمالِ حسنہ کے" "فخر کل از خاندان ابراہیم از آذر" اور اسی مضمون کے صفحہ پر لکھا ہے کہ "حضرت علیؓ" کے متعدد فرزندوں میں سے کسی کا نام عون نہ تھا اور حضرت جعفرؓ کے جس فرزند کا نام عون تھا اس کی نسبت کتاب المعارف ابن قتیبہ میں درج ہے "قتل فی تستر لا عقب لہ" مقام تستر میں مارا گیا اور اُس کے کوئی اولاد نہیں ہے۔ پس عبداللہ عون کی حقیقت ناظرین پر منکشف ہوگئی اور اس کی بے اولادی کا حال بھی واضح ہوگیا"

مولوی عبیداللہ صاحب کا یہ بیان بھی سراپا غلط ہے حضرت مصعبؓ بن زبیرؓ کی اولاد کے بیان میں تو ان کا جھوٹ ظاہر ہو چکا ہے باقی رہا حضرت حمزہؓ کا لاولد ہونا اور حضرت علیؓ کے کسی صاحبزادے کا نام عون نہ ہونے کا اُن کا بیان تو ہم نے اُن کے اس جھوٹ کی بھی اچھی طرح قلعی کھول دی ہے"

(محمد عبیداللہ صاحب فرحتی امروہوی ۲۷ جون ۱۹۲۳ء)

حضرت مصعب بن زبیرؓ اور اُن کے صاحبزادے جناب عیسیٰ کی شہادت کا مختصر حال

یہاں یہ دکھانے کا تو موقع نہیں ہے کہ " یہ حضرات " "صحابۂ کرام" اور " تابعین " کے نام کس عزت واحترام کے ساتھ تحریر کیا کرتے ہیں " اور اُن کے دل میں اُن کی کس قدر عظمت ہے " لیکن اُن کے " جناب عیسیٰ بن حضرت مصعبؓ " کو نوجوان لکھنے کی وجہ سے " اِس لئے کہ کوئی دھوکا نہ ہو جائے " اُن کی عمر اور جذبات وغیرہ کا صحیح اندازہ دکھانے کے لئے " ہم اِس جنگ ، اور حضرت مصعبؓ و عیسیٰ بن حضرت مصعبؓ " کی شہادت کے واقعات کو بہت اختصار کے ساتھ لکھدینا مناسب سمجھتے ہیں "

میدان " دیر جاثلیق " میں جب " حضرت مصعبؓ " اور " عبدالملک " کے مقابلہ کے وقت " حضرت مصعبؓ " کے اُن افسروں نے جو دشمنوں سے ملے ہوئے تھے " غدّاری کی " اور بھاگ کھڑے ہوئے " اُس وقت مٹھی بھر وفاداروں کے ساتھ " عیسیٰ " بھی ثابت قدم رہے " آپ کے والد بزرگوار " اور " آپ " باقی ماندہ ہمراہیوں کے ساتھ تین دن تک ۔ اِس شجاعت و بہادری سے لڑتے کہ " بنو اُمیّہ " کو کثیر فوج کے ہوتے ہوئے بھی ۔ اپنی فتح سے مایوسی ہونے لگی " مگر یہ تھوڑے آدمی کب تک لڑتے ۔ رفتہ رفتہ سب کام آ گئے " صرف چند افراد ۔ اور آپ " (یعنی عیسیٰ) کے سوائے " حضرت مصعبؓ " کے پاس کوئی نہ رہا تو " عبدالملک " نے اپنے بھائی محمدؔ کو حکم دیا کہ وہ " حضرت مصعبؓ " کے پاس جاکر جو کچھ وہ طلب کریں " قبول کرے " نیز " حضرت مصعبؓ " کو یہ بھی اختیار دے کہ وہ چاہیں تو میری امان میں تشریف لے آئیں " یا میدانِ جنگ سے واپس چلے جائیں " حضرت مصعبؓ " نے اس کا انکاری جواب دیا ۔ اور فرمایا کہ مجھ کو صرف خدا کی امان کافی ہے " اس کے بعد " حضرت مصعبؓ " کے صاحبزادے " عیسیٰ " سے " محمد بن مروان " نے کہا کہ تم کو اور تمھارے والد کو " امیرالمؤمنین عبدالملک " نے امان دی ہے " عیسیٰ " نے یہ سنکر اپنے والد بزرگوار سے آکر عرض کیا " حضرت مصعبؓ " نے فرمایا کہ " ہاں یہ تو مجھ کو بھی یقین ہے کہ اہلِ شام تمھارے ساتھ اپنے وعدے کو پورا کریں گے " اگر تمھارا جی چاہے تو تم اُن کی امان میں چلے جاؤ "

" عیسیٰ " نے کہا " میں قریش کی عورتوں کو یہ کہنے کا موقع ہرگز نہ دوں گا کہ

" عیسیٰ " اپنی جان بچانے کے لئے ۔ اپنے باپ سے جدا ہو گیا "

" حضرت مصعبؓ " نے فرمایا کہ " اچھا ۔ تم اپنے چچا (امیرالمؤمنین حضرت عبداللہ بن حضرت زبیرؓ) کے پاس " مکّہ " کی جانب چلے جاؤ ۔ اور اُن کو " اہلِ عراق کی غدّاری " کا حال سناؤ " مجھ کو یہیں چھوڑ جاؤ ۔ میں نے اپنے آپ کو مقتول سمجھ لیا ہے "

" عیسیٰ " نے کہا " میں یہ خبر جاکر نہیں سناؤں گا " مناسب یہ ہے کہ آپ اِس میدانِ جنگ سے واپس چلیں ۔ اور سیدھے " بصرے " پہنچیں " وہاں کے لوگ آپ سے بہت خوش ہیں ۔ اور آپ کے ہر طرح مطیع ہیں " بصرے " پہنچکر کچھ تدارک کیا جا سکے گا ۔ یا پھر " مکّہ " کی طرف چلیے ۔

" حضرت مصعبؓ " نے فرمایا " صاحبزادے یہ ممکن نہیں ہے " کیونکہ تمام قریش میں میرے میدان سے بھاگ جانے کا چرچا ہو جائے گا " بہتر یہ ہے کہ تم ہر خیال کو چھوڑ دو ۔ اور دشمن پر حملہ کرو "

" عیسیٰ " یہ سنتے ہی اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ دشمن پر حملہ آور ہوئے " اور سینکڑوں کو خاک و خون میں ملا کر " حضرت مصعبؓ " کی آنکھوں کے سامنے خود بھی ہمیشہ کے لئے جاں بحق تسلیم ہو گئے "

اِس کے بعد " عبدالملک " خود آگے بڑھکر آیا اور " حضرت مصعبؓ بن حضرت زبیرؓ " سے بڑی منت اور اصرار کے ساتھ کہا کہ " آپ اب میدان سے واپس چلے جائیں یا امان قبول کر لیں " یہاں تک کہ اُس نے اِس اصرار میں " الحاح اور عاجزی " سے بھی کام لیا " مگر حضرت مصعبؓ نے اُس کی طرف مطلق التفات نہیں کیا "

کوفیوں نے " مصعب بن حضرت زبیرؓ " اور " حسین بن حضرت علیؓ " دونوں کے قتل کرانے میں ایک ہی جرم کیا ۔ لیکن یہ دونوں جرم دو مختلف شکلوں میں ظاہر ہوئے "

(۱) "وہاں "حضرت حسین رض" اپنے دشمنوں سے چاہتے تھے کہ وہ اُن کو میدانِ جنگ سے "مکّہ یا دمشق" یا اور کسی طرف بچکر نکل جانے دیں"

(۲) یہاں "حضرت مصعبؓ" کے دشمن "خود چاہتے تھے کہ حضرت مصعبؓ" میدان سے نکل جائیں"

(۳) وہاں "حضرت حسین رض" کے دشمنوں نے اُن کی بات قبول نہ کی"

(۴) اور یہاں "حضرت مصعب رض" نے اپنے دشمنوں کی بات نہیں مانی" نتیجہ دونوں کا ایک ہی ہوا"

مُصعب بن حضرت زبیر رض" اپنے بیٹے "عیسیٰ" کی شہادت کے بعد اپنے خیمہ میں گئے" سر میں تیل ڈالا" خوشبو لگائی" اور باہر تشریف لاکر شمشیر بدست دشمن پر حملہ آور ہوئے۔ اس حملہ میں آپ کا ساتھ دینے والے" صرف سات آدمی باقی تھے جو آپ کے ساتھ ہی شہید ہو گئے" "حضرت مصعبؓ" نے ایسا سخت حملہ کیا کہ "شامیوں کی صفوں کو درہم برہم کر دیا" آخر تیروں" تلواروں" اور "نیزوں کے زخموں سے چُور چُور ہو کر بیہوش ہو گئے" آپ کے گرتے ہی "شامیوں نے آپ کا سر کاٹ لیا" اور ۷۱ھ ہجری میں دس برس کے بعد "کربلا کا تماشا" پھر دیر جاثلیق میں دُہرایا گیا" (تاریخ اسلام جلد دوم ص۳۰۷ تا ۳۰۸) مؤلفہ مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی" وطبری" وابن اثیر" وکتاب الانساب سمعانی") ومروج الذہب مسعودی وغیرہ وغیرہ۔

خالد بن یزید اور علی بن عبداللہ عبّاسی

مروج الذہب مسعودی میں ہے کہ "عبدالملک" کے بھائی "محمدؐ بن مروان" نے "مُصعب بن حضرت زبیر رض" کو امان دینے کے لئے کہا تو "عبدالملک" نے اپنے درباریوں سے بھی مشورہ چاہا" علی بن عبداللہ بن حضرت عباس رض" نے کہا کہ آپ ہرگز امان نہ دیں" خالد ابن یزید بن حضرت معاویہ رض" نے رائے دی کہ "آپ ضرور امان دیجئے" اس معاملہ پر "خالد" اور "علی بن عبداللہ" دونوں میں اتنی تیز کلامی ہوئی کہ انہوں نے "سپاہیوں کے سامنے ایک دوسرے کو گالیاں دیں" "عبدالملک" نے خالد کا مشورہ قبول کیا" (خالد" عہدِ اسلام کے پہلے کیمیا داں تھے" اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ "تاریخی حیثیت سے عہدِ اسلام میں" تراجم کا کام جب بھی شروع ہوا ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ اُس کو مفید و کار آمد بنانے والے "خالد" تھے۔ خورد سالی کی وجہ سے خلافت سے محروم رہے" مشہور محدث حافظ ابن حجر" نے تہذیب میں اور "یاقوت نے معجم میں لکھا ہے کہ "خالد نے حدیثیں بھی روایت کی ہیں" امام زہری" "بیہقی" "خطیب بغدادی" "عسکری" حافظ ابن عساکر" وغیرہ نے "خالد" کی سند پر حدیثیں روایت کی ہیں" خالد" شاعر" بھی اعلیٰ پایہ کے تھے" ۴۹ھ ہجری پیدا اور ۸۵ھ ہجری میں فوت ہوئے"

حضرت مُصعبؓ کی شہادت پر عبدالملک کا رنج اور افسوس

"ابن قتیبہ" نے لکھا ہے کہ "خالد" قریش میں مختلف شاخوں (فنون) کے سب سے بڑے عالم تھے) عبدالملک کا مشورہ لینا برائے بیت تھا۔ وہ خود کسی طرح نہیں چاہتا تھا کہ "حضرت مصعبؓ" شہید ہوں" حضرت مصعبؓ" اور "عبدالملک" میں بہت دوستی تھی" جب یہ دونوں "مدینہ منورّہ" میں رہتے تھے تو ایک عورت مسمیٰ "حبی" کے گھر جا کر آپس میں باتیں کیا کرتے تھے۔ اور کھانے پکوا کر کھایا کرتے تھے" "عبدالملک" کو "حضرت مصعب رض" کی شہادت سے بہت رنج ہوا" اُس نے افسوس سے کہا کہ "انہیں معلوم تھا کہ میں اپنی پُرانی محبت و دوستی کی بنا پر اپنے وعدے کو ضرور پُورا کروں گا۔ مگر انہوں نے غیرت کی وجہ سے اس سے انکار کر دیا اور لڑائی کر کے شہید ہو گئے"

(ترجمہ طبری حصّہ دوم جلد سوم ص۸۱ و تاریخ کامل ابن اثیر جلد چہارم ص۲۸۵)

امیر المؤمنین حضرت عبداللہ رض اور حضرت مصعبؓ کی شجاعت و بہادری کے متعلق مہلب بن ابی صفرہ کا بیان

"حضرت مصعب رض" اپنے برادرِ بزرگوار "امیر المومنین حضرت عبداللہ بن زبیر رض" کی طرف سے "الجزیرہ" "مدینہ" عراقین" "ایران و خراسان و ترکستان" وغیرہ تمام ممالک کے وائسرائے تھے" اور اُن کے بڑے بڑے سپہ سالار "مہلب بن ابی صفرہ"

وغیرہ جن کی شجاعت وبہادری مشہور ہے" انہیں ممالک میں تھے۔ اور "حضرت مصعبؓ" عبدالملک کی لڑائی کو کوئی وقعت نہ دیتے کہ "صرف اپنی رکاب کی فوج سے مقابلہ پر آئے تھے" اس پر بھی اگر "عبدالملک" رشوت دیکر اُن کی فوج کو نہ توڑ لیتا تو کسی طرح بھی کامیاب نہیں ہوسکتا تھا" حضرت مصعب رضؓ کو اچھا موقع تھا کہ وہ "میدان سے واپس جاکر اپنے سپہ سالاروں کو طلب فرمالیتے اور آسانی کے ساتھ "عبدالملک" کو حکومت سے برطرف کردیتے" مگر "میدان چھوڑنا انہوں نے اپنی غیرت وشان کے منافی سمجھا" اور شہادت کو پسند فرمالیا" آپ کی شجاعت کا ہر شخص معترف تھا" اس زمانے کے مشہور سپہ سالار "مہلب بن ابی صفرہ" کا قول تھا کہ "دنیا میں تین ہی شخص شجاع ہیں" "ابن کلبیہ (حضرت مصعبؓ کیونکہ آپ کی والدہ ماجدہ "قبیلہ بنی کلب" سے تھیں) "احمد قریشی" (عبداللہ بن معمر) اور "راکب البغلہ" (عباد بن حصین) پوچھنے والے نے کہا کہ "امیر المومنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" کا تو تم نے نام ہی نہیں لیا۔ اس پر "مہلب" نے کہا کہ "ہم انسانوں کا ذکر کرتے ہیں" جنوں کا ذکر نہیں کرتے" (مستدرک حاکم جلد ۳ تذکرہ ابن زبیرؓ)

حضرت مصعبؓ کے کچھ مزید حالات

حضرت مصعبؓ نہایت متقی اور "صائم الدہر تھے" رات دن میں ہزار رکعت نماز پڑھا کرتے تھے" رسول مقبول صلعم کے احکامات کی تعمیل میں آپ کی مستعدی اس نہج پر تھی کہ" ایک انصاری کا حال سنکر "جب" حضرت انس بن مالکؓ" نے اُن کے پاس جاکر کہا کہ "رسول اللہؐ فرماگئے ہیں کہ "انصار کے اچھوں سے سلوک اور بُروں سے درگذر کا برتاؤ کیا جائے۔ تو وہ فوراً تخت سے اُترے اور فرش زمین پر اپنا رخسار رکھکر کہا کہ۔ "آنحضرت صلعم کا فرمان سر آنکھوں پر۔ میں انھیں رہا کرتا ہوں" (تذکرۃ الصحابہ از رسالہ مولوی دہلی بابتہ ماہ جمادی الاوّل ۱۳۵۶ ہجری و ڈ اٖی فیلی الزبیر مطبوعہ لیدن) میں ہے کہ "آپ بہت فیاض ہونے کے علاوہ "رحمدل" درگذر کرنے والے اور بعید نشاست پسند" نیز اعلیٰ درجہ کے خطیب تھے" طبری" ڈ اٖی فیلی الزبیر اورآداب اللغتہ العربیہ جزء اوّل صفحہ ۹۲ پر اور دیگر تاریخوں میں آپ کے یہ اوصاف شرح وبسط سے تحریر ہیں" آپ اپنے زمانے کے بیحد حسین جمیل شخص تھے" طبقات ابن سعد جزء خامس کے صفحہ ۱۳۵ و ۱۳۶ پر تحریر ہے کہ "فضل بن دکین" نے "یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ" کے حوالے سے "اسمٰعیل بن خالد" سے روایت کی ہے کہ "مصعب بن حضرت زبیرؓ" سے زیادہ کوئی خوبصورت امیر "ممبر پر کبھی نہیں دیکھا گیا" ترجمہ مروج الذہب مسعودی کے صفحہ ۱۳۴ و ۱۳۵ پر ہے کہ "حضرت مصعبؓ" بہت ہی خوبصورت" اور بارعب شخص تھے" آپ کے متعلق "ابن الرقیات" نے یہ جملہ کہا ہے کہ "حضرت مصعبؓ" اللہ کے شہاب ہیں جن کے چہرے سے تاریکی زایل ہوگئی ہے" آپ کے اور آپ کے صاحبزادے "عیسیٰ" کا تمام عرب نے ماتم کیا"

امیر المومنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور علی بن عبداللہ و عبداللہ بن حضرت عباسؓ

اوپر "علی بن عبداللہ بن حضرت عباسؓ" کی "حضرت مصعبؓ" سے مخالفت کا کچھ حال لکھا گیا ہے۔ وہ کیوں تھی اس کے جاننے کے لئے سطور ذیل ملاحظہ ہوں"

حضرت عبداللہ بن حضرت عباسؓ "اُن کے والد" دوپہر "امیر المومنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" کی مخالفت کیا کرتے تھے" جب انہوں نے اس مخالفت میں "مختار ثقفی" جیسے زندیق کی طرفداری کے لئے لوگوں کو بہکانا شروع کردیا" اور "حضرت امام العابدین بن حضرت حسین رضؓ" کے منع کرنے اور "مختار ثقفی" کی زندیقیت ظاہر کرنے پر بھی نہ مانے تو "حضرت امیر المومنین رضؓ" نے انہیں معہ اُن کے بیٹے "علی" کے نظر بند کردیا تھا"

حضرت مصعبؓ" نے جب "مختار ثقفی" کو جس نے کوفہ و الجزیرہ پر قبضہ کرکے بڑی جمعیت پیدا کرلی تھی شکستیں دیکر آخر قتل کردیا۔ تو "عبداللہ بن حضرت عباسؓ" نے اپنے اُن صاحبزادے "علی" کو "عبدالملک" کے پاس یہ پیغام دیکر روانہ کیا کہ "وہ اُن کی پرورش کرے" مگر اُس وقت "عبدالملک" نے "علی" کو اپنے لشکر سے فوراً نکل جانے اور واپس چلے جانے کا حکم دیا اور کوئی بات نہ کی" حضرت عبداللہ بن حضرت

عباسؓ" نے یزید کی بیعت کی تھی"۔ اب جو "علی" کو "عبدالملک" نے بے نیل و مرام نکال دیا" تو "امیر المومنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" کے مقابلہ میں انہوں نے معہ اپنے بیٹے "علی" کے "عبدالملک" کی بھی بیعت کرلی"۔ مگر حضرت امیر المومنینؓ نے اُن سے کوئی تعرض نہیں کیا" لیکن اُنہیں جب یہ معلوم ہوا کہ "عبداللہ بن حضرت عباسؓ" "متعہ کے جواز کا فتویٰ بھی دے رہے ہیں تو اُن سے صاف کہہ دیا کہ تمہاری اس حرکت کو میں معاف نہیں کروں گا"۔ اگر اب ایسا فتویٰ دیا تو سنگسار کردوں گا" یہ فرما کر انہیں "مکہ معظمہ" سے طائف بھیجدیا۔ جہاں اُن کی ۶۹ھ ہجری میں وفات ہوگئی" اور "علی" اُن کی وفات کے بعد "عبدالملک" کے پاس چلے گئے" "حضرت عبداللہ بن حضرت عباس رضؓ" چاہتے تھے کہ "امیر المومنین حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ" انہیں اپنا مصاحب بنالیں۔ اور بیش قرار رقمیں دیا کریں" مگر کیونکہ "امیر المومنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" "حضرت علی رضؓ کے ساتھ اُن کا برتاؤ دیکھ چکے تھے" "بصرہ" کے بیت المال کی رقم کو بلا حضرت علیؓ کے علم کے اپنے قبضہ میں لانے" اور بعد اطلاع حضرت علیؓ نے جب وہ رقم طلب کی تو اُن کو سخت جواب بھیجکر اور "حضرت علی رضؓ" کا ساتھ چھوڑکر اُن کے "بصرہ" سے "مدینہ منورہ" چلے آنے کا حال امیر المومنین کو بخوبی معلوم تھا۔ اس لئے انہوں نے اُن کو اپنا مصاحب بنانا پسند نہیں فرمایا" رہا اُن کو بیش قرار رقمیں دینے کا معاملہ تو آپ کا زہد و اتقا" کسی طرح گوارا نہیں کرسکتا تھا کہ "مسلمانوں کے بیت المال کا روپیہ ایسے لوگوں پر صرف کیا جائے جو اُس کے کسی طرح حقدار نہ ہوں" اس وجہ کے سوا اور کوئی بات حضرت امیر المومنینؓ سے اُن کی مخالفت کی نہ تھی" ترجمہ بخاری شریف کتاب التفسیر جلد دوم پارہ انیس ص۵۸۴ و ۵۸۷ میں خود "عبداللہ بن حضرت عباسؓ" کا جو بیان درج ہے اُس سے ہمارے بیان کو بخوبی تصدیق ہوتی ہے" وہ اپنے بیان میں "امیر المومنین حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ" سے متعلق لکھتے ہیں کہ "خلیفہ ہو جانا اُن کی شان سے بعید نہیں" اُن کے فضائل اور حق کو بھی گناتے ہیں" مگر اسی کے ساتھ اُن باتوں کی شکایت کرتے ہیں جن کو ہم اوپر لکھ آئے ہیں" یہ باتیں جو ہم نے لکھی ہیں" اخبار الطوال" مروج الذہب مسعودی" طبقات ابن سعد" تاریخ کامل ابن اثیر" طبری" وغیرہ وغیرہ میں تفصیل سے لکھی ہیں"۔

ہم یہاں "علی بن عبداللہ بن حضرت عباسؓ" کے "حضرت مصعبؓ" کو پراگندہ دیکھ جانے پر اصرار کا ذکر کرسکتے تھے" مگر اُن کی "بنی اُمیہ" کے دلوں میں کوئی وقعت نہ تھی" ابن قتیبہ نے لکھا ہے کہ "خلیفہ ولید بن عبدالملک" نے بسبب کسی زبان درازی کے "علی بن عبداللہ بن عباس رضؓ" کے سات سو کوڑے پٹی لگوائے تھے" (ترجمہ معارف ابن قتیبہ ص۱۶۸)

سوائے المعارف ابن قتیبہ کے کسی کتاب میں "عیسیٰ بن حضرت مصعبؓ" کے لاولد شہید ہونے کا ذکر نہ ہونا

کیونکہ اس موقع پر ہم "حضرت مصعبؓ" کے صاحبزادوں میں سے اُن "عیسیٰ" کے حالات کو بتا رہے ہیں جو "اپنے والد بزرگوار کے ساتھ لڑائی میں شہید ہو گئے" مندرجہ بالا بیان سے یہ بات بخوبی ظاہر ہو گئی ہے کہ "وہ اپنی شہادت کے وقت بچے نہیں تھے" بلکہ صف شکن جوان" ہونے کے علاوہ اُن میں ایسا تدبر بھی موجود تھا" جو اُن کے اپنے والد بزرگوار کو "بصرہ" جاکر تیار کرنے کے مشورہ سے ظاہر ہے" اور یہ کہ اگر وہ صاحب اولاد نہ ہوتے" تو یہ فقرہ کبھی نہ کہتے کہ "میں قریش کی عورتوں کو یہ کہنے کا موقع ہرگز نہ دوں گا کہ "عیسیٰ" اپنی جان بچانے کے لئے اپنے باپ سے جدا ہو گیا"

ہم نے جس قدر "انساب" "تذکرہ" اور تاریخ کی کتابیں پڑھیں ہیں" وہ کم نظر ہیں" لیکن ہم نے سوائے "المعارف ابن قتیبہ" کے کسی کتاب میں "عیسیٰ شہید" کو غیر معقب لکھا ہوا نہیں پایا"

محمد بن سعد نے بھی جو "ابن قتیبہ سے نصف صدی پہلے کے مصنف اور امام یا یہ کے محدث ہیں" اور جن کی واقفیت و تلوئے مرتبت کو ہم اوپر دکھلا آئے ہیں۔ اپنی کتاب طبقات میں کہیں غیر معقب نہیں لکھا ہے" تو پھر اس ایک اکیلے "ابن قتیبہ" کے بیان کی جس کی نااہلی و ناواقفیت اُس کی تحریروں سے بخوبی ثابت ہے" اور جسے ہم اوپر ظاہر کر آئے ہیں" جو وقعت ہو سکتی ہے وہ ظاہر ہے۔

عبید اللہ فرحتی کی حضرت حمزہ رضؓ کے معرکہ احد میں لاولد شہید ہو جانے کی دوسری غلط بیانی حضرت حمزہ کے پانچ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں

البتہ اُن کے دوسرے اِس بیان پر کہ "حضرت حمزہؓ" لاولد معارکہ اُحد میں شہید ہوئے" ہمیں یہ کہنا ہے کہ "اُن کی یہ تحقیقات بھی" بالکل غلط اور حقیقت سے کوسوں دُور ہے" میز اُن کی پیشانی پر جہالت و ناواقفیت کا ایسا ٹیکہ لگانے والی ہے جسے وہ کسی طرح نہیں مٹا سکتے" کون پڑھا لکھا مسلمان ہے جو "حضرت حمزہ رضؓ" کی صاحبزادی "حضرت امامہؓ" سے واقف نہیں ہے "محمد بن عمر واقدی" نے کہا ہے کہ "حضرت حمزہؓ کا انتقال ہجرت نبوی کے بتیسویں ۳۲ مہینہ پر ہوا۔ اور اُس وقت آپ کی عمر اٹھاون سال کی تھی" (طبقات ابن سعد جز ثالث صفحہ ۵)

صحیح مسلم میں ہے کہ "اکیدر دومہ" نے بطور ہدیہ کے ایک ریشمی کپڑا آنحضرت صلعم کی خدمت میں پیش کیا" آنحضرت صلعم" نے وہ کپڑا "حضرت علی رضؓ" کو دیا کہ اس کو پھاڑ کر اوڑھنیاں بنا کر "فاطمہ" نامی عورتوں کو تقسیم کر دو" فاطمہ نام کی عورتوں سے مراد" غالباً چار عورتیں ہیں"

(۱) جناب سیدہ فاطمہ زہرہ رضؓ بنت آنحضرت صلعم"
(۲) حضرت علی رضؓ" کی والدہ" فاطمہ بنت اسد"
(۳) فاطمہ بنت حمزہ بن عبد المطلب"
(۴) "عقیل رضؓ" کی بیوی" فاطمہ بنت شیبہ بن ربیعہ" (ترجمہ صحیح مسلم جلد دوم صفحہ ۲۰۱۹)

حضرت حمزہ رضؓ کے دو صاحبزادے "ابو سفیان" اور "ربیعہ" تھے" (کتاب شہادت ضمیمہ دوم صفحہ ۲۷ مؤلفہ میر اجیر دہلوی)
طبقات میں ہے کہ "عامر" قبل از اسلام فوت ہو گئے" ان کی ماں کا نام "بنت الملتہ بن مالک بن عبادہ بن حجر بن فائد بن الحارث بن زید بن عبید بن زید بن مالک عوف بن عمرو بن عوف" تھا" یہ انصار کے قبیلہ "اوس" سے تھیں"
(۲) عمارہ بن الحمزہ رضؓ" ان کی ماں کا نام "خولہ بنت قیس بن فہد الانصاریہ" تھا اور یہ قبیلہ بنی ثعلبہ بن غنم بن مالک بن النجار" سے تھیں"
(۳) یعلیٰ بن حمزہ" کی اولاد میں "عمارہ" "الفضل" "زبیر" "عقیل" اور "محمدؐ" تھے۔ یہ سب فوت ہو گئے۔ اور اُن سے "حضرت حمزہ رضؓ بن عبد المطلب" کے کوئی اولاد باقی نہیں رہی"
(۴) امامہ بنت حمزہ رضؓ" کی ماں کا نام "سلمیٰ بنت عمیس خثعمیہ" تھا جو "اسماء بنت عمیس" کی بہن تھیں۔ یہ وہ "امامہؓ" ہیں جن کی پرورش کے لئے "حضرت علیؓ" "حضرت جعفرؓ" اور "حضرت زید بن حارثہ رضؓ" میں بحث ہوئی تھی۔ اُن میں سے ہر ایک کی یہ خواہش تھی کہ وہ اکیلے ان کی پرورش کریں۔ (کیونکہ "حضرت حمزہ رضؓ" کی شہادت کے وقت وہ خورد سال تھیں) رسول مقبولؐ" نے حضرت جعفر طیار رضؓ" کے حق میں فیصلہ فرما دیا۔ اِس لئے کہ "حضرت امامہؓ" کی خالہ "اسماء بنت عمیسؓ" اُن کی بیوی تھیں" (طبقات ابن سعد جز ثالث صفحہ ۳)
طبقات میں ہے کہ "سلمیٰ بنت عمیسؓ" "اسماء بنت عمیسؓ" کی حقیقی بہن تھیں" یہ اپنی بہن کے ساتھ ابتدائے اسلام میں مشرف بہ اسلام ہوئیں۔ اُن کا نکاح "حضرت حمزہ بن عبد المطلب" سے ہوا۔ اور یہاں "عمارہ بن حمزہ رضؓ" پیدا ہوئے" "حضرت حمزہؓ" کی شہادت کے بعد ان کی شادی "شداد بن ہاد لیثی" سے ہوئی" اور یہاں "عبد اللہ بن شداد" پیدا ہوئے" (طبقات ابن سعد جلد آٹھ صفحہ ۲۰۹)
طبقات میں ہے کہ "خولہ بنت قیس" زوجہ حضرت حمزہ رضؓ" کا پورا نام "خولہ بنت قیس بن فہد بن قیس بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن النجار" ہے" ان کی کنیت "ام محمدؐ" تھی۔ بعض روایتوں میں ان کا نام "خویلہ" بجائے "خولہ" کے آیا ہے۔ ان کی شادی حضرت حمزہ رضؓ" سے ہوئی۔ اور یہاں دو لڑکے) "یعلیٰ" اور "عمارہ" اور "دو لڑکیاں" پیدا ہوئیں"

(طبقات ابن سعد جلد ۸ صفحہ ۳۲۵)

[illegible] وقت "عبد المطلب" [illegible]
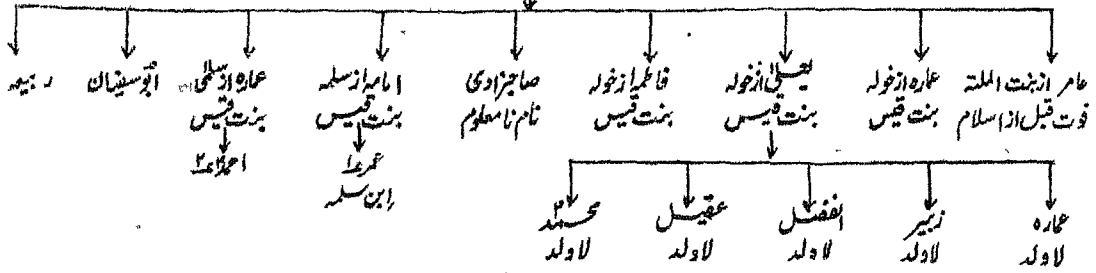
اؤلاد حضرت حمزہؓ

بلّوچ بھی حضرت حمزہ رضؓ کی اؤلاد ہیں

"تاریخ بلوچستان" مطبوعہ ۱۹۰۶ء ۔ مصنفہ ہیتورام رائے بہادر سی-آئی-ای-باشندہ ڈیرہ غازی خان پنشنر ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر اور نائب پولیٹیکل ایجنٹ بلوچستان کے صفحہ اپر تحریر ہے کہ "بلّوچ بھی" اور اُس کے تمام قبائل "حضرت حمزہ رضؓ" کی اولاد ہیں" حضرت علی رضؓ" اور اُن کی اولاد کے طرفدار تھے "حضرت حسین رضؓ" کی شہادت کے بعد "یزید" کے خوف سے حلب سے نکلے اور رفتہ رفتہ بلوچستان آ گئے" جس کا قدیم نام "سیوستان" تھا۔ ان کی یہاں آکر بس جانے اور حکومت قایم کر لینے کی وجہ سے اس ملک کا نام بلوچستان پڑ گیا"

حلب کی زبان میں "بلّوچ" "بادیہ نشین" کو کہتے ہیں۔ جو لوگ صحرا اور دامن کوہستان میں رہتے ہوں انہیں "بلّوچ" کہا جاتا ہے" (جیسے پوندہ زبان افغانی میں بادیہ نشین کو کہتے ہیں")۔

ماسوائے رند اور لاشاری کے جو حضرت حمزہؓ کی اولاد ہیں "بروہی" "دودائی" "نوشیروانی" "چھلی" "گیلانی" "ایلانی" اور "کُرد" بھی بلّوچ کہلاتے ہیں" حالانکہ ان کا نسب نامہ "رند و لاشاری" سے بالکل جدا ہے" مگر ان کو بوجہ ہم پیشہ اور ہموطن ہونے کے بلوچ نام دیا گیا"

اِس میں شک نہیں کہ بلّوچ لوگ حلب سے یزید کے خوف سے کوچ کر کے اِدھر آئے" اِس واقعہ کے متعلق بلّوچوں میں ایک نظم سینہ بہ سینہ چلی آتی ہے جو یہ ہے۔

(۱) شکر الحمد گذاران پادشاہ ملک و تھی	یگ وتھ کھو شتی مہ ملکا در جھان خاک رگل
شکر ہے خدا تعالےٰ کا جو وہ خود پادشاہ ملک کا ہے	ایک وہی ہے اور قایم ہے اور رہے گا آخر تمام جہان خاک اور گل ہو گا

(نوٹ ۱) ام المومنین "حضرت ام سلمہؓ" کے پہلے شوہر "حضرت ابو سلمہؓ" سے جنہوں نے جنگ اُحد" میں زخمی ہو جانے۔ اور اُن زخموں کی تکلیف سے ۳ہجری میں وفات پائی۔ اور جو آنحضرت صلعم کے دودھ شریک بھائی تھے) دو "(درۃ" زینب" دو لڑکیاں" اور" ایک صاحبزادہ "حضرت سلمہؓ" تھے "ان حضرت سلمہؓ سے" امامہ بنت حضرت حمزہ رضؓ" کی شادی ہوئی تھی" (حضرت علی رضؓ کی خلافت میں "حضرت سلمہؓ" فارس و بحرین" کے حاکم تھے") (طبقات ابن سعد جزو ۸ صفحہ ۱۱۴)

"تزک محبوبیہ" میں ہے کہ "میر فیض محمد خان بہادر" آپ ننھیالی سلسلہ کے ہاشمی ہیں" امامہ بنت حضرت حمزہ رضؓ" تک سلسلہ پہنچتا ہے" اور "دادھیالی سلسلہ میں "عمر بن ابی سلمہؓ" تک سلسلہ پہنچتا ہے۔ مخدومی" ہوتے ہیں" عمر ابن سلمہؓ" کی اولاد" (جو حضرت حمزہ رضؓ کی صاحبزادی سے ہے) یزید کے "مدینہ منورہ پر" فوج کشی اور قتل عام کے زمانہ میں جب بہت لوگ جان بچانے کے لئے فرار ہوئے" وہاں سے فرار ہو گئی"

(نوٹ ۲) (اسی طرح "سید احمد" (ابن عمارہ ابن حضرت حمزہ رضؓ "حلب" میں چلے آئے" جب "یہاں بھی امن و قرار نہ پایا تو "سندھ و ہند" کی طرف نکل آئے" (تزک محبوبیہ جلد دوم دفتر اوّل ردیف ف صفحہ ۳۴۵ مطبوعہ نظام المطابع حیدرآباد دکن)

(۲) ما مُریدون یا علی اے دین ایمان پشبیتن
ہم بلوچ لوگ مرید حضرت علی کے ہیں - دین ایمان ہمارا ثابت ہے

(۳) اژ حلبا پہاز کھایوں گو یزیدا جھیڑیں
حلب سے ہم لوگ بدر ہوئے جبکہ اماہین سے یزید نے جنگ کیا

(۴) مستریں میریں جلالان چل چہار ین بولخین
جب حلب سے روانہ ہوئے بڑا سردار بلوچوں کا میر جلال لان تھا اور چوالیس فرقے بلوچی تھے

(۵) میم جوہان بہر کھنا نان کل سردار شہکین
ملک اور جو پائے آب جو بلوچوں کے ہاتھ میں آگئے آپس میں تقسیم کرتے آئے اُس وقت سردار کل قوم کا میر شہک تھا

(۶) حبّا چانڈ ھیگا کہلتی نوغ پھہ گورمین
حلب میں چاندیہ اور کہلتی اُس کے شمال کی طرف

(۷) مستریں لوغ ڈومبکے گاج سیاہ پاف سرین
بڑا خاندان ڈومبکی کا گاج اور سیاہ آف کے اوپر

(۸) گوُ لو وگوُ پانگ دشتی رند تھا لیا دریں
گولہ وگو پانگ دشتے رند کے خاندان سے باہر ہیں

(۹) نوحؔ دودائی اَوَارِیں ای مہ لشاریک برین
نوحانی دودائی لاشاری کے ساتھ شامل ہوتے ہیں

(۱۰) رند مہ سوران نندی لاشار مہ گند و عٔین
رند شوران میں بیٹھا اور لاشاری گنڈ اوہ میں

(۱۱) شہکی و شہدا دوا نے لس سردار چاکرین
شہک اور شہداد بھی تھے مگر قوم کا سردار میر چاکر تھا

(۱۲) ہول پوش دستکلا و زکمان جا ہہین
بعض ہول پوش اور بعضے ہاتھ میں ستانہ پہنے ہوئے اور کمان عجیب سجی ہوئی

(۱۳) قزان جاڑو جوڑ جوانین مدّ ٹھ دین برادرین
جاڑو از قوم پیشر مشہور بہادر تھا بدے نام اُس کا دین کا بھائی تھا

(۱۴) ہیبتان ببرک مہ رند ان میرحسن براہمین
ہیبتان ببرگ نے میر حسن نے براہم بھی رند تھے

حمزہ اولاد بلوچی صوب درگاہ گرین
بلوچ حضرت حمزہ رضؓ کی اولاد ہیں اور فتح درگاہ الٰہی سے انکو نصیب ہے

کل بلا بھنپور نیا ما شہر سیستان مزّلین
پہلے کربلا علاقہ بھنپور میں اور پھر شہر سیستان میں مقام کیا

اختعون ھارین بند ا تیج راستین پہلوین
وہاں سے آئے ہارین بند میں بجانب راست ملک کیچ کے

مخزانان ہوت نندی کھوسغ مہ کیچ دہین۔
ملک مکران میں ہوت بلوچ بیٹھا اور کھوسہ علاقہ کیچ میں

آدُنلیا نوح نندی جستگانی پھہ گرین
آدنلی میں نوحانی بلوچ اور جستگانی اُس کے قریب میں

فتح میر عالی جتوئی کُل مہ سیوی ڈھاڈ رین
پہنچ میر عالی جتوئی تمام علاقہ سیوی اور ڈھاڈر میں

تھی بلوچ باز بشارین ورست مہ رند منّا ہین
اور بلوچ بہت ہیں جو تمام رند کے ساتھ شامل ہیں

رند لاشاری مہ ملکا سیم جو ان نیمنسین
رند اور لاشاری کا ملک ایک دوسرے سے متصل ہے

فیل ہین سی سال جنگین ائی بلوچی شدتین
پورے تیس سال آپس میں جنگ کیا یہ بلوچوں کے شدت ہے

چل ہزار میر گوانکھین تیوغا ڈاڈے پوترین
چہل ہزار لشکر میر چاکر کے بلانے پر تمام ایک خاندان سے حاضر ہوتے تھے

پٹو پچے گو کوا ہان پھاز لعلین موشغین
ابریشم سے کمان لپیٹے ہوئے اور پاؤں میں سرخ موزے

پیروز شاہ بجار ریحان رند میران نرہم جنی
پیروز شاہ بجار ریحان امیران از قوم رند مشہور شمشیر زن سے

صوبہ و عالی و میہان جام سحاق علط ین
صوبہ عالی میہان جام سحاق علن بھی تھے

(۱۵) شاعرکہ شعران جو نختہ میمہ جلالان مصنّفین
شاعر لوگ جو شعر بناتے ہیں گویا کہ باغ جہان میں لگاتے ہیں
اے منی پیر اور ندین اے بلوچی وہترین
یہ بلوچوں کا نسب نامہ اور تواریخ ہے

اِس نظم کی کوئی تاریخ نہیں پائی جاتی " رند اور لاشاری " اور ان کی تمام شاخیں حضرت حمزہ رضؓ کی اولاد ہیں۔ اور ملت ۲۲تا۲۴

یہ ہے کہ "اگرچہ بروہی بھی ایک قسم کے بلوچ ہیں مگر ان دونوں اقوام کے قریب تین سو سال کے ایک جگہ بلوچستان میں ساتھ رہنے پر بھی رسم و رواج میں بہت تفاوت ہے۔" قوم بروہی کی زبان علیحدہ اور بلوچوں کی علیحدہ ہے۔

(۱) بروہی دوسری اقوام میں ناطہ نسبت دختران کرنے سے پرہیز نہیں کرتے۔ حالانکہ بلوچی اس کو بہت عار سمجھتے ہیں۔

(۲) بروہی مویشی اور روغن شیر بیچنے کو کچھ عیب نہیں سمجھتے۔ بلوچوں میں یہ کام معیوب سمجھا جاتا ہے۔

(۳) دونوں قوموں کی پوشاک میں بھی بہت بڑا فرق ہے۔ جو بلوچ قومیں مثلاً "مری" "بگٹی" و مزاری وغیرہ اقوام بروہی سے کسی قدر الگ رہی ہیں۔ اُن کی پوشاک وہی پرانی وضع بلوچی کی سی (چنانچہ کرتہ بشکل جلبی جبتے کے) دیکھی جاتی ہے۔ بروہی لوگ صرف ایک دراز چولا یا پیراہن پہنتے ہیں۔ کرتہ نہیں رکھتے۔ عورتیں بلوچوں کی بھی بجائے پیراہن کے گھگھہ جو از نمونہ گون کے ہے پہنتی ہیں۔ جو یہ بھی قدیم رواج "علب" کا تھا۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ بروہی اور بلوچ قدیم الایام سے جدا جدا فرقے تھے۔ اگرچہ قریب تر رہنے سے کچھ رواج بلوچ کا بروہیوں میں اور بروہیوں کا بلوچوں میں داخل ہو گیا ہے۔ تاہم جو کوئی شخص اُن کی تواریخ اور حالت سے واقف ہو۔ فوراً دیکھنے سے پہچان سکتا ہے کہ بروہی ہے یا بلوچ۔

(۴) ابھی تک بروہی ایسے ملتے ہیں جو بلوچوں کی زبان نہیں جانتے اور اسی طرح بہت سے بلوچ ایسے ہیں جو بروہیوں کی زبان نہیں جانتے صرف تھوڑے جو ایک دوسرے کے قریب رہتے ہیں ایک دوسرے کی زبان کو جانتے ہیں۔

(۵) میرے خیال میں بلوچ بہ نسبت بروہی کے کسی قدر رحمدل اور راست گو ہیں۔

(۶) اگرچہ فی الحال تمام بلوچوں کا مذہب سنّی ہے مگر ابتدا میں ان کا مذہب شیعہ تھا۔ آج سے قریباً ایک سو سال پہلے بلوچوں کے شیعہ ہونے کے ثبوت مل سکتے تھے۔ لیکن اب قریباً معدوم ہیں کیونکہ اب وہ پکے سنّی بن گئے ہیں۔

(۷) بلوچوں میں چند خصائص موروثی چلے آتے ہیں۔ اوّل بہادری۔ دوم مہمان نوازی۔ سوم راست روی چہارم صلح کل یعنی بے تعصب۔" صـ۲۲ تا ۲۴ (تاریخ بلوچستان مصنفہ ہتو رام رائے بہادر سی۔ آئی۔ ای۔ باشندہ ڈیرہ غازی خاں۔ سابق نائب پولیٹیکل ایجنٹ بلوچستان۔)

جیسا کہ ہم اُوپر بتا آئے ہیں کہ "محمدؒ ابن سعد" کا قاعدہ یہ ہے کہ "کسی کی اولاد گنوانے وقت اُن میں جو لڑکے بے اولاد ہوتے ہیں اُن کو وہ وہیں ظاہر کر دیتے ہیں اور جو صاحب اولاد ہوتے ہیں اور اُن کی نسلیں چلی ہیں۔ اُن کے خالی نام ہی لکھ دیتے ہیں)۔ چنانچہ حضرت حمزہ رضؓ کے جن بیٹے کی نسل نہیں چلی ہے اپنے قاعدہ کے موافق انہوں نے اُسی سلسلہ میں اِس بات کو ظاہر کر دیا ہے۔ اور جن سے نسل چلی ہے اُن کے ناموں کے آگے کچھ نہیں لکھا۔"

آوان برادری سے ہمارا خطاب

جناب عبیداللہ صاحب کے "الف" اور "ب" دو بیانات کا بخوبی بطلان کر چکنے کے بعد اب ہم اِن مولوی صاحب کے اُس بیان کو لیتے ہیں جو انہوں نے "آوان برادری" کے بارے میں لکھا ہے کہ "علیٰ ہذا فرقہ آوان" بھی اپنی نسل ایک شخص "عبداللہ عون" سے بتلاتے ہیں۔ جو جنگ میں بے اَولاد قتل ہوئے۔" اور اسی ۲ر جون ۱۹۲۲ء کے صـ۶ پر تحریر فرمایا ہے کہ "حضرت علی رضؓ کے متعدد اخلاف میں سے کسی کا نام "عون" نہ تھا۔" اور حضرت جعفر رضؓ کے جس فرزند کا نام عون تھا۔" اس کی نسبت کتاب المعارف ابن قتیبہ میں درج ہے کہ "قتل فی شتر ولا عقب لہٗ۔" مقام شستر میں مارا گیا اور اُس کے کوئی اولاد نہیں ہے۔" پس عبداللہ عون کی حقیقت ناظرین پر منکشف ہو گئی۔ اور اس کی بے اَولادی کا حال بھی واضح ہو گیا۔" اس کے جواب میں ہم یہاں حضرت علی رضؓ کی پوری اولاد ذکور کے سبائک الذہب سے لیکر نام لکھتے ہیں جو یہ ہیں۔ "حسنؓ" "حسینؓ" "محمدؒ ابن الحنفیہ" "عباس" "جعفر" "عثمان" "عبداللہ" "محمد اوسط" "عمرو" "عبیداللہ" "ابوبکر" "یحییٰ" "عون" "محمد اصغر" اِس فہرست میں حضرت علی رضؓ کے چودہ صاحبزادوں میں سے "تیرہ" نمبر پر جو نام ہے "وہ "عون" ہے" جو مولوی عبیداللہ کے بیان کی بخوبی تردید کر رہا ہے۔" اور ان مستند المورخین کی تاریخ دانی کا پول خوب طرح کھول رہا ہے۔

عبید اللہ فرحتی اور مؤلف امروہوی کی ایک ہی صدا

یہاں اس قدر اور بتا دینا ضروری ہے کہ "مؤلف امروہوی صاحب نے بھی اپنے مقصد کے مدِنظر حضرت حمزہ رضؓ کی اولادِ ذکور سے انکار کردینا مناسب خیال کیا ہے "تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے صـ۱۳۵ پر یہ فقرہ لکھا ہے کہ "سید الشہداء حضرت حمزہ رضؓ" جو کہ ۳ھ احد سنہ ہجری میں شہید ہوئے "آپ کے اولادِ ذکور نہ تھی" آنحضرتؐ کے اعمام میں حضرت عباس رضؓ" اور "ابو طالب" کی نسل دنیا میں باقی رہی "انہیں کی اولاد یعنی "عباسی" اور "آلِ ابو طالب" (علوی" جعفری" عقیلی") آنحضرتؐ کے اہلبیت وآلِ محمدؐ ہیں"

مؤلف امروہوی اور عبید اللہ فرحتی امروہوی حجاج بن یوسف ثقفی کے نقشِ قدم پر

اس بحث کو ختم کرتے ہوئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ دو لطیفے بھی بیان کردیں" ان میں سے پہلا تو یہ ہے کہ "ہمارے زمانہ میں "عبید اللہ صاحب فرحتی" اور "مؤلف صاحب ہی ایسے حقیقت داں نہیں پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے "حضرت زبیر رضؓ" کی اولاد کے نسب پر حملے کئے ہیں" بلکہ اگلے زمانہ میں حجاج بن یوسف ثقفی بھی تھا" اور جس سے "حضرت اسماء ذات النطاقین رضؓ" بنت حضرت ابوبکر صدیق رضؓ" اور زوجہ حضرت زبیر رضؓ نے یہ حدیث نبوی بیان کی تھی کہ "میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ "بنی ثقیف" میں "کذّاب" اور "مبیر" (ظالم) ہوں گے" کذاب (مختار ثقفی) کو تو لوگوں نے دیکھ لیا تھا "مبیر" باقی رہ گیا تھا۔ وہ تو ہے" اس حجاج نے خود حضرت زبیر رضؓ کے نسب پر حملہ کیا تھا" واقعہ یہ ہوا کہ "حضرت زبیر رضؓ" کی صاحبزادی (رملہ" بیوہ عثمان بن عبد اللہ بن حکیم بن حزام بن خویلد سے "امیر المؤمنین حضرت عبد اللہ بن حضرت زبیر رضؓ" کی شہادت کے بعد "خالد بن یزید بن حضرت امیر معاویہ رضؓ" نے شادی کرنی چاہی تو "حجاج" نے "عبید اللہ بن موہب کو خالد" کے پاس بھیجکر یہ کہلا دیا کہ "میں نے سنا ہے کہ تو" خاندانِ زبیر کی ایک عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے" بغیر اس کے کہ مجھسے مشورہ لے تو ان لوگوں کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کا خیال بھی کس طرح کرسکتا ہے" جو ٹھیک نسب کے بھی نہیں ہیں" یہ ہی کام تیرے دادا نے بھی کیا تھا" (عائشہ بنت ام الحسن بنت حضرت زبیر رضؓ" حضرت امیر معاویہ رضؓ" کی بیوی تھیں" حجاج نے اس طرف اشارہ کیاہے") یہ وہ ہی لوگ ہیں جو تیرے باپ کے ساتھ خلافت کے لئے جھگڑ چکے ہیں۔ اور اس کے خلاف ہر قسم کے توہین آمیز الزام لگا چکے ہیں۔ نیز تیرے باپ اور دادا کے ایمان میں کیڑے نکال چکے ہیں" خالد بن یزید" نے دیر تک اس پیامِ رساں کو دیکھا پھر کہا" اگر تو پیام رساں نہ ہوتا۔ اور اس بنا پر نقصان سے امن میں نہ ہوتا" تو میں تیرا ایک ایک عضو کٹوا دیتا" اور تجھے تیرے آقا کے دروازے کے سامنے ڈلوا دیتا" اس سے کہہ" کہ میں نہیں مانتا کہ وہ (حجاج) اس رتبہ کو پہنچ چکا ہو کہ میں اس کا مشورہ لینے کا پابند ہو جاؤں۔ کہ میں کس عورت سے شادی کروں"

اور جب وہ مجھ سے کہلوانا چاہتا ہے کہ ان لوگوں نے میرے باپ سے جھگڑا کیا تھا اور اس کی ہر طرح توہین کی تھی۔ تو یہ قریشی لوگ ہیں۔ جو آپس میں جھگڑتے رہے ہیں" اور جب وہ یہ کہنے کی جراءت کرتا ہے کہ یہ لوگ ٹھیک نسل کے نہیں ہیں" تو کس قدر حیرت کی بات ہے کہ "حجاج" کو انساب قریش کا کس قدر کم علم ہے" کیا "العوام" "عبد المطلب بن ہاشم" کے برابر کے نہ تھے" جب انہوں نے "صفیہ رضؓ بنت عبد المطلب" (والدہ ماجدہ حضرت زبیر رضؓ") سے اور "رسولِ خدا صلعم" نے "ام المؤمنین بی بی خدیجہ رضؓ" (حضرت زبیر رضؓ کی پھوپھی) سے نکاح کیا" (آغانی جلد ۱۶ صـ۔۔)

ترجمہ جامع ترمذی صـ۱۱۲ مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ" میں ہے کہ "علی بن حجر" نے کہا" حدیث کی ہم سے "عقیل بن موسیٰ" نے "شریک سے" اور انہوں نے "عبد اللہ بن اہم" سے انہوں نے "حضرت عبد اللہ بن عمر رضؓ سے" کہ فرمایا رسول اللہ صلعم نے "قبیلہ ثقیف" میں "ایک کذاب" اور "ایک خونریز ہوگا" کہا گیا ہے کہ وہ کذاب "مختار بن ابو عبیدہ" ہے۔ اور خونریز

حجاج بن یوسف ہے" حدیث کی ہم سے " ابوداؤد " یعنی سلیمان بن سلمۃ بلخی " نے انہوں نے کہا حدیث کی ہم سے " نضر بن شمیل " نے " ہشام بن حسان " سے کہا انہوں نے کہ لوگوں نے شمار کیا ہے کہ ان لوگوں کو جو " حجاج " نے قید کر کے قتل کئے ہیں" سو اُن مقتولوں کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار کو پہنچتی ہے " یہ ایک لاکھ بیس ہزار وہ لوگ ہیں جو صرف اُس نے بے گناہ قتل کئے ہیں۔ بغیر جنگ اور خطا کے "

ترجمہ تنبیہ واشراف مسعودی کے صفحہ ۱۸۹ و ۱۹۰ پر ہے کہ " جو لوگ حجاج کے حملوں اور لڑائیوں میں قتل ہوئے وہ تو الگ رہے جن کو " حجاج " نے پکڑ کر قتل کیا ہے ۔ فقط اُن کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار تھی " جن میں حضرت عبداللہ بن عباس رض " کے رفیق و مصاحب " سعید ابن جبیر " بھی تھے " " حجاج " نے انہیں ۹۴ سنہ ہجری میں قتل کیا " حجاج نے جب وفات پائی تو قید خانہ میں اُس وقت پچاس ہزار مرد اور تیس ہزار عورتیں تھیں " حجاج کا قید خانہ بالکل مہلک تھا جس میں کوئی ایسی چیز نہ تھی ۔ جو قیدیوں کو گرمی و سردی سے بچا سکے " جو پانی ان کو پلایا جاتا تھا اس میں راکھ (مٹی) ملی ہوتی تھی " اُس کے مقتولین میں " قبیلہ بنی صہبان " کے " کمیل بن زیاد نخعی " بھی تھے جو " حضرت علی رض " کے مصاحب تھے "

تاریخ کامل میں ہے کہ " حجاج " نے بڑے بڑے صحابۂ کرام رض پر بھی ظلم و ستم کرنے اور اُن کے قتل کرنے میں کمی نہیں کی " اُس نے ایک دفعہ " حضرت انس رض " کو بھی دھمکایا اور بُرا کہا " اور اُن کے صاحبزادے کو قتل کر دیا " (ترجمہ کامل ابن اثیر حصہ دوم جلد ۴ ۔ صفحہ ۲۴)

تاریخ کامل میں ہے کہ " حضرت امام شافعی رض " نے فرمایا ہے کہ " مجھے تو یہ خبر ملی ہے کہ " ایک مرتبہ " عبدالملک " نے (جس کا وہ گورنر و سپہ سالار تھا) حجاج سے کہا کہ " ہر شخص اپنے عیوب سے واقف ہوتا ہے " تم اپنے عیوب کو بلا کم و کاست بیان کرو " اُس نے کہا کہ " اے امیر المومنین بیں جھگڑالو ۔ اور کینہ پرور ہوں " عبدالملک نے کہا کہ تجھ میں اور شیطان میں تب کوئی قرابت ہے ۔ اُس نے کہا ۔ اگر شیطان مجھ کو دیکھتا تو مجھ سے صلح کر لیتا " حضرت عمر بن عبدالعزیز اموی " فرماتے تھے کہ اگر تمام اُمتیں " اپنے خبیثوں کو ایک جگہ جمع کریں اور ہماری قوم میں سے صرف " حجاج " کے مظالم پیش کئے جائیں تو ہم سب پر غالب آ جائیں گے " حضرت علی رض نے ایک شخص سے فرمایا کہ تم " ثقیف کے ایک شخص کو دیکھو گے اُس نے پوچھا کہ " ثقیف کا وہ کون آدمی ہے " فرمایا کہ قیامت کے دن جس سے کہا جائے گا کہ ہم میں سے جہنم میں جانے کے لئے یہ شخص کافی ہے " وہ بیس تیس برس تک حکومت کرے گا " دنیا کی کوئی معصیت اُس سے نہ چھوٹے گی " (ترجمہ کامل حصہ دوم جلد چہارم صفحہ ۲۱۵ و ۲۱۶)

حضرت عبداللہ بن عمر رض " کی وفات کا باعث بھی حجاج ہوا " اُس کے حکم سے " حضرت ابن عمر رض کے پاؤں کو زہر سے بجھے ہوئے نیزے سے ایک شخص نے زخمی کیا " جس کی وجہ سے " تین ماہ بعد آپ کی وفات ہو گئی " (ترجمہ کامل ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۱۹)

اِس ہمارے بیان میں لطیفہ یہ ہے کہ " ابن قتیبہ کے " بیان کی سند پر " ان عبیداللہ فرحتی صاحب نے " حجاج کو " امیر المومنین حضرت عبداللہ بن زبیر رض " جیسے عابد و زاہد صحابی رسول اللہ صلعم پر " القریش امرتسر جلد ۳ نمبر ۱۵ بابت ماہ جون ۱۹۱۷ء میں اپنے ایک مضمون میں ترجیح دی ہے " اور خانۂ کعبہ کی تعمیر کے متعلق بھی جھوٹی روایت درج کر کے " حضرت امیر المومنین رض پر الزام لگایا ہے " اور حجاج کو سراہا ہے " حالانکہ " ترجمہ صحیح بخاری جلد دوم پارہ ۱۳ کتاب الانساب صفحہ ۱۵۱ اور صحیح مسلم جلد اول کتاب الحج صفحہ ۴۲۵ و ۴۲۶ میں ہے کہ " آپ نے کعبہ کی تعمیر " کے حدود " آنحضرت صلعم کی دلی خواہش کے مطابق رکھے تھے " جنہیں " حجاج " نے آپ کے بعد گم کر دیا " حجاج جیسے شخص کی تعریف کی وجہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ " خاندان حضرت زبیر رض " کا دشمن تھا ۔ اور اُس نے " حضرت زبیر رض " کے نسب کو بُرا بتایا تھا ۔

مؤلف امروہوی نے جس طرح اپنے پسندیدہ اشخاص غیر معقب اصحاب سے متصل ہونے والوں کے شجروں کو درست فرمایا ہے اُس کی ایک مثال

اب ہم اِس بحث کو ختم کرتے ہوئے " مؤلف امروہوی کی کتاب سے لیکر ایک مثال اِس امر پر روشنی ڈالنے کے لئے بھی دیئے دیتے ہیں کہ جن خاندانوں کے شجرے اُن اشخاص سے متصل ہوتے ہیں جو اُن کی تحقیقات میں " غیر معقب ثابت ہوئے ہیں " تو اگر وہ مناسب سمجھتے ہیں تو ان شجروں کو اِس طرح کسی معقب شخص سے متصل کر کے درست بھی کر دیتے ہیں " تحقیقات الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے صفحہ ۱۴۴ پر انھوں نے تحریر فرمایا ہے کہ " امروہہ میں " سادات عقیلی کا " خاندان البیّا کا تھا " . . . . اب معدودے چند افراد باقی ہیں جو گردش زمانہ سے پریشان روزگار

ہیں "تاریخ واسطیہ" نے "اس خاندان کا سلسلۂ نسب" "عبداللہ بن مسلم بن عقیلؓ" سے متصل کیا ہے۔ حالانکہ "مسلم مذکور (المتوفی سنہ ۶۰ ہجری) سے کوئی نسل باقی نہیں رہی" "حضرت عقیلؓ" کا عقب اُن کے صرف ایک بیٹے "محمدؒ" سے باقی رہا، جو حضرت علیؓ کے داماد تھے۔ "اُن کے تین بیٹے "ابو محمد عبداللہ" "قاسم" اور "عبدالرحمٰن" ہوئے۔" آخرالذکر دو بھائی منقرض ہیں۔ "ابو محمد عبداللہ" کا عقب "محمدؒ" اور "مسلم" سے باقی رہا۔ "محمدؒ" مذکور کے پانچ بیٹے "قاسم" "عقیل" "علی" "طاہر" اور "ابراہیم" ہوئے" اور "مسلم مذکور کے تین بیٹے" "عبدالرحمٰن" "محمد" اور "عبداللہ" تھے۔ "شاید" امروہہ کے "خاندان عقیلی" کا سلسلۂ نسب" "مسلم بن عبداللہ بن محمد بن عقیلؓ" سے متصل ہوتا ہو" جیسا کہ "واسطیہ" نے لکھا ہے "مسلم بن عقیل" سے۔

اِس مثال سے معلوم ہوگیا ہے کہ "مؤلف تحقیقات الانساب تاریخ امروہہ" کا دل جن سے راضی نہیں ہے" انہیں اپنے قلم کی گردش سے "لاعقب" بنا دیتے ہیں" اور جن سے وہ راضی ہیں" اُن کے شجرے جو کسی لاعقب شخص سے متصل ہیں اُن کو "شاید" کا سہارا لیکر اس طرح درست کر دیتے ہیں۔ جیسا "سادات عقیلی کے اِس خاندان کے شجرے کو انہوں نے یہ لکھ کر "شاید امروہہ کے خاندان عقیلی کا سلسلۂ نسب "مسلم بن عبداللہ بن محمد بن عقیل سے متصل ہوتا ہو" جیسا کہ "واسطیہ نے کیا ہے۔ "مسلم بن عقیل" سے درست کر دیا ہے"

عیسیٰ بن حضرت مصعبؓ کی اولاد کی بحث کا خاتمہ اور مؤلف امروہوی سے ہمارا خطاب

یہاں ہم اُن سے دریافت کرتے ہیں کہ جب "حضرت مصعب بن زبیرؓ" کے دو بیٹوں کا نام "عیسیٰ" انہوں نے "طبقات ابن سعد میں دیکھا تھا" اور "مصعب بن مصعب بن حضرت زبیرؓ کے ایک صاحبزادے کا نام انہوں نے "طبری" اور "ابن اثیر" وغیرہ کتابوں میں بار بار "عیسیٰ" پڑھا تھا" تو کس خیال سے انہوں نے "ان ناموں کو اخفا کر کے" "حضرت مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہٗ" کے اِس شجرے پر جو "عیسیٰ بن مصعب بن حضرت زبیرؓ" پر منتہی ہوتا ہے" اعتراض کر کے اپنے ناظرین کو دھوکے میں ڈالنے کی کوشش کی ہے" اور وہ کیا بغض اُن کے دل میں ہے جس کی وجہ سے انہوں نے ایسی غلط بیانی کر کے اپنے دل کی سوزش پر مرہم رکھنا ضروری سمجھا ہے"

مؤلف امروہوی کے اُس اعتراض کا جواب جو انہوں نے "حضرت مخدوم شیخ سماؤالدین قدس سرہٗ العزیز" کے شجرے پر کیا ہے" ہم نے پورے طور سے دیدیا ہے" اور بخوبی ثابت کر دیا ہے کہ "مؤلف امروہوی کے اِس اعتراض کی وقعت پرکاہ کی برابر بھی نہیں ہے" کیونکہ یہاں ہم اچھے طور سے ثابت کر چکے ہیں کہ "عیسیٰ الاکبر بن حضرت مصعب بن الزبیرؓ" لاولد نہیں شہید ہوئے تھے" اور حضرت مصعب بن زبیرؓ کے دوسرے صاحبزادے "عیسیٰ الاصغر" بھی تھے" نیز "مصعب بن حضرت مصعب بن الزبیرؓ" کے ایک صاحبزادے کا نام بھی "عیسیٰ" تھا۔ اِس لئے اِس بحث کو ختم کر کے اب ہم "اِن مؤلف موصوف کے اُس اعتراض کی حقیقت کو دکھاتے ہیں جو انہوں نے "نواب شہباز خاں رحمتہ اللہ علیہ" کے شجرے پر کیا ہے"

باب ششم

"اِسی طرح "نواب شہباز خاں" کا سلسلۂ نسب جو "فوط بن رواح بن عبداللہ" کے واسطہ سے "حضرت زبیرؓ بن العوام" تک پہنچایا گیا ہے" وہ بھی غیر متصل اور منقطع ہے" "عبداللہ بن زبیرؓ" کے کسی بیٹے کا نام "رواح" یا اُن کے کسی پوتے کا نام "فوط" کہیں نہیں ملتا۔ اور نہ یہ نام اُن کی اولاد میں پائے جاتے ہیں" اور نہ اِسلام کے بعد "عرب کے مقتدر خاندانوں" اور خصوصاً قریش کی معزز شاخوں میں اِس قسم کے ناموں کا وجود باقی رہا ہے۔

"عبداللہ بن زبیرؓ" کے بیٹوں کے جو نام "کتب انساب" میں ملتے ہیں یہ ہیں" (۱) حمزہ" (۲) حبیب" (۳) ثابت" (۴) موسیٰ" (۵) عباد" (۶) قیس" (۷) عامر" (۸) اور عبداللہ" ان میں سے "حبیب" اور "قیس" کے

کے اُولاد نہ تھی۔ اور "عبداللہ بن عبداللہ بن زبیر رضؓ" کے صرف اولادِ دختری تھی۔ "باقی بیٹوں کی اولاد زیادہ تر "مدینہ منورہ" میں ساکن رہی۔ لیکن اُن کی اولاد میں "فوطہ" یا "رواح" کوئی نام نہیں پایا جاتا۔ "پس جبکہ "نواب موصوف" کا جو سلسلہ بیان کیا گیا ہے۔ وہ بوجوہ مندرجہ بالا منقطع اور غیر متصل ہے۔ نیز جب کسی "معتبر قدیم تذکرہ یا تاریخ میں۔ اُن کے "زبیری" ہونے کی کوئی روایت نہیں ہے۔ تو یہ امر ظاہر ہے کہ "نہ یہ سلسلہ صحیح ہے۔ اور نہ "زبیریت" کی روایت کی کوئی اصلیت ہے"۔ (ص۳۴۲)

اِس بیان کے فقرہ اوّل میں "محقق صاحب نے یہ بات جو لکھی ہے کہ "حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ" کے صاحبزادے کا نام "رواح" اور پوتے کا نام "فوطہ" تھا۔" صحیح نہیں ہے۔ "المشاہیر کے ص۶۵ پر صاف تحریر ہے کہ "حضرت عبداللہ" کے صاحبزادے کا نام فوطہ اور فوطہ کے صاحبزادے کا نام بھی "رواح" نہیں بلکہ "ریاح" تھا۔

عرب میں شیوعِ اسلام سے صدیوں بعد تک عرب کے مقتدر خاندانوں میں۔ ریاح اور فوطہ نام رکھے جانے کے ثبوت

مؤلف صاحب کا یہ لکھنا بھی قطعاً غلط ہے کہ "عرب کے مقتدر خاندانوں اور خصوصاً قریش کی معزز شاخوں میں اسلام کے بعد اِس قسم کے ناموں کا وجود باقی نہیں رہا تھا۔ "ظاہر ہے کہ "اسلام آنے کے بعد" عربوں اور قریشیوں وغیرہ کے مذہب اور رسم و رواج میں جو بھی تبدیلیاں ہوئیں وہ بربنائے احکامِ خدا" اور "رسول اللہ صلعم" کے فرمانِ مبارک کی وجہ سے ہوئیں۔ "کیونکہ عربوں کے کسی ایک قبیلہ کو بھی اِن ناموں کے رکھنے کی ممانعت نہیں کی گئی۔ "اِسی لئے عرب بشمول قریش" حضور اکرم صلعم کے زمانے میں "صحابۂ کرام رضؓ" کے زمانے میں "تابعین و تبع تابعین کے زمانوں میں" اپنی اولاد کے برابر یہ نام رکھتے آئے ہیں۔ "بلکہ صدیوں بعد تک کے عرب اور قریشی اصحاب کے یہ نام کتب انساب اور تواریخ میں ملتے ہیں۔ "اور اُن میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ "اورینٹل کالج میگزین لاہور بابتہ ماہ فروری ۱۹۳۸ء کے ص۹۹تا۹۸ پر "محمد اقبال صاحب نے جو ایک مضمون "علامہ ابن الفوطی" کی کتاب پر لکھا ہے۔ "اُس سے علامہ مذکور کے والد "فوطہ" کا زمانہ بخوبی معلوم ہوتا ہے "محمد اقبال صاحب لکھتے ہیں کہ "مئی ۱۹۳۵ء کے اورینٹل کالج میگزین میں "میں نے ایک مضمون "علامہ ابن الفوطی" پر شائع کیا تھا۔ اُن کی تصانیف کی فہرست میں ایک کتاب موسومہ بہ "حوادث المائۃ السابعہ" کا ذکر۔ اِس مضمون میں ہے جس کا پورا نام "حاجی خلیفہ" نے "الحوادث الجامعہ والتجارب النافعہ فی المائۃ السابعہ" لکھا ہے۔ "۱۹۳۲ء میں "المکتبۃ العربیہ بغداد" نے اِس کتاب کو شائع کیا تھا۔ "کتاب مذکور جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، ساتویں صدی کے حوادث پر مشتمل ہے۔ "اور عربی کی دیگر کتب تواریخ کی طرح واقعات کو بہ ترتیب سنین لکھا گیا ہے۔ "جس قلمی نسخے سے اسے طبع کیا گیا ہے۔ وہ ناقص الاوّل ہے۔ "لہٰذا مصنف کے نام اور تاریخ تالیف کا کہیں ذکر نہیں۔ سنہ ۶۲۶ ہجری کے واقعات کے بیچ میں کہیں سے شروع ہوتا ہے اور سنہ ہجری کے اخیر پر ختم ہوتا ہے۔ "یہ واحد قلمی نسخہ۔ ابتداءً شام کے ایک فاضل عیسائی مستشرق "جرجس صفا" کے کتب خانہ میں تھا۔ جس نے ۱۹۱۳ء میں "رسالہ المشرق" میں اس پر ایک مضمون لکھا۔ اور بتلایا کہ وہ بڑی حد مصنف کا خود نوشتہ ہے۔ اِس لئے اِس میں جابجا جملوں کو کاٹ کر اصلاح کی گئی ہے۔ اور بعض صفحوں پر سادہ ورق چپکا کر ساری عبارت کو بدل کر دوبارہ لکھا گیا ہے۔ "بعض جگہ پورا صفحہ یا اُس کا کچھ حصہ خالی چھوڑ دیا گیا ہے۔ "اِس نسخہ کو "مصر کے "مشہور فاضل اور رئیس "احمد تیمور پاشا" نے "جرجس صفا" سے خرید لیا۔ اور اُس کی ایک عکسی نقل "مکتبہ الاوقاف العراقیہ بغداد" کو بطور ہدیہ بھیجی۔ "اِسی نقل سے یہ مطبوعہ ایڈیشن شائع کیا گیا ہے۔

مراۃ الجمال تصنیف شیر خاں ابن علی امجد خاں لودی بزمانۂ شاہجہان و عالمگیر قلمی جو ہمارے خود کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ "اس کے ورق ۴ پر "اسمائے موجدانِ خطوط و خوش نویسان" کی سرخی کے تحت تحریر ہے کہ:

آوردہ اند کہ اکثرے ازیں خطوط در ابتدا علی ابن ہلال" خوب نوشت" و ملا جلال الدین یاقوت بکمال رسانید" و بعد از وے شش شاگرد او در خوشنویسی علم گردید ند"

لکھا ہے کہ "اِن خطوط میں سے اکثر کو شروع میں علی بن ہلال نے خوب لکھا" اور ملّا جلال الدین یاقوت نے کمال کو پہنچایا۔ "اس کے بعد اُس کے چھ شاگرد خوشنویسی میں مشہور ہیں۔

(۱) شیخ احمد کہ بہ شیخ زادہ سہروردی مشہور است۔
(۲) از غون کابلی" (۳) مولانا یوسف شاہ مشہدی" (۴) مبارک شاہ
زریں رقم" (۵) سید حیدر (۶) میر یحییٰ" و از متاخرین "خواجہ عبداللہ
صرفی" ملا یحییٰ شیرازی" عبداللہ آتش تیز ہروی" و حافظ قوطہ ہروی"
و مولانا ابابکر" و شیخ محمود" و خواجہ عبداللہ مروارید بر ہفت قلم را بپایۂ
اعلیٰ رسانیدند"

(۱) شیخ احمد جو شیخ زادہ سہروردی مشہور است۔
(۲) از غون کابلی (۳) مولانا یوسف شاہ مشہدی" (۴) مبارک شاہ
زریں رقم" (۵) سید حیدر (۶) میر یحییٰ" و از متاخرین "خواجہ عبداللہ صرفی
ملا یحییٰ شیرازی" عبداللہ آتش تیز ہروی" و حافظ قوطہ ہروی" و مولانا
ابابکر" و شیخ محمود" و خواجہ عبداللہ مروارید" ان ساتوں نے
قلم کو پایۂ عالی پر پہنچایا"

(نوٹ) (نوط "منقش چادریا خلد دار چادریں) —— (از مجموعہ لغات عربی منشی سدا سکھ لال مطبوعہ نور الابصار پریس الہ آباد طبع ۱۸۸۵ء)

طبری میں ہے کہ "موسیٰ بن عبدالعزیز کا بیان ہے کہ "ابو جعفر (منصور عباسی) نے جب یمنی عربوں کے سردار "ابن القسری" کو علیحدہ کرنے کا ارادہ کیا تو اُس نے "ریاح بن عثمان بن حیان المری" کو بلا کر "عبداللہ (محمد نفس ذکیہ کے والد" بن حسن مثنیٰ بن حضرت حسنؓ بن حضرت علی رضؓ) کے بیٹوں کے معاملہ میں "زیاد" اور "ابن القسریؒ" کی سہل انگاری۔ اور بد دیانتی کی شکایت کرکے اُس کو "مدینہ کا والی" مقرر کرکے حکم دیا کہ اسی وقت گھر جانے سے پہلے اپنے مستقر حکومت کو چلے جاؤ" اور مدینہ پہنچکر "اُن دونوں کی تلاش میں پوری جدوجہد کو کام میں لاؤ"
(۲۳ رمضان ۱۴۴ھ ہجری) کو جمعہ کے دن "ریاح" منزلیں طے کرتا ہوا جمعہ کے دن "مدینہ" پہنچ گیا" (ترجمہ طبری جلد سوم حصہ اول ص ۱۴۸ و ۱۴۹)

اس "ریاح" نے مدینہ منورہ پہنچ کر "بنی حسن رضؓ" کو گرفتار کرکے "پابہ زنجیر" منصور کے پاس عراق بھیجدیا۔ جہاں اُن پر ایسے ظلم و ستم کئے گئے کہ "چنگیز خاں" کے حاشیۂ خیال میں بھی نہ آئے ہوں گے" "ریاح" نے "محمد نفس ذکیہ" کی تلاش میں بھی ایسی کوشش کی کہ آخر جان سے تنگ ہو کر ۱۴۵ھ ہجری میں "زبیری اسدیوں کی امداد سے انہوں نے خروج کرکے "ریاح" کو گرفتار کرکے قید کر دیا اور مدینہ منورہ پر قبضہ کر لیا" ان سب واقعات کی تفصیل طبری اور دوسری تاریخوں میں موجود ہے" آخر کار "عیسیٰ بن مصعب بن حضرت مصعبؓ بن حضرت زبیر رضؓ (الملقب بہ ابن خضیر") نے اس منصور عباسی کے گورنر کو جان سے مار ڈالا" طبری میں ہے کہ "محمد بن عمر" نے روایت کی ہے کہ "محمد نفس ذکیہ بن عبداللہ" کے ساتھ "مصعب بن حضرت زبیر رضؓ" کے ایک پوتے" ابن خضیر" (عیسیٰ بن مصعب الملقب بہ خضیر بن حضرت مصعبؓ") تاریخ کامل میں بجائے ابن خضیر کے عیسیٰ نام لکھا ہے") بھی تھے جس دن کہ "محمدؒ مارے گئے" انہوں نے یہ محسوس کیا کہ اُن کے ساتھیوں میں خلل واقع ہو گیا ہے۔ اور تلوار نے اُن کا صفایا کر دیا ہے۔ انہوں نے "محمدؒ" سے "مدینہ" جانے کی اجازت لی" محمدؒ نے انہیں اجازت دیدی مگر انہیں یہ نہ معلوم ہوا کہ وہ کیوں "مدینہ" جا رہے ہیں"۔ انہوں نے "ریاح بن عثمان بن حیان المری" اور اُس کے بھائی کو زبردستی جیل میں گھس کر۔ ذبح کر دیا" اور واپس آکر محمدؒ کو اطلاع دی۔ پھر آگے بڑھکر حریف سے لڑے اور مارے گئے"

حارث بن اسحٰق کہتا ہے کہ "ابن خضیر" (عیسیٰ بن مصعب) نے "ریاح" کو ذبح کر ڈالا مگر سر اُس کا تن سے جدا نہیں کیا" بلکہ دیوار سے ٹکرا ٹکرا کر اُسے مار ڈالا" (تاریخ طبری جلد سوم حصہ اول ص ۲۲۸)

اس بیان سے یہ بخوبی معلوم ہو گیا" کہ ۱۴۵ھ ہجری میں "منصور" کا گورنر جو قریشی تھا اُس کا نام "ریاح" تھا"

اسلام کے ہیروڈوٹس علامہ مسعودی نے ۳۰۳ھ ہجری میں سندھ کا سفر کیا تھا۔ انہوں نے اپنی کتاب مروج الذہب و معدن الجواہر میں لکھا ہے کہ "عمر بن عبداللہ بن عمر بن عبدالعزیز" ہباری" اسدی" قریشی" بادشاہ سلطنت منصورہ سندھ کے وزیر کا نام "ریاح" تھا اور "ریاح" کے دو بیٹے "محمد" اور "علی" تھے"

ہم نے جو یہ مثالیں آئرپر دیدی ہیں" ان کی بھی ضرورت نہ تھی" کیونکہ مؤلف صاحب" کے بیان کی تکذیب" خود "رسول مقبول صلعم" کی حدیث سے ہو جاتی ہے" حضور صلعم نے غلاموں کے چار نام رکھنے کی ممانعت فرمائی تھی" عربوں اور قریشیوں کے لئے ان ناموں کے متعلق کوئی حکم نہیں دیا تھا"

MUSLIM UNIVERSITY

مؤلف امروہوی کی تحریف حدیث نبوی صلعم میں

صحیح مسلم میں ہے کہ "سمرہ بن جندبؓ" سے روایت ہے کہ "رسول اللہ صلعم" نے ہم کو اپنے غلاموں کے مذکورہ ذیل چار نام رکھنے کی ممانعت فرمادی تھی "افلح" "رباح" "یسار" "نافع" (کتاب الآداب حدیث ۱۴۸۸)

حضورؐ نے فرمایا۔ اپنے غلاموں کا نام "نہ افلح رکھو" "نہ رباح" "نہ یسار" "نہ نافع" (سمرہؓ حدیث ۱۶۸۹) (ترجمہ صحیح مسلم جلد دوم ۲۱۵)

اِن دونوں حدیثوں سے یہ بات اب قطعی طور سے معلوم ہوگئی کہ "ہمارے مؤلف صاحب کو تاریخی واقعات کے اِخفا کے علاوہ "اپنی غرض کے لئے احادیث نبوی" میں بھی تحریف کرنے میں کوئی ڈر اور خوف نہیں ہے"

ایک حدیث یعنی حدیثوں میں نئی بات نکالنے والا مردود ہے

ترجمہ صحیح بخاری جلد اوّل کے ۱۳۵ میں "حضرت زبیر رضؓ" کی حدیث ہے کہ "انہوں نے اپنے صاجزادے "حضرت عبد اللہؓ" سے فرمایا کہ "جانِ پدر" حضور صلعم کی رفاقت اور معیّت میں دوسروں سے میرا کم حصّہ نہیں ہے "میں رسول اللہ صلعم سے جدا نہیں ہوا۔ مجھے بہت حدیثیں معلوم ہیں لیکن چونکہ میں نے "آنحضرت صلعم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ "جو شخص میرے اوپر جھوٹ بولے تو اُسے چاہئے۔ اپنا ٹھکانا آگ میں (جہنم میں) تلاش کرے۔ اِس لئے حدیث بیان کرتے ہوئے ڈرتا ہوں" صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں حدیث حضرت عائشہ رضؓ سے مروی ہے کہ "رسول اللہ صلعم" نے فرمایا "جس نے ہمارے دین میں نئی بات نکالی جو اس میں نہیں ہے۔ تو وہ مردود ہے"

دوسری حدیث۔ یعنی آنحضرت صلعم سے غلط بات کو منسوب کرنے والا دوزخی ہے

ربعی بن حراش رضؓ کہتے ہیں کہ میں نے "حضرت علی رضؓ کو فرماتے سُنا ہے کہ "حضرت نبی صلعم کا اِرشاد ہے کہ "میری جانب کبھی کسی جھوٹ بات کو منسوب نہ کرو" کیونکہ جو شخص میری جانب کسی جھوٹ بات کو منسوب کرے گا قطعی دوزخ میں جائے گا"

باطنی جس طرح تحریفیں کیا کرتے تھے

حضرت مولانا سیّد سلیمان ندوی نے ایک مضمون "الاصلاح سرائے میر اعظم گڈھ" بابت ماہ فروری ۱۹۳۶ء کے ۵۲ تا ۱۱۶ پر "جواب تبصرہ" "اسلام اور بہائیت" کی سرخی کے تحت لکھا ہے "اس میں "باطنیوں کے تحریفیں کرنے کے طریقے اِس طرح تحریر فرماتے ہیں کہ "باطنیوں کا ہمیشہ یہ دستور رہا ہے کہ "وہ کلام پاک کی بے جوڑ آیتیں لیکر اُن میں "تحریف و تبدیلی کرکے" اپنا مطلب ثابت کیا کرتے ہیں" حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ (۱) کسی متکلّم کی پوری عبارت میں سے اگر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے۔ اور جملے لیکر اور آگے پیچھے سے بے تعلق کرکے اُن کی تشریح کی جائے "تو مطلب کچھ سے کچھ ہو جائے گا" (۲) اس کے ساتھ دوسرا اصول اُن کا یہ رہا ہے کہ "کسی لفظ کو جس کے چند معنی ہوں۔ اور اُن میں سے کسی ایک کے معنی کی تعین قرینہ "سیاق و سباق" اور آگے پیچھے کی عبارت سے ہوتی ہو۔ تو وہ اس کی کوشش کریں گے کہ اس کے بجائے وہ اپنے مطلب کے مطابق اُس لفظ کے ایک معنی لیکر اُس سے اپنا مدّعا ثابت کریں" (۳) دو زبانوں میں اگر ایک لفظ مشترک ہے لیکن دونوں زبانوں میں اُس کے دو معنی ہیں۔ تو وہ دوسری زبان کے مطابق اگر وہ اُن کے مدّعا کے لئے مفید ہوں تو ترجمہ کریں گے۔ اور اصل عربی زبان کے معنی کو چھوڑ دیں گے"

ہم نے جو دو حدیثیں "صحیح مسلم" سے لیکر غلاموں کے ناموں کے متعلق لکھی ہیں۔ (جن میں ایک نام "رباح" بھی ہے" اور جسے مؤلف امروہوی نے "بجائے غلاموں کے "عربوں اور خصوصاً قریشیوں سے منسوب کردیا ہے" "سیّد سلیمان صاحب" کے بیان کے بعد "یہیں

اپنی طرف سے مؤلف موصوف کے اِن حدیثوں میں تحریف یا تغیر و تبدل کر دینے کی وجہ پر کچھ اور لکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے۔"

مؤلف امروہوی کی "ابن قتیبہ" کے بجائے کتب انساب لکھنے میں دھوکا دہی

اب ہم امیر المؤمنین حضرت عبد اللہ بن حضرت زبیر رضؓ کے بیٹوں کی اولاد کو جو مؤلف امروہوی کو کتب انساب میں ملی ہے۔ جانچتے ہیں کہ اُن کا بیان کہاں تک صحیح و درست ہے۔ مگر آگے بڑھنے سے پہلے ہم یہ بتلا دینا چاہتے ہیں کہ مؤلف صاحب نے جو "کتب انساب" کا لفظ لکھا ہے۔ یہ بھی مغالطہ میں ڈالنے والا ہے "تاکہ لوگ یہ خیال کریں کہ انہوں نے بہت سی کتابیں دیکھی ہیں"۔ حالانکہ اُن کا دار و مدار یہاں بھی صرف ایک ہی کتاب "المعارف ابن قتیبہ" کے سوا کسی دوسری کتاب پر ہرگز نہیں ہے۔ "انساب" کے متعلق یا تو وہ اِس کتاب کے سوا کسی دوسری کتاب کو دیکھنا گناہ سمجھتے ہیں۔ یا اگر انہیں کسی کتاب میں ابن قتیبہ کے بیان سے کچھ زائد نظر آتا ہے تو اُسے اپنے مقصد کے منافی سمجھ کر ظاہر کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔ "جس طرح چوہے کے ہاتھ ایک ہلدی کی گرہ آگئی تھی اور وہ اُس کو دکھا دکھا کر کہتا پھرتا تھا کہ دیکھو میں پنساری ہو گیا ہوں" اِسی طرح اِن مؤلف صاحب کا حال ہے کہ انہیں معارف ابنِ قتیبہ کیا مل گئی ہے کہ وہ اپنے آپے میں نہیں رہے ہیں "اور اِس ایک کتاب کی بنا پر ہر جگہ یہ غلط اِدّعا کر دیتے ہیں کہ ہر کتاب کو ہم نے دیکھ لیا ہے"۔

اِبنِ قتیبہ نے لکھا ہے کہ "اُن کی اولاد "حمزہ" "خبیب" "ثابت" "موسیٰ" "عباد" "قیس" "عامر" "عبد اللہ" اور چند لڑکیاں تھیں "حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ" نے اپنی لڑکیاں اپنے بھتیجوں سے بیاہ دی تھیں"۔ (ترجمہ المعارف ابن قتیبہ جلد اوّل صفحہ ۱۳۹ و ۱۴۰)

اب آپ خود "اِبنِ قتیبہ" اور "مؤلف امروہوی صاحب" کے دیئے ہوئے ناموں کو دیکھ کر فیصلہ کر سکتے ہیں کہ دونوں کے بیانات میں یکسانی ہے یا نہیں "اور "بجائے ابنِ قتیبہ کے" "کتب انساب" کا جو لفظ "مؤلف صاحب نے لکھا ہے کہ اس کے کیا معنی ہیں"۔

حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی اولاد کی تعداد کے متعلق مؤلف امروہوی کی غلط بیانی کی چالاکی

ہم باب پانزدہم میں اِبنِ قتیبہ کے بیانات کی پوری پوری حقیقت دکھا آئے ہیں "اِس لئے یہاں اِس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے" اب تک "طبقات اِبنِ سعد" کی کل نو جلدیں "ہمارے مطالعہ میں آئی ہیں"۔ اُن میں پہلی آٹھ میں تو مردوں کے اور نویں میں عورتوں کے حالات ہیں۔ لیکن اِن جلدوں میں سے کسی میں "حضرت عبد اللہ بن زبیر رضؓ" کے حالات نہیں ہیں۔ "طبقات" کی باقی ماندہ اُن تین جلدوں میں سے کسی ایک میں ہوں گے جو "کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن" میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے ہمارے مطالعہ میں نہیں آسکیں "اور "علامہ مسعودی کی" "کتاب الاوسط" بھی ہماری نظر سے نہیں گذری" مگر اس پر بھی ہم "حضرت امیر المؤمنین رضؓ" کی ساری اولاد سے "ابن قتیبہ" کی ناواقفیت دکھانے میں قاصر نہیں ہیں۔"

شاہ معین الدین احمد ندوی نے "اپنی کتاب "سیر الصحابہؓ" میں "حضرت عبد اللہ بن زبیر رضؓ" کے حالات میں لکھا ہے کہ "ابنِ زبیر رضؓ" کی ازدواج اور اولاد کی صحیح تعداد بتانا مشکل ہے"۔ (سیر الصحابہ جلد ششم صفحہ ۲۰ مطبوعہ مطبع معارف اعظم گڈھ سنہ ۱۹۳۲ء)

تاریخ کامل (ابنِ اثیر) میں ہے کہ "جو لوگ اُن کا ساتھ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اُن کی تعداد تقریباً دس ہزار تھی "اِن ہی لوگوں میں اُن کے بیٹے "حمزہ" اور "خبیب" بھی شامل تھے "اِن دونوں نے اپنی جانوں کے لئے امان طلب کر لی تھی "رسات مہینہ محصور رہنے اور کھانے پینے کا سامان ختم ہو جانے سے مجبور ہو کر ان کو امان لیکر "مکہ معظمہ" سے باہر آجانا پڑا تھا۔ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے اپنے صاحبزادے "زبیرؓ" سے بھی کہا کہ تم اپنے بھائیوں کی طرح کرو۔ بخدا میں تمہارے زندہ رہنے کو پسند کرتا ہوں"۔

اِس کے جواب میں اُس نے (زبیر بن حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضؓ نے) کہا کہ "میں وہ نہیں ہوں جس کو اپنی جان مرغوب ہو۔ چنانچہ اُس نے "اپنے والد بزرگوار کا ساتھ دیا اور جنگ میں کام آیا"۔ (ترجمہ تاریخ کامل ابن الاثیر جلد چہارم صفحہ ۱۶۳)

"زبیر بن حضرت عبد اللہ بن حضرت زبیر رضؓ" کا نام جرمن مستشرق "ایف وسٹن فیلڈ" نے بھی اپنی کتاب "ڈائی فیلی الزبیر"

مطبوعہ گوٹنجن میں "حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" کی اولاد کے شجرے میں تحریر کیا ہے" یہاں یہ بات بتلا دینی ضروری ہے کہ "ایف وسٹن فیلڈ" نے جس وقت اپنی کتاب لکھی ہے اُس وقت اُس کی نظر سے "طبقات ابن سعد" نہیں گذری تھی" کیونکہ اُس وقت تک وہ شائع نہیں ہوئی تھی"

ریاح بن قوطہ اور قوطہ بن حضرت عبداللہ بن حضرت زبیرؓ" کے نام "رسالہ شہباز خاں" میں موجود ہیں" اور یہ رسالہ" آج سے کچھ کم چار سو برس پہلے کا لکھا ہوا ہے" سلسلۂ عالیہ میں بھی موجود ہیں اور المشاہیر" میں بھی تحریر ہیں"

علاوہ "زبیر بن عبداللہ بن حضرت زبیرؓ" اور "ریاح بن عبداللہ بن حضرت زبیرؓ" کے ہم کو دو نام اور "ہاشمؓ" اور "عمرؓ" حضرت عبداللہ بن حضرت زبیرؓ کے صاحبزادوں کے "تاریخ الکبیر امام بخاری" اور "الجرح والتعدیل سے معلوم ہوئے ہیں"

تاریخ الکبیر القسم ثانی من جزء الرابع تصنیف امام بخاری کے صفحہ ٢٣٥ پر عنوان ٢٨٤٣ میں تحریر ہے کہ "ہاشم بن عبداللہ بن الزبیرؓ" اُن عمر ابن الخطاب اصابتہ مصیبتہ فاتی رسول اللہ صلعم قالہ یونس بن یزید عن ابن شہاب قال حدثنی اسمٰعیل بن روبتہ عن ہاشم" الجرح والتعدیل الجزء الثالث تصنیف امام ابی محمد عبدالرحمٰن المتوفی ٣٢٧ ہجری کے صفحہ ١١٥ پر عنوان ٦٤٣ میں تحریر ہے کہ "عمر بن عبداللہ بن الزبیرؓ" روی عن ابن الزبیر روی عنہ عبداللہ بن مسلم بن ہرمز سمعت ابی یقول ذالک" یہ دونوں کتابیں مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن کی ہیں اور سنہ ١٣٦١ ہجری میں بار اول طبع ہوئی ہیں") کتاب المحبر کے صفحہ ٥ پر "حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" کی زوجہ کا نام "اُم الحسن" لکھا ہے" جس سے معلوم ہوا کہ آپ کے ایک صاحبزادے کا نام "حسن" بھی تھا" علاوہ ان کے "زبیریان خاندیس" کے پاس جو شجرہ ہے" اس میں "حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" کے ایک صاحبزادے کا "مصرف" تحریر ہے"

عبداللہ بن حضرت عبداللہؓ کے اولاد ذکور نہ ہونے کے "مؤلف امروہوی" کے بیان کی تردیدی شہادت

کتاب انساب سے مؤلف صاحب نے "امیر المؤمنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ" کے جس قدر صاحبزادے ہونا بیان کئے ہیں" اُن کی اس بارے میں تحقیقات کی غلطی ثابت کر دینے یعنی حضرت "امیر المؤمنینؓ" کے مزید صاحبزادے دکھا چکنے کے بعد اب ہمیں یہ بتانا ہے کہ "جناب مؤلف صاحب کے اس بیان میں بھی ذرہ برابر صداقت نہیں ہے کہ "عبداللہ بن حضرت عبداللہ بن حضرت زبیرؓ" کے صرف اولاد دختری تھی" انہوں نے "کتاب انساب" کا حوالہ دیا ہے لیکن نام کسی کتاب کا بھی ظاہر نہیں کیا۔ مگر ہم انہیں "انساب" کی کتاب سے بتاتے ہیں کہ "عبدہ بن حضرت عبداللہؓ" کے اولاد ذکور تھی اور اُس کی نسل بھی خوب چلی ہے"

"کتاب الانساب امام سمعانی" میں ہے کہ "ابو ذر عبدالصمد" بن احمد" بن الحسن" بن علی" بن محمد" بن یحییٰ" بن عبدہ" بن حضرت عبداللہ بن الزبیر القاری الزبیری" "مدنی" ہیں" مدینہ داخلہ کے رہنے والے تھے" ابو بکر محمد بن اسحٰق بن خزیمہ" "ابو العباس محمد بن اسحٰق الرابع" اور "ابو عبداللہ محمد بن المسیب الارغیانی" سے حدیثیں سنیں اُن کے والد بھی محدث تھے۔ انہوں نے ان تمام شیوخ سے اپنی کم سنی میں حدیثیں سنی ہیں" ٣٥٠ ہجری میں انتقال کیا"

نواب شہباز خاں کے شجرہ نسب کے خلاف مؤلف امروہوی کی کھڑی کی ہوئی عمارت کی مسماری

اب جبکہ ہم نے مؤلف صاحب کی غلط بیانیوں کو قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے" اور ان کی تعمیر کردہ عمارت کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا ہے" تو اپنے اس رد شدہ بیان کی بنا پر جو انہوں نے "نواب شہباز خاں" کے سلسلے کے منقطع اور غیر متصل ہونے" اور اُن کی زبیریت کی کوئی اصلیت نہ ہونے کا نتیجہ نکالا ہے" وہ بھی اُن کی عمارت کے ساتھ ہی پادر ہوا ہو گیا ہے" کیونکہ جب بانسری ہی نہ رہی تو اُس کے سُر بھی اُسی کے ساتھ ختم ہو گئے" اس لئے مؤلف صاحب کی اس تحقیقات کی حیثیت بخوبی دکھا چکنے کے بعد اب ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ اور امیر المؤمنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی معلومہ اولاد کا شجرہ پیش کرتے ہیں"

اولاد حضرت عبد اللہ بن حضرت زبیرؓ

- عامر
  - عتیق
    - عمر
      - حفصہ (طبقات)
        - عتیق (طبقات)
- خبیب
- موسیٰ
  - صدیق (طبقات جلد ۴ ص ۳۵۰)
    - یحییٰ زوج حفصہ بنت عمر
      - عتیق (طبقات جلد ۴ ص ۳۲۶)
- زبیر
- حمزہ
  - عبد الواحد (الجرح والتعدیل)
  - زبیر
    - یحییٰ (ذاتی فیملی الزبیرؓ)
- قیس
  - عبد اللہ
- ثابت
  - حبیب
    - زبیر محمد {کتاب الانساب امام سمعانی}
  - نافع
    - عبد اللہ ص ۳۲۵ (طبقات جلد ۴)
  - مصعب
    - عبد اللہ {زوج ام الجبار و خدیجہ وغیرہ، طبقات ابن سعد جلد ۴ ص ۳۲۴}
      - ابو بکر بکار
        - ابو عبد اللہ الزبیر (ذاتی فیملی الزبیر)
          - عبد اللہ
          - مصعب
            - جعفر (کتاب الانساب امام سمعانی) (معجم المصنفین غیر مطبوعہ) تالیف علامہ محمود الحسن صاحب ٹونکی
      - محمد الاکبر
      - محمد الاصغر
      - ابو عبد اللہ مصعب (طبقات جلد ۴ ص ۳۲۵)
        - عبد اللہ {طبقات ابن اثیر، طبری، اغانی، و ابو محاسن وغیرہ}
      - علی
      - احمد
      - عبد اللہ
      - زبیر (ذاتی فیملی الزبیرؓ)
- عباد
  - عباد (زوج ملیکہ ... گمراہ زوجی)
  - یحییٰ (ذاتی فیملی)
  - حبیب
  - محمد مصعب {کتاب الانساب امام سمعانی}
- عبد اللہ ضیا
  - یحییٰ
    - محمد
      - علی
        - الحسین
          - احمد
            - ابو محمد عبد الصمد محدث {کتاب الانساب امام سمعانی}
- عبدہ
- قوط
  - ریاح
    - زید
      - خطاب
        - فضل اللہ
          - عبد اللہ
            - تبارک اللہ
              - داؤد
                - محمود
                  - ادریس محمد
                    - دانیال
                      - سلیمان
                        - یعقوب
                          - ادہم
                            - معروف متوکل
                              - احمد پارسا
                                - عبد الملک زاہد
                                  - کمال الدین
                                    - حسام الدین المعروف بہ حاجی جمال
                                      - جلال الدین
                                        - شہاب الدین
                                          - معز الدین مخاطب صدر جہاں
                                            - برہان الدین
                                              - بہاؤ الدین
                                                - شیخ حیدر الدین
                                                  - شیر اللہ الملقب نواب نظام الدین شہباز خان
                                                    - دختر زوجہ شیخ محمد ماہرو
                                                    - دختر زوجہ جنید بن الدین امرائے اکبری شہید صوبہ گجرات
                                                    - امام اللہ خان واقعہ نگار بنگالہ بزمانہ شاہجہاں
                                                    - عنایت اللہ خاں از امرائے شاہجہاں
                                                  - کرم اللہ از امرائے اکبری
- ہاشم {تاریخ الکبیر قسم دوم جزو رابع ص ۲۳۵ تالیف امام بخاری مطبوعہ مطبع دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن}
- حسن {کتاب المحبر ص ۴۵۶}
- معروف
  - محمود
    - اسحٰق
      - اسمٰعیل
        - محمد قاسم
          - ابراہیم
            - اسحٰق
              - اسمٰعیل
                - محمد قاسم
                  - زبیر
                    - محمود
                      - حمید
                        - محمد قاسم
                          - فرید
                            - محمد یوسف
                              - خلیل اللہ
                                - عبد الغنی
                                  - شیخ عبد الکریم
                                    - قاضی عبد اللہ بزمانہ شاہجہاں مورث زبیریان خاندیش
- عمر (الجرح والتعدیل جز ثالث، مطبوعہ دائرۃ المعارف)
- فاطمہ (کتاب المحبر ص ۵۸)
- فاختہ

اب ہم یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ بن العوام کی ازواج و اولاد کی صحیح تعداد بتانی مشکل ہے کیونکہ ابھی تک کوئی کتاب ایسی نہیں ملی ہے جس سے آپ کی ازواج و اولاد کی پوری تفصیل معلوم ہو سکتی ہو لیکن آپ کی جس قدر اولاد کا حال ہمیں اب تک معلوم ہوا ہے وہ ہی اِن مؤلف صاحب امروہوی کے ممدوح "ابن قتیبہ" کے بیان کی تردید کے لئے کافی سے زیادہ ہو گیا ہے "ابن قتیبہ" نے "حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ" کے آٹھ صاحبزادے اور چند لڑکیاں ہونا بتایا ہے "اس کے مقابلے میں ہم نے آپ کے چودہ صاحبزادوں" اور دو صاحبزادیوں کے نام دکھلا دیئے ہیں۔ ایسی حالت میں "ابن قتیبہ" کے بیان کی حقیقت جسے مؤلف امروہوی نے اپنے اِس بیان میں سند گردانا ہے جو کچھ ہو سکتی ہے وہ ظاہر ہے ہمیں اپنی طرف سے اس پر کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے "ابن قتیبہ" کے بیان کے سامنے ہم نے امیر المومنین حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی اولاد کا شجرہ پیش کیا ہے وہ ہمارے بیان پر شاہد عادل ہے "

بابِ ہفتدہم

"نواب شہباز خاں" کے تذکرہ میں "صاحب المشاہیر" نے "حاجی کمال الدین" نام ایک بزرگ کا ذکر کیا ہے "جو "شہباز خاں" سے تیسری پشت میں بیان کئے جاتے ہیں "حاجی مذکور کے متعلق وہ فرماتے ہیں۔ کہ "عرب سے وارد ہند ہوئے" "بیت اللہ میں سند حدیث "میر حسن" محدث سے حاصل کی" اوّلاً "میر سیّد علی الہجویری" صاحب کشف المحجوب" سے مستفید ہوئے "پھر دار الامان ملتان میں آئے "حضرت شیخ بہاؤ الدین ذکریا ملتانی رح" سے بیعت کی۔ انہیں سے استفاضہ کیا۔ اور ان ہی کے ایما سے۔ اپنی قوم و قبیلۂ عرب میں جو پہلے سے "ملتان میں سکونت پذیر تھا۔ متاہل ہوئے۔ اور وہیں سکونت اختیار کی" ایک سو اٹھارہ سال کی عمر میں رحلت فرمائی " ص ٣٤٣

(الف) اِس تمام روایت میں۔ تاریخی لحاظ سے کوئی ربط نہیں۔ اور نہ یہ واقعہ جس طرح بیان کیا گیا ہے ممکن الوقوع ہے "حضرت شیخ ذکریا ملتانی کی وفات ٦٦٦ھ ہجری میں ہوئی" اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ "حاجی کمال الدین مذکور چالیس سال کی عمر میں۔ اور شیخ موصوف کی وفات سے چالیس سال قبل حاضر خدمت ہوئے۔ تو اِس لحاظ سے حاجی مذکور کا سالِ ولادت ٥٦٦ھ ہجری ہوگا" اور ایک سو اٹھارہ برس کی عمر تسلیم کرتے ہوئے سنہ وفات ٦٨٤ھ ہجری قرار پاتا ہے "لیکن حضرت علی ہجویری" کا سنہ رحلت ٤٦٥ھ ہجری ہے۔ اور آپ مشائخ سادات کے اُن چند بزرگوں سے ہیں جو ابتدائے عہد میں "ہندوستان" تشریف لائے۔ پس آپ کا زمانۂ وفات "حاجی کمال الدین" کے "سالِ ولادت سے بھی ایک سو برس سے بھی قبل ہوتا ہے" پھر وہ کس طرح آپ سے مستفید ہو سکتے تھے " اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ "حاجی مذکور نوّے سال کی عمر میں "حضرت شیخ ذکریا" کی خدمت میں اُس وقت حاضر ہوئے جو "شیخ کا ابتدائی زمانہ تھا۔ اور اُن کی عمر تیس سال کی تھی۔ اور "حاجی کمال الدین" نوّے سال کی عمر میں متاہل ہوئے "جو بالکل خلاف قیاس ہے" تب بھی یہ زمانہ "شیخ موصوف کی ولادت کے لحاظ سے جو ٥٦٥ھ ہجری میں ہوئی ٥٩٥ھ ہجری متعین ہوتا ہے اور "حاجی مذکور کی پیدائش ٤٧٧ھ قرار پاتی ہے" گویا ان کی ولادت کا زمانہ "سیّد علی الہجویری" کی وفات "بارہ برس بعد کا متعین ہوتا ہے" پس جس شخص نے "سیّد علی الہجویری" کا زمانہ نہ پایا ہو۔ وہ "شیخ ذکریا کا زمانہ دیکھ سکے۔ اور اُن سے مستفید ہو سکے" یا جس شخص نے "شیخ ذکریا سے استفادہ کیا ہو" وہ سیّد موصوف کے زمانۂ حیات میں عالمِ وجود میں آ چکا ہو" قطعی ناممکن ہے" اِس لئے "حاجی کمال الدین" کا "سیّد علی الہجویری" سے مستفید ہونا کسی طرح درست نہیں " ہاں یہ امر کہ وہ "شیخ ذکریا"

ملتانی سے بیعت تھے" قرین قیاس ہے" (صفحہ ۳۴۳ و ۳۴۴)

مؤلف امروہوی کی المشاہیر کے بیان میں تحریف اور اس کی وجہ

صاحب تحقیق الانساب نے یہاں "صاحب المشاہیر کے حوالہ سے جو "ایک بزرگ" "حاجی کمال الدین" کو "نواب شہباز خاں" کے تیسری پشت میں بتا کر اُن کو "مخدوم شیخ بہاؤ الدین ذکریا رح" کا مرید بتایا ہے" یہ صحیح نہیں ہے" بلکہ "المشاہیر کے صفحہ ۸۵ پر" یہ عبارت ہے کہ "حاجی جمال جدِ اعلیٰ (نواب شہباز خاں) عرب سے وارد ہند ہوئے۔ اور صفحہ ۸۵ پر لکھا ہے کہ "صاحب مآثر الامراء لکھتے ہیں کہ "حاجی جمال" "شہباز خاں کے جد ششم" "مخدوم بہاؤ الدین ذکریا" کے مرید تھے" ایک درویش نے "مخدوم صاحب سے سوال کیا کہ برائے خدا ہر پیغمبر کے نام پر مجھ کو ایک اشرفی دیجئے" "مخدوم صاحب کو تامل و تفکر ہوا" "پیغمبروں کا شمار لاکھوں تک ہے۔ نہ اس کا سوال پورا کرسکتے تھے۔ نہ خدا کی دوستی کے واسطے دلانے سے ایسے شیخ وقت اور صوفی و اصلح مجیٰ کو بھیا تہ انکار کا محل تھا" حاجی صاحب نے عرض کیا "فقیر کو میرے ساتھ کیجئے۔ میں اس کی خواہش پوری کر دوں گا۔ اور حسب اجازت فقیر کو اپنے گھر لاکر کہا" "نام ایک ایک پیغمبر کا اپنی زبان سے کہتے جاؤ اور ہر اسم ایک اشرفی لیتے جاؤ" "درویش دس بیس پیغمبروں کے نام اور اشرفیاں لیکر ساکت رہا۔ اور معترف بہ عجز ہو کر بخوشی رخصت ہوا" حضرت مخدوم "اس عاقلانہ تدبیر کو سنکر" اُن کی دانائی سے نہایت محظوظ ہوئے۔ اور دعا دی کہ تم میں کوئی خفیف العقل نہ ہو۔ چنانچہ اکثر اس فرقہ کے آدمی ہندوستان میں "حدتِ ذہن" اور ہوشمندی کے ساتھ مشہور و معروف ہیں"

خود مؤلف صاحب بھی اسی بحث میں صفحہ ۳۴۳ و ۳۴۴ پر خود لکھ چکے ہیں کہ۔

"شہباز خان کنبوہ" "نسبش بہشش واسطہ" "بہ حاجی جمال میرسد" "کہ مرید مخدوم بہاؤ الدین ذکریا رح"
ملتانی بود" "ہر شب جمعہ صد اشرفی راشیرینی نذر" "حضرت غوث الاعظم قدس سرہ تقسیم میکرد" "و مردم
کنبوہ" "آں قدر داد" "کہ ہیچ کس ازیں قوم" "در ہند" "پریشان و بد حال نماند"

(مآثر الامراء جلد سوم مطبوعہ صفحہ ۶۰۰)

مگر وہاں اُن کا دوسرا مطلب تھا وہ اپنے اس حوالہ میں "نواب شہباز خاں" کے نام کے ساتھ صرف لفظ "کنبوہ" لکھا ہوا دکھا رہے تھے "اس لئے انہیں "حاجی جمال رح" کے نام" اور جتنی پشتوں میں وہ "نواب صاحب موصوف کے "دادا" ہیں "ان باتوں پر توجہ کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی" اس موقع پر "مؤلف صاحب نے" "نواب شہباز خاں" کے جدِ اعلیٰ کے نام اور زمانہ کے متعلق "صاحب المشاہیر" کے بیان کی اپنے جس مقصد کے تحت تحریف کی ہے اُس سے ہم واقف نہیں ہیں" مگر جب "نواب شہباز خاں" کی پیدائش اور مخدوم بہاؤ الدین ذکریا رح" کی وفات کا درمیانی زمانہ پونے تین سو برس کا ہے" اور ظاہر ہے کہ "نواب صاحب سے" تیسری پشت میں اُن کے پَردادا "مخدوم صاحب" کا زمانہ کسی طرح نہیں پاسکتے" تو ہمارے خیال میں اس تحریف سے اُن کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ انہوں نے پہلے صاحب المشاہیر" کی واقفیت کو "اپنے ناظرین کی نظروں میں کم کر کے دکھانا چاہا تھا" اور اپنے جوش میں اس سے کوئی غرض نہیں رکھی تھی کہ جب اُن کی یہ تحریف ظاہر ہوگی تو اُن کو لوگ کیا کہیں گے" مگر پھر کچھ سوچ کر جو اخیر میں انہوں نے یہ لکھنا مناسب خیال کیا کہ ہاں ایم کہ وہ "شیخ ذکریا ملتانی سے بیعت تھے۔ قرین قیاس ہے" اس سے ان کی ذہنی کیفیت اور ناواقفیت بخوبی معلوم ہو جاتی ہے" اور اس بات پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ "دروغ گو را حافظہ نباشد"

نواب شہباز خاں کے جدِ ششم حاجی جمال رح کے حالات اور اُن کا سنہ ولادت و وفات

صاحب المشاہیر کے بیان کی جو تحریف اِن مؤلف صاحب نے کی ہے اُسے ظاہر کر چکنے کے بعد اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ "حاجی

جمال رح" کا تھوڑا سا حال لکھ کر اُن سے رُوشناس کرا دیں۔ حاجی صاحب کا اسمِ گرامی "حسام الدین" اور لقب "جمال الدین" تھا۔ اس لقب کو مختصر کر کے لوگ آپ کو "قاضی جمال رح" اور "حاجی جمال رح" کہتے تھے۔ آپ مرید مخدوم بہاؤ الدین ذکریا سہروردی رح کے تھے۔ اور خلیفہ مخدوم قتال کے پسرِ کلاں اور جانشین حضرت شیخ صدر الدین عارف رح کے تھے۔ "تاریخِ فرشتہ" میں ہے کہ "ایک روز "حضرت شیخ صدر الدین رح" اپنے والد بزرگوار کے مزار پر تشریف لے گئے۔ اُس وقت اُن کے ہمراہ "مولانا حسام الدین عرف حاجی جمال" بھی تھے۔ حاجی صاحب کے دل میں خیال آیا کہ کیا اچھا ہوتا جو بقدر ایک مزار کے زمین مجھکو پائین مزار شریف "حضرت بہاؤ الدین ذکریا ملتانی" کے "حضرت شیخ صدر الدین" عطا فرماتے۔ تو بہ برکت جوار مزار شریف کے میں عذاب دوزخ سے نجات پاتا۔ یہ خیال دل میں "شیخ حسام الدین" کے گذرا کہ فوراً "حضرت شیخ صدر الدین قدس سرہٗ العزیز" کو الہام باطنی ہوا اور "مولانا حسام الدین" کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ "اے مولانا حسام الدین" تمھارے واسطے زمین دینے میں مجھ کو تامل نہیں ہے مگر "حضرت رسالت پناہ صلعم" نے "زمین پاک" تمھارے مدفن کے لئے "شہر بدایوں" میں تعین و مقرر فرما دی ہے۔ تمھاری قبر اُسی جگہ ہوگی۔ "حضرت حسن سجزی رح" مرید و خلیفہ حضرت نظام الدین اولیاء رح" نے اپنی کتاب "فوائد الفواد (ملفوظاتِ خاندانِ چشت)" میں ۷۱۹ ہجری کے واقعات میں لکھا ہے کہ "روز دوشنبہ ۱۸ محرم ۷۱۹ ہجری کو سعادت دست بوسی حاصل ہوئی۔ اُس دن ہمارا لشکر "بداؤں" سے آیا ہوا تھا۔ بدایوں اور اس کے آس پاس کا ذکر ہو رہا تھا۔ بندہ نے عرض کیا کہ اس لشکر کو جہاں تک دیکھا گیا، بزرگوں کی زیارت کا بہت شوق ہے۔ جیسا کہ "والد بزرگوار مولانا علاؤ الدین اصولی" و "مولانا سراج الدین ترمذی" و خواجہ شاہی کے مُوئے تاب۔ و "خواجہ عزیز کوتوال" و "خواجہ شاہی لکھنوتی" و "قاضی جمال"۔ بندہ نے جو ان بزرگوں کے نام لئے تو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رح آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ اور ہر ایک کا ذکر کرنے لگے۔ جب "قاضی جمال" کا نام لیا تو فرمایا کہ "انہوں نے ایک دفعہ خواب میں دیکھا کہ "رسول اللہ صلعم" ایک جگہ "بدایوں کے علاقہ میں بیٹھے ہوئے وضو فرما رہے ہیں۔" جب بیدار ہوئے تو فوراً وہاں پہنچے اور جا کر دیکھا تو وہ جگہ تر پائی۔ لوگوں سے کہا "میرے لئے قبر کھود دو۔" چنانچہ جب اُن کی وفات ہوئی تو اُن کو اسی جگہ دفن کیا گیا۔" "فوائد الفواد جلد چہارم ص ۳۰۹ و ۳۱۰ مطبوعہ) مندرجۂ بالا دونوں روایتیں "خزینۃ الاصفیا جلد دوم کے ص ۲۲۹ و ۲۳۰" پر بھی تحریر ہیں۔ "کتاب روضۃ الصفا" میں ایک نقل درج ہے کہ "حاجی صاحب" جمعہ کی نماز بوجہ "طیّ الارض" مکہ معظمہ میں اکثر جا کر ادا فرماتے اور پھر واپس آ جاتے۔"

"تذکرۃ الواصلین مطبوعہ کے ص ۲۳ و ۲۴ میں تحریر ہے کہ "حضرت سید حسن شیخ شاہی روشن ضمیر رح" "شیخ عثمان" و "شیخ بدر الدین شاہ ولایت صاحب" کے بڑے بھائی ہیں اور مرید و خلیفہ "قاضی حمید الدین ناگوری" کے ہیں جو "شیخ شہاب الدین عمر سہروردی" کے خلیفہ تھے۔ "شیخ شاہی رح" نے "حضرت قاضی حسام الدین عرف حاجی جمال ملتانی" سے علم ظاہری حاصل کیا تھا۔ اسی کتاب کے ص ۳۱ پر ہے کہ "حضرت حاجی جمال رح" نے بشارت دی کہ "جو کوئی شخص آپ کی قبر کے پاس ہو کر گذر جائے گا انشاء اللہ بہ برکت نزولِ اجلال "حضرت رسولِ مقبول صلعم" کے اُس پر آتشِ دوزخ حرام ہوگی۔" اور ص ۳۸ پر ہے کہ "آپ کے مزار کی مٹی کی یہ تاثیر ہے کہ لوگ دُور دُور سے آتے اور پائینِ قبر کی خاک پاک لے جاتے ہیں۔ بہ برکت اُس خاک کے اور فضلِ خدا سے جس کی زبان میں لکنت ہوتی ہے اُس خاک کے چاٹنے سے جاتی رہتی ہے۔" بدایوں قدیم و جدید مطبوعہ کے ص ۳۲ پر ہے کہ "آپ کا نام حسام الدین" اور "عرف حاجی جمال ملتانی" ہے۔ آپ "حضرت سلطان العارفین سید حسن شیخ شاہی" اور سلطان العارفین صاحب کے بھائی "حضرت بدر الدین شاہ ولایت بدایوں" کے اُستاد تھے۔ "زبان جس بچّے کی نہیں کھلتی اُس کو آپ کے پائینِ قبر کی مٹی چٹوائی جاتی ہے۔" اُس کی ہکلاہٹ" اور "تتلا پن دُور ہو جاتا ہے۔" کامیابی پر روٹی اور کلگاؤ پر آپ کی فاتحہ ہوتی ہے۔" آپ کا مزار "حضرت احمد خیاط" اور "حضرت سلطان العارفین" کے مزارات کے درمیان واقع ہے۔" آپ کا ذکر "اخبار الاخیار" کے ص ۷۸ پر اور "سیر العارفین" کے ص ۱۳۰ و ۱۳۱ پر بھی ہے۔" نیز اور کتابوں میں بھی مذکور ہے۔"

"نواب شہباز خاں" کے جدِّ محترم "حاجی جمال رح" سے تھوڑا سا رُوشناس کر دینے کے بعد اب ہم مؤلف امروہوی کے فقرہ الف پر نظر ڈالتے ہیں۔ اگر وہ تھوڑا سا غور کر کے کچھ کہتے تو ... [illegible]

کوئی دشوار امر نہیں تھا جن کتابوں میں "حاجی صاحب کا سنہ وفات لکھا ہے۔ وہ غیر مطبوعہ اور نایاب نہیں ہیں" بلکہ آسانی سے دستیاب ہو جاتی ہیں"۔ المشاہیر سے انہیں عمر معلوم ہو ہی گئی تھی۔ سنہ وفات معلوم ہو جانے سے سنہ پیدائش بھی بالکل ٹھیک معلوم ہو جاتا تو پھر انہیں اگر "مگر کرتے اور قیاس سے کام لینے کی مطلق ضرورت نہ پیش آتی"۔

خزینۃ الاصفیا جلد دوم مطبوعہ نولکشور پریس لکھنؤ" کے صفحہ ۱۳۱ و ۳۲ پر بھی حاجی صاحب کا حال درج ہے۔ اور آپ کے سنہ وفات کے متعلق یہ فقرہ لکھا ہے کہ "وفات دے۔ در سنہ ۶۸۷ ہجری است (ششصد و ہشتاد و ہفت) اب ہمیں یقینی طور سے معلوم ہو گیا کہ آپ کا سنہ ولادت سنہ ۵۷۹ ہجری ہے" اور یہ بھی بخوبی دریافت ہو گیا کہ "حضرت مخدوم بہاؤالدین ذکریا رح" سے آپ کل دو ڈھائی برس چھوٹے تھے" نیز اس امر کو بھی اچھی طرح جان گئے ہیں کہ "حضرت میر علی الہجویری" کی وفات "حاجی صاحب کی پیدائش سے ایک سو پانچ برس پہلے ہو چکی تھی"۔

صدیوں پہلے کے اولیائے کرام سے مستفید ہوتے رہنے کی شہادتیں دوسروں اور مؤلف امر ہوی کی کتابوں سے

مؤلف صاحب نے جو "ان دونوں بزرگوں کے زمانوں کے اس تفاوت کو پیش کر کے حاجی صاحبؒ" کے "حضرت میر علی الہجویریؒ" سے استفادہ کرنے یا مستفید ہونے کو "کسی طرح درست قرار نہیں دیا۔ اور ناممکن بتایا ہے" اب ہم انہیں دکھاتے ہیں کہ حاجی صاحب کس طرح ان سے مستفید ہوئے تھے" اور ہر زمانے میں "حضرت میر صاحب نیز دوسرے بزرگوں سے کیسے کیسے اور کون لوگ مستفید ہوتے رہے۔ اور بہت اب بھی ہوتے رہتے ہیں" خزینۃ الاصفیا میں ہے کہ۔

(۱) "چوں روز وفات" کبیر الدین اسمٰعیل سہروردی مرید و خلیفہ و نبیرہ حضرت مخدوم جہانیاں رح رسید "ہر دو پسران را نزد خود خواند و بہ خرقۂ خاص خود سرفراز کرد و فرمود" کہ بعد از من ہر مشکلے کہ شما در پیش آید۔ نزدیک قبر من آمدہ۔ ظاہر کردہ باشید کہ جواب با صواب خواہید یافت" "چنانچہ بعد وفات شیخ" "ہمچناں بہ وقوع می آید کہ چوں ہر دو پسرانش را ہیچ یا مشکلے پیش آمد۔ بر سر قبر پدر عالی گوہر سوال میکردند۔ فی الحال بجواب مشرف می گشتند"۔

جب کبیر الدین اسمٰعیل سہروردی مرید و خلیفہ حضرت مخدوم جہانیاں و حضرت راجو قتال رح کی وفات کا دن آیا تو انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو اپنے پاس بلا کر خرقۂ خاص سے سرفراز فرمایا اور کہا کہ میرے بعد جو مشکل پیش آئے تو میری قبر کے پاس آ کر ظاہر کیا کرو"۔ جواب با صواب پاؤ گے" "چنانچہ بعد وفات شیخ ویسا ہی وقوع میں آیا کہ جب ان کے دونوں لڑکوں کو مشکل پیش آتی تو والد بزرگوار کی قبر پر جا کر کہتے اور اسی وقت جواب سے مشرف ہوتے"۔

(خزینۃ الاصفیا جلد دوم صفحہ ۵۵ مطبوعہ اول کشور پریس لکھنؤ، شجرۂ سہروردیہ قلمی موجود کتب خانۂ ریاست رامپور" اور دیگر کتب میں بھی یہ کرامت تحریر ہے"۔

(۲) اسی کتاب کے صفحہ ۸۶ پر "مخدوم سلطان شاہ حمزہ کشمیری قدس سرہ" کے حالات میں لکھا ہے کہ:

ازراہ خوش نصیبی" واسطہ اویسی" بہ روح پرفتوح "حضرت سید عالم صلعم" حاصل کرد۔ و از غیب تربیت و تکمیل می یافت"۔ وفات در سنہ ۹۸۴ ہجری"۔

ازراہ خوش نصیبی" واسطہ اویسی "روح پرفتوح "حضرت سید عالم صلعم" سے حاصل کیا۔ اور غیب سے تربیت و تکمیل پائی" سنہ ۹۸۴ ہجری میں وفات ہوئی"۔

(۳) اور صفحہ ۱۱۳ و ۱۱۴ میں "شیخ جان محمد لاہوری رح" کے حال میں تحریر ہے کہ:

چنانچہ تا وقتیکہ "میاں کلاں (شیخ اسمٰعیل) و پیر شیخ جان محمد) حیات بود شیخ جان محمد" تکرار احادیث بہ ایام مقررہ میکرد۔ و ذکر حدیثے کہ شبہ آید

جب تک کہ میاں کلاں (شیخ اسمٰعیل) و پیر شیخ جان محمد) زندہ تھے" شیخ جان محمد مقررہ دنوں میں تکرار حدیثوں کی کرتے" اور جس حدیث میں

(نوٹ نمبر ۱) صاحب کشف المحجوب" شیخ علی بن عثمان بن علی الجلابی الغزنوی "کنیت شے ابوالحسن" مرید شیخ ابوالفضل بن حسن ختلی است" بسیار از مشائخ عصر را

میگشت" حضرت میاں" مراقبہ میفرمود۔ واز روح حضرت شاہ رسالت صلعم" تصحیح میکرد"

شب آتا تو حضرت میاں مراقبہ فرماتے اور حضرت شاہ رسالت صلعم کی رُوح سے تصحیح کر لیتے"

(۴) نیز صفحہ ۱۹۸ پر" ابوالعباس بیاری قدس سرہٗ" کے حالات میں ہے کہ۔

"امروز گور پُر نور وے ظاہر است۔ و خلق اہلِ حاجت در آں جا میروند و بمقاصد خود ہا میرسند۔ و دُعائے اکثر از اہلِ حاجات برخاک گور وے مستجاب میشوند"

آج بھی اُن کی قبر پُر نور سے فیض ظاہر ہے" خلق اہلِ حاجت وہاں جاتی اور اپنے مقاصد کو پہنچ جاتی ہے اور اکثر اہلِ حاجات کی دعائیں اُن کی قبر پر قبول ہوتی ہیں"

(۵) صفحہ ۲۵۳ و ۲۵۴ پر ہے کہ" شیخ ابوطاہرؒ کہ از اصحاب" شیخ بہانؒ" است۔ فرمود کہ ہر سحر من و" شیخ روزبہان" بہ نوبت قرآن میخواندیم" چوں وے فوت شد" دُنیا برمن تنگ آمد" آخر شب برخاستم و نماز کردم و بسر تربت شیخ بنشستم۔ و قرآن خواندن شروع نمودم" گریہ برمن افتاد۔ بدیں اندیشہ کہ از وے تنہا ماندم" چوں یک عشر تمام کردم آواز شیخ شنیدم کہ از قبر وے آمد و عشر دیگر تمام کرد" تا آں زمان کہ اصحاب جمع شد۔ وآواز منقطع شد و مدتے بریں حال بگذشت" روزے با یکے از یاراں۔ افشائے ایں راز کردم۔ از آں روز خواندن قرآن از قبر شیخ" منقطع شد" وفات شیخ بہان" در سال ششصد و شش ہجریست"

شیخ ابوطاہر نے جو شیخ بہان کے اصحاب سے تھے فرماتے ہیں کہ میں اور شیخ بہان ہر صبح کو باری سے قرآن پڑھتے تھے" جب وہ مر گئے تو مجھے بہت رنج ہوا" آخر شب اٹھکر میں نے نماز پڑھی اور شیخ کی قبر کے پاس بیٹھکر قرآن پڑھنا شروع کیا" اور اس خیال سے میں رونے لگا کہ اب میں اکیلا رہ گیا ہوں" جوں ہی ایک عشر تمام کیا۔ آواز شیخ کی سنی جو اُن کی قبر سے آئی۔ اور عشر دوسرا تمام کیا" جب اور اصحاب جمع ہوئے آواز بند ہو گئی" مدتوں یہی حال گذرا" ایک دن میں نے یاروں سے یہ بھید کہہ دیا" اُس روز سے شیخ کی قبر سے قرآن پڑھنا منقطع ہو گیا"

(۶) صفحہ ۲۸۹ و ۲۹۰ پر" شیخ اسحٰق مغربی قدس سرہ" کے حالات میں ہے کہ"

"مدتے در آنجا" راجمیر" قیام کرد" شبے از آنحضرت صلعم" بشارت یافت کہ در قصبہ کہتو" کہ از توابع" ناگور است" برو در آں ولایت آنجا باش پس کہتو رسیدہ سکونت کرد"

مدتوں اُس جگہ (اجمیر میں) قیام کیا۔ ایک دن آں حضرت صلعم سے بشارت پائی کہ قصبہ کہتو میں جو توابع ناگور سے ہے جاؤ اور اُس جگہ رہو" پس کہتو پہنچکر سکونت کی"

(۷) صفحہ ۳۱۴ تا ۳۲۰ پر" حضرت شیخ احمدؒ کہتو قدس سرہٗ کا حال تحریر ہے" اُس میں لکھا ہے کہ۔

" شیخ احمدؒ" فرمود" کہ چوں بزیارت روضہ منورہ" حضرت شاہ رسالت مآب صلعم" بمدینہ" مشرف شدم۔ امام خان جہانے" و شیخ تاج الدین سرہنجی" و یک کس دیگر در صحبت ایں درویش بودند۔ و مسجد نبوی صلعم فرود آمدیم بوقت شام" یاراں در فکر طعام افتادند۔ و ایں درویش گفت۔ کہ ما مہمان حضرت رسول مقبول صلعم" ایم۔ مارا فکر طعام نیست۔ یاراں جا بجا رفتند و طعام خوردند۔ و من در مسجد بودم۔ بعد عشا یاران بخواب رفتند۔ و ایں درویش ہم چناں نشستہ تسبیح میکرد۔ کہ شخصے از دروازہ مسجد بہ آواز بلند گفت۔ کہ مرا پیش مہمان" حضرت رسول صلعم" فرستادہ اند۔ ایں درویش برخاست و دامن دراز کرد۔ آں طبق خرما۔ در دامن من انداخت۔ بگرفتم و تناول کردم۔ لذت و شیرینی آں خرما در بیان نمی آید۔ و تا حال از خاطر فراموش نشدہ"

" شیخ احمدؒ نے فرمایا کہ جب میں حضرت شاہ رسالت صلعم کے روضہ کی زیارت سے مدینہ منورہ میں مشرف ہوا" امام خاں جہانے اور" شیخ تاج الدین سرہنجی اور ایک دوسرے شخص اس درویش کی صحبت میں رہتے تھے اور مسجد نبوی صلعم میں ٹھیرے ہوئے تھے۔ رات ہو گیا۔ دل کو کھانے کی فکر ہوئی۔ میں نے کہا ہم رسول مقبول صلعم کے مہمان ہیں" ہم کو کھانے کی فکر نہیں ہے" یار دوسرے جگہ جگہ جا کر کھانا کھا لیا اور میں مسجد ہی میں رہا" بعد عشا یار تو سو گئے اور میں اسی طرح بیٹھا ہوا تسبیح پڑھتا رہا" کہ ایک شخص نے مسجد کے دروازے سے آکر بلند آواز سے کہا کہ مجھ کو حضرت رسول صلعم نے مہمان کے پاس بھیجا ہے" میں اٹھا اور دامن پھیلا دیا۔ اُس نے کھجوروں کا طباق میرے دامن میں اُلٹ دیا" انہیں لے کر میں نے کھایا اور اُن کی لذت اور شیرینی بیان میں نہیں آسکتی اور اب تک اُن کا مزا نہیں بھولا ہوں"

(٨) رسالہ مولوی بابتہ ماہ ربیع الثانی ۱۳۵۵ہجری میں تحریر ہے کہ "حضرت بو علی شاہ قلندر" نے "حضرت سلطان المشائخ (نظام الدین اولیاؒ) سے ایک سال پہلے ۱۳ رمضان ۷۲۴ہجری میں بمقام "بڈھا کھیڑہ" انتقال فرمایا اور "کرنال" میں مدفون ہوئے "پانی پت" والوں نے اطلاع پاکر نعش مبارک حاصل کی۔ اور پھر آسے پانی پت میں لاکر دفن کیا" لیکن عجیب تصرف ہے کہ "پانی پت" ہو۔ یا کرنال کہ بڈھا کھیڑہ ہو یا بھاگوئی" جو جگہ بھی حضرت نے چند روز قیام فرما لیا ہے۔ وہ مقام سجدہ گاہِ قدسیاں بن گیا ہے "مزار مبارک سے اب تک سلسلہ فیض جاری ہے۔

(٩) مولوی عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے فرمایا ہے کہ ؎

ہر کس کہ کمال اولیا را نہ شناخت — دین نعمتِ خاص نے بہا را نہ شناخت

پس شکر نہ گفت و محبتِ ایشان نگزید — میدان بہ یقین کہ او خدا را نہ شناخت

(١٠) بیاض جانفزا خاتمہ بیاض دلکشا" در احوال مولانا محمد نصر اللہ خاں صاحب خویشگی الخورجوی" مطبوعہ مطبع مصطفائی اکبرآباد کے صفحہ ۱۶۱ پر تحریر ہے کہ "حسن اتفاق" جامع مسجد دہلی" میں نماز عصر کی پڑھی معلوم ہوا کہ اس وقت فاتحہ خوانی عرس حضرت شیخ الشیوخ میرزا مظہر جان جاناں صاحبؒ" کی خانقاہ میں ہوتی ہے۔ پس نعمتِ غیر مترقبہ جان کر حاضر ہوا۔ اور نذر شرکت عرس گذرانی" اس وقت جو کچھ کہ میں نے پایا" اور دیکھا" کبھی ایسا نہ دیکھا تھا"

دسویں محرم کو عرس "اخوان صاحب" کا ہوا" فاتحہ یازدہم" بارگاہ سلطان المشائخ "(نظام الدین اولیاؒ) میں کرکے۔ خدمت میں "اودی شاہ صاحب" کے حاضر ہو کر۔ بہ مزارات اکابر کے۔ التجا دعائے صحت و ترقی حیات پیر دستگیر اپنے کے چاہی" عجیب جواب مجھ کو حاصل ہوا کہ بادل مجروح واپس آیا۔ و بحضور مرشدی قدم بوس ہو کر عرض حال کیا کہ "حضرت شاہ آبادانی رح" فرماتے تھے کہ "پیر تمہارا صحت نہیں چاہتا ہے۔ اور صحت اس کی موقوف خدا خواستگاری پر موقوف ہے" اور "حضور سلطان المشائخ رح" سے خبر رحلت پائی گئی" اور صفحہ ۱۶۲ پر ہے کہ "۲۳ محرم کو "مولانا ابوالخیر صاحب ابن حضرت مولانا شاہ عمر صاحب دہلوی" "ٹم کی رح" رامپور سے" خورجہ پہنچے۔ اور سبب اپنے پہنچنے کا بیان فرمایا کہ "مزارات اپنے والد مرحوم مولانا محمد عمر صاحب کے حکم سفر "خورجہ" کا بہ حاضری خدمت مولانا کے صادر ہوا" پھر صفحہ ۱۷۲ پر ہے کہ "ہر گاہ جامع اوراق اندرون مزار تیمنا ہو کے گیا (دفن کرتے وقت) اور زیر لحد بیٹھا" قسم بخدا کہ گویا بہشت میں پہنچا۔ اور انوار برکات سے مالا مال ہو گیا۔ ہرگز اندر سے دل نکلنے کو نہیں چاہتا تھا۔ اور کسی طرح خوشبوئے عجیب سے تفرقہ گوارا نہیں تھا۔ اور وہ ایسی خوشبوئے عجیب تھی کہ اب تک دماغ اس کا مشتاق ہے" اسی وقت ایک مشت خاک زیر قدم مرشدی سے اٹھا کر لوگوں کو دیدی۔ اور خواص حاضرین کو سنگھائی۔ سب نے شور مچایا کہ تجدا۔ گاہے ایسی خوشبو نہیں سونگھی" اور کسی عطر و مشک میں یہ فرحت نہیں پائی" خدا جانے یہ کیا خوشبو ہے" بیشک بہشت بریں کی مشک بو ہے" اور اندرون قبر شریف ایک دریچہ سمت قبلہ دیکھا جس کا حال خدا ہی جانتا ہے۔ اور جو عجیب حال خدا نے اپنے بندوں پر اس وقت یا یارگی ظاہر کر دیا۔ اور حجاب اٹھا دیا۔ اس کا بیان ہر بار دو اعیان سے مجاز نہیں۔ اور اظہار اسرار اپنا انداز نہیں" صفحہ ۱۷۵ پر ہے کہ جب کوئی لڑکا دو دو مدرسہ صاحب کے حضور میں نہ آتا اور سبق یاد نہ کرتا "تیسری رات کو" سیدی مرشدی" خواب میں اس کو دھمکا دیتے کہ صبح کو جا کر سبق لے لے کیا مجھ کو مردہ جانتا ہے۔ میں تو زندہ ہوں۔ پس صبحدم دوڑا ہوا حضرت جی کی تربت سے روتا۔ دہکی سے ڈرتا ہوا خود بخود کتاب بغل میں لئے ہوئے حاضر مدرسہ ہوتا اور قصہ خواب کو بیان کر دیتا" یہ تصرفات مرشدی کے کچھ شاگردان خاص مدرسہ اور عزیزان حاضر باش پر منحصر نہیں ہیں۔ بلکہ اب تک مسافر جو حاضر خانقاہ شریف ہو کر صدق ارادت پیش کرتے ہیں اُن کے ساتھ بھی "سیدی" مہمان نوازی بدستور حیات جسمانی فرماتے ہیں۔ چنانچہ اگر خوف طول کتاب کا نہ ہوتا۔ تمام حال تفصیلی عرض کرتا"

(١١) خزینۃ الاصفیا جلد اول کے صفحہ ۱۳۸ و ۱۳۹ پر "شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح کے پیر" سید موسیٰ پاک شہید قدس سرہ" کے حال میں تحریر ہے کہ

"فرزند و جانشین" حامد گنج بخش گیلانی است" بخطاب "جمال الدین ابوالحسن" مخاطب بود" بارہا بزیارت" حضرت شاہ رسالت مآب صلعم" بشرف رویت حضرت غوث الاعظم" بخواب و بیداری مشرف گشت۔ و نیز "شیخ عبدالقادر ثانی"

"فرزند و جانشین حامد گنج بخش گیلانی کے ہیں اور جمال الدین ابوالحسن کے خطاب سے مخاطب تھے" بارہا حضرت شاہ رسالت مآب صلعم کے شرف رویت اور حضرت غوث الاعظم سے خواب و بیداری میں مشرف ہوئے" اور شیخ

بطریق کشف قبور ملاقات می نمود و فیض ہا حاصل میکرد بلکہ مشرف بشرف بیعت ہم گردید۔

عبدالقادر ثانی سے بھی بطریق کشف قبور ملاقات کی۔ اور فیض حاصل کیے۔

(۱۲) اسی کتاب کے صفحہ ۱۴۹ پر ہے کہ شاہ خیر الدین ابو المعالی المتوفی ۱۰۲۴ھ ہجری نہایت محبوب و منظور حضرت محبوب سبحانی محی الدین عبدالقادر جیلانی رح بودو کمال ارادت و اخلاص بجناب غوث اعظم داشت و بطریق اویسی فائدہ ہائے عظیم از آنجناب حاصل میکرد۔

شاہ خیر الدین ابو المعالی المتوفی ۱۰۲۴ھ ہجری نہایت محبوب و منظور حضرت محبوب سبحانی محی الدین عبدالقادر جیلانی رح کے تھے۔ اور کمال ارادت و اخلاص بجناب غوث اعظم رکھتے تھے۔ اور بطریق اویسی فائدہ عظیم آنجناب سے حاصل کیے۔

(۱۳) اور صفحہ ۱۵۱ پر ہے کہ شیخ محمد میر المشہور بہ میاں میر بالا پیر قادری لاہوری رح المتوفی ۱۰۴۵ھ ہجری مرید شیخ خضر سیوستانی حسب الارشاد پیر روشن ضمیر وارد لاہور گشت۔ و در باطن بمرتبہ اویسیہ حضرت غوث الاعظم سرفرازی یافت۔ کہ ہر آن و ہر وقت کہ خواستی بشرف دیدار بہ غوث الاعظم مستفیض شدے۔

شیخ محمد میر المشہور بہ میاں میر بالا پیر قادری لاہوری رح المتوفی ۱۰۴۵ھ ہجری مرید شیخ خضر سیوستانی حسب الارشاد پیر روشن ضمیر لاہور وارد ہوئے۔ اور باطن میں مرتبہ اویسیت سے حضرت غوث الاعظم سے سرفرازی پائی اور جس وقت چاہتے غوث الاعظم کے شرف سے دیدار مستفیض ہوتے۔

(۱۴) صفحہ ۱۵۱ پر خواجہ محمد باقی نقشبندی دہلوی قدس سرہ المتوفی ۱۰۱۲ھ ہجری کے حالات میں ہے کہ۔

حضرت سید غلام علی شاہ دہلوی فرمود کہ روزے بمزار پر انوار خواجہ باقی حاضر شدہ متوجہ گشتم۔ و عرض کردم کہ یا حضرت بتوجہ موجہ شما شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی شد۔ من نیز امیدوار عطا ہستم۔ در مشاہدہ دیدم کہ حضرت خواجہ باقی از مزار پر انوار خود برآمدہ متوجہ من شدند۔ چوں وقت التوا سے روز و موسم گرما بود۔ علاوہ ازاں بتوجہ حضرت خواجہ گرمی شدید ظہور نمود۔ از غایت گرمی نفس تنگ آمدہ جلسہ خفیف نمودہ برخاستم لیکن ازاں روز افسوس و پریشانی باقی است وازہماں اندک توجہ شیخ آنچناں در خود ترقی یافتم کہ در بیان نمی آید۔ اگر زیادہ توقف میکردم نصیب وافرے یافتم۔

حضرت سید غلام علی شاہ نے فرمایا ہے کہ ایک دن میں مزار پر انوار حضرت خواجہ باقی باللہ پر حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا حضرت آپ کی توجہ سے شیخ احمد مجدد الف ثانی ہوئے۔ میں بھی آپ کی عطا کا امیدوار ہوں۔ میں نے آنکھوں سے دیکھا کہ حضرت خواجہ باقی اپنے مزار پر انوار سے نکلے اور میری طرف متوجہ ہوئے۔ چونکہ وہ وقت گرمی کا اور موسم گرما کا تھا علاوہ اس کے حضرت خواجہ کی توجہ سے گرمی شدید ظہور میں آئی۔ اس شدید گرمی سے گھبرا کر جلسہ کو مختصر کر کے میں چلا آیا۔ لیکن اس روز سے افسوس و پریشانی باقی ہے۔ اس تھوڑی توجہ سے شیخ کی اس قدر اپنے آپ میں ترقی دیکھتا ہوں کہ بیان نہیں کر سکتا۔ اگر زیادہ ٹھہرتا تو وافر حصہ پاتا۔

(۱۵) کتاب مکتوبات احمدیہ دفتر ثالث میں حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی فاروقی کابلی سرہندی قدس سرہ نے تحریر فرمایا ہے کہ۔

روزے در مراقبہ بودم دیدم کہ پیغمبر خدا صلعم تشریف آوردہ فرمودہ کہ آمدم نزد تو برائے تو اجازت نامہ بنویسم کہ تا حال برائے ہیچ کس نہ نوشتہ ام۔ و تحریر فرمودہ کہ مرا بشارت دادند کہ بر ہر جنازہ کہ نماز جنازہ بگذارم۔ آں میت را بہ بخشندہ و در بہشت برسانند۔

ایک دن مراقبہ میں تھا۔ دیکھا کہ پیغمبر خدا صلعم تشریف لائے اور فرمایا کہ تیرے پاس اجازت نامہ لکھنے کے واسطے آیا ہوں جو اب تک کسی کے لئے نہیں لکھا ہے۔ اور تحریر فرمایا کہ مجھے بشارت دی کہ جس جنازہ کی نماز تو پڑھے گا اس میت کی بخشش ہوگی اور وہ جنت میں لے جائی جائے گی۔

(۱۶) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ میری طبیعت اور میری فکر دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی طرف مائل تھیں۔ لیکن دربار رسالت صلعم سے ابو صارق بتفضیل الشیخین یعنی شیخین حضرت ابوبکر و عمر رضی کو فضیلت دینے کی وصیت کی [illegible]

[illegible] (فیوض الحرمین شاہ ولی اللہ [illegible])

(۱۷) حزینۃ الاولیا مطبوعہ مطبع نامی منشی نول کشور لکھنؤ [illegible] پر ہے کہ خواجہ محمد باقی باللہ دہلوی [illegible] ظاہری بیعت خواجہ محمد امکنگی کے ہاتھ پر ہوئی۔ مگر نسبت باطنی حضرت بہاؤ الدین شاہ نقشبندی [illegible] سے تھی۔ بلکہ [illegible] خواجہ عبید اللہ

احرار نقشبندی سے بھی اُن کو بہت فیض حاصل ہوا۔

(۱۸) اِسی کتاب کے صفحہ ۵۰ پر ہے کہ "مظہر جلال" میں لکھا ہے کہ "حضرت مخدوم جہانیان بن سید احمد کبیر" جب مدینہ منورہ گئے تو شرفائے مدینہ نے اُن کی سیادت کی سند طلب کی۔ روضۂ حضرت رسول اللہ صلعم پہ گئے اور کہا اسلام وعلیکم یا ولدی وجدی۔ اندر سے آواز بلند آواز ہوئی کہ وعلیکم السلام یا ولدی یا قرۃ عینی۔ یہ کرامت دیکھکر حضرت کی سیادت کے سبب قایل ہوئے۔

(۱۹) مآثر الامراء صفحہ ۵۲۹ و ۵۴۰ میں اور خزینۃ الاصفیا جلد دوم کے صفحہ ۸۲ پر "حضرت مخدوم شیخ جمالی زبیری کنبوی" کے حالات میں تحریر ہے کہ۔

روزے در نعت حضرت پیغمبر صلعم قصیدہ نوشت ہماں شب آں حضرت صلعم را در خواب دید کہ میفرمایند کہ اے جمالی ایں بیت از قصیدۂ تو قبول دارم ؎

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پرتو صفات   تو عین ذات می نگری در تبسمی

گویند قصیدہ در نعت گفتہ کہ بعضے صلحا بقبولیت ایں بیت از آں حضرت بشارت یافتہ اند ؎

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پرتو صفات   تو عین ذات می نگری در تبسمی

جس دن آں حضرت صلعم کی نعت میں قصیدہ لکھا اُسی رات کو خواب دیکھا کہ فرماتے ہیں "اے جمالی تیرے قصیدے کی یہ بیت میں نے قبول کی"

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پرتو صفات   تو عین ذات می نگری در تبسمی

کہتے ہیں کہ قصیدہ جو نعت میں کہا "بعض صلحا نے آنحضرت صلعم سے اِس بیت کی قبولیت کی بشارت پائی ہے"

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پرتو صفات   تو عین ذات می نگری در تبسمی

(۲۰) خزینۃ الاصفیا جلد اوّل کے صفحہ ۴۲۲ پر ہے کہ۔

شیخ دانیال چشتیؒ مرید و خلیفہ سید راجی حامد شاہ است و فیض باطنی از روح خواجہ بزرگ معین الدین حسن سنجریؒ حاصل میکرد۔ وفات در ۹۹۲ ہجری عمر یکصد و یازدہ۔

شیخ دانیال چشتیؒ مرید و خلیفہ سید راجی حامد شاہ کے ہیں۔ فیض باطنی خواجہ بزرگ معین الدین حسن سنجریؒ سے حاصل کیا۔ ایک سو گیارہ برس کی عمر میں ۹۹۲ ہجری میں وفات پائی۔

(۲۱) حدیقۃ الاولیاء کے صفحہ ۱۴۱ و ۱۵۱ پر "شیخ حسین المشہور بہ لال حسین لاہوری المتوفی ۱۰۰۸ ہجری" کے حال میں لکھا ہے کہ آپ شیخ بہلول کی نظر فیض اثر سے خورد سال میں ولی کامل ہو گئے۔ بعد مدت مدید عبادت اور ریاضت شاقہ میں مصروف رہے۔ اور کئی چلّے مزار گوہر بار میر علی مخدوم گنج بخش ہجویری پہ کئے اور تکمیل کو پہنچے۔

(۲۲) خزینۃ الاصفیا جلد دوم کے صفحہ ۲۳۲ تا ۲۳۴ پر حضرت میر علی ہجویری الغزنوی الاہوری قدس سرہٗ کا حال تحریر ہے کہ۔

مخفی مباد کہ مقام پُر انوار شیخ علی ہجویریؒ جائیست متبرک و بہر فیض و ملجائے خلق کہ در ایام سلف و حال خلق خدا از خاک پاک آں مقتدائے اولیا فوائد دینی و دنیوی حاصل میکنند۔ چنانچہ خواجہ بزرگ معین الدین حسن سنجری اجمیری، قطب الہند (ولادت ۵۳۰ ہجری) و فرید الدین گنج شکر قدس اللہ اسرارہم وغیرہ اولیائے کبار و مشائخ نامدار از مزار گوہر بار وے فوائد عظیم یافتند۔ و مدتے در یں جا خلوت گزیں ماندند۔ کہ تا حال مقام خلوت خواجہ بزرگ اندرون حریم مزار و مکان چلہ حضرت فرید بیرون خانقاہ عالی جاہ موجود است۔

نقل است کہ وقتے خواجہ بزرگ معین الدینؒ بعد حصول مقاصد و عطائے خلعت قطبیت ہند از مزار گوہر بارش حضرت

مخفی نہ رہے کہ مقام پُر انوار شیخ علی ہجویری متبرک اور پُر فیض اور ملجائے خلق جگہ ہے۔ ایام سلف اور حال کے زمانہ میں خلق خدا اُس مقتدائے اولیاء کی خاک پاک سے فوائد دینی اور دنیوی حاصل کرتی ہے۔ چنانچہ خواجہ بزرگ معین الدین حسن سنجری اجمیری، قطب الہند اور فرید الدین گنج شکر قدس اللہ اسرارہم وغیرہ اولیائے کبار اور مشائخ نامدار نے مزار گوہر بار سے فوائد عظیم پائے ہیں۔ اور مدت تک یہاں جگہ خلوت گزیں رہے ہیں۔ اور اب تک مقام خلوت خواجہ بزرگ اندرون حریم مزار اور مکان چلہ حضرت فرید خانقاہ عالی جاہ کے باہر موجود ہے۔

نقل ہے کہ جس وقت خواجہ بزرگ معین الدینؒ نے بعد حصول مقاصد اور عطائے خلعت قطبیت ہند مزار گوہر بار حضرت شیخ سے رخصت پائی۔

شیخ رخصت یافت بوقت روانگی روبروے مرقد مقدس ایستادہ ایں شعر خواند

گنج بخش ہر دو عالم۔ مظہر نورِ خدا

کاملاں را پیرِ کامل۔ ناقصاں را رہنما

ازاں روز نامِ نامی وے علی مخدوم سخی گنج بخش ہجویری مشہور شدہ (اصل مخدوم از شہرِ غزنی است و ہجویرہ وجلاب دو محلہ از محلہ ہائے غزنی اند)

بوقت روانگی روبروئے مزارِ مقدس کھڑے ہو کر یہ شعر پڑھے

گنج بخش ہر دو عالم مظہرِ نورِ خدا

کاملاں را پیرِ کامل ناقصاں را رہنما

اُس روز سے نام نامی اُن کا علی مخدوم سخی گنج بخش ہجویری مشہور ہوا (اصل مخدوم صاحب کی شہرِ غزنی سے ہے۔ اور ہجویر اور جلاب دو محلے غزنیں کے محلّوں میں سے ہیں)

(۲۳) حدیقۃ الاولیاء کے صفحہ ۹۵ پر ہے کہ شیخ علی مخدوم ہجویری الملقب بہ داتا گنج بخش کی وفات کے بعد بھی اولیائے کرام فیضِ وافر اُن کی خاکِ پاک سے حاصل کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی اجمیریؒ نے بھی یہاں چلّہ پاؤں کی طرف کیا۔ اور بشارت حاصل کی شہنشاہِ ہند خطاب پایا۔

خواجہ فرید الدین گنج شکر چشتی نے ذوق و شوق کا مذاق بھی اسی دربار سے پایا۔ علیٰ ہذا القیاس تمام بزرگانِ اقلیمِ ہند جس قدر ہوئے ہیں سب نے ان کی آستاں بوسی کی ہے۔

حضرت شاہزادہ دارا شکوہ فرماتے ہیں کہ چالیس جمعرات جو کوئی پیہم ان کے مزار پر جائے خدا سے جو مانگے سو پائے۔ اب بھی ہر جمعرات کو معتقدانِ شہر لاہور و امرتسر جمع ہو کر حضرت کے مزار پر تمام رات بیدار رہتے ہیں شام سے صبح تک درود شریف کا ذکر ہوتا ہے۔ پھر دن کو ہر جمعہ کے روز میلا ہوتا ہے۔ عام و خاص حضرت کے سلام سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔ غرضکہ حضرت کی ولایت کا بازار باوجودیکہ آٹھ سو تئیس برس اُن کی وفات کو گذرے ہیں آج تک گرم ہے بلکہ روز افزوں ہے۔ وفات آخر سال چار سو چھیاسٹھ ہجری ہے۔

یہ چند مثالیں جو ہم نے کچھ بزرگوں اور میر علی ہجویریؒ صاحب کشف المحجوب کے فیضان کی دی ہیں انہیں دیکھ لینے کے بعد بھی اگر جناب مؤلف صاحب کو حاجی جمالؒ کے حضرت میر علی الہجویری سے مستفید ہونے میں تامل ہے تو ہم سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم | چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اولیا را بر قیاسِ خود مگیر | گرچہ ماند در نوشتن شیر شیر

آں یکے شیرے کہ آدم میخورند | آں یکے شیرے کہ آدم میخورند

اَولیاء اللہ زندہ ہیں۔ اُن کا انتقال محض اِنتقالِ مکانی ہوتا ہے۔ اُن کی ظاہری موت کے بعد بھی اُسی طرح اور اُسی شان سے اُن کا فیضِ عام جاری ہے جس کے مشاہدے ہر زمانہ میں برابر ہوتے چلے آئے ہیں۔

یہ درجات جو اولیاء اللہ کو حاصل ہوئے۔ وہ بڑی ریاضتیں کے بعد حاصل ہوئے ہیں۔ علاوہ مجاہدات کے اُن کے عمل اِن باتوں پر ہیں جو اُن کی اقوال سے ظاہر ہیں۔ غیر مصفّا تو ایک طرف مشتبہ غذا کا ایک تِل بھی لذتِ عبادت کھو دیتا ہے۔ اور لقمۂ حرام تو قلب کو بالکل تاریک کر دیتا ہے۔ نیز رشوت، خیانت، دھوکا، سود اور غیر مصفّا باتوں کی خوراک ذوقِ عبادت کو تباہ کر دیتی ہے۔

اگر رُجحان بُرائی اور شرارت کی طرف رہا ہے۔ اور ضمیر کی مخالفت پیہم کی جاتی رہی ہے تو لازماً نفس قوی ہو گا اور ضمیر کی آواز پست و کمزور ہو گی۔ اگر انسان کا رجحان نیکی کی طرف رہتا چلا آیا ہے اور وہ بُرے کاموں سے برابر بچتا آ رہا ہے تو ضمیر کے حوصلے بلند ہوں گے۔ وہ قوی ہو گا اور جلد نفس کو متنبہ کرے گا۔ اگر ضمیر مُردہ ہو گیا ہو گا تو پھر اُسے بُرائی کا کوئی احساس نہ ہو گا۔ اور یہ انسان ایک مجسّم شیطان اور پیکرِ شیطنت ہو گا۔ اسی حالت کے لئے ختم اللّٰہ علیٰ قلوبھم وعلیٰ ابصارھم غشاوۃ کہا گیا ہے۔ پھر انسان کو نہ کچھ سوجھتا ہے۔ نہ سوچ سکتا ہے نہ دیکھ سکتا ہے۔ نفس قوی اور تنہا رہ جاتا ہے۔ اِس لئے اُس سے پھر بُرائیاں ہی بُرائیاں سرزد ہوتی ہیں۔ جب نفس مُردہ ہو جاتا ہے تو انسان ملایک صفت اور فرشتہ خصلت ہو کر رہ جاتا ہے۔ وہ بُرائیوں کا تصوّر ہی نہیں کر سکتا۔ اُس سے پھر نیکیاں ہی نیکیاں سرزد ہوتی ہیں۔

حضرت غوث اعظم قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ جس پیر میں یہ پانچ صفات نہ ہوں تو وہ پیر نہیں دجّال ہے۔
(۱) شریعت کا عالم ہو۔ (۲) علم حقیقت جانتا ہو۔ (۳) مسکینوں اور مسافروں کو کھانا کھلاتا ہو۔ (۴) عجز و انکساری کے ساتھ پیش آتا ہو۔ تکبر، حسد، غرور، غفلت، آرام طلبی اور خود بینی سے پاک ہو۔ اور مریدوں کی باطنی تعلیم و تربیت کی پوری اہلیت رکھتا ہو۔
(۵) لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی اور حسن سلوک سے پیش آتا ہو۔ فرماتے ہیں کہ دس خصائل ایسے ہیں جو انسان کو معراج کمال تک پہنچا سکتے ہیں۔ جن پر اگر انسان کاربند اور پختگی کے ساتھ عمل پیرا ہو جاتا ہے تو خدائے عزّ و جل اُسے بلند مرتبہ عطا فرماتا ہے۔ اور اس کا نام بزرگوں کی فہرست میں شامل ہو جاتا ہے۔

(۱) جب تک انسان اپنے اندر پختہ رہنے کی قوت نہ دیکھ لے۔ اس وقت تک کسی حالت میں خدا کی سچی یا جھوٹی قسم نہ کھائے۔
(۲) دروغ گوئی اور کذب بیانی کی عادت قطعاً ترک کر دے۔ صدق گوئی کی عادت پڑ جانے۔ اور اس کا خوگر بن جانے پر اللہ تعالیٰ انشراح صدر کر دے گا۔ اُس کے رگ و پے میں سچائی اُتر جائے گی۔ وہ دوسروں کو جھوٹ بولتے دیکھے گا تو روکے گا۔ اور اُس کے حق میں دعا کرے گا۔ جس کا ثواب ملے گا۔
(۳) یہ کہ جو وعدہ کرے اُسے ضرور پورا کرے۔ اس خصلت کو محکم بنانے کی یہ صورت ہے کہ وعدہ کرنا ہی چھوڑ دے۔ وعدہ خلافی کیا ہے۔ جھوٹ ہے۔ اس خصلت کی وجہ سے اُس کو درجہ حیا عطا ہوگا۔ سخاوت کا دروازہ اُس پر کھولا جائے گا۔ اور راست بازوں کے دلوں میں اُس کی دوستی پیدا ہو گی۔
(۴) مخلوقات عالم میں کسی پر بھی خواہ وہ انسان ہو یا اور کوئی لعنت نہ بھیجے۔ اور نہ ایذا پہنچائے کیونکہ لعنت نہ کرنا۔ اور ایذاؤں سے احتراز کرنا صدیقوں اور ابراروں کے اخلاق ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں رکھتا۔ ہلاکت سے بچاتا۔ اور اپنا قرب نصیب کرتا ہے۔
(۵) مخلوق خدا میں سے کسی کے لئے بددعا نہ کرے قطع صلہ رحم نہ کرے۔ اور نہ بدلہ لے۔ خواہ اُس پر ظلم ہی کیوں نہ ہوا ہو۔ اللہ کے لئے اُسے برداشت کرے۔ یہ عادت انسان کو بلند مرتبہ پر پہنچاتی ہے۔ دنیا و آخرت میں عزت و مقبولیت ہوتی ہے۔
(۶) یہ کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرے۔ نہ کسی پر الزام لگائے۔ اور نہ اس کی شہادت دے۔ یہ قرب خداوندی کا بہترین راستہ ہے۔ کہ اُس سے شفقت علی الخلق پیدا ہوتی ہے۔
(۷) یہ کہ ظاہر و باطن میں معاصی کی آلائشوں سے محفوظ رہکر۔ پاکیزگی حاصل کرے۔ اور اپنے اعضا و جوارح کو بھی روکتا رہے۔
(۸) یہ کہ مخلوق میں سے کسی پر بھی اپنا جزوی یا کلی بار نہ ڈالے۔ بلکہ خود دوسروں کا بار اُٹھانے کی سعی کرے۔ جب وہ اس پر کاربند ہونگے تو اللہ کے نزدیک اُن کی عزت و توقیر بڑھ جائے گی۔ اور درجات ترقی کرتے چلے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں تونگری، یقین اور اعتماد کی دولت مالا مال کر دے گا اور اُس پر اُسے حق کہنے میں باک نہ ہوگا۔
(۹) یہ کہ لوگوں سے کوئی طمع نہ کرے۔ اور نہ اس شے کی آرزو کرے۔ جو ہاتھ میں نہیں ہے۔ یہ خصلت بہت بڑی خصلت ہے۔ اس کے اختیار کرنے سے پرہیزگاری اور اتقاء حاصل ہوتا ہے۔ یہ خصلت زہد کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ جن دروازوں میں سے اللہ پر اعتماد رکھنے والے گذریں گے۔ ان میں سے یہ بھی ایک دروازہ ہے۔
(۱۰) یہ کہ تواضع اختیار کرے۔ عابد کی حیثیت اس سے مستحکم ہوتی ہے۔ متواضع شخص جس شے کا ارادہ کرے گا۔ اُس پر اُسے قوت حاصل ہو گی۔ اُس کی دنیا و آخرت کے سب کام پورے ہوں گے۔ خلق اللہ میں اُسے عزت و سربلندی حاصل ہو گی۔ صالحوں کے مراتب بندے کو اسی عادت سے حاصل ہوتے ہیں۔ یہ خصلت تمام طاقتوں کی اصل ہے۔ متواضع لوگ ہی ہر دو گرم زمانے میں راضی خوشی رہتے ہیں۔
بزرگوں نے صبر کی تعریف یہ کی ہے کہ صبر کے معنی بزدلانہ خاموشی کے یا کسی عزیز رشتہ دار کے مرنے پر چپ ہو جانے کے نہیں۔ بلکہ اُس کے معنی نہ صرف ثبات و استقلال بلکہ زبردست ثبات و استقلال اور ہمت و استقامت اور مصائب و آلام کا مردانہ وار مقابلہ

کرنے کے ہیں۔ جس کی تشریح یہ ہے کہ کتنی ہی مصیبت آپڑے، مشکلات و آفات کے کتنے ہی پہاڑ ٹوٹیں، دشمنوں کا ہجوم ہو، ظالم نے گھیر لیا ہو، سیلابِ حوادث سر سے گذر رہا ہو، کسی پریشانی اور گھبراہٹ کا اظہار کئے بغیر ہمت و جوانمردی سے اُس کا مقابلہ کیا جائے۔

اور "زہد" تو صرف یہ ہے کہ انسان تمام منہیات شرعی سے کراہت و نفرت کرتا رہے۔ اور اس کا دامن معاصی کے داغ دھبوں سے یکسر پاک و مبرّا ہو۔ لیکن یہ زہد بھی ظاہری زہد ہے۔ باطنی زہد اس سے بلند اور بہت ارفع چیز ہے۔ وہ یہ ہے کہ نہ صرف منہیات شرعیہ سے اجتناب کلّی کرتے۔ بلکہ اس کا قلب دُنیا کی تمام فانی چیزوں سے بیزار و متنفّر ہو جائے۔

اسی طرح "وَرَع" عام تو یہ ہے کہ انسان تمام مشتبہ و حرام چیزوں سے خود کو بچائے لیکن وَرَع خاص بہت بڑی چیز ہے۔ وہ یہ ہے کہ تمام خواہشات و لذائذ انسانی سے بے پروا ہو جائے۔ اور اُن کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہ دیکھے۔ پھر وَرَع کا ایک خاص الخاص درجہ ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ انسان خود کو ہر اُس چیز سے روکے جس کا وہ ارادہ کر سکتا ہے۔ بہ الفاظِ دیگر اُس کا کوئی اپنا ارادہ ہی باقی نہ رہے۔ اور اُس کے تمام ارادے مرضیاتِ الٰہیہ کے تابع ہو جائیں۔ جو کھلانے والا کھلائے کھائیں، جو پہنانے والا پہنائے پہنیں، جو کرانے والا کرائے وہ کریں۔ یہ انقلاب و اَوتاد کا درجہ ہے۔

بزرگوں یا اولیاؤں کی رُوحانیت سے مستفید ہونے کے متعلّق مؤلف امروہوی کے بیانات

اِس قدر دکھا اور بتا چکنے کے بعد اب ہم جناب مؤلف صاحب کی تحریر کردہ ایک روایت کو جس میں بتایا گیا ہے کہ کس طرح ایک عبّاسی شہزادی نے حضرت قثم بن حضرت عبّاس رض کے مزارِ مبارک سے استفادہ کیا، درج کرتے ہیں۔

انہوں نے اپنی کتاب تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کی جلد چہارم کے صفحہ ۔۔ پر لکھا ہے کہ کتب تاریخ میں مذکور ہے کہ جب خلافت عبّاسیہ کا چنگیزیوں کے ہاتھوں خاتمہ ہو گیا، خاندان عبّاسیہ کے ہزاروں افراد کو کفّار نے تہ تیغ کیا، امیر المومنین مستعصم باللہ عبّاسی آخری خلیفہ بغداد کی کی بھتیجی تاتاریوں کے ہاتھ گرفتار ہوئی، قافلہ تاتار جب سمرقند پہنچا، عفیفہ نے (عبّاسی شہزادی نے) مزار شاہ (حضرت قثم کے مزار) کو دیکھ کر فاتحہ خوانی کی اجازت مانگی۔ اور مزار پر آکر بارگاہِ ربّ العزّت میں یوں ملتجی ہوئی کہ اے تادر و توانا اگر صاحبِ مزار تیرے پیارے رسول کے بھائی اور تیرے مقرّب ہیں۔ تو اس مزار کو شق فرمادے کہ میں اس میں سما جاؤں، خدایا خاندان نبوّت کی ایک ناچار لڑکی کی عفت محفوظ اور خاندانِ رسالت کی لاج رکھ۔ قدرتِ خدا سے قبر شق ہو جاتی ہے۔ اور اُس میں وہ عفیفہ (شہزادی) سما جاتی ہے۔

اپنے مقصد کے تحت جیسا کہ اُوپر کہیں ہم دکھا آئے ہیں اس روایت میں بھی مؤلف صاحب نے اچھی خاصی تحریف کی ہے۔ مگر ہمیں یہاں صرف یہ دکھانا ہے کہ وہ حضرت قثم رض کے انتقال سے قریباً چھ سو برس بعد ایک عبّاسی شہزادی کا اُن کی رُوحانیت یا قبر سے مستفید ہونا خود بتلا رہے ہیں۔ تو جب اس شہزادی نے جو کوئی دیندار عورت نہ تھی بلکہ محض شہزادی تھی، پیر کسی مجاہدہ اور ریاضت کے آناً فاناً میں استفادہ حاصل کر لیا۔ تو حاجی جمال قدس سرہٗ جیسے بزرگ کے حضرت میر علی الجو یردی سے استفادہ کرنے یا مستفید ہونے کو مؤلف امروہوی کسی طرح بھی نادرست اور ناممکن نہیں ثابت کر سکتے۔ انہوں نے اپنی تصنیف تاریخ امروہہ کی جلد ثانی موسوم بہ تذکرۃ الکرام میں سینکڑوں برس پہلے کے بزرگوں سے لوگوں کے استفادہ حاصل کرنے اور اُن کی رُوحانیت سے مستفید ہونے کے واقعات خود اپنے قلم سے تحریر کئے ہیں۔ لیکن یہاں وہ حاجی جمال قدس سرہٗ کے میر علی الجو یردی سے فیض حاصل کرنے اور اُن سے مستفید ہونے پر اعتراض کر رہے ہیں۔ اس سے انہوں نے اپنی دنائت طبع میں اس کینہ کا جو اُن کے دل میں زبیری کنبوہی خاندان کی طرف سے ہے ایک اور ثبوت بہم پہنچا دیا ہے۔

تذکرۃ الکرام کے صفحہ ۔۔ پر مؤلف موصوف نے لکھا ہے کہ صاحبِ کشف و کرامت بزرگ بڑے بڑے ولی اللہ صاحبِ سلسلہ مشائخ ہر زمانہ اور ہر عہد میں ہوتے رہے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے تصوف فاروق اعظم میں بسوط رسالہ لکھا ہے جو اُن کی بے مثل کتاب ازالۃ الخلفاء کا ایک جزو ہے۔ مشائخ کے بہت کم سلسلے حضرت فاروق اعظم رض سے منسوب ہیں۔ البتہ آپ کے کشف و الہام اور فراست ایمانی کے اکثر واقعات کتب سیر و رجال میں مذکور ہیں۔ ۲۳ ہجری میں بعہد خلافت فاروقی ممالکِ عجم پر مسلمانوں نے فوج کشی کی۔ ایک دستہ فوج کے افسر حضرت ساریہ بن زنیم

صحابی تھے "جنہوں نے" دیار بکر" کا محاصرہ کیا۔ ایرانیوں نے کردوں سے مدد طلب کی۔ "کثرت تعداد" پڑا انہیں نے ایک پہاڑی کی آڑ پکڑ کر پشت کی جانب سے اسلامی فوج پر حملہ آور ہونا چاہا" مسلمانوں کے لئے یہ موقع نہایت خطرہ کا تھا" جس وقت یہ واقعہ میدان جنگ میں رونما ہو رہا تھا" حضرت فاروق اعظم رض" مدینہ منورہ میں مسجد نبوی ﷺ کے ممبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ یکایک ایک خاص کیفیت طاری ہوتی ہے۔ آپ کی آنکھوں کے سامنے میدان جنگ کا نقشہ آجاتا ہے" مسلمانوں کو خطرے کی حالت میں دیکھکر آپ نے اسلامی فوج کے افسر کو للکارتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں" یا ساریۃ الجبل الجبل" یعنی اے ساریہ" پہاڑ کی جانب پھر پڑو" حضرت ساریہ رض نے کئی مہینہ بعد میدان جنگ سے واپس آکر مدینہ منورہ میں بیان کیا کہ تم لوگ تو مسجد نبوی ﷺ میں امیر المومنین کا یہ کلام سن رہے تھے اور میں نے میدان جنگ میں سنا کہ حضرت امیر المومنین سامنے کھڑے ہوئے مجھے للکار کر فرما رہے ہیں "یا ساریۃ الجبل الجبل" میں خلافت پناہی کی آواز پہچانکر پہاڑ کی طرف پھر پڑا" اور تھوڑی دیر میں مسلمانوں کو دشمنان دین پر فتح حاصل ہوگئی" اس بیان کو لکھنے کے بعد مؤلف موصوف نے اپنی طرف سے جو نوٹ اس پر دیا ہے وہ یہ ہے کہ۔

نوٹ مؤلف امروہوی برکشف والہام حضرت عمر فاروق رض

"آج کے مادہ پرست شاید معترض ہوں کہ انسان کی آواز ہزاروں کوس کے فاصلہ پر کیسے سنائی دے سکتی ہے" انہیں سوچنا چاہئے کہ "ٹیلی فون" "ٹیلی گراف" "وائرلیس" کے ذریعہ گھر بیٹھے ہزاروں میل کے فاصلہ پر گفت و شنید ہوتی ہے "ریڈیو" کی ایجاد نے تو انسان کو اس پر قادر کردیا ہے کہ "کرۂ ہوا" اور فضائے آسمانی میں آوازوں کی جو لہریں متحرک ہیں ان کو سن سکے "پیرس" اور لندن کی تقریریں آپ "دہلی اور بمبئی میں" بیٹھے سن لیتے ہیں" میں اکثر جب دہلی جاتا ہوں برادر عزیز مسعود احمد صاحب عباسی کے یہاں جنہوں نے "ریڈیو کی مشین" اپنی نو تعمیر اور خوشنما کوٹھی میں لگا رکھی ہے "کلکتہ" "بمبئی کی روزانہ خبریں" اور "لیکچر و تقریریں" "نغمہ و سرود کی آوازیں سنتا ہوں" ہاتھ کی ذراسی حرکت سے "آپ کے کان میں" اہل تاشقند وغیرہ کے نغمہ و سرود کی آوازیں آجائیں گی" جب انسان کی بنائی ہوئی ایک ادنیٰ مشین کی یہ کیفیت ہو۔ تو قادر مطلق اگر اپنے اس بندے کی آواز کو جو جانشین رسول صلعم۔ اور جامع کمالات ہو" ہزاروں میل کے فاصلہ پر پہنچا دے" تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے"

اور اسی کتاب کے صفحہ ۲۶۶ پر "قطب الاقطاب شیخ عبدالمجید علوی قدس سرہ العزیز کے حال میں (جن کی ولادت سنہ ۹۰۰ ہجری کی ہے۔ اور وفات سنہ ۹۶۴ ہجری میں ہوئی ہے لکھا ہے کہ" بعد فراغ تحصیل علوم ظاہری" شیخ موصوف سے (حضرت شیخ نظام الدین نارنولی سے) ارادت درست کی" سالہا سال خدمت مرشد میں حاضر رہکر کمالات و فضائل کا سرمایہ فراہم کیا" شیخ قدس سرہ نے اپنا جانشین و خلیفہ بنا کر وطن جانے کی اجازت مرحمت کی" یہاں آکر" (امروہہ آکر) حضرت سید شرف الدین حسن شاہ ولایت رح" (جن کی ولادت سنہ ۶۶۳ یا ۶۶۴ وفات بقول مؤلف امروہوی سنہ ۷۳۳ ہجری اور بقول دیگر تذکرہ نویسوں کے سنہ ۷۸۰ ہجری میں ہوئی") کی روحانیت سے استفاضہ کیا"

اور صفحہ ۱۳۹ پر "شاہ عبدالہادی صدیقی قدس سرہ (ولادت سنہ ۱۰۴۰ ہجری وفات سنہ ۱۱۹۰ ہجری) کے حالات میں لکھا ہے کہ" مدت تک آپ نے سخت سے سخت مجاہدات کئے" کہا جاتا ہے کہ یہاں کے زمانۂ قیام میں (سوت ندی کے کنارے کے غار میں) حضرت خضر علی نبینا و علیہ السلام سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ جن کے فیوض و برکات سے "علوم لدنی" آپ پر منکشف ہو گئے۔ یہیں حضرت غوث الاعظم (المتوفی سنہ ۵۶۱ ہجری) سے فیض روحانی حاصل ہوا" اور یہیں حضور سرور کائنات ﷺ نے عالم رؤیا میں قیام آبادی۔ و رہنمائی خلق اللہ کی ہدایت فرمائی"

اور صفحہ ۱۶۵ پر شاہ عبدالباری چشتی (ولادت سنہ ۱۱۶۰ ہجری وفات سنہ ۱۲۲۶ ہجری) کے حال میں لکھا ہے کہ "قطب الاقطاب خواجہ قطب الملۃ والدین" "محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء (المتوفی سنہ ۷۲۵ ہجری) اور ارواح بزرگان سے روحانی استفادہ و استفاضہ کیا"

اور صفحہ ۲۲۵ پر "شاہ ممتاز الرحمٰن صدیقی معروف عبید اللہ شاہ (پیدائش سنہ ۱۲۸۷ ہجری) کے حالات میں لکھا ہے کہ "حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی" (زمانہ شہنشاہ جہانگیر) اور دوسرے بزرگوں" بالخصوص علی الہجویری داتا گنج بخش لاہوری" صاحب کشف المحجوب کی

اور صفحہ ۲۲۹ پر حاجی شاہ محمد ابراہیم کے حال میں لکھا ہے کہ "یہ شاہ عبدالہادی کی پانچویں پشت میں تھے۔ ولادت آپ کی ۱۲۹۱ ہجری میں ہوئی۔" خود فرمایا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ "درگاہ حضرت شاہ عبدالہادی کے شمالی برج میں مقیم تھا اور وظیفہ ابجد پڑھا کرتا تھا، میں بیٹھا تھا۔ برج کی شمالی کھڑکی پر نظر پڑی تو دیکھا کہ ایک شیر چوکھٹ پر کھڑا مجھے گھور رہا ہے۔ میں خائف ہو کر صحن میں آ گیا لیکن پشت پھیر کر دیکھا تو شیر میرے مقابلے پر تھا۔ اس نے مجھے اور خائف کر دیا۔ اور میں جنوبی برج میں آ گیا لیکن وہاں سے جو دیکھا تو شیر کو صحن میں کھڑا پایا۔ اب خیال ہوا کہ یہاں سے بھاگنا چاہیے۔ چنانچہ برج سے کود کر گھر کی طرف روانہ ہوا۔ احاطہ درگاہ سے باہر پہنچ کر راستہ پر آنا چاہتا تھا کہ حضرت شاہ عبدالہادی رح نے سامنے سے آ کر مجھے بغل میں لے لیا۔ اور تسلی و تشفی دے کر اپنے ہمراہ لے گئے اور برج میں بٹھا دیا۔ یہ مقام ابتدائے عمر کا ہے۔" جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شروع ہی سے آپ کو اپنے بزرگوں کی امداد حاصل ہوتی رہی ہے۔

اور صفحہ [illegible] کے اپنے نوٹ میں "مؤلف امروہوی نے سید علاؤالدین الملقب شیخ علاول بلاول بن سید سلیمان بن سید حسن الحسینی (شاہ ولایت آگرہ) کے حال میں تحریر کیا ہے کہ "دہلی پہنچ کر میاں لاڈن (نوٹ) کمبوہ مفتی دہلی سے تفسیر کا درس لیا۔ حضرت بختیار کاکی رح کی روحانیت سے مستفیض ہوئے۔"

یہ چند بیانات جو ہم نے "مؤلف امروہوی کی کتاب سے لے کر پیش کئے ہیں" ان سے صاف ثابت ہو گیا ہے کہ وہ بزرگان پیشین سے استفادہ و استفاضہ حاصل ہوتے رہنے کے شدت سے قائل ہیں۔ جب ہی تو اپنی کتاب کے ناظرین کو ان واقعات پر یقین کر لینے کے لئے زور دے رہے ہیں۔ مگر یہاں انہوں نے "حاجی جمال قدس سرہ" کے "میر علی ہجویری" سے فیض حاصل کرنے اور مستفید ہونے کو جو قطعی ناممکن بنایا ہے، کیا اس سے ان کی خباثت طبع پر خوب طرح روشنی نہیں پڑ گئی ہے۔ ہمارے اس بات کو قطعی طور سے ثابت کر چکنے کے بعد کہ بزرگان اسلام کے پردہ پوش ہو جانے کے بعد بھی ان سے فیض حاصل ہوتے رہنے کا سلسلہ برابر جاری رہا ہے اور تاقیام قیامت جاری رہے گا۔ اب ہم کو یہ بتانا ہے کہ صاحب المشاہیر رحمۃ اللہ علیہ کو جو یہ دھوکا ہوا کہ انہوں نے میر علی ہجری اور میر علی الہجویری کو لاہور کے تعلق کی وجہ سے ایک سمجھ لیا ہے۔ اس سے مؤلف امروہوی نے فائدہ اٹھایا ہے۔ اور "رسالہ نواب شہباز خاں" جو "نواب شہباز خاں" کے بزرگوں اور ان کے نسبی حالات کا ماخذ ہے، مؤلف موصوف نے اپنے مقصد کے منافی جان کر اس کی تحریر کو چھپا لینے ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ کتاب "مصباح العارفین" کی طرح اس رسالہ کے وجود ہی سے انکار کر دینا مناسب و ضروری خیال کیا ہے۔ تاریخی تحقیق و تلاش میں ایسی جسارت کرنا مؤلف امروہوی جیسے شخص سے ہی ممکن ہے۔ "رسالہ نواب شہباز خاں" میں نواب صاحب کے جد ششم حاجی جمال کے لاہور جانے اور میر علی الہجویری قدس سرہ داتا گنج بخش لاہوری سے ان کے مستفید ہونے کا کوئی ذکر تحریر نہیں ہے۔ بلکہ حاجی جمال قدس سرہ کے میر علی ہجری کے ہمراہ ایران و توران کی سیر کرتے ہوئے ہندوستان آنے اور حاجی جمال رح کے ملتان میں ٹھہر جانے اور میر علی ہجری کے لاہور جا کر توطن اختیار کر لینے کا ذکر ہے۔ رسالہ نواب شہباز خاں جو تصنیف زمانہ شہنشاہ اکبر اعظم کی ہے اس میں تحریر ہے کہ۔

شہباز خاں دیندار بہ آں امرائے نامدار گفت کہ حقیقت آبا و اجداد بندہ در ہندوستان این است کہ جد و پدرم حاجی جمال الدین بن کمال الدین شرف حج مشرف شدہ و بسند احادیث از میر حسین محدث حاصل کردند و بمعیت حضرت میر علی ہجری سیر ایران و توران کردہ چوں بہ قصبۂ جمال کہ در تحت کوہ جودی واقع است آنجا رسیدہ اشتیاق ماندکر تا آنہا بہ ہندوستان رسیدند۔ چوں بدار السرور ملتان رسیدند بشرف ملازمت حضرت مخدوم بہاؤالدین ذکریا مشرف شدند۔ بارادت صادق و

شہباز خاں دیندار نے ان امرائے نامدار سے کہا کہ حقیقت میرے باپ دادا کی ہندوستان میں یہ ہے کہ میرے بزرگوں میں سے حاجی جمال الدین حج کے شرف سے مشرف ہوئے اور احادیث کی سند میر حسین محدث سے حاصل کی۔ اور ہمراہی میں میر علی ہجری کے انہوں نے ایران و توران کی سیر کی۔ جب قصبہ جمال میں جو کوہ جودی کے تحت میں واقع ہے وہ پہنچے، وہاں انہوں نے ہندوستان کا ارادہ کر دیا۔ جب دارالسرور ملتان میں پہنچے تو شرف ملازمت حضرت مخدوم بہاؤالدین ذکریا

نوٹ: میاں لاڈن "مخدوم شیخ نصیرالدین ابن حضرت مخدوم شیخ سماءالدین قدس سرہ العزیز سہروردی کمبوہ کنبوہی کے فرزند دوم تھے۔"

مطلب واثق بدرجہ خرقہ خلافت ممتاز گشت" حضرت میر علی بطرف لاہور متوجہ شدہ متوطن گشت۔ القصہ جمال الدین بحکم حضرت بہاؤ الدین ذکریا ملتان را وطن ساختہ" عیال و اطفال بہم رسانیدند و اوقات شریف بدرس احادیث متصرف مے نمودہ اصحاب کسب و کمالات با مردم مشغول بودند تا بدرجہ شیخی رسیدہ اشتہار یافت۔ دراں اثنائے جناب آنہ بہج عبادت براوج سعادت نقل فرمودند" سجادگی حضرت شیخ صدر الدین علیہ الرحمۃ قرار یافت۔ ایشاں ہر یکے خلفائے نامدار بر جائے تعین کردند حاجی جمال را از جانب جہتے معین کردند" اکثر اعیان آں دیار ارادت آوردند۔ و سرداران اطراف و جوانب آں ملک معتقد شدند" و فرزندانش تحصیل کسب جمیع علوم مقید شدند۔ و در سایۂ پدر خود تربیت یافتند" عمر شریف حاجی تا یکصد و سیزدہ سالہ رسیدہ بود" اگر حقیقت حال ہر یکے از آباؤ اجداد خود بعرض قبلہ ہندوستان نمودہ آید حاصلے در از نقشے" بادشاہ جم جاہ است"

(رسالہ نواب شہباز خاں صفحہ ۹)

کے مشرف ہوئے اور ارادت صادق و مطلب واثق سے بدرجہ خرقۂ خلافت ممتاز ہوئے" حضرت میر علی لاہور جاکر متوطن ہو گئے" القصہ جمال الدین نے حضرت بہاؤ الدین ذکریا ملتانی کے فرمانے سے ملتان کو وطن بنا لیا" وہیں شادی کرلی اور اولاد ہوئی۔ وہ اوقات شریف کو احادیث کے درس میں صرف کرنے لگے اور لوگوں کے کسب و کمالات میں مشغول رہے یہاں تک کہ درجہ شیخی کو پہنچکر مشہور ہوگئے" اسی اثنا میں برج عبادت سے اوج سعادت پر نقل فرمایا" شیخ ذکریا کے بعد اُن کے سجادہ حضرت شیخ صدر الدینؒ ہوئے" انہوں نے ہر ایک خلفائے نامدار کو" مختلف سمتوں میں متعین فرمایا" حاجی جمال الدین قدس سرہٗ کو ایک سمت متعین کیا" اکثر شرفا و امیر جو وہاں کے تھے ان کو ارادت اُن سے ہو گئی۔ اور اُس ملک کے اطراف و جوانب کے سرداران کے معتقد ہو گئے" اُن کے بیٹے تحصیل و کسب تمام علوم میں مشغول ہوئے اور اپنے والد بزرگوار کے سایہ میں انہوں نے تربیت پائی" عمر شریف حاجی صاحب ایک سو تیرہ برس کو پہنچی تھی" اگر حقیقت حال باپ اور دادا میں سے ہر ایک کی عرض کروں تو بڑی داستان ہو جائے گی"

کیونکہ مؤلف امر۔۔ی کی اس تحقیقات اور لاطائل بحث کی بھی حقیقت اچھی طرح ہم نے کھول کر دکھا دی ہے اس لئے ہم آگے بڑھتے اور دیکھتے ہیں کہ اب وہ اور کیا فرماتے ہیں"

باب ہشت وہم

" صاحب المشاہیر" اپنی کتاب کی ابتدا میں " لفظ کنبو" کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ " زبیری" مقام کنبۂ" واقع غزنیں" یا " کنباہ" واقع سمرقند" میں اولاً آباد ہوئے" اور وہاں سے اکثر و بیشتر " محمود غزنوی" کے زمانہ میں " ہندوستان آئے" اور " لقب کنبو" بھی اسی نسبت مکانی کی وجہ سے ساتھ لائے"

لے لیکن یہ روایت بھی قطعاً مصنوعی ہے" افغانستان وغیرہ" میں اس نام کا کوئی مقام" نہ اب موجود ہے" نہ پہلے تھا" (صفحہ ۳۴۲)

صاحب المشاہیر کا مکمل بیان

مؤلف صاحب کے اس بیان پر کچھ لکھنے سے پہلے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ " صاحب المشاہیر" نے جو عبارت " کنبو" کی وجہ تسمیہ کے بارے میں لکھی ہے اُسے بھی پیش کردیں تاکہ کوئی بات تشنہ نہ رہنے پائے" المشاہیر کے صفحہ ۱۷ تا ۱۹ پر تحریر ہے کہ " سجلات قدیم" و بزرگان پیشین" و معتبر اشخاص کی کتابت" و پرانی کتابوں میں یہ لفظ (کنبو) و (کنبوہ) و (کنبوی) ان صورتوں میں لکھا پایا جاتا ہے" بعض کم استعداد" شاذ" " کمبوہ" لکھدیتے ہیں۔ اور اس کے اصل میں " اقوال مختلف" غیر مستند" بیان کئے گئے ہیں" کسی نے (کم انبوہ) کہا ہے۔ کسی نے کیا نیوں میں جا ملایا ہے اور (کے انبوہ) بتایا ہے" مگر یہ سب طبعی باتیں ہیں" حقیقتاً جس پر ثقات کا اتفاق" اور مقرون بصواب ہے یہ ہے کہ " لقب مکانی ہے" ذاتی" صفاتی" یا نسبی" خطاب نہیں ہے" مولانا شیخ زین العابدین عرف شیخ ادہن" جد مادری" شیخ عبد الحق محدث دہلوی" نے اپنی کتاب (مصباح العارفین) میں لکھا ہے کہ " لفظ کنبو" میں واؤ نسبت کا ہے۔ جیسا کہ ہندو میں" یعنی منسوب بہ کنبہ" اور " کنبہ" ایک شہر ہے" قرب غزنیں" عنبر طبیعہ

سادات بنی فاطمہ و علوی یا شیوخ آمدٔ عرب اور جو لوگ باشندگانِ قدیم کشمیر میں سے مسلمان ہوگئے۔ یا جو اب تک اپنے قدیم مذہب پر ہیں وہ سب بہ لحاظ سکونت کشمیر (کشمیری) کہلاتے ہیں علیٰ ہٰذا ساکنانِ کنبؔ۔

شمس العلما مولوی محمد حسین آزاد دہلوی (دربار اکبری) میں بضمن حالات شیخ گدائی لکھتے ہیں کہ اُن کے والد شیخ جمالی سکندر لودی کے عہد میں شعراء باکمال میں شمار ہوتے تھے اور شیخ جمالی کنبوی دہلوی کہلاتے تھے۔ ایک مورخ کا قول ہے کہ کنباہ ایک دریا ہے۔ اُس کے کنارے کی آبادی کو بھی باسم محل (کنباہ) کہتے ہیں جس طرح ضلع جہلم دریائے جہلم کے نام سے مشہور ہے قدماء عرب و بغداد سے وہاں آکر آباد ہوئے پھر ہندوستان آئے اور یہ لقب ساتھ لائے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ کسی مناسبت سے کسی افراد انسانی کا نام رکھدیا جاتا ہے کبھی اُس کو ایسی قبولیت عام و شہرت ہوجاتی ہے کہ تمام قبیلہ اور گروہ اُسی نام سے شہرت پذیر ہوکر ایک قوم بن جاتی ہے کوئی قوم اپنے بزرگ کے نام سے کوئی باسم محل اور کوئی باسم صفت موسوم ہوگئی ہے۔ لہٰذا اس فریق کا بھی باسم محل موسوم ہوجانا تعجب کی بات نہیں۔ یہ بھی مشہور ہے کہ اکثر لوگ اِس گروہ کے قریب زمانۂ محمود غزنوی ہندوستان آئے۔

شہر کنباہ کے آباد ہونے کے متعلق تاریخ فرشتہ کا بیان

صاحب المشاہیر کا بیان اور اُس پر اُن کے نوٹ متن و عن ہم نے لکھدیئے ہیں اور اُن کے بیان کا جو اقتباس یا اختصار جس طرح صاحب تحقیق الانساب نے کیا ہے وہ نظروں کے سامنے موجود ہے۔ اپنے اس بیان میں بھی مؤلف امروہوی نے اپنے ناظرین کو دھوکا دینے کی کوشش کی ہے۔ یعنی یہ باور کرانا چاہا ہے کہ کنب واقع غزنی یا کنباہ واقع سمرقند سے یہ خاندان محمود غزنوی کے زمانے میں بالارادت ہندوستان آیا جو سراسر غلط ہے۔ یہ خاندان سلطنت منصورہ کی تباہی کے بعد ہی کنباہ واقع سندھ کو چھوڑ کر ملتان آگیا تھا اور ملتان بھی سندھ میں شامل تھا نہ کہ ہندوستان میں۔ صاحب المشاہیر نے تو یہ لکھا ہے کہ قریب زمانہ محمود غزنوی یعنی محمود غزنوی کے انتقال کے کچھ عرصہ بعد یہ خاندان ہندوستان آیا مگر مؤلف موصوف نے اُن کے بیان میں کتربیونت کرکے لکھا ہے کہ میری محمود غزنوی کے زمانے میں ہندوستان آئے۔ قریب کا لفظ انہوں نے اپنی مصلحت سے چھپالیا ہے جو کھلی بددیانتی ہے اور مؤلف موصوف نے صاحب المشاہیر کے بیان کے ممکنات پر بحث کرنے سے احتراز کرکے اُسے قطعاً مصنوعی قرار دے کر جو یہ لکھا ہے کہ افغانستان وغیرہ میں اُس نام (کنب یا کنباہ) کا کوئی مقام نہ اب موجود ہے نہ پہلے تھا) اور اپنے اس فقرہ میں لفظ وغیرہ شامل کرکے بلا کسی تحقیقات کے مصباح العارفین کی طرح اپنا یہ ناطق فیصلہ دیدیا ہے کہ ہندوسندھ تو درکنار رہے دُنیا کے کسی حصہ میں بھی اس نام کا کوئی شہر کبھی کسی زمانہ میں آباد نہیں ہوا۔ اُن کا یہ بیان پایۂ تحقیق سے بالکل گرا ہوا اور کھلا ہوا جھوٹ ہے۔

نوٹ ۱: بعض اہل تشکیک بوجہ ناواقفیت وجود کنباہ میں متردد ہوجاتے تھے۔ بندہ ناچیز جامع مختصر ہٰذا کو ایک سیاح معقول و معتبر بغدادی الاصل و اولاد حضرت غوث پاکؒ کے ملنے کا اتفاق ہوا۔ بہ اثنائے مہربانی اپنی سیاحت کے تذکرہ میں بیان کیا کہ سمرقند سے شمال کی طرف چھ سات منزل کے فاصلہ پر کنباہ بفتحہ ایک دریا ہے۔ اُس کا پانی نہایت سرد و شیریں اور خوشگوار ہے۔ اُس کے کنارے پر ایک قصبہ اُسی نام سے مشہور و آباد ہے پہاڑی ملک ہے۔ آب و ہوا نہایت صحت بخش میوے بکثرت پیدا ہوتے ہیں۔ باشندے وہاں کے شجیع خلیق انتہا درجہ کے مہمان نواز ہیں۔ اُن کا جی ہرگز نہیں چاہتا کہ مہمان سے اُن کا مکان خالی رہے۔ میں چندروز بکمال آسائش اُس قصبہ میں مقیم رہا ہوں۔ نوٹ ۲: صاحب تذکرہ افغانی وجہ تسمیہ پٹھان میں لکھتے ہیں کہ جب اول اول یہ لوگ ہند میں آئے تو شہر پٹنہ میں آباد ہوئے۔ اس سبب سے اہل ہند افغانوں کو پٹھان کہتے ہیں۔ افغانوں کے ایک فرقہ کو روہیلہ اس سبب سے کہتے ہیں کہ یہ لوگ ملک روہ کے رہنے والے ہیں یعنی ملک روہ والا کثرت استعمال سے روہیلہ مشہور ہوگیا۔ وجہ تسمیہ افغان لوحانی یہ ہے کہ ان کا مورث اعلیٰ نوح تھا اُس کی نسل نوحانی مشہور ہوئی۔ اب نون کی جگہ لام ہوکر لوحانی کہلاتے ہیں۔ قوم قزلباش کے لوگ سرخ کلاہ رکھتے تھے۔ ترکی میں قزل سرخ کو اور باش سر کو کہتے ہیں۔ یعنی سرخ سر والی قوم۔ یہ اسی نام سے مشہور ہوگئے۔

تاریخ فرشتہ کی تلاش کے لئے کچھ کوشش درکار نہیں ہے۔ یعنی اس کے لئے نہ تو کتب خانوں کی خاک چھاننی پڑتی ہے " نہ جا بجا پھر کر لوگوں سے دریافت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے " یہ کتاب عام ہے " ہر جگہ ملتی ہے " مؤلف امروہوی کے مطالعہ میں بہت رہی ہے " انہوں نے اُسے بنظر امعان دیکھا ہے اور اکثر باتوں کے متعلق اُس کے حوالے پیش کئے ہیں " چنانچہ اس بحث میں بھی " میاں چمن " اور " عماد الملک " کے متعلق مؤلف صاحب نے " تاریخ فرشتہ " کا حوالہ دیا ہے " مگر کیا یہ بات تعجب خیز نہیں ہے کہ " انہیں " فرشتہ کی جلد اوّل میں " سب کچھ تو نظر آگیا " لیکن وہ عبارت جس میں " شہر کنبا " کے آباد ہونے کا ذکر ہے " مطلق نظر نہیں آئی " تاریخ فرشتہ " میں صاف لکھا ہے کہ۔

(" نہروال بن ہند۔ (بن حام بن حضرت نوح ؑ) کے بھی تین بیٹے پیدا ہوئے جن کے نام " بہروج " " کنباج " اور " مالراج " تھے " نہروال " کے " ان بیٹوں کے نام پر بھی تین شہر آباد ہوئے ")

شہر کنباہ کے متعلق بشاری مقدسی کا بیان

فرشتہ کے ماسوا " مؤلف صاحب نے اپنی کتاب " تحقیق الانساب تاریخ امروہہ " کی جلد چہارم کے ص۱۶۷ پر ایک سیاح " بشاری مقدسی " کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ " بشاری مقدسی " جو چوتھی صدی ہجری میں ہندوستان آیا تھا " سندھ " کے پایۂ تخت " منصورہ " کے حال میں لکھتا ہے " واما المنصورہ فعلیہا سلطان من قریش یخطبون للعباسی " " منصورہ " کا بادشاہ " نسلاً قریش ہے۔ یہاں کے مسلمان " خلیفہ عباسی " کا " خطبہ " پڑھتے ہیں " گو اس عربی عبارت کے ترجمہ میں بھی مؤلف صاحب نے اپنے قاعدہ کے مطابق تھوڑی سی تحریف کی ہے " یعنی بجائے اس کے کہ یہ ترجمہ کرتے کہ " منصورہ کا قریشی بادشاہ " " خلیفہ عباسی " کا خطبہ پڑھتا ہے۔ انہوں نے اس طرح ترجمہ کر دیا ہے کہ " یہاں کے مسلمان " خلیفہ عباسی " کا خطبہ پڑھتے ہیں۔ مگر ہمیں یہاں یہ بتانا ہے کہ " بشاری مقدسی " سنہ ۳۸۰ یا ۳۸۵ ہجری میں " سندھ و ہند " کی سیاحت کے لئے تشریف لائے تھے۔ انہوں نے اپنا جو سیاحت نامہ لکھا ہے " اُس کا نام " احسن التقاسیم فی معرفتہ الاقالیم " ہے۔ اور اُن کا پورا نام " شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر البناء الشامی المقدسی۔ المعروف بالبشاری " ہے " اقلیم السندھ " کی شرح کے تحت انہوں نے " سندھ " کی اپنے زمانے کی تقسیم ملکی " پیداوار " اور " تجارت " وغیرہ وغیرہ کا حال بتانے کے ساتھ " وہاں کے شہروں کے نام بھی لکھے ہیں " چنانچہ پادشاہت " منصورہ " کے جہاں اور شہر گنائے ہیں " وہاں " بانیہ " اور " کنبایہ " " دو شہروں کے نام بھی لکھے ہیں " انہوں نے " منصورہ " کے شہر کی شرح کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ " سندھ " کے قصبات میں " منصورہ " شامل ہے " اور اُس کے حسب ذیل شہر ہیں "

" دیبل " " زندریج " " کدار " " مایل " " قنبلی " فارسی کا بیان ہے کہ " البیرون " " قالری " " انری " " بلری " " المسواہی " " البہرج " " بانیہ " " منابری " " سدوسان " " الرور " " سوبارہ " " کنبایہ " " صیمور " بھی شامل ہیں "

اُس وقت کے " سندھ " کو آج کا " سندھ " جو انگریزوں کی تقسیم ملکی کے مطابق نقشوں پر چند ضلعوں پر مشتمل چھوٹا سا صوبہ نظر آتا ہے " نہ سمجھنا چاہیئے۔ بلکہ اُس زمانے کے " سندھ " میں " تمام مشرقی افغانستان " " مکران " " پورا " " بلوچستان " " کشمیر " کے پہاڑوں تک سارا " پنجاب " " موجودہ صوبہ سندھ " اور " گوجرات " چھوٹا نہ " شامل تھا " " پنجاب " " افغانستان " اور " بلوچستان " کسی ملک یا صوبہ کا نام نہ تھا۔ یہ نام بعد کی پیداوار ہیں " پنجاب " کا اطلاق صرف اُن پانچ دریاؤں پر کیا جاتا تھا۔ جو کشمیر کے ایک پہاڑ سے نکل کر اسی ملک کے اندر بہتے تھے۔ " بانیہ " وہ شہر ہے جو " سلطنت منصورہ " کے بانی کا " وطن تھا۔ اور یہ بانی سلطنت " منصورہ " حضرت زبیرؓ کے چچازاد بھائی کی نسل سے تھے " نیز " شہر بانیہ " اور " شہر کنبایہ " میں زیادہ فاصلہ نہ تھا "

اوپر ہم نے فرشتہ اور بشاری مقدسی کی کتابوں سے " کنباہ " کے وجود کو بخوبی ظاہر کر دیا ہے " یہ وہ کتابیں ہیں جنہیں مؤلف امروہوی نے نہ صرف دیکھا ہے بلکہ انہوں نے اُن کے جا بجا حوالے بھی اپنی کتاب میں پیش کئے ہیں مگر حیرت بالائے حیرت ہے کہ انہیں اِن کتابوں

میں سب کچھ تو نظر آگیا لیکن نظر نہ آیا تو صرف "کنبایہ" یا "کنباہ"

کچھ انہیں کتابوں پر منحصر نہیں ہے بلکہ اور بہت مستند کتابوں میں بھی یہ کنب و شہر کنبایا" دریائے کنباہ" اور علاقہ کنباہ کے حالات تحریر ہیں۔ جن میں سے چند کے اقتباسات مؤلف موصوف کی مزید تسلی کے لئے ہم اور پیش کرتے ہیں "

فتوح البلدان بلاذری کا بیان

فتوح البلدان بلاذری المتوفی ۲۷۹ ہجری جزو دوم کے صفحہ ۱۷۳ پر ہے کہ "...... کاؤس اشروسنہ کا بادشاہ کا ایک قہرمان (سردار) تھا۔ اس کے مزاج میں بڑا دخل۔ اس نے فضل بن کاؤس سے اپنی بیٹی کی شادی کردی تھی۔ اس غرض سے کہ اس کے دل میں فضل کی محبت بڑھے فضل کی بہت ثناؤ صفت کرتا۔ اور اس کے دوسرے بیٹے حیدر معروف بہ افشین کی مذمت کیا کرتا۔ حیدر کو ایک دن موقع ملا۔ اشروسنہ کے دارالسلطنت "کنب" کے دروازہ پر قہرمان کو قتل کر دیا۔ اور بھاگ کر ہاشم بن محور ختلی کے پاس چلا گیا۔ جو اپنے شہر کا حاکم و مختار تھا۔ درخواست کی کہ وہ اس کے باپ کو راضی کرنے کے لئے خط لکھدے .... پھر حیدر نے اسلام ظاہر کیا۔ مدینۃ الاسلام کی راہ لی۔ ماموں سے ملا۔ اس کو بتایا کہ اشروسنہ آسانی سے فتح ہو سکتا ہے۔ لوگوں پر جس ہم کا قول تھا۔ اس نے سہل کر کے بیان کیا۔ اور اشروسنہ پہنچنے کا قریب ترین راستہ بتایا۔ ماموں نے اپنے کاتب احمد بن ابی خالد الاحول کو جیش عظیم کے ساتھ اس مہم پر مقرر کیا "

ابن حوقل کا بیان

علامہ مسعودی کے بعد "الاصطخری" نے اپنا جغرافیہ لکھا۔ اور ان کے بعد چوتھی صدی کے ربع دوم میں " ابن حوقل" نے سیاحت کر کے "اپنا جغرافیہ" تحریر کیا۔ کیونکہ ان دونوں کی سیاحت کے زمانوں کے درمیان زیادہ مدت نہیں ہے" اور دونوں کی تحقیقاتیں بھی قریب قریب یکساں ہیں" اس لئے اختصار کے مد نظر یہاں ہم صرف "ابن حوقل" کی کتاب "المسالک والممالک" مطبوعہ مطبع بریل واقع لیدن" سے لیکر ضروری مقامات کا حال لکھتے ہیں" ابن حوقل" نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۲۶ تا ۲۳۵ میں باب "بلاد السند" و ما یتصل بہا" کے تحت لکھا ہے کہ " یہ شہر "سندھ" (بحر فارس) مشرق میں "صیمور" سے لیکر "تیز مکران" تک سیدھا چلا گیا ہے" اور اس کے بعد "مکران" کے بیابان کے پاس ٹیڑھا ہو گیا ہے" اور اس نے ممالک "کرمان و فارس" پر جا کر کمان کی صورت اختیار کر لی ہے۔

اطراف مکران میں | تیز" قنزبور" درک" اور "راسک" ہے۔ اور یہ خوابج کا شہر ہے" اور "بہ" بند" قصر قند" و اصفقہ" فہلفہرۃ" مشکی" قنبلی" ارمائیل" ہیں"

اطراف طوران میں | مندرجۂ ذیل شہر ہیں "محالی" کیزکانان" شورۃ" اور "قزدار"

اطراف بدھ میں | قندابیل" شہر ہے۔ اور یہ اس اطراف کا مرکزی مقام ہے"

سندھ کے اطراف میں | مندرجۂ ذیل شہر واقع ہیں "منصورہ" جس کا مشہور نام "برہمن آباد" ہے "دیبل" بیرون" قالری" آنزی" بلہری" مسواہی" فہرج" بانیہ" منابری" سدوستان" اور "بند" الرور"

اور ہند کے حسب ذیل شہر ہیں | تاھل" کنبایہ" سوبارہ" اس کے اطراف بہت خوشنما ہیں" اساول" جنداول" سندان" صیمور" بنی بلن" جندرور" سندرود" یہ وہ شہر ہیں جن کا مجھے علم حاصل ہوا۔

اور اطراف بلاد ہند میں | گھاٹیاں" اور مکانات تھے" مشہور گھاٹی "فرزان" اور "قندوج" ہے۔ اور مکانات "لمطلقہ" اور "اوخشہ" اطراف ناشتہ میں ہیں"..... اور "کنبایہ" اور "صیمور" کے درمیان ایک شہر ہے جس کا نام "بلھرا" ہے۔ اور "بلھرا" کا لقب ملک المانکیر" معصنتمہ ہے" اور وہاں کا بادشاہ بھی "اسی نام سے مشہور ہے" جیسا کہ "غانہ" ایک علاقہ کا نام ہے" اور وہاں کے بادشاہ کو بھی "غانہ" کہتے ہیں

اور اسی طرح "کوغہ" وغیرہ ہیں" اور یہاں کے اکثر باشندے کافر ہیں" اور مسلمان بھی قلیل تعداد میں ہیں "مگر وہاں کا بادشاہ مسلم ہے" لیکن اس اطراف میں بعض علاقے ایسے بھی ہیں جن کا بادشاہ کافر ہے" اور باشندے مسلمان ہیں" مثلاً "خذر" "سربیہ" "لان" "غانہ" "کوغہ" مگر مسلمان کافر کا حکم نہیں مانتے تھے" اور اپنے حدود کے والی انہیں نہیں خیال کرتے تھے" ....

بلاد بلہرا میں | بہت سی مساجد ہیں" جہاں جماعت سے نمازیں ادا کی جاتی ہیں۔ اور ہر مسجد میں منارہ پر اذان ہوتی ہے" اور تکبیر و تہلیل سے نماز کا اعلان ہوتا ہے۔ اور یہ ایک وسیع بادشاہت ہے"

اور شہر منصورہ | طول و عرض میں تقریباً ایک میل ہے" نہر مہران" (دریائے سندھ) کے ایک خلیج نے اس کو احاطہ کر رکھا ہے۔ اور یہ شہر دیکھنے میں ایک جزیرہ کی طرح معلوم ہوتا ہے" یہاں کے باشندے مسلمان ہیں" اور ایک "قریشی آدمی جو "ہبار بن اسود" (حضرت زبیر کے چچا زاد بھائی) کی اولاد میں سے ہے" وہاں کا حکمران ہے" اس کے آباؤ اجداد نے اس ملک پر اپنا قبضہ جما کر" اپنی بہترین سیاست کی بدولت "رعیت کو ان کا مطیع بنا رکھا تھا" مگر خطبہ "بنی عباس" کے نام کا پڑھا جاتا ہے" (سلطنت منصورہ خود مختار تھی" اور اس زمانے کے دستور کے مطابق" جس قدر بھی خود مختار اسلامی سلطنتیں تھیں" خطبہ عباسی خاندان کا ہی جو بہت کمزور و سقیم حالت میں "قیدیوں کی طرح "بغداد میں تھا" پڑھا جایا کرتی تھیں") "منصورہ" ایک گرم شہر ہے" وہاں "کھجور" کا درخت ہے "انگور" "سیب" "اخروٹ" اور "امرود" وہاں نہیں ہے۔ مگر وہاں "گنا" پایا جاتا ہے" اور "سیب" جیسا ایک ترش پھل وہاں پایا جاتا ہے جس کو "لیموں" کہتے ہیں۔ اور وہاں "خوخ" کی طرح ایک قسم کا پھل ہوتا ہے جسے "آم" کہتے ہیں" چیزوں کی قیمت بہت ارزاں ہے اور وہاں لوگ آسودہ ہیں" اس علاقہ میں "قندھاری سکہ رائج ہے" جس کا ایک درہم پانچ درہم کے برابر ہے" "تیز طاطری" نام کا ایک سکہ وہاں رائج ہے جو ایک درہم اور آٹھویں حصہ کے برابر ہے" وہاں لوگ دینار سے بھی لین دین کرتے ہیں" وہاں کے باشندوں کا لباس "عراقیوں" کی طرح ہے" لیکن بادشاہوں کا لباس "ہندوستانی" بادشاہوں کی طرح ہے" کرتے" اور "بال" ہندوستانی بادشاہوں کی طرح ہوتے ہیں"

شہر ملتان | ملتان بھی "منصورہ" کی برابر ایک شہر ہے" جس کو "فرج بیت الذہب" کہتے ہیں۔ اس شہر میں ایک بت ہے" ہندو اس کی تعظیم کرتے ہیں" اور اطراف ملک سے اس کی زیارت کو آتے ہیں" ..... ملتان "پر فضا بھی ہے" یہ آسودہ شہر ہے" ہر چیز ارزاں ہے" مگر منصورہ سے کم" ....

شہر بانیہ | "بانیہ" ایک چھوٹا شہر ہے" عمر بن عبد العزیز ہباری قرشی" جو عراق میں بزرگی اور بہادری کی وجہ سے مشہور ہے" "بانیہ" کا رہنے والا تھا" اور "منصورہ" اور اس کے اطراف پر غالب آنے والوں کا جد امجد ہے"

فتوح البلدان بلاذری جزو دوم کے صفحہ ۲۰۲ پر ہے کہ "عمران گورنر سندھ" از ۲۲۱ ہجری تا ۲۲۳ ہجری کے زمانے میں" عربوں کی دو مشہور جماعتوں "نزاریوں" (یعنی قریش اول کے جد اعلیٰ کی اولاد یا حجازی) اور "یمنیوں" (قحطانیوں) کے درمیان عصبیت پھوٹ پڑی" "عمران" "یمنیوں" کا طرفدار ہو گیا" "نزاریوں کے سردار "عمر بن عبد العزیز الہباری" نے موقع پا کر اس کو "عمران گورنر سندھ" کو) قتل کر دیا" عمر بن عبد العزیز ہباری" کے پردادا "منذر بن زبیر بن عبد الرحمٰن بن ہبار بن اسود بن مطلب بن اسد" ان لوگوں میں تھے جو "حکم بن عوانہ" گورنر سندھ (از ۱۱۰ ہجری تا ۱۲۲ ہجری) کے ساتھ اس ملک میں آئے تھے"

یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۵۹۹ میں ہے کہ "عمر" نے اس ملک پر غلبہ پا لیا" پھر انہوں نے "متوکل" (عباسی خلیفہ بغداد جس کا زمانہ خلافت ۲۴ ذی الحجہ ۲۳۲ ہجری تا ۴ شوال ۲۴۷ ہجری ہے") کو لکھا کہ میں بہت اچھا انتظام کر رہا ہوں" سندھ کی ولایت مجھے دی جائے" "متوکل" نے اسے منظور کر لیا۔ اور وہ "متوکل" کے پورے زمانے میں "سندھ" کے حاکم رہے") متوکل کے قتل ہونے کے چند برسوں کے بعد" پھر اس سلطنت "منصورہ" نے عباسی حکومت سے جو تھوڑا بہت تعلق تھا اسے بھی توڑ دیا اور بالکل خود مختار ہو گئی" دیکھو آئینہ حقیقت نما جلد اول صفحہ ۱۷۷)

حضرت ہبّار رضؓ کے دادا "مطلب" اور "حضرت زبیر رضؓ کے دادا "خویلد" دونوں سگے بھائی تھے۔ اور اس طرح "حضرت ہبّار رضؓ" حضرت زبیر رضؓ کے چچا زاد بھائی تھے۔"

مذکورہ بالا "حکم بن عوانہ" گورنر نے اپنے زمانے میں "عمر بن محمدؒ قاسم" فاتح سندھ کے بیٹے کو "سپہ سالار بنایا تو انہوں نے محفوظہ کے بالمقابل "شہر منصورہ" آباد کیا تھا۔ جو بعد میں سندھ کا دارالسلطنت ہو گیا تھا۔" (آئینۂ حقیقت نما جلد اوّل ص۱۰۱)

.... قاہل "سندان" "صیمور" اور "کنبایہ" میں بہت سی مسجدیں اور جامع مسجدیں موجود ہیں۔" ان علاقوں میں مسلمانوں کے احکام غالب ہیں" یہ بہت سرسبز اور شاداب علاقے ہیں" اور بہت کشادہ بھی ہیں" ان علاقوں میں "ناریل" پائے جاتے ہیں" لوگ اس سے "سرکہ" اور "شراب" بناتے ہیں جس سے اُن کو نشہ ہوتا ہے" اور گیہوں کے نچوڑ کو۔ اہل شہر "نبیذ" سے ملا کر پیتے ہیں" مگر بخدا نہ میں نے اسے دیکھا اور نہ مجھے اس کا علم ہے" اور نہ مجھے اس کی کیفیت معلوم ہے" وہ اکثر چاول کی ہی زراعت کرتے ہیں" اور وہاں "شہد" بہت پایا جاتا ہے" اور "کھجور" کا درخت بھی اس علاقہ میں ہے" ....

"بانیہ" اور "قاہل" کے درمیان بیابان ہے" اور "قاہل" سے "کنبایہ" تک بھی میدان ہے۔ اس کے بعد "کنبایہ" سے لے کر "صیمور" تک متصل گاؤں ہیں" اور اہل ہند کی "وسیع آبادی ہے" وہاں مسلمان اور کفّار کا ایک ہی لباس ہے" اور دونوں "بال" لمبے چھوڑتے ہیں" یہاں کے لوگ ازار باندھتے ہیں" بوجہ سخت گرمی کے" ایسے ہی "ملتان" کے باشندے بھی ازار باندھتے ہیں" کیونکہ یہاں بھی سخت گرمی پڑتی ہے"

"منصورہ" "ملتان" اور اُس کے اطراف کے لوگ "عربی" اور "سندھی" زبان بولتے ہیں" اکثر لوگ "کرتے" استعمال کرتے ہیں" مگر سوداگر لوگ "قمیص" اور "چادر" پہنتے ہیں" اہل عراق و فارس کی طرح" ....

.... "قاہل" سے "کنبایہ" تک چار منزل ہے" اور "کنبایہ" دریا سے ایک فرسخ ہے" .... "بانیہ" منصورہ" اور "قاہل" کے درمیان واقع ہے" اور "منصورہ" سے ایک منزل کے فاصلہ پر" اور "قاہل" "منصورہ" سے دو منزل پر ہے" ....

نوٹ :۔ الاصطخری جو ابن حوقل سے چند برس پہلے سندھ تشریف لائے تھے۔ آن کا بیان بھی یہ ہی ہے جو ابن حوقل کا ہے"

نقشہ بلاد سندھ

نقشہ وادی دریائے سندھ مطابق جغرافیہ ابن حوقل

(یہ نقشہ کرنل سر تھامس اتچ ہولڈچ کے۔سی۔ ایم۔ جی۔ کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔ سی۔ بی۔ و آر۔ ای۔ لیٹ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سروے آف انڈیا
کی کتاب " انڈیا " مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کے صفحہ ۱۹۱ سے لیا گیا ہے " اور دکن ریویو کے نمبر ۸ بابت ماہ جون ۱۹۰۸ء مطبوعہ مطبع افسر دکن حیدرآباد)
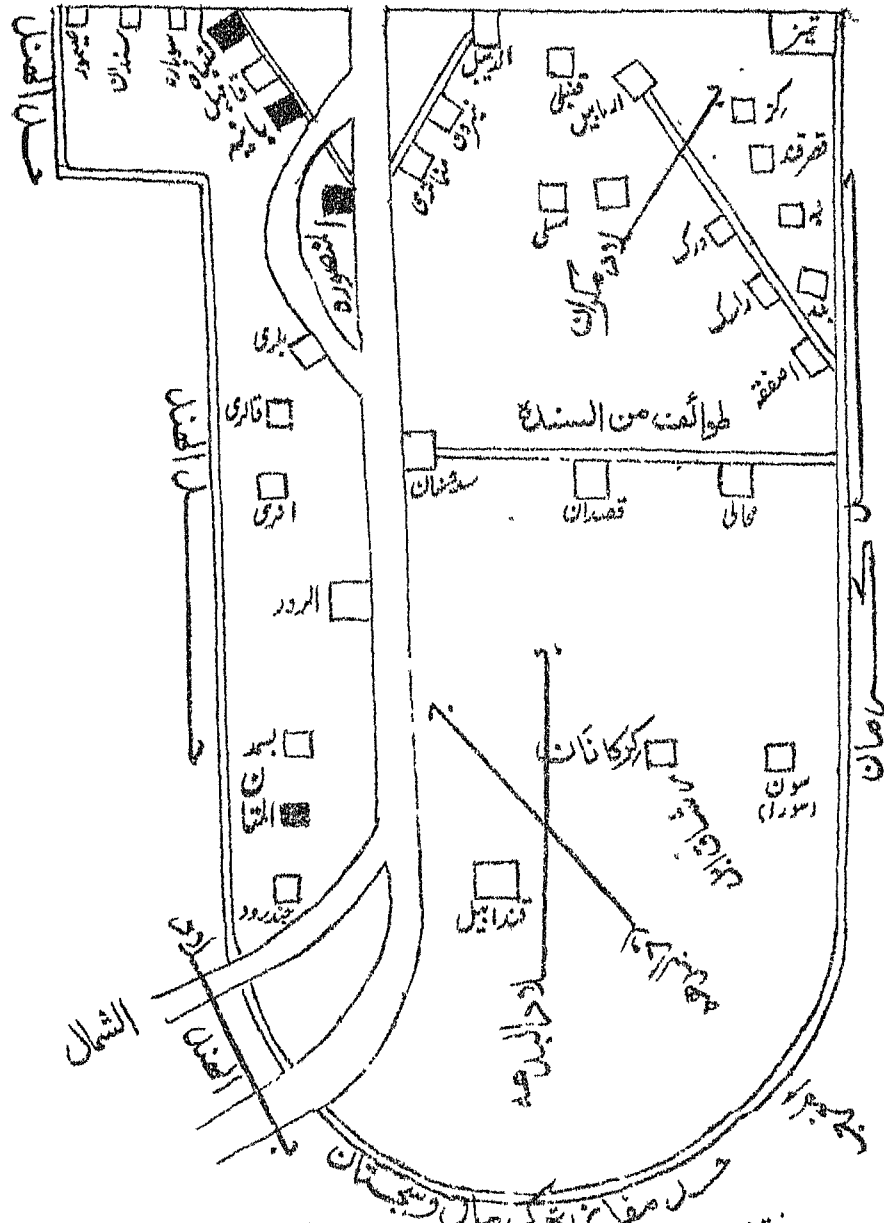
علامہ مسعودی کا بیان

شہر کنبایہ | علامہ مسعودی نے جنہوں نے ۳۰۳ھ ہجری میں "سندھ" وغیرہ ممالک کی سیاحت کی ہے "اپنی کتاب مروج الذہب معدن الجواہر کی جلد اول میں جو عربی اور اُس کے فرانسیسی ترجمہ کے ساتھ "پیرس" کی مطبوعہ ہے" اور کتب خانۂ آصفیہ حیدرآباد دکن میں موجود ہے "اِس کے الباب السادس العشر میں ص ۳۳ پر تحریر فرمایا ہے کہ "سب سے پہلا سمندر جو "بصرہ" سے ملحق ہے "الأبلۃ" اور "بحرین" ہے۔ اُس کے بعد "بحر لاردی" اور اُس پر "بلاد صیمور" اور "سوبارہ" اور "تابتہ" اور "سندان" اور "کنبایہ" وغیرہ وغیرہ "ہند و سندھ" میں سے ہیں"۔ . . . .

اور ص ۳۲۹ و ۳۵ پر ہے کہ "اور میں نے دیکھے بہت سے لوگ جو "بلاد صفد" کو نوشادر کے پہاڑ پر گئے "ترت" تک۔ اور "چین" میں "اور بلاد خراسان و ہند تک" جو ملا ہوا ہے "بلاد خراسان" اور "سندھ" سے "جس کے بعد "منصورہ" ہے" اور "ملتان" ہے "اور یہ ملے ہوئے چلے گئے ہیں۔ سندھ سے "خراسان" تک۔ اور اسی طرح ہندوستان تک "یہاں تک کہ مل گئے ہیں۔ یہ ممالک "ابلتان" یعنی بلاد زابلستان تک"

اور یہ بلاد وسیع ہیں اور جانے جاتے ہیں "سلطنت فیروز ابن کبک سے" اور اُن میں عجیب عجیب ناقابلِ تسخیر قلعہ ہیں "بہت سی زبانیں بولی جاتی ہیں" اور بہت سی قومیں ہیں "لوگوں نے اُن کے حسب و نسب میں بڑا اختلاف کیا ہے" پس بعض اُن میں سے وہ ہیں جو اُن کو ملاتے ہیں۔ ساتھ لڑکے "یافث بن نوح ع کے" (یعنی منگولین ہیں") اور بعض وہ ہیں جنہوں نے اُن کو ملایا ہے "ساتھ "فرس اوّل کے" ایک نسب نامہ طویل ہے" . . . .

. . . . . . اور ص ۳۷۲ پر تحریر ہے کہ "قندھار کا بادشاہ "ملوک سندھ" میں سے ہے۔ اور اس کے پہاڑ "ججج" کہلاتے ہیں" یہ نام جو ہے زیادہ مشہور ہے" اور ص ۳۷۳ پر ہے کہ "کشمیر" یہ ایک ملک ہے "سندھ کے ملکوں میں ایک" اور اُس کے پہاڑ ایک بڑی سلطنت ہیں جس میں بہت سے شہر واقع ہیں" . . . .

. . . . . . اور ص ۳۸۲ پر تحریر ہے کہ "منجملہ اور باتوں کے یہ ہے کہ "سندھ" اور "ہند" کے بادشاہوں میں کوئی ایسا نہیں ہے جو مسلمانوں کو دہرکا اور ڈرا سکے اپنے ملک میں" جیسا کہ "بلہری" ہے" پس اسلام اُس کے ملک میں بھی سربلند اور محفوظ ہے "مسلمانوں کی مسجدیں اور جامع مسجد وہاں ہیں۔ اور پانچوں وقت نمازیوں سے معمور رہتی ہیں" . . . .

چچ نامہ کا بیان

شہر کنباہ "علاقہ کنباہ" اور دریائے کنباہ" کی موجودگی کے سندھ میں شواہد | فتح نامہ سندھ "المعروف بہ "چچ نامہ" تالیف علی بن حامد ابو بکر الکوفی در سنہ ۶۱۳ ہجری بہ سعی و اہتمام مجلس مخطوطات فارسیہ حیدرآباد دکن۔ طبع در مطبع لطیفی دہلی ۱۳۵۸ ہجری مطابق ۱۹۳۹ء کے ص ۱۲ تا ۱۴ پر راجہ "سی ہرس بن ساہسی" کے حالات میں لکھا ہے کہ

"شہر اروڑ "کہ دارالملک "ہند و سندھ" است شہرے بود معظم "آراستہ بانواع قصور و راغ و بساتین و باغ و حیاض و انہار و ریاض و ازہار "بر "آب سیحون" کہ آنرا "مہران" گویند۔ و ایں شہر بانزہت را "رائے بود" نام و ے "سی ہرس بن ساہسی" "رائے بود" با خزاین وافر۔ و دفائن متوافر "عدل او در عالم منتشر" و سخاوت

"شہر اروڑ" جو دارالملک "ہند اور سندھ" کا ہے "بہت بڑا شہر تھا" طرح طرح کے محلوں اور مرغزاروں اور پھولوں اور باغوں اور حوضوں اور نہروں اور سبزے سے آراستہ اور دریائے "سیحون" پر جسے "مہران" کہتے ہیں۔ آباد تھا "اس شہر کا ایک بڑا با نزہت راجہ تھا۔ اُس کا نام "سی ہرس بن ساہسی" "رائے تھا" اُس کے پاس خزانے بے شمار تھے اُس کے

۲۳۸ و در جہان مشتہر۔

حدود ممالک و مسالک او از جانب شرق تا حد کشمیر و از طرف غربی تا حد مکران و از جنوبی تا لب دریائے محیط و دیبل و از شمالی تا کوہ کردان و از کیکانان و در ممالک خود چہار ملک (صوبہ دار) نصب کردہ بود۔

(انصاف اور سخاوت کی شہرت تمام دنیا میں پھیلی ہوئی تھی۔

اس کے ممالک و مقبوضات کی حدیں جانب شرق کشمیر تک اور مغرب کی طرف مکران کی حد تک اور جنوبی حد سمندر کے کنارے اور دیبل تک (دیبل کا جائے وقوع موجودہ شہر کراچی ہے) اور شمال کی حد کیکانان سے کوہ کردان تک تھی۔ اور اپنے ممالک میں اس نے چار صوبہ دار (گورنر) مقرر کئے تھے۔

(۱) یکے را به برہمن آباد و از حصار نیرون و دیبل و لوہانہ و لاکھہ و سمہ و دریا در اہتمام او فرمودہ۔

(۱) ایک کو برہمن آباد میں مقرر کیا تھا اور اس کے اہتمام میں قلعہ نیرون اور دیبل اور لوہانہ، لاکھہ اور سمہ اور سمندر رکھا تھا۔

(۲) و دوم را بقصبہ سیوستان و بدھیہ و جنکان و کوہ پایہ و برہمان تا حد مکران در عہدۂ او کردہ۔

(۲) دوسرے کا مستقر قصبہ سیوستان تھا اور بدھیہ اور جنکان اور کوہ پایہ، برہمان حد مکران تک اس کو منتظم کیا تھا۔

(۳) و سیوم را در حصار اسکلندہ و پابیہ کہ تلواڑہ و تریج پور می خوانند و مضافات تا حدود دیپالپور در ضبط او فرمود۔

(۳) تیسرے کی قیام گاہ قلعہ اسکلندہ تھا۔ اور پابیہ جسے تلواڑہ اور تریج پور کہتے ہیں اور مضافات تا حدود دیپالپور اس کے انتظام میں دیئے تھے۔

(۴) و چہارم را بقصبہ معظم ملتان و سکہ و برہمپور و کرور و اشہار و کنبہ تا حد کشمیر بہ تصرف او باز گذشتہ۔

(۴) اور چوتھے کا دار القرار قصبہ معظم ملتان تھا۔ اور سکہ اور برہمپور اور کرور اور اشہار اور کنبہ کشمیر کی حد تک اس کے تصرف میں چھوڑا۔

و خود بہ دار الملک ارور بنشست و کردان و کیکانان و برہماس در تحت خود داشت و ہر یکے را از ملوک خود را استعداد حرب و عدت و آلات از اسپ و اسلحہ جہد بلیغ فرمود و در حفظ ولایت و استمالت رعایا و طراوت امارت فرمان داد تا ولایت و اقطاعات خود محفوظ دارند۔ و در کل ممالک او ہیچ متعدی نبود کہ ذیل حدود او را تعرض برساند۔

اور خود دار السلطنت ارور میں سکونت رکھی اور کردان اور کیکانان اور برہماس کو اپنی نگرانی میں رکھا۔ اور اپنے ملوک میں سے ہر ایک کو لڑائی کے سامان اور عدت اور گھوڑوں کے ساز اور اسلحہ رکھنے میں بہت کوشش فرمائی۔ اور ولایت کی حفاظت اور رعایا کی استمالت اور شان امارت کے لئے فرمان دیا تاکہ اپنے صوبے اور علاقوں کو محفوظ رکھیں۔ اس کی تمام سلطنت میں کوئی مخالف نہ تھا جو اس کی حدود میں تعرض پہنچاتا۔

اس کے آگے لکھا ہے کہ ناگاہ فارس کی طرف سے ملک نیمروز کے بادشاہ نے راجہ سی ہرس کے ملک پر چڑھائی کر دی۔ اور یہ راجہ جنگ کرکے مارا گیا۔ جس کی جگہ اس کا بیٹا راجہ ساہسی دوم تخت نشین ہوا۔ رعایا اس کے بھی انصاف و عدالت سے مرفہ الحال رہی۔

آئینہ حقیقت نما جلد اول مطبوعہ ۲۶ ... میں ہے کہ راجہ ساہسی کے وزیر کے منشی یا نائب کے پاس چاروں ویدوں کا فاضل چچ برہمن آکر ملازم ہوا۔ جو رفتہ رفتہ راجہ کا میر منشی ہو گیا۔ اور اس کی خفیہ دوستی راجہ کی بیوی سہند دیوی سے ہو گئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ راجہ ساہسی اچانک مر گیا۔ اور چچ نے خود راجہ ہو کر سہند دیوی سے شادی کر لی۔ اس کے بعد چچ دار السلطنت سے روانہ ہوا۔ اسی چچ نامہ کے صفحہ ۱۰۵ پر تحریر ہے کہ:

پس چوں حصار ملتان مسلم شد تکری را بسبیل نیابت بملتان نصب کرد و خود بہ بت خانہ منروی رفت و بہ بت ...

پس جب قلعہ ملتان قبضہ میں آ گیا تو تکری کو بطور نائب کے ملتان میں مقرر کیا۔ اور بت خانہ منروی میں گیا اور بت کو سجدہ کیا اور ...

کرد و قصد جہاد او و عزم بالا کرد و رایان "برہمپور" و "کرور" و "اشہار" شرط خدمت را قیام نمودند و از آنجا تا حد "کنبہ" و "کشمیر" رسیدند۔

اور آگے کا ارادہ کیا۔ "برہمپور" اور "کرور" اور "اشہار" کے راجے شرط خدمت بجا لائے اور وہ وہاں سے "کنبہ" اور "کشمیر" کی حد تک پہنچا۔

ہیچ شاہے با وے مقابل نشد۔ کہ او را منع و زجر کردی۔ ملک تعالےٰ چوں کسے را بزرگ گرداند، ہمہ رنج ہا بر وے آسان کند، و جملہ مرادہا۔ در کنار او دہد۔ بہر موضع کہ میرسید مسلّم میشد، تا بحصار "شاکلہا" رسید، و آں موضع بالاتر "کنبہ" گویند، و سرحد "کشمیر" است۔

کوئی بادشاہ اُس کے مقابلہ میں نہیں آیا۔ کہ اُس کی روک ٹوک کرتا۔ خدائے تعالےٰ جب کسی کو بڑا بناتا ہے تو ساری تکلیفیں اُس پر آسان کر دیتا ہے۔ اور ساری مرادیں اُس کی پوری کر دیتا ہے۔ جس جگہ گیا قبضہ میں آ گئی۔ وہ "کنبہ" سے آگے قلعہ "شاکلہا" تک پہنچا جو سرحد "کشمیر" ہے۔

ہم بدانجا مقام کرد و مدت یک ماہ توقف کرد۔ ملوک آں نواحی بعضے را قہر کرد۔ و بعضے تحت فرمان و بیعت خود آورد۔ و با امراء و ملوک آں نواحی عہد وثیق بست۔ و مملکت استقامت پذیرفت۔

وہ وہاں مقام کر کے ایک مہینہ ٹھیرا۔ اُس نواح کے بعضے سرداروں پر اُسے سختی کرنی پڑی اور ماسوائے اُن کے دوسروں نے خود اُسکی اطاعت کر لی۔ اور اُس نواح کے امیروں اور سرداروں سے اُس نے عہد وثیق باندھے اور اُس کی سلطنت مستحکم ہو گئی۔

تاریخ سندھ جلد اول مؤلفہ مولوی عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی کے صفحہ ۵۹ پر اور "چچ نامہ" میں ہے کہ جس سال رسول مقبول صلعم مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر "مدینہ منورہ" تشریف لائے اور سنہ ہجری شروع ہوا۔ "چچ" نے تخت پر بیٹھ کر "راجہ ساہسی" کی رانی "سوہن دی" بیوی کو اپنے عقد میں لے لیا۔ پھر فوج کو راجہ کا خزانہ کھول کر۔ انعام و اکرام دیکر اپنا گرویدہ بنا لیا۔

امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رضؓ" "حضرت عثمان غنی رضؓ" "حضرت علی رضؓ" "حضرت امیر معاویہ رضؓ" اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضؓ" کی خلافتوں کے زمانوں میں بھی "سندھ" پر۔ (جس کے حدود میں اُس وقت "مشرقی افغانستان و سارا بلوچستان و مکران و پنجاب اور کچھ حصہ راجپوتانہ کا شامل تھا۔) حملے ہوئے تھے۔

"ولید بن عبدالملک اموی" کی سلطنت کے زمانہ میں "محمد بن قاسم" کی سپہ سالاری میں ۹۳ھ ہجری میں جو حملہ "سندھ" پر ہوا۔ اُس میں تمام "سندھ" فتح کر کے "عربوں" نے اپنے زیر نگیں کر لیا۔ اور وہاں مستقل طور سے اُن کی حکومت قایم ہو گئی۔ یہ حملہ جس وقت ہوا ہے اس وقت "سندھ" پر "راجہ چچ" کا بیٹا "راجہ داہر" حکمران تھا۔ جو اس لڑائی میں قتل ہو گیا تھا۔

"محمد بن قاسم" کے فتح سندھ کے حالات میں "چچ نامہ" کے صفحہ ۱۱۱ تا ۱۲۱ پر تحریر ہے کہ۔۔۔۔۔۔"

..... لشکر اسلام بر این پیغام معلوم کردہ چیرہ شدند۔ و محمد قاسم شب و روز جنگ متواتر فرمود۔ مدت نزدیک یک ہفتہ حصاریان دست از جنگ بکشیدند۔ چوں "بہرا" دانست کہ حصار تنگ آمد۔ از دروازہ شمالی بوقت آنکہ عالم در حجاب قیرگون نہاں شد، از آب عبرہ کرد۔ و متواری شد۔ و بگریخت۔ تا بحد "بودہیہ" رسید۔ و آں وقت ملک "بودہیہ" "کاکا بن کوتک" بود۔ و "بہمنی بہکو" و حصار او "سیسم" بر لب آب "کنبہ"۔ و اہل "بودہیہ" و مقدمان آں نواحی باستقبال آمدند۔ و پیش حصار۔ او را فرود

..... لشکر اسلام اُس پیغام کو معلوم کر کے [illegible] بڑھ گیا۔ اور محمد قاسم نے رات دن جنگ کی۔ قریباً ایک ہفتہ میں قلعہ والوں نے لڑائی سے ہاتھ کھینچ لیا۔ جب "بہرا" نے جان لیا کہ قلعہ بہت تنگ ہے تو اس نے شمالی دروازے سے جو اندھیری رات [illegible] چھپا ہوا تھا۔ دریا کو پار کیا اور چھپ کر بھاگ گیا۔ یہاں تک کہ "بودہیہ" کی حد میں پہنچ گیا۔ اُس وقت "بودہیہ" کا سردار "کاکا بن کوتک" تھا۔ "بہمنی بہکو" اور اُس کا قلعہ "سیسم" دریائے "کنبہ" کے کنارے پر تھا۔ اہل "بودہیہ" اور آس پاس کے چودھری اُس کے استقبال کو آئے

نوٹ:- "شاکلہا" "کنبہ" کا مشہور قلعہ "سرحد پر واقع تھا۔"

بودند

پس محمد قاسم چون بجھرا برفت سمنیان

در رابقۂ اطاعت آوردند در حصار سیوستان در آمد و

ایمن شد و عمال و نواب خود را بر مہمات ولایت نصب کرد و

نواحی و اہتمام و عہدہ او کرد پس ہر جا کہ زر و نقرہ بود اختیار کرد

و سیم و پیرایہ و نقود ہمہ بستد الا از سمنیان کہ

با وے عہد وثیق کردہ بودند پس آنچہ حق لشکر اسلام بود بداد

و خمس بیرون آورد و بخزانہ دار حجاج (دیسرائے ولید بن

عبدالملک و چچائے محمد بن قاسم) تسلیم کرد و آن فتحنامہ

بہ حجاج بنشست و راوتان را نامزد فرمود و غنیمت ببردہ

فرستاد و خود آنجا مقام کرد بعد از دو سہ روز کہ از مہم خمس و حصۂ

حشم بپرداخت روئے بحصار سیسم آورد و جماعت بودیہ

و ملک سیوستان نصب فرمود با باقی حشم بمنزلے کہ آنرا

بدھان گویند بہ نزول کرد بر کنار کنبہ و سکان حوالی آن

موضع جملہ کفار بودند چون لشکر اسلام را دیدند جملہ متفق شدند

کہ شبخون آرند تا ایشان متفرق گردانند

اور قلعہ میں لاکر اُسے ٹھیرایا۔

جب بجھرا چلا گیا اور سمنی لوگوں کو مطیع کر لیا تو محمد قاسم نے سیوستان

میں آکر اطمینان سے قیام کیا اور اپنے سرداروں اور امیروں کو ولایت کی

مہمات پر مقرر کیا اور اُن کے علاقوں اور عہدوں کا انتظام کیا اور جس

جگہ کہ سونا چاندی تھا اور نقود و جواہر اور زیبائشی چیزوں کو قبضہ میں کر لیا

لیکن سمنیوں سے کہ انہوں نے عہد وثیق کر لیا تھا جو حق لشکر اسلام کا

تھا دیا اور پانچواں حصہ اُس میں سے نکال کر حجاج (دیسرائے ولید بن

عبدالملک اور چچا محمد بن قاسم) کے خزانہ دار کو دیا۔ اور فتحنامہ اس کا

حجاج کو لکھا اور راوتوں کو نامزد فرمایا اور غنیمت لے کر بھیجی اور خود

وہاں مقام کیا دو تین دن کے بعد جب مہم خمس اور حصۂ حشم کا انتظام کر چکے

تو قلعہ سیسم کی طرف تشریف لائے اور ایک جماعت کو بودیہ اور

ملک سیوستان پر مقرر فرمایا اور باقی حشم کے ساتھ دریائے

کنبہ کے کنارے اُس منزل پر جسے بدھان کہتے ہیں آکر قیام کیا۔

اُس جگہ کے حوالی کے رہنے والے سب کفار تھے جب انہوں نے لشکر

اسلام کو دیکھا تو سب متفق ہو کر شبخون لائے لیکن اُن کو متفرق کر دیا

گیا۔

اِس سے آگے چچ نامہ کے ص ۱۲۱ تا ۱۲۴ پر تحریر ہے کہ شان کے سردار کاکہ کوتک[1] نے اگلے دن اپنے فرمانبرداروں اور دوستوں

کے ساتھ محمد بن قاسم کے پاس جاکر اطاعت قبول کر لی اور ہر طرح کی مدد کرنے کا وعدہ کیا۔ محمد بن قاسم نے خوش ہو کر کاکا کو ریشمی لباس

پہنا کر اُس کے سر پر پگڑی باندھی۔ اور اُسے ہی وہاں کے نظم و نسق پر مامور کر دیا۔

یہاں سے محمد بن قاسم کوچ کر کے شہر سیسم پر جہاں بجھرا[2] پناہ گزیں تھا حملہ آور ہوئے دو دن کی لڑائی کے بعد بجھرا

اور اُس کے بہت سردار مارے گئے باقی بھاگ گئے بعض نے قلعہ بہطلور میں جو سالوج اور قندابیل کے درمیان تھا جا کر وہاں سے

امان نامہ کی درخواست کی اور سالانہ خراج ادا کرنے کا وعدہ کر کے اپنی طرف سے کفیل بھیج دیئے۔ اور چچ نامہ کے ص ۱۲۴ تا ۱۳۰ پر ہے کہ بعد فتح سیسم

محمد بن قاسم نے وہاں حمید بن ذواع النجدی اور عبدالقیس آل جارود کو حاکم کیا سیسم ہی میں محمد بن قاسم کو حجاج

کا خط ملا جس میں انہیں نیرون واپس جانے اور وہاں سے راجہ داہر پر چڑھائی کرنے کا حکم دیا تھا اِس لئے وہ نیرون واپس آ گئے۔

نوٹ[1]: علاقہ بدہیہ اُن دنوں جس شخص کاکا پسر کوتک کے ہاتھ میں تھا۔ وہ سماٹی یعنی بدھ مذہب کا پیرو تھا۔ بدہیہ کی حکومت کا مستقر شہر سیسم تھا جو دریائے کنبہ کے کنارے واقع تھا۔

نوٹ[2]: بجھرا یعنی بج رائے چندر کا بیٹا اور راجہ داہر کا بھتیجا تھا اور قلعہ و شہر سیوستان کی حکومت اُس کے سپرد تھی جب وہ کاکا کے پاس بھاگ گیا۔ تو سیوستان نے اطاعت قبول کر لی سیوستان سے محمد بن قاسم قلعہ سیسم کی طرف روانہ ہوئے تو راستہ میں بدھان ایک مقام تھا جو دریائے کنبہ کے کنارے واقع تھا وہاں کے لوگ بدھ مذہب کے پیرو اور قوم کے جاٹ تھے اُن کے سردار کاکا نے جیسا کہ لکھا جا چکا ہے محمد بن قاسم کی اطاعت اختیار کر لی۔)

ترجمہ فتوح البلدان بلاذری کے صفحہ ۱۸۵ تا ۱۸۸ پر ہے کہ "محمد بن قاسم" نے "مکران" سے روانہ ہوکر "شہر قنزپور" پر حملہ کیا" اور پھر "ارمابیل" "قنبل و دیبل" (ٹھٹہ و کراچی) کو فتح کیا۔ ان شہروں کے بعد "نیرون" کے لوگوں نے اُن کی اطاعت قبول کرلی" پھر وہ دریائے سندھ کی ایک شاخ سے اتر کر اور "سربیدس" والوں پر خراج مقرر کرکے "بہرج" گئے" اور آگے بڑھ کر سیوستان کا محاصرہ کیا"

شہنشاہ بابر کا بیان

شہنشاہ بابر نے اپنی خود نوشت سوانح عمری "موسوم بہ تزک بابری" میں سنہ ۹۰۰ ہجری کے واقعات میں تحریر فرمایا ہے کہ "سنہ ۹۰۰ ہجری میں حسن یعقوب باغی ہوا لیکن میرے ایک سپاہی کے تیر سے مارا گیا" اسی سال میں نے مشتبہ کھانے سے پرہیز کیا یہاں تک کہ چھری" "چمچ اور دسترخوان کی بھی احتیاط ہوگئی۔ نماز تہجد بھی کم قضا ہوتی تھی" ماہ ربیع الثانی میں "سلطان محمود میرزا" تینتالیس برس کی عمر میں مرگیا" سلطان محمود کے مرنے کے بعد اس کے لڑکے "بایسنقر میرزا" کو امراء نے "سمرقند" کے تخت پر اٹھارہ برس کی عمر میں بٹھایا" اسی زمانے میں سلطان علی بیرلاس" اور بعض اکابر "سمرقند" کی تحریک سے "محمود خاں" نے فوج کشی کی اور "کنبائے" کے نواح میں آگیا" بایسنقر میرزا" نے اپنی فوج لے کر "کنبائے" کے مقام پر مقابلہ کیا اور فتح پائی"

. . . . اور سنہ ۹۰۱ ہجری کے واقعات میں ارقام فرمایا ہے کہ "بایسنقر میرزا" کے بھائی "علی میرزا" نے "بایسنقر میرزا" کو شکست دی" اور "سمرقند" کی طرف چلا۔ یہ خبر عید کے چاند مجھے پہنچی" میں بھی "سمرقند" کے لئے معہ لشکر اسی ماہ میں روانہ ہوا" سلطان مسعود میرزا" بھی "سمرقند" لینے کے خیال سے "شہر سبز" پر آگیا" اہل "سمرقند" کیل کانٹے سے درست تھے" اس لئے میں "اندجان" پلٹ آیا" "شیرز" اور "کنبائے" کے نواح سے "مہدی سلطان" بھاگ کر "سمرقند" چلا گیا" اور "حمزہ سلطان" مقام "امین" سے اجازت لیکر "سمرقند" پہنچا" "مہدی سلطان" نے "عبد الکریم" کو شکست دی" ان سلاطین نے جب دیکھا کہ میرزاؤں کی سرکاریں ڈگمگا رہی ہیں تو وہ سب "شیبانی خاں" کے پاس چلے گئے"

شہنشاہ جہانگیر کا بیان

"دریائے کونیہ" یا "کامہ" معاون دریائے کابل"

"اقبال نامہ جہانگیری" یعنی تاریخ ہندوستان حصہ ششم تالیف شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب کے صفحہ ۲۵۱ و ۲۵۲ پر تحریر ہے کہ "امیر الامراء" ایسا ضعیف اور بیمار تھا کہ میں نے "شہنشاہ جہانگیر نے" اٹک میں اُسے چھوڑا۔ اور بخشیوں کو حکم دیا کہ "کابل" کی ولایت لشکر عظیم کی برداشت نہیں کرسکتی" سوائے نزدیکوں اور مقربوں کے کوئی دریا سے عبور نہ کرے" وہ میری معاودت تک "اٹک" میں رہیں" اور چہار شنبہ نوز دہم کو "شاہزادوں" اور چند خاصوں کو ساتھ لیکر "جالہ" پر سوار ہوکر "آب نیلاب" سے سلامت گذرا" (نیلاب ایک قصبہ تھا جس کے سبب سے اس دریا کا نام بدل گیا۔ نیلاب "اٹک" مشہور ہوا") شمال مشرق سے نیچے کی طرف اس کو "ابیاسین" کہتے ہیں۔ (دریہ کالاباغ سے "اٹک" تک اس کو "اٹک" کہتے ہیں" اور اس کے ہمسایہ کے "ہندو" "سندھ" کہتے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنے دھرم شاستر میں یہی نام پڑھا ہے"

اور "دریائے کامہ" کے گرد فروکش ہوا۔ یہ دریا "جلال آباد" کے نیچے بہتا ہے" (دریائے کامہ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ۔ جلال آباد کے محاذی۔ ایک قلعہ کا نام ہے" وہاں "دریائے کابل" سے "دریائے کونیہ" (تا ہے) کو "نیہ" ہی کو "کامہ" کہتے ہیں"

نوٹ۔ شہنشاہ بابر نے "اپنی تخت نشینی کا حال ان الفاظ میں لکھا ہے کہ "میری بارہ برس کی عمر تھی دو دو پنجویں رمضان سنہ ۸۹۹ ہجری تھی جو "ملک فرغانہ" میں بادشاہ ہوا"

جس کے نیچے کے حصّہ کو "جہانگیر" نے "کامہ" لکھا ہے" اس کو اب "لنڈی ماں" کہتے ہیں "پنجکورہ" کے ملک سے "لنڈی" نکلتی ہے" اور تقریباً جنوب میں بہہ کر "پشاور" کے سامنے "دریائے کابل" میں ملتی ہے "جلال آباد" سے "پشاور" تک اُس کو "کامہ" کہتے ہیں"

...... یہاں سے ایک منزل درمیان "سرائے بارہ" میں ہوئی "سرائے بارہ" کے مقابل میں "اب کامہ" کے اس طرف ایک قلعہ "زین خان کوکہ" نے اُس وقت بنایا تھا کہ وہ "یوسف زئی" "افغانوں" کے استعمال کے لئے گیا تھا۔ اور اُس کو "نوشہر" سے موسوم کیا تھا۔ اور اس میں پچاس ہزار کے قریب خرچ ہوا تھا" کہتے ہیں کہ "حضرت ہمایوں" نے اِس سرزمین میں "گورخر" کا شکار کھیلا تھا"۔

روزنامہ انقلاب لاہور کا بیان

دریائے کنہہ | (۱) قع صوبہ مشرقی افغانستان "روزنامہ انقلاب لاہور" ۱۱ اگست ۱۹۳۶ء کے صفحہ ۳ کالم ۳ میں "افغانستان" کے بعض دریاؤں میں سیلاب "متعدد مویشی ہلاک ہوئے" کی سُرخی کے تحت تحریر ہے کہ "کابل" (ڈاک سے) بارش کی شدت کی وجہ سے "دریائے کنہہ" صوبہ مشرقی میں "زبردست سیلاب آیا" جس کی وجہ سے ایک آدمی ہلاک" اور اٹھارہ مویشی ہلاک ہو گئے" ایک چکّی اور پچاس گھر بھی ویران ہو گئے۔ اُن کا سارا مال و اسباب دریا بُرد ہو گیا" اِسی طرح دریا کے کنارے بہت سی فصلیں تباہ ہو گئی ہیں" "دروک" وغیرہ سے بھی بارش کی شدت کی اطلاع ملی ہے" معلوم ہوا ہے کہ "سیلاب کے پانی نے دروں سے نکل کر" مہیب صورت اختیار کر لی تھی۔ جس کی وجہ سے متعدد مویشی ہلاک ہو گئے ہیں"

کمبو اور اُس کے مماثل ناموں کے اور بہت شہر دُنیا کے مختلف حصّوں میں

کتاب ہینڈ بک برائے سفر فرانس کے صفحہ ۵۶۵ پر حسب ذیل شہروں کے بھی نام دیئے ہیں"

(۱) کمبو" (۲) کمپاگرس" (۳) کمبرائی" (۴) کمباٹ ڈیس ٹریبیٹ" (۵) کمپّے ڈی میلواں"

کتاب تحصیلی کا میدانِ جنگ (ملک یونان) میں" جہاں جہاں ترکی اور یونانی فوجیں مقیم تھیں اُن میں "کمبورکی نا" نامی قصبہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

ایک فرانسیسی اٹلس میں یہ شہر ہیں" (۱) کمبلٹین" اسکاٹ لینڈ میں" (۲) کمبّے ریس" اسپین میں" (۳) کمبو" اسپین میں" (۴) کامبِل" اسپین میں" (۵) کیمبو لنگ" گلیشیا میں" (۶) کمبولی" البانیا میں" (۷) کمبوج" شہر و ضلع دراس درسلطنت انام" (۸) کمبوہی" برازیل جنوبی امریکہ" (۹) کمبلین" در بلجیم" (۱۰) کمبو" سرحد پیرنیز جانب فرانس" (۱۱) کمبو فورمو" برلب دریائے ڈینیوب"

ہندوستان کے اسکولوں میں رائج میکملین اور دوسری اٹلسوں میں بھی مندرجہ ذیل شہر دیکھے جا سکتے ہیں"

(۱) شہر کمبو آٹ" چینی صوبہ تانکنگ مقبوضہ فرانس میں" (۲) کمپیا" ہند چینی مقبوضہ فرانس میں" (۳) کمبّے" شہر و خلیج در کاٹھیاواڑ گجرات" (۴) کمبارلی گھاٹ" قصبہ درمیان ستارہ اور رتن گیری کے در صوبہ بمبئی"

(۵) کمبم" ریلوے اسٹیشن ہے در ضلع کرنول صوبہ مدراس" (۶) کمباکونم" در ضلع تانجور صوبہ مدراس" (۷) کمبو یا چندار" در صوبہ مدراس"

(۸) کوامبایا" در جزیرہ سیلون یا لنکا" (۹) کمبوڈیا یا کمبوجا" ہند چینی مقبوضہ فرانس" (۱۰) لنے کمبو" در سیلون یا لنکا"

نیو پکٹوریل اٹلس آف دی ورلڈ ان اردو کے صفحہ ۲۲ پر ہمیں ملک تبت میں دو شہر یہ اور ملے ہیں"

(۱) کمبو لا ڈوار" (۲) کمپیا تزونگ" (کمبو جاز")

دیگر شہر جو ہمیں مختلف کتابوں اور اخباروں سے معلوم ہوئے ہیں۔ وہ یہ ہیں"

(۱) کمبالوک" ملک ختا کا پایۂ تخت" (سفرنامہ مارکو پولو مؤلفہ ۱۲۹۸ء)"

(۲) کوہمبھی" سرکار لکھنؤ" (آئین اکبری جلد دوم حصّہ اوّل صفحہ ۵۵۴)

(۳) "کَھمبالیا" راجکوٹ سے دوارکا جانے والی ریل پر جام نگر سے آگے اسٹیشن ہے" (دو نقشہ ریلوے ہندوستان مرتبہ زیرِ نگرانی کرنل کمانڈنٹ ای اے ٹنڈ ے انجینیر سرویر جنرل ہندوستان")

(۴) "شہر کہمباٹا" در ملک حبش افریقہ" (روزنامہ رہبر دکن۔ ۹ ستمبر ۱۹۳۸ء صفحہ ۱ کالم ۱ و ۳")

(۵) "کَمبالا" در یوگنڈا علاقہ افریقہ" (انقلاب لاہور۔ ۲ ستمبر ۱۹۳۹ء صفحہ ۵ کالم ۳")

(۶) "کَنبالو" در برہما" (رہبر دکن۔ یکم مئی ۱۹۴۲ء صفحہ ۲ کالم ۲ و ۳)

(۷) "شہر کنبالو" در افریقہ" اِس شہر کا ذکر علامہ مسعودی المتوفی ۳۴۵ھ ہجری نے بھی اپنی کتاب میں کیا ہے" (علیگڈھ میگزین ماہ نومبر و دسمبر ۱۹۳۲ء صفحہ ۷۵ و ۷۶)

(۸) "کَمبار" برسرحد سندھ و بلوچستان" لاڑکانہ و شہداد پور کے درمیان" (نقشہ ریلوے ہندوستان مرتبہ سید معصوم علی سبزواری")

(۹) "موضع کَمباے" در صوبۂ خاندیش"

(۱۰) "قصبہ کمبھائے پال" در ریاست نظام دکن اورنگ آباد سے جالنہ جانے والی سڑک پر ہے" (ایڈورٹائزمینٹس ان روڈ ٹرانسپورٹ اسٹیٹ ریلوے روڈ سروس صفحہ ۲۱")

(۱۱) "قصبہ کمباوی" در ضلع گلبرگہ ریاست نظام دکن" (دیکھو نقشہ ریاست نظام")

(۱۲) "شہر کمبونا" در اسپینش مراکو شمالی افریقہ" (روزنامہ تیج دہلی۔ ۹ اگست ۱۹۳۱ء صفحہ ۳ کالم ۱ و ۲")

کمبو" اور اس کے مماثل ناموں کی "گھاس" "لکڑیاں" "اناج" "پرند" "خطاب" "علاقے" "پہاڑیاں" "خلیجیں" "دریا" "جزایر" "گھاٹیاں" "قلعے" "میدان"

"بھری گھاس" (۱) "کومبو" ایک قسم کی بھری گھاس کا نام ہے جس کا پتہ لمبا اور چوڑا ہوتا ہے" جسے جاپانی دلہن کو تحفہ میں دیتے اور اس سے اولاد ہونے کی مراد لیتے ہیں"

"گھاس" (۲) "کُمبھی" ایک قسم کی گھاس کا نام ہے" (کتاب ایلیمنٹری جنرل سائنس پارٹ دو برائے کلاس چہارم اینگلو ورنیکلر اسکول صفحہ ۲۵)

"درخت" (۳) "کُمبہ" ایک درخت کا نام ہے جو ہندوستان کے مختلف حصوں میں بکثرت ہوتا ہے" (کتاب باغبانی یعنی فریمنگرس مینول آف گارڈننگ کا ترجمہ حصہ دوم صفحہ ۵۳")

"اناج" (۴) "کَمبو" تامل یا اُردو زبان میں جو صوبۂ مدراس کے ایک حصہ میں بولی جاتی ہے "باجرے" کو کہتے ہیں" (رہنمائے مسافران ہند حصہ اول صفحہ ۱۵۲ و ۱۵۶ بولی چیسر لا اور ملا کا چہرہ قصبات کی پیداوار کے حالات ہیں") (روزنامہ نظام گزٹ حیدرآباد ۱۵ جولائی ۱۹۴۲ء)

"سینگ لکڑی" (۵) "کومبو" کنڑی زبان میں "سینگ" کو کہتے ہیں" اور اُردو یا تامل زبان میں "سینگ" کو بھی کہتے ہیں اور لکڑی یا چھڑی کو بھی کہتے ہیں"

"چھڑی" (۶) "کوبی کو کمبو" اردو یا تامل زبان میں" "ہاتھ کی چھڑی" کو کہتے ہیں"

"پرند" (۷) "کُمبہا" ایک حلال پرند کا نام ہے۔ اس کا ذکر ملک محمد جائسی نامور ہندی شاعر نے اپنی ایک نظم میں کیا ہے جبکہ علاؤ الدین خلجی کی دعوت راجہ رتن سین والی چتوڑ نے کی تھی۔ اس موقع پر میزبان نے اپنے میر مطبخ کو جن جن جانوروں کے فراہم کرنے اور پکانے کا حکم دیا ہے شاعر نے اُن کی تفصیل بتائی ہے" کمبہا پرند کا ذکر اس شعر میں کیا ہے۔

دھرے پریوا" پانڈک سیہری — "کمبہا" "کمدرو" اور تمر بگیری

ترجمہ: شکار کئے کبوتر" فاختہ ڈھونڈ — "کمبہا" "کمدرو" اور بگیری کو بھی لا

(اخبار سرگذشت علیگڈھ۔ ۱۶ نومبر ۱۹۳۷ء صفحہ ۷)

"خطاب" (۸) "کامبو اور جگا مبو" یہ تبت میں منصفات کے نام ہیں" (کتاب چنگیز خاں ۔۔۔ [illegible]

"دریا" (۹) "دریائے کونبہ یا گنبھر" معاون دریائے کابل "(اقبال نامہ جہانگیری ص۳۵ یعنی تاریخ ہندوستان حصہ ۹ مؤلفہ شمس العلماء "مولوی ذکاء اللہ" صاحب۔ و روزنامہ انقلاب لاہور ۱۱ اگست ۱۹۳۶ء ص۲ کالم ۳")

"دریا" (۱۰) "دریائے کمبوگا" در جزیرہ نیوگنی "(دیکھو نقشہ نظام گزٹ حیدر آباد دکن ۱۶ دسمبر ۱۹۴۳ء")

"دریا" (۱۱) "دریائے کیامبے" برازیل جنوبی امریکہ "(در فرانسیسی اٹلس")

"دریا" (۱۲) "دریائے کمبوکان" در جزیرہ سیلون یا لنکا")

"علاقہ" (۱۳) "علاقہ کمبانیہ" در سلطنت اسپین یا اندلس "قرطبہ سے شرقی و جنوبی سمت میں واقع ہے" (ترجمہ کتاب الاحاطہ فی اخبار غرناطہ حصہ اوّل)

"پہاڑیاں" (۱۴) "کمباتی یا کومباتی کی پہاڑیاں" در صوبہ سرحد ہند "(روزنامہ انقلاب لاہور یکم و ۲ ستمبر ۱۹۳۹ء ص۵ کالم ۲ و ۳)

"خلیج" (۱۵) "کھمبایت یا کمبایت یا کھمبے" گجرات کاٹھیاواڑ کی مشہور خلیج ہے" دیکھو نقشہ جات ہند درسی")

"پہاڑ" (۱۶) "کوہ کامبا" در ہند "(روزنامہ صحیفہ حیدر آباد دکن ۱۳ جون ۱۹۳۷ء ص۲ کالم چار")

"پہاڑ" (۱۷) "کوہ کمبالا" در شہر بمبئی "(رہنمائے مسافران ہند حصہ اوّل ص۵۵ و رفیق مسافران ص۳۷")

"پہاڑ" (۱۸) "کوہ کھمپانگ" (در ملک سیام")

"پہاڑ" (۱۹) "کوہ کنبا لو" (در جزیرہ بورنیو") اور "کنبا جینگ" چوٹی ہمالیہ پہاڑ (۲۵ ہزار ۸۲ فٹ بلند) کنچن جنگا چوٹی سے تبت کی سمت

"جزیرہ" (۲۰) "جزیرہ کیمبوجی" در مشرق اقصیٰ "(روزنامہ رہبر دکن ۱۹ دسمبر ۱۹۳۷ء ص۳ کالم ۳")

"قلعہ" (۲۱) "کمبا فورٹ" در کشمیر "(روزنامہ انجام دہلی ۱۳ دسمبر ۱۹۴۷ء ص۴ کالم ۱")

"قلعہ" (۲۲) "کنبہ کوٹ" در گجرات "(مرآۃ محمدی یعنی مکمل تاریخ اسلامی گجرات ص۴۶")

"میدان" (۲۳) "میدان ہائے کمپانیان" در ملک اٹلی "(حالات روما یعنی تاریخ سیر المتقدمین ص۳۳")

"گھاٹی" (۲۴) "کھمبو گھاٹی" سرحد روس و افغانستان پر "(روزنامہ اودھ اخبار لکھنؤ" ۲۷ فروری ۱۸۸۵ء نمبر ۵ جلد ۲۷ صفحہ ۵۸" و "اخبار خیر خواہ عالم دہلی یکم مارچ ۱۸۸۵ء نمبر ۹ جلد ۱۴ ص۶) بحوالہ اخبار انگریزی پانیر الہ آباد ۲۱ فروری ۱۸۸۵ء)

"ندی" (۲۵) "کنباس ندی" معاون دریائے گنگا "(اکبر نامہ جلد سوم ص۱۱۲)

"دریا" (۲۶) "دریائے کنپانگ" در جزیرہ بورنیو "(از کتاب خوفناک دنیا" و انقلاب لاہور ۱۸ جنوری ۱۹۳۸ء ص۱۵ کالم ۲")

"کمبو" اور اس کے مماثل نام کے اشخاص دنیا کے مختلف حصوں میں

جس طرح کمبو اور اس کے مماثل نام کی مختلف النسل بہت اقوام دنیا کے مختلف حصوں میں ہیں اسی طرح مختلف ممالک میں اشخاص کے نام بھی ہیں ملاحظہ ہو "

(۱) "جنرل کنبو چینی" (روزنامہ صحیفہ حیدر آباد دکن ۶ دسمبر ۱۹۳۶ء ص۱ کالم ۴")

(۲) "ایم کیمبون سفیر فرانس" (کتاب ہٹلر کا میدان جنگ ص۲۹")

(۳) "لارڈ کمبرلی کالونیز سیکرٹری گورنمنٹ برطانیہ" (کتاب جنگ ٹرانسوال ص۵۵ و ۹۵")

(۴) "مسٹر اے ڈی کومبی آئی۔ سی۔ ایس۔ انگریز معتمد مال ریاست نظام دکن" (روزنامہ پیام حیدر آباد دکن ۱۳ مارچ ۱۹۳۸ء ص۴ کالم ۴")

(۵) "سر جان اے کومبی انگریز لیڈر ترقی پسند جماعت مجلس مقننہ بمبئی" (روزنامہ صحیفہ حیدر آباد دکن ۴ دسمبر ۱۹۳۷ء ص۲ کالم ۴)

(۶) "کمبھ کرن" راون راجہ لنکا کا بھائی "(روزنامہ انقلاب لاہور ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۷ء ص۴ کالم ۱")

(۷) "ایچ آر کمبھا دی" ہندوستانی کرناٹکی "(روزنامہ صحیفہ حیدر آباد دکن ۲۳ دسمبر ۱۹۳۷ء ص۲ کالم ۱")

(۸) "کمبھا رشی" مشہور مصنف راماین"

(۹) "رانا کونبھا" مسند نشین ۱۴۳۳ء راجپوت" (کارنامہ راجپوتان ص۲۶۹)

(۱۰) "کمبونی" امریکی جرائم پیشہ گروہ کا ایک سردار" (روزنامہ پیام حیدرآباد دکن ۱۱ جولائی ۱۹۳۸ء ص۲ کالم ۳)

(۱۱) "مسٹر اے۔ ایس۔ اے کمبھار اکیمہ" مدراسی برہمن" (انگریزی اخبار دی ہندو فرائی ڈے، نومبر ۱۹۳۸ء ص۲۲)

(۱۲) "قنبو اغلو مصطفےٰ آفندی ترک" (روزنامہ رہبر دکن پنجشنبہ ۲۳ نومبر ۱۹۳۹ء ص۵ کالم ۳)

(۱۳) "جنرل گمبارا" اطالوی جنرل" (رہبر دکن حیدرآباد ۱۵ اگست ۱۹۳۹ء ص۳ کالم ۳)

(۱۴) "پول کامبون" سفیر فرانس" (روزنامہ پیام حیدرآباد دکن ۱۶ فروری ۱۹۳۸ء ص۸ کالم ۵)

(۱۵) "موتنگ کھومبو" برمی نام ہے" (کتاب حالات برہما کے ص۳۲ پر ہے) "مردوں کے نام اس طرح کے ہوتے ہیں "موکانجی"
"موتنگ، پوتانگ" "موتنگ کھومبو"

(۱۶) "فیوکو کومباموتو" جاپانی عورت کا نام" (رسالہ بیسویں صدی لاہور سالنامہ ۱۹۳۸ء ص۱۱۵)

(۱۷) "کام بوزیا اوّل شہنشاہ ایران" (کیقباد اوّل)

(۱۸) "کام بوزا دوم شہنشاہ ایران" (کیقباد دوم) المتوفی ۵۲۹ قبل مسیح" جس کی اولاد بن جانے کے لئے مؤلف تاریخ کمبوہان نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے"

(۱۹) "کنباج بن نہروال بن ہند بن حام بن حضرت نوح" جس کے نام پر ایک شہر بھی آباد ہوا" اس کے نام کی تحریف کر کے مؤلف تاریخ کمبوہان نے بجائے کنباج کے کمبوج لکھا ہے اور اس کے نام پر بجائے شہر آباد ہونے کے ملک کمبوج کا آباد کرنا اپنی جدت طبع سے ظاہر کیا ہے" اور حوالہ تاریخ فرشتہ کا ہی دیا ہے" (دیکھو فرشتہ و تاریخ کمبوہان)

(۲۰) "مسٹر کمکو" چیرمین پراونشل گورنمنٹ آف کوریا" (روزنامہ میزان حیدرآباد دکن جمعرات ۲۵ اکتوبر ۱۹۴۵ء ص۲ و اخبار رہبر دکن)

کمبو کے مماثل نام رکھنے والی اقوام

قوم کمبا (سفرنامہ "او گنڈا و ممباسا در برٹش ایسٹ افریقہ کے حبشی و وحشی باشندوں کے حالات" مطبوعہ خادم التعلیم سٹیم پریس لاہور در ۱۹۱۰ء" کے ص۵۹ تا ص۶۰ پر تحریر ہے کہ "کنہ مجوراً" سے واپس آگیا اب ہم اس مقام پر آتے ہیں" جو "نزد لیٹے" سے شمال کی جانب "چاکوس" کے نام آباد ہے" یہ مقام "ممباسہ" سے تین سو میل کے فاصلہ پر ہے" شیریں چشموں کے کناروں پر خود رو گھنزار وادی مسرت خیز ہے" یہاں "قوم کمبا" کثرت سے آباد ہے" پہاڑ ہونے کی وجہ سے شب کے وقت سردی زیادہ ہوتی ہے" معمولی خیموں میں بلا تین چار کمبلوں کے رات کاٹنی مشکل ہے" پہاڑیوں میں ہر قسم کی گلدار بیلیں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہاں ہندوستانی اور انگریزی ترکاریوں کی کاشت کا تجربہ کیا گیا ہے اور نتیجہ خاطر خواہ نکلا ہے" آلو۔ مکی "مٹر" "سم" اور شکر قندی" کی کثرت سے پیداوار ہے" نشیب میں چھوٹے چھوٹے چشمے جوش شباب میں لہریں مار رہے ہیں" باشندے اپنے مویشی چرانے میں مصروف ہیں"

"کمبا قوم" کی طرز معاشرت اور رسم و رواج نہایت عجیب ہیں اور ان کا اندراج ناظرین کے لئے قابل دلچسپی ہوگا" ان کا قد متوسط ہے" نہ لمبا ہوتا ہے نہ چھوٹا لیکن ان کے جسم مضبوط اور سڈول ہوتے ہیں یہ لوگ محنت کش اور بردبار ہیں" ان کی پوشاک صرف ایک بکری یا ہرن کی کھال ہے جس کو کندھوں پر لٹکائے پھرتے ہیں اس سے ستر پوشی مراد نہیں ہے" بلکہ اپنی امارت دکھانا مقصود ہے" انگریزی حکومت کی بدولت اب کپڑا بھی نصیب ہوگیا ہے" مگر سوا گزسے زیادہ استعمال نہیں کیا جاتا" اور وہ بھی اسی طرح کہ اس کو گیرو اور چربی میں رنگ لیا جاتا ہے" یہ لوگ دوسری افریقی قوم سے بہت جلد شناخت کئے جا سکتے ہیں" کیونکہ یہ لوگ لباس کی طرح اپنے بدن کو

بھی گیرو اور سیاہ مٹی سے چربی ملا کر رنگتے ہیں۔ اور اپنے اگلے دو دانتوں کو ریتی سے نوکیلا بنا لیتے ہیں۔ ان کی مستورات یا بانکے چھبیلا نوجوان مرد آئینہ کا چھوٹا سا گول ٹکڑا ماتھے پر لٹکاتے ہیں۔ اور سرخ و زرد چھوٹے موتیوں کی لڑیاں پنڈلیوں اور بازوؤں پر باندھتے ہیں۔ چونکہ ان کے مویشیوں کو جنگل میں رہنا پڑتا ہے اس لئے ہر فرد بشر تیر اور کمان سے لیس ہوتا ہے۔ ان کے تیر عموماً چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں۔ لیکن جنگ کے موقع پر جو تیر برتے جاتے ہیں وہ قدرے لمبے اور مضبوط ہوتے ہیں۔ ان کے پھلوں کو زہر آلود کیا جاتا ہے۔ اگر ذرا سی خراش جسم پر لگ جائے تو زخم اچھا نہیں ہوتا۔ ان کی مستورات پیتل کے تاروں اور موتیوں کی بڑی دلدادہ ہوتی ہیں۔ ابھی چار پانچ سال گزرے ہیں کہ یہ لوگ تاروں کے چند گچھوں اور موتیوں کے عوض گائے اور بکریاں دینے میں عذر نہیں کیا کرتے تھے۔ لیکن زمانہ کی رفتار دیکھ کر اب یہ لوگ بھی اپنے مال کی خاطر خواہ قیمت وصول کر لیتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں بکری اور گائے کی قیمت علی الترتیب بیس اور اسّی روپیہ پڑتی ہے۔

کنواری لڑکیوں کی پہچان یہ ہے کہ ان کے سر اردگرد سے منڈے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور [illegible] ایک گاؤں میں پانچ سے لیکر پندرہ جھونپڑے ہوتے ہیں۔ لکڑیوں کو سیدھا دیوار سا کھڑا کر کے مٹی اور گوبر سے لیپ لیتے ہیں۔ اور گھاس یا سرکنڈوں کی چھت بناتے ہیں۔ ہر ایک گاؤں کا ایک سردار ہوتا ہے۔ اور وہ باہمی تنازعوں اور جھگڑوں کا فیصلہ کرتا ہے۔ سرداری میراث کے طور پر اولاد کو نہیں ملتی بلکہ جس کے پاس زیادہ گائے بیل ہوں وہ ہی سردار کہلا سکتا ہے۔ جملہ سرداروں کی سال بھر میں ایک میٹنگ ہوتی ہے۔ اس میں سب بوڑھے اور تجربہ کار لوگ جمع ہوتے ہیں۔ اور اپنی اپنی ذہانت و تجربہ سے اپنی قوم کے ناتجربہ کار آدمیوں کو مستفید کرتے ہیں۔

شادی کی رسم یہ ہے کہ جب لڑکی اور لڑکا ایک دوسرے کو پسند کر لیتے ہیں تو لڑکی کے والدین کو خبر کی جاتی ہے۔ اور اس کی قیمت جس قدر مویشی مقرر کئے جائیں ادا کرنے پڑتے ہیں۔ لڑکی خاوند کے ساتھ چلی جاتی ہے۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو ایک جانور ذبح کیا جاتا ہے اور تازہ خون سے نومولود کے چہرے پر تلک لگائے جاتے ہیں۔ مردہ دفن نہیں کیا جاتا۔ بلکہ گاؤں سے کچھ فاصلہ پر جھاڑیوں میں چھوڑ آتے ہیں جہاں وہ صحرائی درندوں کا ناشتہ بن جاتا ہے۔ سردار قوم البتہ دفن کئے جاتے ہیں۔

ڈروما قوم والوں کی طرح ان کے گاؤں بھی مستقل نہیں ہیں۔ آج یہاں اور دو چار سال بعد [illegible] کسی گاؤں میں پے در پے دو چار اموات کا ہونا دیرینہ مقام کو تبدیل کرنے کا عذر ہوتا ہے۔

ایک فوجی افسر کی رائے ہے کہ یہ لوگ جنگ کے لئے کافی مضبوط نہیں ہیں۔ اور ان کی جنگ بھی ہمیشہ بے قاعدہ ہوتی ہے۔ کسی جرنل یا سردار کی جنگ کے موقع پر ان کو ضرورت نہیں ہے۔ جو جس کی مرضی میں آتا ہے کرتا ہے۔ ایک شخص کا چشم دید بیان ہے کہ ان کی جنگ صرف اس قدر ہوتی ہے کہ کسی پوشیدہ مقام سے دو دو چار چار تیر چلا دیئے اور جب ترکش خالی ہو گیا تو گھر کی راہ لی۔

ان کے مذہبی خیالات بھی عجیب ہیں۔ یہ لوگ فوق المخلوقات طاقت یا طاقتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ ہر گاؤں کے پاس کوئی بڑا درخت یا چٹان ہوتا ہے جس سے مشکلات کے حل کے لئے دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ اور وہ مقام اتنا متبرک گنا جاتا ہے کہ اس کے قریب سوائے سردار قوم یا پجاری کے اور کوئی نہیں جا سکتا۔ خشک سالی کے ایام میں جانوروں کی قربانیاں [illegible] ہوتی ہیں۔ اگر قربانی کرنے کے دو چار روز بعد یا اسی دن بارش ہو جائے تو یقین کیا جاتا ہے کہ اس درخت یا چٹان نے [illegible] قبول کر لیا [illegible] جاتی ہے۔ اور جب تک بارش نہ ہو [illegible] جاری رہتا ہے .... یہ لوگ [illegible] کہتے ہیں کہ انسان کی زندگی مثل عام درختوں کے ہے پیدا ہوتا ہے [illegible] پھولتا ہے۔ اور آخر ایک دن سوکھ جاتا ہے۔ [illegible] لوگوں کی نسبت ان کا خیال قابل مضحکہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آدم خور قوم ہے۔ [illegible] جو کسی جرم کی پاداش میں آسمان سے نکال دیئے گئے ہیں۔ ایک گاؤں کے باشندوں کا خیال تھا کہ یہ لوگ [illegible] کو نکالنے ہیں۔ ورد شب کے وقت سونے کو آسمان پر چلے جاتے ہیں۔ [illegible] کا راستہ تلاش کر رہے ہیں۔ شام کے وقت [illegible]

"دیوتاؤں کی ناخوشی اور رضامندی کا نتیجہ کہتے ہیں۔"

کمبا قوم کی معاشرت "ڈھیٹا" اپنے جھونپڑے لکڑی اور گھاس کے بناتے ہیں۔ لیکن ڈروما والوں کی طرح اُن کے مکانات چھوٹے چھوٹے اور پست قد نہیں ہوتے۔ بلکہ اُن کی گنبدنما چھتیں دس دس فیٹ اونچی ہوتی ہیں۔ یہ لوگ زراعت بھی کرتے ہیں۔ ان کے کھیتوں میں "کنّا" "مکی" "تمباکو" "شکر قندی" کی پیداوار کثرت سے ہوتی ہے۔ چونکہ یہ لوگ تجارت کے فوائد سے آگاہ ہو گئے ہیں۔ ان میں سے بعض بعض لوگ "شتر مرغ" "گائے" اور "مرغیاں" پالتے ہیں۔ اور "ممباسہ" کی طرف سوداگری کے لئے لے جاتے ہیں۔ جہاں ان کو معقول منافع ملتا ہے۔ ان کے کھیت عموماً پہاڑی کے پیروں میں ہوتے ہیں۔ "پھاوڑہ" "ہل" یا "کھرپا" وغیرہ کی قسم سے ان کے پاس آلاتِ زراعت نہیں ہوتے ہیں۔ نوکدار لکڑیوں سے زمین کو بنا لیتے ہیں۔ اور بارانِ رحمت پر ان کی پیداوار کا دارومدار ہے۔

اِن کی ہمسایہ اقوام "مسائی" اور "کمبا" بہت شریر ہیں۔ جس وقت اِن بے چاروں کی کھیتیاں تیار ہوتی ہیں، لُوٹ لے جاتے ہیں۔ لیکن برٹش عملداری ہونے سے بچاؤ ہو گیا ہے۔ اور اب امید کی جاتی ہے کہ یہ لوگ زراعت کا سلسلہ میدانوں اور دریائے "دورت" کے کنارے کنارے دور تک پھیلا دیں گے۔

قوم کمبوا یا روزنامہ رہبر دکن حیدرآباد دکن مورخہ ۲۸ اپریل ۱۹۳۷ء مطابق ۲۲ خورداد ۱۳۴۶ف کے صفحہ ۶ کالم ۴ پر تحریر ہے کہ "اشتہار از محکمہ عدالت مفصلی تعلقہ کانات ضلع نارسنگی اسٹیٹ نواب کمال یار جنگ بہادر دام اقبالہٗ واقع ۱۴ خورداد ۱۳۴۶ف نمبر مقدمہ ۵ رجسٹر ما بابت ۱۳۴۶ف مسمی اجیا اگروا مولوی قمرالدین صاحب منصف تعلقہ کانات۔"

"دربارہ ... (مدعی) بنام پوڈری پوڈری راگھویا (مدعا علیہ) دعویٰ دلاپانے زر نقد مبلغ رما صہ ۲۶۵ سکہ عثمانیہ۔"

"بنام پوڈری پوڈری راگھویا ولد سیورامیا قوم کمبوا لہٗ عمر تیس سال پیشہ زراعت ساکن کوڑنگل تعلقہ کانات۔"

"ہرگاہ مقدمہ صدر میں تم کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ تمہارے نام متعدد مرتبہ سمن اجرا ہوئے لیکن ذات پر تعمیل نہیں ہوئی۔ اس لئے حسب خواہش مدعی اشتہار بذا طبع اجرا کیا جاتا ہے کہ بتاریخ تیس خورداد ۱۳۴۶ف روز سہ شنبہ بوقت آٹھ ساعت اصالتاً یا وکالتاً بمقام مستقر پیشیال حاضر عدالت ہو کر جواب دہی کرو۔ بصورت غیر حاضری حسب ضابطہ کارروائی ہو گی۔ آج بتاریخ ۱۴ خورداد ۱۳۴۶ف میرے دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا۔" (دستخط سررشتہ دار، صاحب عدالت)

قوم کمبو سہ روزہ اخبار الامان دہلی بابتہ ۲۸ جون ۱۹۳۵ء کے صفحہ ۵ کالم چار پر "کوہ ایورسٹ پر ایک اور حملہ" "اِس مرتبہ تبت پر چڑھائی کی جائے گی" کی سرخی کے تحت تحریر ہے کہ "لندن۔۔ ۲۵ جون ۱۹۳۵ء بذریعہ برطانوی لاسلکی" رائل جغرافی سوسائٹی کے خطبۂ صدارت کے موقع پر "میجر جنرل سر پرسی کاکس نے" "کوہ ایورسٹ پر" "از سر نو چڑھائی کرنے کے قصد کا اظہار کیا کہ کمیٹی اس مرتبہ لائحہ عمل سے بالکل مختلف پروگرام اختیار کرنے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ ایک مختصر جماعت "مسٹر ایرک شپٹن" کے زیر سرکردگی۔ (جو پچھلی مرتبہ بھی پارٹی میں شامل تھے) "تبت" پہنچ چکی ہے۔ اور مغربی جانب سے چڑھائی کرنے والی ہے۔ اگر ممکن ہو سکا تو جماعت اِس امر کا مطالعہ کرے گی کہ پہاڑوں کی مان سون ہواؤں سے قبل کیا کیفیت رہتی ہے۔ "میجر سی جی مارسن" "جو اہل نیپال" اور اُن کی زبان سے کما حقہٗ واقفیت رکھتے ہیں، "نیپال" "کمبو قوم" کے قبیلوں سے تعلقات بڑھائیں گے۔" "خاص تحقیقاتی جماعت اس بہار کے آغاز میں ہم پر روانہ ہو جائے گی۔" اور اس مرتبہ بھی اس پارٹی کے لیڈر "مسٹر رگ" ... گئے۔"

(نوٹ علی قوم کمبوا لہٗ "زمانہ قدیم اور مرہواڑی یا مہاراشٹر میں بھی کافی تعداد میں ہے۔" کاشتکاری اور کتابیں بنانے کے پیشے کرتی ہے۔ "سیواجی کے زمانے میں اس قوم کے لوگ بڑے کام بھی کرتے تھے اور جاسوسی کے کام بھی کرتے تھے۔ ان میں "نانا جی" اور "طارام" جاسوس تھے۔ بھیس بدل کر گھوما کرتے پھرتے اور ہر جگہ کی خبریں لاکر مرہٹہ راجاؤں کو پہنچاتے تھے۔")

قوم کمبرین | "حالات روما" یعنی تاریخ سیر المتقدمین "مترجم محمد سعید خاں کے صفحہ ۱۹۱۸ پر ہے کہ "چھٹی فصل" "قوم گال کا" "اٹلی میں آنا"
۳۹۰ تا ۳۲۶ قبل مسیح "وہ ملک جو اٹلی کے شمال میں" "کوہ ایلپائن کے گرد واقع ہے۔ اس میں ایک قوم جو "قوم کلٹ" کے تھی ...... ہر
جگہ اس قوم کلٹ کے خط و خال "زبان و اسلحہ جنگ" "لباس" وغیرہ سب ایک ہی سا تھا۔ اور اب بھی اُن کی نسل کے لوگ جو اُن پہاڑوں
وغیرہ میں آباد ہیں جو گو دیگر اطلاعات دیگر آدیبانوں کے واقع ہیں بہت صورتوں میں انہیں کے پتے دیتے ہیں" جہاں کہیں ہم اُن کا حال سنتے
ہیں۔ خواہ "کلٹ" "پیل" "گال" "گیلیشین" "ویلش" "بلجائی" "سمری" "سمار نیز" اور خواہ "قوم کمبرین" یعنی "مبرین"
وہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے نظر آتے ہیں "نیلی آنکھیں" "سیاہ یا سرخ بال" طبیعت میں جرات اور پھرتی اور جنگ سمائی ہوئی"
اطاعت گذار نہیں "نازک" "ہنرمند" یہ ساری باتیں اب تک اُن کو دیگر اقوام سے تمیز کرتی ہیں"

ذات کمبھ | ترجمہ آئین اکبری جلد اول حصہ دوم مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کے صفحہ ۱۵۹ پر تحریر ہے کہ "صوبہ کابل"
"سرکار کشمیر" "پرگنات شرقی و جنوبی" "گیارہ محل" "سوپہ، ذات کمبھ ...... اور صفحہ ۱۹۶ پر تحریر ہے کہ "اس زمانے میں یہ ملک
شاہی قلمرو میں داخل اور بے شمار ایرانی و تورانی و کشمیری نسل کے مختلف قبائل و اقوام کا بہترین ملجا و ماویٰ ہے"

خاندان کمول" / آلِ کمول" | سہ ماہی رسالہ تاریخ حیدرآباد دکن بابتہ ماہ جون ۱۹۴۲ء کے صفحہ ۲۶۵ پر تحریر ہے کہ "راحت افزا کا مصنف"
"سید محمد علی بن سید محمد صادق الحسینی" "آلِ کمول" سے ہے "آلِ کمول" عراق عرب کے سادات عالی درجات کا
مشہور خاندان ہے" اور اس میں بڑے بڑے علماء و فضلاء پیدا ہوئے ہیں" بنی عباس کے دوسرے خلیفہ ابوجعفر عبداللہ المنصور"
کے عہد خلافت سے" عراق عرب کی نقابت و نیابت اس خاندان میں بطور میراث چلی آرہی ہے" "سید محمد کمول" اس خانوادہ کا نامور
شخص گزرا ہے" شاہ اسمٰعیل صفوی" (۹۰۶ ہجری تا ۹۳۰ ہجری) نے ۹۱۳ ہجری میں بغداد فتح کیا۔ تو سید محمد کمول کو نجف اشرف
کا متولی اور عراق عرب کے بعض شہروں کا حاکم بنا دیا" راحت افزا کا مصنف اسی سید محمد کمول کی اولاد سے ہے" ....

قوم کومی | کتاب "ساویٹ روس" "سیاحت روس" پنڈت جواہر لال نہرو (وزیر اعظم ہند) پبلشرز لاجپت رائے اینڈ سنز" کے صفحہ ۱۱۰
پر تحریر ہے کہ "ساویٹ یونین میں تمام اقلیتوں کا شمار خالی از دلچسپی نہیں جن میں "پول" "یوکرینین" "استھونین" "جرمن" "فنس"
"یہودی" "آرمینین" "سفید روسی" "سمرنیڈ" "آسٹیاکس" "اسکیمو" "قرغیز" "برکا ہین" "ادایت" "چوارش" "کومی" "ماری"
"انگش" "کالمک یا کلماک" "موردوا" "اسمر" "شمالی قفقاز کے" "اسامرن" "اور کرائین" ہیں یہ فہرست مکمل نہیں ہے"

قوم کمہا | روزنامہ رہبر دکن حیدرآباد دکن بابت ۲۳ اکتوبر ۱۹۳۸ء کے صفحہ ۲ کالم ۳ میں "کمہا فرقہ کی استدعا" کی سرخی کے تحت لکھا ہے کہ "آج
"کمہا فرقہ" کی جانب سے ایک درخواست معتمد صاحب مالگذاری کی خدمت میں پیش کر کے انہیں اس طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ "محفوظ اقوام
کی فہرست میں جو بہ اغراض دستور العمل انتقال اراضی تیار ہوئی ہے "قوم کمہا" کو نظرانداز کر دیا گیا ہے" اور "ریڈی" اور "کاپو"
قوموں کا ذکر کیا گیا ہے" ...... درخواست یہ ہے کہ "کاپو" کے ساتھ "ریڈی" کو بھی درج کیا گیا ہے "تو کمہا کا ذکر بھی ضروری ہے"

قوم کمبو | تاریخ کمبوہان میں مصنف نے ایک جگہ خود تحریر کیا ہے" اب پنجاب میں ہماری قوم کمبو کے نام میں سے "ب" متروک ہو گیا ہے
اور یہ "قوم کمبو" وہاں "کمو" بولی جاتی ہے"

"خاندان کنگو" "کنبوہی یا کنبو"

حضرت شہزادہ سید ریم حواری رسول اللہ صلعم کی اولاد سے مشہور خاندان ہے۔ جس کا اسی کتاب میں کافی ذکر آچکا ہے"

اسی قبیل کی دیگر اقوام | قوم کوہاٹ "خاندان ہیانی" "خاندان کھو مبو" "قوم کنپادت" "قوم کونپاوت" "قوم کمبوج" "خاندان قبرانی"
ناموں کی مشابہ النسل اقوام اور بھی ہیں ان کے متعلق ہم نے اس کتاب کی دوسری جلد میں جس میں ہم نے مؤلفات تاریخ کمبوہان
کی تحقیقات کی حقیقت دکھائی ہے اور جو اس موجودہ جلد سے بھی ضخیم ہے وضاحت سے لکھا ہے" یہاں اسی پر اکتفا کرتے ہیں"

دیگر ہمنام و مماثل نام رکھنے والے مگر مختلف النسل قبایل و اقوام

(۱) عربی قبیلہ "شیبانی" (۲) ترکی قبیلہ "شیبانی" (۳) برہمن خاندان "نہرو" (۴) راجپوت خاندان "نہرا" (۵) سید خاندان "نہری" (۶) دیگر خانوادے اور قبایل "نارو" "ناروی" "نوہروی" "نہروانی" "اور نہروالا" "مادرا نہری" وغیرہ ہیں۔

"نارو" ایک کپڑے اور جزیرہ کا بھی نام ہے" اور "نہر جوری" ایک بزرگ کا خطاب ہے" جس طرح کے ملتے جلتے ناموں کے یہ خاندان قبایل ہیں اسی طرح سے (۷) اقوام "بٹ" "بھٹ" "بھٹی" "بھٹے یا بھٹی" "بوٹانی" "بھٹہ" "بھوٹہ" "بھاٹیا" "بھاٹی" "بھٹانی" "بھٹیانی" "بھوٹانی" "بھاٹیلا" "بھٹناگر" "بھٹانا" "بھٹیارا" "بھٹاچاری" وغیرہ ہیں" (۸) اور افغان خاندان "سوری" اور ہندو خاندان "سوری" بھی ہے" اور "سوریا" "سورے" اور "سوریانی" وغیرہ نام بھی ہیں۔

ایک ہی نام کے "دریا" "اشخاص" "خاندان" "پہاڑ" "قصبے"

(۱) دریائے "سندھ" (۲) "سندھ ندی" (۳) تحصیل "سندھ" (۴) "سندھی نام شخص" (۵) خاندان "سندھیا" (۶) مسٹر "سوندھی" (۷) ذات "سدھوانی" (۸) "گومتی ندی در اودھ" (۹) "گومتی نام کی دو ندیاں در راجپوتانہ" (۱۰) "گومتی نام کی پہاڑیاں در صوبہ جلتر" (۱۱) "بان گنگا" در راجپوتانہ" (۱۲) "بین گنگا" در دکن" (۱۳) "گنگا یا گوداوری" در ریاست نظام دکن" (۱۴) "گنگا" شمال مشرق ہندوستان کا مشہور دریا" (۱۵) "رام گنگا" در روہیل کھنڈ صوبہ یو-پی" (۱۶) "کشن گنگا" در کشمیر" (۱۷) "دریائے "گھاگرہ" ریاست بیکانیر میں" (۱۸) دریائے "گھاگرہ" معاون دریائے "گنگا" در ضلع گورکھپور" (۱۹) دریائے "راین" در فقفاز" (۲۰) "دریائے راین در جرمنی" (۲۱) موضع "لونی" قریب پونہ" (۲۲) موضع "لونی" در دکن ضلع بیدر میں" (۲۳) قصبہ "لونی" در ضلع میرٹھ قریب دہلی" (۲۴) "جودھپور" ضلع لدھیانہ پنجاب میں" (۲۵) "جودھپور" مشہور شہر و ریاست در راجپوتانہ" (۲۶) قصبہ "ہمیرپور" در ضلع کانگڑہ پنجاب" (۲۷) شہر و ضلع "ہمیرپور" در یو-پی" (۲۸) جزیرہ "تبت" (۲۹) شہر "تبت" (۳۰) ملک "تبت" وغیرہ وغیرہ۔

اقوام جو اپنے پیشوں یا سکونتی مقاموں یا دیگر وجوہ سے مشہور ہیں

(۱) قوم "زمیندار" (۲) قوم "مہاجن" (۳) قوم "مولوی" (۴) قوم "عیسائی" (۵) قوم "جہیوہ" (۶) ذات "کھتوریہ" (۷) قوم "سکروال" (۸) قوم "ملتانی" (۹) قوم "چشتی" (۱۰) خانوادہ "چشتی" (۱۱) قوم "ہندیالیا" (۱۲) ذات "امیر عثی" (۱۳) حاجی خاندان" (۱۴) ذات "بجاج" (۱۵) قوم "فقیر" (۱۶) قوم "قصاب" (۱۷) قوم "خواجگان" (۱۸) "اکیانی" (۱۹) "کیانی" (۲۰) قوم "سوانی" (۲۱) خاندان "نخشی" (۲۲) خاندان "توکیان" (۲۳) "خاندان سکیٹی" (۲۴) "خاندان قاضی زادگان" (۲۵) خاندان "دانشمندان" (۲۶) خاندان "ٹریگہ" (۲۷) "ڈنکوری" (۲۸) خاندان "بادہ پوتیان" (۲۹) خاندان ملقب "بمرزا" (۳۰) خاندان "منات پوتہ" (۳۱) خاندان "قریباشی" (۳۲) خاندان "حفاظ" (۳۳) خاندان "بڑے" (۳۴) خاندان "وکیلان" (۳۵) خاندان "کاہوڑہ" (۳۶) خاندان "جاموٹ" (۳۷) قوم "میر" (۳۸) قوم "باڈا" (۳۹) ذات "گوالیری" (۴۰) ذات "اکبرآبادی" (۴۱) قوم "ستلان" (۴۲) قوم "پردیسی" (۴۳) قوم "ہندوستانی" (۴۴) قوم "درانی" (۴۵) "منل ہیں مگر مارڈ واڑی کہلاتے ہیں" (۴۶) "پنجاب کے ہیں مگر سندھی کہلاتے ہیں" (۴۷) "غزنی کے ہیں مگر خیرآبادی کہلاتے ہیں" (۴۸) خاندان "دوباشی" (۴۹) ایک مشہور جاٹ خاندان جو "ہنگی" کہلاتا ہے" (۵۰) خاندان "ہلکر" (۵۱) قبیلہ "غسان" (۵۲) قوم "راولی" "قوم قدوائی"

ایسی مثالیں اور بہت ہیں" طوالت کے خیال سے ہم انہیں نظرانداز کرتے ہیں" ان سب کو تفصیل اور وضاحت سے ہم نے اس کتاب کی دوسری جلد میں جس میں مؤلف تاریخ کمبوہان کی تحقیقات کی حقیقت دکھائی ہے لکھا ہے اور وہیں ان کی اسناد بھی پیش کی ہیں۔

کیونکہ "صاحب المشاہیر رحمتہ اللہ علیہ" کے بیان کی صداقت روزِ روشن کی طرح ظاہر ہو چکی اور مؤلف امروہوی کی ان غلط بیانیوں کا بھی پردہ بخوبی چاک ہو چکا ہے "اس لئے اب ہم آگے بڑھتے اور دیکھتے ہیں کہ آگے وہ اور کیا فرماتے ہیں"

باب نوزدہم

"لیکن حسب روایت مذکورۂ بالا "نواب شہباز خاں" کے جدِ اعلیٰ "حاجی کمال الدین" براہِ راست "عرب سے" ہندوستان آئے "ان کا زمانہ آمد ساتویں صدی ہجری کا اوائل ہے" وہ نہ "کنبوہ" ہیں رہے "اور نہ "کنباہ" ہیں جب اُن کو نسباً "زبیری" لکھا جاتا ہے۔ تو وہ عرب میں یقیناً "زبیری یا اسدی" کے لقب سے معروف ہوں گے "نہ کنبوہ یا کمبوہ" کے لقب سے "پھر باوجود اس کے ان کا یا ان کی اولاد کا "ہندوستان آکر "کنبو یا کمبوہ" کے لقب سے ملقب ہونا کیا معنی" اس کے جواب میں اگر یہ کہا جائے کہ ان کی "قوم و قبیلہ عرب" کے لوگ جو ان کی آمد سے پیشتر ملتان میں آباد تھے "کمبوہ" کہلاتے تھے "ان کی قرابت بھی یہاں آکر انہی لوگوں سے ہوئی" اس وجہ سے یہ بھی "کمبوہ" مشہور ہوئے "لیکن یہ جواب قابلِ قبول۔ اور قرینِ قیاس نہیں" ہم دیکھتے ہیں کہ "ہندوستان میں "بنی ہاشم" اور "قریشی" کے مختلف لوگ "مختلف مقامات سے" مختلف زمانوں میں آئے "اور یہاں آکر ان کے باہم قرابتیں ہوئیں۔ لیکن جو جس جگہ سے آیا۔ آج تک اس کی اولاد اسی نسبت سے مشہور ہے "یہ نہیں ہوا کہ "خراسانی سید" بخاری سید" سے "یا واسطی" "مشہدی سے" قرابت کے سبب "بخاری یا مشہدی" مشہور ہو گیا ہو" اسی طرح "حاجی کمال الدین" جبکہ براہِ راست عرب سے آئے تھے "یا تو" اپنی نسبی نسبت "زبیری اسدی" کے ساتھ شہرت پاتے "یا مکانی نسبت کے لحاظ سے" اس مقام عرب سے "جہاں سے وہ آئے تھے" نہ کہ یہ کہ ان دونوں نسبتوں کے علاوہ۔ ایک تیسری نسبت سے "جس سے ان کا کوئی "نسبی تعلق تھا۔ اور نہ مکانی" یعنی کمبوہ کہلاتے" (ص ۳۵۳)

حاجی جمالؒ کے حالات میں مؤلف امروہوی کی غلط بیانی

مؤلف امروہوی کے اس بیان میں حسب ذیل چار باتیں توجہ طلب ہیں "(۱) پہلی تو یہ ہے کہ انہوں نے یہاں بھی "نواب شہباز خاں کے جدِ اعلیٰ کو جو براہِ راست عرب سے آئے تھے "بجائے حاجی جمال کے حاجی کمال الدین" تحریر کیا ہے "جو صحیح نہیں ہے" مؤلف موصوف خود بھی "مآثر الامراء جلد اوّل کے صفحہ ۵۰۶ پر "نواب شہباز خاں" کے حال میں لکھا دیکھ چکے ہیں کہ "شیخ ... اسلاف" وی حاجی جمال" ... وارد دو ... سے ... پہلے وہ "کنبوہ" یا "کنبوہ" لکھتے آئے ہیں "مگر یہاں انہوں نے "کنبو" یا "کمبوہ" لکھا ہے "کمبوہ" لکھنا قطعاً صحیح نہیں ہے "اس خاندان کے کسی بزرگ کے نام کے ساتھ "کنبوہی یا کنبوہ یا کنبوہ" کے سوا "کمبوہ" لکھا ہوا نہیں ہے"

(۳) تیسرے اُن کا یہ فقرہ کہ "پھر باوجود اس کے اُن کا یا اُن کی اولاد کا ہندوستان میں آکر "کنبوہ یا کمبوہ" کے لقب سے ملقب ہونا کیا معنی" دھوکے میں ڈالنے والا ہے "کیونکہ حاجی صاحب" خود تنہا تشریف لائے تھے "اُن کی ساری اولاد یہیں پیدا ہوئی" اور یہیں رہی "عرب میں اُن کے کسی بیوی یا بچے کے ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے"

(۴) چوتھے مؤلف صاحب کا یہ لکھنا بھی صحیح نہیں ہے کہ "حاجی صاحب" عرب سے آکر "کمبوہ" مشہور ہوئے "اُن کا تذکرہ جن جن کتابوں

میں بھی آیا ہے" اُن کے نام کے ساتھ "حاجی" اور "قاضی" کے لقب کے سوائے "کنبوہ" یا "کنبوی" کہیں بھی نہیں لکھا ہے" مؤلف موصوف کا فرض تھا کہ وہ جب "حاجی صاحب" کے نام کے ساتھ اِن القاب میں سے کوئی لقب دیکھ لیتے اُس وقت یہ بات لکھتے " مؤلف امروہوی کو اپنے مقصد کے حصول کے لئے بے اصل باتیں لکھ دینے میں خاص مہارت حاصل ہے" اسی لئے یہاں بھی اپنے مخصوص قاعدہ کے مطابق " سچ اور جھوٹ سے بے نیاز ہو کر انہوں نے ایسی بات لکھ دی جس کی کوئی سند وہ کسی رنگ میں بھی پیش نہیں کر سکتے "

حاجی جمال قدس سرہٗ کی اولاد کا اپنی ننھیال کے نسبتی لقب سے "ملقب ہو جانا" کوئی نرالی بات نہیں ہے

اب رہا یہ سوال کہ "حاجی صاحب" کی اولاد کیوں "کنبوی" اور "کنبوہ" کہلائی۔ تو جب یہ بات ظاہر ہے کہ "وہ عرب سے تنہا تشریف لائے تھے۔ اور متاہل ہونے کے بعد واپس نہیں گئے" اور ان کی اولاد جو اپنے ننھیالی خاندان ہی میں " رہی اُن کا ہم نسبتی اور اپنے نسبتی لقب سے اسی طرح مشہور ہو جانا جس طرح "مشہدی" "بخاری" "وغیرہ وغیرہ خاندان مشہور ہیں" اپنی آنکھیں کھولنے کے وقت سے اور پھر مسلسل قرابتیں ہوتے رہنے کی وجہ سے برابر شامل رہ کر اگر اپنے مادری خاندان کے نسبتی لقب سے موسوم ہو گئی تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے " اور اُن کی زبیریت میں اس سے کیا رخنہ پڑ گیا "

"ایک حدیث" "کسی قوم کا بھانجا انہیں میں سے ہے"

"ترجمہ صحیح بخاری جلد سوم صفحہ ۳۸۱ مطبوعہ حمیدیہ پریس دہلی" میں ہے کہ "حضرت انس رض" فرماتے ہیں "حضور صلعم" نے ارشاد فرمایا "کسی قوم کا بھانجا" انہیں میں سے ہے "

جنگ جمل کے موقع پر "حضرت علی رض کی گفتگو حضرت زبیر رض" سے

"شمس التواریخ جلد چہارم مطبوعہ مطبع الانوار" میں "جنگ جمل" کے موقع پر "حضرت زبیر رض" اور "حضرت علی رض" کی گفتگو کو ان الفاظ میں لکھا ہے کہ "پھر حضرت علی رض" "حضرت زبیر رض" کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہا "اے حضرت زبیر رض" آپ کو کس امر نے خروج پر آمادہ کیا "حضرت زبیر رض" نے فرمایا "آپ اس کے باعث ہوئے "حضرت علی رض نے فرمایا" کیا آپ حضرت عثمان رض کے بعد "مجھے خلافت کا مستحق نہیں سمجھتے" حالانکہ میں تو آپ کو اپنا عزیز اور "عبدالمطلب" کی اولاد سمجھتا ہوں "

علامہ شبلی کی ایک نظم کا وہ شعر جس میں حضرت عبداللہ بن زبیر رض کو ان کے والد بزرگوار کے ننھیال کے خاندان سے ظاہر کیا ہے

علامہ شبلی مرحوم نے اپنی جس نظم میں "امیر المومنین حضرت عبداللہ بن حضرت زبیر رض" کی لا مثال شجاعت "شہادت" اور ان کی والدہ حضرت اسماء رض ذات النطاقین بنت حضرت ابوبکر صدیق رض" کے استقلال کے واقعہ کو دکھایا ہے " وہ مشہور اور معروف ہے " اس نظم کا پندرہواں شعر یہ ہے "

خون بہتا ہے قدم پر تو کہا از رہِ فخر ... یہ ادا دیکھ کہ ہم "ہاشمیوں" کا ہے شعار

سب جانتے ہیں کہ "ہاشمی اور مطلبی" "حضرت عبداللہ بن زبیر رض" کے والد بزرگوار کی "ننھیال تھی۔ دادھیال نہ تھی" مگر جیسا کہ "رسول مقبول صلعم کے ارشاد مبارک" اور "حضرت علی رض" کے بیان سے ظاہر ہو چکا ہے " وہ جس طرح "اسدی زبیری" تھے " اسی طرح "ہاشمی اور مطلبی" بھی تھے " یہاں جو علامہ مرحوم نے اُن کو ہاشمی لکھا ہے " تو ننھیالی خاندان کے لقب سے موسوم کیا ہے "

متعدد خاندانوں و اشخاص کے "دوسرے القاب اور ناموں سے مشہور ہو جانے کا بیان" خود مؤلف امروہوی کے قلم سے"

حاجی صاحب کی اولاد کے اپنی نانہیال کے لقب سے موسوم ہو جانے کو تصور کرنے میں اب بھی اگر ان مؤلف صاحب کو کوئی عذر ہے تو ہم انہیں کی تحریرات سے اُن کو مطمئن کئے دیتے ہیں۔

(۱) تحقیق الانساب جلد چہارم کے صفحہ ۱۰۳۱ پر تحریر ہے کہ امروہے میں "ترکمانوں" کا ایک قدیم خاندان ہے جو عرف عام میں "بڑ پگہ" مشہور ہے "بڑ پگہ" حقیقتاً "دستار کلاں" کا ہندی ترجمہ ہے" اور "دستار کلاں" قوم ترکمان "کی خصوصیت ہے۔ اسی وجہ سے اِن کا ہندی لقب "بڑ پگہ" ہو گیا" اور صفحہ ۲۳۹ پر لکھا ہے کہ "ملا امان اللہ صدیقی" فضلائے عہد اکبری سے تھے" ان کی اولاد کی قرابتیں خاندان ترکمان (بڑ پگہ) سے زیادہ ہوئیں" سکونت بھی ایک جگہ رہی "مسلسل اور متواتر قرابتوں کی بنا پر" یہ خاندان بھی "عرف عام میں "بڑ پگہ" مشہور ہو گیا"

(۲) اور صفحہ ۱۶۹ پر ہے کہ "موضع جریک ضلع (سندھ) میں "مخدوم زادگان عباسی" کا ایک قدیم خاندان ہے جو زمیندار پیشہ ہیں "سندھی میں "زمیندار" کو "جاموٹ" کہتے ہیں" یہ حضرات بھی اِسی لقب سے ملقب ہوئے"

(۳) اور صفحہ ۱۶۶ پر لکھا ہے کہ "خلیفہ مستعصم باللہ" (آخری خلیفہ بغداد) کے چچا "ابو القاسم احمد" کی اولاد میں "شہزادہ احمد ثانی" "بن مزمل" "بن عقیل" "بن سہیل" "ابن ابو القاسم احمد" مذکور معہ چند "آل عباس رض" کے مصر سے ہجرت کر کے "کیچ و مکران" ہوتے ہوئے "سندھ" پہنچے" ان کے کئی بیٹے ہوئے" "ابو نصر محمد عرف امیر ابن" کی اولاد میں "امیر عبد القاہر" معروف بہ کاہر خاں" نے "شہر کاہر بیلہ" بسایا۔ ان کے پوتے "امیر چنی خاں" کے دو فرزند "امیر مہدی" اور "امیر داؤد" ہوئے" اوّل الذکر کی اولاد میں "میاں آدم شاہ" سندھ کے مشہور پیر طریقت تھے" مزار پُر انوار اُن کا "تکھری آدم شاہ" میں "سکھر" سے متصل ہے" ان کی نسل میں ۱۱۸۳ھ میں "سندھ" کی حکومت و سلطنت رہی" جن میں "نواب ثابت جنگ خدا یار خاں" "عباسی" "نواب غلام شاہ عباسی" وغیرہ مشہور حکمراں گذرے" یہ خاندان سندھ میں "کلہوڑہ" کے نام سے مشہور ہوا"

(۴) صفحہ ۱۶۸ پر ہے کہ "خاندان کلہوڑہ" کی آبادی" (ضلاع لاڑکانہ" وغیرہ میں ہے "خان بہادر محمد پریل عباسی" رئیس بادشاہ" ان میں موجود ہیں" انہیں کے بنی اعمام "حاجی پور" نواح (ملتان) کے قدیمی جاگیردار "مذہباً شیعہ" ہیں۔
"امیر داؤد" کی اولاد "داؤد پوترہ" کہلاتی ہے"

(۵) "شیخ ابن" کے نسب پر جن طریقوں سے مؤلف امروہوی نے اپنی کتاب میں طویل بحث کی ہے اور انہیں شیخ سے سید بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے اس کی ایک جھلک ہم "ملا عبد القادر بدایونی" صاحب منتخب التواریخ کے حالات کے ضمن میں اوپر دکھا آئے ہیں" انہوں نے اپنی ساری کوشش اپنے ناظرین کو یہ بات یاد کرانے میں صرف کی ہے کہ "شیخ ابن" اور اُن کی اولاد کی شادیاں "قریشی" "صدیقی" "فاروقی" اور "عباسی" خانوادوں میں ہونے کی وجہ سے یہ خاندان شیخ کہلایا" ورنہ اصل میں سید رضوی ہے" اپنے بیان میں مؤلف موصوف نے اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لئے جہاں اور توجیہیں کی ہیں وہاں سند میں "خلاصۃ الانساب قلمی" مؤلفہ سید ارشاد علی" "شفاعت پوتہ مرقومہ ۱۲۸۰ ہجری کی یہ تحریر بھی پیش کی ہے کہ۔

"ایک گروہ خاندان حضرت شاہ دین صاحب قدس سرہ کا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اگرچہ سیادت اور بزرگی اُن کی سامنے سے سنتے آئے ہیں" مگر یہ سب صاحب بسبب قرب و قرابت اور رشتہ داری "شیوخ عباسیہ" اور "قریشیہ" اور "فریدیہ" اور انصاریہ" کے "سیادت اپنی کو کم ظاہر کرتے ہیں"

بلکہ تقیہ کو کام فرماتے ہیں۔ اور اس مقدمہ میں ۔مثل چشمۂ آپ حیات کے سکندری طالع اپنے سے "ظلمات عافیت میں رہتے ہیں۔ اور بہ لحاظ اس بات کے کہ۔ اوّل ساتھ آخر کے نسبت رکھتا ہے"
یہاں بزرگی اور سیادت مخفی ان کی کو آخر ظاہر کیا" واللہ اعلم"

یہ کچھ ان خاندانوں پر ہی منحصر نہیں ہے۔ جن کے متعلق ابھی ہم نے مؤلف امروہوی کی کتاب سے لیکر خود اُن کے بیانات پیش کئے ہیں۔ بلکہ مؤلف موصوف ہی کے وطن امروہہ میں اور بہت خاندان ہیں جو دوسرے خاندانوں میں قرابت ہونے کی وجہ سے اپنے نسبی لقب کے بجائے اُن کے نسب سے موسوم ہیں" اور دیگر القاب سے بھی ملقب ہیں"

چنانچہ کتاب "انکشاف المعروف بہ تنقید محمود" کے صفحہ ۳۴ و ۳۵ پر تحریر ہے کہ "اب شہرت عامہ پر نظر دوڑائیے کہ "امروہہ میں کس قدر خاندان ایسے ہیں جو نسباً کچھ اور ہیں اور عوام اُن کو کیا سمجھتے ہیں"

جس طرح کہ شہرت عامہ میں ہمارے خاندان کو شیخ استعمال کرنے سے عوام نسباً **شیخ صدیقی** سمجھتے ہیں کیا اسی طرح خاندان **مرزا رفعت اللہ** محلہ سدّو کو جو نسباً **شیخ صدیقی** ہیں۔ لیکن عوام اُن کو **مغل** سمجھتے ہیں۔ کیا **مرزا مقصود علی محلہ چاہ غوری**" جو نسباً **مغل** ہیں اُن سے بوجہ قرابتداری کے ہر دو خاندان ایک نہیں سمجھے جاتے"

کیا **حکیم عبدالقیوم** عطار بازار گذری و **محمد اختر** محلہ **شاہی چبوترہ** جو نسباً **صدیقی** ہیں لیکن **کلالوں** میں رشتہ داریاں ہونے سے نسباً **کلال** نہیں سمجھے جاتے"

کیا خاندان **محمد ابراہیم محلہ ملانہ** جن کو مؤلف نے **شیخ صدیقی** لکھا ہے وہ خود اور عوام اُن کو خاندان سادات بڑیگوں میں نہیں جانتے"

کیا مولوی **احمد حسین خاں کلال** ہوتے ہوئے اپنے مورث اعلیٰ کا خطاب نہیں استعمال کرتے" کیا خاندان **مرزا رفعت اللہ** محلہ سدّو" **صدیقی** ہوتے ہوئے اپنے ناموں کے ساتھ اپنے مورث کا خطاب **مرزا** استعمال نہیں کرتے"

جس طرح ہمارا خاندان **سید** ہوتے ہوئے اپنے مورث اعلیٰ کا خطاب شیخ استعمال کرتا ہے۔ کیا اسی طرح **گھڑیال** والے" و **سید اختر حسین خاں۔ سید محسن خاں دانشمند۔ و توصیف الحسن خاں**" دربار **کلاں** کا خاندان۔ **سادات** ہوتے ہوئے کیا اپنے ناموں کے ساتھ اپنے مورث اعلیٰ کا خطاب **خان** استعمال نہیں کرتے"

کیا خاندان **چودھری سید حسن و سید سبط علی جعفری** سابق آنریری مجسٹریٹ۔ **سید** ہوتے ہوئے اپنے ناموں کے ساتھ اپنے مورث اعلیٰ کا خطاب **چودھری** استعمال نہیں کرتے"

کیا خاندان حاجی **شوکت حسین ملانہ" فاروقی**" ہوتے ہوئے اپنے مورث کا خطاب **چودھری** استعمال نہیں کرتے"

غرضکہ یہ سب خاندان باعث فخر اُن الفاظ کو خواہ بہ حیثیت بزرگانہ ہوں یا **خطابی یا لقبی** برابر اپنے ناموں کے ساتھ استعمال کرتے ہیں" اور بعض خاندان ایسے بھی ہیں جو نسباً کچھ نہیں اور شہرت عامہ و **خطابی و لقبی** الفاظ کے استعمال سے اُن کے نسب پر کوئی اثر موثر نہیں ہوا"

اب جبکہ ہم نے "آنحضرت صلعم" کی حدیث مبارکہ اور حضرت علی رضہ کی حضرت زبیر رضہ سے گفتگو نیز علامہ شبلی رح کے بیان سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ کسی قوم کا بھانجا اپنی ناہنیال کے نام سے بھی موسوم ہوتا ہے۔ اور مؤلف امروہوی کی خود کی تحریروں سے بھی دکھلا دیا ہے کہ

نوٹ ۱؎ انکشاف المعروف بہ تنقید محمود کے مؤلف نے صفحہ ۳۱ پر لکھا ہے کہ "ہمارے بزرگ فضل علی صاحب نواب آصف الدولہ نواب وزیر اودھ کے ملازم رہے" "شیخ ڈاڑھی رنگے کا خطاب آپ کو نواب آصف الدولہ نے دیا" ایک روز پہلی مرتبہ فضل علی صاحب نے ڈاڑھی کو مہندی لگا کی دربار میں حاضری کا موقع ہوا۔ نواب صاحب نے کہا آئیے شیخ ڈاڑھی رنگے" اسی روز سے فضل علی صاحب شیخ ڈاڑھی رنگے کے نام سے مشہور ہو گئے اور رفتہ رفتہ یہ خاندان "شیخ ڈاڑھی رنگے" [illegible]

(الف) وہ عباسی خاندان "عراق و مصر سے" سندھ میں آجانے پر نہ تو اپنی نسبی نسبت عباسی سے شہرت پذیر ہوئے اور نہ اپنی مکانی نسبت یعنی اُن مقامات سے جہاں سے وہ آئے تھے موسوم ہوئے بلکہ بالکل جدا گانہ نسبتوں سے "جاموٹ" اور "کلہوڑے" کہلائے اور کہلاتے ہیں۔"

(ب) نیز ایک صدیقی خاندان دوسرے غیر قریشی ترکمان خاندان ٹہرنگہ میں قرابتیں کرنے کی وجہ سے "اپنے ننھیالی خاندان ٹہرنگہ کے نام سے مشہور ہوگیا ہے۔"

(ج) اور شیخ ایّن رح اور اُن کی اولاد کی شیوخ عباسیہ اور قریشیہ اور فریدیہ اور انصاریہ میں قرابتیں ہوتے رہنے سے یہ خاندان بھی بجائے سیّد کے شیخ مشہور ہوا۔"

(د) پھر یہ بات بھی بخوبی ظاہر ہو چکی ہے کہ خطابی اور لقبی اور توصیفی القاب سے بھی بہت خاندان موسوم و ملقب ہیں "ہمارے پیش کردہ اِن شواہد کی روشنی میں یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہوگئی ہے کہ مؤلف امروہوی کا یہ سارا بیان جو انہوں نے نواب شہبازخان کے جدِ اعلیٰ اور ان کی اولاد کے لقب کے بارے میں اور سیّدوں اور قریشی خاندانوں کے ایک دوسرے میں مدغم نہ ہونے کے متعلق دیا ہے "سراسر غلط اور پایۂ تحقیق سے قطعاً خارج ہے" مؤلف امروہوی کی تو وہ ہی مثل ہے کہ "دروغ گو را حافظہ نہ باشد"

باب بستم

"اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ "وہ ملتان میں" اِس زبیری خاندان" کی قرابت کی وجہ سے۔ جو اُن کے آنے سے پیشتر وہاں آباد تھا اور "کمبوہ" کہلاتا تھا" کمبوہ مشہور ہوئے" تو کیا وجہ ہے کہ "حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی رح" جن کا خاندان "ملتان میں آکر آباد ہوا۔ اور نسباً اِسی خاندان سے تھا۔ جس سے حاجی کمال الدین کو بتلایا گیا ہے "یعنی قریشی اسدی" باوجودیکہ حسب روایت مذکورہ۔ ان سے پیشتر بھی "ایک اسدی زبیری خاندان" ملتان میں آباد" اور "کمبوہ" کہلاتا تھا" کمبوہ "مشہور نہ ہوئے" اور آج تک "قریشی اسدی" کہے جاتے ہیں" اور محض "حاجی کمال الدین" جو شیخ کے خاندان کے بہت بعد "عرب" سے آئے "کمبوہ" مشہور ہو گئے"

"اور کیوں نہ "شیخ ذکریا ملتانی" کے خاندان نے۔ اِس عربی زبیری خاندان سے "اپنی قرابتیں کیں" جو اُن کے ہم نسب پہلے سے وہاں موجود تھا۔

نیز جیسا کہ کہا جاتا ہے جبکہ "حاجی کمال الدین" براہِ راست عرب سے آئے تھے "زبیری اسدی تھے" حضرت شیخ کے ہم نسب" تو پھر "شیخ بہاؤالدین" نے اُن کی قرابت اپنے خاندان میں کیوں نہ کی۔ اور اُن سے یہ کیوں ارشاد فرمایا۔ کہ تم اپنے قوم و قبیلہ میں متاہل ہو" باوجودیکہ "حاجی کمال الدین" اور "حضرت شیخ ذکریا" ایک ہی قوم و قبیلہ سے تھے"

نیز "حضرت شیخ ذکریا رح کا "اِس سے پیشتر آباد شدہ خاندان سے۔ جو زبیری تھا۔ اور "کنبوہ" مشہور ہوگیا" اپنی قرابتیں نہ کرنا۔ اور ایک نووارد عرب زبیری کو "اِس خاندان میں متاہل ہونے کی ہدایت فرمانا۔ کیا ثابت کرتا ہے۔

اِس کے بعد یہ امر بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ "حقیقتاً حاجی کمال الدین" کا نسبی تعلق "زبیر سے" یا قبیلۂ اسدی" سے نہ تھا" بلکہ پنجاب کے "قدیم خاندان کمبوہ" سے تھا جو "ملتان میں آباد"

اور وہیں کا باشندہ تھا۔

"حاجی صاحب" وہیں "حضرت شیخ ذکریا کے" حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔ اور اپنے قبیلہ "کمبوہ" میں متاہل ہوئے" ان کا عرب سے آنا" نسباً زبیری ہونا" یا حضرت شیخ کے" خاندان کے علاوہ کسی دوسرے" زبیری اسدی خاندان کا" اس زمانہ میں" ملتان میں" آباد ہونا۔ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا" (صفحہ ۳۴۴ و ۳۴۵)

مؤلف امروہوی کی غلط بیانی

اس بیان کا پہلا فقرہ قطعاً غلط ہے" حاجی کمال الدین عرب سے ہندوستان یا ملتان کبھی نہیں آئے جیسا کہ مؤلف امروہوی نے باور کرایا ہے۔ بلکہ ان کے صاحبزادے حاجی جمال قدس سرہٗ تشریف لائے تھے" پہلے ہم بتا آئے ہیں کہ زبیری خاندان حسب دستور اپنے سکونت کے مقام کنباہ کے تعلق سے کنبوہی سے ملقب ہوا۔ اور یہ لفظ کاتبوں کی غلطیوں کی وجہ سے کنبوہ اور کہیں ی چھوٹ جانے سے کنبو بھی لکھ گیا ہے" مگر ہم کے املا سے کمبوہ کی شکل میں کسی کتاب میں تحریر نہیں ہوا۔ اور متذکرہ صدر دونوں بزرگ کبھی اپنی زندگی میں اور بعد وفات بھی "کنبوی یا کنبوہ اور کنبوہ" نہیں کہلائے نہ کسی کتاب میں اُن کے اسمائے گرامی کے ساتھ اِن لفظوں میں سے کوئی لفظ تحریر ہے" مؤلف موصوف نے جو یہاں کمبوہ کے لقب سے ان بزرگوں کا ملقب ہونا ظاہر کیا ہے" یہ قطعاً غلط ہے" اور اُن کا کھلا ہوا جھوٹ ہے"

حضرت ذکریا ملتانی قدس سرہٗ کے کنبوی مشہور نہ ہونے کی وجہ

رہی یہ بات کہ "حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریا ملتانی رح" کس وجہ سے" کنبوہ" نہیں مشہور ہوئے" اور کیوں اُن کے خاندان نے جو ملتان میں آکر آباد ہوا تھا" اس عربی زبیری خاندان سے جو پہلے سے" ملتان" میں آباد تھا۔ اپنی قرابتیں نہیں کیں" تو اس عبارت کے پہلے جملہ کا جواب خود اس کے دوسرے حصہ میں موجود ہے" مؤلف صاحب ہی کی تحریر کے مطابق جب اُن کی قرابتیں "زبیری کنبوی" خاندان میں نہیں ہوئیں تو اُن کو یا اُن کی اولاد کو آخر کس تعلق کی بنا پر" کنبوی یا کنبوہ" کے لقب سے ملقب کیا جاتا تھا" یا وہ اِن القاب سے مشہور ہو سکتے تھے"

مخدوم شیخ ذکریا" کے دادا" اور" والد کا" سندھ میں آمد" اور خود اُن کی پیدائش کوٹ کروڑ" اور رہائش ملتان کی کیفیت

اب رہا یہ سوال کہ اِن دونوں خاندانوں میں قرابتیں کیوں نہیں ہوئیں" اس کا سبب بیان کرنے سے پہلے ہم "حضرت شیخ ذکریا رح کے خاندان" سے روشناس کرا دینا اس لئے ضروری سمجھتے ہیں کہ اس کے قیام ملتان کا حال بخوبی معلوم ہو جانے سے" اس امر پر بھی خاصی روشنی پڑتی ہے" "سیر العارفین میں" مخدوم" شیخ جمالی رح" المتوفی ۹۴۲ھ ہجری" نے تحریر فرمایا ہے کہ۔

"شیخ الاسلام حضرت بہاؤالدین ذکریا" غوث العالم قدس سرہٗ از اولیائے کبار بود" .... جد بزرگوار آنحضرت کمال الدین علی شاہ قریشی" از مکہ مبارکہ" در خوارزم" آمدہ بودند و از آنجا" قبۃ الاسلام" خطۂ ملتان" رسیدہ و در آں بقعۂ شریفہ مدتے ساکن شدہ" و حاجی حرمین شریفین بود۔ بکمال صلاحیت موصوف" و فرزندے بود" وجیہہ الدین نام" جو اُسے پاک ذات

"شیخ الاسلام حضرت بہاؤالدین ذکریا غوث العالم قدس سرہٗ اولیائے کبار سے تھے"...... اُن کے دادا "کمال الدین علی شاہ قریشی" "مکہ سے خوارزم آئے تھے اور وہاں سے قبۃ الاسلام شہر ملتان پہنچے" اور اس بقعہ شریف میں ایک عرصہ ساکن رہے" وہ حاجی حرمین شریفین تھے" کمال صلاحیت سے منسوب" "ان کا لڑکا تھا" وجیہہ الدین" نام جو اپنے پاک ذات اور ملک صفات

ملکِ صفات مولانا حسام الدین ترمذی از فرارت خروج ملاعین تاتار دریں دیار رسیدہ بود و در قلعہ کوٹ کرور کہ سلطان محمود غزنوی قبل از ضبط دیار ہندوستان فتح نمودہ بود۔ مولانا مذکور در آنجا ساکن بود دخترے داشت در کمالِ عفت و طہارت شیخ وجیہہ الدین را بہ پیوند شرعیت بوقوع پیوستہ و حضرت شیخ بہاؤالدین قدس سرہٗ ہمدراں قلعہ متولد شدہ و پدر بزرگوارش ایشاں را دوازدہ سالہ بگذاشت و برحمت حق پیوست

و حضرت حفظِ قرآن با ہفت قرأت از بر داشت و از آنجا۔ بعد فوت پدر بخراسان آمد و بتدریس ظاہر و معتقدیس باطن۔ ہفت سال مشغول گشت و از آنجا بخارا آمدہ بتعلیم خواندن اشتغال نمود۔ چنانچہ بپایۂ اجتہاد رسید

از کمال عفت و صلاحیت کہ داشت اہلِ بخارا ایشاں را بہاؤالدین فرشتہ گفتندے۔ و آوازہ در خراسان و بخارا شہرتے عظیم بود و از آنجا بطرف مکہ عزیمت نمود از تشریف حج بسعادت زیارت سرورِ کائنات و خلاصۂ موجودات مشرف گشت و مدت پنج سال بحرمِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام مجاور گشت و پیش شیخ کمال الدین محمد یمنی کہ یکے از محدثان کبار بود و بہ تعلیم حدیث مشغول شدہ (ص ۱۰۳)

ایں حقیر (مخدوم شیخ جمالی قدس سرہٗ) را از زبان دربار گہر نثار حضرت سلطان المحققین برہان المدققین پیر دستگیر سماءالحق والدین قدس سرہٗ مسموع است کہ دراینجا حضرت شیخ الاسلام غوث بہاءالحق در بغداد بسعادت صحبت حضرت شیخ الشیوخ عالم (شہاب الدین عمر سہروردی) مشرف گشت

بعد از آں حضرت شیخ الاسلام غوث را وداع کردہ فرمود کہ بروید در ملتان متوطن باشی و اہل آں دیار را بمقصود برسان۔ دراینجا حضرت شیخ الاسلام از پیر بے نظیر رخصت یافت ..... حضرت شیخ الاسلام غوث العالم بملتان آمدند و ساکن شدند و در آنجا تاہل فرزندان حاصل شدہ ص ۱۰۴

شجرۂ سہروردیہ کے ص ۲۲۶ پر تحریر ہے کہ۔

پس بملتان آمدند و تاہل واقع شدہ ہفت پسر و چند دختر بوجود آمدہ

مولانا حسام الدین ترمذی ملاعین تاتار کے خروج کی وجہ سے بھاگ کر اس دیار میں پہنچے تھے اور قلعہ کوٹ کرور میں جسے سلطان محمود غزنوی نے قبل از ضبط دیار ہندوستان فتح کیا تھا۔ مولانا مذکور وہاں ساکن تھے اُن کے لڑکی تھی با کمال عفت و طہارت جس کی شادی شیخ وجیہہ الدین سے ہوئی حضرت شیخ بہاؤالدین قدس سرہٗ اسی قلعہ میں پیدا ہوئے اور اُن کے والد اُن کو بارہ برس کا چھوڑ کر مر گئے۔

مخدوم بہاؤالدین نے ساتوں قرأت کے ساتھ قرآن حفظ کیا اور وہاں سے باپ کے مرنے کے بعد خراسان آئے اور ظاہری و باطنی تعلیم میں سات برس مشغول رہے اور وہاں سے بخارا آکر علم پڑھانے کا شغل رکھا۔ چنانچہ پائیہ اجتہاد کو پہنچے۔

اُن کے کمال عفت اور صلاحیت کی وجہ سے اہلِ بخارا انہیں فرشتہ سمجھتے تھے اور خراسان و بخارا میں اُن کی بہت شہرت تھی۔ وہاں سے انہوں نے مکہ معظمہ جا کر سعادت حج حاصل کی اور زیارت سرورِ کائنات و خلاصۂ موجودات سے مشرف ہوئے اور پانچ سال حرم رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام میں مجاور رہے اور شیخ کمال الدین محمد یمنی سے جو محدثین کبار میں سے ایک تھے حدیث کی تعلیم میں مشغول ہوئے۔

اس حقیر (مخدوم شیخ جمالی) نے اپنے پیر دستگیر حضرت سلطان المحققین برہان المدققین سماءالحق والدین قدس سرہٗ کی زبان دربار گہر نثار سے سنا ہے کہ حضرت شیخ الاسلام غوث بہاءالحق بغداد میں حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی کی صحبت سے مشرف ہوئے۔

بعد از اں حضرت نے شیخ الاسلام غوث کو وداع کیا اور فرمایا کہ جا کر ملتان میں متوطن رہو اور وہاں کے علاقہ کے رہنے والوں کو اُن کے مقاصد پر پہنچاؤ۔ حضرت شیخ الاسلام اپنے پیر بے نظیر سے رخصت ہوئے حضرت غوث الاسلام غوث العالم ملتان میں آکر ساکن ہوئے اور وہاں جا کر شادی کی اور اولاد پیدا ہوئی۔

پس ملتان آئے اور نکاح ہوا۔ اور سات لڑکے اور چند لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

MUSLIM UNIVERSITY

خزینۃ الاصفیا جلد دوم کے صفحہ ۲۸ پر ہے کہ

حضرت شیخ بہاؤالدین ملتانی رحمۃ ہفت پسر نیک اختر داشت "شیخ صدرالدین عارف" "شیخ برہان الدین" "شیخ ضیاء الدین" "شیخ علاؤالدین" "شیخ شہاب الدین" "شیخ قدوۃ الدین" "شیخ شمس الدین"

سیر العارفین کے صفحہ ۱۰۹ و ۱۱۰ پر ہے کہ "آوردہ اند کہ از ایشان "شیخ فخرالدین" عراقی او رکھا بچے حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی" بملازمت "حضرت شیخ الاسلام بہاؤ الملتہ والدین" میبود "و دختر حضرت ایشاں کہ در حبالہ او میبود۔ وفات فرمود" بعد از چندگاہ "کہ دختر دیگر کہتر از خواہر" بود "بحبالہ او درآورد" بحضرت شیخ صدرالدین عارف "فرمود کہ" بابا صدرالدین" دریں کار مصلحت چیست "شیخ صدرالدین قدس سرہ" عرض نمود کہ من روزے "شیخ فخرالدین" را "بر بساط خانہ ایستادہ دیدم کہ پیرہن بر داشتہ" کیسہ ہوا میکرد۔ داز نسیم صبا محظوظ می گشت "کسے راکہ ایں قدر حظ نفس باشد۔ دختر شما۔ در حبالہ او حیف است"

حضرت شیخ بہاؤالدین ملتانی کے سات لڑکے ہوئے "شیخ صدرالدین عارف" "شیخ برہان الدین" "شیخ ضیاء الدین" "شیخ علاؤالدین" "شیخ شہاب الدین" "شیخ قدوۃ الدین" "شیخ شمس الدین"

سیر العارفین کے صفحہ ۱۰۹ و ۱۱۰ پر ہے کہ "بیان کیا گیا ہے کہ شیخ فخرالدین عراقی بھانجے حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی حضرت شیخ الاسلام بہاؤ الملتہ والدین کی خدمت میں رہتے تھے" ان کے حبالۂ عقد میں حضرت بہاؤ الملتہ کی جو لڑکی تھی اس کا انتقال ہو گیا" تھوڑے عرصہ بعد دوسری لڑکی جو اپنی بہن سے چھوٹی تھی اس کا نکاح شیخ فخرالدین سے کرنے کے لئے حضرت بہاؤ الملتہ والدین نے اپنے صاحبزادے کلاں شیخ صدرالدین عارف سے صلاح پوچھی "انہوں نے عرض کیا کہ میں نے فخرالدین کو بساط خانہ پر اس حالت میں کھڑا دیکھا ہے کہ "وہ پاجامہ نکال کر کیسہ ہوا کر رہے تھے" اور خوش ہو رہے تھے جس شخص کی ایسی حالت ہو اس سے آپ کی بیٹی کا نکاح ہونا افسوسناک ہے"

ترجمہ اردو تاریخ فرشتہ جلد دوم مطبوعہ نول کشور پریس لکھنؤ کے صفحہ ۵۴۸ تا ۵۶۵ پر آپ کے حالات تحریر ہیں" اس میں ہے کہ۔ شیخ معین الدین بیجاپوری نے تذکرۃ الاولیاء" میں لکھا ہے کہ "شیخ بہاؤالدین ذکریا رح" اولاد "ہبّار بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب" سے ہیں۔ (ایک لڑکی آپ کی سید جلال الدین سرخ بخاری رح سے بیاہی تھی)"

"مولوی رحمان علی" ماہ شوال ۱۳۱۲ ہجری کے صفحہ ۱۹ و ۲۰ میں آپ کے حالات میں تحریر ہے کہ "۶۱۴ ہجری میں شیخ الشیوخ (شہاب الدین عمر سہروردی) نے آپ کو ملتان جانے" اور وہاں خدمت خلق میں مصروف ہونے کی ہدایت کی" چنانچہ آپ "بغداد سے" عازم ہندوستان ہوئے" اس وقت "سلطان محمد غوری" (معز الدین محمد سام المعروف شہاب الدین غوری" کی طرف سے "ناصر الدین قباچہ" ملتان" کی گورنری پر مامور تھا"

شجرۂ سہروردیہ کے صفحہ ۵ پر ہے کہ "چوں عمر عزیز" نود و نہ سال و پنج ماہ و کسرے رسید" بعد از ظہر روز شنبہ ہفتم شہر صفر ۶۶۶ ہجری ششصد و شصت و شش" غوث العالم" از دنیا رحلت کرد"

شجرۂ سہروردیہ کے صفحہ ۵ پر ہے کہ "جب آپ کی عمر ننانوے سال پانچ مہینے اور چند روز کی ہوئی تو بعد ظہر ہفتہ کے دن ۷ صفر ۶۶۶ھ کو آپ دنیا سے رحلت فرما گئے"

شیخ ذکریا رح کے الدبلتان میں کسی قریشی خاندان سے رشتہ قایم نہ کرنے کی وجہ" اور اُن کا رشتہ کوٹ کروڑ میں ایک پٹھان خاندان میں ہونے کا سبب

اقتباسات مندرجہ بالا سے جو ہم نے "حضرت شیخ ذکریا رح" کے خاندان اور خود اُن کے متعلق پیش کئے ہیں" نتیجہ یہ معلوم

ہوگیا کہ جب "شیخ بہاؤ الدین ذکریا رح" کے دادا اپنے صاحبزادے کے ہمراہ "مکہ معظمہ" سے نکل کر "مختلف ممالک میں گھومتے ہوئے "خطۂ ملتان" میں پہنچے تھے" یہاں نہ تو اُن کا کوئی جاننے والا تھا۔ نہ وہ یہاں کسی سے واقف تھے "سب جانتے ہیں کہ کسی پردیسی انجان شخص کو کوئی بھی اپنی بیٹی نہیں دیتا" اپنے ملک میں اشخاص خواہ کیسا ہی شرف رکھتے ہوں "مگر پردیش میں جہاں اُن سے کوئی واقف نہیں ہوتا۔ اُن میں خود ہی نامور اور عالی جاہ "مقامی خاندانوں سے" اپنے یا اپنی اولاد کے رشتہ کی تحریک کی ہمّت نہیں ہوتی" اسی لئے "شیخ ذکریا رح" کے دادا کو اپنے صاحبزادے کی شادی ایک ایسے شخص کی لڑکی سے کرنی پڑی جو تاتاریوں کے خوف سے اپنا وطن چھوڑ کر "قلعہ کوٹ کروڑ" میں آکر پناہ گزین ہوا تھا۔ اور ان ہی کی طرح "پردیسی تھا" کہ اُس کا بھی وہاں کوئی جاننے والا نہ تھا" اس کے علاوہ جیسے ہمیں یہ امر بخوبی معلوم ہو چکا ہے کہ "شیخ بہاء الدین ذکریا رح" "قلعہ کوٹ کروڑ" میں پیدا ہوئے۔ اور اپنے والد بزرگوار کے انتقال کے وقت بھی وہ وہیں تھے" تو اس سے یہ بات صاف عیاں ہو جاتی ہے کہ "اُن کے والد و دادا دونوں اپنے تا دمِ آخریں" اسی قلعہ میں سکونت پذیر تھے" ایک شخص جس طرح "دہلی" "بمبئی" "کلکتہ" "لاہور" اور "حیدرآباد" وغیرہ وغیرہ شہروں میں برسوں تک رہنے کے بعد بھی" وہاں کے بڑے اور چھوٹے تمام گھرانوں سے واقفیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا" اسی طرح "شیخ بہاؤ الدین ذکریا رح" کے دادا" اور والد کے متعلق بھی یہ بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی کہ یہ حضرات "زبیری کنبوی" خاندان سے واقف تھے" یا سندھ میں پہنچتے ہی یا کچھ عرصہ بعد واقف ہوگئے تھے" اس بات کا بارِ ثبوت "مؤلف صاحب کے ذمّہ ہے کہ" وہ ہمیں کسی سند سے دکھلائیں کہ" اگر "کمال الدین علی شاہ" نے اس خاندان کو "زبیری" نہ جانکر" اور محض "کنبوہ" جانکر اپنے بیٹے کی شادی "اس خاندان میں نہیں کی" تو وہ وہاں کے اور کن خاندانوں سے واقف تھے" بہتر ہو کہ بھی بتلائیں کہ "جب" "ملتان میں" "صدیقی" "فاروقی" "ہاشمی" "انصاری" "عباسی" "فاطمی" "علوی" "اسدی" اور دیگر قریشی خاندان "خاصی تعداد میں موجود تھے" تو انہیں ان سب سے پرہیز کر کے "قلعہ کوٹ کروڑ" میں جاکر" ایک پناہ گزیں کی لڑکی سے "کیوں اپنے بیٹے کی شادی کرنی پڑی" کیا اس کی وجہ یہ ہی تو نہیں ہے۔ جیسے ہم اُوپر ظاہر کر آئے ہیں کہ "اُن کو اجنبی و پردیسی جانکر اور اُن سے ناواقفیت کی بنا پر" ان خاندانوں متذکرۂ بالا میں سے کسی خاندان نے بھی اُن کے صاحبزادے کو اپنی بیٹی دینی گوارا نہیں کی۔ یا خود اُن کو ہی۔ ان خاندانوں سے بیٹی مانگنے کی ہمّت نہیں پڑی" کسی خاص تاریخ کا نام لینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ "محمد بن قاسمؒ" کے فتح "سندھ" کے زمانہ سے ہی" اس میں یہ سب قومیں داخل ہوگئیں تھی" اور "ملتان" ان عربی قوموں کا بعد میں مرکز و منبع ہوگیا تھا"

مخدوم ذکریاؒ کے قبیلہ اسدی کی سلطنت منصورہ سندھ۔ اور اسدی و دیگر عربی قریشی قبائل کے ملتان میں مسکن گزیں ہونے کی شہادتیں

مؤلف امروہوی نے "تحقیق الانساب" جلد چہارم کے صفحہ ۱۶۶ پر "بشاری مقدسی" کی کتاب سے "یذکر داما المنصورہ فعلیھا سلطان من قریش" یعنی "منصورہ کا بادشاہ "نسلاً قریشی ہے" تو لکھا ہے" مگر یہ نہیں بتایا کہ وہ "قریش کی کس شاخ سے تھا" ہم اُن کو بتاتے ہیں کہ "سلطنت منصورہ کے بانی" عمر بن عبد العزیز بن المنذر بن زبیر بن عبد الرحمٰن بن حضرت ہبّارؓ اسدی" (شہید جنگ اجنادین در ۱۵ ہجری) تھے" یہ حضرت ہبارؓ" حضرت زبیرؓ" کے چچا زاد بھائی تھے" عمر بن عبد العزیز" بانی "سلطنت منصورہ" اور "شیخ بہاؤ الدین ذکریا رح" کے دادا "کمال الدین علی شاہ" دونو حضرت ہبّارؓ" کی نسل سے تھے"

فتوح البلدان بلاذری جزو دوم کے صفحہ ۲۰۲ پر ہے کہ "عمر بن عبد العزیز" کے پر دادا "منذر" ۱۱۰ ہجری میں بنی امیّہ کے گورنر حکم بن عوانہ کے ہمراہ سندھ تشریف لائے تھے" ۲۳۱ ہجری تا ۲۳۳ ہجری کے زمانے میں جب "یمنیوں یعنی قحطانیوں" اور نزاریوں یعنی حجازیوں" کے درمیان عصبیت پھوٹ پڑی" تو "عمر بن عبد العزیز ہبّاری اسدی" نے جو "نزاریوں یعنی

حجازیوں (قریشیوں) کے ”سردار تھے“ عباسیوں کے گورنر سندھ ”عمران“ کو قتل کر کے ”دارالحکومت منصورہ پر“ قبضہ کر لیا“
یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۵۹۹ پر ہے کہ ”پھر انہوں نے ”خلیفہ بغداد“ متوکل عباسی“ کو لکھا، کہ میں اچھا انتظام کر رہا ہوں ”سندھ کی ولایت کا پروانہ میرے نام بھیجا جائے“ متوکل نے اُسے منظور کر لیا اور وہ متوکل کے پورے زمانے میں ”سندھ کے حاکم رہے“

ابن حوقل نے لکھا ہے کہ ”عمر بن عبد العزیز“ بانیہ“ کے باشندے تھے“ اور یہ ”بانیہ“ کنباہ“ سے کل پانچ منزل تھا“ اور ”بانیہ“ سے ”منصورہ“ ایک منزل ہے“ پھر ۲۵۷ھ ہجری میں ”منصورہ“ کی سلطنت نے اُس تعلق کو جو ”بغداد کے خلفاء سے برائے نام باقی رکھا تھا۔ بالکل ختم کر کے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا“ (آئینۂ حقیقت نما جلد اوّل صفحہ ۱۱۲) جس سے ”عباسی سلطنت بغداد میں بڑی ہل چل مچی“ طبری وغیرہ مورخین نے ”سندھ کے عباسی گورنروں کی حکومت اُٹھ جانے کے بعد“ اس ملک کے حالات کے بارے میں قطعی خاموشی اختیار کر لی ہے“ مگر اسی زمانے میں ”بغداد میں“ جو اس خاندان کی (اسدی خاندان کی) پکڑ دھکڑ ہوئی“ اُسے ترجمہ طبری جلد سوم حصہ سوم وچہارم کے صفحہ ۴۱۵ و ۴۵۲ پر دیکھنا چاہیئے“ طبری میں اس پکڑ دھکڑ کا حال تو لکھا ہے“ مگر اس کی وجہ کو دبا دیا ہے“ ابن حوقل نے لکھا ہے کہ ”بانیہ“ ایک چھوٹا سا شہر ہے“ عمر بن عبد العزیز“ ہباری قریشی“ جو ”عراق میں بزرگی اور بہادری کی وجہ سے مشہور ہے“ بانیہ“ کا رہنے والا۔ اور ”منصورہ“ اور اس کے اطراف پر غالب آنے والوں کا جدّا مجد ہے“ عمر بن عبد العزیز کے بعد“ اُن کے صاحبزادے عبداللہ“ اور ان کے بعد ”عمر بن عبداللہ“ پھر ”منذر بن عمر“ تخت پر بیٹھے“

غرضیکہ ۴۱۶ھ ہجری تک یہ ”ہباری اسدی خاندان“ جاہ و جلال کے ساتھ ”سلطنت منصورہ“ پر حکمرانی کرتا رہا“ مروج الذہب و معدن الجواہر مسعودی کے صفحہ ۳۷۵ تا ۳۸۰ میں ہے کہ ”منصورہ“ کے ماتحت تین لاکھ گاؤں ہیں“ اور ان تمام گاؤں کے درمیان ”شجر و کھیت ہیں“

”بادشاہ منصورہ“ کے پاس اسّی ہاتھی ہیں“ ہر ہاتھی کے ساتھ پانچسو پیدل ہوتے ہیں“ طریقہ یہ ہے کہ ہاتھی کی سونڈ میں لوہا چڑھا ہوا مثل تلوار کے“ اور زرہ بکتر اُس کے جسم پر ہوتا ہے“ اُس کا سوار مثل شہسوار کے ہوتا ہے۔ اُس ہاتھی کے چاروں طرف پانچ سو پیدل ہوتے ہیں جو اُسے روکتے اور پیچھے سے اُکساتے ہیں“ اور اُس کے آگے چھ ہزار سوار لڑتے ہیں“

عمر بن عبداللہ کا وزیر اس وقت ”ریاح“ تھا۔ اور ”ریاح“ کے دو بیٹے ”محمدؒ اور علی“ تھے“ منصورہ“ کے بادشاہوں“ اور ”آل ابی الشوارب القاضی“ کے مابین قرابت تھی“ اور وصل تھا“ اور نسب تھا“

بالآخر اس سلطنت پر ”قرامطہ“ غالب آگئے“ مگر چند ہی برسوں کے بعد ”سلطان محمود غزنوی غازیؒ“ نے ان قرامطہ کا استیصال کر کے ”سندھ“ میں ”اپنی حکومت قائم کر لی“ اور ”منصورہ و ملتان“ سب اُن کے قبضہ میں آگئے“ (آئینۂ حقیقت نما جلد اوّل کے صفحہ ۱۱۲ پر ہے کہ ”منصورہ“ کو عربوں نے گلزار بنا دیا تھا“ اُن کی سلطنت کے ختم ہوتے ہی وہ پھر بنجر اور غیر آباد علاقہ بن گیا“) سلطنت کی تباہی کے بعد تمام عربی قومیں ملتان میں جمع ہوگئیں“ ملتان سے جس قدر قومیں تعلق رکھتی ہیں وہ سب کی سب عربی النسل بھی جاتی ہیں“ وہ اُن کا مرکز و منبع ہے۔ یہ عربی قومیں پنجاب کے سلطنت غزنی میں شامل ہونے کے بعد ”پنجاب“ میں آئیں۔ اور شہاب الدین غوری کے بعد جب شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی تو ”بہار و بنگال“ تک پھیل گئی“ پنجاب کے اعوان“ کشمیر کے ککھے“ اور ”کھیبے“ بھی یقیناً انہیں لوگوں میں سے ہیں“

مؤلف امروہوی سے ہمارا خطاب

اقتباسات مندرجۂ بالا سے ”ملتان“ اور ”سندھ“ کی ”عربی قریشی“ قوموں کا حال بخوبی معلوم ہو گیا۔ اور جب اس سے بھی واقفیت ہو گئی ہے کہ ”ہباری اسدی“ بھی وہاں مسکن گزیں تھے“ تو اب مؤلف صاحب ہی ہمیں بتلائیں کہ آخر وہ کیسا

سبب تھا جس کی بنا پر "کمال الدین علی شاہ" "ہبّاری اسدی" نے اپنے خاندان میں اپنے صاحبزادے کی قرابت نہ کرکے "اپنی طرح کے ایک غریب الدیار" اور "قلعہ کوٹ کروڑ" میں پناہ گزیں دوسرے خاندان والے شخص سے رشتہ جوڑنا کیوں پسند کیا "زبیری کنبوی خاندان" اور قریشیوں کے دیگر خاندانوں سے اگر کسی وجہ سے ان کو تعلق قایم کرنا منظور نہ ہوا تو "ہبّاری اسدی" خاندان سے میل کرنے میں آخر انہیں کونسا امر مانع ہوا؟"

"حاجی جمال قدس سرہ کا رشتہ "حضرت مخدوم شیخ ذکریا" کے خاندان میں نہ ہونے کا سبب"

مؤلف صاحب کے اس بیان کی حقیقت ظاہر کرچکنے کے بعد کہ کیوں "شیخ ذکریا" کے خاندان کی "ملتان" میں دیگر قریشیوں اور "زبیری کنبوی" خاندان سے قرابتیں نہیں ہوسکیں" اب ہم ان کے اس بیان پر نظر ڈالتے ہیں کہ

("حاجی جمال صاحب" براہ راست عرب سے آئے تھے" اور "شیخ بہاؤ الدین ذکریا" کے ہم نسب "زبیری واسدی" تھے۔ تو انھوں نے حاجی صاحب کی قرابت "اپنے خاندان میں کیوں نہ کی" اور انہیں اپنی قوم و قبیلہ میں متاہل ہونے کے لئے کیوں ارشاد فرمایا؟")

اس کے متعلق ہمیں کچھ زیادہ کہنا نہیں ہے" ہم پہلے ثابت کر آئے ہیں کہ "حاجی صاحب" "شیخ بہاؤ الدین ذکریا" کے قریباً ہم عمر تھے" ان کی وفات ایک سو اٹھارہ برس کی عمر میں ۶۸۷ھ ہجری میں ہوئی" اور "شیخ ذکریا" کی وفات ۶۶۶ھ ہجری میں ۷ ماہ صفر کو" قریباً نوے برس پانچ ماہ اور چند روز کی عمر میں واقع ہوئی" جس سے معلوم ہو گیا کہ "حاجی صاحب" کی ولادت ۵۶۹ھ ہجری میں" اور "شیخ ذکریا" کی پیدائش رمضان ۵۶۶ھ ہجری کی ہے" ہمیں یہ بھی معلوم ہوچکا ہے کہ "شیخ ذکریا" "قلعہ کوٹ کروڑ" میں پیدا ہوئے" وہیں پرورش پائی" اور بعد وفات پدر" بارہ سال کی عمر میں" وہاں سے روانہ ہو کر ۶۱۴ھ ہجری میں" جبکہ آپ کی عمر اڑتالیس ۴۸ برس کی تھی" ملتان میں آکر مسکن گزیں" اور متاہل ہوئے" اپنے گھر میں یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے "ملتان" کی سکونت مستقل طور سے اختیار کی" اور انہیں کی اولاد سے اس شہر میں ان کا خاندان قایم ہوا" ان کی نسل کے اکثر اشخاص مختلف زمانوں میں "دہلی" "لاہور" اور "آگرہ" وغیرہ شہروں میں چلے گئے۔ اور اکثر اب تک وہیں آباد ہیں" جن میں کچھ ان کے" اور ان کے صاحبزادے" اور پوتے وغیرہ کے مقبروں کے مجاور و محافظ ہیں" اسی بیان میں اوپر بتایا جا چکا ہے کہ "حضرت شیخ ذکریا" کے سات صاحبزادے اور چند لڑکیاں پیدا ہوئیں" اب ہم یہ بتاتے ہیں کہ "ان کی سب سے پہلی اولاد یعنی "حضرت شیخ صدرالدین عارف قدس سرہ" کس سنہ میں پیدا ہوئے" شجرۂ سہروردیہ تالیف "فضیلت شعار" بلاغت دثار" نتیجۃ المشایخ العظام" سلالۃ الاولیائے کرام "میاں احمد خان اکبر شاہی" میں ہے کہ"

"مدت العمر شصت و پنج سال" و یازدہ ماہ" وفات روز چہار شنبہ بست و سوم ذی الحجہ ۶۸۶ ہجری ست و ثمانین و ستمائیہ" — "آپ کی کل عمر پینسٹھ برس اور گیارہ مہینہ کی ہوئی اور آپ نے بدھ کے دن تیئیس ۲۳ ذی الحجہ ۶۸۶ ہجری میں وفات پائی"

اس تحریر سے بخوبی معلوم ہو گیا کہ "حضرت شیخ صدر الدین عارف" کی پیدائش ۲۷ محرم ۶۲۰ھ ہجری میں ہوئی جبکہ ان کے والد بزرگوار کو "ملتان" میں تشریف لا کر چھ برس" اور اس وقت ان کی عمر چوّن ۵۴ سال تھا" حاجی صاحب کی عمر ۶۲۰ھ ہجری میں اکیاون یا باون ۵۲ برس کی تھی"

مؤلف امروہوی نے تحریر کیا ہے کہ "اگر فرض کر لیا جائے کہ "حاجی صاحب" "شیخ ذکریا" کی وفات سے چالیس برس قبل تشریف لائے" تو اس لحاظ سے "حاجی مذکور کا سال ولادت ۵۶۸ھ ہجری ہوگا اور ایک سو اٹھارہ ۱۱۸ برس کی عمر تسلیم کرتے ہوئے سنہ وفات ۶۸۶ ہجری قرار پاتا ہے" تو ان کے اس فرضی حساب سے "حاجی صاحب" اور "شیخ ذکریا" کا سال پیدائش ایک ٹھہرتا ہے" مگر جب ہم "حاجی تھا"

کو "شیخ ذکریا" سے دو ڈھائی برس چھوٹا بتا کر" اور "مؤلف موصوف کی" یہ بات مان کر کہ وہ "شیخ ذکریا" کی وفات سے چالیس برس قبل "ملتان" تشریف لائے تھے" تو ان کی آمد کا زمانہ ۶۲۵ھ ہجری یا ۶۲۶ھ ہجری قرار پاتا ہے" جبکہ "حضرت ذکریا" کے بڑے صاحبزادے "حضرت صدرالدین عارف" کی عمر پانچ چھ برس سے زیادہ نہ تھی" اور "حاجی صاحب" کی عمر ستاون اٹھاون سال کی اور مؤلف صاحب کی فرضی تحقیق کے مطابق "ساٹھ سال کی تھی"

اگر حاجی صاحب ساٹھ برس کی عمر میں بلکہ اور چند برس بعد بھی متاہل ہوئے" تو اُس وقت "شیخ بہاؤالدین ذکریا" کے کسی لڑکی کے موجود ہونے کا ہی ثبوت موجود نہیں ہے" جس سے وہ "حاجی صاحب" کا عقد" کرتے۔ اِس بات کا بار مؤلف موصوف پر ہے کہ "وہ ثابت کریں کہ جب "حاجی صاحب" متاہل ہوئے ہیں "شیخ ذکریا" کے قابلِ شادی کوئی لڑکی موجود تھی" اور انہوں نے اُس کے موجود ہوتے ہوئے" "حاجی صاحب" سے اُس کی شادی نہیں کی" حقیقت کو چھپایا نہیں جا سکتا۔ اگر مگر اور فرض قیاس کام لیکر دنیا کو دھوکے میں نہیں ڈالا جا سکتا" جب تک کسی بات کا ثبوت نہ پیش کیا جائے" محض جریدہ بیان اور سے قطعاً کام نہیں چل سکتا"

"حضرت مخدوم شیخ ذکریا قدس سرہ کی" حاجی جمال قدس سرہ کو "اپنے ہی قوم و قبیلہ میں رشتہ کرنے کی رائے دینے کی وجہ"

آگے چل کر جو مؤلف امروہوی نے اِس بات کو بہت زور دے کر بیان کیا ہے کہ۔

("شیخ ذکریا" نے "حاجی صاحب" سے یہ کیوں ارشاد فرمایا کہ "تم اپنے قوم و قبیلہ میں متاہل ہو" نیز "حضرت شیخ ذکریا" کا اس سے پیشتر آباد شدہ خاندان سے جو "زبیری" تھا اور "کنبو" مشہور ہو گیا تھا۔ اپنی قرابتیں نہ کرنا اور "ایک نووارد عرب و زبیری" کو (حاجی تھا) کو) اِس خاندان میں متاہل ہونے کی ہدایت فرمانا کیا ثابت کرتا ہے")

اِس بیان میں یہ بات غلط ہے کہ "یہ خاندان" جو "زبیری" تھا "کنبو" مشہور ہو گیا تھا" بلکہ "قریشی" "زبیری" "کنبوہی" تینوں ناموں سے پکارا جاتا تھا"

حضرت شیخ ذکریا" کے خاندان کی حالت اور اُن کی قرابتوں کی کیفیت ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ "حضرت شیخ کے دادا" ایسے ہی وقت تشریف لائے تھے" جنہیں اُس ملک میں کوئی نہ جانتا تھا" نہ وہ کسی سے واقف تھے" "شیخ ذکریا" بچپن ہی میں "قلعہ کوٹ کہروڑ" سے "خراسان" اور وہاں سے "عرب" چلے گئے تھے" جب وہ اڑتالیس سال کی عمر میں واپس آکر "ملتان" میں مستقل طور سے قیام پذیر ہوئے اور اُن کا سلسلۂ ارشاد جاری ہوا" اُس وقت وہاں کے خاندانوں سے وہ واقف ہوئے"

"شیخ ذکریا" نے "مکہ معظمہ" اور "مدینہ منورہ" میں برسوں مقیم رہ کر وہاں کے محدثانِ کبار سے حدیث کی تعلیم پائی تھی" اور "حاجی صاحب" نے بھی جو تقریباً اُن کے ہم عمر تھے "مکہ معظمہ" میں سندِ حدیث حاصل کی تھی" اِس لئے کیا اس کا امکان نہیں ہے کہ یہ دونوں حضرات مکہ معظمہ ہی میں ایک دوسرے سے واقف ہو چکے تھے" اور اسی واقفیت کی بنا پر "حاجی صاحب" "ملتان" تشریف لائے تھے" "ملتان" آکر چونکہ "شیخ ذکریا" "زبیری کنبوہی" خاندان سے بھی واقف ہو گئے تھے" اِس لئے حاجی صاحب کا شادی کا ارادہ معلوم ہونے پر ٹھیک اسی خیال کے ماتحت جسے ہندوستان کا ہر شخص جانتا ہے کہ "جب کوئی شادی کرنا چاہتا ہے" تو ہر شخص اُس کو اپنوں ہی میں رشتہ کرنے کا مشورہ دیتا اور غیروں میں تعلق قائم کرنے کو منع کرتا ہے۔ اگر "انہوں نے بھی "حاجی صاحب" کو اُن کے قوم و قبیلہ سے واقف کرا کر اپنے ہی ہم نسب خاندان میں "متاہل ہونے کا مشورہ دیا تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے"۔

"قریشی" زبیری کنبوی خاندان کے "حاجی جمال قدس سرہ کے رشتہ کو قبول کر لینے کا سبب

اَب رہی یہ بات کہ "اس زبیری کنبوی خاندان" نے جو اپنی عصبیت کے لئے مشہور تھا اور اب تک ہے "ایک نووارد "زبیری" کو جس سے وہ واقف نہ تھا کس طرح قبول کر لیا۔ یعنی حاجی صاحب کی "زبیریت" کو تسلیم کر کے اُن سے رشتہ قایم کرنے میں کچھ پس و پیش نہیں کیا۔ تو اُس کی وجہ ظاہر ہے کہ "حضرت شیخ ذکریا" جیسے مقدس بزرگ" اور "ولی اللہ" کی شہادت سے بڑھکر اور کون سی شہادت ہو سکتی تھی "جس پر یہ خاندان اعتبار کر سکتا تھا"

"مؤلف امروہوی کے "ملتان میں شیخ ذکریا کے زمانے میں کسی زبیری اسدی خاندان کے آباد ہونے کے بیان کا بطلان"

اخیر میں "مؤلف صاحب نے" جو اپنی یہ رائے قایم کی ہے کہ "حضرت شیخ ذکریا" کے خاندان کے علاوہ کسی دوسرے "زبیری" اسدی" خاندان کا اس زمانے میں "ملتان" میں آباد ہونا "پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا" اُن کی اس رائے کی نفی پر ہمیں اب پھر دوبارہ کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے" کیونکہ اُن کے سارے بیان کا بطلان ہم پہلے بخوبی ثابت کر دیا ہے" اور ان کی تحقیقات کی حقیقت اچھی طرح دکھا چکے ہیں"

"قدیم ہندی قوم کمبوہ کے ملتان کا باشندہ ہونے کے "مؤلف امروہوی بیان کی تردید ایک کمبوہ مصنف ہی کے قلم سے"

مؤلف امروہوی کا یہ بیان بھی پایۂ تحقیق سے قطعاً خارج ہے" وہ "ریختا ہے" کہ قدیم خاندان کمبوہ سے "حاجی صاحب کا تعلق تھا جو "ملتان" میں آباد" اور وہیں کا باشندہ تھا"

"عبداللہ صاحب ولی" جو اس قوم کمبوہ کا ایک مصنف ہے اور جس نے اپنی کتاب "سفینۂ مالیری" سنہ ۱۹ مطابق سنہ ۱۳۱۹ ہجری میں "مطبع صدیقی لاہور" میں چھپوائی ہے "اپنی قوم کا جائے سکونت "شہر گجرات" سے بتایا ہے" نہ "ملتان" سے "نیز مرزا آرزاللہ صاحب بھی اس قوم کو گجرات کا باشندہ بتاتے ہیں" اِن دونوں کے بیانات ہم اسی کتاب میں پہلے لکھ آئے ہیں" اب ہم مؤلف موصوف کی اس دھوکے میں ڈالنے والی بحث کا شافی جواب دینے کے بعد دیکھتے ہیں کہ آگے وہ اور کیا گل افشانی فرماتے ہیں"

باب بست و یکم

"غالب ہے کہ خود "حاجی کمال الدین" مخدوم شیخ بہاء الدین" اور "صوبجات متحدہ کے" دیگر "کمبوہ خاندانوں کے مورث" جو سب کے سب "ملتان و نواح ملتان" کے ساکن تھے "حضرت شیخ ذکریا" یا اُن کے خاندانوں کے "کسی بزرگ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہو گئے" اور چونکہ "حضرت شیخ" اور آپ کے بزرگ "قریشی اسدی" "حضرت زبیر" کے خاندان سے تھے "اسلئے اوائل کے دستور کے مطابق" جو شخص یا جو خاندان "جس عربی قبیلہ کے بزرگ کے ہاتھ پر" مشرف بہ اسلام ہوتا" وہ باعتبار ولا" اسی قبیلہ کی طرف منسوب ہوتا تھا" اور ان نومسلموں کو "اسدی" "زبیری" وغیرہ "بولا یا کہا جاتا تھا" ممکن ہے کہ اسی اعتبار سے "ملتان کے کمبوہ" جو "حضرت شیخ ذکریا" یا اُن کے کسی بزرگ کے ہاتھ پر "مشرف بہ اسلام ہو گئے" اپنے کو "کمبوہ زبیری" خیال کرنے لگے ہوں" اور اب "نسب و ولا" منقطع یا گڈمڈ ہو کر حقیقتاً زبیری

کہنے لگے۔ اور نسب نامے بنا لئے " یہ قیاس اور بھی قوی ہو جاتا ہے۔ جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ " زبیری "
صرف ان ہی " کمبوہ " خاندانوں نے کہنا شروع کیا ہے " جن کے بزرگوں کا سلسلۂ بیعت و ارشاد
بالواسطہ یا بلا واسطہ " حضرت شیخ ذکریا ملتانی " تک پہنچتا ہے " یا جن کے مورث " ملتان "
سے وقتاً فوقتاً آکر۔ اس صوبہ میں آباد ہوئے۔ جیسے اولاد " مخدوم شیخ سماؤ الدین کنبوہ " شیخ جمالی "
" حاجی کمال الدین وغیرہ " ورنہ مندرجۂ بالا تمام واقعات پر نظر رکھتے ہوئے " کسی زبیری "
کا " کمبوہ " مشہور ہو جانا کوئی معنی نہیں رکھتا " (ص۳۴۵ و ۳۴۶)

مؤلف امروہوی کی متضاد باتیں

پہلے تو " مؤلف صاحب نے " ص۳۳۷ " پر " اطلیٹ " کی یہ تحریر پیش کی تھی کہ " ان میں سے اکثر کو " سلطان (محمود غزنوی)
نے " دین اسلام میں داخل کیا تھا " (اس کا شافی جواب ہم دے چکے ہیں) " لیکن برخلاف اس کے یہاں وہ اغلب ہے کی آڑ میں اپنے
قوی قیاس سے کام لیکر اب بتلا رہے ہیں کہ " حضرت شیخ ذکریا " یا ان کے خاندانوں کے کسی بزرگ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام
ہوئے " دروغ گو را حافظہ نہ باشد " اسی کو کہتے ہیں " کسی ایک بات پر آدمی کو قایم ہونا چاہئے " اور اچھی طرح سے تحقیق کر کے کسی امر
پر قلم اٹھانا چاہئے " اغلب اور قیاس " ورنہ کے دم چھلے لگا کر حقیقت پر پردہ نہیں ڈالا جا سکتا " چنانچہ یہ بیان بھی اُن کا اسی طرح غلط ہے "

علامہ غلام علی آزاد بلگرامی کا ایک بیان زبیری کنبوی خاندان کے بارے میں

علامہ غلام علی آزاد بلگرامی " نے تذکرہ میں تحریر فرمایا ہے کہ " ہندوستان میں ابتدائے عملداری مسلمانان سے " اس
خاندان کے حضرات " خدماتِ شرعیہ پر " مامور رہے ہیں " اور اب بھی ہیں ")

سلطنت اسلامیہ کے قیام ہندوستان اور مخدوم شیخ ذکریا کے ملتان آنے کا زمانہ

تاریخ فرشتہ میں ہے کہ " سلطان سبکتگین " نے شعبان ۳۸۷ھ ہجری مطابق ۹۹۷ء میں وفات پائی " اُن کے صاحبزاد
اور جانشین " سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ " نے ۳۹۶ھ ہجری مطابق ۱۰۰۵ء میں ملتان پر " دوبارہ حملہ کیا " ابو الفتح حاکم
ملتان " نے محاصرے سے تنگ آکر " سلطان کی اطاعت اختیار کر لی " ۴۰۱ھ ہجری مطابق ۱۰۱۰ء میں " سلطان نے ملتان پر " پھر لشکر
کشی کی " اور وہاں کے حاکم داؤد بن نصر " کو گرفتار کر کے " غزنی " لائے " پھر اسے عمر بھر کے لئے " غور " کے قلعہ میں نظر بند کر دیا " ۴۰۹ھ ہجری
مطابق ۱۰۱۸ء میں سلطان نے " قلعہ میرٹھ " پر دھاوا کیا " اہلِ قلعہ نے پچاس ہزار دینار " اور تیس ہاتھی پیش کر کے امان حاصل کی "
غرضکہ مختلف سنین میں آپ نے سارا پنجاب " کشمیر " کی سرحد تک " کالنجر " قنوج " سندھ " متھرا " اجمیر و سومنات وغیرہ "
کو فتح کر لیا " اور ۲۳ ربیع الثانی ۴۲۱ھ ہجری مطابق ۲۹ اپریل ۱۰۳۰ء میں انتقال فرمایا "

اِن تمام ممالک مفتوحہ میں سے پنجاب و سندھ " کا آپ نے اپنی سلطنت میں الحاق فرما لیا تھا۔ اور یہ علاقے انقراض سلطنت
غزنویہ تک آپ کی اولاد کے قبضہ میں مسلسل باقی رہے "

خسرو شاہ بن بہرام شاہ غزنوی " علاؤ الدین غوری " کے خوف سے " لاہور " آگیا تھا " اور ۵۵۵ھ ہجری میں
اُس نے " لاہور " ہی میں وفات پائی "

۵۷۶ھ ہجری میں "سلطان شہاب الدین غوری" نے "افغانستان" "پشاور" "ملتان" اور "سندھ" کو فتح کرکے لاہور پر چڑھائی کی۔ "خسرو ملک بن خسرو شاہ غزنوی" مقابلہ کی تاب نہ لاکر" قلعہ میں پناہ گزین ہوا" "سلطان شہاب الدین غوری" "خسرو ملک" کے خورد سال بیٹے اور "لاہور" کے ایک ہاتھی کو گرفتار کرکے "غورستان" واپس گئے" مگر پھر ۵۸۲ھ ہجری مطابق ۱۱۸۶ء میں واپس آکر "لاہور" پر قابض ہوگئے" اور "خسرو ملک" کے بعد "خاندان غزنویہ" کا خاتمہ ہوگیا"۔ ۵۸۸ھ ہجری ۱۱۹۲ء میں "سلطان شہاب الدین" نے "دہلی و اجمیر" کے "رائے پتھورا" کو قتل کرکے کہرام و سمانہ کے قلعوں پر قبضہ کرلیا" اور "قطب الدین" کو کہرام" کا حاکم بنا کر خود غزنی چلے گئے" "سلطان کے تشریف لے جانے کے بعد" اسی سال "قطب الدین" نے "میرٹھ" اور "دہلی" کا سلطنت اسلامیہ میں الحاق کرلیا" ۵۸۹ھ ہجری مطابق ۱۱۹۳ء میں "قطب الدین" نے "کول" کا قلعہ سر کیا اور "دہلی" کو دار الخلافت بنایا"

۳ شعبان ۶۰۲ھ ہجری مطابق ۱۲۰۵ء میں "سلطان شہاب الدین غوری" شہید ہوگئے" آپ کی زندگی میں گجرات" اور قریباً تمام شمالی ہندوستان" بشمول "بنگال و آسام" سرحد تبت تک فتح ہوچکے تھے"

سلطان کی شہادت کے بعد "غور" کے تخت پر اُن کے بھتیجے "سلطان محمود بن سلطان غیاث الدین" بیٹھے انہوں نے تخت پر بیٹھتے ہی "قطب الدین" کو "ملک سے "سلطان بنادیا" اور آزادی کے فرمان کے ساتھ ہی "چتر" اور بادشاہی کے لوازمات بھی اُن کے لئے "ہندوستان" روانہ کئے "قطب الدین" نے اس خلعت و فرمان کا "لاہور" تک استقبال کیا۔ اور اٹھارہویں ذیقعدہ ۶۰۲ھ ہجری مطابق جولائی ۱۲۰۵ء میں بمقام لاہور تخت سلطنت پر جلوس کیا" اپنی خود مختاری اور "سلطان محمود غوری" کے فرمان کا عام اعلان کرکے وہ "لاہور" سے "دہلی" واپس آگئے" اوائل ۶۰۷ھ ہجری میں "سلطان قطب الدین ایبک" لاہور میں چوگان بازی کرتے ہوئے "گھوڑے سے گر کر وفات پاگئے" اُن کے جانشین ان کے صاحبزادے "آرام شاہ" ہوئے" لیکن ان کی ناقابلیت کو دیکھکر امراء نے "سلطان قطب الدین" کے داماد "سلطان شمس الدین التمش" حاکم "بدایوں" کو خطوط لکھکر بلالیا "آرام شاہ" نے اُن سے مقابلہ کیا لیکن انہیں شکست ہوئی "آرام شاہ" کی مدت حکومت ایک سال سے بھی کم رہی"

"سلطان شمس الدین التمش" نے ۶۰۷ھ ہجری مطابق ۱۲۱۰ء میں دہلی میں تخت سلطنت پر جلوس فرمایا"

۶۱۴ھ ہجری مطابق ۱۲۱۷ء میں "سلطان التمش" اور "ناصر الدین قباچہ" (حاکم ملتان و سندھ) میں "منصورہ" کے نواح میں مقابلہ ہوا۔ اور "سلطان" کو فتح ہوئی" ۶۱۸ھ ہجری مطابق ۱۲۲۱ء میں "سلطان" کا "ملتان و سندھ" پر بھی قبضہ ہوگیا" اور "ناصر الدین قباچہ" مرگیا" ۶۲۲ھ ہجری میں "سلطان" نے "بہار و بنگالہ" کو مطیع کیا" اور ۶۲۳ھ ہجری میں "قلعہ رنتھنبور" اور ۶۲۴ھ ہجری میں "مالوہ کا قلعہ مندو" فتح کیا" ۶۳۰ھ ہجری میں "قلعہ گوالیار" پر ایک سال کے محاصرہ کے بعد" اپنا تسلط کرلیا تو اس قلعہ کی تسخیر کی تاریخ "ایک رباعی میں "ملک تاج الدین تاج الملک محمود زبیری" دبیر مملکت" نے نکالی" جسے "سلطان" نے پسند کرکے "قلعہ کے دروازے پر کندہ کرادیا" (فرشتہ نے اپنی تاریخ میں "زبیری" کو "ریزہ" لکھا ہے" اس کتاب میں یہ غلطی "کاتبوں یا ناقلوں کی وجہ سے" یا کیڑوں کی کثرت ہونے سے ہوئی ہے" دیکھو تاریخ برگز" اور نوٹ ترجمہ انگریزی تاریخ مبارک شاہی" مترجمہ جادو ناتھ)

۶۳۱ھ ہجری میں سلطان نے مالوہ کے دیگر قلعوں کے ساتھ "قلعہ اجین" کو بھی فتح کرکے "مہا کال" کے بت خانے کو جو تین سو برس میں تیار ہوا تھا" مسمار کردیا" اور شعبان ۶۳۳ھ ہجری مطابق مئی ۱۲۳۶ء میں وفات پائی"

"سلطان التمش" کے جانشین ان کے بیٹے "سلطان رکن الدین" ہوئے" اس بادشاہ کی تخت نشینی کے وقت ارکان دولت نے نذریں پیش کیں" اور شعراء نے تہنیت میں قصائد نظم کئے" ان تمام قصیدوں میں "ملک تاج الدین تاج الملک محمود زبیری" کا قصیدہ بہت پسند ہوا ہے" لیکن جب "سلطان" کا انتخاب ہوا تو امرائے حضرت میں "ملک تاج الدین تاج الملک محمود زبیری"

"ملک محمد" "بہاؤ الدین حسن" "کریم الدین" "ضیاء الملک" "خواجہ رشید" اور "امیر فخر الدین" وغیرہ تھے" "رکن الدین" کے لشکر سے جدا ہو کر" "دہلی" آکر "سلطان التمش کی صاحبزادی" "رضیہ سلطانہ" کو تخت نشین کر دیا" ربیع الاول ٦٣٤ھ ہجری مطابق نومبر ١٢٣٦ء میں "رکن الدین" اپنی بہن "رضیہ سلطانہ" سے لڑا" مگر گرفتار ہو کر قید ہوا"

کیونکہ ہم "زبیری کنبوہی" خاندان کی تاریخ نہیں لکھ رہے ہیں۔ بلکہ صرف مؤلف صاحب کی تحقیقات اور قیاس آرائی کی حقیقت کو جانچ رہے ہیں" اس لئے یہ چند واقعات جو اس موقع پر ہم نے بقید سنین لکھے ہیں ان سے ہمارا مقصد محض اسی قدر ہے کہ ہندوستان میں "سلطنت اسلامیہ کے" قیام کے زمانے کو ٹھیک طور سے جان لیں تاکہ "علامہ غلام علی آزاد بلگرامی" کی دکھائی ہوئی روشنی میں مؤلف صاحب کے بیانات کی اچھی طرح پڑتال کر سکیں "سلطان محمود غزنوی" سے اول کی مسلمانوں کی فتوحات میں "پنجاب و سندھ" "نصف" "راجپوتانہ" "مالوہ" تک شامل تھا" ان میں سے کئی حصے اگرچہ ان کے قبضہ سے نکل گئے تھے" مگر وہ "پنجاب و سندھ" کے کم و بیش حصوں پر برابر حکومت کرتے رہے"

غزنوی سلطنت جو پانچویں صدی کی ابتدا سے ٥٨٦ ہجری تک "سندھ و پنجاب" دونوں پر اور ٥٨٢ ہجری تک اکیلے پنجاب کی مالک رہی" اور اس کے دو آخری بادشاہ "لاہور" ہی میں آ رہے تھے" جن کا کوئی تعلق افغانستان وغیرہ سے باقی نہیں رہا تھا" اگر ان کے زمانے کو یہ مؤلف صاحب "ہندوستان کی" ابتدائی عملداری مسلمانان" اپنی مصلحت سے ماننے کو تیار نہ ہوں" تو ان کی یہ حرکت اس لئے قابل قبول نہیں ہو سکتی کہ "علامہ آزاد بلگرامی" نے اپنے فقرہ میں کسی مسلم خاندان یا ہندوستان کے کسی خاص حصہ کی تخصیص نہیں کی ہے" جب بھی جس زمانہ میں بھی کسی مسلمان نے ہندوستان کے تھوڑے یا بہت حصہ پر پہلی دفعہ قبضہ جما کر حکومت کی" اس زمانہ کے سوا "ہندوستان" میں ابتدائے عملداری مسلمانان کا "کوئی دوسرا زمانہ کسی طرح نہیں قرار دیا جا سکتا" پہلے سلطنت کی ابتدا ہوتی ہے اور اس کے بعد رفتہ رفتہ وہ وسیع ہوتی رہتی ہے" "پنجاب" اور کچھ جمنا و ستلج کے درمیانی علاقوں نیز راجپوتانہ کے تھوڑے سے حصے "سلطان محمود غزنوی غازی رح" نے الحاق اپنی سلطنت میں کر لیا۔ ان کا خاندان تا دم آخر کم و بیش ان علاقوں پر حکومت کرتا رہا" "سلطان شہاب الدین غوری رح" نے ان علاقوں کو اور وسعت دی" "سلطان قطب الدین ایبک رح" نے ٥٨٩ ہجری میں "دہلی" کو فتح کر کے اپنا دار الخلافت بنایا۔ اور ٦٠٢ ہجری میں ہندوستان کے مفتوحہ ملک کے وہ خود مختار بادشاہ قرار پائے" آپ کے بعد بھی ملک وسیع ہوتا رہا۔ دکن کو "سلطان علاؤ الدین خلجی" نے اپنی سلطنت میں داخل کیا"

اب اگر ہم مؤلف صاحب کا دل قائم رکھنے کے لئے دہلی کے دار الخلافت بنائے جانے کے سال کو بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر "سلطان قطب الدین" کی خود مختاری کے سنہ کو "ہندوستان" کی "عملداری مسلمانان کا" ابتدائی زمانہ قرار دیدیں" اور ان کے پورے زمانہ حکومت میں بھی "شیخ بہاؤ الدین ذکریا" کو "ہندوستان و سندھ و افغانستان" میں تلاش کریں۔ تو ان کو وہاں ہرگز موجود نہیں پا سکتے" یہ ہم اوپر بتا آئے ہیں کہ "شیخ ذکریا" "قلعہ کوٹ کرور" سے "بارہ برس کی عمر میں ٥٨٩ ہجری میں "بخارا گئے۔ اور پھر وہاں سے عرب میں چلے گئے" وہ ٦١٤ھ ہجری میں جب واپس آکر "ملتان" میں مقیم ہوئے" اس وقت "سلطان شمس الدین التمش" دہلی کے تیسرے بادشاہ کو سلطنت کرتے ہوئے سات برس ہو چکے تھے" ان حالات کے اچھی طرح معلوم ہو جانے کے بعد کہ ہندوستان میں "ابتدائے عملداری مسلمانان" کے زمانہ میں "حضرت شیخ ذکریا" کا وجود ہی نہ تھا" اور انہوں نے "ہندوستان" کی اس سلطنت میں جس کا دار الخلافہ دہلی تھا" تیسرے بادشاہ کے زمانے میں "تبلیغ و اشاعت اسلام شروع کی تھی" تو اب ہم مؤلف صاحب ہی سے دریافت کرتے ہیں کہ "علامہ آزاد بلگرامی" کے بیان سے یہ بات بخوبی ثابت ہے کہ "ہندوستان" میں ابتدائے عملداری مسلمانان سے "اسی تا زمان کے حضرات" خدمات شرعیہ پر" مامور رہے ہیں اور اب بھی ہیں" تو انصاف سے" سا تو ان کا یہ لکھنا کہ "خاندان زیر بحث کے مورث "شیخ ذکریا" یا ان کے خاندان کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے" کہاں تک پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے" اور ان کی تحقیقات میں حقیقت کس قدر ہے"

مؤلف امروہوی کے لفظ کنبوی کو معرضِ خفا میں لکھکر اور کنبو و کمبو لکھکر التباس ڈالنے کے مقصد کا تجزیہ

اب یہ بات نظروں میں رکھنی ضروری ہے کہ "مؤلف امروہوی نے ان کتابوں میں سے جن میں لفظ کنبو بھی "زبیری" بزرگوں کے ناموں کے سامنے کہیں کہیں کاتبوں اور ناقلوں کی غلطیوں سے لکھ گیا ہے" اس لفظ کو بڑے چاؤ اور شوق سے لپک لیا ہے لیکن انہیں کتابوں میں جو متعدد جگہوں پر "کنبوی" ربوزن امروہوی) لکھا پایا ہے" اس لفظ "کنبوی" کو اپنے مطلب و مقصد کے منافی جان کر "کسی نہج بھی کسی جگہ بھی اپنی کتاب میں روشنی میں لانا پسند نہیں کیا ہے" اس لفظ "کنبوی" کو پوشیدہ رکھنے میں اُن کی احتیاط اس درجہ رہی ہے کہ "حالانکہ "المشاہیر" ہی کے جس کے نوشتہ پر وہ تنقید کر رہے ہیں۔ صفحہ ۱۸۱ پر "شمس العلما مولوی محمد حسین صاحب آزاد دہلوی" کی "دربار اکبری" کا یہ جملہ نقل ہے کہ "شیخ گدائی" کے والد بزرگوار "شیخ جمالی" سکندر لودی" کے عہد میں "شعرا و باکمال میں شمار ہوتے تھے" اور "شیخ جمالی" دہلوی "کنبوی" کہلاتے تھے" انہوں نے "لفظ کنبوی" کو ان بزرگوں کے ناموں کے ساتھ کسی ایک موقع پر بھی لکھا ہوا نہیں دکھایا ہے" ہر جگہ صرف "کنبو" ہی لکھا ہے" اور اسی پر اپنی بحث کی بنیاد قایم کر کے اپنی غرض کو پورا کرنے کی کوشش کی ہے اور طرح طرح سے زور لگایا ہے" لیکن جب اس لفظ "کنبو" سے بھی کام چلتا نہ دیکھا تو اب انہوں نے اپنی بحث کے آخری حصہ میں "کنبو کے نون کو میم سے بدل کر "کمبو" (کمبوہ)" لکھنا شروع کر دیا" حالانکہ کسی کتاب میں کسی "زبیری" بزرگ کے نام کے سامنے "کمبو" لکھا ہوا کسی ایک جگہ بھی موجود نہیں ہے" اور سب سے بڑا ثبوت ہمارے اس دعوے کا یہ ہے کہ "مؤلف صاحب" جیسے نقاد" تک کسی بزرگ کے نام کے سامنے سوائے "کنبو" کے "کمبو" لکھا ہوا نہیں دکھا سکے" انہیں اپنے جوش میں اس سے مطلق کوئی غرض نہیں رہی کہ "کتابوں میں کیا لکھا ہے اور خود انہوں نے کیا ظاہر کیا ہے" وہ تو صرف اسی بات کو لیتے ہیں جس سے اُن کے مقصد کے پورا ہونے میں کچھ مدد کی امید ہوتی ہے" اگر وہ کہیں کوئی بات اپنی ضرورت کی نہیں پاتے تو انہیں اس کے ایجاد کر لینے میں بھی کوئی باک نہیں ہوتا" چنانچہ ان کا اس لفظ "کمبو" کو "زبیری" بزرگوں کے لئے لکھنا اسی قبیل سے ہے" جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے" مؤلف صاحب کا "زبیری کنبوی" خاندان کو "ہندوستان" کی قدیم "قوم کمبوہ" سے بتانا ایسا ہی ہے۔ جیسے کوئی "الہ آباد" کے مشہور برہمن خاندان نہرو" اور "راجپوت خاندان نہرا" نیز اورنگ آباد دکن کے سید خاندان نہری" اور ترکی و عربی و عجمی خاندانوں "ماوراء النہری" اور "نہروانی" سب کو ایک ہی قوم سے بتانے لگے" یا تبت کی قوم کمبوج" اور نیپال کی قوم کمبو" اور سیدوں کے مشہور خاندان کموں" اور شیخ خاندان کمبی" اور راجپوتانہ کے کمبانی" اور کوہستانی خاندانوں اور یورپ کی قوم کمبرین" اور دکن کی قوم کمبوا" کو ہم نسل بتائے" یا "بھٹی" "بھٹہ" "بھٹائی" "بھٹا چارجی" "بھٹیری" "بھوٹانی" اور افغانی قوم بہٹانی" اور بھاٹی" قوموں یا خاندانوں کو ایک نسل سے ہونا سمجھانے لگے" یا محمد سوری بادشاہ غور" اور شیر شاہ سوری" نیز رام لال سوری ایک قوم سے باور کرائے" یا ترکی قبیلہ شیبانی" اور "عربی قبیلہ شیبانی" کو ایک نسل بتائے"

واقعات تاریخی اور علامہ آزاد بلگرامی صاحب شجرہ سہروردیہ کے بیانات کی روشنی میں مؤلف امروہوی کے دلائل کے ڈھکوسلے یا گورکھ دھندے کی شکست

"شیخ ذکریا" یا اُن کے خاندان کے کسی بزرگ کے ہاتھ پر اگر کسی شخص یا خاندان نے اسلام کا شرف حاصل کیا ہوتا تو اس نومسلم شخص یا خاندان کو تعلیم و تربیت اور ایسی اہلیت و قابلیت پیدا کرنے میں کہ وہ "علم و فضل" اور خدمات شرعیہ کی انجام دہی میں خود "شیخ ذکریا" کے

خاندان سے بھی شرف لے گیا" ظاہر ہے کہ کئی پشتوں تک یہ حیثیت حاصل نہیں ہو سکتی تھی"

اگر ہم سلطان محمود غزنوی کے الحاق صوبجات ہندوستان" کو مؤلف صاحب کی خاطر سے" ابتدائے عملداری مسلمانان در ہندوستان" نہ بھی قرار دیں" اور "خسرو شاہ بن بہرام شاہ" اور "خسرو ملک بن خسرو شاہ" کی حکومتوں کو بھی جن کا دارالسلطنت لاہور تھا" ہندوستان" میں مسلمانوں کی عملداری" نہ سمجھیں" اور "سلطان قطب الدین ایبک کے" دہلی کو دارالخلافہ بنانے کے زمانہ کو ہندوستان" میں مسلمانوں کی عملداری کی ابتداء" مان لیں تب بھی علّامہ آزاد بلگرامی کی دکھلائی ہوئی روشنی سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ زبیری کنبوی خاندان حضرت مخدوم ذکریا" سے بہت پہلے سے اپنے علم و فضل کی وجہ سے سلطنت اسلامیہ ہند کے اہالیان حل و عقد میں خاص پوزیشن کا حامل تھا" اور جب یہ بات بخوبی معلوم ہو چکی ہے کہ خود شیخ ذکریا" ہی دہلی کے تیسرے بادشاہ کے زمانے میں ملتان تشریف لائے تھے" تو ظاہر ہے کہ ان کے یا ان کے خاندان کے کسی بزرگ کے مرید و شاگرد ابتدائے عملداری مسلمانان میں" زبیری کنبوی خاندان کی سی نہ تو اہلیت و قابلیت حاصل کر سکتے تھے اور نہ ان کا کسی اعلیٰ خدمت پر اس وقت مامور ہو جانا ممکن تھا"

جب علّامہ غلام علی آزاد بلگرامی المتوفی سنہ۱۲۰۰ ہجری نے بتایا ہے کہ "ہندوستان میں ابتدائے عملداری مسلمانان سے" اس خاندان (زبیری کنبوی) کے حضرات" خدمات شرعیہ" پر مامور رہے ہیں اور اب بھی ہیں" اور صاحب شجرہ سہروردیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ۔

این خاندان عالی شان (زبیری کنبوی) از عنایت کرم" در ہمہ اوان" واز بانواع رعایت و اصناف تربیت مخصوص و ممتاز بودہ اند"	یہ خاندان عالی شان (زبیری کنبوی) تمام زمانوں میں ہر طرح کی رعایت اور اصناف تربیت سے مخصوص اور ممتاز رہتا چلا آیا ہے"

تو مؤلف موصوف کا یہ لکھنا کہ "راغلب ہے کہ حاجی کمال الدین" مخدوم شیخ سماؤالدین" اور صوبجات متحدہ" کے دیگر کمبوہ خاندانوں کے مورث جو سب کے سب "ملتان و نواح ملتان" کے ساکن تھے" حضرت شیخ ذکریا" یا ان کے خاندان کے کسی بزرگ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے" اور "بہ اعتبار ولا" ان کے خاندان سے منسوب ہوئے اور اپنے آپ کو زبیری کہنے لگے" اور نسب نامے بنائے، کس قدر کھلا ہوا جھوٹ ہے" بلا کسی سند کے" اغلباً کی بجری" اور قیاس کے روڑے لگانے سے کوئی عمارت نہیں کھڑی کی جا سکتی"

اگر یہ خاندان "بہ اعتبار ولا" حضرت شیخ ذکریا" کے نسب سے منسوب ہوا ہوتا۔ یا خود کو ان سے منسوب کرتا تو اسدی کہلاتا" اور اپنے آپ کو "اسدی" ہی کہتا" کیونکہ "حضرت شیخ رح" اسدی تھے" "زبیری" نہیں تھے۔ ایک "اسدی" خاندان کے "بزرگ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہو کر کسی شخص یا خاندان کا اپنے آپ کو "زبیری" "تیمی" یا فاروقی" وغیرہ کہنے لگنا ایسا ہی ہے جیسے کہ "وہ مشرف بہ اسلام تو ہوا ہو" حضرت علی رض" کے ہاتھ پر۔ اور "نسبت ولا" قائم کرلے" حضرت عباس رض سے لیکن بجائے "علوی" کے اپنے آپ کو "عباسی" کہنے لگے" ہاشم" اور "اسد" سگے چچا زاد بھائی تھے" ہاشم کی نسل میں بہت سے قبیلے "عباسی" "جعفری" "عقیلی" "علوی" وغیرہ وغیرہ اور "حسنی" "حسینی" "نقوی" "رضوی" "موسوی" وغیرہ وغیرہ ہیں" "اسد" کی نسل میں "حمیدی" "ہبّاری" اور "زبیری" وغیرہ قبایل اور "زبیریوں کی شاخیں" "بنی غنی" "بنو حلان" "بنو رمضان" "بنو بہرت" "بنو مصلح" "کنبوی" اور "ذوق" وغیرہ قبایل ہیں۔ اور ان میں سے ہر قبیلہ اپنے اپنے نام سے الگ الگ موسوم ہے" حالانکہ یہ سارے قبایل ایک خاندان سے ہیں" مگر اپنے ناموں کے سوا کوئی ایک دوسرے کا نام نہیں اختیار کرتا" حضرت شیخ ذکریا" حضرت ہبّار رض" کی نسل میں تھے" اور "حضرت زبیر رض" کی نسل میں نہیں تھے" اس لئے وہ اپنے آپ کو "ہبّاری" بھی کہہ سکتے" اور "اسدی" بھی کہہ سکتے تھے" مگر "زبیری" کسی طرح بھی نہیں کہہ سکتے تھے"

خاندان "ہبّاری" کے نام سے بھی نہیں مشہور ہوا" صرف "اسدی" کہلایا۔ اور کہا جاتا ہے "حضرت زبیرؓ" کی اولاد "اپنے آپ کو "اسدی" بھی کہہ سکتی ہے" لیکن اس پر بھی جب اُس نے "حضرت شیخ ذکریا" کے خاندان کا نسبی لقب "اسدی" نہیں اختیار کیا" اور اپنے آپ کو "زبیری" بتایا" تو اب ہم مؤلف صاحب ہی سے پوچھتے ہیں "کہ انہوں نے جو "نسبت ولا" کا ڈھکوسلا نکال کر" اپنی کتاب کے ناظرین کو دہوکے میں ڈالنے کی کوشش فرمائی ہے۔ وہ کہاں تک درست اور مناسب ہے" اور اس کی کس قدر قیمت ہے"

اب جبکہ ہم نے مؤلف صاحب کے اس "ولا" کے گورکھ دہندے کو بھی توڑ پھوڑ دیا ہے اور اُن کے سارے بیان کا بطلان کر دیا ہے۔ تو وہ عبارت جو انہوں نے بلا کسی سند کے پیش کئے ہوئے "صرف اغلباً کی پچڑوں اور قیاس کے روڑوں سے تیار کی تھی اب اُس کا کیونکہ کوئی وجود باقی نہیں رہا ہے۔

باب بست و دوم[۲۲]

"ملتان اور نواح ملتان" جہاں سے صوبۂ ہذا کے (صوبۂ متحدہ کے) مسلمان کنبوہوں" کے مورثوں" اور خاندان کا نکاس" بیان کیا جاتا ہے" اب تک ہندو اور مسلمان "کمبوہ" آباد ہیں۔ ان میں سے بعض اشخاص "عہد سلاطین چغتائیہ" میں سرکاری عہدوں پہ ممتاز رہے۔ حالات کتاب ملتان "مؤلفہ سیّد یوسف شاہ" میں تحریر ہے"

"واضح باشد۔ کہ از اقوام معتبرہ "سکنۂ قدیم" قوم کنبوہ" بود۔ کہ در عمل "سلاطین چغتائیہ" بعضے از آنہا "بعہدۂ قانون گوئی" "پرگنہ بلدہ" و بعضے بدیگر عہدہ ہائے منصوب شدہ" آمدہ بودند" حالانکہ اشخاص قلیل آنہا باقی ماندہ۔ کہ بعضے از آنہا در ین جا" بعضے "بحسب قسمت آبخورہ" بیروں رفتہ" چوں آں قوم معتبر بود" ساکنان دیگر اقوام خود را بآنہا منسوب ساختہ "کنبوہ" می گویند" (ص۳۴۶)

ترجمہ "جاننا چاہئے کہ "قدیم سکونت رکھنے والی" معتبر قوموں میں سے "قوم کنبوہ" تھی" شاہانِ چغتائیہ (مغلیہ) کی حکومت کے زمانہ میں" بعضے وہاں سے "عہدۂ قانونگوئی پرگنہ بلدہ" اور علاوہ اس کے دوسرے عہدوں پر مقرر ہوکر آتے رہے۔ اُن میں سے جو تھوڑے اشخاص باقی رہے۔ اُن میں سے بھی اکثر اِس جگہ سے آب و دانہ کی کشش سے باہر چلے گئے" کیونکہ یہ قوم معتبر تھی۔ اِس لئے وہاں کی (ملتان کی) رہنے والی دوسری قومیں اپنے آپ کو اُن سے منسوب کر کے "کنبوہ" کہنے لگی ہیں"

غالباً اِس بیان کے بعد کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی کہ "امروہہ" اور دیگر مقامات کے "مسلمان کنبوہ خاندان" ان ہی اشخاص کی اولاد سے ہیں جو "ملتان" سے "بحسب قسمت آبخورہ" دیگر مقامات کو منتقل ہوئے" (ص۳۴۶ و ۳۴۷)

سید یوسف شاہ کی کتاب "حالات ملتان" سے زبیری کنبوہی خاندان کی حیثیت دکھانے سے مؤلف "رشہوی" کا مقصد اور اس کی حقیقت

اسی طرح سے اس سال میں بھی "مؤلف صاحب" نے بجائے "کنبوہ" کے پھر ایک جگہ "کمبوہ" لکھا ہے" خاندان زیر بحث

کے بزرگوں کے ناموں کے سامنے "قدیم وجدید کتابوں میں "کنبوی" لکھا ہے"۔ اور کہیں کسی کتاب میں کسی جگہ "کنبوی" کی "ی" کی شکل بگاڑ کر "کنبوہ" اور کہیں "ی" متروک ہو کر "کنبو" بھی لکھ گیا ہے "کمبوہ یا کمبو" یعنی بجائے نون کے میم سے یہ لفظ اِن بزرگوں کے اسمائے گرامی کے ناموں کے آگے کسی موقع پر تحریر نہیں ملے گا"۔ جیسا کہ مؤلف صاحب کے پیش کئے ہوئے تمام پچھلے اقتباسات اور "سید یوسف شاہ کے اِس اقتباس سے بھی ظاہر ہے"۔ مؤلف صاحب نے لفظ "کنبوی" کو تو اپنے مقصد کو خاک میں ملانے والا سمجھ کر بالکل ہی چھپا ڈالا۔ اور اپنے پیش کردہ کسی اقتباس میں اُسے دکھانا گوارا نہیں کیا"۔ مگر اپنی بحث کے اخیر حصوں میں جو اُنہوں نے اپنی رائے زنی کے موقعوں پر "لفظ کنبو" کو "کمبو" کی شکل میں لکھنا شروع کیا ہے"۔ اُسے "اِملا" کی غلطی نہ سمجھنا چاہئے بلکہ اِس تبدیل اِملا میں اُن کی جو غرض پنہاں ہے"۔ وہ وہاں ظاہر ہوگی"۔ جہاں مؤلف صاحب اپنی تنقید و تحقیق کے خاتمہ پر "اِسی لفظ کمبو" کے تریاق ہے"۔ اپنے اُس جوش کو جو اُن کے دل میں "زبیری کنبوی" خاندان کی طرف سے موجزن ہے"۔ اور جو شروع بحث سے اُبلتا آرہا، "تسکین دیں گے"۔

سید یوسف شاہ کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ "وہ کوئی قدیم شخص نہیں ہیں۔ اُن کی کتاب مغلیہ سلطنت کے بھی بعد قریبی زمانے میں"۔ ایسے وقت لکھی گئی ہے۔ جبکہ مدتوں پہلے "سوائے چند کے "کنبوی" حضرات کی اکثریت ملتان کی سکونت چھوڑ کر باہر جا چکی تھی"۔ انہوں نے جو سُنا اور دیکھا اُسے نیک نیتی سے لکھ دیا ہے"۔ مگر تحقیقات تاریخی سے کوئی غرض نہیں رکھی ہے"۔ اُن کو یہ بات بالکل معلوم نہیں ہے کہ "ہندوستان میں "ابتدائے عملداری مسلمانان سے "یہ خاندان" سلطنت ہائے اسلامیہ کا دست و بازو رہا ہے"۔ اور "دہلی" کے خانوادہ ہائے "ترک" و "خلجی" "تغلق و سیّد" اور "لودیوں" نیز "سوریوں" کے زمانوں میں بھی اِس خاندان کے بزرگ "وزارت و وکالت" "گورنری اور سپہ سالاری" و "شیخ الاسلامی" نیز "مفتی" و "قاضی" اور "چودہرات و قانون گوئی" وغیرہ وغیرہ عہدوں پر مقرر رہے۔ اور دہلی و "سنبھل" و "میرٹھ" "مارہرہ" و "بدایوں" نیز "جیورو آگرہ" وغیرہ میں آکر مقیم تھے"۔ دہلی میں قدامت اِقامت اِس خاندان زبیری کنبوی کی مشہور ہے"۔

"مخدوم شیخ اسحٰقؒ" "مخدوم شیخ سماؤالدینؒ" اور "مخدوم شیخ جمالیؒ" جن کے نام اِس بحث میں مؤلف صاحب نے کئی جگہوں پر دُہرائے ہیں"۔ یہ بزرگ بھی "لودیوں کے اِبتدائی زمانے میں ہی "مُلتان" کو چھوڑ کر "دھلی" تشریف لا چکے تھے"۔ علاوہ اِن بزرگوں کے حالات کے اُن بہت بزرگوں نے بھی جو متذکرہ بالا عہدوں پر ممتاز تھے"۔ اور اس سے بھی کہ کون بزرگ کس زمانے میں آکر کس شہر میں مقیم ہوئے"۔ مؤلف صاحب امروہوی خود بھی واقف ہیں"۔ اِس لئے اُن کے حالات یہاں لکھنا غیر ضروری ہیں کیونکہ ہم اِس خاندان کی یہاں تاریخ نہیں لکھ رہے ہیں"۔ اگر "سیّد یوسف شاہ" کا یہ مطلب ہے کہ "زمانہ سلطنت مغلیہ میں اِس قوم یا خاندان کے اُن قلیل اشخاص میں سے بھی جو "ملتان میں" باقی رہ گئے تھے کچھ اور افراد باہر چلے گئے تب تو اُن کا لکھنا ٹھیک اور درست ہے"۔

لیکن اگر وہ اِس خاندان کے بزرگوں کے مختلف عہدوں پر مقرر ہو کر باہر چلے جانے کو "صرف مغلیہ سلطنت کے زمانہ ہی سے مخصوص سمجھ رہے ہیں تو اس کی مؤلف امروہوی بھی تصدیق کریں گے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے"۔ کیونکہ کتابوں میں کہیں کہیں "لفظ کنبوی" کو جیسا کہ ہم اُوپر بتا چکے ہیں "کنبوہ یا کنبو بھی لکھا گیا ہے"۔ اور امتداد زمانہ سے یہ دونوں لفظ جو بغلط عام شہرت پکڑ کر خاندان حضرت زبیرؓ کے ساتھ بولے جانے لگے تھے"۔ اِس لئے "سیّد یوسف شاہ" نے بھی اِس خاندان کو اُسی لقب سے رُوشناس کرایا ہے جو اُن کے زمانے میں بولا جانے لگا تھا"۔ قوم یا خاندان میں کوئی فرق نہیں ہے"۔ جس طرح "قوم قریش لکھتے ہیں"۔ "خاندان قریش" بھی لکھتے ہیں"۔ اِن دونوں سے ایک ہی مفہوم لیا جاتا ہے"۔ "سیّد یوسف شاہ" نے اِس خاندان کے نسب کے متعلق کھول کر کچھ نہیں لکھا لیکن اس کی تعریف جن الفاظ میں کی ہے"۔ اُس سے زیادہ مؤثر طریقہ خاندان زبیری کنبوی کے علوئے شان و مرتبت اور عالی نسبی کے اظہار کا دوسرا ہونا ممکن نہیں ہے"۔ وہ لکھتے ہیں کہ "یہ قوم ایسی معتبر تھی کہ اُس کے چلے جانے کے بعد" دوسرے خاندانوں نے اُس کا لقب "بطور فخر کے اختیار کر لیا ہے"۔) کوئی قوم کسی دوسری قوم سے خواہ وہ کیسی ہی "صاحب علم و اِتقا" اور صاحب جاہ و منزلت" یا صاحب سلطنت و حکومت" کیوں نہ ہو"۔ اپنے آپ کو

منسوب نہیں کیا کرتی " یہ قوم جس کا حال " سید یوسف شاہ " نے لکھا تھا اور مؤلف صاحب نے اُسے پیش کیا ہے " اگر عالی نسب " یعنی " زبیری کنبوی " نہ تھی " تو اس چیستاں کے حل کرنے کے لئے " ہم مؤلف صاحب ہی سے دریافت کرتے ہیں " کہ آخر کیا وجہ درپیش ہوگئی تھی " جو دوسری قوموں نے " اِس خاندان کا لقب " اختیار کر لیا۔ اور اسے اپنے لئے باعثِ فخر سمجھا "

مؤلف صاحب نے جو سیّد یوسف شاہ کی کتاب سے اقتباس پیش کیا ہے " اس سے اُن کا مقصد یہ تھا کہ لفظ کنبوہ " لکھا ہوا دکھائیں " مگر اس لفظ کو دیکھ کر وہ ایسے مبہوت ہو گئے کہ ہوش و خرد کو جواب دے بیٹھے اور اپنے جوش میں یہ نہ سمجھ سکے کہ سیّد یوسف شاہ کے اس بیان سے اِس زبیری کنبوی خاندان کے علوئے نسب اور حسب کا ایک جیّد ثبوت اور سامنے آگیا ہے " جس کے لئے بیساختہ ہمیں کہنا پڑا کہ ع " عدو شود سببِ خیر گر خدا خواہد "

باب بست و سوئم[۲۳]

" ملتان میں اب بھی مسلمان " کمبوؤں " کے خاندان آباد ہیں " کلک کرم ایزد " بی۔ اے۔ ال۔ ال۔ بی " اُن میں ہیں " یہ لوگ اپنے کو " ہندی الاصل " سمجھتے ہیں۔ اور " زبیریت کی " کوئی روایت اُن میں موجود نہیں ہے " اور " ہندو کمبوہ " بھی " ملتان " اور اس کے نواح میں موجود ہیں "

(ب) " ہندو کنبو " بھی " سلاطین ہند " کے عہد میں " مناصب جلیلہ پر فایز تھے " مثلاً " راجہ روشن رائے کنبوہ " جو رائے رایان کے " خطاب سے مخاطب " اور " نواب وزیر اعظم " قمر الدین خاں کے " وزیر تن تھے " (عادت السادت ص[۵۵])

(ج) ملتان کا " ایک ذی علم ہندو " جو مشہور کتاب انشا کا مصنّف ہے۔ دیباچہ میں اپنی قومیت کا اظہار اِن الفاظ میں کرتا ہے "

" فقیر حقیر ہیچمدان۔ اضعف عباد " ہرکرن ولد متھرا داس " کنبو " ملتانی " روزے در دار النجاۃ " بلدہ متھرا " صحبت یاران نشستہ بود " (ص[۳۴۷])

بلا کسی سند کے ایک غیر معروف شخص کا نام پیش کر کے۔ مؤلف امر وہوی کی اپنی کا برآری کی کوشش

فقرہ الف میں " مؤلف صاحب نے جن خاندانوں کا ذکر کیا ہے " اور انہیں خود ہی " کمبوہ " بتایا ہے " " کنبوی یا کنبوہ " نہیں لکھا ہے " تو ہمیں اِس بات کی کہ وہ اپنے آپ کو کس نسل سے منسوب کرتے ہیں بحث میں پڑنے کی مطلق کوئی ضرورت نہیں ہے " مگر اُن کے بیان میں یہ بات غور طلب ہے کہ " ملتان اور نواح ملتان میں " اِن کمبوہ خاندانوں کے آباد ہونے کی انہوں نے جو کوئی ایک سند بھی پیش نہیں کی ہے آخر اس کی وجہ کیا ہے " محض ایک غیر معروف شخص کا نام لکھ دینے سے یہ بات کس طرح پایۂ یقین کو پہنچ سکتی ہے کہ " یہ خاندان اُن مقامات پر ضرور آباد ہیں " جن کے متعلق " مؤلف صاحب نے اپنے جریدہ بیان کے سوائے " کوئی بھی حوالہ کسی قسم کا پیش نہیں کیا ہے " اور اگر کنبوی حضرات کے علاوہ کمبو بھی ملتان میں آباد ہیں تو اس میں کون سے تعجب کی بات ہے۔ جیسا کہ عرب سے یو۔پی وغیرہ میں آن کر آباد ہو سکے ہیں۔ اِس لئے پنجاب کے کچھ کمبوؤں کا ملتان میں آباد ہو جانا کنبوی لوگوں پر کیونکر اثر انداز ہو سکتا ہے "

---------- ٭ ----------

قریشی کنبوہ خاندانوں کے ملتان اور نواحِ ملتان میں اَب تک سکونت پذیر ہونے کی شہادت ایک سیاح کی یادداشت سفر ملتان سے

"منشی سید احمد صاحب مرحوم و مغفور" "منیجر شیعہ ہائی اسکول آگرہ" اور "مصنف" "مرقع اکبرآباد" "بوستانِ خیال" "آثارِ اکبری" "آثارِ خیر" "حیاتِ خسرو" "حیاتِ صالح" اور "ریاضِ محمدیہ" وغیرہ نے ہمارے چھوٹے بھائی "میاں اِمداد احمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ" "بی۔ اے علیگ و ڈپ ایڈ عثمانیہ" کے پاس" اپنے گرامی نامہ مورخہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۵ء کے ساتھ "منشی احمد الدین صاحب ایم۔ اے" ایل۔ ٹی" پروفیسر تاریخ کی "یادداشت سفر ملتان" قلمی روانہ فرمائی تھی اور وہ اب ہمارے پاس موجود ہے"

اس کے ص۷ پر تحریر ہے کہ "ایک سوداگر صاحب سے جو چمڑے کی تجارت کرتے ہیں۔ دریافت کرنے سے یہ معلوم ہوا کہ کنبوہ "تحصیل خانوال" میں آباد ہیں اور زراعت پیشہ لوگ ہیں" ایک نائب تحصیلدار" البتہ یہاں ہیں۔ مگر وہ کچہری گئے ہوں گے"

اور ص۸ پر ہے کہ "ایک کنبوہ ملے" جو کاشتکاری کرتے ہیں" جوان العمر آدمی تھے" مگر سوائے اس کے وہ اور کچھ نہ بتا سکے کہ "ہمارے باپ دادا" اپنے آپ کو "شیخ قریشی" لکھتے تھے۔ وہ ہی ہم لکھتے ہیں" اور وہ "کنبوہ" کو "نون" ہی سے لکھتے ہیں" "ہندو کنبوہ" یہاں نہیں ہیں"

اور ص۹ پر لکھا ہے کہ "صبح لائبریری میں جاکر "ملتان" کا "ڈسٹرکٹ گزیٹیر" دیکھا۔ اس میں سوائے اس کے کہ "قوم کنبوہ" کی اس قدر آبادی ہے" اور کچھ ذکر اُن کا تحریر نہیں ہے" جغرافیہ دیکھا" اس میں بھی کچھ پتہ نہ چلا" لائبریرین نے ایک ضخیم اور بڑی تقطیع کی کتاب، جس کے آٹھ سو چھتیس صفحات تھے۔ پیش کی" یہ کتاب "منشی حکم چند" نے ۱۸۸۰ء کے قریب لکھی تھی۔ جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا۔ اس میں اُن تمام قوموں کے شجرے جو یہاں آباد ہیں اپنے وقت کے دیئے ہیں۔ مگر "کنبوہ قوم" کا کہیں ذکر نہیں" "شیخ قریشیوں" کے متعلق لکھا ہے کہ "حضرت شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ" اور "حضرت رکن الدینؒ" کی اولادیں سے ہیں" (سب جانتے ہیں کہ "حضرت رکن الدین رکن العالمؒ" جو "حضرت بہاؤالدین ذکریاؒ" کے پوتے اور اپنے والد بزرگوار "حضرت صدرالدینؒ" کے جانشین تھے۔ انہوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی" اس لئے اُن کی وفات کے بعد اُن کے جانشین اُن کے بھتیجے ہوئے تھے)

اِس بیان سے حکم چند کی واقفیت پر بخوبی روشنی پڑتی ہے"

اور ص۱۰ پر ہے کہ "ہیڈ ماسٹر صاحب کے ذریعہ سے" اُن بچوں کے باپوں سے ملا جو "کنبوہ" تھے۔ انہوں نے یہ کہا کہ ہم "شیخ قریشی ہیں" کیونکہ ہمارے آباؤ اجداد بھی یہ ہی تھے"

پھر "امیر دین صاحب" سے ملا جو "تحصیلدار نہیں" بلکہ "قانون گوؤں" کے انچارج ہیں" انہوں نے اپنے آپ کو "شیخ قریشی" ہی بتایا" اور پردادا تک جو نام یاد تھے وہ گنائے۔ تمام نام دین پر ہی ختم ہوتے تھے" اور بقیہ جتنے "کنبوہ" اُن کی نظروں میں تھے۔ سب کے نام "دین پر تھے"

اور ص۱۱ پر ہے کہ "ایک بھاٹ سے ملنا ہوا۔ جس کو تمام شجرے یاد ہیں۔ اور اُس کو سرکار سے "رائے بہادر" کا خطاب ملا ہے" اُس نے کہا کہ "ہم صرف اتنا جانتے ہیں کہ وہ (کنبوہ) شیخ قریشی" ہیں" اب آگے آپ جیسا کہیں ہم ان کا شجرہ بنا کر کتنا بنا دیں" میں نے کہا۔ ہم اس قسم کی روایات نہیں چاہتے"

اور ص۱۲ و ۱۳ پر ہے کہ "شیخ بہاؤالدین ذکریاؒ" کے سجادہ نشین "مرید حسین صاحب" سے ملا مگر صرف چند منٹ کے واسطے" وہ آنریری مجسٹریٹ ہیں۔ اور مقدمات کے واسطے لوگ صبح ہی سے آگئے تھے" انہوں نے "کنبوہ" کی وجہ تسمیہ سے لاعلمی ظاہر کی" میں

اُن کے پاس سے واپس چلا آیا۔"

اور صلا پر ہے کہ "لاہور" کی لائبریری میں "عبدالطیف صاحب" کی "تاریخ ملتان" ہے "چھوٹی سی کتاب ہے۔ اور خُوب لکھی ہے۔ مگر "کنبوہوں" کا اس میں کہیں تذکرہ نہ تھا"

اور صلا پر "منشی احمدالدین صاحب" کے بیان میں جن "شیخ امیردین صاحب کنبوہ" کا ذکر آیا ہے" اور جو پہلے نایب تحصیلدار" اور پھر صدر قانون گو ہوئے" انٹرنس پاس ہیں اور اُن کے چچا "تاج دین صاحب" تاجر چرم ہیں۔ وہ "ملتان" کے قریب "موضع کہرو ریکا" کے رہنے والے ہیں۔ جہاں اب تک "قریشی النسل کنبوہوں" کی مختصر آبادی موجود ہے۔ جو پنجاب کے "نومسلم کنبوہوں سے" بالکل جداگانہ ہستی رکھتے ہیں" اور اپنے آپ کو "شیخ قریشی" کہتے اور "کاغذات سرکاری میں بھی "شیخ قریشی" لکھے جاتے ہیں "زراعت کا پیشہ کرتے ہیں "علم اُن میں باقی نہیں رہا" صرف چند آدمی اُن میں تعلیم یافتہ ہیں جن میں ایک "شیخ امیردین صاحب" بھی ہیں "خاص "ملتان" میں بھی "قریشی النسل کنبوہ" موجود ہیں۔

ہمارے پیش کردہ اقتباسات کی روشنی سے کیونکہ مؤلف صاحب کے بیان کردہ فقرہ الف کی حقیقت بخوبی معلوم ہو گئی ہے" اس لئے اُس پر اب مزید کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے"

"روشن رائے کی حقیقت اور اُس کے پیش کرنے سے مؤلف امروہوی کا مقصد"

مؤلف صاحب کے فقرہ "ج" کے بارے میں دھوکے سے بچانے کے لئے ہمیں یہ بتا دینا ضروری ہو گیا ہے کہ "شہر کنباہ" کے تعلق رکھنے والے "کنبوہی" (بروزن امروہوی ولکھنوی) یا "کنبوہ" خاندانوں میں سے سوائے "زبیری کنبوہی" خاندان کے کوئی بھی دوسرا خاندان "علم وفضل" "ورع وتقویٰ" "قدر ومنزلت" "جاہ وثروت" اور "مناصب حکومت وغیرہ کا حامل نہیں رہا ہے"

اگر اِس خاندان کے "اُمراء" "وزیروں" "گورنروں" "سپہ سالاروں" "کمانڈروں" "بادشاہ گروں" "قائدوں" "شیخ الاسلاموں" "قاضیوں" "مفتیوں" "میرمنشیوں" اور دیگر مناصب عظمیٰ رکھنے والوں "جاگیرداروں" نیز "مشائخ طریقت" "علماء" "فضلاء" "شعراء" "حکماء" اور "مصنفین" وغیرہ کے صرف ناموں ہی کی فہرست دی جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے گی" جیسا کہ اِبتداء سے یہ خاندان اِن متذکرہ صفات سے متصف رہا ہے۔ آج بھی اپنی اُسی حیثیت کو قایم رکھے ہوئے ہے" مؤلف صاحب نے خود بھی اپنی اِسی بحث میں ہمارے متذکرہ بیان کی تایید کی ہے" کیونکہ اُنہیں کوئی موقع اس سے انکار کا کسی صورت میں بھی نہیں مل سکا" اِس لئے وہ اِس خاندان کے عُلوئے مرتبت وشان اور علم وفضل پر "کچھ نہ کچھ روشنی ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ اور اپنے اُس مقصد کو پیش نظر رکھ کر بھی جسے "لفظ کنبوہ" سے انہوں نے حاصل کرنا چاہا ہے" اور اس قدر جانفشانی کی ہے" انہیں اس خاندان کی یہ حیثیت بتانی پڑی ہے"

جس طرح مؤلف صاحب نے جگہ جگہ اور بار بار لفظ کنبوہ کی تکرار کی ہے" یعنی جہاں بھی یہ لفظ انہیں ملا ہے اُسے انہوں نے چھوڑا نہیں ہے بلکہ نہایت چابکدستی کے ساتھ پیش کر کے اُس پر رائے زنی کی ہے۔ اسی طرح انہوں نے یہاں بھی صرف ایک ہندو کے نام کے سامنے کنبوہ لکھا ہوا دکھلا کر اپنی اُسی جانی بوجھی غرض کو حاصل کرنا چاہا ہے کہ کیسے بھی ہو۔ اِس خاندان کا "ہندی النسل ہونا" اُن کے ناظرین کے ذہن نشین ضرور ہو جائے" مزید منشا اُن کا "راجہ روشن رائے" کو دکھلانے سے یہ بھی ہے کہ "وہ اِس بات کو ذہن نشین کر دیں کہ "شاہان پیشین نے" خاندان ربیر یعنی "زبیری کنبوہی" کی اُس کی عالی نسبی اور علم وفضل کی وجہ سے قدر ومنزلت نہیں کی تھی" اور اُسے ہی مناصب نہیں دیئے تھے بلکہ "ہندو کنبوہ" بھی ان مناصب اعلیٰ پر سرفراز تھے" تاکہ اس لفظ "کنبوہ" کے اشتراک سے اور ان دونوں کے یکساں مناصب پر مقرر ہونے سے اُن کے ناظرین "اپنا اکلوتے ہندو" اور "زبیری کنبوہوں" میں تمیز نہ کر سکیں اور انہیں ایک سمجھنے کے دھوکے میں آجائیں"

مؤلف صاحب کی جدوجہد کو دیکھکر جو اظہر من الشمس ہے" یہ بات یقین سے کہی جا سکتی ہے کہ انہیں تلاش بسیار کے بعد بھی سوائے "روشن رائے" کے کوئی دوسرا "ہندو کنبوہ" ایسا نہیں مل سکا جو کسی عہدے پر مقرر ہوا ہو۔ ورنہ وہ اُس کے نام و عہدہ کو ظاہر کئے بغیر ہرگز باز نہ رہتے" اور اس ایک ہی نام پر اکتفا کر کے خاموش نہ ہو جاتے" "راجہ روشن رائے" کے زمانے اور اُن کے عہدے کی حیثیت جاننے کے لئے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ "سلطنت مغلیہ کے زوال کے زمانے میں "نواب قمر الدین خاں" "محمد شاہ رنگیلے" کے وزیر تھے" بعض اُمرا اپنی پیشی میں "ہندو متصدیوں یا منشیوں کو رکھنے لگے تھے" اور اپنے خانگی انتظامات کے لئے "بطور داروغہ بھی اُن کو رکھ لیتے تھے" اسی قبیل سے یہ "راجہ روشن رائے" تھے۔ جن کو "زبیری کنبوی" بزرگوں کے مقابلہ میں پیش کرنا "راجہ بھوج" کے مقابلہ میں "گنگا تیلی" کو پیش کرنے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا" بادشاہوں کے وزیر تن ہونے کا حال تو سب جانتے ہیں مگر کسی وزیر اعظم کے وزیر تن ہونے کا حال کسی کو بھی معلوم نہیں ہے" مؤلف امروہوی نے یہ نیا انکشاف کیا ہے کہ "وزیروں کے بھی وزیر تن ہوتے تھے" "سبحان اللہ"

کتاب عماد السعادت ہمارے مطالعہ میں نہیں آئی ہے" اور ہمیں یہ معلوم نہیں ہے کہ "راجہ روشن رائے" کے نام کے سامنے "کنبوہی یا کنبوہ یا کمبوہ" میں سے کونسا لفظ لکھا ہوا ہے" اور اس کے سکنی یا قومی لقب میں مؤلف امروہوی نے کیا کتر بیونت کی ہے۔

مؤلف امروہوی کی کھلی بے ایمانی "ہرکرن کنبوی کو کنبوہ باور کرانا"

لیکن فقرہ (ج) میں ایک کتاب "انشا کے مصنف "ہرکرن ولد متھرا داس" کا جو مؤلف موصوف نے ذکر کیا ہے اور اُس کے نام کے سامنے "کنبوہ" لکھا ہے" اس لفظ "کنبوہ" کے لکھنے میں بھی حسب معمول انہوں نے بددیانتی سے کام لیا ہے" یہ کتاب قلمی اور چھوٹے سائز کی ہے "قرول باغ دہلی" میں مؤلف صاحب کے ایک ہم وطن سید ظہیر حسن صاحب امروہوی صاحب دارالفلاح کے کتب خانہ میں ہم نے دیکھی ہے" ہمیں بتایا گیا کہ مؤلف امروہوی بھی اس کتاب کو دیکھ گئے ہیں" اس طرح گویا ہم نے وہ ہی کتاب دیکھی ہے۔ جس سے مؤلف صاحب نے یہ عبارت لے کر اس بحث میں پیش کی ہے" مگر اس کتاب انشا میں اُس کے مصنف کے نام کے سامنے "کنبوہ" لکھا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ ہرکرن ولد متھرا داس "کنبوی" لکھا ہے"

ہم کہیں اوپر بتا چکے ہیں کہ "مؤلف صاحب نے جن کتابوں سے حوالے دیئے ہیں۔ اُن میں اپنے حسب منشا کتر بیونت کر دی ہے" خاندان زیر بحث کے جن بزرگوں کے ناموں کے سامنے "کنبوی" لکھا ہے" انہوں نے اُسے پیش نہیں کیا ہے۔ اور اپنی ساری تنقید میں "کنبوہ" کے سوائے "کنبوی" ایک جگہ بھی لکھا ہوا نہیں دکھایا ہے" یہاں اُنہیں کیونکہ ایک "ہندو" کے سامنے "کنبوہ" لکھا ہوا دکھانا ضروری تھا" اس لئے اُس کے نام کے سامنے کے لفظ "کنبوی" میں تھوڑی سی تحریف کر کے "کنبوہ" بنا لیا ہے۔ تو اس سے ان کی تحقیقات کی حقیقت خود ہی عیاں ہو گئی ہے"

اب ہم اس بحث کو ختم کرتے ہوئے "یہ بتانے کے بعد کہ زبیری کنبوی خاندان کے مقابلہ میں مؤلف صاحب کو جو دوسرے کنبوی خاندان کے سربراہ ایک ہی شخص کی تصنیف دکھا کر خاموش ہو جانا پڑا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ "وہ کثیر کتابوں کی ورق گردانی" اور کوشش بسیار کے بعد بھی "اس میں کوئی دوسرا مصنف نہیں پا سکے" اگر وہ انہیں کہیں مل جاتا تو اُس کے ظاہر کرنے میں ہرگز کوتاہی نہ کرتے"

اب ہم "تذکرۂ بالا کتاب انشا کے پورے ایک صفحہ کی نقل کئے دیتے ہیں" جس سے ہمارے اس بیان کی بخوبی تصدیق ہو جائے گی کہ "انشا" میں "ہرکرن ولد متھرا داس" ... "کنبوہ" کے بجائے "ہرکرن ولد متھرا داس کنبوی" لکھا ہے" اور "کنبوہ" لکھنے میں مؤلف صاحب نے تحریف کا عمل کیا ہے" ملاحظہ ہو"

اِنشاءِ ہرکرن کا دیباچہ

(از مکتوبات ہرکرن ولد متھرا داس " صفحہ۱ بعد از حمد و سپاس

در حضرت ایزد متعال ذو الجلال اینکہ بندہ شکستہ و دلِ خستہ عاصی

فقیر الحقیر ہیچدان اضعف عباد اللہ " ہرکرن ولد متھرا داس "

کنبوی ملتانی " روزے در دار الخلافت بلدہ متھرا " بصحبتِ

یاران نشستہ بود۔ بعضے دوستان گفتند " کہ تو تا مدتے در خدمت

نواب غفران پناہ - حاتم زماں - رضوان دستگاہ - نوشیروان عصر "

اعتبار خاں " منشی بود - عمرے در فن انشا صرف کردی چیزے

بطریق یادگارے بنویس " صفحہ۲ کہ تا مردم بخواندن آں بہرہ حاصل

نمایند - بحکم اشارت آں عزیزان خطی چند بعبارت شکستہ و بستہ -

در قید قلم آمد کہ طالبان ایں فن را در نوشتن روزمرہ بکار آید مشتمل

بر ہفت باب است "

نقل مکتوبات ہرکرن ولد متھرا داس صفحہ۱و۲ بعد از حمد و سپاس

در حضرت ایزد متعال ذو الجلال بندہ شکستہ و دلِ خستہ گنہگار "

فقیر الحقیر " ہیچداں اضعف العباد " ہرکرن ولد متھرا داس "

" کنبوی ملتانی " ایک دن دار الخلافہ بلدہ متھرا میں یاروں کی

صحبت میں بیٹھا ہوا تھا " بعضے دوستوں نے کہا کہ " تو مدت تک خدمت

میں نواب غفران پناہ " حاتم زماں " رضوان دستگاہ " نوشیروان عصر "

اعتبار خاں کا منشی تھا۔ اور تو نے اپنی عمر کو فن انشا میں صرف

کیا ہے " کوئی چیز بطور یادگار لکھ - تاکہ لوگ اُسے پڑھکر واقفیت

حاصل کریں " اُن عزیزوں کے کہنے کے بموجب " چند خطوط عبارتِ

شکستہ و بستہ میں لکھ دیئے ہیں کہ اس فن کے خواہشمندوں کے روزمرہ

لکھنے میں کام آ دیں " سات باب پر یہ کتاب مشتمل ہے "

مؤلف امروہوی کی بددیانتی " اور اُن سے ہمارا خطاب "

یہ بخوبی دکھانے کے بعد کہ " ہرکرن ولد متھرا داس " نے اپنے آپ کو " کنبوی " لکھا ہے اور مؤلف صاحب نے اُسے " کنبو " لکھکر بددیانتی سے کام لیا ہے " ہم اُن سے دریافت کرتے ہیں کہ اگر شیخ " سیّد " مغل " پٹھان " وغیرہ مسلمان " امروہہ کے باشندے ہونے کی وجہ سے " امروہوی " اپنے آپ کو لکھتے ہیں " اور ہندو اقوام باشندگان امروہہ بھی امروہوی لکھے اور کہے جاتے ہیں تو اس لفظ امروہوی " کو اِن اقوام مختلفہ کے نسب سے کیا تعلق ہے " اور اِن سب کا ایک نسب کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے "

باب بست و چہارم [۲۴]

" قوم کنبوہ " کے اصل و نسب کے بارے میں " مبسوط تصنیف " چوہدری وہاب الدین "

" کمبوہ " کی " تاریخ کمبوہان " اِن حضرات کے مطالعہ کے قابل ہے - جو اس بحث سے

دلچسپی رکھتے ہیں " اس کتاب میں اِس امر کو ثابت کیا گیا ہے کہ " کمبوہوں " کے جملہ خاندان

خواہ ہندوستان کے کسی صوبہ میں آباد ہوں " اِسی ایک گروہ سے ہیں " جو قدیم ایرین

قوم کی شاخ ہیں " اُن کی آبادی " پنجاب " گجرات " کابل " اور نواح غزنی تک "

پھیلی ہوئی تھی " اور ایک زمانہ میں " افغانستان کے مشرقی حصّہ کو اِسی نسبت سے

(فوٹ ۱) منشی ہرکرن ولد متھرا داس کنبوی ملتانی " عہد جہانگیر میں نواب اعتبار خاں کا منشی تھا جو سنہ ۱۰۳۱ ہجری و سنہ ۱۰۳۲ ہجری میں اکبر آباد کا صوبیدار تھا۔ جب انگریزوں کو فارسی میں کاروبار کی ضرورت ہوئی تو انہوں نے اس کی انشاء کو پیش نظر رکھا تھا۔ اس کا انگریزی میں ترجمہ بھی ہوا " ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ " مرتبہ سیّد عبد اللہ ایم - اے - ڈی لٹ، شائع کردہ انجمن ترقی اردو سنہ ۱۹۴۲ء)

"کمبوج" کہا جاتا تھا "صرف صوبہ پنجاب میں" ہندو اور مسلمان" کمبوؤں کی تعداد" "اکیاسی ہزار چار سو اکیانوے ہے" بلادِ مغربی کے "کمبوہ" ابتدائی صدیوں میں مشرف بہ اسلام ہوئے "اس کے بعد رفتہ رفتہ دوسرے خاندانوں نے بھی اسلام قبول کیا" اُن ہی مسلمان کمبوہوں میں جو بزرگ ابتدائی زمانہ میں "اسلامی عساکر" کے ساتھ "شمالی ہند میں چلے آئے" یا جو عہد مغلیہ کے ابتدائی دور میں "ملتان و لاہور" وغیرہ سے "دہلی" آئے۔ وہ یہیں کے ہو رہے" ان میں سے بعض نے "عہدِ مغلیہ" میں "کافی شہرت" اور" ترقی حاصل کی" اُن کی اولاد" دہلی کے قرب و جوار" مختلف مقامات میں" جہاں سادات و شرفا کی آبادیاں تھیں" سکونت پذیر ہوگئی" صوبجات متحدہ کے کمبوہ اُن ہی کی نسل ہیں" چونکہ یہ لوگ" پنجابی برادری سے علیحدہ ہو گئے" دولت اور علم میں بھی اُن سے ممتاز رہے" عربی و قریشی" خاندانوں کے دوش بدوش آباد ہوئے" اس بنا پر ان میں بھی یہ جذبہ پیدا ہوا" کہ وہ اپنے آپ کو "عربی النسل" مشہور کریں" انہوں نے سابقہ نسبت کے لحاظ سے جو "حضرت شیخ ذکریا ملتانی" کے خاندان سے" اُن کے مورثوں کو رہی ہے" زبیری" کہنا شروع کر دیا" حالانکہ حقیقتاً وہ "نہ عربی النسل ہیں" نہ زبیری" بلکہ ہندی الاصل ہیں" اور نسباً آرین چھتری" (ص ۳۴۷ و ۳۴۸)

اس بیان میں جن باتوں کی طرف مؤلف امروہوی نے توجہ دلائی ہے اُن میں سب سے پہلے تاریخ کمبوہان دیکھنے کی سفارش کی ہے" ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ کوئی مؤلف جسے تحقیقات پر درک رکھنے کا دعویٰ ہو اس کتاب کو بہ نظرِ غایر دیکھکر کبھی بھی اُس کے نوشتوں کو دیکھنے کی اپنے ناظرین سے سفارش کرنے کی جراءت نہیں کرسکتا" مگر کیونکہ ہر رطب و یابس بات کو اپنا لینا اور اپنے مقصد کے حصول کے لئے اُسے پیش کر دینا مؤلف موصوف کے پیشِ نظر رہا ہے اور اس موقع پر بھی اُن کا مطلب "زبیری کمبوہی" خاندان کے حسب و نسب میں فی نکالنا تھا" اس لئے انہوں نے اس سے کوئی غرض نہیں رکھی کہ جس کتاب کے دیکھنے کی وہ سفارش فرما رہے ہیں اُس کی حیثیت کیا ہے"

مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کی طرح کیونکہ ہم تاریخ کمبوہان کے مؤلف کی تحقیقات کی حقیقت اور دلی مقصد سے بھی پہلے ہی واقف ہو چکے تھے" اس لئے ہم نے اُن کی پوری تحقیقات کی داد دینے کے لئے ایک علیحدہ جلد میں ایسا مواد جمع کر دیا ہے جس سے تاریخ کمبوہان کی حقیقی صورت حال سامنے آگئی ہے" رہی مؤلف صاحب امروہوی کی تحقیق "مورخانہ نظر" سچائی" تحقیقی دلائل" حوالہ جات" منقولات" اقتباسات کی حیثیت" واقعات کی پردہ پوشی" اور" دلی حالت وغیرہ وغیرہ کی کیفیت تو وہ اس کتاب کے مطالعہ سے ظاہر ہو گئی ہے"

اب لگے ہاتھوں تاریخ کمبوہان کے بھی چند نمونے پیش کرتے ہیں تاکہ مؤلف امروہوی کی اس کتاب کے دیکھنے کی استدعا خالی نہ جا سکے"

تاریخ کمبوہان کی حیثیت کی ایک جھلک

مؤلف تاریخ کمبوہان کی "قوم کمبوہ" نامعلوم زمانے سے پس ماندہ حالت میں چلی آرہی ہے" تاریخیں اور تذکرے

اُس کے حالات سے یکسر خالی ہیں" اپنی قوم کو اُبھارنے کے لئے جس جذبہ کو لے کر اس کتاب کے لکھنے کی کوشش کی گئی وہ بہت احسن اور قابلِ ستائش جذبہ تھا۔ لیکن جو طریقہ اختیار کیا گیا وہ کسی طرح مقصد کی تکمیل کے لئے معاون ثابت نہیں ہو سکتا" انہوں نے "زبیری کنبوی خاندان" اور "قوم کمبو" میں التباس پیدا کرنے کی سعی کی" حقیقت سے منہ موڑ کر اور واقعات کو اخفا کر کے جو چاہا اور جس طرح چاہا اپنی کتاب میں لکھ مارا" کیونکہ اس کتاب میں "قوم کمبو" کو اعلیٰ نسل سے ظاہر کرنے کے شوق کی وجہ سے عربوں سے تو وہ اپنا رشتہ یوں نہیں ملا سکتے تھے کہ اُن کی قوم میں "مسلمان" "ہندو" اور سکھ بھی موجود تھے" لہٰذا اُن کو اپنی باگ دوسرے میدانوں کی طرف موڑنی پڑی"

قوم کمبو اپنے متعلق کسی ایک بات پر متفق نہیں ہے" (۱) کوئی کہتا ہے کہ ہم "راجہ کرن" کی اولاد ہیں"

(۲) کوئی کہتا ہے کہ ہم "راجہ کمبوج" کی اولاد ہیں جو ملتان کا راجہ تھا"

(۳) کوئی کہتا ہے کہ ہماری قوم کا نام پہلے "کم بدھ" تھا وہی بعد میں "کمبو" ہو گیا"

(۴) اور کوئی اس بات پر زور دیتا ہے کہ گجرات کی "خلیج و شہر کھمبے یا کھمبایت" کی وجہ سے ہماری قوم کا نام "کمبو" پڑا ہے" لیکن ہم سورج بنسی چھتری "راجہ رامچندر جی والئے اودھ" کی اولاد میں سے اُس راجہ کی نسل سے ہیں جس نے کاٹھیاواڑ گجرات میں جا کر اپنی حکومت و سلطنت قائم کی تھی اور جو کھمبے شہر کا بانی تھا" وغیرہ وغیرہ"

"مؤلف تاریخ کمبوہان" نے ان سب باتوں سے اختلاف کر کے اپنے رشتہ کو "کورش اعظم" المشہور بہ کیخسرو (جسے مولانا ابوالکلام آزاد نے قرآن شریف میں مذکور "ذوالقرنین" بتایا ہے") کے بڑے بیٹے "شہنشاہ کامبوزیا (کیقباد) سے جا ملایا ہے۔ جو اپنے باپ کے بعد اس کا جانشین ہوا اور مصر کو اس نے مغلوب کیا اور وہاں سے واپس ہوتے ہوئے یہ سن کر کہ اس کی غیبت میں ایران پر ایک شخص نے قبضہ کر لیا ہے" اُس نے خودکشی کر لی تھی" اس پر مؤلف موصوف نے اپنی طرف سے یہ ایزاد کیا ہے کہ "شاہنشاہ کامبوزیا" کی اولاد باپ کی خودکشی کے بعد سلطنت کے غاصب کے خوف سے ایران نہیں گئی" بلکہ افغانستان چلی آئی اور "کمبوج" کے نام سے مشہور ہوئی" پھر اُس نے افغانستان میں اپنی حکومت بھی قائم کر لی جس کی وجہ سے افغانستان "کمبوج" کہلانے لگا" مرور زمانہ گزرنے کے بعد "کمبوج قوم" "قوم کمبو" کہلانے لگی" اس قوم کمبو نے بڑی ترقی کی "افغانستان" سے نکل کر "کاٹھیاواڑ گجرات میں اُس نے "کھمبے" کی سلطنت قائم کی اور بنگال پر بھی حملہ آور ہوئی۔ یہاں تک کہ "ہند چینی میں پہنچ کر اس نے اپنی سلطنت قائم کر لی" (اس لئے کہ ایرانی "آریا تھے" اور شہنشاہ کامبوزیا بھی ایرانی تھا" "قوم کمبوج" جو اب کمبو کہلاتی ہے" "آرین چھتری یا راجپوت ہے"

پھر اس قوم کے کمبوج سے کمبو نام پڑنے کی وادِ تحقیق اس طرح دی ہے کہ "کمبوج" کی جیم کو "پنڈت جی" "شیخ جی" کی طرح عزت کا لفظ خیال کرتے ہوئے "سلطان شمس الدین التمش" نے بولنے کو منع کر دیا تھا۔ اس لئے اس وقت سے یہ لفظ کمبوج لنڈورا ہو کر "کمبو" کہلانے لگا ہے"

مؤلف تاریخ کمبوہان نے اسی طرح کی من گھڑت باتیں تحریر کرتے ہوئے کتب تواریخ میں زبیری کنبوی خاندان کے سکنی لقب کنبوی کو دیکھتے ہوئے بھی اس کو بالکل ہی اخفا کر لینا مناسب خیال کر کے مؤلف امروہوی کی طرح کنبو بھی نہیں بلکہ اپنی قوم کا نام "کمبو" لکھا ہوا . باور کرایا ہے۔ اور اپنا پورا زور اس بات پر صرف کیا ہے کہ زبیری کنبوی خاندان اور اُن کی قوم "کمبو" (جو بقول مسٹر آرنلڈ کاٹھیاواڑ گجرات کی ایک پنچ قوم سے تعلق رکھتی ہے) کو ایک ہی سمجھا جا سکے۔

مؤلف تاریخ کمبوہان نے اسی پر ہی بس نہیں کی ہے" بلکہ چلتے چلتے "زبیری کنبوی خاندان کے نسب پر بھی بحث [illegible] ظاہر کر کے مؤلف امروہوی نے نہ مناسب نہیں سمجھا ہے"

مؤلف امروہوی نے اپنی پوری بحث میں لفظ کنبوی کو ظاہر ہی نہیں ہونے دیا ہے۔ لیکن مؤلف تاریخ کمبوہان نے زبیری کنبوی خاندان اور اپنی قوم کمبو کو ایک بار دکرانے کی خواہش کے مدِ نظر یہ جتلانا ضروری سمجھا ہے کہ اگر کسی قصبہ یا دریا کے نام سے کمبوؤں کو منسوب تصور کیا جائے جیساکہ دعویٰ کیا جاتا ہے تو اُن کا نام کنبی (منسوب بہ کنب) یا کنبوی (منسوب بہ کنباہ) ہونا چاہئے۔ نہ کہ کمبوہ۔ حالانکہ اکبرنامہ۔ تاریخ فرشتہ" اور آئین اکبری" وغیرہ کتابوں میں کمبوہ امراء کے ناموں کے بعد صاف صاف طور پر لفظ کمبوہ لکھا ہوا ہے۔ جیسے شہباز خاں کمبوہ" شیخ گدائی کمبوہ" شیخ جمالی کمبوہ"

آگے چل کر مؤلف تاریخ کمبوہان نے لکھا ہے کہ یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ مشرق میں اشاعت اسلام کا ذکر کرتے ہوئے اور فتوحات اسلامیہ کی تفصیل میں تاریخ سے ثابت نہیں ہوتا کہ کوئی ریاست یا کوئی شہر وغیرہ کمبوہ نام کا موجود تھا۔ نہ جزیرہ نمائے کمبوج کے سوائے کوئی قطعہ ملک اس نام سے اِس وقت تک موسوم ہے اور ظاہر ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کو جزیرہ نمائے کمبوج (کمبوڈیا) سے تا حال کوئی تعلق پیدا نہیں ہوا۔ ہم صرف دعوؤں کو تسلیم نہیں کرتے ثبوت درکار ہے۔ مزید برآں۔ مؤلف موصوف نے زبیری خاندان کے نسلی لقب کنبوی کے علاوہ اُن کے صفاتی لقب کمگو پر بھی تنقید فرمائی ہے"

مؤلف تاریخ کمبوہان کے مندرجہ بالا بیان کے متعلق ہم یہاں صرف اِسی قدر ظاہر کرنے پر اکتفا کریں گے کہ اکبرنامہ ہو۔ یا تاریخ فرشتہ" اور آئین اکبری" یا دوسری کوئی بھی تاریخ اُٹھا کر دیکھ لی جائے کسی میں بھی کنبو کو کمبو کی صورت میں میم سے لکھا ہوا نہیں پایا جائے گا" اِن کتابوں کے علاوہ جن کے نام مؤلف تاریخ کمبوہان نے پیش کئے ہیں اُن سے پہلے کی تاریخوں طبقاتِ اکبری مؤلفہ نظام الدین احمدؒ اور منتخب التواریخ مؤلفہ مُلّا عبدالقادر بدایونی نیز اکبر و جہانگیر اور اُن کی بعد کی متعدد کتب تواریخ میں برابر اِس زبیری خاندان کے بزرگوں کے ناموں کے ساتھ اُن کا نسلی لقب کنبوی یا کنبو کی شکل میں لکھا ہوا موجود ہے۔ اب اگر امروہوی اور امرتسری مؤلفین نے تاریخوں میں اچھی طرح سے اِس لفظ کنبوی یا کنبو کو دیکھکر اور اُس کے مطلب کو سمجھکر بھی اُسے ظاہر کرنا پسند نہیں کیا ہے اور انھیں اپنے مقصد کے مدِ نظر نہ کنبوی یا کنبو۔ کمبو کی شکل ہی میں لکھا ہوا نظر آیا ہے تو ہم نے اُس کا بھی علاج کر دیا ہے کہ ہم نے جدید و قدیم تاریخوں سے لیکر زبیری خاندان کے جن بزرگوں کے ناموں کے سامنے کنبوی لکھا ہوا ہے اُن کی ایک فہرست پیش کر دی ہے۔ اِس زمانہ کے اِن نئے مؤرخین نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اُن کا فریب لوگوں کے نظروں سے پوشیدہ رہے گا مگر اُن کو جان لینا چاہئے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوا کرتے۔ اور وہ کبھی پروان نہیں چڑھ سکتا"

ہم نے سندھ کے حدود کے اندر دریائے کنباہ۔ علاقہ کنباہ۔ اور شہر کنباہ کی موجودگی۔ زبیری کنبوی خاندان کے صفاتی لقب کمگو کی حقیقت۔ قوم کمبوج کے متعلق تحقیقات اور قوم کمبو کے ایرین چھتری ہونے کے اِدعا اور مؤلف صاحب کی دوسری تحقیقات پر سیر حاصل بحث کر کے حقیقت کو وضاحت سے پیش کیا ہے"

مؤلف تاریخ کمبوہان نے "ہماری قومی تاریخ کے ماخذ ناکافی ہیں" کے عنوان سے تحریر کیا ہے کہ۔

(۱) قطع نظر قومی روایتوں کے قدیم یا جدید نظم کی کتابوں کے مجھے کوئی عنوان ایسا نہیں مل سکا جو اِس راستہ میں میرے لئے شمع راہ کا کام دے سکتا اور ہماری روایتوں کی جو حالت ہے وہ ظاہر ہے"

(۲) ہمارے قدیمی حالات ایسی تاریکی میں پڑے ہوئے ہیں کہ خضر خیال اِن ظلمات میں جانے سے گھبراتا ہے"

(۳) ہمیں اپنی ہمسایہ اقوام میں بلحاظ نسل۔ رنگ۔ قد و قامت۔ خد و خال۔ کوئی ایسا امتیاز حاصل نہیں جو اس معاملہ میں ہماری رہبری کر سکے۔ ہندوستان کے تمام باشندے بہ استثنائے بھیل۔ گونڈ۔ مینا۔ بوگری کا یا وغیرہ کے جنہیں ہندوستان کا اصلی باشندہ کہا جاتا ہے۔ آریہ نسل کے ہیں۔ اور انہیں میں ہم بھی شامل ہیں۔ اِس لئے یہ طریق استدلال بھی ہمارے لئے کوئی مفید نتیجہ نہیں پیدا کر سکتا"

(۴) بلحاظ زبان کے بھی ہمیں کوئی امتیاز حاصل نہیں ہے۔ سانسی۔ باوریہ وغیرہ کی اپنی اپنی علیحدہ زبان ہے۔ جس میں وہ اپنی آزادانہ

گفتگو عام سامعین کی موجودگی میں ادا کر لیا کرتے ہیں۔ مگر ہمارے پاس یہ ہتھیار بھی نہیں ؎

(۵) بقول مسٹر **طالب کمبوہی** (باشندہ گاؤں **کمبو از قوم کمبو**) نہ ہمارے پاس کوئی مستند روایت ہے۔ نہ کسی خاندان کے پاس کوئی قابلِ وقعت شجرۂ نسب ہے۔ نہ کوئی قومی تاریخ اور تحریری یادداشت ہے جس سے انسان صحت اور اطمینان کے ساتھ کوئی دعویٰ کر سکے

(۶) ہمارے بھاٹوں اور میراثیوں کا مبلغ علم بھی نہایت قلیل ہے بلکہ قریب بہ صفر ہے۔ اور ہمارے پاس کوئی وجہ نہیں کہ ہم اُن کی یادداشتوں پر یقین کریں اور ہم بھی (یعنی مؤلف تاریخ کمبوہان بھی) مسٹر **سراج الدین صاحب (طالب)** کے ساتھ متفق ہوں کہ اُن کی یادداشت برائے سلسلۂ نسب قابلِ اعتبار نہیں ؎

(۷) البتہ ہمارے ہندو بھائیوں کے پاس وہ یادداشتیں موجود ہیں جو اُن کے مقدس مقامات کے پروہتوں نے اموات وغیرہ کی نسبت تحریر کی ہوئی ہیں۔ جن سے چند سو سال تک خاندانی حالات اور شجرہ ہائے نسب کی تفصیل آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے مگر ظاہر ہے کہ قوموں کی تاریخ میں چند صدیاں دنوں اور ہفتوں کی حیثیت رکھتی ہیں ؎

(۸) ہمارا موجودہ طرزِ معاشرت اور طریقِ تمدن۔ اِس درجہ گرا ہوا ہے اور ہم اس قدر حضیضِ ادبار میں گرفتار ہیں کہ ہمارا یہ دعویٰ کرنا کہ ہم کسی اعلیٰ نسل سے تعلق رکھتے ہیں اپنے تئیں ہنسوانا ہے۔ دولت و ثروت۔ علم و لیاقت۔ دنیاوی وجاہت۔ دینی حالت ہر ایک معیار میں ہم ناقص ہیں۔ اپنی ہمعصر اقوام سے ان باتوں میں ہمیں کوئی مساوات نہیں۔

(۹) لیکن بایں ہمہ اگر ہم جستجو سے کام لیں اور تحقیقات کی روشنی میں آگے بڑھیں۔ ذرا گہری نظر سے کام لیں اور اِدھر اُدھر ڈھونڈیں تو قومی روایتوں۔ پرانی اور مستند پستکوں اور گرنتھوں۔ نظم کی کتابوں۔ مذہبی صحیفوں اور بچے کھچے آثار سے بہت کچھ اصلیت کا پتہ چل سکتا ہے۔ اِن کتب ہائے تاریخ سے جو غیروں نے اپنے لئے لکھی ہیں اور جن میں ہمارا بھی ضمناً ذکر آگیا ہے۔ حوالہ جات دستیاب ہو سکتے ہیں اور ایک دعویدار مؤرخانہ حیثیت کو قائم رکھکر اپنے حسب و نسب کے اعلیٰ ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے ؎

مؤلف تاریخ کمبوہان کی مندرجۂ بالا تحریر خود اپنی حالت کے اظہار کے لئے کافی ہے۔ نمبر (۹) میں جن ذرائع کو پیش کر کے ادعائے مؤرخانہ حیثیت کو قائم رکھکر اپنے حسب و نسب کے اعلیٰ ہونے کے دعوے کو صحیح ثابت کر دینے کا یقین دلایا ہے وہ محض ایک لفاظی ہے۔ اُن کا دار و مدار صرف قرائن اور من گھڑت کہانیوں پر ہے لیکن اس پر بھی مؤلف امروہوی اس کتاب کے دیکھنے کی سفارش کرتے ہیں۔ جس کی صرف ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے کہ مغالطہ پیدا کرنے۔ واقعات کے اخفا کرنے سے۔ قرائن کی پچر لگانے اور من گھڑت کہانیوں میں بے معنی بحثیں کرنے میں دونوں " کند ہم جنس با ہم جنس پرواز " کی مصداق ہیں ؎

مؤلف امروہوی نے تاریخ کمبوہان کے مطالعہ کی سفارش فرمائی تھی ہم یہاں ان دونوں مؤلفین اور ناظرین کتاب ہذا سے استدعا کریں گے کہ وہ ہماری اس کتاب کے بعد ہماری دوسری تصنیف بلا کمبوہی جو تاریخ کمبوہان کے جواب میں تحریر کی گئی ہے بعد طبع ضرور ملاحظہ فرمائیں تاکہ قوم کمبوہ کی پوری پوری حقیقت اور زبیری کنبوہی خاندان کی صورتِ حال سامنے آجائے ؎

عربی و قریشی خاندانوں سے دوش بدوش آباد ہونے کو لکھنے سے مؤلف امروہوی کی غرض

مؤلف امروہوی نے آگے چل کر اپنی اسی تحریر مندرجہ عنوان پر اس بات کا بھی اظہار کیا ہے کہ زبیری کنبوہی خاندان میں عربی و قریشی خاندانوں کے دوش بدوش آباد ہونے کی وجہ سے یہ جذبہ پیدا ہوا کہ وہ بھی لکھتا ہے کہ عربی النسل مشہور کریں۔ یہ بات صرف اس وجہ سے مؤلف صاحب نے بیان کی ہے کہ وہ اپنی اس غیر ادبی تہمت کو تسلیم بالکل نہیں۔ چند ہی خوشنائی کے ساتھ اس خاندان کو ہندی الاصل اور نسباً آرین چھتری باور کرانا چاہتے ہیں جس کے متعلق اسی کتاب میں پورا تبادلۂ خیال کیا جا چکا ہے بیشتر اس کے کہ ہم اپنے خاندان کے متعلق کچھ تحریر کریں ان کے خاندان کی آمد امروہہ کے متعلق خود انہیں کی ایک تحریر کو پیش کر دیں تاکہ حقیقت کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ چنانچہ مؤلف امروہوی کے ایک ہمسر جدی بزرگ نے اپنے خاندان کے متعلق سب سے پہلی کتاب

آئینۂ عباسی مطبوعہ ۱۲۹۷ھ ہجری کے صفحہ ۲۱ میں اپنے خاندانی حالات لکھے ہیں" جن کو مؤلف امروہوی نے اپنی کتاب تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے صفحہ ۱۸۱ پر اس طرح نقل کیا ہے کہ۔

"ہمارے بزرگ بھی پنجاب میں پھرتے رہے۔ چنانچہ دادا مولانا لال محمدؒ پیدائش پنجاب ہیں ہندی نام ہے۔ اور ان کے والد مولانا مٹھے اور ان کے چچا مولانا بتن .... اسی عرصہ میں اسی مقام امروہہ میں کہ یہاں کے سکنا سے ملاقات ہوئی۔ مسکن سادات و شرفاء سمجھکر دونوں بھائی یہاں آئے اور سکونت اختیار کی ہے)

کیا خدا کی شان ہے کہ اپنے خاندان کو کس مپرسی کی حالت میں مسکن سادات و شرفا سمجھکر امروہہ میں آباد ہونے کو نظر انداز کرکے اس کا اطلاق زبیری کنبوی خاندان پر کیا جارہا ہے۔ اس کو آنکھوں پر ٹھیکری رکھ لینا نہیں کہتے تو اور کیا کہتے ہیں۔ ہم خود مؤلف امروہوی سے سوال کرتے ہیں کہ آج جن جن مقامات پر ہمارا خاندان آباد ہے اور جہاں وہ پہلے آباد رہ چکا ہے۔ کون کون سے ایسے سادات و شرفاء آباد تھے یا ہیں جنہیں ہمارے خاندان کی شرافت کے سامنے پیش کیا جاسکتا ہے۔ اور جن کی شرافتیں اس خاندان کے لئے خضر راہ بنیں۔ اور نہ سہی " لودھیوں کی سلطنت کے زمانہ سے تو خود مؤلف صاحب کو اس خاندان کے ہر طرح کے شرف کا اقرار ہے۔ لیکن جذبہ پیدا ہونے کے متعلق کہا جارہا ہے کہ تینتیس چالیس سال سے پیدا ہوا ہے۔ ہمارے خاندان جیسے صاحب شرف خاندان کے متعلق اس طرح کا بیان سوائے اس کے کچھ نہیں ہے کہ کوئی خاص جذبہ مؤلف صاحب کے دل میں موجزن ہے جو حقیقت بیانی سے اُن کو روک رہا ہے۔

جن جن مقامات پر زبیری کنبوی خاندان اقامت پذیر رہا ہے وہاں وہ حاکمانہ اور جاگیر دارانہ طور پر رہا ہے۔ نہ کہ مؤلف امروہوی کے خاندان کی طرح بطور رعایا اگر رہا ہو۔ جو مقامات اس خاندان کے مرکز رہے ہیں اُن میں۔ دہلی ۔ سنبھل ۔ میرٹھ ۔ مارہرہ ۔ جھجھو ۔ امروہہ ۔ گوالیار ۔ آگرہ ۔ کول (علیگڈھ) اور دھولپور۔ وغیرہ وغیرہ کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے "

ان میں سے اگر تجزیہ کیا جائے۔ تو دہلی کے متعلق تو سلسلۂ عالیہ کے صفحہ ۶ پر تحریر ہے کہ "چنانچہ در دہلی تدارت اقامت این گروہ (زبیری کنبوی) مشہور است " پھر بعد میں ملتان میں ۸۴۸ھ ہجری میں انقلاب کی وجہ سے وہاں کے شرفاء و سادات بہلول لودی کے عہد حکومت میں جب دہلی آئے تو ان سب کا ملجا و ماوئی اور مرکز یہی خاندان زبیری کنبوی بنا رہا۔ یہی مرکز علم اور یہی مرکز عرفان تھا۔ اور اسی در پہ بادشاہوں سے لے کر عوام تک اور عالم سے لے کر عارف تک سجدہ ریز تھے۔ اور دارالسلطنت دہلی کے عہدۂ افتاء اور قضاءت کا سلسلہ بھی شروع سے آخر زمانۂ سلطنت اسلامیہ تک اسی خاندان میں متوارث رہتا چلا آیا۔ سکندر لودی تو کسی شریف و نجیب اور غیر صاحب حسب و نسب سے گفتگو کرنا اور اُن کو ملازمت میں رکھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ پھر وہ کیوں خاندان زبیری کنبوی کے بزرگوں کو اپنا انیس و جلیس رکھتے تھے۔ اُن سے دعا کے جویا ہوتے اُن کے دیئے ہوئے خطاب سے آپ نے آپ کو مشہور کرتے تھے اگر اس خاندان کے حسب نسب کے متعلق ان کو وہ علم ہوتا جو آج چار سو برس کے بعد مؤلفین امروہوی و امرتسری کو حاصل ہوا ہے تو وہ کیسے اس طرح اس خاندان کے ساتھ پیش آتے مگر ان کے علم و یقین میں اس خاندان کی نجابت و شرافت مسلّم تھی انہوں نے وہی طریقہ اس خاندان کے ساتھ برتا جو ایک صاحب علم و فضل اور دانشور بادشاہ کو کرنا چاہیئے تھا۔

رہے میرٹھ ۔ سنبھل ۔ مراد آباد ۔ جھجھو ۔ دھولپور وغیرہ یہ وہ مقامات ہیں کہ جہاں وہ صاحب امارت اور جاگیر دار بنکر گئے اور ان مقامات پر آج تک بھی کوئی ایسا خاندان سادات و شرفاء کا نہیں ہے کہ جن کے چراغ اس خاندان کی شرافت کے آگے جل سکتے سنبھل علم کا مرکز رہا لیکن یہ تو دیکھو کہ اس علم کی شمع کو روشنی کہاں سے پہونچی۔ ملا عبدالقادر بدایونی کے استاد مولانا شیخ حاتم سنبھلی نے دہلی جاکر اسی خاندان زبیری کنبوی کے بزرگوں کے سامنے زانوئے ادب طے کیا تھا اور اُن کے چچا حضرت عجائب المعروف بہ شیخ ہلالی نے دست بیعت اسی خاندان کے بزرگ سے استوار کیا تھا "

اب رہا مارہرہ و امروہہ اس میں اوّل الذکر مقام پر ۹۳۸ ہجری سے یہ خاندان آباد ہے اور آج تک بھی اطراف کی زمینداری اور علاقے اُسی خاندان میں چلے آتے ہیں۔ یہاں سادات بلگرام میں سے ایک بزرگ جہانگیر کے آخری دور میں تشریف لائے۔ اور اس مقام کو شرفائے زبیری کنبوی کا جائے سکونت دیکھکر مسکن گزیں ہوئے اور اس کو اس قدر پسند فرمایا کہ ان بزرگ کے پوتے نے مستقل سکونت یہاں کی اختیار کرلی اور ان دونوں خاندانوں میں جو محبّت و مودت اور ایک دوسرے کے لئے بے اختیاری قائم رہی وہ مثال کے قابل تھی۔ اور اِسی خاندان کے ایک قطب وقت نے ہمارے جدّ سویم کی کتاب کا نام "سلسلۂ عالیہ" تجویز فرمایا تھا۔ جو اِس خاندان کے سلسلۂ نسب کی بہترین کتاب ہے" اور جس کا مؤلف امروہوی نے اپنے مقصد کے تحت تذکرہ کرنا بھی گوارا نہیں کیا"

امروہہ میں سادات کا خاندان سلطنت تغلقیہ کے دَور میں آباد ہوا۔ اور دوسرے شرفا بھی مرور ایّام سے اس جگہ آباد ہوتے رہے۔ چنانچہ خود مؤلف امروہوی کے بزرگ بھی مارے مارے پھرنے سے تنگ آکر اور امروہہ کو مسکن سادات و شرفا سمجھکر یہاں آباد ہوگئے۔ اور اُن میں اِن سادات و شرفا کے نزدیک قیام پذیری کی وجہ سے یہ جذبہ پیدا ہوا کہ وہ بھی مُلّاگری سے آگے بڑھکر شرفا کے زمرہ میں شامل ہوجائیں۔ لہذا اُنھوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ امروہہ کے سادات و شرفا کے خاندانوں میں اِس طرح کی فی نکالی جائے تاکہ وہ بھی اُن ہی کے سطح پر نظر آنے لگیں لیکن اس میں بھی ان کو ناکامی ہوئی اور ان کی جو حقیقت پس پردہ تھی اور جس کی جانب لوگوں نے توجہ نہیں دی تھی۔ وہ برسرِ عام آگئی۔

اِس کتاب میں پہلے اِس کا ذکر کیا جاچکا ہے کہ لودھیوں سے پہلے خاندان سادات کے دَورِ حکمرانی میں بعہد الوّل اور امروہہ میاں ملک چمن زبیری کنبوی" کی جاگیر اور حکومت میں شامل تھے۔ بعد ازاں انہیں بزرگ نے سنبھل میں اپنے نام سے چمن سرائے آباد کی تھی۔ ان کے بعد دیوان عبدالمومن خاں سنبھلی نے اپنے زمانہ میں سنبھل میں عمارتیں بنانے اور اس کی آبادی کے لئے بڑا کام کیا" غرضکہ "امروہہ سے بالکل قریب سنبھل میں ہمارے خاندان کو کافی عروج حاصل تھا۔

امروہہ میں زبیری خاندان کے بزرگ عالمگیری حکومت کے بعد تشریف لائے جن میں سے ایک خاندان تو وہ تھا جس کے رکن رکین اس دَور میں حامد علی خاں بیرسٹر لکھنؤ مرحوم اور اُن کے برادر خورد حکیم نواب علی خاں صاحب ہیں۔ دوسرا خاندان مولوی صبغت اللّٰہ صاحب بی۔اے کا ہے۔ اوّل الذکر خاندان کے بزرگوں کو بھی املاک وغیرہ امروہہ کے اطراف میں حاصل تھیں۔ اِس خاندان کے جو بزرگ سب سے پہلے یہاں تشریف لائے وہ لاہور کے قاضی تھے اور لاہور و ملتان ان کی جاگیر میں تھے" اور یہ خاندان دہلی و امروہہ کا سربرآوردہ گھرانا چلا آتا ہے جس کی شرافت و نجابت اور عُلوئے حسب و نسب پر مؤلف امروہوی سے قبل کسی سادات و شرفا نے حاشیہ آرائی نہیں کی تھی۔ مولوی صبغت اللّٰہ کے بزرگوں میں نواب بہادر خاں میر بخشی فاتح بندیل کھنڈ بزمانہ شاہجہاں) کے صاحبزادے دیوان محمد عاقل خاں نظام الملک آصف جاہ اوّل کے مخصوصین میں سے تھے۔ چنانچہ ان کے دورِ حکومت دکن میں دیوان موصوف بہ پان پور کے دیوان اور بعد ازاں کل دکن کے دیوان رہے۔ اور مراد آباد جو آصف جاہ اوّل کو جاگیر میں دیا گیا تھا تو اُس کے بھی کچھ عرصہ ناظم و منتظم رہے تھے۔ اِسی وجہ سے دیوان صاحب کا خاندان جس کے پاس کافی املاک مراد آباد کے اطراف میں تھیں اسی جگہ مقیم ہوگیا۔ اور اسی طرح دوسری جگہ کے چند اہلِ خاندان بھی اس خاندان سے رشتہ داریوں کی وجہ سے آباد ہوگئے۔ چنانچہ نواب وقار الملک بہادر مرحوم (جن پر اہلِ امروہہ کے علاوہ تمام ملک کو جا طور پر ناز و افتخار ہے) کے والد کی شادی ہوجانے کی وجہ سے نواب صاحب موصوف کو امروہہ سے تعلق پیدا ہوگیا۔ ورنہ اُن کا اصلی تعلق دیوان عبدالمومن خاں سنبھلی سے مربوط ہے۔

ایک دلچسپ داستان سے متعلق مؤلف امروہوی کا یہ لکھنا کہ زبیری النسل ہونے کا جذبہ پیدا ہوگیا اس قدر شدید ہے۔ وہ

تھا یہ ہے

ولا کے ڈھکوسلے کی حقیقت

مؤلف امروہوی نے مذکورہ باتوں پر ہی بس نہیں کی ہے بلکہ یہ بھی تحریر کیا ہے کہ "انہوں نے زبیری کنبوی خاندان نے، سابقہ نسبت کے لحاظ سے جو حضرت شیخ ذکریا ملتانیؒ کے خاندان سے ان کے مورثوں کو ہی زبیری کہنا شروع کر دیا ہے۔

"لیکن یہ تحریر بھی مؤلف صاحب کا جھوٹ اور فریب ہے جیسا کہ اسی کتاب میں ہم بتا آئے ہیں۔ سب تاریخ داں جانتے ہیں کہ حضرت مخدومؒ "حضرت ہبّارؓ اسدی کی اولاد میں تھے۔ یہ حضرت ہبّارؓ حضرت زبیرؓ کے چچازاد بھائی تھے۔" اس لئے حضرت مخدومؒ "ہبّاری اور اسدی تو تھے" "مگر زبیری نہیں تھے" لہذا ان کی نسبت سے نہ زبیری بن جانے کے مؤلف امروہوی کے بیان کی جو حقیقت ہے اس کا اندازہ لگانا بھی کوئی مشکل بات نہیں ہے۔

مؤلف صاحب امروہوی کو اِس زبیری کنبوی خاندان کے متعلق جس قدر بحث کرنی تھی یہاں وہ ختم کر چکے اور اس کے جواب پا چکے ہیں۔" ہم اپنی بحث میں دکھلا چکے ہیں کہ زبیری خاندان کا اسکنی لقب "کنبوی" ہے نا قلوں اور کاتبوں کی غلطیوں اور ناعلمی کی وجہ سے کہیں کہیں "کنبوہ" اور "کمبوہ" کی شکل میں بگڑ گیا ہے" مؤلف موصوف نے لفظ کنبوی کو چھپا کر اور کسی جگہ لفظ کنبو اور زیادہ تر کمبو لکھکر "زبیری کنبوی" خاندان اور قوم کمبو کو جو ایک باور کرانے کی کوشش میں اپنا خون پسینہ ایک کر لیا ہے اس کی تردید شواہد تواریخی سے ہم نے ایسی کر دی ہے کہ اُن کی تحقیقات اور حقیقت کا حال اس سے بخوبی واضح ہو گیا ہے۔ البتہ اتنا بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "مؤلف امروہوی نے ہر واقعہ پر تاریخی" "جغرافیائی" اور افری شہادتوں سے روشنی ڈالنے کا" اور "علاّمہ ابنِ خلدون کے مقرر کردہ اصول درایت پر عمل پیرا ہونے کا" اور اپنی صداقت بیانی کا بھی ادّعا کیا ہے" اس لئے ہم "علاّمہ شبلی" کے الفاظ میں "علاّمہ ابنِ خلدون کے" اصول درایت کا لکھ دینا بھی مناسب سمجھتے ہیں جس کو دیکھکر بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ مؤلف موصوف نے اپنی تحقیقات میں اِن میں سے ایک اصول کو بھی اختیار کرنا ضروری نہیں خیال کیا۔ بلکہ اُن سب کو پسِ پشت ڈال دینا ہی مناسب سمجھا ہے"

دَرایت کے اصول

"مولانا شبلیؒ" نے "الفاروق" میں تحریر فرمایا ہے کہ "علاّمہ ابنِ خلدون" نے جو آٹھویں صدی ہجری میں گذرا ہے" جب "فلسفہ تاریخ" کی بنیاد ڈالی تو "دَرایت کے اصول" "نہایت نکتہ سنجی" اور "باریک بینی" کے ساتھ مرتب کئے" چنانچہ اپنی کتاب کے دیباچہ میں لکھتا ہے"

(الف) خبروں میں اگر صرف روایت پر اعتبار کر لیا جائے" اور "عادت کے اصول" اور سیاست کے قواعد" اور انسانی سوسائٹی کے اقتضا کا" اچھی طرح جائزہ نہ لیا جائے" اور غایب کو حاضر پر" اور حال کو گذشتہ پر" نہ قیاس کیا جائے" تو اکثر لغزشیں ہوں گی"

(ب) علاّمہ موصوف نے تصریح کی ہے" کہ واقعہ کی تحقیق کے لئے" پہلے راویوں کی جرح و تعدیل سے بحث نہیں کرنی چاہئے" بلکہ یہ دیکھنا چاہئے" کہ واقعہ فی نفسہٖ ممکن بھی ہے یا نہیں" کیونکہ اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں تو راوی کا عادل ہونا بیکار ہے"

(ج) علاّمہ موصوف نے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ "اِن موقعوں میں امکان سے امکان عقلی مراد نہیں" بلکہ اصول عادت" اور قواعد تمدن کی رُو سے ممکن ہونا مراد ہے" (ص۱۴ و ۱۵)

اِس کے بعد "مولانا شبلیؒ" نے لکھا ہے کہ "واقعات کی تنقید کے لئے" درایت کے اصول" سے بہت بڑی مدد مل سکتی ہے" درایت کا فن اَب ایک مستقل فن بن گیا ہے۔ اور اس کے اصول و قاعدے نہایت خوبی سے منضبط ہو گئے ہیں"

اِن میں سے جو اُصول ہمارے کام میں آسکتے ہیں " حسب ذیل ہیں "

(۱) واقعہ مذکورہ " اُصول عادت کی رُو سے ممکن ہے یا نہیں "

(۲) " اُس زمانے میں لوگوں کا میلانِ عام واقعہ کے مخالف تھا یا موافق "

(۳) " واقعہ اگر کسی حد تک غیر معمولی ہے۔ تو اُسی نسبت سے ثبوت کی شہادت زیادہ قوی ہے یا نہیں "

(۴) " اِس امر کی تفتیش۔ کہ راوی جس چیز کو واقعہ ظاہر کرتا ہے۔ اُس میں قیاس اور رائے کا کس قدر حصّہ شامل ہے "

(۵) " راوی نے واقعہ کو جس صورت میں ظاہر کیا " وہ واقعہ کی پوری تفسیر ہے " یا اِس امر کا احتمال ہے " کہ راوی اُس کے ہر پہلو پر نظر نہیں ڈال سکا "

(۶) " اِس بات کا اندازہ " کہ زمانے کے اِمتداد " اور مختلف راویوں کے طریقۂ ادائے " روایت میں کیا کیا " اور کس کس قسم کے تغیرات پیدا کر دیئے ہیں "

اِن اُصولوں کی صحت سے کوئی اِنکار نہیں کر سکتا " اور اُن کے ذریعہ سے بہت سے مخفی راز معلوم ہو سکتے ہیں " مثلاً " آج جس قدر تاریخیں مُتداول ہیں اُن میں غیر قوموں کی نسبت " حضرت عمرؓ " کے نہایت سخت احکام منقول ہیں "

لیکن جب اِس بات پر لحاظ کیا جائے کہ یہ " اُس زمانے کی تصنیفیں ہیں " جب اسلامی گروہ میں تعصّب کا مذاق پیدا ہو گیا تھا " اور اِسی کے ساتھ قدیم زمانے کی تصنیفات پر نظر ڈالی جائے جن میں اِس قسم کے واقعات بالکل نہیں۔ یا بہت کم ہیں۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر تعصّب آتا گیا " اُسی قدر روائتیں خود بخود تعصّب کے سانچے میں ڈھلتی گئیں "

تمام تاریخوں میں مذکور ہے کہ " حضرت عمرؓ " نے حکم دیا تھا کہ " عیسائی " کسی وقت اور کبھی ناقوس نہ بجانے پائیں " لیکن قدیم کتابوں (کتاب الخراج " و تاریخ طبری) میں یہ روایت اِس قید کے ساتھ منقول ہے کہ " جب مُسلمان نماز پڑھتے ہوں اُس وقت " عیسائی " ناقوس نہ بجائیں "

" ابنِ اثیر " وغیرہ نے لکھا ہے کہ " قبیلہ تغلب " کے عیسائی " اپنے بچوں کو اصطباغ نہ دینے پائیں " لیکن یہ روایت " تاریخ طبری " میں اِن الفاظ میں مذکور ہے کہ " جو لوگ اسلام قبول کر چکے ہوں اُن کے بچوں کو زبردستی اصطباغ نہ دیا جائے " (ص ۱۶ و ۱۷)

جس قدر ان میں تنقید ہوتی گئی ہے۔ اُسی قدر مشتبہ اور مشکوک باتیں کم ہوتی گئیں " فدک " قرطاس " سقیفہ بنی ساعدہ " کے واقعات " ابنِ عساکر " بیہقی " مُسلم " بخاری " سب نے نقل کئے ہیں "

لیکن جس قدر اِن بزرگوں کے اُصول " اور شدّت احتیاط میں فرق مراتب ہے " اُسی نسبت سے روائتوں میں مشتبہ اور " نزاع انگیز الفاظ " کم ہوتے گئے ہیں " یہاں تک کہ خود " مسلم " اور " بخاری " میں فرقِ مراتب کا یہ اثر موجود ہے " (ص ۱۸)

اِنہیں اُصولِ عقلی کی بنا پر " مختلف قسم کے واقعات میں صحت و اعتبار کے مدارج بھی مختلف ہوں گے "

مثلاً " یہ مُسلّم ہے کہ حضرت عمرؓ " کی خلافت کے واقعات سو برس کے بعد تحریر میں آئے۔ اِس بنا پر " تسلیم کرنا چاہئے کہ معرکوں اور لڑائیوں کی نہایت جزئی تفصیلیں مثلاً " صف آرائی کی کیفیت " فریقین کے سوال و جواب " ایک ایک بہادر کی معرکہ آرائی " پہلوانوں کے داؤ پیچ " اِس قسم کی جزئیات کی تفصیل کا رتبہ یقین تک نہیں پہنچ سکتا " لیکن انتظامی اُمور۔ اور قواعد حکومت۔ کیونکہ مدت تک محسوس صورت میں موجود رہے۔ اِس لئے اُن کی نسبت جو واقعات منقول ہیں وہ بے شبہ یقین کے لائق ہیں " (ص ۱۸)

جو واقعات اُس زمانے کے مذاق کے لحاظ سے چنداں قابلِ ذکر نہ تھے " اور باوجود اِس کے اُن کا ذکر آ جاتا ہے۔ اُن کی نسبت سمجھنا چاہئے کہ اصل واقعہ اِس سے زیادہ ہو گا " مثلاً " ہمارے مورخین " رزم و بزم کی معرکہ آرائیوں۔ اور رنگینیوں کے مقابلہ میں " انتظامی اُمور " کے بیان کرنے کے بالکل عادی نہیں ہیں " (ص ۱۹ و ۲۰)

"مؤرخ کا اصلی فرض ہے کہ وہ "سادہ نگاری کی حد سے تجاوز نہ کرنے پائے" (ص۲)

"اسباب و علل کے پیدا کرنے کے لئے اکثر جگہ قیاس سے کام لینا پڑتا ہے" اس لئے مؤرخ کو "اجتہاد و قیاس" سے چارہ نہیں "لیکن" یہ اُس کا لازمی فرض ہے کہ وہ "قیاس و اجتہاد" کو "واقعہ میں اس قدر مخلوط نہ کر دے" کہ کوئی شخص دونوں کو الگ کرنا چاہے تو نہ کر سکے" (ص۲۲) (الفاروق جلد اوّل ص۱۴ تا ۲۰ و ۲۲ مؤلفہ مولانا شبلی)

"علامہ ابن خلدون" نے یہ بھی لکھا ہے کہ۔

(۱) "جب تک کہ انسان فارغ الذہن" اور معتدل مزاج نہ ہوگا۔ واقعہ کی تحقیقات نہیں کر سکتا" اگر وہ پہلے سے کسی کا جانبدار ہے" یا مخالف" یا معتقد" تو واقعات کے اُسی قدر حصے اُس کو نظر آئیں گے جو اُس کے ذوق کے مطابق ہوں گے"

(۲) لحاظ اغراض بھی ضروری ہے "یعنی جو واقعہ بیان کیا گیا ہے" بیان کرنے والے کی اُس سے غرض کیا ہے"

(مجلۂ عثمانیہ۔ جلد ۱۱۔ شمارہ (۱ و ۲) مطبوعہ حیدرآباد دکن)

(مضمون علامہ عبداللہ العمادی "ابن خلدون کا فلسفہ تاریخ نویسی")

مؤلف امروہوی کی اپنے نسب کے بارے میں غلط بیانیاں

اُصول دِرایت سے بخوبی واقف کرا چکنے کے بعد" اب ہم مؤلف امروہوی کی اُس تحقیقات کو دکھاتے ہیں جو انہوں نے اپنے نسب کے بارے میں پیش کی ہے" تاکہ یہ اچھی طرح معلوم ہو سکے کہ "زبیری کنبوہی خاندان" کے لئے جن "تاریخی و جغرافی" اور اثری" شہادتوں کو مؤلف موصوف نے ضروری سمجھا ہے۔ اپنے نسب کے بیان میں اُن کی مطلق کوئی ضرورت نہیں سمجھی" اُن کے اِس بیان کا دارومدار صرف اُن کی خاندانی روائیتوں یا من گھڑت کہانیوں پر ہے" جن میں "موسیٰ بن امین الرشید" کی عمر کے متعلق دھوکے اور اپنے بزرگوں کے بارے میں غلط بیانیاں" نیز اپنے شجرے میں اُن کی کتر بیونت بھی شامل ہے" اور ایسی پوچ دیگر باتیں پیش کر کے وہ ایسا کا یقین دلا رہے ہیں کہ جھوٹ نہیں بول رہے ہیں" اور لکھ رہے ہیں "جن کے اِس بیان کے مقابلہ میں کسی اُصولِ درایت" اور "تاریخی شہادت کی مُطلق کوئی ضرورت نہیں ہے" یعنی بلا کسی سند کے جو کچھ بھی انہوں نے لکھ دیا ہے" آیت اور حدیث ہے" اور اِن کا مُنکر کافر ہے" ناظرین کی واقفیت کے لئے اب ہم مؤلف امروہوی کا وہ بیان جو انہوں نے اپنے نسب کے بارے میں دیا ہے پیش کرتے ہیں"

"تحقیق الانساب تاریخ امروہہ" جلد چہارم کے ص۱۷۸ و ۱۷۹ پر تحریر ہے کہ "خاندان عبّاسیہ متوطنہ امروہہ" اس خاندان کے مُورث اعلیٰ "مخدوم زادہ محمد یوسف عبّاسی" شروع "عہد بلبنی" میں "ہندوستان" آئے"

مسٹر ایچ۔ آر۔ نیول۔ آئی۔ سی۔ ایس" مؤلف ڈسٹرکٹ گزیٹیر مرادآباد" امروہہ کے قدیم اور تاریخی خاندانوں کے تذکرہ میں "خاندان عبّاسیہ" کا ذکر ان الفاظ سے شروع کرتے ہیں"

"۱۲۵۸ء میں جب "بغداد" کے آخری خلیفہ عبّاسی "مستعصم باللہ" مغلوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ خاندان (عبّاسیہ) کے معدودے چند افراد زندہ بچے" ان میں سے "محمد احمد (ابو القاسم احمد) بھاگ کر "مصر" پہنچے۔ اور وہاں خلافت قائم کی" دوسرے شخص "محمد یوسف" براہ سمندر "سندھ" آئے" سلطان غیاث الدین بلبن" نے "ہارون الرشید اعظم" کی اولاد میں ہونے کی بنا پر اُن کا اعزاز و اکرام کیا" (ص۱۷۹)

اور ص۱۷۹ و ۱۸۰ پر لکھا ہے کہ "عہد بلبنی" میں "خلفائے عبّاسی" کی اولاد سے بعض بزرگ وارد ہند ہوئے مگر "فرشتہ" نے "اِن عبّاسی شہزادوں کے نام لکھے ہیں" اور نہ کسی دوسرے مؤرخ نے اس کی تصریح کی ہے" تاہم "خاندانی روایات میں" علی التواتر مذکور ہے کہ "ایک شہزادہ کا نام "محمد یوسف" تھا جن کی اولاد میں "خاندان عبّاسیہ متوطن امروہہ ہے"

تحریر مندرجۂ بالا سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ "سوائے خاندانی روایات" کے اس خاندان کے مورث کا زمانہ اور نام تک کسی تاریخ میں تحریر نہیں ہے "گزیٹیئر صرف ساٹھ ستر برس قبل لکھے گئے ہیں" اُن کی حقیقت بس اسی قدر ہے کہ ایک ملازم اپنی مفوضہ کام کی انجام دہی کے لئے آیا اُس نے مختلف خاندان کے لوگوں کو بلایا۔ انہوں نے اپنے اپنے خاندانوں کے متعلق روایتوں کو اُس سے بیان کر دیا اور وہ انہیں لکھکر چلتا نظر آیا "ان تحریروں کو تحقیق و تلاش تاریخی کا درجہ حاصل نہیں ہے" اور پھر یہ بھی ہے کہ اسی مؤلف ڈسٹرکٹ گزیٹیئر مراد آباد مسٹر نیول کے اکثر بیانات سے جنہیں مؤلف امروہوی نے اپنے مقصد کے خلاف پایا ہے جگہ جگہ اختلاف کیا ہے وہ خود اس کی تحریروں سے متفق نہیں ہیں مگر یہاں اپنے مطلب کے لئے اُسی کا بیان پیش کر رہے ہیں "

..... پھر آگے چل کر تحریر کیا ہے کہ "حالات کی تفصیل کتب تاریخ میں درج نہیں ہے" کیونکہ ہمارے ہندوستانی مورخین کی یہ عادت ہے کہ "وہ صرف ان ہی واقعات کو ضبط تحریر میں لاتے ہیں" جو ملک کی سیاسی حالت "یا جنگ و جدال" اور بادشاہوں کے عزل و نصب وغیرہ سے متعلق ہوتے ہیں "کہیں کہیں علما اور مشائخ کا تذکرہ بھی ملتا ہے" لیکن شرفاء کے مشہور اور تاریخی خاندانوں اور اُن کے مورثوں کا تذکرہ شاذ و نادر کرتے ہیں "ان حالات کو عام اور معمولی سمجھکر نظر انداز کر دیتے ہیں" اس لئے مخدوم زادگان عباسی "کے اسمائے گرامی "اور اُن کے خاندانی حالات" ان کتب تواریخ سے معلوم نہیں ہو سکتے "

لیکن یہ کمی "بعض کتب تذکرہ علما و مشائخ سے" جن میں بعض عباسی بزرگوں کے حالات درج ہیں "اور زیادہ تر خاندانی روایات سے پوری ہوتی ہیں۔ جو علی التواتر خاندانوں میں چلی آتی ہیں" اور مختلف زمانوں میں ضبط تحریر میں لائی گئی ہیں "

شرفائے ہند کے خاندانی حالات کا ماخذ "اکثر و بیشتر" یہی خاندانی روایات تھیں "جنہوں نے مختلف زمانوں میں تحریری شکل اختیار کی" اور یہ روایات اگر روایتاً صحیح اور درایتاً معقول تھیں "تو انہیں بعد میں تاریخی حیثیت حاصل ہو گئی"

"خاندان عباسیہ" متوطنہ امروہہ "کے خاندانی حالات کا ماخذ بھی" سادات و شرفا کے دوسرے خاندانوں کی طرح "زیادہ یہی خاندانی روایات ہیں"

ان میں بیان کیا گیا ہے کہ "فتنۂ تیمور" سنہ ٨٠١ ہجری کے بعد اس خاندان کے افراد "دہلی" سے منتشر ہو کر اولاً "پنجاب" گئے۔ جہاں کچھ مدت تک مسکن گزیں رہنے کے بعد "ان میں سے ایک بزرگ "امروہہ" میں آکر متوطن ہو گئے"

"صاحب آئینۂ عباسی" "محمد محب علی خاں عباسی" مؤلف آئینۂ عباسی "سنہ تالیف ١٢٩٠ ہجری) لکھتے ہیں کہ پھر "سلطنت تغلقیہ" خراب ہوئی "دہلی" تباہ ہوئی "امیر منتشر ہوئے" ہمارے بزرگ بھی "پنجاب و سندھ" میں پھرتے رہے "چنانچہ دادا مولانا لال محمدؒ" پیدائش پنجاب ہیں "ہندی نام ہے" ان کے والد "مولانا ناصحؒ" اور اُن کے چچا مولانا بہنؒ ..... اسی عرصہ میں اسی مقام "امروہہ" میں کہ یہاں کے سکنائے سے ملاقات ہوئی "مسکن سادات و شرفا" سمجھ دونوں بھائی یہاں آئے اور سکونت اختیار کی "

صاحب تاریخ اصغری "رئیس [illegible] نقوی امروہوی (سنہ تالیف ١٢٩١ ہجری و سنہ طباعت ١٨٨٩ء) نے بھی اسی روایت کی تائید کی ہے "اور لکھا ہے کہ "جب امیر تیمور" نے "دہلی" کو فتح کیا۔ یہ لوگ وہاں سے بھی جلا وطن ہو کر "پنجاب" میں جا رہے برخلاف اس کے "صاحب ڈسٹرکٹ گزیٹیئر" ١٩٠٩ء لکھتے ہیں کہ "تیمور" کے حملہ ١٣٩٩ء کے بعد جب "دہلی" کے اکثر سربرآوردہ خاندان جا بجا منتشر ہو گئے "شمس الدین (ابن شرف الدین عباسی) مع اپنے بیٹوں کے "امروہہ" میں مسکن گزیں ہوئے" سنہ ٨٠٢ ہجری میں "فتنۂ تیمور" کے بعد "دہلی" سے اس خاندان کے ترک وطن کرنے کے متعلق تو مندرجۂ بالا دو ایتیں متفق ہیں "البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ "امروہہ" میں ابتداءً اس خاندان کے کون بزرگ آئے "

"صاحب آئینۂ عباسی" اور "تاریخ اصغری" کا یہ بیان درحقیقت صحیح نہیں کہ "مولانا لال" و مولانا بہنؒ"

یہاں آئے۔ کیونکہ "مولانا لال" کے جدِ امجد" اور "مولانا ابن" کے پدرِ بزرگوار "مولانا رکن الدین عباسی" کی "امروہہ" میں موجودگی بزمانہ "ہمایوں" اور "اکبر" دیرینہ تحریرات سے ثابت و محقق ہے"

"صاحب تخبتہ التواریخ" (مولوی آلِ حسن نخشبی امروہوی ـ سنہ تالیف ۱۲۹۷ ہجری) نے اس کی تائید کی ہے" وہ لکھتے ہیں کہ "از تحریرات دیرینہ موثقہ بدرجہ تحقیق است کہ در زمانہ "اکبر جلال الدین"

"ملا لال" و "ملا ابن" و "ملا رکن الدین عباسی" ہر سہ در "امروہہ" معزز آں وقت بودند"

اس سلسلہ میں اب صرف یہ سوال حل طلب باقی رہتا ہے کہ آیا "مولانا رکن الدین عباسی" بذاتِ خود "امروہہ" تشریف لائے یا جیسا کہ "صاحب گزیٹیر" نے تحریر کیا ہے۔ اُن کے جدِ امجد "مولانا شمس الدین" یہاں آئے" ۸۱۰ھ ہجری کے بعد "مولانا شمس الدین" اور اُن کے خاندان کا "دہلی" سے نکل کر "پنجاب" جانا اور اس خاندان کا کچھ مدت تک "پنجاب" میں متوطن رہنا۔ اس امرِ واقع سے بھی ثابت ہے کہ "پنجاب" کے بعض مقامات پر اس خاندان کی شاخیں اب تک موجود ہیں" مثلاً "سادات عباسی سکنہ جوکالیاں (ضلع گجرات)، وغیرہ" پس ایسی حالت میں "مولانا شمس الدین" کا براہِ راست "امروہہ" آنا جیسا کہ "ڈسٹرکٹ گزیٹیر" میں بیان کیا گیا ہے" قرینِ قیاس نہیں" زیادہ تر قرینِ صحت یہ ہے کہ ان کے نبیرہ "مولانا رکن الدین عباسی" یہاں تشریف لائے"

حسنِ اتفاق سے ایک پروانہ کی نقل سے جو "عہدِ اکبری" کی موثقہ و مستند ہے یہ ثابت ہے کہ "مولانا موصوف کو" بعہد سکندر لودی "امروہہ" میں مدد معاش عطا ہوئی۔

عہد لودی سے قبل "امروہہ" میں اس خاندان کی موجودگی کا کوئی ثبوت ہم نہیں پہنچتا" مندرجہ بالا وجوہ سے" یہ قیاس درجہ یقین کو پہنچتا ہے کہ "مولانا رکن الدین عباسی" جو فضلائے عہد سے تھے "سکندر لودی" جیسے قدردان بادشاہ کے عہد میں جس کا قیام اس زمانے میں عرصہ تک "سنبھل" میں رہا "پنجاب" سے مع اہل و عیال کے بعطایائے مدد معاش "امروہہ" میں آکر مسکن گزیں ہوئے" (صفحہ ۱۸۲)

"مؤلف تحقیق الانساب" نے مندرجہ بالا تحریر میں اپنے خاندان کا حال جن کتابوں سے بیان کیا ہے اُن میں پہلی کتاب اُن ہی کے ایک بزرگ کی لکھی ہوئی ہے" جسے لکھے ہوئے پینسٹھ برس سے زیادہ عرصہ نہیں ہوا" دوسری دو کتابیں بھی قریباً اُسی زمانے میں لکھی گئی ہیں اور اُن کے ہموطن امروہیوں نے لکھی ہیں نیز مرادآباد ڈسٹرکٹ گزیٹیر کی تحریر کا بھی وہ ہی زمانہ ہے" ان چاروں کے بیانات میں سے جس کے بیان کو انہوں نے اپنی غرض کے مناسب حال دیکھا اُسے قبول کر لیا ہے اور دوسروں کو رد کر دیا ہے۔ اپنے بزرگ "محمد محب علی عباسی" صاحب آئینہ عباسی" اور "سید اصغر حسن" صاحب تاریخ اصغری" کے نوشتوں سے اختلاف کر کے انہوں نے دیرینہ تحریرات کا حوالہ دیا ہے لیکن اُن تحریرات کو درج کتاب نہیں کیا" اور ڈسٹرکٹ گزیٹیر کے بیان پر صرف اپنے قیاس کو ترجیح دیکر اس کا بطلان کر دیا ہے" مقابلہ میں کوئی سند پیش نہیں کی ہے"

روایات علی التواتر کا بھی انہوں نے اپنے بیان میں ذکر کیا ہے" مگر جو روایت اُن کے بزرگ صاحب آئینہ عباسی" نے اُن کو پہنچی تھی" اُسے انہوں نے کسی طرح قبول نہیں کیا" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے خاندان میں کوئی ایسی مستحکم روایت موجود نہیں ہے جس سے یقینی طور پر وہ جان سکتے کہ "امروہہ" میں آنے کے کس بزرگ نے پہلے یہاں توطن اختیار کیا تھا اور ان کے توطن اختیار کرنے کا صحیح زمانہ کون سا تھا۔ آیا وہ سکندر لودی کے وقت میں پنجاب سے مع اہل و عیال بعطائے مدد معاش امروہہ آکر مسکن گزیں ہوئے" یا زمانہ مابعد میں سلطنا امروہہ سے ملاقات ہونے سے "مسکن سادات و شرفا" سمجھکر وہاں مقیم ہوئے" ایک [illegible] [illegible] میں سکونت اختیار کی ہے اس لئے مختلف سمتوں میں بس گئے ہیں" جب وہ حقیقی طور سے اتنا بھی ثابت نہ کر سکے تو [illegible]

مسعودی | (۲) مسعودی نے لکھا ہے کہ "امین" نے اپنے بیٹے "موسیٰ" کے لئے بیعت خلافت لی اور اُس کو "ناطق بالحق" (یعنی گویائی حقیقت) کا خطاب دیا" یہ ولی عہد اُس وقت "بہت چھوٹا ننھا سا بچہ تھا"۔
(ترجمہ تنبیہ و اشراف مسعودی صفحہ ۲۳۵ مطبوعہ حیدرآباد دکن ردفات مصنف چوتھی صدی ہجری کا وسطی زمانہ)
(علامہ مسعودی کی کتاب مروج الذہب و معدن الجواہر" کا بیان بھی وہی ہے جو اُن کی کتاب "تنبیہ و اشراف" سے لے کر لکھا ہے"

ابوالفدا | (۳) تاریخ ابوالفدا میں جو چھٹی صدی ہجری کی کتاب ہے مرقوم ہے کہ "جبکہ یہ (موسیٰ بن امین) بقول مؤرخین "شیر خوار تھے" اُن کی ولیعہدی کا انعقاد ہوا ہے"

سیوطی | (۴) تاریخ الخلفاء علامہ سیوطی کے بیان کے مطابق "۱۹۵ھ ہجری میں" موسیٰ بن امین" کی شیر خوارگی تسلیم شدہ ہے" علامہ سیوطی" کے الفاظ یہ ہیں "وبایع بولایۃ العہد لابنہ "موسیٰ" ولقبہ الناطق بالحق۔ وھو اذ ذاک طفل رضیع۔ فقال بعض الشعراء فی ذالک شعراً"

ابن اثیر | (۵) تاریخ کامل ابن اثیر" کی تحریر" میں بالکل چھوٹے بچے" کے بجائے "موسیٰ" کو اُس وقت "چھوٹا بچہ" لکھا ہے۔ بالکل کا لفظ اس میں چھوٹ گیا ہے" یہاں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ "ابن اثیر" کی "تاریخ کامل" "تاریخ طبری" سے تقریباً تین سو برس بعد کی کتاب ہے"

ابن خلدون | (۶) تاریخ ابن خلدون" آٹھویں صدی ہجری کی کتاب ہے" مؤلف موصوف نے "موسیٰ بن امین" کی عمر کے متعلق اس تاریخ میں سے کچھ لکھنے کے بجائے خاموشی اختیار کرلی ہے۔ لیکن ہم نے ابن خلدون سے بہت پہلے کے معتبر مؤرخین کے جو بیانات دیئے ہیں اُن سے موسیٰ کی عمر پر بخوبی روشنی پڑ گئی ہے"

مگر کیا ہم مؤلف امروہوی سے دریافت کرسکتے ہیں کہ اُن کا ان بیانات کی روشنی موجود ہونے پر بھی "۱۹۵ھ ہجری میں ناطق بالحق" کا خطاب دیئے جانے اور ولیعہد بنائے جانے کے وقت "موسیٰ" کی عمر چھے سات ماہ کے بجائے چھ سات سال لکھ دینا۔ تاریخی نقطۂ نظر سے کہاں تک جائز ہے" اور صداقت سے اس کو کس قدر تعلق ہے۔ نیز یہ کہ "جسٹس امیر علی" کی حالیہ تاریخ عرب" کے سوا "موسیٰ" کی شادی کا حال جاننے کے لئے انہوں نے کسی قدیم اور معتبر تاریخ کی جستجو کیوں نہیں کی" یا ان قدیم کتابوں میں انہیں موسیٰ کی شادی کی کوئی روایت ملی ہی نہیں" جسٹس امیر علی کی تاریخ عرب" جہل اور غلطیوں سے پُر ہے مثلاً اس میں بجائے "عیسیٰ بن حضرت مصعبؓ" کے جو باپ کے ساتھ شہید ہوئے تھے" لکھا ہے کہ "یحییٰ بن حضرت مصعبؓ۔ باپ کے ساتھ شہید ہوئے تھے" پھر جب انہوں نے "موسیٰ" کی عمر کے "انیس و بیس" یا "چھبیس" (تیئیس برس) کے ہونے کا یقین تھا کہ اس عمر میں ہر ایک کا بال بچہ دار صاحب اولاد ہونا ہے" تو انہوں نے یہ بحث کس غرض کو خیال میں لا کر کی ہے کہ "عربی شہزادے بالخصوص شہزادے پندرہ سولہ برس کی عمر میں بالغ اور صاحب اولاد ہو جاتے تھے" اور جب انہوں نے "عبد اللہ بن الامین کے حال کے لئے" ابن خلدون" کا حوالہ دیا ہے اور اس لاتاریخ ذیل کے تحت اس مؤرخ کی جو عبارت نقل کی ہے اس کو "عبد اللہ" کا حال آنے سے پہلے ہی ختم کرکے نکتے لگا دینے میں اُن کی کیا مصلحت ہے"

"موسیٰ بن امین" کے متعلق "صفر ۱۹۵ ہجری" میں "بالکل صغیر سن" "بہت چھوٹا ننھا سا بچہ" "شیر خوار" "طفل رضیع" کے الفاظ اس حقیقت کو صاف ظاہر کر رہے ہیں کہ اُن کی ولادت "۱۹۴ ہجری کے آخری مہینوں یا زیادہ سے زیادہ ۱۹۴ ہجری کے وسط سے پہلے ہرگز نہیں ہوئی"

موسیٰ کی پیدائش کے زمانہ سے بخوبی معین ہو جانے کے بعد اب ہم اُن کا سنہ وماہ وفات لکھتے ہیں تاکہ اُن کی عمر کے تعین میں ذرا سا بھی شک اور شبہ باقی نہ رہے"

سنہ ۲۰۱ ہجری کے واقعات میں "تاریخ طبری" میں ہے کہ "اس سال کے ماہ شعبان میں "امین" کے لڑکے "موسیٰ" کا انتقال ہوا" اور "فضل بن الربیع" نے ذیقعدہ میں وفات پائی"

(ترجمہ تاریخ طبری جلد سوم حصہ دوم صفحہ ۴۵۲ مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی)
(و تاریخ کامل ابن اثیر)

ان بیانات سے اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ "موسیٰ بن امین" کی انتقال کے وقت تقریباً چودہ برس کی عمر تھی نہ کہ انیس ۱۹ بیس ۲۰ یا انتیس ۲۹ و تیس ۳۰ برس کی" جیسا کہ مؤلف موصوف نے اپنی غرض کو حاصل کرنے کے لئے صداقت سے منہ موڑ کر باور کرایا ہے"

کسی کتاب "تاریخ" "تذکرہ" "رجال" وغیرہ میں "موسیٰ بن امین" کی شادی اور صاحب اولاد ہونے کا حال درج نہیں ہے "کم سنی میں انتقال کر جانے کی وجہ سے وہ یقیناً بے اولاد رہے۔ اور "امین" کی نسل منقطع ہو گئی"۔ اگر مامون نے بیٹیوں کی طرح انہیں پرورش کر کے اپنی صاحبزادی کی اُن سے شادی کی ہوتی۔ اور اُن کے اولاد ہوئی ہوتی تو کہیں تو کسی تاریخ میں اُن کی نسل کے کسی شخص کا ضرور ذکر ہوتا"

مؤرخ اعظم علامہ اکبر شاہ خاں صاحب نجیب آبادی نے اس دور کی بہت مستند کتاب "تاریخ اسلام" میں تحریر فرمایا ہے کہ "معتصم (ابن ہارون رشید و برادر امین) لکھا پڑھا نہ تھا" اس لئے "ہارون رشید" نے اسے ولیعہدی کے قابل نہ سمجھا" مگر وہ خلیفہ ہوا" اُسی کی اولاد سے بہت سے عباسی خلیفہ ہوئے "دوسری سے "ہارون" کی نسل چلی" (تاریخ اسلام جلد دوم صفحہ ۲۲۳)

جب یہ بات حقیقت کو پہنچ گئی کہ "موسیٰ بن امین الرشید" کم عمری میں لاولد فوت ہوئے۔ تو مؤلف موصوف کا یہ لکھنا کہ "اُن کے کئی اولادیں ہوئی ہوں گی" "کم از کم ایک فرزند "محمد تقی" سے سلسلہ عقب باقی ہے۔ یعنی عباسیان امروہہ" کا سلسلۂ نسب اُن سے متصل ہوتا ہے" کوئی کس طرح قبول کر سکتا ہے"

مؤلف امروہوی نے جس طرح اپنے شجرے کو موسیٰ ابن امین سے متصل کیا ہے

مؤلف تحقیق الانساب نے جس طرح اپنے شجرے کو "موسیٰ بن الامین" سے متصل کیا ہے" وہ اُن کی تحریر کے مطابق اس طرح ہے کہ وہ خاندان عباسیہ متوطنہ امروہہ" کے جد اعلیٰ "مخدوم زادہ محمد یوسف" کا سلسلۂ نسب جو بعد تباہی "بغداد" ہندوستان" آئے۔ دس واسطوں سے "موسیٰ" مذکور کے ذریعے "خلیفہ امین الرشید عباسی" سے متصل ہوتا ہے بدیں طریق "مخدوم زادہ محمد یوسف" بن محمد حمزہ" بن محمد اسحٰق" بن محمد اسمٰعیل" بن محمد باقر" بن علاء الدین" بن قطب الدین" بن محمد تقی" بن محمد نقی" بن موسیٰ" بن امین الرشید"

"محمد امین" موصوف کا سنہ ولادت ۱۷۰ ہجری ہے اور "مخدوم زادہ محمد یوسف" کی کہ جبکہ تباہی "بغداد" کے بعد مختلف دیار و امصار میں ہوتے ہوئے تقریباً ۶۶۴ ہجری میں وارد ہند ہوئے" اور "سلطان المعین" نے "امیر المومنین ہارون الرشید" کے پوتے کی حیثیت سے اُن کا اعزاز و اکرام کیا یقیناً چالیس پچاس سال کی ہو گی" اس لئے ان دو بزرگوں یعنی امین الرشید" اور "محمد یوسف" کے سنین ولادت کا درمیانی زمانہ "تقریباً چار سو برس کا شمار میں آتا ہے۔ پس ایک صدی میں تین واسطوں کی اوسط سے اس مدت میں تعداد وسایط "تقریباً تیرہ ہونی چاہئے" لیکن مندرجہ بالا سلسلہ میں صرف گیارہ واسطے مذکور ہیں۔ گویا دو واسطوں کی کمی رہتی ہے"

لیکن ایسے اشخاص کے سلسلۂ نسب میں جو اپنے "دودمان عالی شان" کی تباہی اور جفائے ابنائے زمان کی بنا پر ترک وطن پر مجبور ہوئے ہوں یہ بھی ناموں کا تقدم یا تأخر یا ایک دو ناموں کا ترک ہو جانا ایک ایسا امر ہے جو "مشرفائے ہند کے تقریباً تمام سلاسل نسب

میں پایا جاتا ہے۔"

ماسوائے اس کے "شمولیتِ موصوف" کے بعد اگر اس سلسلہ کے اکثر اشخاص نے طویل عمر پائی ہو جس کا اس زمانے کے حالات کے لحاظ سے قوی امکان ہے "تو دو صدیوں میں چار یا پانچ واسطوں کے اوسط سے اس سلسلہ میں کوئی کمی باقی نہیں رہتی۔"

مخدوم زادہ موصوف کے بعد کا سلسلۂ نسب "باعتبار تعداد وسایط صحیح و متصل ہے" مولانا رکن الدین عباسی" سے "مخدوم زادہ محمد یوسف" تک سات پشتیں ہوتی ہیں۔ بایں طریق "مولانا رکن الدین" بن نظام الدین" بن شمس الدین" "بن شرف الدین" بن معین الدین" بن تاج الدین" بن محمد یوسف" مذکور۔"

"مولانا رکن الدین عباسی" کا زمانہ آمد "امروہہ" تقریباً ۵۹۰ ہجری اور "مخدوم زادہ موصوف" کا زمانہ "ورود سندھ ۷۶۲ ہجری ہے" ان دونوں سنین کا درمیانی زمانہ "دو سو چونسٹھ برس کا ہے" اس مدت میں مندرجۂ بالا سات پشتیں باعتبار اوسط تعداد صحیح و درست ہیں۔"

"مولانا رکن الدین موصوف" سے موجودہ نسل کے نوجوانوں تک چودہ اور پندرہ واسطے اور مسن اشخاص بلکہ میرے ہمسنوں تک "بارہ اور تیرہ واسطے شمار میں آتے ہیں" جو بہ لحاظ مدت صحیح و درست" نیز مستند دستاویزی اور تحریری شہادتوں سے ثابت و محقق ہیں۔"

مثلاً" خاکسار مؤلف" کا سلسلۂ نسب "مولانا موصوف سے اس طریق پر متصل ہوتا ہے" محمود احمد" بن مولوی علی محمد" بن حضرت شاہ علی احمد" بن مولوی سعادت علی" بن مولانا عبد الحئی" بن مولانا عبد الرحیم" بن مولانا عنایت اللہ" بن ملا نذر محمد" بن حاجی محمد صالح" بن مولانا محمد" بن مولانا بابن" "بن مولانا رکن الدین عباسی"

امروہہ کے قدیم خاندانوں میں "سوائے خاندان عباسیہ" کے صرف معدودے چند خاندان ایسے ہیں" جن کا سلسلۂ نسب اپنے مورث تک جو" امروہہ" آئے" مستند دستاویزی شہادتوں سے ثابت و محقق ہو" اس لئے علم الانساب کی اصطلاح میں یہ خاندان صحیح النسب خاندان ہے۔" (صفحہ ۱۵۸، ۱۹۸)

مؤلف امروہوی کے شجرۂ نسب کی حقیقت بحسب تاریخ سادات امروہہ کا بیان

مؤلف امروہوی کے مندرجۂ بالا بیان کے متعلق "تاریخ سادات امروہہ" میں بدیں الفاظ درج ہے کہ۔

(۱) "صاحب تاریخ امروہہ" اور "صاحب آئینۂ عباسی" نے "تاریخ فرشتہ" کی بعض عبارات کا ذکر کیا ہے۔ مگر اس میں کوئی نام۔ اس خاندان کے کسی فرد کا درج نہیں ہے۔"

(۲) اس خاندان کا ذکر اب سے تقریباً پچہتر سال قبل تک کی بعض کتب تذکرہ میں ملتا ہے۔ اس زمانہ سے قبل کی کسی کتاب میں کوئی ذکر اس خاندان یا اہل خاندان کا نہیں ہے۔"

(۳) اسی ایک صدی کے اندر جو کتب تذکرہ "امروہہ" سے متعلق لکھی گئی ہیں۔ ان کے مطالعہ سے البتہ اس خاندان کے حسب و نسب کے متعلق رائے قائم کی جا سکتی ہے۔"

(۴) امروہہ کے تذکرہ نویسوں میں سب سے اوّل "مولوی محمد علی خاں صاحب" تھے جو اس خاندان کے ایک عالم اور ذی عزت شخص تھے" شجرۂ نسب" شائع کیا" جس کا سلسلہ" مولانا ......" اور "مولانا ......" برادران حقیقی" سے اوپر ۱۲۹۲ ہجری میں درج فرمایا ہے۔" (صفحہ ۲۶۸)

(۵) "آئینۂ عباسی" "تاریخ اصغری" "نخبۃ التواریخ" "تحقیق الانساب" ان چاروں تذکرہ نویسوں کے بیانات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ "مولانا رکن الدین" اور اُن کے تین فرزند "بہن" "منجھے" اور "اینٹھن" "جلال الدین اکبر بادشاہ" کے ہم عصر ہیں۔ "اکبر بادشاہ" کی سلطنت کا آغاز ۹۶۳ھ ہجری میں ہوا ہے پس یہ باور کر لینا قطعاً جائز ہے کہ "مولانا رکن الدین" کی پیدائش قریباً ۹۱۰ھ ہجری میں ہوئی۔

(۶) "موسیٰ بن امین الرشید" کے اوپر کا شجرہ بالکل صاف ہے۔ اور ہزارہا تاریخی شہادتیں اس کی تائید میں ملتی ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ "مولانا رکن الدین" اور "موسیٰ بن امین" کے درمیان اسماء کی تعداد بلحاظ بُعد زمان "اتصالِ نسب" کے لئے حسب قاعدہ مقبولہ نسابین کافی ہے یا نہیں۔

(۷) جیسا کہ ابھی بیان ہوا ہے "مولانا رکن الدین" کی پیدائش ۹۱۰ھ ہجری میں ہوئی۔ اور "موسیٰ بن امین" کی وفات ۲۰۸ھ ہجری میں ہوئی پس ان دونوں سنین کا درمیانی زمانہ قریب قریب سات سو برس ہوتا ہے۔

(۸) سات صدیوں میں حسب قاعدہ مقبولہ بحساب تین فیصدی اکیس پشتوں کی ضرورت اتصال نسب کے لئے ہوتی ہے "ایک دو یا تین" کی کمی بیشی بھی ہو تو چنداں مضائقہ نہیں۔

(۹) مگر شجرہ مندرجہ "آئینۂ عباسی" متذکرہ بالا پر نظر ڈالی جاتی ہے تو "مولانا رکن الدین" اور "موسیٰ" کے درمیان صرف گیارہ نام شمار میں آتے ہیں۔ اور دس پشتوں کی کمی واقع ہوتی ہے "پشتوں کی کمی کی تعداد اس قدر کثیر ہے (یعنی دس) کہ اس سلسلۂ نسب کو صحیح اور متصل نہیں کہا جا سکتا ہے" (ص ۲۶۳، ۲۶۴)

(۱۰) اس کے بعد "صاحب تاریخ اصغری" کا بیان بھی توجہ طلب ہے "بیان فرماتے ہیں کہ جب امیر تیمور نے دہلی کو فتح کیا۔ تو یہ لوگ وہاں سے بھی جلا وطن ہو کر پنجاب میں چلے آئے اور وہیں "مولوی میاں منجھے" جن کو طوطیٔ پنجاب کہنا لائق ہے پیدا ہوئے "ان کا سلسلۂ نسب گیارہ واسطوں سے "سلطان محمد امین" تک پہنچتا ہے"

اس بیان سے بھی "سلسلۂ نسب کے واسطوں کی حد تک قریب قریب وہی نتیجہ نکلتا ہے۔ جو "صاحب آئینۂ عباسی" کے بیان سے برآمد ہوا" جس کا ذکر سطور بالا میں کر دیا گیا" مزید وضاحت اب غیر ضروری ہے" (ص ۲۶۴)

(۱۱) "آئینۂ عباسی" کی تاریخ اشاعت ۱۲۹۲ھ ہجری ہے۔ نصف صدی کی مدت گذر لینے کے بعد "مولوی محمود احمد عباسی" نے "تاریخ امروہہ" شائع کی" اس کی دوسری جلد "تذکرۃ الکرام" ۱۳۴۲ھ میں "مولانا رکن الدین صاحب" مذکور کا شجرۂ نسب درج کیا ہے۔

(۱۲) "آئینۂ عباسی" اور "تذکرۃ الکرام" کے دونوں شجروں کا مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ "تذکرۃ الکرام" کے شجرے میں تین نام "محمد شفیع" "محمد اسمٰعیل" اور "نظام الدین" زائد ہیں۔

تعجب ہے کہ [illegible] نصف صدی کے [illegible] دو شجروں میں [illegible] تین ناموں کی بیشی نظر آتی ہے۔ ہمیں یقین ہے "صاحب آئینۂ عباسی" نے [illegible] شجرہ [illegible]

(۱۳) "آئینۂ عباسی" کے شجرے [illegible] اتصالِ نسب [illegible] دس واسطوں کی کمی۔ اور "تاریخ امروہہ" [illegible] "موسیٰ بن امین" کے ناموں کا اضافہ کر لیا جائے [illegible] واسطوں کی کمی [illegible] (ص [illegible])

الغرض [illegible] تذکرہ نویسوں کے بیانات [illegible] اتفاق ہے کہ "مولانا رکن الدین" [illegible] "اکبر بادشاہ" کا [illegible] مولانا نور الدین کے شجرے میں "موسیٰ بن امین" تک [illegible] "تاریخ اصغری" [illegible] "آئینۂ عباسی" [illegible]

تاریخ امروہہ" سات واسطوں کی کمی اتصال نسب کے لئے ثابت ہوتی ہے"
"موسیٰ بن امین" کے عقب کا پتہ کسی تحریری شہادت سے نہیں چلتا" نہ ان کی اتنی کم سنی میں بغیر کسی مخصوص شہادت کے تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ وہ صاحب اولاد ہوئے"
جبکہ اُن کی نسل موجود نہ ہونے کی" اور صرف "معتصم" ہی سے "ہارون الرشید" کی نسل چلنے کی" تاریخی شہادت موجود ہے" "تو ایسا سلسلۂ نسب صحیح اور متصل نہیں ہے اور نہ ایسے خاندان کو صحیح النسب کہا جا سکتا ہے" ایک صدی سے قبل اس خاندان کا کوئی ذکر کسی تذکرہ یا تاریخ یا کسی بھی کتاب میں موجود نہیں ہے" (صفحہ ۲۷)

(تاریخ سادات امروہہ جلد اوّل مؤلفہ و مرتبہ جمال احمد نقوی عرف خصال احمد ایم-اے-ایڈ نمبر ا")
(مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدر آباد دکن در ۱۹۳۴ء)

مؤلف امروہوی کے دعوائے عباسیت کا بطلان۔ صاحب کتاب "بیت اللہی تباپچہ" اور کتاب نسب نامہ عباسیہ کے بیانات

"کتاب بیت اللہی تباپچہ" مؤلفہ جناب سید فیاض حسین صاحب نقوی الامروہوی" مطبوعہ جیند رگپت پریس" چاوڑی بازار دہلی" کے صفحہ ۱۳۳ و ۱۳۴ پر" محمود احمد صاحب" عباسی نہیں ہیں" کی سرخی کے تحت لکھا ہے کہ" قوم عباسی" نے مؤلف تاریخ امروہہ کے باپ دادا کو نہ اپنی برابر جانا اور نہ بیٹی کا لین دین کیا" اور مؤلف امروہوی محمود احمد صاحب سے سوال کیا ہے کہ "بتایئے کہاں کہاں آپ کی بیٹیاں اصلی عباسیوں میں گئیں۔ اور کس کس عباسی کی لڑکی آپ کے یہاں آئی" جس کے ثبوت کے واسطے دعویٰ ازالہ عرفی بنام ایڈیٹر اخبار انصار کافی ہے" جس میں "منشی شمس الحسن" و مولوی خلیل اللہ صاحبان امروہوی" نے زبانی بحلف بیان کیا کہ "محمود احمد صاحب اپنے کو عباسی کہتے ہیں۔ ہمارا تو ان سے شادی بیاہ تک نہیں ہوتا" نہ ہم کو یہ معلوم ہے کہ ہمارا شجرۂ نسب ان سے کہیں ملتا ہو"

اور کتاب "نسب نامۂ عباسیہ" مصنفہ "فیاض حسین صاحب نقوی ساکن امروہہ" مطبوعہ ریاض پریس امروہہ کے صفحہ ۳ پر تحریر ہے کہ "محمود احمد صاحب کی ہوس کا برا ہو کہ آج ناحق اپنے نسب کا پول کھلوا کے چھوڑا" اور لطف یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں" اور صفحہ ۱ پر لکھا ہے کہ مؤلف کی عباسیت کیا ہے۔ خاصہ بازیچۂ اطفال ہے" اور صفحہ ۱ پر تحریر ہے کہ "ظاہر ہے کہ۔ جلال الدین محمد اکبر کے زمانہ کے بہت قبل سے "امروہہ ایسا تھا" کہ یہاں سادات کی عملداری تھی" بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ بادشاہت تھی" ایسی حالت میں "رکن الدین" کا (مؤلف امروہوی کے بزرگ کا) عباسیت سے پیراستہ ہو کر امروہہ آکر رہنا تو درکنار قدم رکھنا بھی ہونا۔ بعید از قیاس ہی نہیں بلکہ نہیں ورنہ ناممکن ہے" اس لئے کہ عباسیہ کے مظالم اور قتل و غارت کی فطرت جو سادات کے ساتھ مخصوص تھی۔ اس کا نتیجہ ہندوستان آنا سادات کا تھا" یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی قوم کے قاتلین لوگوں کو جو عباسیت کے بلند نعروں کے ساتھ امروہہ آئے ہوں۔ ان کو امروہہ آنے دیتے" جس سے واضح ہے کہ "رکن الدین" محض معمولی رعایا کی حیثیت سے محض زیادہ سے زیادہ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] وہ اور ان کی اولاد" سادات امروہہ کو دیکھ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] حضرت شرف الدین شاہ ولایت امروہوی [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] بلکہ یہ [illegible] ہے کہ [illegible] ذاتی [illegible] تھے اور [illegible] مسلمان قوم [illegible] اسی طرح زیادہ سے زیادہ [illegible] تھے"

علاوہ اس کے یہ قاعدہ ہمیشہ سے چلا آرہا ہے کہ ہندوستان میں [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اور شیخ کی قوم [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]"

دو تین سال کے عرصہ تک "محمود احمد" (مؤلف امروہوی) اور اُن کے آباؤ اجداد اسی پوستین کے نیچے آرام کرتے رہے"
جب سے قریشی کانفرنس امروہہ میں ہوئی اور انہوں نے اپنی قوم و قبیلہ کا اظہار کیا۔ اس وقت سے اس پوستین کے نیچے جناب نے بھی
حرکت فرمائی" کہ یہ اپنے آپ کو عربی النسل ظاہر کرکے یہ پردا صرف نو مسلموں کے لئے قرار دیتے ہیں۔ تو جناب کو بہت غیظ آیا" جس کا ایک
نسخہ یہ تھا کہ "تاریخ امروہہ" لکھنا چاہئے اور اپنے آپ کو "بنی ہاشم" کے قبیلہ ہی میں نہیں" بلکہ سادات امروہہ"
میں ظاہر کرنا چاہئے" اور یہ سب ترقی کا ذریعہ "عباسیت" ہونا چاہئے "خیر اس قدر خیریت ہوئی کہ سعودی رتبہ عباسیت ہی
رہی۔ جناب اگر کسی ائمہ اہل البیت سے سلسلہ جا جوڑتے تو کون روکنے والا تھا" اس قسم کے امروہہ میں اور بھی سید ہیں" کون
جھانکتا پھرتا ہے کہ تمھارے منہ میں کتنے دانت ہیں" البتہ مؤلف سے چوک ہو گئی"

مؤلف امروہوی کے شجرۂ نسب حسب منشاء بڑے بول کا پول کی تنقید اور اس کا نتیجہ

اور کتاب بڑے بول کا پول مصنفہ سید فیاض حسین صاحب امروہوی نقوی مطبوعہ ریاضی پریس امروہہ کے ص۲۳ تا ۲۲
پر تحریر ہے کہ "موسیٰ ابن محمد امین (پسر ہارون رشید) کی کم سنی اور اس میں چند اولادوں کا ہو جانا" تحقیق الانساب" کے
ص۱۵۲ پر مؤلف نے ایک مثیل سے بہت کام لیا ہے" فرماتے ہیں کہ "عبداللہ بن عمرو بن عاص رض" اپنے والد سے صرف بارہ برس
چھوٹے تھے" لہٰذا موسیٰ کے بھی کئی اولادیں ہوں گی" اور فوراً "محمد تقی" کو فرزند بنا کر سلسلہ "عباسیان امروہہ" کا جوڑ دیا
ہے" اور عربی شہزادوں شہزادوں کے بلوغ میں بہت ذہانت فرمائی ہے" لیکن یہ ظاہر نہ فرمایا کہ کس قدر اولاد ہوئی" کتنے ذکور تھے۔ اور
کس قدر اناث" محمد تقی اولاد اکبر تھے" یا اولاد اصغر" معلوم تو اولاد اکبر ہی ہو سکتے ہیں" کیونکہ عبد بن عمرو بن العاص رض کی
مثال سے کام لیا گیا ہے" جو اپنے پدر سے صرف بارہ سال چھوٹے تھے" اس لئے محمد تقی بھی اپنے پدر عالی قدر "سلطان ناطق بالحق"
(موسیٰ بن امین) سے بارہ سال ہی چھوٹے معلوم ہوتے ہیں" یہ بات ہے جو مؤلف "موسیٰ" کے چند اولادیں ہوں گی لکھ کر پلے پار ہو گئے
ہیں" اس طرح کہیں پیچھا چھوٹا ہے" یہاں سے تو مؤلف کے نسب صحیح اور متصل کا کچا چٹھا کھلتا ہے" جناب والا بلوغ کے زمانہ کے شمار میں
"زمانہ حمل بھی خارج ہوگا" جس کی انتہائی مدت بقول امام ابو حنیفہ صاحب" دو سال ہو سکتی ہے" لہٰذا بارہ سال کی عمر میں جس کے
بیٹا ہو وہ دس سال کی عمر میں بالغ ہونا چاہئے" کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ "محمد تقی صاحب" موصوف کتنے دنوں میں شکم مادر سے برآمد ہوئے"
لہٰذا مدت حمل محمد تقی موصوف" دو سال ماننی پڑے گی جس سے واضح ہے کہ "سلطان موسیٰ ناطق بالحق" دس ہی برس کی
عمر میں بالغ ہو گئے تھے" بلکہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ شکم مادر ہی میں بالغ ہو گئے تھے تو کیا بعید ہے"

مؤلف صاحب نے "تحقیق الانساب کے ص۱۵ پر نسب کی اقسام پانچ دکھائی ہیں" مگر یہ قسم جو محمد تقی کے نسب کی ہے درج
نہیں فرمائی" جس کا نام ہم مؤلف موصوف کو بتائے دیتے ہیں۔ (نسب اقبالی) یعنی فقط اقبال ہی سے سلطان موسیٰ ناطق بالحق"
کے "محمد تقی سا گبرو پسر پیدا ہو جائے" درحقیقت یہ بڑے زور کی کرامت ہے" جس سے خاندان عباسیہ مؤلف" کی بنا ہے"
معلوم شد بافند گی" یہ ہی وجہ تو ہے کہ "صاحب آئینہ عباسی" اس مقام پر ایسے بدحواس ہوئے کہ سلسلۂ نسب ہی مؤلف کا قطع ہوتا
جس کو زیادہ مدت نہیں ہوئی" صاحب آئینہ عباسی" کون جو مؤلف ہی کے نسب کے عباسی ہوتے ہیں اور مؤرخ عباسی ہوتے ہیں"
وہ محمد تقی کا پسر قطب الدین جانتے ہیں" مؤلف نے اپنے شجرے سے ایک کڑی اضافہ فرمائی" اور ص۲۳۸ جلد دوم میں محمد تقی
پسر محمد تقی درج فرمایا" اور قطب الدین کو محمد تقی کا نبیرہ" برخلاف صاحب آئینہ عباسی تحریر فرمایا ہے" یہ ایک صناعی مؤلف
کی شجرۂ عباسیہ میں انوکھی نہیں ہے" بلکہ اس سے بھی زیادہ نازک مقام" رکن الدین صاحب" کا ہے۔ جن سے مؤلف کے خاندان عباسیہ
امروہہ کی بنا ہے"

لیکن ہنوز اِسی مقام سے مؤلف کا پیچھا چھوڑانا دشوار ہے "سلطان ناطق بالحق" موصوف کے والد ماجد محمد امین
صاحب کے قتل کی وجہ قبالہ وقف علی الاولاد سلطنت عباسیہ ہے" جو شیخ ولیعہدی مامون رشید ہو کر "بنام موسیٰ" اور موسیٰ
کے بعد بنام چھوٹے پسر "عبد اللہ" کے ہوتا ہے" اس سے بھی یہ ہی پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ "موسیٰ" کے اختیارات ولیعہدی کا
خاتمہ کر دیا گیا تھا" چونکہ محمد امین خلیفۃ اللہ عوام کی نظر میں تھے۔ اس لئے بہ نورِ باطن انہیں معلوم ہو گیا ہوگا کہ "موسیٰ کے کوئی اولاد
ہونے والی نہیں ہے" لہذا چھوٹے بیٹے کو بھی ولیعہد بنا دینا چاہئے" اس سے بھی "محمد تقی" کا وجود قطعی حذف ہو جاتا ہے"
رکن الدین کا مقام بھی آتا ہے مگر سلسلہ ہی سے آئے گا" اگرچہ یہ سلسلہ کچھ لوہے یا رسی کا نہیں ہے" بچے دھاگے کا ہے
جا بجا سے تار علیحدہ ہی نظر آ رہے ہیں تاہم جہاں جہاں جوکڑی مؤلف کی قایم کی ہوئی نظر آ رہی ہے" اسی سلسلہ سے بیان کیا جائے گا"
"محمد یوسف صاحب" جو بقول مؤلف "بانی سلاسل عباسیہ ہوئے اور جو ۶۶۵ ہجری میں بہ سفر سمندر
وارد ہندوستان ہوئے" .... اس کے متعلق یہ ہے کہ "کتب سیر نے یہاں تک بھی لکھا ہے کہ بغداد کے صوفیہ اور اہلِ
باطن کا یہ قول تھا کہ چنگیز خانیوں کے ساتھ تباہی بغداد و سلطنت عباسیہ کے وقت) ہم حضرت خضرؑ کو دیکھتے ہیں" اب
کون شخص یقین کر سکتا ہے کہ "محمد یوسف صاحب کے لئے سمندر کے کنارے اگن بوٹ کھڑے ہوں کہ تشریف لائیے ہم آپ کو
ہندوستان پہنچا دیں" آپ کی نسل سے تو "محمود احمد صاحب مؤلف تاریخ امروہہ" پیدا ہونے والے ہیں۔
مؤلف نے ان حالات میں صفحہ ۱۹۰ و ۱۹۱ میں "محمد یوسف" کو ہندوستان براہِ سمندر بلا کر پھر اپنا سلسلہ نسب
جوڑا۔ جو قطعی لغو اور مہمل ثابت ہوتا ہے" اور "محمد یوسف" سے "تاج الدین و معین الدین و شرف الدین و شمس الدین
نظام الدین" کا تانا بانا پھیلایا جس کو ہم نظام الدین کے حالات سے غور کرتے ہیں"
یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ صفحہ ۱۹۱ پر ۷۲۱ ہجری میں "سید شرف الدین صاحب" (شاہ ولایت امروہہ
اعلی اللہ مقامہٗ کا مع ایک خلیفہ کامل "شیخ نظام الدین عباسی" کے "سودہرہ" سے "امروہہ" آنا مؤلف کو تسلیم ہے"
ان نظام الدین کو مجاور اپنا جد بتاتے ہیں۔ جو بقول مؤلف "آستانہ سید صاحب موصوف (یعنی شاہ ولایت صاحب)"
پر دفن ہیں" اور مجاور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ ہی "شیخ نظام الدین" خلیفہ باکمال "سید شرف الدین" صاحب کے تھے"
مؤلف صاحب (محمود احمد) اس تحریر سے "صاحب نخبۃ التواریخ" پر بہت گرم ہوئے ہیں۔ انہوں نے تاریخ
امروہہ حصہ اول کے صفحہ ۷۰۹ پر تحریر فرمایا ہے کہ "مولانا آلِ حسن نخشبی" مؤلف نخبۃ التواریخ نے "عدم مبالاۃ کی بنا پر
حضرت شاہ ولایت کے خادم نظام الدین کو اور آپ کے خلیفہ باکمال "شیخ نظام الدین عباسی" دو جداگانہ ہستیوں
کو ایک سمجھ کر خادمانِ درگاہ شاہ ولایت صاحب اولاد شیخ نظام خادم کو آپ کے مرید و خلیفہ باکمال "شیخ نظام الدین
عباسی" کی نسل سے لکھ مارا" مولوی صاحب ممدوح (محمود احمد صاحب) اگر ذرا عقل سے کام لیتے اور یہ سوچتے کہ جو شخص اتنی دور دراز
فاصلہ پر جائے" جیسے امروہہ سے ملتان ہے" اور وہاں جاکر سکونت بھی اختیار کر لے۔ اور پھر سلسلہ بیعت بھی جاری کرے" تو اس
کی اولاد مجاوری کا پیشہ کرنے کے لئے "امروہہ" کیوں آ جاتی" ایک ایسے شخص کی اولاد" اپنے آبائی سجادہ پدری پر متمکن ہوتی"
یا درگاہ شاہ ولایت" کے نذر و نیاز کے "چند منصوری پیسے اور ریوڑیوں کے چند دانے لینے کے لئے امروہہ آ جاتی"
تاریخ امروہہ کے حصہ اول کے صفحہ ۱۹۱ پر "رکن الدین" کے امروہہ آنے کا بیان درج ہے" جو فرزند شمس الدین
تھے" اور جو سلسلہ نسب مؤلف کا صفحہ ۱۹۰ و ۱۹۱ جلد اول میں درج تھا اس میں کسی نظام الدین کا وجود بھی نہ تھا" ہمیں یہ حیرانی تھی
کہ مؤلف کیوں اس قدر جلال میں "نخبۃ التواریخ کی تحریر سے آ گئے" الٰہی یہ ماجرا کیا ہے" لیکن جلد دوم کے صفحہ ۲۳۸ پر یہ معمہ حل ہوا
کہ "شیخ نظام الدین خلیفہ باکمال سید شرف الدین صاحب" "شیخ رکن الدین صاحب" جد بانی خاندان عباسیہ

(امروہہ) کے حقیقی پدر بزرگوار ہیں" اس لئے اس میں کوئی راز مخفی معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے جلد اوّل تک کیوں "نظام الدین" کا وجود مخفی کیا" اور رکن الدین کی ولدیت "فرزند شمس الدین" درج کر کے "پسر شمس الدین کیوں ظاہر کیا"

درحقیقت واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ "شیخ نظام الدین" خلیفہ باکمال کا وجود سید شرف الدین کے ساتھ ۶۲۱ھ میں امروہہ میں ہوتا ہے" جبکہ خلیفہ باکمال کی عمر زاید از چالیس سال ہونی چاہئے اور محمد یوسف کی عمر جن کو مؤلف نے ۶۵۰ ہجری میں پنجاہ سالہ مانا ہے۔ پچاس سال ہونی چاہئے" لہذا نظام الدین عباسی ہی کی پیدائش ۶۰۰ھ ہجری کی جو محمد یوسف کے ہندوستان آنے کے سنہ سے صرف پانچ یا چھ سال بعد ہوتی ہے تو پھر "تاج الدین و معین الدین و شرف الدین و شمس الدین" کا وجود کیسا" یہ نمبر تو "محمد تقی" سے بھی چار قدم آگے نکلا"

اس لئے مؤلف نے جلد اوّل میں اپنے نسب میں "نظام الدین" کا قصّہ ہی تمام کر دیا تھا" اور دوسرے حصّہ پہ اس کو رکھ چھوڑا تھا۔ کہ کون دیکھتا پھرتا ہے۔ کسی کو اس پر توجہ بھی نہ ہو گی اور نہ ہوتی" چنانچہ احمد علی سے سابق کی پشتیں ہم نے بھی نظر انداز کر دیں۔ مگر کیونکہ صاحب نخبتہ التواریخ کے معاملہ میں" مؤلف بہت جھلائے ہیں اور سید امیر علی صاحب کی اولاد کے ساتھ بہت گستاخی سے پیش آئے ہیں اس لئے ہم کو بھی نظام الدین خلیفہ باکمال سے ایک گونہ خصوصیت ہو گئی ہے" اس کے بعد سید فیاض حسین صاحب نے شاہ ولایت صاحب اور نظام الدین خلیفہ باکمال کے متعلق لکھتے ہوئے ص۳۱ پر تحریر فرمایا ہے کہ "مؤلف صاحب نے یہ خود بھی تسلیم فرمایا ہے کہ "شیخ نظام الدین عباسی" ملتان چلے گئے تھے اور انہوں نے سلسلہ جاری کیا تھا۔ وہ جاری ہے جس سے واضح ہے کہ وہ نظام الدین عباسی کوئی اور ہوں گے" وہ ہرگز رکن الدین صاحب کے پدر نہیں ہو سکتے" مماثلت اسمی کے سبب مؤلف کو دھوکا ہوا ہے"

مؤلف نے بعض موقعوں پر "شیخ نظام الدین" کے بعد عبّاسی کا لفظ نہ ہونے کی بابت بھی توجہ دلائی ہے" جس سے اُن کا یہ خیال ہے کہ یہ "رکن الدین صاحب" کے پدر عالی قدر نہیں ہو سکتے" اس کو ہم پیشتر ہی ظاہر کر چکے ہیں کہ عبّاسی امروہہ میں عبّاسیت کے ساتھ داخل نہیں ہو سکتے تھے" کیونکہ وہ قاتل سادات تھے" لہذا شیخ نظام الدین ہرگز "عبّاسی" نہ تھے" بعض موقعوں پر عبّاسی "شیخ نظام" کے بعد غلط درج کیا گیا" جس سے مؤلف نے یہ غلط خیال باندھا ہے" "شیخ نظام" ہرگز عبّاسی نہ تھے" محض ہندی النسل مسلمان تھے اور کچھ نہیں تھے"

علاوہ اس کے "شیخ نظام الدین صاحب" کی عمر تقریباً دو سو سال کی بقول مؤلف ہوتی ہے" کیونکہ پیدائش کا زمانہ ۶۰۰ھ ہجری کے قریب ہوتا ہے اور ۷۹۹ھ ہجری میں "رکن الدین" عالم شباب میں بسر کرتے ہیں اور معہ کنبہ "امروہہ" میں جدید سکونت اختیار فرماتے ہیں" جس کے سبب "تاج الدین" سے لے کر "شمس الدین" تک کی چار پیڑھیوں کا خون ہوا جاتا ہے" لہذا مؤلف سے کسی نے غلط کہہ دیا ہے کہ آپ اُن نظام الدین کی اولاد ہیں جو ملتان کے ہیں۔ عقلاً بھی ۶۲۱ھ ہجری کا زمانہ حیات سید شرف الدین کا ہے" نظام الدین خواہ وہ خادم ہو یا خلیفہ باکمال ہو" اُسے جناب سید شرف الدین (شاہ ولایت) کے زمانہ میں تو موجود ہونا چاہئے" نہ یہ کہ اس کے درمیان میں چار پشتیں "تاج الدین" سے لیکر شمس الدین تک کا فاصلہ بنا دیں" مؤلف کو جو خاصے ہوشیار بلکہ مؤرخ ہیں" ذرا غور و تامّل سے کام لینا چاہئے تھا"

اب رہے "رکن الدین صاحب عبّاسی" اگرچہ ضمناً اُن کا حال "نظام الدین صاحب" کے تذکرے میں آ چکا ہے تاہم کچھ تشریح کی ضرورت سمجھی جاتی ہے" چونکہ یہ بانئی خاندان عبّاسیہ امروہہ ہوئے ہیں" جو مؤلف کا ہے" لہذا کچھ وضاحت کرنا چاہئے
جو ص۱۹۱ جلد اوّل پر تو فرزند شمس الدین ہیں"
اور ص۲۳۶ جلد دوم میں "بن مولانا نظام الدین" ہیں۔

جلد چہارم کے صفحہ ۱۹ پر یہ فقرہ درج ہے کہ "موجودہ صحیح النسب عباسیوں" "جعفریوں" "عقیلیوں" کے
مورث "شاہ ولایت صاحب" اور اُن کے خلیفہ باکمال شیخ نظام الدین عباسی کے زمانے سے بہت بعد یعنی تقریباً ڈیڑھ دو
صدی بعد امروہہ آئے تھے" جس سے ظاہر ہے کہ نظام الدین کا زمانہ رکن الدین سے ڈیڑھ صدی قبل کا ہے" پس کس طرح رکن الدین پسر
نظام الدین ہو سکتے ہیں" اس پر بھی وہ نظام الدین کے پسر ہوں تو سوائے خلیفہ صاحب کی کرامت کے وجود رکن الدین" کا عقلاً
محال ہے" اور اس سے زائد یہ امر تعجب انگیز ہے۔ کہ وہ فرزند شمس الدین بھی ہوں" اور پسر نظام الدین" بھی یہ کرامت بالائے
کرامت ہے"

"رکن الدین جد مؤلف کی عمر کی تعداد بھی عقل کو چکر میں ڈالے بغیر نہیں چھوڑتی" ۱۳۹۰ء میں بھی یہ معہ اپنے پدر
شمس الدین کے امروہہ آجاتے ہیں۔ یہ زمانہ شاہ فیروز تغلق کا ہوتا ہے" سکندر لودھی کے وقت میں بھی امروہہ"
آجاتے ہیں جیسا کہ جلد دوم کے صفحہ ۲۳۹ و ۲۴۰ سے ظاہر ہے جو ۱۴۸۸ء سے ۱۵۱۷ء تک ہوتا ہے" اسی جلد دوم کے صفحہ ۲۵ پر
شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں امروہہ کے معززین میں ہوتے ہیں" جو ۱۵۵۶ء سے ۱۶۰۵ء تک کا زمانہ ہوتا ہے" اور اس کے بعد بھی
یہ پتہ نہیں چلتا کہ اُن کی وفات واقع ہوئی یا نہیں" اگرچہ بعینہ یہی حال نظام الدین خلیفہ باکمال کا بھی عمر کے معاملہ میں ہے"
جو دوسرے پدر آنجناب کے علاوہ شمس الدین پدر کے ہیں" الولی [illegible] بیسیہ کے اعتبار سے تو موصوف پسر خلیفہ باکمال
نظام الدین ہی معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ شمس الدین سے تاج الدین تک کی پشتوں میں تو فقط ایک سال" یا زیادہ سے
زیادہ دو سال" بزرگی اور خوردی کا حساب سے زیادہ نہیں ہے" ان حالات میں نظام الدین اور رکن الدین کے اس وقت میں
مان لینے میں کیا قباحت ہو سکتی ہے"

اور صفحہ ۱۱ پر تحریر ہے کہ "اب یہ دیکھنا اور باقی رہتا ہے کہ مؤلف (محمود احمد) کی تحریرات سے امروہہ میں عباسیوں
کے آنے کی کیا حالت ہے" صفحہ ۱۹ جلد چہارم سے "نظام الدین" کا آنا ثابت ہوتا ہے" جس کی بابت ظاہر کیا گیا کہ وہ نظام خادم
تھے جو ۱۲۱۰ ہجری میں "سید شرف الدین" کے ساتھ تھے" اور امروہہ میں سید صاحب کے ساتھ تھے اور امروہہ سید صاحب
کے ساتھ آئے جس میں کسی طرح کلام نہیں ہو سکتا" جن کو مؤلف بھی خلیفہ باکمال سے متعلق فرماتے ہیں اور جن کی نسبت مؤلف کو جلد اول
تک تو علم بھی نہ تھا" کہ یہ پدر رکن الدین ہیں"

صفحہ ۱۹۰ جلد اول پر "شمس الدین" کا امروہہ آنا ثابت ہوتا ہے" (۱۳۹۸ء میں تیمور کے حملہ کی وجہ سے) نظام الدین
ہوتے ہیں" اور صفحہ ۱۹۱ پر "رکن الدین فرزند شمس الدین معہ اپنے خاندان کے سب سے پہلے امروہہ آتے ہیں" اور جلد چہارم کے صفحہ ۱۸۱ کے
مطابق "شمس الدین" "نظام الدین" "رکن الدین" آتے ہیں بلکہ "مصطفےٰ" اور "بلّن" آتے ہیں" ان حالات میں
کیا کوئی سمجھ سکتا ہے کہ ان مورثان مؤلف میں سب سے پہلے امروہہ آیا" یہ کہا جا سکتا ہے کہ کوئی بھی مورثان مؤلف میں ایسی حالت
میں امروہہ نہیں آیا۔ جیسا قابل تذکرہ ہوتی"

مؤلف نے نسب کے جو اقسام بیان کئے ہیں اُن کو دکھانے کے بعد صفحہ ۱۳ پر سید فیاض حسین صاحب نے تحریر فرمایا
ہے کہ اب ہم جناب عباسؓ اور مؤلف تک کے نسب کی جانچ کرتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ کہاں تک نتیجہ صحیح النسب جو مؤلف نے برآمد
کیا ہے صحیح ہے"

ابن خلدون جلد دوم پر حضرت عبدالمطلب کی وفات ایک سو چالیس (۱۴۰) سال کی عمر میں ہونا درج ہے" اُس وقت
پیغمبر خدا کی عمر شریف آٹھ سال دو ماہ کی تھی" جناب عباسؓ تین سال آنحضرت صلعم سے بڑا ہونا تسلیم شدہ اور مسلّم ہے" اس لئے
جناب عباسؓ حضرت عبدالمطلب کے وقت ایک سو پچیس (۱۲۵) برس کی عمر میں پیدا ہوتے ہیں" مؤلف کے قول موضوعہ پوری

کی عمر اُس وقت دسؔ یا ۱۲ بارہ سال کی بھی مانی جائے تو ایک سو بیسؔ سال ہی ہوتے ہیں۔ جس میں مؤلف کا دو سو برس جوڑنا ہرگز صحیح نہیں ہے" علاوہ بریں نظام الدین جو جلد دوم سے "پدر رکن الدین ہوئے ہیں" خلیفہ باکمال سید شرف الدین ہوئے" وے ۱۱۲ہجری میں بقول مؤلف امروہہ میں موجود پائے گئے" اگر اُس وقت ان کی عمر بوجہ خلیفہ باکمال ہونے کے صرف چالیسؔ سال ہی مانی جائے تو "نظام الدین" کی پیدائش ۸۰ھ ہجری کی مانی جاسکتی ہے" محمد یوسف کا ۶۶ہجری کا ہند کا آنا مؤلف کو تسلیم ہے" اِس طرح نظام الدین کی پیدائش اور محمد یوسف کے درمیان کے زمانہ میں زیادہ سے زیادہ جبکہ ۱۲۱ھ میں صرف چالیسؔ سال ہی کی عمر نظام الدین کی مانی جائے تو صرف پانچ یا چھ سال ہی پڑتے ہیں" لہٰذا ہر طرح "شمس الدین" و شرف الدین و معین الدین و تاج الدین" کے وجود خلاف عقل ہیں" زیادہ سے زیادہ محض نظام الدین خلیفہ باکمال سید شرف الدین رشاہ ولایت، محمد یوسف کے پسر ہوسکتے ہیں" جیسا کہ پیشتر بھی ہم نے ظاہر کیا ہے" جس سے ظاہر ہے کہ مؤلف نے "چار پشتیں اپنی طرف سے تراشی ہیں اور کچھ نہیں"

دوسرا مقام جو ۱۵۸ جلد چہارم کا "محمد یوسف سے امین تک کا ہے" اگرچہ اُس میں "موسیٰ" بھی داخل ہیں" جو دسؔ برس کی عمر میں "محمد تقی" سے "صاحب ولد ہو جاتے ہیں" اور امین بھی موجود ہیں جن کے بیسؔ سال کی عمر میں موسیٰ ہوتے ہیں" گویا تینؔ سال ہی کے درمیان "امین" اور "محمد تقی" کے بیچ میں موسیٰ واسطہ بن جاتے ہیں" اِس پر بھی "امین اور محمد یوسف" کے درمیان جبکہ وہ ۶۵۹ہجری میں پچاس سال کے ہوں ۶۱۰ہجری پیدائش امین" اور پیدائش محمد یوسف میں جو ۶۰۹ہجری کی ہوسکتی ہے صرف چار سو انتالیس سال کا فرق بقول مؤلف ہی نکلتا ہے" جس کو انہوں نے چار سو پچاس کا درج کیا ہے" یعنی گیارہ سال زاید درج کیا ہے" تاہم اس سے بھی ٹھو آگے نہ چلا اور اس قدر کھینچ تان سے بھی مؤلف کے شمار میں گیارہ واسطے آئے" یعنی محمد یوسف اور امین کے درمیان جو زمانہ ہے۔ خواہ وہ چار سو پچاس سال ہی ہی اس میں گیارہ واسطے آئے" جناب صرف نو ہی واسطے آئے" ریاضی تیرا بُرا ہو ہر جگہ آڑے آرہی ہے" ابھی پوری چار پشتیں غایب" دسؔ برس کے بچوں کی اولاد محمد تقی بھی شامل اور موسیٰ بھی شامل" اور اس پر بھی یہ حال کہ زبان پر یہ کلمہ جاری فرما کر بھی کہ "موسیٰ" کے بعد اس سلسلہ کے اکثر اشخاص نے طویل عمر پائی ہو" یہ سلسلہ مؤلف کا صحیح اور متصل ہے" ہا۔ یہ ہٹ تریا ہٹ سے بھی بڑھی ہوئی ہے"

جس سے واضح ہوگیا کہ امروہہ کے عباسی صاحبان جو مؤلف کو کہتے ہیں وہ صحیح ہے کہ "مؤلف اپنے کو عباسی کہتے ہیں۔ ہمارا تو ان سے شادی بیاہ بھی نہیں ہوتا"

اِن حالات میں مؤلف کے نسب کی بابت آسانی سے کہا جاسکتا ہے کہ "مؤلف ایسے نسب کے شخص ہیں کہ اقسام نسب تو درکنار وجود نسب ہی میں داخل ہونا اُن کا دشوار کیا بلکہ نا ممکن ہے" مسٹر محمود احمد مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ کے نسب کی جو کیفیت ہے۔ وہ ہمارے پیش کردہ اِن شواہد و بیانات سے بخوبی ظاہر و ہویدا ہوچکی ہے"

کلہوڑہ اور داؤد پوتروں کے عباسی نسب ہونے کے متعلق مؤلف امروہوی کا بیان

مؤلف امروہوی نے اپنے خاندانی نسب کا پورا حال جانتے ہوئے کہ اُس کو خود اُن کے مسکن امروہہ میں صحیح النسب خیال نہیں کیا جاتا۔ پورا زور اپنے صحیح النسب ہونے پر لگایا مگر دل میں خلش رہنے کی وجہ سے اب اُن کو ضرورت ہوئی کہ دوسرے مقامات کے اپنے یعنی نام نہاد عباسیوں کی ہمدردی حاصل کی جائے اور اُن کو بھی عباسیت کی زرد ارقبا پہنائی جائے تو انہوں نے اِس سلسلہ میں سندھ کے حاموٹ اور کلہوڑہ۔ داؤد پوتہ خاندانوں کی راگ مالا شروع کردی اور اِس طرح حقیقت کو پس پردہ ڈال کر

اپنے حسب نسب کو ان سے عباسیت کو جا ملایا۔ اگر مؤلف موصوف اِن لوگوں کا تذکرہ اپنی لاجواب تالیف میں کرنے سے قبل صرف امپیریل گزیٹر ہی کو ملاحظہ فرما لیتے تو شاید وہ اِن خاندانوں کے متعلق ایک حرف بھی نہ لکھتے۔ لیکن انہوں نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم کے صفحہ ۱۷۷ پر یہ لکھا ہے کہ "خلیفہ مستعصم باللہ" خاتم خلافت عباسیہ جسے ہلاکو خاں نبیرہ چنگیز خاں نے نمدوں میں لپیٹوا کر اور ستون سے بندھوا کر پھر لاتیں لگوا کر مروا دیا تھا۔ کے چچا "ابو القاسم احمد" کی اولاد میں "شہزادہ احمد ثانی" بن مزمل "بن عقیل" بن سہیل "بن ابو القاسم احمد" مذکور معہ چند آل عباس کے "مصر" سے ہجرت کر کے کیچ و مکران ہوتے ہوئے "سندھ" پہنچے "ان کے کئی بیٹے ہوئے۔ بڑے بیٹے ابو الفرا احمد عرف امیر ابن کی اولاد میں "امیر عبد القاہر معروف بہ کاہر خاں" نے "شہر کاہر بیلہ" بسایا۔ ان کے پوتے امیر چنی خاں کے دو فرزند "امیر مہدی" اور "امیر داؤد" ہوئے۔ اوّل الذکر کی اولاد میں "میاں آدم شاہ" سندھ "کے مشہور پیر طریقت تھے" مزار پُر انوار ان کا "ٹکری آدم شاہ" میں "سکھر" سے متصل ہے" ان کی نسل میں ۱۷۰۲ء میں "سندھ" کی سلطنت و حکومت رہی۔ جن میں نواب ثابت جنگ" خدا یار خاں عباسی" نواب غلام شاہ عباسی" وغیرہ مشہور حکمران گذرے" یہ خاندان سندھ میں "کلہوڑہ" کے نام سے مشہور ہوا" خاندان کلہوڑہ کی آبادی "ضلع لاڑکانہ" وغیرہ میں ہے" خان بہادر محمد پریل عباسی رئیس بالیشاہ" ان میں نمودار ہیں" انہیں کے بنی اعمام "حاجی پور نواح ملتان" کے قدیمی جاگیردار" مذہباً شیعہ ہیں" امیر داؤد" مذکور کی اولاد "داؤد پوترہ" کہلاتی ہے"

"کلہوڑہ اور داؤد پوترہ عباسی نہیں ہیں" امپیریل گزیٹر کی شہادت"

اب ہم مؤلف موصوف کے بیان متذکرہ کے مقابلہ میں "امپیریل گزیٹر" مرتبہ ڈاکٹر ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر صاحب ایل ایل ڈی سی آئی۔ ای" کی وہ عبارت پیش کرتے ہیں جس سے مؤلف امروہوی کے بیان کی پُورے طور پر تردید ہو جاتی ہے"

IMPERIAL GAZETTEER V. VIII–PP. 358 & 359

BY DR. W. W. HUNTER LL.D., C.I.E

The hold of Khalifas upon this District (Province (Sindh) grew slowly weaker and – became virtually extinct in 871 A.D.	خلفاء کا اثر اِس ضلع (صوبۂ سندھ) میں کم ہونا شروع ہوا اور ۸۷۱ عیسوی میں قطعی طور پر زائل ہوگیا۔
When Mohmood Ghaznavi invaded India in 1019 Sindh was ruled By a Governor who nominally represented The Khalifa, Qadir Billah Abul Abbas-Ahmad. Mahmood sent his Wazir Abdur Razi to Conquer Sindh,	جب ۱۰۱۹ عیسوی میں محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ سندھ میں ایک گورنر حکمران تھا جو خلیفہ قادر باللہ ابو العباس احمد کا نمائندہ تھا۔ محمود نے اپنے وزیر عبدل راضی کو سندھ فتح کرنے کے لئے روانہ کیا۔ جس کو وزیر نے ۱۰۲۴ عیسوی میں فتح کر لیا۔

Which the Wazir accomplished in 1026. In the interval Between Akbar and invasion of Nadir Shah the Daudputtas Sons of Daud Khan rose to Distinction. They were weavers and warriors by profession and led a wandering life, they established Their supremacy over upper Sindh.

Towards the end of 17th century another race closely allied to the Daudputtas rose to power. They were Kolhoras, traced their descent historically to Mohammad Kambatho (1204) and more mythically to Abbas, the uncle of prophet.

About 1558 the family of Kalhaura rose into notice through the sanctity of Adam Shah, who was a mendicant. The Governor of Multan attacked the religious Leader, Dispered his followers, and put to death Adam Shah himself. The fakirs Descended from the familly Long lived a Life of warfare against the Moghul Lieutenant Governors. In 1658,

اِس دَوران میں جو اکبر اور نادر شاہ کے حملہ کے درمیان میں گذرا داؤد خاں کے لڑکے نامور ہو گئے۔ وہ ذات کے جولاہے اور پیشہ میں لڑنے والے تھے۔ اور اُن کی زندگی خانہ بدوش لوگوں کی طرح تھی، اُنہوں نے شمالی سندھ پر عروج حاصل کیا۔

سترہویں صدی کے اختتام پر دوسری نسل داؤد پوتوں کے سے ملتی جلتی طاقتور ہو گئی۔ اُن کو کلہوڑہ کہتے تھے اور تاریخ کی رُو سے اُن کا سلسلہ محمدؐ کبیا تھو (۱۲۰۴ عیسوی) سے ملتا تھا۔ اور زیادہ تر بناوٹی اور جھوٹی کہانیوں کی رُو سے حضرت عباسؓ سے ملتا تھا جو کہ رسولؐ کریم کے چچا تھے۔

۱۵۵۸ عیسوی کے لگ بھگ کلہوڑہ خاندان نے نمایاں صورت اختیار کرلی۔ اور یہ سب کچھ درویش صفت آدم شاہ کی برکت سے حاصل ہوا۔
ملتان کے گورنر نے مذہبی لیڈر پر حملہ کر دیا۔ اور اُس کے مریدوں کو تتر بتر کر دیا۔ اور آدم شاہ کو پھانسی دے دی۔ فقیر کی اولاد نے عرصہ تک مغل لفٹنٹ گورنر صاحبان سے لڑائی رکھی تھی۔ ۱۶۵۸ عیسوی میں کلہوڑہ قبیلہ نے نظیر محمد کے تحت اپنے آپ کو گورنمنٹ کی شکل

میں منظم کیا گیا۔

Under Wazir Mohammad Kalhauhura organised themselves into a regular government.

۱۷۰۱ء عیسوی میں یار محمدؐ کلہوڑہ نے بلوچی نسل کی ایک جماعت تالپور کی مدد سے سکھر کو حاصل کر لیا۔ اور اپنی عدالت قایم کر دی۔ اور بادشاہ نے درجات کو عطا فرما دیا۔ نور محمدؐ پسر یار محمدؐ ۱۷۱۹ء میں جانشین ہوا۔ ۱۷۳۹ء عیسوی میں سندھ۔ فارس میں شامل ہو گیا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد نادر شاہ نے کابل کو واپس ہو کر نور محمدؐ پر دوبارہ چڑھائی بول دی۔ جس نے صادق علی صوبے دار ٹھٹھہ سے نادر شاہ کی مرضی کے خلاف ایک قطعہ اراضی کا سودا تین لاکھ روپئے میں کر لیا تھا۔ اس کے آتے ہی نور محمدؐ فرار ہو گیا۔ اور شکارپور اور سیبی کے نکل جانے کے بعد اس نے ہتھیار ڈال دیئے۔ بیس ۲۰ لاکھ روپئے کا عطیہ اور بڑا خطاب اس کو دیا گیا۔

In 1701 Yar Mohammad Kalhauhura By the assistance of Talpores tribe, Balochis (بلوچی) seized Shikarpoor fixed his court and received from the Emperor grant of Darjat in 1719 Noor Mohammad son of Yar Mohammad succeeded. In 1739 Sindh Became a persian territory and shortly after Nadir Shah returned to Kabul, Nadir Shah Set out for a second expedition against Noor-Mohammad who had made a bargain of a piece of province for 3 Lakhs of rupees with Sadiq Ali Subehdar of Tatta against the wishes of Nadir Shah. On his approach Noor Mohammad fled and afterwards surrendered with the loss of Shikarpore and Sebi. A Tribute of 20 Lakhs with high sounding title was imposed upon him.

۱۷۴۸ء عیسوی میں سندھ احمدؐ شاہ درانی ساکن قندھار کی ملکیت ہو گیا۔ اور اس نے نور محمدؐ کو شاہ نواز کا خطاب عطا کیا۔

In 1748 Sindh Became a territory to Ahmad Shah Durrani of Kandahar who Conferred Noor Mohammad the title of Shah Nawaz KHAN

In 1754 the Tribute being in arrears Ahmad Shah advanced against Sindh Noor Mohammad fled to Jassolmur, Where he died. Mohammad Murad Khan Succeeded.

In 1757 Murad Khan was dethroned and his Brother Ghulam Shah was put upon the throne.

In 1768 he founded the city of Hyderabad on the ancient site of Naran Kot.

In 1772 he died and was succeeded by his Son Sarfaraz Khan. Soon after he was dethroned anarchy followed for 2 years.

In 1777 Ghulam Nabi Khan Brother of Ghulam Shah Succeeded Who Lost his Life in the battle against Talpore Chief. Abdul Nabi Khan his brother Succeeded to the throne and put all his relatives to death.

In 1781 the Last of Kalhora fled to Jodhpore were his descendents Still hold Distinguished ranks.

۱۷۵۴ء عیسوی میں جبکہ یہ افرقہ پست ہوگیا تھا۔ احمد شاہ سندھ کی طرف بڑھا۔ نور محمد جیسلمیر کو بھاگ گیا۔ جہاں کہ وہ مرگیا۔ اور محمد مراد خاں اس کا جانشین ہوا۔

۱۷۵۷ء عیسوی میں مراد خاں تخت سے اتار دیا گیا۔ اور اس کا بھائی غلام شاہ تخت پر بٹھا دیا گیا۔

۱۷۶۸ء عیسوی میں اس نے شہر حیدرآباد قدیم نارن کوٹ کی جگہ آباد کیا۔

۱۷۷۲ء عیسوی میں وہ مرگیا اور اس کا لڑکا سرفراز خاں اس کا جانشین ہوا۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اس کو تخت سے اتار دیا گیا۔ دو سال تک بغاوت رہی۔

۱۷۷۷ء عیسوی میں غلام نبی خاں برادر غلام شاہ تخت پر آیا۔ مگر تالپوری سردار کے خلاف جنگ میں انتقال کر گیا۔ اس کا بھائی عبدالنبی خاں تخت نشین ہوا۔ اور اس نے اپنے جملہ اعزا کو قتل کرادیا۔

۱۷۸۱ء عیسوی میں کلہوڑہ خاندان کا آخری فرد جودھپور کو بھاگ گیا۔ جہاں اس کی اولاد کے فرد اب تک مراتب اعلیٰ پر ہیں۔

(امپیریل گزیٹیر ۵-۸۔ صفحات ۲۵۸ و ۳۵۹۔ بجانب ڈاکٹر ڈبلو۔ ڈبلو۔ ہنٹر۔ ایل۔ ایل۔ ڈی۔ سی۔ آئی۔ ای۔)

سرلیپل گریفن کا بیان

"دی لائف آف انڈیا اینڈ رنجیت سنگھ" مصنفہ "سرلیپل گریفن" کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ مترجمہ مولوی نظیر حسین صاحب فاروقی مہتمم تعلیمات ضلع رائچور (حیدرآباد دکن، مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ۔ سنہ ۱۳۴۰ ہجری مطابق ۱۳۳۱ فصلی مطابق سنہ ۱۹۲۲ء کے صفحہ ۱۲۸ و ۱۲۹ پر تحریر ہے کہ "دوسری ہندو ذاتوں کی طرح ان پر بھی صحیح اور حقیقی طور پر شودر الاصل کا اطلاق ہوتا ہے" ان کے

ابتدائی زمانہ میں اسلام قبول کرنے سے۔ ان کی قومی خصوصیات کو تغیر یا نقصان پہنچنے کے بجائے اور مستحکم کر دیا"۔ اکثر کا یا ہمی تعلق عام آشکارا ہے "ٹوانا" "سیال" "عنبا" اور "بھاولپور کے داؤد پوتر" سب کے سب یک جدی ہیں "گو مؤخر الذکر اپنا سلسلۂ نسب "حضرت عباس رضی اللہ عنہ" سے ملا کے دل خوش کرتے ہیں۔ (جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے عم نامدار تھے) لیکن یہ لوگ پنجاب کی دوسری قدیم ذاتوں کی طرح "راجپوت نسل" کے ہیں"

مولوی صبغت اللہ صاحب بی۔ اے۔ رئیس امروہہ داماد نواب وقار الملک بہادر مرحوم کی تنقید"

مؤلف امروہوی کے حالات اور مؤرخانہ حیثیت پر

مولوی صبغت اللہ صاحب بی۔ اے۔ نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے کہ "تحقیق الانساب تاریخ امروہہ" جلد اوّل کی اشاعت یکم اپریل ۱۹۳۰ء کو ہوئی۔ مضامین اکثر مقامات پر تشنہ و ناقص تھے" خدا جانے کن جذبات کے ماتحت پیرزادگان کی سیادت کے خلاف ثبوت کا انبار عظیم اس جلد میں عمداً یا سہواً جمع کر دیا گیا تھا" ثبوت و شواہد کو دیکھتے ہوئے مؤلف کا رجحان بھی پیرزادگان کی عدم سیادت کی طرف میل کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اس امر کا ثبوت کہ جلد اوّل کی تدوین کے وقت مولوی محمود احمد صاحب کی رائے مخالف سیادت پیرزادگان تھی خود ایک لائق و قابل پیرزادہ صاحب کی زبان قلم سے سُن لیجئے۔ پیرزادہ حکیم مولوی طفیل حسن صاحب نے جمعیتہ العلماء کے اجلاس نہم کے استقبالیہ کمیٹی کے خطبۂ صدارت میں فرمایا "

"میں قانون اخلاق کا مجرم ہوں گا اگر شکریہ کے عنوان میں مسٹر محمود احمد صاحب عباسی کا تذکرہ نہ کروں جو امروہہ کے قابل مگر متعصب مؤرخ ہیں۔ کیونکہ انہوں نے باوجود اجلاس جمعیت کے اوّلین داعی ہونے کے از اوّل تا آخر شریک کار نہ ہونے پر اکتفا فرمایا۔ ورنہ اگر وہ افتاد طبیعت کے ہاتھوں بجائے خاموش رہنے کے مخالفت پر اتر آتے تو ارکان استقبالیہ کو نہ معلوم کن مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا"

یہ الفاظ اُن حکیم صاحب کے ہیں جن کے خاندان کو مؤلف نے ناخونوں تک کا زور لگا کر تاج رضویت عطا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اس سے زیادہ مؤلف کی ہنگامہ آرائی و تعصّب کا اور کیا ثبوت درکار ہے" ......

ہمارے نزدیک تو بابو صاحب (محمود احمد صاحب) کے لئے یہ مناسب ہے کہ پیرزادگان کی سیادت کے تعاقب سے باز آئیں۔ اپنی عباسیت کی فکر کریں۔ موسیٰ ابن امین الرشید کو صاحب اولاد ثابت کریں۔ ورنہ مایۂ ناز عباسیت رخصت ہوئی" اگر پیرزادگان کی سیادت ثابت کرنے سے مؤلف ناکام رہے تو نظام شمسی درہم برہم نہ ہوگا۔ اگر مؤلف کی عباسیت ثابت نہ ہوئی اور یہ یقینی امر ہے کہ حشر تک ثابت نہ ہوگی تو یقین کیجئے کہ قیامت قبل از وقت قائم ہو جائے گی"

دوسرا حصّہ موسومہ تذکرۃ الکرام مئی ۱۹۳۲ء کو شائع ہوا۔ ذاتیات کے حملے غیر متعلق و ناگوار موردِ اعتراضات کا ایک انبار عظیم دیباچہ میں اور نیز تحت مقالہ راقم الحروف بندہ محمود" میں موجود ہے"

"جلد چہارم موسوم "تحقیق الانساب" ۱۹ دسمبر ۱۹۳۲ء کو شائع ہوئی۔ قریب قریب ہر خاندان اور ہر گروہ کی ہجو عی حاذق نسب پر دل کھول کر لایعنی نکتہ چینی کی گئی۔ دوسرے خاندانوں کی تنقیص اور اپنے اور پیرزادوں اور چودھریوں کے خاندانوں کی تفضیل میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا گیا"

جن کتب تواریخ اور تذکروں کو جو بعد غدر ۱۸۵۷ء تالیف ہو کر شائع ہوئے تھے۔ اور جن کو جلد اوّل میں حضرت مؤلف غیر معتبر و مجموعہ خرافات ٹھہرا چکے تھے انہیں کو جلد چہارم ...

چونکہ دستاویزات و فرامین شاہی متعلقہ پیرزادگان جلد اوّل میں داخل کر چکے تھے اُن کی طرف سے اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لی اور جذبہ افتخار نسبی کی دلت خارجی اثرات سے متاثر ہو کر تعمیر بنا بر مفاد و طمع پرستی اپنی تالیفات کو متبائن و متناقص و خود ساختہ قصص و بیانات و موضوعات سے بھر دیا دوسرے خاندانوں میں بے بنیاد معایب و نقائص تراش کر اپنے اور اپنے متعلقین کے نقائص خاندانی کو یا تو پوشیدہ رکھا یا تخفیف کر کے دکھلایا.....

بابو محمود احمد نے جن کتب و دستاویزات سے اپنی مذعومہ عباسیت اور پیرزادگان کی مفروضہ سیادت ثابت کرنے میں کام لیا ہے اُن کی کیا حقیقت ہے اور باعتبار استناد کے وہ کس درجہ پر ہیں۔ مؤلف کی معتمد علیہ کتب و مدار علیہ دستاویزات حسب ذیل ہیں:-

(**اوّل**) فرامین شاہی و کہنہ دستاویزات: کوئی مستند فرمان یا قابل اعتبار دستاویز یا کاغذ مثبت سیادت پیرزادگان و عباسیت عباسیان مؤلف کے پاس نہیں ہے۔ سیادت تو درکنار پیرزادگان کی شجرت خاصہ بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچتی۔

(**دوم**) تواریخ و تذکرے۔ یہ دو قسم کے ہیں:-

(الف) معتبر و مستند۔ مثلاً: **"منتخب التواریخ" "تاریخ فرشتہ" "تاریخ فیروز شاہی" "مآثر الامرا" "اسرار یہ" "ثمرات القدس" "اخبار الاخیار" "طبقات اکبری" "گلزار ابرار" "جام جہاں نما"**

(ب) تاریخ یا تذکرے جو بعد غدر تالیف ہوئے۔ اور جن کو مؤلف نے غیر معتبر اور غیر مستند ٹھیرایا ہے۔ یا جو مجہول الحال اور غیر معروف شخص کی تالیف ہیں۔ مثلاً: **"آئینہ عباسی" "گزیٹیر" "نخبۃ التواریخ" "تاریخ رهنوی" "تاریخ واسطیہ" "خلاصۃ الانساب" "مثنوی مولوی ظہور علی"**

(۱) "**منتخب التواریخ**" ملا عبد القادر بدایونی کی تالیف ہے اس میں سوائے الفاظ "سید مشارٌ الیہ" کے جو متن میں **حضرت شاہ امین صاحب** کے حال میں آ گئے ہیں اور کوئی ذکر سیادت پیرزادگان کا نہیں ہے۔ یہی وہ تین الفاظ ہیں جن کی بحث میں مؤلف نے اپنے ذہن کی بلند پروازی کا جلوہ جس کے ارتفاع کا اندازہ قوت واہمہ کی دسترس سے باہر ہے صفحات قرطاس پر پورا پورا دکھلایا ہے۔ اگر واقعات و حقائق پر مؤلف اکتفا کرتے تو پھر جولانیٔ طبع کے واسطے مواد کہاں سے آتا۔

مؤلف کو شاید معلوم نہ ہوگا کہ بدایونی کی تاریخ کا اصل نسخہ جو خود اُن کے قلم کا ہوگا تلف کر دیا گیا تھا۔ اکبر کے عہد میں اس تاریخ نے رواج نہیں پایا جس سال میں ملّا نے تاریخ ختم کی اُسی سال کے آخر میں اُن کا انتقال ہو گیا۔ جہانگیر کے زمانہ میں اس تاریخ کا چرچا ہوا۔ بادشاہ نے دیکھی اور حکم دیا کہ اُس نے میرے باپ کو بدنام کیا ہے اُس کے بیٹے کو قید کرو۔ گھر کو لوٹ لو اور جملہ کتب فروشوں سے مچلکے لے لئے جائیں۔ کوئی فروخت نہ کرنے پائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس کی نقول خفیہ طور پر کی جاتی تھیں۔ مقابلہ و ہشیاری سے خالی نہ تھا۔ ہر نسخہ جو سو سی کا شکار تھا۔ ایسی حالت میں صحت و غلطی کا کیا لحاظ ہو سکتا تھا۔ قرین قیاس یہی ہے کہ عنوان میں لفظ شیخ صحیح لکھا گیا.....

یہ کتاب تین جلدوں میں **ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ** سے چھپکر شائع ہوئی ہے۔ دوسری جگہ یہ تاریخ مطبع نولکشور میں ۱۲۸۶ھ میں طبع ہوئی ہے۔ قدیم کتب خانہ **نواب ضیاء الدین خاں رئیس لوہارو** سے منقول ہے۔ اس میں بھی عنوان پر شیخ ہی تحریر ہے اور ملا **عبد القادر** نے نسباً سید قطعاً نہیں لکھا۔ یہ تو قطعاً جائز نہیں ہو سکتا کہ اپنی طرف سے کوئی دلیل تراش خراش کر کے اور خلاف واقعہ اُمور ملائے موصوف کے سر تھوپ ا [illegible] **سید مشارٌ الیہ** کے معنی گھڑ لئے جائیں اور اس معاملہ خاص میں **منتخب التواریخ** کی اس طور سے مدد کی جائے جیسے کہ ایک کمزور اور بے طاقت انسان کو یا کسی میّت کو اپنے بازو اور اپنے ہاتھ کے سہارے چلایا جائے۔

دوسرا کام مؤلف نے اس تاریخ سے یہ لیا ہے کہ چند قصّے اپنے دل سے گھڑ کے اور بعض عبارات اختراع کر کے علّامہ بدایونی سے منسوب کر دیئے ہیں۔ مثلاً ملائے موصوف کو امروہہ میں **سید محمد میر عدل** کے پاس بغرض اکتساب علوم لا بٹھایا ہے۔ اور الفاظ "مولانا الہ داد" کو **منتخب التواریخ** میں دیکھ کر کہہ مارا کہ یہی امینحش ہیں "یہ ہی عباسی ہیں" "یہی منصبدار ہیں" "یہی فوج کے افسر اعلیٰ تھا

اور یہ ہی معافیات کی تحقیقات کے کمیشن کے رکن اعظم تھے۔ حالانکہ بدایونی کے "الہ داد" ان میں سے کسی عنوان میں داخل نہیں۔ البتہ باعث گرمی محفل اور مجلس آرائی کے سنگھار اور فوج میں منسلک ہو سپاہی ہیں۔ طبقات اکبری کے صفحہ ۳۹۱ پر تحریر ہے کہ "مرد خوش فہم ملا منش مشرب بود"

مؤلف نے جلد دوم کے صفحہ ۳۹ پر جو عبارت منتخب التواریخ سے نقل کی ہے اس کا تو منتخب التواریخ میں پتہ تک نہیں۔ غرضیکہ تاریخ نہ مفید عباسیان ہے اور نہ مثبت سیادت عباسیان "

(۲) تاریخ فرشتہ "اس کتاب سے مؤلف نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ یوسف بے کاروال جو از احفاد ابن الرشید بتلائے جاتے ہیں۔ بعد تباہی ہندوستان آئے اور بے یار و مددگار بہ حالت پریشانی یکہ و تنہا خاک پاک ہند پر قدم رکھا۔ مگر مؤلف کی بد قسمتی سے فرشتہ میں نہ نام ملتا ہے اور نہ ولدیت کا پتہ "نام اور ولدیت مؤلف نے اور نیز ان کے بزرگ مولوی محب علیخاں صاحب مرحوم نے عطا فرمائے ہیں" المختصر تاریخ سے نہ مؤلف کی عباسیت اور نہ پیرزادگان کی سیادت ثابت ہوتی ہے۔

(۳) تاریخ فیروز شاہی "اس کو محض بغرض افتخار عباسیت کام میں لایا گیا ہے اس کا کوئی تعلق نہ مؤلف کی عباسیت سے ہے اور نہ پیرزادگان یا چودہریان کی سیادت سے "

(۴)۔ مآثر الامراء۔ اسراریہ "ثمرات القدس" اخبار الاخیار "طبقات اکبری" گلزار ابرار "جام جہاں نما"

یہ ساتوں کتابیں حضرت ابن؟ کو شیخ پکار پکار کے کہہ رہی ہیں۔ ان میں پیرزادگان کے واسطے لفظ "سید" ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا۔ اور "گلزار ابرار" میں تو مصنف نے نہایت شرارت و دلیری کے ساتھ تحریف سے کام لیا ہے جس کو تبصرہ ہذا میں اپنے مقام پر واضح طریقے سے دکھلا دیا جائے گا۔

قسم دوم میں وہ تواریخ و تذکرے ہیں جو بعد غدر تالیف ہو کر شائع ہوئے ان میں حسب ذیل کتابیں شامل ہیں۔

(۱) آئینہ عباسی "مؤلفہ مولوی محب علی خانصاحب ۱۸۷۸ء۔ یہ کتاب تباہئ بغداد سے چھ سو چھپن (۶۵۶) اور ابن الرشید سے ایک ہزار تہتر برس (۱۰۷۳) بعد عالم وجود میں آئی۔ سب سے پہلے یوسف بیکاروال کا نام اور مؤلف کا سلسلۂ نسب اسی کتاب میں ملتا ہے۔ یہی کتاب بابو محمود احمد صاحب کی عباسیت کی بنیاد ہے۔ اسی میں دودمان عباسی کے شجرۂ مبارکہ مختصرہ کے اسمائے گرامی ملتے ہیں جو ابن الرشید سے لے کر محب علی خاں صاحب کے وقت تک ہر اہل خاندان کو اور خصوصاً خاندان مولوی علی محمد صاحب کو ازبر یاد تھے۔ اور سینہ بسینہ چلے آرہے تھے۔ غرضیکہ مؤلف کی طویل و عریض داستان اسی چند ورق کی کتاب میں سمائی ہوئی ہے۔

تماشہ یہ ہے کہ بابو صاحب نے جو اپنا خانہ ساز شجرۂ بغدادی اپنی تالیف میں درج فرمایا ہے اس میں ایک نام کا اضافہ اپنی طرف سے کر دیا ہے۔ اور سلسلۂ سیدی میں ایک وقت میں دو رکن الدین اور چار نظام الدین تشریف رکھتے ہیں۔ محب علی خانصاحب اپنی کتاب میں پیرزادگان کی نسبت لکھتے ہیں کہ "ایک گروہ پیرزادہ صاحب کا کہ اولاد شیخ ابن قدس سرہٗ العزیز کثیر ہیں"

"بابو محمود احمد صاحب" اسی رسالہ کی نسبت فرماتے ہیں کہ:۔

"اس مختصر کتاب میں جو ایک رسالہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی سادات و شرفاء امروہہ کے خاندانوں کے اجمالی تذکرے۔ کہیں کہیں چند تاریخی حالات سے متعلق ہیں۔ (جلد ۱ صفحہ ۸)

(۲) نخبۃ التواریخ "مؤلفہ مولوی آل حسن صاحب" اس تاریخ کا ایک حرف بھی مؤلف کے نزدیک قابل اعتبار نہیں ہے۔ لیکن لطف یہ ہے کہ ایک وقت تو مولوی صاحب کو مستند نہیں مانتے اور دوسرے وقت انہیں کو اپنے دعوے کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ اور بھول جاتے ہیں کہ حضرت کا قلم ابتدا میں ان پر نہایت بیباکانہ جرح و قدح کر چکا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

(الف) خاندانی تذکروں میں بھی تحقیق سے مطلق سروکار نہیں رکھا گیا۔ (جلد ۱ صفحہ ۶)

(ب) خدا مولوی آلِ حسن کو معاف فرمائے کہ انہوں نے اپنی تالیف میں آئینۂ عبّاسی و تاریخ رضوی کی تحریرات کے سراسر مت .... بشرطیکہ اُن کی کسی بدنیتی یا تعصّب پر محمول نہ کیا جائے .... شیخ نظام الدین کی اولاد کو شیخ نظام الدین عبّاسی کی نسل میں لکھ مارا۔" (جلد ۲ صفحہ ۱۹۱)

(ج) کیا ایسے متعصّب مورّخ کو بدترین بددیانتی سے تعبیر نہیں کیا جائے گا۔ اُن کا ضمیر اور اُن کا کانشنس بھی بوقت تحریر اُن کو ملامت کر رہا تھا۔ (جلد ۲ صفحہ ۱۹)

(د) جس خاندان کو پہلے نخبتہ نے زمرۂ شیوخ میں شامل کیا تھا اُس کو پھر نسباً "سیّد" لکھ دیا۔ نخبتہ کے اوراق تبدیلہ خاکسار مؤلف کے پاس موجود ہیں۔ (جلد ۲ صفحہ ۲۴۹)

(ھ) مولوی غلام نبی خاں صاحب نے اُس کا اردو شائع کیا۔ (جلد ۲ صفحہ)

غرضیکہ یہ کتاب بھی جو تباہی بغداد سے (۶۱۸) برس اور امین الرشید سے (۱۰۶۵) برس بعد عالم وجود میں آئی اور خود عبّاسیوں کی زبانِ قلم سے ساقط الاعتبار و مردود ٹھہری کیسے لائقِ اِستناد ہو سکتی ہے۔ صاحب نخبتہ کی تحقیق کا تو یہ عالم ہے کہ اُن کو حضرت شاہ اِتّن صاحب کے والد ماجد کا نام تک معلوم نہ تھا۔ جو متن میں تحریر فرماتے لہٰذا حاشیہ پر اُن سے شجرۂ پیرزادگان نقل کرا دیا گیا۔ گھٹادلی سے اِنتقال مکانی کا ذکر تک نہیں کیا گیا۔

(۳) تاریخ رضوی: مؤلف نے اس کا ماخذ دربارہ حالات عبّاسیان "آئینۂ عبّاسی و نخبتہ التواریخ" بتلایا ہے۔ حالانکہ "رضوی" کو "نخبتہ" پر تقدم حاصل ہے۔ نخبتہ میں جا بجا رضوی کے حوالے موجود ہیں۔ اِس تاریخ کی نسبت مؤلف کی رائے ہے کہ۔

"تحقیق و تنقید سے مطلق کام نہیں لیا۔ غلط اور مہمل روایتیں درج کر دی ہیں" (جلد ۱ صفحہ ۶)

(۴) تاریخ و اسطیہ: یہ کتاب عند المؤلف (مؤلف کے نزدیک) مجموعۂ خرافات ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

(الف) خاندانی تذکرہ زیادہ تر مہمل و مضحکہ انگیز روایتوں پر مبنی ہیں۔ (جلد ۱ صفحہ ۔ دیباچہ)

(ب) اِس کے اَوراق پر تو خرافات و اہتیہ کا ایک انبار لگا ہوا ہے۔ اس کے مؤلف نے بعض جگہ قصداً و عمداً غلط بیانی سے گریز نہیں کیا۔ (جلد ۱ صفحہ ۔ دیباچہ)

(۵) خلاصۃ الانساب قلمی: مؤلفہ سیّد ارشاد علی راقم ساکن محلہ شفاعت پورہ سنہ ۱۲۸۲ ہجری بیان کی جاتی ہے سُنا جاتا ہے (دروغ برگردنِ راوی) کہ یہ حضرت پیرزادگان میں، چند تقویش اسپین (چند روپوں) کے ملازم تھے۔ اور جناب کی تبحّرِ علمی کا پایہ باوجود صاحب کے تمیلِ علم سے کئی درجہ گرا ہوا تھا۔

جس قدر عبارت اس قلمی غیر معروف نسخہ سے بابو صاحب نے نقل کی ہے اُس کو دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ ع

"اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو"

حضرت راقم نہ مورّخ ہیں نہ نسّاب۔ ایک معمولی حیثیت کے بزرگ اور بزرگ زادے ہیں اور جبکہ بابو محمود احمد صاحب کو مطبوعہ کتب میں تحریف و تدلیس کرنے میں تامّل نہیں ہوا تو ایسے قلمی غیر معروف کتابوں کے حوالجات و منقولات و اقتباسات کا جو عباسی صاحب نے اپنی تالیفات میں درج کئے ہیں کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ مؤلف نے دیانتداری برتی ہوگی۔ بہرحال اِس کتاب کی عمر ۷۴ سال ہے۔

(۶) مثنوی مولوی ظہور علی صاحب دہلوی: اِس مثنوی کی نسبت کہا گیا ہے کہ پیرزادہ محمد نذر نبیرہ حضرت شاہ اِتّن صاحب کے ایماء پر تصنیف ہوئی تھی اور ... کہا جاتا ہے کہ وہ ضلع بلند شہر میں جہاں موضع ... افکار

عہدہ سرکاری پر مامور تھے۔ اس مثنوی سے پیرزادگان کی سیادت ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتی ہے"

(۲) **کرسی نامہ** ۔ اس کو بھی بابو صاحب نے صحیح و مستند نہیں سمجھا۔

نوٹ:- **خلاصۃ الانساب** کے مصنف کے متعلق البتہ تاریخ واسطیہ کے ص۳۲۲ پر یہ عبارت ملتی ہے"

"**سید ابرشاد علی ولد سید انوارش علی** " یہ اچھے شاعر تھے۔ ان کو استعداد علم فارسی میں کامل تھی۔ فن تاریخ گوئی میں بھی کمال حاصل تھا۔ اکثر تواریخ وغیرہ ان کی یادگار ہیں۔ قبالہ نویسی میں لاجواب مشہور و معروف تھے۔ ان کا ایک رسالہ تاریخ سادات امروہہ میں تالیف ہے۔ اس میں بعض حضرات غلطات اصل و غلاف کتب تواریخ سابقین من وجہ مندرج ہو گئے ہیں"

یہ حالت و کیفیت توان تواریخ کی ہے جو در بارۂ ثبوت عباسیت و سیادت پیرزادگان مؤلف کے ماخذ ہیں۔ جب بابو صاحب کو احساس ہوا کہ ریت کی بنیاد پر مؤلف کی عباسیت اور پیرزادگان کی رضویت قائم نہیں رہ سکتی..... تو انہوں نے جدید شواہد وضع کرنے اور نئے ثبوت گھڑنے پر کمر باندھی.......... . اس طرح جب مؤلف نے ہر طرف سے اپنے حصول مطلب کے دروازہ بند پائے تو اپنے سخن ہائے یا وہ و اقوال پریشان و موضوعات کا تھیلا جلد چہارم کے صفحات قرطاس پر الٹ دیا لیکن جلد اول کا تدارک نہ ہو سکا نتیجہ یہ ہوا کہ تناقض و مخالف کا شکار رہ گئے۔

جو خود ساختہ و وضعی شواہد مؤلف نے بہ ثبوت سیادت پیرزادگان جلد چہارم تحقیق الانساب میں درج کئے ہیں ان کو حسب ذیل اقسام پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(قسم اول) **دستاویزی یا تحریری ثبوت** " جس میں کاغذات ذیل شامل ہیں:-

(الف) کھیوٹ مندرجہ جلد چہارم ص۵۱ متعلق گھٹاولی۔

(ب) عکس چکنامہ موسومہ خواجہ محمد حسن متعلق ص۴۷ جلد ۴

(ج) نقل پروانہ بنام چودھری بہادر

(د) کاغذ کا ایک چھیتڑا جس کو ایک کتاب کے دیباچہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(ھ) کاغذات دیہی متعلق گھٹاولی

(ی) ایک تحریر جو پیر عزیز اللہ المعروف بہ پیر جیون کے وقت کی بتائی جاتی ہے۔

مذکورہ بالا کاغذات قطعاً غیر قابلِ اعتبار ہیں۔ مقالۂ پیرزادگان کے سلسلہ میں ان کاغذات پر کافی سے زیادہ روشنی ڈال دی گئی ہے۔

جلد ۴ ص۶ میں کاغذ ۵ کرم خوردہ پرزہ کاغذ کی نسبت ارشاد ہوا ہے کہ **شاہ ابن** صاحب کے نام سے پیشتر جو الفاظ بطور صفت کے استعمال کئے گئے تھے وہ اصل میں سے چھیل ڈالے گئے ہیں۔ اس سے یہ تو ثابت ہو گیا کہ وہ کتاب جس کا اس پرزہ کو دیباچہ بتلایا گیا ہے۔ کسی مخالف کے پاس تھی اس نے الفاظ صفتی کو چھیل ڈالا۔ مگر کسی نہ کسی وقت یہ کتاب بابو صاحب کے پاس بھی آئی تھی اور انہوں نے اس کی جانچ و پڑتال بھی کی۔ ورنہ ان کو الفاظ کے چھیل ڈالنے کا علم نہیں ہو سکتا تھا۔ علاوہ ازیں اس کا بھی پتہ نہیں چلتا کہ مؤلف کو کیونکر علم ہوا کہ وہ کتاب حسب ایماء شاہ ابن صاحب تصنیف ہوئی تھی۔ اسی صفحہ کے فٹ نوٹ میں کاغذ دریدہ کے الفاظ ہیں مگر متن میں چھیل ڈالنا ہے۔

(قسم دوم) "**خاندانی روایات**" جو صرف عباسیوں اور پیرزادوں کے خاندان میں سینہ بسینہ دوڑتی رہی ہیں ان میں بھی گھٹاولی والی روایت کو خاص اہمیت ہے۔ مقالہ پیرزادگان میں اس روایت کے جو پوست کندہ حالات درج کر دیئے گئے

اور نیز جس نوعیت سے یہ قصبہ خاص گھٹا ولی اور اُس کے اطراف میں مشہور رہا ہے۔ اُس سے ثابت ہے کہ یہ قصہ روایتہً و درایتہً غلط اور سرتاپا لغو اور نذرِ مائدہ حال کا موضوعہ ہے۔

(قسم سوئم) "شہرت بلدیہ" یہ توسفید جھوٹ ہے۔ "امروہہ" میں پیرزادگان و عبّاسیان اور اُن کے دیگر متعلقین کو چھوڑ کر جو شہرت ہے وہ سیادت پیرزادگان کے خلاف ہے۔ رہی موضع گھٹا ولی کی روایت یا شہرت اُس کی امروہہ میں تو کوئی شہرت نہیں اور گھٹا ولی والے۔ شاہ ابّن صاحب کے اصلی نام تک سے واقف نہیں۔ اور گھٹا ولی میں جس نوعیت سے شہرت دی گئی ہے۔ اُس سے تو پیرزادگان کی عمارتِ سیادت سربسجود ہو جاتی ہے۔ . . . .

(قسم چہارم) "خانہ سازو خود ساختہ اصول" جو بطور قاعدہ کلیہ کے اس غرض سے وضع کئے گئے ہیں کہ مؤلف اور پیرزادگان کے سلاسل میں جو وسائط مفقود ہیں اور طرح طرح کے خبط و انتشار نظر آتے ہیں اُن کی توجیہ ہو جائے۔ اور لفظ شیخ و شیخ زادہ و پیر و پیرزادہ جو حضرات پیرزادگان کے ناموں کے ساتھ وابستہ چلا آتا ہے۔ وہ قادح سیادت و رضویت نہ ہو۔ مثلاً مؤلف فرماتے ہیں کہ اگر کسی خاندان میں مشیخت و طریقت۔ پیری و مریدی کا سلسلہ پایا جاتا ہو۔ اور خاندان مشائخ کی حیثیت سے مشہور ہو۔ اور اُس میں سلسلہ بیعت و سجّادگی بھی پائی جاتی ہو اور وہ خاندان پیرزادہ کہلاتا ہو۔ تو اسے خاندان کے بزرگوں کا اظہار نسب میں لفظ شیخ تحریر کرنا تبرّیناۓ مشیخت ذاتی نہ ہوگا اور " باوجود اپنے کو شیخ و سجادہ لکھنے کے سیدین جانے کا حقدار ہوگا" افسوس ہے کہ ان اصول موضوعہ نے سلاسل نسب کو بد سے بدتر کر دیا۔

(قسم پنجم) "اقسام نسب" یاتو صاحب نے نسب کی پانچ اقسام اپنے دماغ سے آتاری ہیں اور عوام پر اپنی علمیت کی دھونس جمانے کے لئے یہ بھی ٹانک دیا ہے کہ علمائے علم الانساب نے نسب کی چھان بین کے سلسلہ میں مندرجۂ ذیل پانچ اقسام دی ہیں"

(۱) صحیح النسب جو جملہ نسّابین کے نزدیک ثابت و متحقق ہو۔ سلسلۂ نسب "منقطع و غیر متصل" نہ ہو اور "نسّابین نے بالاجماع اُس کی تصدیق کی ہو" . . . . زمانۂ حال کے نسّابین میں تو محمود احمد صاحب کو بھی شامل ہونے کا دعویٰ ہے جو جناب کے کمالات سے کما حقہٗ بے وقوف رکھتے ہیں وہ تو یقیناً حضرت مؤلف کو عادل نسّابین کے زمرہ سے خارج ہی رکھیں گے۔

. . . . غضب تو دیکھئے کہ جناب مؤلف نے جلد چہارم صفحہ ۱۸۹ کے فٹ نوٹ میں پیرزادگان کے خاندان کو اور متن میں اپنے خاندان کو صحیح النسب کہا ہے . . . . صحیح النسب کے جو شرائط مؤلف نے مقرر کی ہیں اِن خاندانوں میں کہاں پائی جاتی ہیں۔ کون کون نسّابین اِن دونوں خاندانوں کی سیادت و رضویت پر شاہد ہیں۔ اجماع تو درکنار یہاں تو ایک نسّاب دیکھنے کو بھی نہیں۔ یا تو مؤلف کی تعریف غلط اور لغو یا ان دونوں خاندانوں کا صحیح النسب ہونا غلط "

(۲) مقبول النسب " جو اکثر نسّابین کے نزدیک ثابت ہو اور ایک دو نے انکار کیا ہو۔ پس وہ چند عادل نسّابین کی شہادت کی بنا پر مقبول ہوگا۔ اور بعض کے انکار کی طرف التفات نہ کیا جائے گا۔ یہ نسب بلحاظ مرتبہ اُس نسب کی برابر نہیں جس پر جملہ نسّابین کا اجماع و اتفاق ہو۔

یہ تعریف نہایت درجہ خبط ہے " مؤلف فرماتے ہیں کہ ایک یا دو نے انکار کیا ہو لیکن اگر منجملہ ایک ہزار نسّابین کے دس یا دس سے زیادہ انکار کریں تو کیا حکم ہوگا۔ اگر ایک ہزار میں سے دو سو منکر اور آٹھ سو مثبت ہوں تو کیا حکم لگایا جائے گا" اوّل تو نسّابین کا شمار ہی محال ہے خصوصاً مؤلف جیسے قابلیت کے شخص کے لئے . . . . . . یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اکثریت کے مقابلہ میں چند کا لفظ بالکل مہمل ہے پس یہ تعریف بھی انتہائی لغو ہے۔

(۳) مشہور النسب . . . . یہ قسم تو عجائباتِ دنیا سے ہے کیونکہ یہ قسم صرف سادات و شیوخ سے متعلق [illegible] . . . . . نتیجہ یہ ہے کہ سوائے سادات و شیوخ کے دنیا میں کوئی

خاندان مشہور النسب کے عنوان میں داخل نہیں ہو سکتا۔

(۴) مجہول النسب۔ ....ہاں اگر کوئی نسب متنازعہ فیہ ہو تو طرفین کے ثبوت و شواہد کو میزانِ عقل میں وزن کرنا پڑے گا اور عقلاً جو ثبوت قوی ہوگا اُس کے موافق فیصلہ صادر کرنا ہوگا پس جو تعریف مجہول النسب کی کی گئی ہے وہ بھی لغویت سے خالی نہیں۔

(۵) مردود النسب۔ ....اس مثال کی تلاش میں کچھ دور جانا نہ پڑے گا۔ خاندان **پیرزادگان و خاندان مولوی محمود احمد صاحب** اِس تعریف کے لحاظ سے طابق النعل بالنعل کے مصداق ہیں۔ حضرات پیرزادگان کے اسلاف کا اپنے ناموں سے پیشتر خود اپنے قلم سے شیخ و پیر کا لکھنا کیا مظہر بطلان نہیں ہے۔

مذکورہ بالا اقسام نسب جامع و مانع نہیں ہیں۔ ذیل میں چند صورتیں پیش کی جاتی ہیں۔ اور دریافت کیا جاتا ہے کہ ان صورتوں میں ذیل کے لئے کون سے اقسام ہیں۔

(الف) اگر کسی سلسلۂ نسب میں صدیوں تک چند وسائط نذر نسیان ہوگئے ہوں اور صدیوں کے بعد اسلاف کے فراموش کردہ نام اخلاف بعید ہ نے گھڑ لئے ہوں یا اپنے قیاس سے سلسلہ کی کڑیوں کو مربوط کر دیا ہو تو ایسے خاندان کو منجملہ پانچ اقسام مذکورہ کے کس قسم میں داخل کیا جائے گا۔

(ب) اگر کسی خاندان کا سلسلہ کسی ایسے شخص سے ملحق کیا جائے جس کے مسلمہ طور پر عقب نہ ہو تو وہ خاندان کس قسم میں شمار کیا جائے گا۔

(ج) اگر کوئی مغل یا قزلباش ہو یا کوئی مسلم برہمن یا راجپوت ہو اور اُس کی برہمنیت یا راجپوتیت علی وجہ الشہرت و تواتر مسلم ہو تو وہ منجملہ اقسام مذکورہ کے کس قسم کے تحت آئے گا۔ غرضیکہ بیسیوں صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(قسم ششم) سیادتِ پیرزادگان کے علمبردار جب تک دوسروں کے مال پر تصرف کر کے طبع آزمائی کرتے رہے اُن کی حقیقت حال پر ایک حد تک پردہ پڑا رہا مگر جب اُنہوں نے اِس میدان سے آگے قدم بڑھایا۔ اور قیاس کے گھوڑے دوڑانے شروع کئے تو محالات عقلی و نقلی میں پھنس کر قیاسات فاسدہ کا شکار ہوگئے۔ چند اسمائے گرامی جن سے پیشتر لفظ "شیخ" اُن کو لکھا ملا۔ حوالہ قلم کر کے اپنے قیاس سے نتیجہ اخذ کر لیا گیا ہے کہ خاندانِ پیرزادگان کے افراد کے ناموں کے ساتھ محض لفظ "**شیخ**" کا پایا جانا کسی طرح صحت سیادت کے مخالف نہیں۔ مثلاً۔ (۱) **شیخ فرید مرتضیٰ خاں بخاری**" ان کی نسبت مآثر الامراء جلد سوم صفحہ ۴۲۶ پر صاف تحریر ہے کہ "**از سادات بخاری است**" "**شیخ ابّن صاحب**" کی نسبت کہاں تحریر ہے کہ از سادات کرمانی است۔ (۲) **شیخ محمد غوث گوالیاری**" یہ قطعاً سید نہیں ....(۳) **شیخ احمد رفاعی**" ان کی سیادت کے متعلق ملاحظہ ہو مقالۂ **شیخ عبدالقادر جیلانی**" یہ بھی سید نہیں ہیں"

........تم خود جلد چہارم کے صفحہ ۲۹ سطر ۲ میں لکھتے ہو کہ اُن کی سیادت مسلم ہے۔ جن کی سیادت مسلم الثبوت ہو اور مورخین ابتدا سے اُن کی سیادت پر مہر تصدیق ثبت کرتے چلے آئے ہوں اور ہر زمانہ اور ہر عہد میں اُن کی سیادت زبان زدِ خلائق رہی ہو۔ اور کوئی قابلِ لحاظ اختلاف پیدا کرنے والا نہ ہو۔ اگر ایسے ناموں سے پیشتر لفظ شیخ لکھا ہے تو یہ لفظ اُن کی صحت سیادت کے منافی نہ ہوگا۔ مگر وہ ہستیاں جو قرنہا قرن تک اپنے کو باقرار شرعی شیخ لکھتی اور لکھواتی اور اپنے دستخط خود اپنے اقراری دستاویزات پر بلفظ شیخ کرتی رہی ہوں اور دوسروں کی دستاویزات پر اپنی گواہیاں اپنے قلم سے بلفظ شیخ کی ہوں اور دیگر اشخاص نے اُن کے ساتھ شیخ و مشیخت پناہ جیسے الفاظ سے مخاطبت و مکاتبت کی ہو۔ اور خود انہوں نے اپنے کو "بیچارہ" لکھا ہو اور باوجود ادعائے سیادت کے لفظ شیخ کی آڑ میں صدقات بفرقِ مبارک قبول کئے ہوں اور سوائے روایاتِ خاندانی کے جو غدر ۱۸۵۷ء کے قریب گھڑی گئی ہیں کوئی دستاویزی ثبوتِ سیادت اُن کے ہاتھ میں نہ ہو۔ اور ایک فرمانِ شاہی میں شیخ زادہ تک لکھا ہے۔ تو پھر انصاف کرو کہ ان حالات و واقعات کو دیکھتے ہوئے لفظ شیخ اُن کے حق میں کس معنی پر دلالت کرے گا اور کیوں اُس کی صحت سیادت کے خلاف نہ ہوگا۔ ....اوّلاً **شاہ ابّن صاحب** کی سیادت دلیل قطعی و

روشنی سے ثابت کرو اور اُن کو مُسلّم الثبوت سیّد ٹھہراؤ۔ اور لفظ "بیچارہ" کو چھیل کر پھینک دو۔ یا کسی کرم کی غذا بناؤ اُس وقت تم یہ کہنے کے مجاز ہوگے کہ لفظ شیخ اُن کے اور اُن کے خاندان کے افراد کے ناموں سے منافی سیادت و قادح رضویت نہیں ہے۔۔۔۔۔۔

لفظ شیخ پر قلم فرسائی کرنے کے بعد حضرت مؤلف اِس نتیجہ پر پہونچتے ہیں "

"آپ (شاہ ابن صاحب) جیسے شیخ وقت و ولی کامل کے اسم گرامی کے ساتھ محض لفظ شیخ کا استعمال تاوقتیکہ نسب کا اظہار صراحتہً نہ کیا جائے قادح سیادت و فاطمیت نہیں ہو سکتا " (جلد ۲ صفحہ ۳۲)

جو کہ فقرۂ بالا میں ارشاد فرمایا گیا ہے وہ اُس موقع کے لئے ہے جہاں سیادت مُسلّم و ثابت ہو۔ شاہ ابن صاحب کی سیادت کب مُسلّم ہے۔ جو شیخ کا لفظ قادح نہ ہوگا۔ اوّل شاہ صاحب کی سیادت ثابت کیجئے۔ اُس کے بعد آپ کو اپنی زبانِ قلم سے الفاظ "قادح نہ ہوگا" فرمانے کا مجاز ہوگا۔۔۔۔۔۔۔۔

صاحب نجبتہ مولوی سید آل حسن صاحب مرحوم و مغفور" لفظ شیخ کی نسبت لکھتے ہیں کہ۔

" در اکثر بلاد سادات امروہہ کہ سیادت ایشاں اشہر و اظہر است۔ دو بزرگ صاحب ارشاد و ہدایت بنیا دبودند۔ وہم در کتب مسطور۔ الا نسب ایشاں ہم مذکور "

اس سے صاف ظاہر ہے کہ لفظ شیخ اِن حضرات کے نام کے ساتھ قادح سیادت نہیں ہے جن کی سیادت اشہر و اظہر ہے (مشہور اور ظاہر ہے) اور اُن کا نسب بھی مذکور ہے مگر جہاں نہ شہرت ہے اور نہ کسی کتاب میں نسب درج ہے اُن کے نام کے ساتھ شیخ کا لفظ قادح و منافی سیادت کیوں نہ ہوگا"

مؤلف کی تالیفات میں جو شئے نمایاں نظر آتی ہے وہ اپنے اقالیم ثلثہ یعنی عباسیان "پیرزادگان و چودھریان" کی تعریف اور دوسرے متقدر و معزز خاندانوں کی تنقیص ہے۔ مؤلف نے دوسرے گروہوں کی عیب جینی کر کے اپنے خاندان کے نسب کی شانِ امتیاز کو بالائے بام لے جانے کی کوشش کی ہے۔ جس چیز کو عیب سمجھا ہے اور جو چیز مؤلف کے خاندان میں بدرجۂ اتم موجود ہے اُسے پوشیدہ رکھا ہے اور دوسرے خاندانوں میں نمایاں کر کے دکھلایا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔ (جلد ۲ صفحہ دیباچہ)

" ہاشمیوں بالخصوص۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کنیزوں سے ملتا ہے "

ان حضرت مؤلف سے دریافت کیا جائے کہ حضرت نے اِس فقرہ میں خلفائے بنی عباس کو چھوڑ کر فاطمیوں کو کیوں مخصوص کیا ہے۔۔۔۔۔۔۔ بہترین مثال تو خلفائے عباسیہ کی تھی جن میں تابڑ توڑ مسلسل یکے بعد دیگرے بلا انقطاع کنیز زادوں کی بھرمار رہی۔ انہیں میں مامون رشید و ہارون رشید بھی ہیں۔ کیا یہ خلفاء کی شانِ امتیاز نہیں رکھتے تھے۔ جو ان سے چشم پوشی کی گئی۔

اسی ضمن میں (جلد ۲ صفحہ ۱) پر ہے کہ:۔

" صدہا ایرانی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ عورتوں کے بطن سے ہوئے "

یہاں بھی کسی ایک خلیفہ عباسی کا نام زبانِ قلم سے نہ نکلا۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ امر محتاج بیان نہیں کہ اِس وقت تک جتنے حصے اوّل و دوم و چہارم شائع ہو چکے ہیں اُن میں سے ہر حصہ اپنے ماسبق سے مؤلف کی نسبی لن ترانی۔ دروغ بیانی۔ خانہ ساز روایات اور اپنے اقارب کے خاندانوں کی تفضیل اور دوسرے گروہوں کی تنقیص میں اپنے سابق پر فائق ہوتا چلا گیا ہے۔ یہاں یہ ظاہر کرنا ہے کہ وہ کیا حالات تھے جو مؤلف کی طرف سے مؤلف کے لئے باعثِ عناد و مخالفت اور اپنے اعزاز کے لئے بے جا مدح خوانی ہوئے بظاہر اس کے تین اسباب ہیں۔

(اوّل) اپنے نسب کے علوئے شان کا اظہار۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جس وقت بابو صاحب کے جدِ امجد نے خاکِ پاک امروہہ میں قدم رکھا اور یہاں کی سکونت اختیار کی ہے **اُن کو یہاں کے سادات نے منہ نہیں لگایا**۔ کوئی سلسلہ مصاہرت و مناکحت اُن سے پیدا نہیں کیا۔ البتہ ملّا و مکتبی بن کر **لڑکوں کو درس دیتے رہے** جس کا مؤلف کو بھی اقرار ہے چونکہ اپنے کو شیخ کہتے اور کہلواتے تھے اس لئے چند ہی روز کے بعد ان لوگوں کا خلا ملا ایسے خاندان سے ہوگیا جو بنی فاطمہ نہ تھے اور شیخ ہی کہلاتے تھے۔ اِن گروہوں کی سیادت تو بالائے طاق اِن کو تو کسی **نوعیت سے عربی النسل ہونے** کا بھی موقع نہ تھا۔ مؤلف سے پیشتر جس قدر تاریخیں تالیف ہوئیں اُن میں **اصلی و نقلی عباسی شیخ ہی لکھے گئے**۔ اور اُن کا ذکر عنوان شیوخ ہی میں دسلسلہ پر کیا گیا۔ محمود احمدؔ کو یہ لفظ خوش نہ آیا کیونکہ **انصار و اہلِ قریش۔ صدیقی و صدقی۔ عثمانی و مروانی**۔ سب شیخ ہی کہلاتے تھے۔ مؤلف کو سیّد بننے کی ہوس دامنگیر تھی۔ مغرور و **تو پھر عباسیت** خواہ وہ خود ساختہ ہی کیوں نہ ہو۔ شیخ کہلانے کی کب اجازت دے سکتا ہے۔ جس طرح بلا دلیل محض اُن تواریخ کی قوت پر عباسی بن گئے تھے جو بعد غدر ۱۸۵۷ء تالیف ہوئی تھیں اور جن کو مؤلف غیر معتبر ٹھہرا چکے ہیں۔ اسی طرح بلا کسی برہان قوی کے اپنی سیادت کا طبل بھی بجانا شروع کر دیا۔ سیّد بن جانے کے بعد اُن ہندی الاصل گروہوں کو بھی خلعتِ سیادت عطا کرنا لازمی ہوا جن کے ساتھ سالہا سال سے رشتۂ مناکحت چلا آ رہا تھا۔ یہی وہ جذبہ تھا جس نے مجبور کیا کہ صرف الفاظ "**سیّد مشار الیہ**" پر پیرزادگان کی سیادت کی عمارت **بیالیس۴۲ صفحات** میں بنا کر کھڑی کر دی اور اپنے حالات میں جن کا بیشتر حصہ **تاریخ امروہہ** کے نقطۂ نظر سے بالکل غیر متعلق تھا۔ چورانوے ۹۴ صفحات سیاہ کر ڈالے۔

(دوم) مخالفت الیکشن میونسپل بورڈ امروہہ جس میں ایک طرف مؤلف صاحب۔ پیرزادگان و چودھریان اور دوسری جانب دوسرے تمام خاندان جن میں سادات پیش پیش تھے۔ اور اوّل الذکر کو اس میں **شکست فاش** ہوئی تھی جس کا انتقام کچھ تو ایک اخبار کے ذریعے لیا گیا جو "**وقار**" کے نام سے اُچھل کود کر کے فنا ہوگیا۔ اور کچھ غیظ و غضب کے اظہار کے واسطے **مؤلف نے اپنی تالیفات کو** وقف کر دیا"

(سوم) **مؤلف کی بے بضاعتی و تنگدستی**۔ . . . .

اپنی اسی کتاب میں **مولوی عصمت اللہ صاحب بی اے** "مؤلف امروہوی کی **تالیفات** کے **متعلق ایک جگہ** تحریر فرماتے ہیں کہ "مؤلف کی حیثیت افسانہ گوئی ہے نہ کہ وقائع نویس کی" اور یہ کہ محمود احمدؔ (مؤلف امروہوی) کی **تالیفات** کے سرسری مطالعہ سے سمجھ میں آجاتا ہے کہ "انہوں نے شرافت کو صرف اپنے اور اپنے قرابتداروں کی قوم تک محدود کر دیا ہے . . . . . . سوائے پیرزادگان (ازاولادِ شیخ ابنِ امروہوی) اور عباسیان اور اپنے اقارب کے انہوں نے "**امروہہ**" میں کسی قوم کو ایسا نہیں چھوڑا "جس کے حسب و نسب" میں نکتہ چینی یا خوردہ گیری نہ کی ہو" اور اُن کے افراد میں نوع بنوع کے عیب نہ پیدا کئے ہوں" مؤلف امروہوی کا یہ راسخ عقیدہ معلوم ہوتا ہے کہ "**عباسی**" اور "**پیرزادگان**" اور اپنے دیگر اقارب کی چار دیواری سے باہر شرافت و نجابت نہیں جاسکتی"

مؤلف امروہوی کی اُفتادِ طبیعت کے متعلق صاحب تنقید محمود کا بیان

مؤلف امروہوی کے متعلق صاحب تنقید محمود کا بیان ہے کہ "خاندانِ متعلقہ کے کسی فرد سے معلوم کئے بغیر علم واقعی حاصل نہیں ہوسکتا مگر چونکہ مؤلف تاریخ امروہہ کی افتادِ طبع اس کے خلاف ہے" اس لئے کوئی خاندان ایسا نہیں ہے جس کے حالات صحیح لکھ سکے ہوں حتیٰ کہ عباسی خاندان تک بھی جناب والا سے نالاں ہے" پھر دوسرے خاندانوں کا تو ذکر ہی کیا ہے" جس کی وجہ سے تاریخ امروہہ کی آج یہ گت بن رہی ہے" اور شہر کا مشکل سے کوئی خاندان ایسا ہوگا جو آپ کی تاریخ پر صدائے احتجاج بلند نہ کرتا ہو۔ جس کا ثبوت موجودہ پمفلٹ سے ہے۔ جس کی تردید میں اس وقت تک گیارہ پمفلٹ لکھے گئے ہیں۔ یعنی"

(۱) "تاریخ امروہہ پر ریویو" (۲) "تحفۂ سیادت" (۳) "تاریخ امروہہ کے ایک نوٹ پر اجمالی نظر" (۴) "نسب نامۂ عباسیہ" (۵) "ذوالفقار" (۶) "بڑے بول کا پول" (۷) "القریش" (۸) "الخلیقہ" (۹) "یدالٰہی تپانچہ" (۱۰) "خاتمہ بالخیر" (۱۱) "تاریخ سادات امروہہ" اس کے علاوہ رسالوں میں اور اخباروں اور پوسٹروں میں بھی آپ کی تاریخ کی تردیدیں کی ہیں۔ یعنی رسالہ "چاند" روزنامچہ "خواجہ حسن نظامی" اخبار "اتحاد" "نیر اعظم مرادآباد" برخلاف اس کے امروہہ کی سابقہ تاریخوں پر کبھی اُن کی تردید میں پمفلٹ بازی نہیں ہوئی"

اور صلا۳۶ پر لکھا ہے کہ "اور دوسرے سلسلہ کو جن میں حکیم عبدالرّب اور پروفیسر عبدالجلیل وغیرہ ہیں۔ زمرۂ شیوخ میں بھی نہیں رکھا۔ بلکہ قوم ترکمان میں شمار کیا ہے" جس طرح ہم کو شیخ کے استعمال سے شیخوں میں شامل کیا ہے "اسی طرح بڑے پکے ترکمان کہلاتے ہیں۔ اس لئے مؤلف نے قیاس کر لیا کہ ترکمان سیّد نہیں ہو سکتے۔ اور یہ اُن کا خود ساختہ نسب ہے لیکن واضح رہے کہ بالکل یہی نظیر اس وقت لاہور میں بھی موجود ہے" وہ خاندان ترکمان بھی کہلاتے ہیں اور سیّد بھی ہیں" جو اولاد دختر شاہ بخارا ہے ہیں اس لئے یہ نسلیں جہاں پر بھی ہیں ترکمان کہلاتی ہیں۔ اور میراں شاہ موج اولاد احمد کبیر بن جلال الدین میر سرخ ہیں اُن کا سلسلہ نسب امام نقی سے متصل ہوتا ہے"............ اسی طرح کیا کتاب تحفۃ التواریخ جو اُن کے خاندان کے ایک بزرگ کی تحریر شدہ ہے اس کے علاوہ تاریخ اصغری و آئینۂ عباسی نے "سادات تخشبی کو جن کا سلسلہ خواجہ محمود چشتی سے ملتا ہے۔ زمرۂ سادات میں تحریر نہیں کیا" لیکن مؤلف تاریخ امروہہ کو اُن کی سیادت میں کلام ہے۔ اور زمرۂ شیوخ میں شامل کیا ہے۔ جس سے مؤلف موصوف کی حق پسندی اور دیانت اور اُن کے دماغی تعصب پر تاریخی حیثیت سے کافی روشنی پڑتی ہے" اس لئے کہ ایک مؤرخ کا اوّل ترین فرض ہے کہ وہ اپنے تعلقات قومی و مذہبی سے قطع نظر کر کے کتاب کو تحریر کرے لیکن مؤلف تاریخ امروہہ نے قطعاً اس طرف توجہ نہیں کی جیسا کہ ہر سہ جلد سے ظاہر ہے"

اور صلا۳۶ پر تحریر کیا ہے کہ "مؤلف نے سیادت کے پرکھنے کے لئے ایک کسوٹی تیار کی ہے جس سے اُن خاندانوں کو پرکھا ہے جو سیادت کے مدّعی ہیں" چنانچہ اس بنا پر ہمارے خاندان پر بھی اعتراض کیا ہے" کہ "اس خاندان میں نہ کبھی مشیخت نہ طریقت کا چرچا رہا نہ پیری مریدی کا سلسلہ ہوا نہ کبھی پیرزادے مشہور ہوئے۔ نہ کسی بزرگ سے سلسلہ بیعت کا چلا نہ مسند سجّادگی رہی تو پھر نسباً کیسے سیّد ہو سکتے ہیں" "سیادت کے پرکھنے کا یہ معیار ہے جو مؤلف تاریخ امروہہ نے قایم کیا ہے" ناظرین اس کو اچھی طرح یاد کرلیں ممکن ہے کسی وقت کام آئے۔ لیکن ہے عجیب و غریب بہت اطمینان اور فرصت کے وقت کا تیار شدہ" "جس کو سیّد بننا ہو خواہ وہ نسباً کوئی بھی ہو اُس کو چاہئے کہ کسی بزرگ سے بیعت ہو کر پیری و مریدی کا سلسلہ شروع کرے۔ مسند سجّادگی پر بیٹھ جائے اور اپنے کو پیرزادہ مشہور کرے بس کچھ عرصہ میں دو ایک پشت کے بعد بغیر کسی اعتراض کے چوکھا سیّد ہو جائے گا" "نسخہ نہایت اچھا ہے ایک پنت دو کاج" "سیادت بھی ملے گی اور روٹیوں کا ٹھکانا بھی ہو جائے گا" لیکن اس کسوٹی پر دوسروں کو تو پرکھ لیا ہے اپنے خاندان کو بھی دیکھا ہوتا" "مشیخت و طریقت کا چرچا کبھی ہوا" "پیری مریدی کا سلسلہ کبھی ہوا۔ کبھی پیرزادے مشہور ہوئے" "کبھی مسند سجّادگی پر متمکن ہوئے" "ان سب کا جواب عوام کے نزدیک نفی میں ہے"

صاحب "تنقید محمود" کے اِس بیان سے بھی مؤلف امروہوی کی دلی کیفیت اور تحقیقات کی حقیقت بخوبی عیاں ہو گئی ہے۔ اور اُس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے"

مؤلف امروہوی کی جغرافی ناواقفیت کے مزید دو نمونے

(۱) ہستناپور | مؤلف تاریخ امروہہ نے جلد اوّل کے صلا۴ پر لکھا ہے کہ۔

"مہابھارت کے بعد راجہ یدھشٹر نے ہستناپور میں راجدھانی قائم کی۔ سلطنت کو وسعت دی۔۔۔۔ ہستناپور دریائے جمنا کے کنارے موجودہ دہلی سے تین کوس دور واقع تھا"
دریا کے چڑھاؤ سے جب یہ شہر بہہ گیا۔ تو اس خاندان کا راجہ وشٹ داون جو ۱۲۱۴ء
قبل مسیح گدی نشین ہوا تھا۔ ہستناپور چھوڑ کر اندرپت (اندرپرست) چلا آیا"

مؤلف موصوف کا یہ بیان غلط اور اُن کی ناواقفیت کا ایسا کھلا ثبوت ہے۔ جس پر مدرسوں کی بچیاں بھی اپنی ہنسی کو کسی طرح ضبط نہیں کرسکتیں۔

"ہستناپور" اپنی آبادی کے زمانے سے ہمیشہ اپنی جگہ موجود رہا اور اب بھی ہے" یہ دوسری بات ہے کہ راجدھانی کے وہاں سے منتقل ہوجانے کی وجہ سے اس کی آبادی اور رونق میں زوال آگیا اور وہ شہر سے قصبہ رہ گیا ہے" ہستناپور جمنا کے کنارے اور دہلی کے قریب کبھی واقع نہ تھا۔ بلکہ گنگا کے کنارے" شہر میرٹھ سے سولہ کوس یا چوبیس میل دور" تحصیل موانہ میں ہے" نیز جینیوں کے وہاں متعدد مندر ہیں اور مسجد بھی ہے۔ وہاں ہر سال ایک بڑا میلہ لگا کرتا ہے۔ جس میں دور دور سے بکثرت تجا تری آیا کرتے ہیں"

(۳) **سنگڑہ** | مؤلف امروہوی نے اپنی تاریخ امروہہ جلد اوّل کے صفحہ ۱۸۶ تا ۱۸۸ پر لکھا ہے کہ" صاحب آئینۂ عباسی کہتے ہیں کہ۔

"ایک گروہ ملقب بہ سنگڑہ "علوی حنفی" کہتے ہیں" ان میں شاہ جی بہاؤ الدین" خلیفہ صاحب علی اور خلیفہ روشن علی وغیرہ ہیں"۔۔۔۔۔ اپنا سلسلۂ نسب انہوں نے" حضرت امام محمد حنفیہ کے صاحبزادے" امام ابوہاشم عبداللہ سے متصل کیا ہے" حالانکہ تمام قدیم کتب انساب میں" ابوہاشم کو غیر متعقب بتایا گیا ہے" (معارف ابن قتیبہ جیسی مستند اور قدیم ترین کتاب میں اُن کے متعلق لکھا ہے کہ" لاعقب لہٗ" یعنی اُن کے کوئی عقب نہیں تھا" پھر اس سے زیادہ شدید غلطی یہ کی کہ" حضرت سالار مسعود غازیؒ کو ابوہاشم عبداللہ کی اولاد میں ظاہر کرکے اُن سے اپنے خاندان کا سلسلۂ نسب جا ملایا ہے۔۔۔۔۔۔۔
مشہور ہے کہ حضرت غازیؒ کی شادی ہونے والی تھی کہ انہوں نے شہادت پائی"

"مجھے شاہ ضیاء الدین صاحب کی (مؤلف مراۃ الانساب مطبوعہ ۱۹۱۱ء کی) علویت سے انکار نہیں لیکن جو نسب نامہ انہوں نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے وہ ہرگز صحیح نہیں۔ یہ خاندان جیسا کہ" صاحب آئینۂ عباسی (مطبوعہ ۱۹۲۸ء رسالہ کی شکل میں ہے) نے لکھا ہے کہ" مورثِ اعلیٰ اُن کے" شاہ صدروند غازی" مقام سنگڑے علاقہ پنجاب سے یہاں آکر سکونت پذیر ہوئے۔ لہٰذا" سنگڑے" کہلائے"

لیکن یہ وجہ تسمیہ بھی کچھ قرینِ قیاس نہیں معلوم ہوتی" پنجاب میں کوئی مقام اس نام کا خاکسار مؤلف کو تحقیق نہیں ہوا"
"البتہ سنگڑہ ہندو راجپوتوں کی ایک شاخ ضرور ہے" ممکن ہے کسی علوی بزرگ نے جیسا کہ ایک روایت بھی مشہور ہے" سنگڑہ قوم کے کسی بزرگ کو دینِ اسلام میں داخل کیا ہو۔ اور بطور ولا" وہ سنگڑے علوی حنفی مشہور ہوگئے ہوں" واللہ اعلم بہ حقیقت حال"

سنگڑہ قوم کے وجود کے متعلق اپنے بیان کی تائید میں ایک نوٹ میں مؤلف موصوف نے" سرہنری ایلیٹ کی تاریخ سے یہ شہادت بھی پیش کی ہے" کہ۔

"قدیم زمانے میں عرصہ دراز تک ان کا راج رہا۔ بہتّر پشتوں تک دکن میں ان کی سلطنت
رہی۔ اس کے بعد وہ بہار میں آکر عرصہ تک رہے۔ اور اب اس قوم کے لوگ اضلاع اٹاوہ
(صوبہ متحدہ) وغیرہ میں زیادہ تر پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ مسلمان بھی ہوگئے ہیں"

مؤلف تاریخ امروہہ نے "خاندان سنگڑہ کی تحقیق نسب میں جن دو متضاد رایوں کا اظہار کیا ہے ان ہی سے اُن کی عدم اصابت رائے یا ناواقفیت اور ذہنیت کا حال بخوبی عریاں ہوگیا ہے"

(الف) "مؤلف موصوف ہمیشہ لکھ دیتے ہیں کہ تمام قدیم کتب انساب میں ایسا لکھا ہے" اور جب سند پیش کرتے ہیں تو "صرف معارف ابن قتیبہ" ہی کی پیش کرتے ہیں۔ فقط یہ ایک ہی کتاب ان کے پاس ہے جس کا نام انھوں نے تمام قدیم کتب انساب رکھا ہے۔ اس سے زیادہ معتبر اور قدیم کتاب ان کے نزدیک دوسری کوئی بھی نہیں ہے "لیکن اس کی جو حقیقت ہے اُسے ہم اپنی اسی کتاب کی پچھلی بحثوں میں وضاحت سے دکھا اور ثابت کر آئے ہیں کہ اُن کا "مستند اور قدیم مؤرخ جھوٹ کی پوٹ ہے" اُس کی کتاب **مَعَارِف** کے نوشتے ہرگز قابلِ تسلیم نہیں ہیں"

ہم خاندان سنگڑہ علوی حنفی کے مُورثوں کے متعلق بہت کچھ لکھ سکتے ہیں مگر یہاں اُن کے معقب اور غیر معقب ہونے کی بحث میں پڑنا ہمارے لئے ضروری نہیں ہے "ہمیں تو یہاں صرف یہ دکھانا ہے کہ مؤلف امروہوی کو اس امر کا یقین ہے کہ "خاندان سنگڑہ نے جن دو بزرگوں سے اپنا سلسلۂ نسب ملایا ہے۔ وہ غیر معقب یا لاولد تھے" مگر اس پر بھی انہیں اس خاندان کی علویت سے انکار نہیں ہے۔ اور جن خاندانوں کی انہیں خاطر منظور تھی اُن کے شجروں میں اسی قسم کی غلطیاں پاکر بھی کہ خاندان سنگڑہ کے شجرے میں، دکھائی ہیں انھوں نے اپنی کتاب میں کئی جگہ یہ لکھنا ضروری خیال کیا کہ "امتداد زمانہ کی وجہ سے شجروں کے ناموں میں کمی بیشی یا غیر صحیح ناموں کا اندراج ہوجانا قطعی ممکن ہے" یعنی ایسی غلطیوں کی وجہ سے ایسے شجرے رکھنے والے خاندانوں کے نسب پر کوئی حرف زنی نہیں کی جاسکتی" اور اُن لوگوں کے خاندانوں کے متعلق جن سے تعلق قلبی تھا انھوں نے اپنی اس تحریر سے انحراف کرنا ضروری جانا ہے" انہیں مطلق خیال نہیں آیا کہ اُن کی ایسی تحریروں کو دیکھ کر ناظرین کیا کہیں گے" اور کیا اثر لیں گے" سچ ہے کہ حسد اور کینہ عقل کو زایل اور انسان کے سوچنے سمجھنے کی طاقت کو سلب کردیتا ہے"

(ب) اب رہا خاندان سنگڑہ علوی حنفی کے متعلق مؤلف امروہوی کا یہ لکھنا کہ۔

"لیکن یہ وجہ تسمیہ بھی کچھ قرینِ قیاس نہیں معلوم ہوتی" پنجاب میں کوئی مقام اس نام کا (سنگڑہ نام کا) خاکسار مؤلف کو تحقیق نہیں ہوا"

ان کی ناواقفیت کا ایسا ثبوت ہے جس سے اُن کی تحقیق و تلاش کی قلعی بالکل ہی کھل گئی ہے" جو شخص اپنے ملک بلکہ قریبی صوبے کے جغرافیے سے اتنا بھی واقف نہ ہو جتنا کہ ایک طالب علم ہوتا ہے اُس کی تحقیقات کی حقیقت ظاہر ہے۔

ہمیں اس سے مطلق بحث نہیں ہے کہ کوئی قوم "سنگڑہ" بھی ہے کہ نہیں ہے" اور وہ کہاں رہتی ہے" البتہ ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ پنجاب میں "**سنگڑہ**" مشہور مقام ہے۔ تاریخوں میں بھی اُس کا ذکر ہے اور اخبارات و رسائل میں بھی اُس کا نام آتا رہتا ہے" بلکہ اس نام کے پنجاب میں کئی مقامات ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

"تاریخ عروج عہد سلطنت انگلشیہ ہند" مؤلفہ شمس العلماء محمد ذکاء اللہ کے صفحہ ۸۱ پر سلسلۂ فتح پنجاب "سکھوں کی لڑائی" کی سرخی کے تحت تحریر ہے کہ"...... اس نوجوان بلوچی سردار نے جنرل صاحب سے اجازت لے کر "ڈیرہ غازی خاں پر چڑھائی کی... سونگا مل کے ساتھ اُس کا چچا "جیتن مل" حاکم **سنگڑہ** " اور "منگروٹا" مل گیا........

روزنامہ انقلاب لاہور مورخہ ۷ مئی ۱۹۳۹ء کے صفحہ کالم ۱ پر "نارتھ ویسٹرن ریلوے پر تیز رفتار ریل کاریں" کی سرخی کے تحت لکھا ہے کہ..... "کاریں "جالندھر شہر" "ہوشیار پور" "کپورتھلہ" "ٹانڈہ" اور "دسوہہ" اور لوہیان خاص کے درمیان" اور "امرتسر" "نارووال" "قادیان" "بٹالہ" اور "گورداسپور" کے درمیان" اور "فیروزپور" "بھٹنڈہ" "دھوری" "**سنگڑ**" کے درمیان چلیں گی"

اور کار ہر روز امرت سر سے لاہور آیا کرے گی۔"

روزنامہ انقلاب لاہور مورخہ ۳۰ نومبر ۱۹۳۸ء کے صٹ کالم ۲ پر تحریر ہے کہ "بعدالت خاں صاحب سردار محمد کریم اللہ خاں صاحب آنریری سب جج درجہ چہارم تحصیل سنگھڑ ضلع ڈیرہ غازی خاں لپنڈت نت آنند ولد ٹھاکر داس برہمن گوسائیں سکنہ منکانی تحصیل سنگھڑ" مدعی۔

رسالہ آواز نسواں دہلی بابتہ ماہ جولائی ۱۹۴۳ء کے صٹ پر ایک حمد تحریر ہے" جس کا پہلا شعر یہ ہے ؎

کس نے کہلایا انا الحق دار پر منصور سے　　　کس نے دکھلائی جھلک موسیٰ کو کوہِ طور سے

اور مقطع یہ ہے ؎

غرق عصیاں کس کے ہے محبوب کی اُمت عجیب　　　کون بیٹھا دیکھتا ہے خود تماشا دور سے

اس حمد کی مصنفہ کا نام اس طرح تحریر ہے "از محترمہ سیدہ نجیبہ خاتون صاحبہ عجیبؔ سنگڑھی" (اتک) مقام سنگڑہ کی موجودگی کے شواہد۔ مندرجۂ بالا کے علاوہ "حضرت سید شاہ شیخ علی سانگڑے سلطان مشکل آسان قدس سرہ" (پیدائش اواخر آٹھویں صدی ہجری) سے بھی اس موقع پر تعارف کرا دینا ہم مناسب سمجھتے ہیں۔" آپ حضرت سلطان سید احمد کبیر معشوق اللہ رفاعی" کی اولاد سے ہیں" تیرھویں پشت میں آپ کا سلسلہ حضرت سلطان سید احمد قدس سرہ العزیز سے مل جاتا ہے" آپ بڑے پایہ کے اولیاء اللہ تھے" آپ کے بھانجے اور خلیفہ "حضرت شیخ ضیاء الدین عبدالکریم بیابانی" نے آپ کے ملفوظات اپنی مشہور و معروف تالیف "مطلوب الطالبین" میں خاص اہتمام اور اعتقاد سے جمع کر دیئے ہیں" اور "مولانا شاہ رفیع الدین" نے اپنی مشہور کتاب "تاریخ انوار القندھار" (ضلع ناندیڑ دکن) مؤلفہ ۱۲۱۳ھ ہجری میں آپ کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں" آپ نے دکن کے مختلف مقامات کے علاوہ پنجاب و سندھ وغیرہ کا بھی سفر کیا تھا جب سندھ میں "قصبہ سنگڑھ" میں آپ کچھ عرصہ مقیم رہے تو آپ کے کشف و کرامات دیکھکر وہاں کی مخلوق جوق جوق آپ کے زمرۂ مریدوں میں شامل ہونے لگی اور حسن عقیدت کی بنا پر آپ کو "سانگڑے سلطان" کے لقب سے یاد کرنے لگی" آپ کے حالات اولیاء اللہ دکن کے حالات کی اکثر کتابوں میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اور رسالہ شہاب حیدر آباد دکن بابت ماہ ستمبر ۱۹۳۳ء میں بھی صفحہ ۵۸ تا ۶۵ پر تحریر ہیں"

ہمارے پیش کردہ ان شواہد سے اب یہ بات پورے طور پر ثابت ہو گئی ہے کہ مؤلف امروہوی کا مبلغ علم کس قدر ہے اور ان کا یہ لکھنا کہ خاکسار مؤلف کو پنجاب میں کوئی مقام اس نام کا تحقیق نہیں ہوا۔ کیا حقیقت رکھتا ہے" جب حضرت سید شاہ شیخ علی قدس سرہ کا لقب قصبہ سنگڑہ میں کچھ عرصہ مقیم رہنے سے ہی "سانگڑے سلطان" ہمیشہ کے لئے پڑ گیا تو ایک خاندان کا وہاں سے امروہہ آکر سنگڑہ لقب پڑ جانا بالکل ممکن ہے" اور مؤلف امروہوی کی کنباہ کی طرح مقام سنگڑھ کی ناواقفیت سے خاندان سنگڑہ علوی حنفی کے بیان کی کسی طرح بھی تردید نہیں ہو سکتی"

مؤلف امروہوی کی تحقیقات کا تجزیہ کرنے کے بعد ہماری گذارش

ان حقائق و شواہد سے جو ہم نے اپنی اس کتاب میں پیش کئے ہیں" مؤلف امروہوی کی تحقیقات کی حقیقت اور حیثیت نیز طینت و خصلت پر کافی روشنی پڑ چکی ہے اور اچھی طرح معلوم ہو گیا ہے کہ انہوں نے کس مقصد اور جذبہ کے ماتحت اپنی تالیف مرتب کی ہے۔ مؤلف موصوف نے جن طریقوں سے قیاس دو آرائی کی بچریں لگا کر اور غلط باتیں پیش کر کے صحیح حالات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ اُن کی کیفیت بھی اچھی طرح ظاہر ہو چکی ہے" حالات کے ہمدست نہ ہونے یا ناواقفیت کی وجہ سے اگر وہ غلط راستہ پر جا پڑتے تو ان پر کوئی الزام نہ تھا لیکن انہوں نے تو صحیح راستہ سے بھٹکانے کے لئے خود ایک نئی سڑک تیار کی۔ تاکہ ناواقف دھوکے میں آ کر بھٹک جائیں اور منزلِ مقصود سے دور جا پڑیں انہوں نے صداقت کا خون کرنے اور حقیقت کے اِخفا کے جرم کے علاوہ اس دودمان عالی شان زبیری کنبوی خاندان کے متقی اور پرہیزگار بزرگوں کی نیتوں پر بھی حملے نہیں کئے اور ان کے درجات کو گھٹا کر دکھانے کی ہی کوشش نہیں کی بلکہ ان کی طینت و ناموس پر بھی کھلم کھلا چوٹیں کی ہیں"

ظاہر ہے کہ ان باتوں کا نسبی تحقیقات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مؤلف تحقیق الانساب تاریخ امروہہ نے عباسی بننے کے شوق میں دوسرے خانوادوں کی آنکھوں میں تنکے ڈالنے کی کوشش میں تو اپنا خون پسینہ ایک کر لیا لیکن انہیں اپنی آنکھ کا شہتیر بالکل نظر نہیں آیا۔ جن دلایل و شواہد اور طریقوں سے انہوں نے اپنے شجرے کو موسیٰ بن امین بن ہارون رشید عبّاسی سے جو کم عمری میں لاولد مر گیا متصل کیا ہے اور اُسے اَولاد والا ثابت کرنے میں جیسی تاویلیں کی ہیں اور دعوے دیئے ہیں اُن کی حقیقت بھی بخوبی عیاں ہو چکی اور معلوم ہو گیا ہے کہ اُن کے نسب کی کیا کیفیت ہے۔ نیز سادات و قریش اور دیگر خانوا سے اُن کی کلفت کے کیا اسباب ہیں۔

اس لئے اب ہم اسی قدر لکھنے پر اکتفا کر کے ان مباحث کو ختم کرتے اور مؤلف موصوف کے لئے نیک خصلتی اور صداقت بیانی کی دعا کے ساتھ رخصت ہوتے ہیں۔ خدائے بزرگ و برتر کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ اُس نے ہمیں کذب و افترا کی تاریکی کو زایل کر دینے اور حقیقت و سچّائی کی روشنی پھیلانے کی توفیق عطا فرمائی۔ فقط۔ والسلام۔

صد شکر کہ اتمام پذیرفت کتاب
واضح شد از اں جملہ مضامین کتاب

سلسلہ	نام کتاب	مطبوعہ یا غیر مطبوعہ	نام مصنف	سنہ تالیف	ولادت و وفات مصنف
۲۱	ملفوظات خواجگانِ چشت حصہ دوم۔ فوائد الفواد حصہ چہارم	مطبوعہ	حضرت حسن سنجریؒ		وفات سنہ ۷۳۵ہجری
۲۲	مآثر الامراء	مطبوعہ باہتمام ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ طبع اردو کا پیٹسٹ پریس کلکتہ	نواب صمصام الدولہ شاہنواز خاں	سنہ ۱۷۸۰ء	سنہ ۱۱۹۷ہجری میں زندہ تھے
۲۳	سلسلۂ عالیہ	مطبوعہ مطبع تحفۂ مینائی اٹاوہ سنہ ۱۳۰۶ھ	حکیم عنایت حسین صاحب مہری کیتھوکی مارہروی	سنہ ۱۳۲۶ھ	ولادت محرم ۱۲۹۲ھ وفات سنہ ۱۳۶۵ھ
۲۴	تاریخ فرشتہ	مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدرآباد دکن نولکشور پریس لکھنؤ	محمد قاسم فرشتہ بن مرزا غلام علی ہندوشاہ	سنہ ۱۰۱۵ھ	وفات سنہ ۱۰۳۶ھ
۲۵	سفرنامہ مارکو پولو	مطابع پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی انارکلی لاہور	نکولو موفیو مارکو پولو	سنہ ۱۳۰۰ء	وفات سنہ ۱۳۲۳ء
۲۶	خزینۃ الاصفیا	مطبوعہ مطبع نولکشور کانپور سنہ ۱۸۹۴ء جلد دوم در مطبع نولکشور لکھنؤ	غلام سرور بہاری استادی		
۲۷	تاریخ ہندوستان	مطبوعہ	شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب		وفات سنہ ۱۹۱۰ء
۲۸	کارنامۂ راجپوتان	مطبوعہ کارخانہ روزانہ اخبار پنجابی گزٹ پریس بریلی	حکیم نجم الغنی صاحب رامپوری	سنہ ۱۹۲۳ء کے بعد	
۲۹	کتاب بیرام خاں	مطبوعہ آگرہ پریس آگرہ سنہ ۱۹۳۱ء	حکیم علی کوثر چاندپوری	سنہ ۱۹۳۱ء	
۳۰	سیرۃ امام اعظم ابو حنیفہ	مطبوعہ	علامہ شبلی نعمانی		ولادت سنہ ۱۸۵۷ء وفات سنہ ۱۹۱۴ء ۱۳۳۲ھ
۳۱	شرح نہج البلاغت	مطبوعہ			
۳۲	تاریخ اسلام	مطبوعہ رفیق عام پریس لاہور سنہ ۱۳۲۲ھ	علامہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی		وفات سنہ ۱۳۵۸ھ
۳۳	ترجمہ رولرز آف انڈیا مہارنجیت سنگھ	مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن سنہ ۱۳۴۰ھ م سنہ ۱۳۳۲ف م سنہ ۱۹۲۲ء	مسٹر لیپل گرفن کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔	ربع چہارم انیسویں صدی	
۳۴	نظم	مطبوعہ	علامہ شبلی نعمانی		وفات سنہ ۱۹۱۴ء ۱۳۳۲ھ
۳۵	اقبال نامہ	مطبوعہ	میر محمد المخاطب معتمد خاں		
۳۶	دُرِّ مقصود	مطبوعہ علمی پریس امروہہ سنہ ۱۳۵۲ھ ۱۹۳۴ء	انیس الدین احمد امروہوی	۱۳ مارچ سنہ ۱۹۳۴ء	
۳۷	شمس التواریخ	مطبوعہ مطبع ایضاً منشی گلاب سنگھ لکھنؤ	خانصاحب حکیم نواب علی صاحب امروہوی	سنہ ۱۸۹۸ء	
۳۸	تاریخ سنبھل موسومہ معرکۂ عظیم	مطبوعہ اہل سنت برقی پریس مرادآباد سنہ ۱۳۵۶ہجری	غلام احمد صاحب فریدی	سنہ ۱۳۵۶ھ	
۳۹	تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد اول	مطبوعہ تجلی پرنٹنگ ورکس دہلی سنہ ۱۹۳۰ء	محمود احمد صاحب امروہوی	سنہ ۱۹۳۰ء	
۴۰	تحقیق الانساب تاریخ امروہہ جلد چہارم	مطبوعہ مجید برقی پریس دہلی سنہ ۱۹۳۴ء	مسٹر محمود احمد امروہوی	سنہ ۱۳۵۲ھ	

نمبر سلسلہ	نام کتاب	مطبوعہ یا غیر مطبوعہ	نام مصنف	زمانہ تالیف	ولادت ووفات مصنف
۴۱	کتاب تفصیل کامیدانِ جنگ ۔	مطبوعہ۔ کارخانہ پیسہ اخبار لاہور	سرالیشمٹہ بارٹلٹ ممبر پارلیمنٹ انگلستان مترجمہ محبوب عالم صاحب	سنہ ۱۸۹۷ء	
۴۲	تذکرہ مصنفین دہلی ۔ ۔ ۔	مطبوعہ۔ حیدرآباد دکن	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۔	ولادت سنہ ۹۵۸ھ وفات سنہ ۱۰۵۲ھ
۴۳	تاریخ خانجہانی مخزنِ افغانی ۔	قلمی در کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن و مسلم یونیورسٹی علی گڑھ	نعمت اللہ ہروی	سنہ ۱۰۱۸ھ تا سنہ ۱۰۲۰ھ	۔
۴۴	حیات لودی معروف بہ شوکت افغانی	مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ	محمد عبدالحکیم خاں لودھی	۔	۔
۴۵	تزک بابری" مترجمہ شاہزادہ میرزا نصیرالدین حیدر گورگانی المتخلص بہ فانی۔	مطبوعہ مطبع محمدن پرنٹنگ ورکس دہلی سنہ ۱۹۲۴ء	شاہنشاہ بابر	۔	وفات سنہ ۹۳۶ ہجری
۴۶	تاریخ جہانگیر ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ	بینی پرشاد پروفیسر الہ آباد یونیورسٹی	۔	۔
۴۷	تاریخ سادات امروہہ ۔	مطبوعہ۔ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن سنہ ۱۹۳۴ء	جمال احمد نقوی امروہوی	سنہ ۱۹۳۴ء	۔
۴۸	بحر الابرار ۔ ۔ ۔ ۔	قلمی۔ درکتب خانہ حسین احمد	جمال محمد	سنہ ۱۰۳۴ تا سنہ ۱۰۳۶ھ	۔
۴۹	زبدۃ التواریخ ۔ ۔ ۔	قلمی۔ درکتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن	شیخ نورالحق فرزند شیخ عبدالحق محدث دہلوی	۔	وفات سنہ [illegible] ہجری
۵۰	تاریخ مبارک شاہی۔ ۔ ۔ ترجمہ انگریزی۔ مترجمہ کے کے باسو	مطبوعہ	۔	۔	۔
۵۱	خزانۂ عامرہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ۔ نول کشور پریس کانپور	علامہ غلام علی آزاد بلگرامی	سنہ ۱۱۷۶ھ م سنہ ۱۷۶۲ء	ولادت ۱۱۱۶ھ وفات سنہ ۱۲۰۰ھ
۵۲	مآثر عالمگیری ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ۔ جامعہ عثمانیہ	محمد ساقی مستعد خاں	سنہ ۱۱۲۱ھ	۔
۵۳	تاریخ ابنِ خلدون ۔ ۔	مطبوعہ قیصر ہند پریس الٰہ آباد سنہ ۱۳۱۹ھ ۱۹۰۱ء	عبدالرحمن بن محمد بن محمد بن محمد بن حسن بن محمد بن جابر بن محمد بن ابراہیم بن عبدالرحمن بن خلدون اشبیلی المغربی	ختم در سنہ ۷۹۷ھ	ولادت سنہ ۱۳۳۲ء مطابق سنہ ۷۳۲ھ وفات سنہ ۱۴۰۶ء مطابق سنہ ۸۰۸ھ
۵۴	اغانی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ۔ جرمنی	ابو الفرج اصفہانی	۔	وفات سنہ ۳۵۶ھ م ۹۶۷ء
۵۵	تاریخ کامل ابن الاثیر ۔ ۔	مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ و جامعہ عثمانیہ دکن و ... پریس حیدرآباد دکن	مبارک بن ابی الکرم محمد بن محمد بن عبدالکریم بن عبدالواحد الشیبانی المعروف بہ ابن اثیر	۔	ولادت سنہ ۵۵۵ھ وفات سنہ [illegible]
۵۶	ابو المحاسن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ۔ کلکتہ	امیر جمال الدین ابو المحاسن یوسف بن طغری بن بردی۔	۔	وفات سنہ ۸۷۴ھ مطابق سنہ ۱۴۶۹ء
۵۷	وفیات الاعیان ابنِ خلکان ۔	مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ سنہ ۱۳۱۴ھ	قاضی ابو العباس احمد ابن خلکان برمکی	سنہ ۶۷۲ھ	ولادت سنہ ۶۰۸ھ ۱۲۱۱ء وفات سنہ ۶۸۱ھ ۱۲۸۲ء
۵۸	ڈائی قبیلی الزبیر ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ۔ جرمنی گوٹنجن	ایف ووسٹن فیلڈ مستشرق	سنہ ۱۸۷۸ء	۔
۵۹	تاریخ گزیدہ سنہ ۱۳۲۸ ہجری مطابق سنہ ۱۹۱۰ء۔ موجودہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن ۔ ۔ ۔	مطبوعہ لندن در سنہ ۱۳۲۸ھ و سنہ ۱۹۱۰ء	حمید اللہ بن ابی بکر بن احمد بن نصر مستوفی قزوینی۔	سنہ ۷۳۰ ہجری	۔

سلسلہ	نام کتاب	مطبوعہ یا غیر مطبوعہ	نام مصنف	زمانہ تالیف	ولادت و وفات مصنف
۶۰	تاریخ فیروز شاہی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ کلکتہ باہتمام ایشیاٹک سوسائٹی بنگال	علامہ ضیاء الدین احمد برنی مرید حضرت نظام الدین اولیاء متوفی ۷۲۵ھ	۔	۔
۶۱	تنبیہ و اشراف ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ دار الطبع جامعہ عثمانیہ	ابو الحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی البغدادی		وفات ۳۴۶ھ ہجری مطابق ۹۵۷ء
۶۲	تاریخ ابو الفداء ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ مطبع نعمانی امرتسر	شہزادہ اسمٰعیل بن علی عزیز قریبی سلطان صلاح الدین ایوبی	۱۳۲۱ء مطابق ۷۲۱ھ کو ختم ہوئی	وفات ۱۳۳۱ ہجری
۶۳	مستدرک حاکم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ	ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ الحاکم	۔	وفات ۴۰۵ھ ہجری
۶۴	سیر الصحابہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ مطبع معارف دار المصنفین اعظم گڈھ	شاہ معین الدین ندوی	۔	وفات ۱۳۶[illegible] ہجری
۶۵	تقریر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ در رسالہ زبیری دہلی اپریل ۱۹۳۴ء	سید طفیل احمد آنریری سکریٹری آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس علیگڈھ	۲۵ دسمبر ۱۹۳۳ء	۔
۶۶	نظم نواب شہباز خان کا ایک ٹکڑا	غیر مطبوعہ در کتب خانہ مؤلف کتاب ہذا	حسین احمد زبیری مؤلف کتاب ہذا	ماہ شہریور ۱۳۴۲ف	۔
۶۷	طبقات اکبری ۔ ۔ ۔ ۔	قلمی در کتب خانہ راقم کتاب ہذا حسین احمد زبیری	نظام الدین احمد خان بخشی	۔	وفات ۱۰۰۳ھ ہجری
۶۸	جنگ نامہ اعظم شاہ و بہادر شاہ	مطبوعہ	نعمت خان عالی میرزا محمد بن حکیم فتح الدین	۔	وفات ۱۱۲۱ھ ہجری
۶۹	عمل صالح (شاہجہان نامہ)	مطبوعہ کلکتہ باہتمام ایشیاٹک سوسائٹی بنگال	محمد صالح زبیری کنبوی	۱۰۷۰ھ ہجری	۔
۷۰	مفاوضات عالمگیری ۔ ۔ ۔	مطبوعہ	۔	۔	۔
۷۱	سفرنامہ برنیئر مترجمہ خلیفہ محمد حسین وزیر ریاست پٹیالہ	مطبوعہ	برنیئر فرانسیسی	۔	۔
۷۲	ایک نظم کا ٹکڑا ۔ ۔ ۔ ۔	غیر مطبوعہ در کتب خانہ مؤلف کتاب ہذا	حسین احمد زبیری مؤلف کتاب ہذا	ماہ نومبر ۱۹۳۹ء	۔
۷۳	تذکرہ وقار ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ عزیزی پریس آگرہ	محمد امین زبیری کنگو کنبوی مارہروی	۱۳۵۷ھ / ۱۹۳۸ء	
۷۴	نکات الشعراء ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ	میر تقی میر دہلوی	۱۱۶۲ھ / ۱۷۵۲ء	ولادت ۱۱۳۷ھ آگرہ ۱۷۲۳ء، وفات ۱۲۲۵ھ در لکھنؤ ۱۸۱۰ء
۷۵	آب حیات ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ وکٹوریہ پریس لاہور	شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد دہلوی	۱۲۹۷ھ / ۱۸۸۰ء	وفات ۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء
۷۶	محبوب الزمن تذکرہ شعرائے دکن	مطبوعہ مطبع رحمانی حیدرآباد دکن ۱۳۲۹ھ	محمد عبد الجبار خان ملکاپوری برادر [illegible] آبادی	آغاز ۱۹۰۷ء / ۱۳۲۵ھ	انجام ۱۳۲۹ھ / ۱۹۱۱ء
۷۷	کارنامہ سروری ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ	آغا میرزا بیگ المخاطب بہ سرور الملک بہادر	۔	۔
۷۸	بہار سخن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	قلمی در کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن	محمد صالح زبیری کنبوی	۔	وفات ۱۰۸۵ھ ہجری
۷۹	سلسلۂ نظامیہ ۔ ۔ ۔ ۔	قلمی در کتب خانہ منشی نظام حسین مارہروی، در کتب خانہ حسین احمد مؤلف کتاب ہذا	نظام حسین زبیری کنگو کنبوی مارہروی	بعد شورش ۱۸۵۷ء	
۸۰	کتاب خیالات مارہرہ ۔ ۔ ۔	قلمی در کتب خانہ حسین احمد مؤلف کتاب ہذا	چودھری بہاؤ الدین زبیری کنبوی مارہروی	۔	وفات بعد ۱۸۵۷ء

نمبر سلسلہ	نام کتاب	مطبوعہ یا غیر مطبوعہ	نام مصنف	سنہ تالیف و تصنیف	ولادت و وفات مصنف
۸۱	تلخیص التواریخ ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ	مولوی مصطفیٰ زبیری کنگا کنبوی مرحوم	-	-
۸۲	خاندان حضرت زبیرؓ ۔ ۔	قلمی درکتب خانہ حسین احمد مؤلف کتاب ہذا	حسین احمد زبیری کنبوی	-	-
۸۳	سیرت سیدنا حضرت زبیرؓ حواری رسول اللہ صلعم	قلمی درکتب خانہ حسین احمد زبیری مؤلف کتاب ہذا	حسین احمد زبیری کنبوی	-	-
۸۴	سیرت امیر المومنین حضرت عبداللہ بن زبیرؓ	قلمی درکتب خانہ حسین احمد زبیری مؤلف کتاب ہذا	حسین احمد زبیری کنبوی	-	-
۸۵	سیر سیدنا حضرت مصعب بن زبیرؓ	〃 〃 〃	〃	-	-
۸۶	سیر سیدنا حضرت عروہ بن زبیرؓ	〃 〃 〃	〃	-	-
۸۷	زبیری سندھ میں ۔ ۔ ۔	〃 〃 〃	〃	-	-
۸۸	زبیری ہند میں ۔ ۔ ۔	〃 〃 〃	〃	-	-
۸۹	کلمات الصادقین ۔ ۔ ۔	〃 درکتب خانہ پنجاب یونیورسٹی	〃	-	-
۹۰	مجمع النفائس ۔ ۔ ۔ ۔	قلمی درکتب خانہ پنجاب یونیورسٹی و شاہی کتب خانہ رامپور	سراج الدین علی خاں آرزو	۱۱۶۴ھ ۱۷۵۱ء	ولادت ۱۱۰۱ھ وفات ربیع الثانی ۱۱۶۹ھ مطابق ۲۷ جنوری ۱۷۵۶ء
۹۱	صبح گلشن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ مطبع شاہجہانی بھوپال ۱۲۹۵ھ	سید علی حسن خان بہادر سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ فرزند نواب صدیق حسن خاں	۱۲۹۴ھ مطابق ۱۸۷۷ء	وفات ۱۳۵۵ ہجری مطابق ۱۹۳۶ء
۹۲	تاریخ پادری نش ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ	منشی	-	-
۹۳	کتاب پرشیا ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ لندن	لارڈ کرزن سابق وائسرائے ہند	-	-
۹۴	کتاب دوم تاریخ ہند ۔	مطبوعہ دارالطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن	مسٹر ہاشمی رکن دارالترجمہ سرکار عالی	-	-
۹۵	تاریخ آئینہ حقیقت نما حصہ اول	مطبوعہ یونائیٹڈ انڈیا پریس لکھنؤ	علامہ اکبر شاہ خاں نجیب آبادی	۱۹۲۶ء	وفات ۱۳۵۸ھ
۹۶	تاریخ الفنسٹن ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ	الفنسٹن	-	-
۹۷	کتاب جگ بیتی مترجمہ محمود علی خاں	مطبوعہ جید برقی پریس دہلی	پنڈت جواہر لال نہرو	۱۹۴۳ء	-
۹۸	خمخانۂ جاوید ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ دلی پرنٹنگ ورکس دہلی	لالہ سری رام ایم۔اے مصنف دہلوی آغاز ۱۹۰۱ء پہلی جلد ۱۹۰۷ء میں اور چوتھی ۱۹۲۳ء میں شائع ہوئی۔	-	وفات ۱۹۳۰ء
۹۹	خاندان زبیری کنبوی جلد دوم یعنی مؤلف تاریخ کمبوہان کی تحقیقات کا تجزیہ۔	درکتب خانہ حسین احمد زبیری مؤلف کتاب ہذا	حسین احمد زبیری کنبوی۔ ایڈیٹر منشی فیض احمد صاحب لشاہیر	-	-
۱۰۰	مضامین فرحت حصہ ششم	مطبوعہ عہد آفریں برقی پریس حیدرآباد دکن	مرزا فرحت اللہ بیگ	۱۳۶۰ھ ۱۹۴۱ء	-

نمبر سلسلہ	نام کتاب	مطبوعہ یا غیر مطبوعہ	نام مصنف	سنہ تالیف	ولادت و وفات مصنف
۱۰۱	گلزار ابراہیم ۔۔۔۔	قلمی در کتب خانہ رام پور	نواب ابراہیم خان بہادر نصیر جنگ تخلص خلیل	اختتام تصنیف ۱۱۹۸ھ ۱۷۸۴ء	وفات ۱۲۰۸ھ ہجری مطابق ۱۷۹۳ء
۱۰۲	مثنوی گلزار ارم یا گلشن ہند	مطبوعہ اول از اہتمام مولوی عبداللہ خان در ۱۹۰۶ء بعدہ از طرف انجمن ترقی اردو در ۱۹۳۴ء مطابق ۱۳۵۲ھ ہجری	مرزا علی المتخلص بہ لطف	اختتام ۱۲۱۵ھ ہجری مطابق ۱۸۰۱ء	وفات ۱۲۲۸ھ ہجری مطابق ۱۸۱۳ء
۱۰۳	تاریخ الامت جلد چہارم ۔۔۔	مطبوعہ	محمد اسلم جیراج پوری	۔۔	۔۔
۱۰۴	فتوح البلدان جزو دوم ۔۔	مطبوعہ ۔ دار الطبع جامعہ عثمانیہ ۱۳۵۹ھ ۱۹۴۰ء	احمد بن یحییٰ بن جابر الشہیر بالبلاذری	۔۔	وفات ۲۷۹ھ ہجری
۱۰۵	جغرافیہ افغانستان ۔۔ ۔۔	مطبع مفید عام لاہور ۱۳۰۶ھ	محمد حسین رئیس تدریسات افغانستان	۱۳۰۶ھ	۔۔
۱۰۶	بیاض جانفزا خاتمہ بیاض دلکشا	مطبوعہ مطبع مصطفائی اکبر آباد	۔۔	۔۔	۔۔
۱۰۷	شباب کشمیر ۔۔۔۔۔	مطبوعہ در رسالہ عالمگیر لاہور	محمد عبداللہ قریشی	ماہ ستمبر ۱۹۲۹ء	۔۔
	(اسلامی مدارس کی اجمالی تاریخ)				
۱۰۸	تاریخ اودھ جلد سوم ۔۔۔	مطبوعہ	حکیم نجم الغنی صاحب رامپوری	۱۹۲۳ء کے بعد	۔۔
۱۰۹	سوانح سلاطین اودھ ۔۔	مطبوعہ	کمال الدین حیدر حسینی الحسینی	۔۔	۔۔
۱۱۰	ادبی خطوط مرزا غالب ۔۔	مطبوعہ انوار المطابع لکھنؤ	مرزا محمد عسکری بی اے لکھنوی	۔۔	۔۔
۱۱۱	میرٹھ گزیٹیئر ۔۔۔۔۔	مطبوعہ	۔۔	۔۔	۔۔
۱۱۲	تذکرہ افغانی ۔۔۔۔	مطبوعہ		۔۔	۔۔
۱۱۳	سیر المتاخرین ۔۔۔۔۔	مطبوعہ	غلام حسین بن ہدایت علی خان اسد جنگ بن سید علیم اللہ خان طباطبائی	۱۱۹۴ھ بعد ۱۷۸۰ء	۔۔
۱۱۴	ریاض الفصحا تذکرہ ہندی گویان	مطبوعہ جامع برقی پریس دہلی	غلام ہمدانی مصحفی	آغاز ۱۲۰۰ھ ۱۷۸۶ء ختم ۱۲۰۹ھ	وفات ۱۲۴۰ھ ہجری مطابق ۱۸۲۴ء
۱۱۵	عقد ثریا یعنی فارسی گو شاعروں کا تذکرہ	قلمی ۔ در کتب خانہ رامپور			
۱۱۵	عقد ثریا یعنی فارسی گو شاعروں کا تذکرہ	قلمی ۔ در کتب خانہ رامپور	غلام ہمدانی مصحفی	ختم ۱۱۹۹ھ ۱۷۸۴ء ۱۷۸۵ء	وفات ۱۲۴۰ھ ۱۸۲۴ء
۱۱۶	عقد ثریا ۔۔۔۔۔۔	مطبوعہ	مرزا صفی الدین محمد المتخلص بہ صفائی	۔۔	۔۔
۱۱۷	آثار احمدی ۔۔۔۔۔	قلمی ۔ در کتب خانہ راقم کتاب ہذا حسین احمد زبیری گنگوہی	حکیم عنایت حسین صاحب زبیری مارہروی	۱۲۰۶ھ	ولادت محرم ۱۱۹۲ھ وفات جمادی الاول ۱۲۶۵ھ
۱۱۸	تذکرہ بہادران اسلام حصہ اول موسومہ فلاح امت	مطبوعہ سوتی پریس پنڈی بہاؤ الدین ضلع گجرات پنجاب	کرم الٰہی صوفی ٹیچنگی	۔۔	۔۔
۱۱۹	شرح قصاید عرفی ۔۔۔۔۔	قلمی ۔ در کتب خانہ دار الفلاح سید ظہیر الدین احمد زیدی مقیم دہلی	محمد شفیع سنبھلی زبیری	۱۱۱۱ھ	
۱۲۰	الفاروق ۔۔۔۔۔	مطبوعہ	علامہ شبلی نعمانی		ولادت ۱۸۵۷ء وفات ۱۹۱۴ء ۱۳۳۲ھ
۱۲۱	کشف الظنون ۔۔۔۔	مطبوعہ	حاجی خلیفہ مصطفیٰ بن عبداللہ کاتب چلپی	۔۔	وفات ۱۶۵۷ء

نمبر سلسلہ	نام کتاب	مطبوعہ یا غیر مطبوعہ	نام مصنف	سنہ تالیف	ولادت و وفات مصنف
۱۲۲	طبقات ابن سعد ۔ ۔ ۔	مطبوعہ ۔ لیدن یورپ	محمد ابن سعد	۔	ولادت ۱۶۵ھ وفات ۲۳۰ھ
۱۲۳	سیرۃ النبی صلعم ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ مطبع معارف اعظم گڈھ	علامہ شبلی نعمانی	۔	ولادت ۱۸۵۷ء وفات ۱۹۱۴ء ۱۳۳۲ھ
۱۲۴	ارمغان ہندوستان ۔ ۔	مطبوعہ گلشن آباد ناسک حاطہ بمبئی ۱۳۰۳ فصلی مطابق ۱۳۱۱ ہجری	مولوی سید خواجہ لطف علی شاہ صاحب مودودی افغانی ۔ ۱۳۱۱ ہجری	۔	۔
۱۲۵	رَوح السادی ۔ ۔ ۔ ۔	قلمی ۔ در سبحان اللہ خاں لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڈھ	سیف الدین بخاری پدر شیخ عبد الحق محدث دہلوی	۔	وفات ۹۹۰ ہجری
۱۲۶	خط موسومہ صاحب المشاہیر	قلمی	محررہ جناب خانصاحب حکیم نواب علی صاحب زبیری کنبوی امروہوی	۱۹۰۱ء	ولادت ۱۵ شوال ۱۲۸۶ ہجری
۱۲۷	ایک تحریر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	قلمی	صاحب المشاہیر	۱۸۸۹ء ۸ جنوری	۔
۱۲۸	حیات میر عبد الجلیل بلگرامی ۔ ۔	مطبوعہ ۔ الہ آباد ۱۹۲۹ء	سید مقبول احمد صمدانی	۔	۔
۱۲۹	انکشاف المعروف تنقید محمود	مطبوعہ ۔ حمایت اسلام پریس لاہور	سید محمد سراج الحق المتخلص بہ کلیمی	۱۳۵۲ھ	۔
۱۳۰	خط موسومہ حسین احمد زبیری	قلمی ۔ در کتب خانہ مؤلف کتاب ہذا	نواب خادم حسین صاحب	۔	۔
۱۳۱	خط موسومہ مسٹر امداد احمد خاں زبیری کنبوی ۔ بی ۔ اے	قلمی ۔ در کتب خانہ مؤلف کتاب ہذا	مولوی غلام یزدانی صاحب ناظم آثار قدیمہ مملکت آصفیہ دکن ۔	محررہ اورنگ آباد ۱۳۴۴ف	۔
۱۳۲	معارف ابن قتیبہ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ	ابن قتیبہ	۔	ولادت ۲۱۳ھ وفات ۲۷۶ھ
۱۳۳	کتاب المحبّر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ مطبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن	محمد بن حبیب (استاد ابن قتیبہ ۔)	۔	وفات ۲۴۵ ہجری
۱۳۴	تہذیب التہذیب ۔ ۔ ۔	مطبوعہ مطبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن	حافظ ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی بن محمد بن علی بن احمد مشہور بہ ابن حجر عسقلانی الکنانی الشافعیؒ		وفات ۲۴۵ ہجری
۱۳۵	کتاب الانساب امام سمعانی ۔	قلمی ۔ در کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن	حافظ ابو سعد عبد الکریم بن محمد المروزی الشافعی		وفات ۵۶۲ ہجری
۱۳۶	صحیح مسلم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ ۔ حمیدیہ پریس دہلی	ابو الحسن مسلم بن حجاج بن مسلم بن ورد بن کوشاد قشیری	۔	ولادت ۲۰۴ھ یا ۲۰۶ھ در نیشاپور وفات ۲۶۱ھ ۸۷۳ء در نیشاپور
۱۳۷	کتاب شہادت ضمیمہ دوم ۔ ۔	مطبوعہ ۔ کرزن گزٹ پریس دہلی	میرزا حیرت دہلوی	۔	۔
۱۳۸	جامع ترمذی ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ ۔ نولکشور پریس دہلی	محمد بن عیسیٰ ترمذی	۔	وفات ۲۶۳ھ
۱۳۹	مراۃ الخیال ۔ ۔ ۔ ۔	قلمی ۔ موجودہ کتب خانہ مؤلف کتاب ہذا	شیر خاں ابن علی امجد لودھی	۔	زمانہ شاہجہاں و عالمگیر
۱۴۰	الجرح والتعدیل الجزء الثالث	مطبوعہ مطبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن	امام ابی محمد عبد الرحمٰن	۔	وفات ۳۲۷ ہجری
۱۴۱	معجم المصنفین ۔ ۔ ۔ ۔	قلمی ۔ موجودہ در کتب خانہ دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن	علامہ محمود الحسن صاحب ٹونکی	۔	حیات
۱۴۲	تذکرۃ الواصلین ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ	محمد رضی الدین بسمل بدایونی پسر مولوی حکیم محمد سعید الدین مرقوم ۱۳۱۶	۔	

نمبر	نام کتاب	مطبوعہ یا غیر مطبوعہ	نام مصنف	سنہ تالیف	سنہ ولادت یا وفات مصنف
۱۴۳	مکتوبات احمدیہ دفتر ثالث	مطبوعہ	حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی	"	"
۱۴۴	حدیقۃ الاولیاء ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ مطبع نامی نولکشور لکھنؤ ۱۸۹۹ء	مفتی غلام سرور بہاری اسدی	"	"
۱۴۵	تذکرۃ الکرام تاریخ امروہہ کی جلد ثانی	مطبوعہ مجتبائی المطابع برقی پریس دہلی	محمود احمد امروہوی	۱۹۳۲ء	"
۱۴۶	احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم	مطبوعہ مطبع بریل شہر لیدن واقع ہالینڈ	علامہ شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن احمد ابن ابی بکر البنا الشامی والمقدسی المعروف بالبشاری	۳۷۵ھ	۹۹۸ء
۱۴۷	شمس التواریخ جلد چہارم ۔	مطبوعہ مطبع مطلع الانوار	"	"	"
۱۴۸	کتاب المسالک الممالک ۔	مطبوعہ ۔ جرمنی	ابوالقاسم ابن حوقل موصلی ۳۳۱ھ میں سفر پر روانہ ہوا۔	۳۵۹ھ ۹۷۶ء	۳۶۷ھ ہجری میں زندہ تھے
۱۴۹	سفرنامہ ملتان ۔ ۔ ۔ ۔	قلمی ۔ در کتب خانہ مؤلف کتاب ہذا	مسٹر احمد الدین ایم ۔ اے پروفیسر تاریخ	"	حیات
۱۵۰	انشائے ہرکرن ۔ ۔ ۔	قلمی ۔ در کتب خانہ سید ظہیر الدین امروہوی مقیم دہلی	ہرکرن ولد متھرا داس کنبوی ملتانی		
۱۵۱	تاریخ الخلفاء ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ	علامہ سیوطی		ولادت ۸۴۹ھ وفات ۹۱۱ھ
۱۵۲	تاریخ سادات امروہہ جلد اول	مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن ۱۹۳۴ء	جمال احمد عرف خصال احمد نقوی امروہوی	۱۹۳۴ء	
۱۵۳	کتاب بیاد الٰہی تیا نچہ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ چندر گپت پریس چاوڑی بازار دہلی	ریاض حسین نقوی الامروہوی	"	"
۱۵۴	نسب نامہ عباسیہ ۔ ۔	مطبوعہ ۔ ریاضی پریس امروہہ	ایضاً	"	"
۱۵۵	کتاب تجھے بول کا پول ۔ ۔	ایضاً	ایضاً	"	"
۱۵۶	امپیریل گزیٹیر ۔ ۔ ۔ ۔	۔	ڈاکٹر ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر ایل ۔ ایل ۔ ڈی سی ۔ آئی ۔ ای	"	"
۱۵۷	مؤلفہ تاریخ امروہہ کے حالات تحقیق	قلمی ۔ موجود در کتب خانہ مؤلف کتاب ہذا	مولوی محمد صبغت اللہ بی ۔ اے ٹیچر امروہہ	"	"
۱۵۸	مجموعہ لغات عرفی ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ ۔ نورالابصار پریس الہ آباد ۱۸۷۷ء	منشی سداسکھ لال	۱۸۷۷ء	
۱۵۹	اودھ کے بادشاہ دگر ۔ ۔ ۔	مطبوعہ مضمون در علی گڑھ میگزین	مولوی محمد امداد احمد صاحب زبیری کنبوی بی ۔ اے (علیگ) ڈپلوما ان ایجوکیشن (عثمانیہ)	نومبر دسمبر ۱۹۲۸ء	"
۱۶۰	سیر عالم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ شمس الاسلام پریس حیدرآباد دکن	محمد سراج الدین طالب	"	"
۱۶۱	تاریخ داؤدی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ برٹش میوزیم لندن سے حاصل کیا گیا ہے ۔	فوٹو ۔ در کتب خانہ دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن ۔	خواجہ عبداللہ	بزمانہ شہنشاہ جہانگیر	
۱۶۲	حیات شبلی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔	مطبوعہ مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۳۶۲ہجری مطابق ۱۹۴۳ء	سید سلیمان ندوی	"	حیات

نمبر شمار	نام کتاب	مطبوعہ یا غیر مطبوعہ	نام مصنف	زمانہ تصنیف	ولادت و وفات مصنف
۱۶۳	المسالک والممالک ۔۔ ۔۔	مطبوعہ	ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد الفارسی الاصطخری	۳۴۰ھ ۹۵۱ء	..
۱۶۴	رہنمائے مسافران ہند ۔۔	مطبوعہ۔ خادم التعلیم اسٹیم پریس لاہور	منشی محبوب عالم ایڈیٹر پیسہ اخبار لاہور	سنہ ۱۹۰۴ء	..
۱۶۵	الاحاطہ فی اخبار غرناطہ ۔۔	مطبوعہ حیدرآباد دکن در سنہ ۱۳۵۱ھ	الوزیر محمد لسان الدین الخطیب مترجمہ سید احمد اللہ ندوی	..	..
۱۶۶	کتاب سوویٹ رس سیاحت روس	مطبوعہ پبلشر لالہ لاجپت رائے اینڈ سنس	پنڈت جواہر لال نہرو	..	حیات
۱۶۷	کتاب باغبانی یعنی ترجمہ فری مینگرس مینول آف گارڈننگ	مطبوعہ مفید عام پریس آگرہ در سنہ ۱۹۱۸ء	..	..	..
۱۶۸	فوایدالفواد یعنی ملفوظ خواجگان چشت	مطبوعہ	حضرت خواجہ حسن سنجری	..	المتوفی سنہ ۷۳۵ ہجری
۱۶۹	تذکرہ مصنفین دہلی ۔۔ ۔۔	مطبوعہ مطبع تاریخ حیدرآباد دکن	شیخ عبدالحق محدث دہلوی	..	ولادت در سنہ ۹۵۸ھ وفات در سنہ ۱۰۵۲ھ
۱۷۰	مآثر الکرام موسومہ سرو آزاد ۔۔	مطبوعہ مطبع رفاہ عام لاہور	علامہ غلام علی آزاد بلگرامی	سنہ ۱۱۶۶ھ ۱۷۵۳ء	ولادت سنہ ۱۱۱۶ھ وفات سنہ ۱۲۰۰ھ
۱۷۱	آثار الصنادید ۔۔ ۔۔ ۔۔	مطبوعہ	سر سید احمد خاں دہلوی	..	وفات در سنہ ۱۳۱۵ھ ۱۸۹۸ء
۱۷۲	تذکرہ علمائے ہند ۔۔ ۔۔	مطبوعہ مطبع نولکشور پریس لکھنؤ در سنہ ۱۹۱۴ء	رحمان علی ممبر کونسل ریواں	..	
۱۷۳	یافعی ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔	مطبوعہ	علامہ ابو محمد عبداللہ ابن اسعد یافعی	..	وفات در سنہ ۷۶۷ھ
۱۷۴	طبقات الحفاظ ۔۔ ۔۔	مطبوعہ	حافظ ابوبکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی بن ثابت بغدادی معروف بہ خطیب	..	وفات در سنہ ۳۹۲ ہجری
۱۷۵	تذکرہ حافظ ذہبی ۔۔ ۔۔ ۔۔	مطبوعہ	حافظ شمس الدین محمد بن احمد الذہبی	..	وفات در سنہ ۱۳۴۸ء
۱۷۶	خصایص الکبریٰ ۔۔ ۔۔ ۔۔	مطبوعہ	از علامہ جلال الدین سیوطی اصلی نام عبدالرحمٰن بن الکمال بن ابی بکر بن محمد بن سابق الدین		ولادت در سنہ ۸۴۹ھ وفات در سنہ ۹۱۱ھ
۱۷۷	عجایب الہند ۔۔ ۔۔ ۔۔	مطبوعہ	بزرگ بن شہریار	سنہ ۳۰۴ھ	..
۱۷۸	یعقوبی ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔	مطبوعہ	محمد بن یعقوب بن واضح کاتب عباسی	سنہ ۲۷۷ھ ۸۷۴ء	..
۱۷۹	یادانوار ۔۔ ۔۔ ۔۔	مطبوعہ مسلم یونیورسٹی پریس علی گڈھ	محمد امین سابق مہتمم تاریخ ریاست بھوپال	سنہ ۱۹۳۶ء	حیات
۱۸۰	سیر حامدی یعنی سفرنامہ نواب صاحب ریاست رامپور	مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ	نواب حامد علی خاں والئی ریاست رامپور	..	..
۱۸۱	فہرست کتب خانہ بانکی پور ۔۔	مطبوعہ	منتظم کتب خانہ بانکی پور	..	..
۱۸۲	ہینڈبک فار ٹریولرز ان فرانس ۔۔	ناشر جان مترگولک نیوی اینڈ کو پیرس	اسٹارسن اینڈ زیویر	سنہ ۱۸۵۲ء	..
۱۸۳	آئینۂ محمدی ۔۔ ۔۔ ۔۔	..	حادثی بدخشی	..	..
۱۸۴	سفرنامہ او گنڈا و ممباسہ ۔۔	مطبوعہ خادم التعلیم اسٹیم پریس لاہور	..	..	..
۱۸۵	تاریخ سیر المتقدمین یعنی حالات روما	مطبوعہ	مترجمہ محمد سعید خاں	..	..
۱۸۶	کاشف الاستار ۔۔ ۔۔	قلمی۔ نزد سید احسن صاحب مارہروی	حضرت شاہ محمد حمزہ صاحب مارہروی	..	وفات در سنہ ۱۱۹۸ ہجری

نمبر شمار	نام کتاب	مطبوعہ یا غیر مطبوعہ	نام مصنف	زمانہ تصنیف	ولادت و وفات مصنف
۱۸۷	برکات الاولیاء - - - -	مطبوعہ افضل المطابع دہلی در ۱۳۲۲ھ	سید امام صاحب گلشن آبادی	-	-
۱۸۸	تاریخ بلوچستان - - -	مطبوعہ در ۱۹۰۷ء	ہیتو رام رائے بہادر سی۔ آئی ای ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر نائب پولیٹکل ایجنٹ بلوچستان	-	-
۱۸۹	کتاب شہادت - - -	مطبوعہ کرزن گزٹ پریس دہلی	میرزا حیرت دہلوی	-	-
۱۹۰	انساب الخلافہ ترجمہ سبائک الذہب - - - - - -	مطبوعہ	علامہ شہاب الدین ابی العباس علامہ ابو الفوز محمد امین السویدی	-	-
۱۹۱	خطبات عالیہ - - -	مطبوعہ مسلم یونیورسٹی پریس علی گڑھ	حاجی منشی انوار احمد رضا زبیری مارہروی	۱۹۲۷ء / ۱۳۴۶ھ	وفات در ۱۹۳۴ء
۱۹۲	الفخری فی آداب السلطانیہ و الدول الاسلامیہ	مطبوعہ بیروت در ۱۸۶۰ء	محمد بن علی طباطبا المعروف بہ ابن الطقطقی	-	وفات در ۷۲۰ھ ہجری
۱۹۳	چچ نامہ - - - - - -	مطبوعہ مطبع لطیفی دہلی۔ در ۱۳۵۸ھ / ۱۹۳۹ء	علی بن حامد ابو بکر الکوفی	چھٹی صدی ہجری	-
۱۹۴	انڈیا - - - - - -	مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس	کرنل تھامس ہنگر فورڈ ہولڈچ	-	-
۱۹۵	دستور الفصاحت - - -	مطبوعہ	حکیم سید احمد علی یکتا لکھنوی	-	-
۱۹۶	تاریخ عروج سلطنت انگلشیہ	مطبوعہ شمس المطابع دہلی در ۱۹۰۴ء / ۱۳۲۲ھ	شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ دہلوی	-	-
۱۹۷	تحفہ اثنا عشریہ - - - -	قلمی در کتب خانہ مؤلف کتاب ہذا	مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی	-	-
۱۹۸	ہیپی آف انڈیا - - -	مطبوعہ	لالہ لاجپت رائے	-	-
۱۹۹	پریچنگ آف اسلام - -	مطبوعہ	پروفیسر مسٹر آرنلڈ	-	وفات در ۱۹۳۰ء
۲۰۰	ڈائی فیملی الزبیریہ - -	مطبوعہ جرمنی در ۱۸۶۵ء	جرمن مستشرق ایف وسٹن فیلڈ		-
۲۰۱	سفینۂ مالیری - - - -	مطبوعہ مطبع صدیقی لاہور در ۱۹۰۲ء / ۱۳۱۹ھ	عبد اللہ مالیری	-	-
۲۰۲	تاریخ ہند - - - -	مطبوعہ	لالہ لاجپت رائے	-	-
۲۰۳	تاریخ کمبوہان - - -	مطبوعہ	چودہری وہاب الدین امرتسری	-	-
۲۰۴	ترجمان القرآن - - -	مطبوعہ	مولانا ابو الکلام آزاد	-	حیات
۲۰۵	تاریخ عرب قدیم - - -	مطبوعہ	علامہ عبد اللہ عمادی	-	وفات در ۱۳۶۶ھ
۲۰۶	مرقع اکبر آباد آگرہ - - -	مطبوعہ مطبع اکبری آگرہ	مولانا سعید احمد صاحب زبیری مارہروی	۱۹۱۶ء	-
۲۰۷	کتاب چنگیز خاں - - -	مطبوعہ مطبع معارف اعظم گڑھ	ہیرلڈ لیمب مترجمہ محمد عنایت اللہ	-	-
۲۰۸	سفرنامہ ملتان - - - -	قلمی۔ موجود در کتب خانہ مؤلف کتاب ہذا	منشی احمد الدین ایم۔ اے۔ پروفیسر تاریخ	-	حیات

(۲۰۹) اخبار الطوال (۲۱۰) ابن الرقیات (۲۱۱) کتاب مسلمانوں کا روشن مستقبل (۲۱۲) عقد الفرید (۲۱۳) مسند امام احمد حنبل وغیرہ وغیرہ۔

فہرست رسائل۔ اخبارات و نقشہ جات

(۱) رسالہ معارف اعظم گڈھ بابت ماہ جون سنہ ۱۹۲۴ء و اکتوبر سنہ ۱۹۲۶ء و ۷ رجب سنہ ۱۳۵۳ ہجری مطابق نومبر سنہ ۱۹۳۴ء و اگست سنہ ۱۹۳۸ء ”

(۲) رسالہ عالمگیر لاہور سالانہ نمبر و ماہ ستمبر سنہ ۱۹۲۹ء و سنہ ۱۹۳۶ء ۔

(۳) اورینٹل کالج میگزین لاہور بابت ماہ اگست سنہ ۱۹۳۱ء و مئی سنہ ۱۹۳۳ء و اگست سنہ ۱۹۳۴ء و نومبر سنہ ۱۹۳۴ء و مئی سنہ ۱۹۳۷ء و فروری سنہ ۱۹۳۸ء ”

(۴) رسالہ زمانہ کانپور بابت ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۰۵ء و مئی سنہ ۱۹۳۶ء ”

(۵) رسالہ عبرت نجیب آباد ضلع بجنور ”

(۶) رسالہ کائنات لاہور بابت ماہ دسمبر سنہ ۱۹۳۱ء و سالنامہ سنہ ۱۹۳۳ء ”

(۷) رسالہ فاران بجنور بابت ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۳۶ء و نومبر سنہ ۱۹۳۶ء و جنوری سنہ ۱۹۳۷ء و فروری سنہ ۱۹۳۷ء ”

(۸) رسالہ دلگداز لاہور ۱۵ جون سنہ ۱۹۳۷ء ”

(۹) رسالہ القریش امرتسر بابت ماہ جون سنہ ۱۹۱۷ء و جون سنہ ۱۹۲۳ء و دسمبر سنہ ۱۹۲۴ء و مارچ سنہ ۱۹۳۰ء و اپریل سنہ ۱۹۳۰ء ” ✓

(۱۰) رسالہ مولوی دہلی بابت ماہ شوال سنہ ۱۳۵۴ ہجری و جمادی الاوّل سنہ ۱۳۵۶ ہجری ”

(۱۱) رسالہ الاصلاح سرائے میر اعظم گڈھ بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۳۷ء ”

(۱۲) رسالہ الفرقان دہلی۔ ولی اللہ نمبر ”

(۱۳) رسالہ مجلۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن جلد ۱۱ شمارہ (۱ و ۲) ”

(۱۴) رسالہ صوفی پنڈی بہاؤالدین ضلع گجرات پنجاب بابتہ ماہ جولائی و اگست سنہ ۱۹۳۲ء ”

(۱۵) رسالہ آدابِ نسواں دہلی بابت ماہ جولائی سنہ ۱۹۴۳ء ”

(۱۶) رسالہ مصنف علی گڈھ ”

(۱۷) رسالہ زبیری دہلی سنہ ۱۹۳۴ء ”

(۱۸) رسالہ شہاب حیدرآباد دکن بابت ماہ ستمبر سنہ ۱۹۳۶ء ”

(۱۹) رسالہ تاریخ حیدرآباد دکن بابت ماہ جون سنہ ۱۹۴۰ء ” وغیرہ

اخبارات

(۱) روزنامہ رہبر دکن حیدرآباد دکن ۲۸ اپریل سنہ ۱۹۳۷ء و یکم جولائی سنہ ۱۹۳۷ء و ۳ اکتوبر سنہ ۱۹۳۸ء و ۶ جنوری سنہ ۱۹۴۰ء ”

(۲) اخبار البشیر اٹاوہ ۲ مئی سنہ ۱۹۳۳ء و ۲۰ جون سنہ ۱۹۳۹ء ”

(۳) اخبار شحنۂ ہند و طوطئ ہند شہر میرٹھ سنہ ۱۹۰۰ء ”

(۴) روزنامہ صحیفہ حیدرآباد دکن ۲۲ فروری سنہ ۱۹۳۶ء ”

(۵) روزنامہ انقلاب لاہور۔ ۵ فروری و ۹ فروری و ۲۲ فروری و ۲۸ فروری سنہ ۱۹۳۶ء و ۱۷ فروری و ۲۸ فروری و ۵ مارچ و ۱۰ اپریل و ۱۰ جولائی و ۲۰ جولائی و ۱۸ اگست و ۱۰ ستمبر و ۹ نومبر و ۱۷ نومبر و ۱۸ نومبر و ۲۵ نومبر سنہ ۱۹۳۷ء و ۲۰ ستمبر و ۳۰ نومبر سنہ ۱۹۳۸ء و ۴ جنوری و ۱۷ مئی و ۲۴ جولائی و ۵ ستمبر سنہ ۱۹۳۹ء ”

(۶) اسٹیٹسمین ۸ جون سنہ ۱۹۲۸ء ”

(۷) اخبار الامان دہلی۔ ۲۸ جون ۱۹۳۵ء
(۸) اخبار مدینہ بجنور۔ ۲ مارچ ۱۹۳۹ء
(۹) اخبار الجمعیتہ دہلی۔ ۲۰ اپریل ۱۹۴۹ء۔ وغیرہ۔

نقشہ جات

(۱) اٹلس مطبوعہ دی کلکتہ پرنٹنگ کمپنی لمیٹیڈ ۱۹۴۱ء۔ مرتبہ سید شرف الدین ایم۔اے۔بی۔ٹی۔ حیدرآباد دکن
(۲) نقشہ سٹی اسٹیٹس آف انشینٹ انڈیا مندرجہ السٹریٹیڈ ویکلی آف انڈیا ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۰ء صفحہ ۲۵ از کے۔ وی۔ راما سوامی
(۳) نقشہ لشلو ایسٹ آف ماؤنٹ ایورسٹ مندرجہ بمبئی کرانیکل سنڈے ایڈیشن ۲۲ اگست ۱۹۳۷ء صفحہ ۱
(۴) نقشہ بلاد السندھ از کتاب انڈیا مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس انگلستان۔ مرتبہ کرنل تھامس ہنگرفورڈ
(۵) نقشہ مملکت آصفیہ دکن۔ (مرتبہ محمد سلطان)
(۶) نقشہ کتاب ریلوینز گائڈ۔ مرتبہ سید معصوم علی سبزواری
(۷) ایڈورٹائزمینٹس اِن روڈ ٹرانسپورٹ پاکٹ ٹائم ٹیبلس یا ایڈیکس پلیسنر روڈ۔ از ایچ ای ایچ دی نظامس اسسٹنٹ ریلوے روڈ موٹر سروس۔
(۸) نقشہ ریلوے جات ہندوستان ۳۱ مارچ ۱۹۲۶ء مرتبہ زیر نگرانی کرنل کمانڈنٹ ای۔اے۔ٹنڈے رائل انجنیر سروئیر جنرل ہندوستان۔
(۹) فرانسیسی اٹلس کلاں موجود در کتب خانہ مؤلف کتاب ہذا
(۱۰) میکملین اٹلس
(۱۱) دیگر نقشے اور اٹلسیں

═══ ✻ ═══

کتاب کے ملنے کا پتہ

(۱) منشی صادق حسین صاحب زبیری

مکان ۳۵ محلہ سرائے نجیب نگر شہر میرٹھ (یوپی)

(۲) مولوی حسن احمد صاحب زبیری

محلہ گلکنڈی آشیانہ قریب درگاہ حبیب علی شاہ حیدرآباد دکن

(۳) مولوی محمد زبیر صاحب

سول لائن ۔ بدر باغ ۔ فرحت منزل ۔ علیگڑھ (یوپی)

(۴) مسٹر ایم میاں زبیری

فردوس جنرل اسٹورس ۔ اسلامیہ وقف بلڈنگ

پنجابی مینشن ۔ فریئر روڈ ۔ کراچی ۔ (پاکستان)